ٹوٹا ہوا تارہ



سمیرا شریف طور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

قسط نمبر 1

ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

سپنوں سے دل لگانے کی عادت نہیں رہی
ہر وقت مسکرانے کی عادت نہیں رہی
یہ سوچ کر کہ کوئی منانے آئے
اب ہم میں روٹھ جانے کی عادت نہیں رہی

قارئین کے نام

السلام علیکم!

مزاج بخیر! ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کے بعد ''ٹوٹا ہوا تارا'' میرا یہ دوسرا طویل ترین ناول ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ گزشتہ ناول کو جس طرح آپ بہنوں نے سراہا اور پسند کیا میرا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ یہ میری دوسری کاوش ہے۔

''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کچی عمر کی لکھی کہانی تھی۔ چار پانچ اقساط پر مبنی کہانی جس کے کردار زرش اور سمعان احمد کے خاندان کے کرداروں پر مشتمل تھے۔ میرے پاس لکھی وہ کہانی اپنی تمام تر منظر نگاری اور مکالمہ بازی سمیت سامنے موجود تھی اور جب قسط وار طویل ناول کی صورت میں لکھنا پڑا تو صرف نوریہ اور دیگر کے کرداروں کے اضافے کے علاوہ مجھے ذرا بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا نتیجہ اختتام تک آپ لوگوں کے سامنے تھا' ناول سپرہٹ تھا۔

جب کہ ''ٹوٹا ہوا تارا'' اسی دور کی ایک کہانی ہے جس کا خلاصہ تو لکھا مگر اس قدر مختصر کہ...... اب جب کہ قسط وار ناول کا آغاز کر رہی تھی تو مجھے ایک دفعہ پھر اس کا پلاٹ' کرداروں' مکالموں کے ساتھ ساتھ مجموعی تاثر کو برقرار رکھنے میں خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے۔ یہ کہانی بھی فیملی کہانی ہے مگر تھوڑی تبدیلی کے ساتھ۔ وقت اس قدر تیز رفتاری سے بدل رہا ہے کہ قدریں تو ایک طرف انسان اپنی تخلیق کا اصل مقصد فراموش کر کے کہیں اور گم ہو چکے ہیں اور یہ کہانی آپ کو بتائے گی۔ کہانی کے تعارف سے آپ لوگوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کس قسم کی کہانی ہو سکتی ہے؟

اس کہانی میں اصل میں ٹوٹا ہوا تارا کون ہے؟ اس کا فیصلہ آپ لوگوں نے کرنا ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ کہانی میں آپ لوگوں کی توجہ و دلچسپی برقرار رکھوں اور تجسس آخر تک برقرار رہے۔

یہ تین جنریشنز پر مشتمل کہانی ہے۔

باباصاحب' تابندہ بوا کا ماضی اور ولید' مصطفیٰ لوگوں کا حال یہ تین ادوار پر بننے والی داستان ہے۔ مصطفیٰ' ولید' روشانے' شہواز' سکندر' تابندہ بی بی' ضیاء احمد اور باباصاحب ان میں ٹوٹا ہوا تارا کون ہے؟ حال و ماضی کی یکساں کہانی...... یا پھر ایک دلچسپ و تجسس کے عناصر سے سجی دلچسپ داستان؟ میرا کوئی دعویٰ نہیں ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کے متعلق دعویٰ تھا کہ وہ شاہکار ہوتا اور اس کے متعلق کوشش کروں گی کہ یہ اس سے بڑھ کر ثابت ہو۔

کہانی کیسی لگتی ہے؟ اپنا فیڈ بیک دیتے رہیے گا۔ آپ کی ہر طرح کی تنقیدی آراء میرے لیے مشعل راہ رہیں گی۔ اچھی بری ہر طرح کی رائے سے نوازتے رہیے گا' اللہ حافظ۔

اللہ ہم سب کو دین و ایمان کی دولت سے نوازے' آمین۔

دعاؤں کی طالب
آپ کی اپنی
سمیرا شریف طور

......☆☆☆......

''تم میرے رشتوں کے قاتل ہو۔'' کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ نجانے آواز کہاں سے آ رہی تھی ان کے سامنے تو لق و دق صحرا تھا' میلوں تک پھیلا صحرا۔ آگ برساتا سورج سر پر تھا اور تپتی جھلستی ریت پاؤں تلے تھی۔

چوہدری حیات علی کو لگ رہا تھا کہ آج روزِ قیامت ہے' حساب کا دن ہے۔ انہیں آج اپنے کیے کی سزا ملنے والی ہے۔ وہ چیخ پکار رہے تھے۔ اپنی ساری اولاد کو' اپنی بیوی کو جو برسوں پہلے منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔ مگر کوئی ان کی آواز سن کر نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ چیخ چیخ کر ان کا حلق دکھنے لگا۔ بھاگتے دوڑتے وہ گر رہے تھے' گرم جھلستی ریت ان کا بدن جھلسا رہی تھی۔

''تم نے مجھے گندگی کا ڈھیر بنا دیا ہے' تم صرف اور صرف قاتل ہو۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... میں تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' نجانے یہ آوازیں کہاں سے آ رہی تھیں۔ اب کے چوہدری حیات علی چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔

''نواز علی...... شاہ زیب علی...... حسن علی......'' وہ اپنے بیٹوں کو چیخ چیخ کر بلا رہے تھے مگر ارد گرد خونخوار آوازوں کے علاوہ ان کی آواز کی صرف بازگشت تھی۔ وہ تھک ہار کر تپتی ریت پر گر گئے تھے اور تبھی انہیں لگا آسمان سے کوئی شعلہ لپکا ہے۔

''نہیں......'' کمرے کے در و دیوار ان کی چیخوں سے گونج اٹھے تھے۔

''چوہدری صاحب! کیا ہوا...... کیا ہوا چوہدری صاحب؟'' بخشو حواس باختہ انہیں جھنجوڑ رہا تھا وہ ایک دم ہڑبڑا کر آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھنے لگے۔

وہ تو تپتے آگ اگلتے صحرا میں برہنہ پا گرے ہوئے تھے تو پھر یہ کون سی جگہ تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اپنے سامنے موجود انسان کو دیکھ رہے تھے۔

''چوہدری صاحب لگتا ہے خواب میں ڈر گئے ہیں۔ لیں یہ پانی پئیں۔'' اس نے گلاس بھر کر پانی پیش کیا تھا۔

چوہدری صاحب کو لگا ان کا گلا دکھ رہا ہے۔ جیسے چیخ چیخ کر خراشیں پڑ چکی ہیں۔ صحرا کی گرمی و تپش اور آگ برساتا سورج انہیں ایک دم شدت سے پیاس کا احساس ہوا۔ انہوں نے ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس ختم کیا تھا' وہ لاشعور سے شعور کی طرف پلٹ رہے تھے۔ انہیں ماحول اور ارد گرد موجود چیزوں کی شناخت ہو رہی تھی۔

وہ کسی لق و دق صحرا میں نہیں ایک قیمتی ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ کمرے میں اپنے جہازی بستر پر دراز تھے۔ ان کا وفادار ملازم بخشو انہیں تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو وہ دیکھ رہے تھے وہ ایک خواب تھا ایک بھیانک خواب۔

ان بھیانک خوابوں کا سلسلہ پچھلے کئی سالوں سے چل رہا تھا مگر پہلے پہل وہ ڈر کر چیخ کر اٹھتے نہیں تھے یہ تو پچھلے تین چار سالوں سے ان کا احساسِ ندامت گناہ کا روپ دھارنے کے بعد اب ہر لمحے انہیں دھمکانے آ جاتا تھا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی ابھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''بخشو......!'' ساتھ ہی نسوانی آواز ابھری تھی۔

''جی تابندہ بوا!'' بخشو اٹھ کر دروازے تک گیا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ تابندہ بوا چادر میں منہ چھپائے کھڑی تھیں شاید چوہدری صاحب کی چیخیں سن کر وہ بھی اٹھ کر آ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے؟ چوہدری صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' بڑے شائستہ لب و لہجے میں اپنے اس مخصوص مؤدبانہ انداز میں وہ استفسار کر رہی تھیں۔ بخشو نے سر ہلا دیا تھا۔

''جی بوا! آپ کو پتا ہے وہ اکثر خواب میں ڈر جاتے ہیں۔ ابھی نارمل نہیں ہوئے کچھ وقت لگ جائے گا۔ طبیعت البتہ ٹھیک ہے۔'' وہی مخصوص الفاظ تھے تابندہ بوا نے سر ہلا دیا تھا۔

''ان کو نیند کی گولی دے کر سلا دو اور ہاں صبح کسی سے بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' تابندہ بوا نے مخصوص ہدایت سے نوازا تو بخشو نے فوراً سر ہلایا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا چوہدری صاحب نیند کی گولی نہیں لیں گے۔ وہ اس خواب کے بعد ہمیشہ وضو کر کے اللہ کے حضور رو رو کر گڑگڑاتے پتا نہیں اپنے کن گناہوں کی معافی مانگتے رہتے تھے اور پھر کئی ہفتے تک یہ سلسلہ چلتا تھا اور پھر جب چوہدری صاحب نارمل ہو کر دوبارہ زندگی کی دلچسپیوں کو محسوس کرنے لگتے تھے تو پھر یہی خواب آنے لگتا اور پھر وہی اذیت ناک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اسے اس حویلی میں کام کرتے دس سال ہو گئے تھے۔ ان دس سالوں میں جہاں وہ حویلی کے ہر راز سے واقف ہوا تھا' وہیں وہ چوہدری صاحب کی ذات اور تابندہ بوا کے کرداروں سے ضرور الجھا تھا۔ نجانے کیوں اسے یہ دونوں کردار متجسس لگتے تھے۔

تابندہ بوا کون تھیں اسے قطعی علم نہ تھا' بس اتنا جانتا تھا کہ نواز علی اور حسن علی کو ان کے وجود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہاں شاہ زیب علی صاحب کو تابندہ بوا سے خصوصی لگاؤ تھا۔ تابندہ بوا انہیں بھائی صاحب کہتی تھیں۔ تابندہ بوا چوہدری صاحب کی حقیقی بیٹی تھیں' سوتیلی یا کوئی رشتہ دار آج تک علم نہ ہو سکا تھا۔ یہ دونوں کردار خاصے پُراسرار تھے مگر بخشو کو ان دونوں سے بہت لگاؤ اور محبت تھی۔

تابندہ بوا کو مطمئن کرنے کے بعد وہ اپنے خیالات کو جھٹکتے واپس کمرے میں لوٹا تو ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ چوہدری صاحب اب جائے نماز بچھائے سجدے میں گڑگڑاتے رو رو کر معافی مانگ رہے تھے نجانے کن گناہوں کی۔ ہمیشہ کی طرح اسے چوہدری صاحب کی شخصیت مزید پُراسرار لگی۔ وہ خاموشی سے جا کر اپنے فرشی بستر پر لیٹ گیا۔ چوہدری صاحب کی حالت کے پیشِ نظر چوہدری شاہ زیب علی کی خصوصی ہدایت تھی کہ وہ ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرے سائے کی طرح ان کی حفاظت کرے۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بناڈالا

وہ جیسے ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی ساتھ والے ٹیرس سے آتی دھیمے سروں میں خوب صورت الفاظ پر مشتمل آواز انا وقار احمد کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ گئی تھی۔ اس کے قدم بے اختیار ٹھٹکے تھے۔

یہ غزل وقار احمد اور اس کی ماما کو بہت پسند تھی۔ دو سال پہلے ضیاء انکل جب پاکستان آئے تھے تو ان کے کمرے میں دن رات صرف یہی غزل گونجا کرتی تھی۔ نجانے اس غزل میں ایسی کیا خاص بات تھی جو سارے کا سارا خاندان ہی اس کا دیوانہ تھا۔ انا وقار احمد کا تجسس ایک دم بڑھا۔

بڑا دلکش' بڑا رنگین یہ شاعر کہتے ہیں
یہاں ہیں ہزاروں گھر' گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر کی گلیوں نے بنجارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

انا وقار نے ٹیرس کی سیڑھیوں کی طرف نگاہ ڈالی اور پھر ریلنگ کی طرف ٹیرس کے ساتھ والا کمرہ اگر ولید ضیاء احمد کا نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتی کہ ضیاء انکل کے کمرے میں یہ ریکارڈ بج رہا ہے۔

''حیرت ہے اس غزل کے سارے دیوانے ہمارے ہی خاندان میں پیدا ہوگئے۔'' ٹیرس کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے وہ جلدی جلدی اترنے لگی تھی۔

میرے مالک میرا دل کیوں تڑپتا ہے' سلگتا ہے
تیری مرضی' تیری مرضی پہ کس کا زور چلتا ہے
کسی کو گل اور کسی کو تو نے انگارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

جلدی سے تیز قدموں سے دوسرے ٹیرس کی سیڑھیاں چڑھ کر اس نے کمرے کے سامنے جا کر دم لیا تھا۔

ضیاء انکل کا یہ پورشن ان کے پورشن کے ساتھ کچھ اس طرح ملحق تھا کہ دونوں پورشنز کے درمیان ہر کمرے کا ٹیرس دوسرے ٹیرس سے سیڑھیوں کی مدد سے اگر جدا تھا تو کمروں کی دیواریں اس طرح ساتھ تھیں کہ دونوں پورشنز علیحدہ محسوس نہیں ہوتے تھے۔ دروازہ نیم وا تھا۔

اس شخص کو پاکستان آئے صرف ہفتہ ہی ہوا تھا۔ مگر انا وقار احمد کو لگ رہا تھا کہ جیسے پچھلے چند سال درمیان میں آئے ہی نہ ہوں۔

میں اس دنیا کو دیکھ کر اکثر حیران ہوتا ہوں
نہ مجھ سے بن سکا چھوٹا سا گھر' دن رات روتا ہوں
خدایا تو نے کیسے یہ جہاں سارا بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

ریکارڈ بجنا بند ہو چکا تھا۔ کمرے میں اب مکمل خاموشی تھی۔

اس نے دھیرے سے دروازے کو ناک کیا تھا۔

''یس......!'' بھاری گمبھیر آواز پر انا وقار احمد کو لگا اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی ہیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تھا۔

''میں اندر آ جاؤں؟'' جھجکتے ہوئے استفسار کیا تھا ولید جو ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا نے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ انا وقار احمد دہلیز پر ایستادہ تھی۔

''محترمہ! آپ اندر آ چکی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو چند قدم مزید آگے بڑھ آئی تھی۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' اسے یوں تک سک سے تیار کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا تو وہ خود پر بڑی فراوانی سے پرفیوم کرتا پلٹا۔

''یس......'' اس نے مختصراً کہہ کر پرفیوم کی شیشی ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ لائٹ پنک کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ اور ٹائی میں اپنے دراز قد سمیت وہ پورے ماحول میں نمایاں تھا۔ تیاری بتا رہی تھی کہ یہ خصوصی اہتمام کسی خصوصی نوعیت کا ہی تھا۔ بطور خاص ڈریسنگ' وہ تو عام حلیے میں بھی دلوں پر قیامت ڈھانے کا ہنر جانتا تھا آج تو اور بھی مین ٹین کیا ہوا تھا خود کو۔ نجانے آج قیامت کس دل پر ڈھائی تھی۔

انا وقار احمد کو اپنے اعصاب خاصے مشتعل ہوتے محسوس ہوئے۔ دل کی دھڑکن مس ہوئی تو اسے خود کو سمجھانا مشکل لگنے لگا۔

''کوئی خاص میٹنگ ہے یا......؟'' سوال خود بخود اس کے لبوں پر در آیا تھا۔ ولید ضیاء نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کی تیاری مکمل تھی وہ اب اپنا موبائل اور والٹ چیک کر رہا تھا۔

''ایک فرینڈ کے ساتھ ڈنر کا پروگرام ہے۔'' اس نے کل ہی انکل ضیاء کے ساتھ باقاعدہ ان کا آفس جوائن کیا تھا۔ ساری عمر امریکہ جیسے ملک میں گزار کر آنے والا شخص ایک دم دوستی کرنے لگا تھا اسے تعجب ہوا تھا۔

''کوئی نیا دوست ہے؟'' دل میں کلبلاتا سوال لبوں پر آ گیا تھا۔ اس نے والٹ چیک کر کے پینٹ کی جیب میں رکھتے اسے دیکھا۔ ہلکے میرون ڈھیلے ڈھالے سراپا میں کھڑی وہ استفسار کر رہی تھی۔

''نہیں! مصطفیٰ ہے...... مصطفیٰ شاہ زیب علی!''

''اچھا مصطفیٰ بھائی! جن کا اپارٹمنٹ امریکہ میں ہمارے گھر کے سامنے تھا' وہی نا جن سے آپ اور احسن بھائی کی بڑی کلوز فرینڈ شپ تھی۔'' اسے سب یاد آتا چلا گیا تو ولید نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''یس! بڑی اچھی یادداشت ہے تمہاری۔ یہ تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے۔''

''وہ آپ کو یہاں کہاں مل گئے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ دو سال پہلے ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے بعد پاکستان شفٹ ہو گیا تھا اس کی ساری فیملی اسی شہر میں رہتی ہے۔ ٹیلی فونک رابطہ تو رہتا ہی تھا ہمارا۔ بس پاکستان آنے کے بعد پہلی بار اس سے ملنے جا رہا ہوں۔'' اس نے تفصیلی جواب دیا تو انا وقار احمد نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

تبھی روشنی دروازہ ناک کرتی اندر آ گئی تھی۔ وہ انا کو دیکھ کر ٹھٹکی پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

''وہ صبوحی پھوپو کہہ رہی ہیں کہ چائے تیار ہے آ جائیں۔'' اس نے انا کی ماما کا پیغام دیا تھا۔ ولید نے اپنی کلائی پر گھڑی دیکھی' شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

''سوری ڈیئر! پھوپو کو منع کردو تمہیں بتایا تو تھا کہ میرا مصطفیٰ کے ساتھ پروگرام طے ہے۔ اس وقت میں ادھر ہی جارہا ہوں اگر چائے پینے رکا تو لیٹ ہوجاؤں گا۔'' اس نے سہولت سے منع کیا تھا۔ روشنی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''واپسی کب تک ہوگی۔ اگر بابا پوچھیں تو کیا کہوں؟''

''میں کال کردوں گا اور بابا اس وقت کہاں ہیں؟''

''انکل اور پھوپو کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ صغریٰ انا کے کمرے میں گئی تھی جب کہ احسن بھائی بھی وہاں آگئے تھے۔ اس لیے میں آپ کو بلانے آئی تھی۔''

''میں بس یونہی ادھر آنکلی تو رک گئی تھی۔'' انا نے فوراً اپنے رکنے کی وضاحت کی تھی۔

''اوکے گرلز! پھوپو سے معذرت کرلینا۔ روشنی! میں چلتا ہوں دیر سویر ہوگئی تو کال کرلوں گا۔'' روشنی نے سر ہلا دیا تھا۔ ولید پیار سے بہن کے بالوں کو چھیڑتے کمرے سے نکلا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ پرفیوم کی مہک ابھی تک حواس پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ روشنی کے ہمراہ اپنے پورشن میں آگئی تھی۔

''یہ نا تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا''

نجانے کیا موضوع بحث تھا ضیاء ماموں کی آواز پر دونوں چونکی تھیں۔ ضیاء ماموں بڑے باذوق انسان تھے۔ اکثر اوقات وہ فی البدیہہ اشعار کا استعمال کرتے رہتے تھے۔ انا کے لبوں پر مسکراہٹ مچل اٹھی تھی۔

''اگر اور جیتے رہتے تو یہی انتظار ہوتا''

اس نے بڑی شرارت سے ماموں کے عقب میں جاکر شعر مکمل کردیا تھا۔

''ارے ہماری ناراز ن اتنی دیر سے کہاں تھی؟'' وہ ضیاء ماموں کی بہت چہیتی تھی اسے دیکھ کر فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے کیا تھا۔

''میں کالج سے آنے کے بعد سوگئی تھی اب اٹھی ہوں۔'' ماما' پاپا اور احسن بھائی کے علاوہ وہ خود روشنی اور ضیاء ماموں تھے جو اس وقت چائے پر موجود تھے۔ وہ ماموں کے ساتھ صوفے پر ٹک گئی تھی جب کہ روشنی ماما کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

''ولید نہیں آیا بیٹا!'' صبوحی بیگم نے روشنی کو دیکھا۔

''بھائی کا اپنے کسی دوست کے ساتھ باہر ڈنر کا پروگرام ہے وہ وہاں چلے گئے ہیں۔'' چائے مگ میں انڈیلتے اس نے بتایا تو ضیاء صاحب کو بھی جیسے ایک دم یاد آیا۔

''ہاں بتارہا تھا مجھے کہ وہ آج مصطفیٰ کے ساتھ باہر ڈنر کرے گا۔''

''مصطفیٰ...... وہی جو ہمارے ساتھ امریکہ میں تھا۔'' احسن کو بھی بروقت یاد آیا تھا۔

''ہوں...... وہ دو سال پہلے تعلیم مکمل ہونے پر پاکستان آگیا تھا۔ ولید سے ٹیلی فونک رابطہ رکھتا ہے۔ اسے پتا چلا کہ ولید بھی پاکستان میں ہے تو فوراً ہی ملاقات کو مچل اٹھا۔''

''ہاں یاد ہے مجھے بھی وہ لڑکا' بڑا ذہین اور لائق لگا تھا۔ کردار کے لحاظ سے بھی بڑا مضبوط تھا ورنہ جس طرح وہ تن تنہا وہاں رہ رہا تھا کسی برائی میں ملوث ہوجانا کون سا مشکل کام ہے۔'' وقار صاحب کو بھی وہ اچھی طرح یاد تھا۔

''مجھ سے تو خیر اس کی کم ہی بنتی تھی۔ ہم دونوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے بہت تھے مگر ولید سے اس کی بہت بنتی تھی۔'' انا نے اکتا کر روشنی کو دیکھا۔

وہ بھی یقیناً اس مصطفیٰ نامہ کو سن کر بور ہورہی تھی۔ احسن بھائی' پاپا' ماما اور ماموں تفصیلی انداز میں امریکہ میں گزرے ماہ و سال کو ڈسکس کررہے تھے۔ اس نے چپکے سے روشنی کو اشارہ کیا تھا وہ بھی فوراً سمجھ گئی تھی۔ دونوں اپنا اپنا کپ تھامے

اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کہاں......؟'' ماما نے ذرا سا گفتگو سے توجہ ہٹا کر دونوں کو دیکھا۔

''ہم لان میں جارہی ہیں۔'' انا کے جواب پر وہ سر ہلا کر پھر باتوں میں مصروف ہوگئیں تو دونوں باہر لان میں چلی آئیں۔

''تمہیں پاکستان آکر یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟'' ساتھ ساتھ چلتے انا نے روشنی سے پوچھا۔

''بہت اچھا...... وہاں اور یہاں کے ماحول میں بہت فرق ہے انا! وہ آزاد معاشرہ ہے۔ بابا کے ساتھ ہم نے ساری زندگی بھلے وہاں گزاری ہے بے شک ہماری ماں وہاں کی تھیں' ہماری جڑیں وہاں سے ہی ہیں مگر بابا کا یہ ملک ہے اور بابا کی وجہ سے یہ ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے۔ میں تو یہاں آنے کے لیے دن گن گن کر گزار رہی تھی۔''

''اور ولید......؟'' اس کے دل میں مچلتا سوال لبوں پر آگیا تھا۔

''ولید بھائی تو مجھ سے بھی زیادہ پُرجوش تھے۔ دس سال پہلے تم لوگ یہاں شفٹ ہوگئے تھے ایسے میں ایک بھرپور فیملی کے ماحول کو بہت یاد کیا۔ بابا نے ہماری تربیت اور پرورش جن خطوط پر کی ہے تو ہم وہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے بہرحال لوٹ کر تو ہمیں یہیں آنا تھا۔''

روشنی بہت پیاری نازک اور سنجیدہ سی لڑکی تھی۔ ضیاء ماموں دو سال پہلے پاکستان آگئے تھے جب کہ ولید اور روشنی اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرکے وطن لوٹنا چاہتے تھے۔ جیسے ہی ان کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہوئی تھی دونوں آگئے تھے۔

''احسن بھائی اور ماما کی موجودگی کے باوجود میں نے ہمیشہ تم لوگوں کی کمی محسوس کی ہے خصوصاً تمہاری...... میں یہاں ایڈجسٹ نہیں کرپارہی تھی۔ وہاں کے ماحول اور یہاں کے ماحول میں بہت فرق تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ سیٹ ہونا ہی پڑا۔ تمہیں بتاؤں میں نے کئی سال تک کسی سے بھی دوستی نہ کی تھی' میری کوئی دوست نہ تھی اب دو سال پہلے میری شہوار سے دوستی ہوگئی تھی۔ شہوار سکندر علی بہت اچھی لڑکی ہے' میڈیکل کے پہلے دو سال بڑے بور اور تلف گزرے تھے وہ کالج کی نہایت ذہین لڑکی ہے۔ طلباء تو ایک طرف اساتذہ تک اس کو پسند کرتے ہیں وہ ہر دل عزیز ہستی ہے۔ نجانے اس میں ایسی کون سی کشش ہے کہ میرا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ روشنی! اسے میں دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے شہوار اور روشنی میں کوئی فرق نہیں۔ شکل و صورت میں تم سے بھلے مختلف سہی مگر نجانے کیوں مجھے اس میں تمہارے وجود کی خوشبو آتی ہے۔''

''لگتا ہے بہت ہی شاندار ہستی ہیں وہ شہوار سکندر صاحبہ!''

''وہ بہت اچھی ہے۔ اسے دیکھ کر اس پر رشک کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔''

''واہ! لگتا ہے اس خاص ہستی سے ملنا ہی پڑے گا۔ کیا خیال ہے بلواؤ نا کسی دن گھر۔ ہم بھی دیکھتے ہیں ایسی کون سی کشش ہے اس ہستی میں کہ انا صاحبہ کو ان میں ہماری ذات دکھائی دیتی ہے۔''

''یہی تو پرابلم ہے وہ جتنی ہر دل عزیز ہے اتنی ہی محتاط طبیعت کی مالک ہے۔ وہ کسی گاؤں کی رہنے والی ہے۔ ایجوکیشن کی وجہ سے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رہ رہی ہے۔ کبھی کسی کے ہاں نہیں جاتی۔ میں نے کئی بار اسے آفر کی ہے مگر مانتی ہی نہیں۔'' انا نے اب کے افسردگی سے بتایا تھا۔

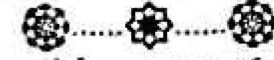
''چلو کوئی بات نہیں 'یار زندہ صحبت باقی' کبھی تمہارے کالج جانے کا اتفاق ہوا تو مل بھی لیں گے۔'' روشنی نے فوراً اسے افسردگی سے نکالا تھا۔

''مگر میں نے سوچ رکھا ہے کہ تمہاری اور احسن بھائی کی شادی پر اسے ضرور انوائٹ کروں گی اگر وہ انکار کرے گی تو

زبردستی لے کر آؤں گی چاہے مجھے اس کے گاؤں جا کر اس کی والدہ سے اجازت ہی کیوں نہ لینی پڑے۔"

روشنی احسن سے منسوب تھی۔ بڑوں میں یہ بات کافی عرصے سے طے تھی مگر اب جب کہ روشنی ایجوکیشن سے فارغ تھی اور احسن بھی اپنی لائف میں اسٹیبلش ہو چکا تھا تو بڑوں کی رائے تھی کہ اب نیک کام میں تاخیر نہیں کی جائے جلد از جلد شادی کردی جائے۔

وہ دونوں اندھیرا گہرا ہو جانے پر بھی کتنی دیر تک واک کرتے اِدھر اُدھر کی ڈھیر ساری باتیں کرتی رہی تھیں۔



ولید ضیاء نے جیسے ہی ہوٹل کے ہال میں قدم رکھا تھا' اپنی متلاشی نظروں سے اطراف میں نگاہ ڈالی تھی۔ مصطفیٰ اسے سامنے ہی ایک ٹیبل پر بیٹھا نظر آ گیا تھا۔ مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا تھا۔ وہ ایک دم بڑے جوش سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ نے بھی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں بے اختیار ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تھے۔

دو سال بعد مل رہے تھے بے شک آواز کا تعلق برقرار رہا تھا نیٹ میٹنگ بھی چلتی رہی تھی مگر دو سال بعد روبرو ملنے پر دونوں ہی خاصے جذباتی ہو گئے تھے۔ چند پل ایک دوسرے کے ساتھ لگے رہنے کے بعد دونوں جدا ہوئے تو ولید نے مسکرا کر مصطفیٰ شاہ زیب علی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔

"زبردست...... ان دو سالوں میں بڑی صحت بنائی ہے تم نے۔"

"امیزنگ......!" ولید کا دراز وجیہہ سراپا ایک دم نمایاں تھا۔ جواباً مصطفیٰ نے ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"صحت کیوں نہ بناتا ساری عمر پردیس میں کالی چائے اور سڑے ٹوسٹ پر گزارا کرتے رہے ہیں۔ یہاں ماں کی نگرانی میں خالص دیسی خوراک کھانے کو ملتی ہے اور تمہیں ہمارا پتا تو ہے فیوڈل سسٹم سے بی لانگ کرتا ہوں ویسا ہی دبلا پتلا رہتا تو خاندان بھر کی لٹیا ڈبو دیتا۔" دونوں نے اپنی اپنی سیٹ سنبھالی تھی۔

"بالکل نہیں بدلے ویسے کے ویسے ہی ہو۔ سوائے صحت کے۔" ولید اب بھی اسے بڑی محبت سے تک رہا تھا' مصطفیٰ پھر ہنس دیا۔

"یہاں آتے ہی وارننگ مل گئی تھی محترم والد صاحب کی طرف سے کہ ان کے دیگر بیٹوں کی طرح ان کا نام نہ ڈبوؤں۔ ان کے تمام خواب اب مجھ سے وابستہ ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے پولیس فورس میں آؤں اور تمہیں تو پتا ہے میں کتنا فرماں بردار ہوں اپنے والدین کا' فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ابا جی نے دھمکی دے دی تھی کہ اگر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آنا ہے تو سب سے پہلے صحت بناؤں لہٰذا جم جوائن کرنے کے ساتھ اور بھی نہ جانے کیا کیا جتن کرنے پڑے تھے کہ تب جا کر یہ باڈی بنی ہے۔" ولید نے مسکرا کر اس کی ساری بکواس سنی تھی۔

"ہاں اتنے ہی تو تم اپنے ماں باپ کے فرماں بردار ہو والد صاحب نے کہا کہ پولیس فورس جوائن کرلو اور بیٹا صاحب فوراً گردن ہلاتے پیچھے چل دیئے۔ یہ مسکینی وہاں چلانا جہاں کوئی جانتا نہ ہو کہ موصوف دو سال پہلے پاکستان میں CSS کے امتحان کلیئر کرنے کا عزم لے کر لوٹے تھے۔"

"چلو یونہی سہی......!" مصطفیٰ کھل کر ہنس دیا۔

"انکل کیسے ہیں؟" مصطفیٰ نے ضیاء انکل کے بارے میں پوچھا تھا۔

"بابا بالکل ٹھیک ٹھاک اے ون ہیں۔"

"بہت اچھی بات ہے بڑا یاد کرتے تھے وہ پاکستان کو ساری عمر امریکہ جیسے ملک میں گزار کر بھی وہ اندر سے وہی محب وطن انسان رہے ہیں اور روشنی کا سناؤ۔ کمپلیٹ ہو گئی اس کی بھی ایجوکیشن!"

"ہاں میرے ساتھ ہی آئی ہے۔ بابا اور وقار انکل چاہ رہے ہیں کہ اب اس کی شادی کردی جائے۔ دیکھو کیا ڈیسائیڈ کرتے ہیں۔"

"احسن کے ساتھ نا؟" ولید نے سر ہلا دیا۔

"احسن کا سناؤ وہ کیسا ہے؟ دس سال پہلے تو وہ بڑا جذباتی جھگڑالو سا لڑکا تھا۔ کچھ چینج آیا یا ابھی بھی ویسا ہی ہے۔"

"نہیں یار! بہت بدل گیا ہے وہ انکل اور بابا کے ساتھ مل کر سارا بزنس سنبھالا ہوا ہے بلکہ میرے لیے بھی سارا آفس اسٹیبلش کیا ہے۔ بہت ذمہ دار اور حساس طبیعت کا ملک ہے وہ اور رہی بات جذباتیت کی تو جذباتی تو ہر کوئی ہوتا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ کوئی جذباتیت کو سرینڈر کر لیتے ہیں اور کچھ اس کے ہاتھوں بے بس ہو کر سرنڈر ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم ملو گے تو خود بھی یقین کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ہاں جذباتی تو ہم بھی تھے بلکہ بچپن نام ہی جذباتیت کا ہے وقت اور میچورٹی ہماری جذباتیت کو سہارا دیتی ہے اور تمہاری وہ ایک چھوٹی سی کزن بھی تھی نا؟ احسن کی سسٹر! انا نام تھا نا اس کا؟ کیسی ہے وہ؟"

"ہوں' وہ بھی ٹھیک ہے۔ میڈیکل کے فورتھ ائیر میں ہے۔"

"زبردست! اس کا مطلب ہے خاصی بڑی ہو گئی ہے وہ بھی۔"

"ظاہر ہے اتنے سالوں کا گیپ ہے درمیان میں۔ جب وہ پاکستان لوٹی تھی تو روتی دھوتی اور پونیاں بنانے والی بالکل بچی تھی اب تو ماشاء اللہ سے خاصی بڑی ہو گئی ہے۔" ولید کی آنکھوں میں اس کا دلکش سراپا در آیا تو وہ مسکرایا' مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا۔

"خیر ہے نا؟" مصطفیٰ کا انداز شرارتی تھا' ولید نے اسے گھورا۔

"خبردار کوئی بکواس کی تو...... کچھ کھانے کو بھی منگوانے کا ارادہ ہے یا صرف بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔" اس نے فوراً بات پلٹ دی تھی مصطفیٰ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہنس دیا تھا۔

"ویٹر......!" اس نے ویٹر کو آواز لگائی تھی اور پھر اسے اپنا مینو نوٹ کروانے کے بعد پھر سے گزری باتوں کو تازہ کرنے لگے تھے۔



کاش میرے بس میں ہوتا تجھ سے غافل ہو جانا
ہم بھی سکون سے رہتے بے خبر تیری طرح

کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد وہ جیسے ہی کاریڈور سے گزرتے سیڑھیوں کے پاس آئی نجانے وہ کس کونے سے نکل کر اس کے عین سامنے آ کر پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔ شہوار نے بروقت اپنے قدم روکے تھے ورنہ تصادم یقینی تھا۔ یہ تو صد شکر تھا کہ اطراف میں کوئی نہیں تھا کسی نے اس بدتمیز ایاز کی حرکت نہیں دیکھی تھی ورنہ صورت حال لمحوں میں بگڑتی۔

"ہٹو سامنے سے......" وہ پھنکاری تھی اسے دیکھ کر شہوار کا بس نہیں چلتا تھا کہ یا تو خود کہیں غائب ہو جائے یا پھر اسے کہیں غائب کردے۔ یہ دونوں باتیں ہی ناممکنات میں سے تھیں سو وہ ابھی تک صبر و جبر کے ساتھ اسے برداشت

کررہی تھی مگراب کچھ عرصے سے اس شخص کی بدتمیزیاں حد سے تجاوز کرتی جارہی تھیں۔

"اگر نہ ہٹوں تو......؟" وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ شہوار کا ضبط سے بُرا حال ہوا تھا۔

"مجھے مجبور مت کرو ایاز صاحب کہ میں شاہ زیب انکل سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

شکوے شکایتوں کی نہیں' یہ ظرف ظرف کی بات ہے
تیرے وہم وگمان میں بھی ہم نہیں' تو لفظ لفظ ہمیں یاد ہے

دوسری طرف اس نے ترنت شعر داغا تھا' وہ کلس کررہ گئی۔

شہوار کا جی چاہا کہ اگر اس کا ممکن نہیں تو اپنا ہی سر پیٹ لے۔ بڑی کوفت وبے چارگی سے اپنے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھا تھا جو اس کی برداشت کو بڑی بُری طرح آزما رہا تھا۔

یہ عادلہ بھابی کا بھائی نہ ہوتا تو وہ کب کا اس دردسر سے چھٹکارا پاچکی ہوتی کچھ نہ بھی کرتی کم ازکم وہ چیئرمین صاحب تک اس کی شکایت تو ضرور پہنچاتی مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ عادلہ بھابی کا بھائی تھا اور عادلہ کون' ستی تھیں ان گزرے ماہ وسال میں وہ بہت اچھی طرح نہ صرف اس عورت کو جان چکی تھی بلکہ بہت اچھی طرح پہچان بھی چکی تھی۔ شہوار نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتے اپنے قدم واپسی کی طرف موڑ دیئے تھے۔

"ارے کہاں چل دیں؟" اسے خاموشی سے واپس پلٹتے دیکھ کر وہ سرعت سے اس کے پیچھے آیا تھا مگر شہوار لب پر لب جمائے خاموشی سے اپنے رستے پر چلتی رہی تھی۔ "سچ کہتی ہیں عادلہ باجی تم جیسی لڑکیاں کب تک اپنی اکڑ قائم رکھ پائیں گی۔ بظاہر غرور وتکبر سے گردن اکڑاتے اندر ہی اندر دولت وپیسے پر مرمٹنے والی لڑکیاں......کس چیز کا غرور ہے تمہیں؟ دوٹکے کی ہو تم' چاہوں تو پل میں اپنے قدموں میں گرا سکتا ہوں تمہیں۔"

اسے کسی بھی طرح اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اس نے یہ نیا حربہ استعمال کیا تھا۔ شہوار کا جی چاہا کہ ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔ سب لحاظ ومروت بالائے طاق رکھتے اس کا منہ نوچ دے۔ شہوار کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں۔

"تم" وہ ایک دم بپھر کر ٹھہری تھی۔ انتہائی طیش وغضب سے اس کی طرف پلٹی تھی۔ کچھ بعید نہ تھا کہ اس کا ہاتھ اس پر اٹھ بھی جاتا۔

"شٹ اپ!" بڑی مشکل سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر وہ پھنکاری تھی۔

"کیا ہوا شہوار!" وہ اس وقت راہداری میں جس طرف نکل آئے تھے وہاں سامنے ہی لان تھا جہاں کئی طلباء خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شہوار کو ایک دم اپنے اردگرد ماحول کا ادراک ہوا تو پلٹی۔ انا نہایت تشویش لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ دور سے ہی ایاز کو شہوار کے پیچھے آتے دیکھ چکی تھی سو فوراً بھاگ کر اس تک آئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ایاز شہوار کو پچھلے کچھ عرصے سے خاصا تنگ کررہا تھا۔ انا نے اسے کئی بار چیئرمین صاحب سے اس مسئلے پر بات کرنے کا کہا بھی تھا مگر نجانے کیوں وہ ہر بار ٹال جاتی تھی۔

"مسٹر ایاز! کوئی پرابلم ہے آپ کو؟" شہوار کو غصے سے بے حال ہوتے دیکھ کر اس نے خاصے تیکھے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ جواباً ایاز نے ایک قہقہہ فضا میں اچھالا تھا۔

"یہ تو آپ کی فرینڈ ہی بتا سکتی ہیں کہ ہمیں کیا پرابلم ہے۔ کئی بار عرضی ان کے روبرو پیش کرچکے ہیں مگر......خیر دیکھتے ہیں کب تک یہ اپنی اصلیت دکھاتی ہیں۔" اس کی زبان اتنی رکیک اور غلیظ تھی کہ شہوار گم صم سی ہوگئی۔ وہ بغیر ادھر اُدھر دیکھے کوئی بات کہے' کوئی تلخ جملہ ادا کیے وہاں سے بھاگتی ہوئی نکلی تھی۔

"رکو شہوار......شہوار......رکو تو......" انا بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے ہی تھی۔

انا نے اسے ہال میں جا ہی لیا۔ وہ بنچ پر بیٹھی ڈیسک پر سر رکھے شاید رو رہی تھی۔

"شہوار......!" اس نے گھبرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ رو نہیں رہی تھی مگر ضبط کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ یہی حالت چہرے کی بھی تھی۔

"کوئی بدتمیزی کی ہے اس نے؟" اس کے پاس ہی بنچ پر بیٹھ کر اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔

"میں بہت نظر انداز کر چکی ہوں اسے انا! میری برداشت سے بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے یہ سب۔ یہ عادلہ بھابی کا بھائی نہ ہوتا' صرف ایک کالج فیلو ہوتا تو میں پہلے ہی قدم پر اس کو اچھی طرح نہ صرف سمجھا چکی ہوتی بلکہ اچھا خاصا بندوبست بھی کروا چکی ہوتی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ یہ عادلہ بھابی کا بھائی ہے اور عادلہ بھابی وہ ہستی ہیں جو اول روز سے ہی میرے ساتھ نفرت کا رشتہ نبھا رہی ہیں۔ ادھر یہ ٹینشن بن کر سوار رہتا ہے اور گھر جاتی ہوں تو وہ زچ کیے رکھتی ہیں' سمجھ نہیں آتی کہ ان دونوں سے کیسے جان چھڑاؤں؟"

انا کو شہوار پر بہت ترس آیا جن کے سروں پر باپ کا سایہ نہ ہو کیا وہ اسی طرح زمانے کی ٹھوکروں پر آ جاتے ہیں؟ بکاؤ مال کی طرح جس کی مرضی جب جی چاہے حق جتانے کھڑا ہو جائے۔ بہت زیادہ تو نہیں مگر کچھ حد تک وہ شہوار کی گھریلو حالات سے واقف تھی۔

شہوار کے والد کی وفات اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکی تھی۔ ماں چوہدری حیات علی کی دور کی رشتہ دار تھی۔ بیوگی کے بعد شاہ زیب انہیں بہن بنا کر حویلی لے آئے تھے وہ ابھی تک اپنے قول کو نبھا رہے تھے۔ شہوار کے ماں باپ دونوں اکلوتے تھے مگر یہ منہ بولے رشتے اپنوں سے بڑھ کر تھے مگر بعض اوقات دوسروں کے در پر پڑے رہنے کی ذلت بھی بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔ شہوار کو اب اس ذلت کا احساس ہو رہا تھا مگر وہ اپنی ماں کی وجہ سے چپ تھی۔ سب برداشت کر رہی تھی' سوائے عادلہ بھابی کے باقی سب بہت اچھے تھے۔ اسی لیے وہ عادلہ کو بھی برداشت کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر ایاز کی حرکتیں ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

"تم اپنے انکل سے بات کرو نا؟"

"میں نے بھی کئی بار ایسا سوچا ہے مگر انا! جس طرح کا عادلہ بھابی کا مزاج ہے اور انکل کو جب ساری صورت حال کا علم ہوگا تو یقیناً وہ بھابی سے باز پرس کریں گے اور اس کے بعد جو ہنگامہ ہوگا میں اس ہنگامے سے ڈرتی ہوں۔ عادلہ بھابی میری ذات کو لے کر اتنی بار ایشو بنا چکی ہیں کہ مجھے اب خوف آتا ہے ان سے۔ اتنی گھٹیا اور رکیک گفتگو پر اتر آتی ہیں کہ شرم سے ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں یہ سب امی کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں۔ کیا کیا خواب لے کر میں ادھر آئی تھی مگر اب تو صرف دن رات یہی دعا مانگتی ہوں کہ خیر خیریت سے یہ دو سال گزر جائیں۔ ہاؤس جاب کے دوران ایاز سے محتاط رہوں گی۔" وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔ انا کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"یہ عادلہ بھابی آخر کیا چیز ہیں؟ کیوں کرتی ہیں وہ ایسا؟"

"وہ بہت اعلیٰ چیز ہیں۔ مری کانونٹ کی پڑھی لکھی ہیں۔ باہر سے ہائیر اسٹڈی کر کے آئی ہیں۔ ان کی گردن اس غرور سے نہیں جھکتی کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہیں۔ امیر ماں باپ کی اولاد ہیں تعلیم یافتہ مگر از حد خود پسند اور بگڑی ہوئی۔ ان کی خود پسندی کی یہ حد ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو وہ کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتیں۔ خوب صورت بے پناہ ہیں اور اپنی اس خوب صورتی کا انہیں ادراک بھی حد سے زیادہ ہے۔ انکل آنٹی تو ایک طرف وہ اپنے شوہر عباس صاحب کو بھی کسی خاطر میں نہیں لاتیں۔"

"تم سے ان کی نفرت کی بھلا کیا وجہ بنتی ہے؟"

"بہت گہری......" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی ایک ایسی مسکراہٹ جس میں خود اذیتی تھی۔ "وہ اپنی چھوٹی بہن کاشفہ کا پروپوزل زبردستی مصطفیٰ شاہ زیب کے لیے لائی تھیں۔ ساری عمر بیرون ملک زیرِ تعلیم رہا۔ مصطفیٰ کا ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو مٹی کو بھی چھو لیں تو سونا بن جائے۔ وہ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والوں میں ہیں۔ مصطفیٰ نے ان کی بدتمیز' منہ پھٹ' زبان دراز بہن کے رشتہ کو فوراً انکار کر دیا تھا دوسری طرف صرف عادلہ بھابی کے سوا کوئی بھی اس پروپوزل کے حق میں نہ تھا اور اس انکار کا سارا ملبہ میری تنہا ذات کو پچھلے دو برسوں سے مسلسل جھیلنا پڑ رہا ہے۔"

"تو اس سارے قصے میں تمہارا کیا قصور؟ وہ تمہیں بھلا کیوں تنگ کر رہی ہیں؟ انکار جس نے کیا ہے وہ اس سے اپنی دشمنی نبھائیں۔ بھلا تم سے کیا لینا دینا۔" انا عادلہ بھابی کی دشمنی کی کوئی ٹھوس وجہ نہ سمجھ پائی تھی' شہوار مسکرا دی۔

"بظاہر تو واقعی اس سارے قصے میں میرا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں نکلتا۔ انکار مصطفیٰ نے کیا اور باقی سب نے اس کی تائید کی مگر عادلہ بھابی سمجھتی ہیں کہ اس سارے قصے میں سب سے زیادہ قصور ہی میرا ہے۔"

"وہ کیوں بھلا......؟"

"ان کے نزدیک انکل شاہ زیب اور مہر النساء آنٹی نے میری وجہ سے اس پروپوزل کو قبول کرنے پر اپنے بیٹے پر زور نہیں دیا ورنہ وہ لوگ چاہتے تو مصطفیٰ کبھی کاشفہ کے پروپوزل سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔"

"کیا......؟" انا کا کیا...... چیخ سے مشابہہ تھا۔ بے انتہا حیرت زدہ وہ شہوار کی زندگی کے اس رخ سے قطعی بے خبر تھی۔

"آہستہ......" شہوار نے فوراً ٹوکا تو وہ مزید پُر جوش ہوئی۔

"امیزنگ یار! کیا واقعی ایسا ہے؟" ان کے درمیان اس ٹاپک پر کبھی کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی آج جو شہوار نے یہ انکشاف کیا تو وہ حیرت سے گنگ تھی۔

"نہیں...... بظاہر تو کچھ بھی ایسا نہیں' ہاں تفصیلاً آنٹی لوگوں کے گھریلو ٹاپکس پر میں نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں کیا سوچتے یا فیصلہ کرتے ہیں۔ خصوصاً مصطفیٰ کے معاملے میں وہ کیا چاہتے ہیں یا پھر یہ محض بھابی کی سوچ ہے مجھے نہیں پتا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"اور مصطفیٰ اس کی کیا رائے ہے؟ میرا مطلب ہے اس کا تمہارے ساتھ کیا رویہ ہے۔" انا کی اس معاملے میں ایک دم دلچسپی بڑھ گئی تھی۔

"مصطفیٰ بظاہر تو ایک مغرور اور گھمنڈی انسان ہے۔ مصطفیٰ کی کوالٹیز میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ مزید یہ کہ وہ اپنے سے کم اسٹینڈر کے لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جہاں تک میرے ساتھ اس کے رویئے کی بات ہے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بظاہر خوش اخلاقی سے ہی پیش آتا ہے۔ تاہم وہ خاصا لیے دیئے رہنے والا انسان ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی جاب کی وجہ سے وہ گھر میں کم ہی دکھائی دیتا ہے اور دوسری بڑی وجہ ہے کہ موصوف بچپن کے چند سالوں کے علاوہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم کی وجہ سے بورڈنگ اور امریکہ جیسے معاشرے میں گزار کر آئے ہیں۔ وہ ایک وسیع شعور رکھنے والا ایک Vast نظریات کا حامل انسان ہے۔ گھریلو معاملات میں وہ بہت کم الجھتا ہے۔ عباس' سجاد اور مصطفیٰ یہ تینوں بھائی ہی علیحدہ علیحدہ مزاجوں کے حامل انسان ہیں۔" اس نے مسکرا کر کچھ توقف کیا پھر انا کی دلچسپی دیکھ کر مسکرا دی۔

"عباس بھائی کی بیوی ان پر حاوی ہیں۔ وہ ہر وقت بیوی کا موڈ دیکھ کر چلتے ہیں تاہم ایک خوش مزاج اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ سجاد بھائی بھی کافی ہنس مکھ طبیعت کے ہیں' ان کی بیوی لائبہ بھابی! وہ خاصی سمجھ دار خاتون ہیں'

پھوپی زاد ہیں۔ خاندان کو جوڑے رکھنے والی اور گھر کو گھر بنانے والی۔ رہ گیا مصطفیٰ تو اس کے بارے میں تم نے اندازہ لگالیا ہوگا۔" تفصیلات بتاتے اس نے کلائی پر بندھی ریسٹ واچ کو دیکھا' خاصا وقت ہوچکا تھا' یقیناً ڈرائیور اسے لینے آچکا ہوگا۔ اس نے اپنی چیزیں ترتیب دیں۔

انا نے شہوار کے چہرے کو بغور دیکھا اسے مصطفیٰ کا ذکر کرتے دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ آیا تھا ہاں ایک سنجیدہ سا تاثر ضرور تھا جو ہمیشہ سے اس کی شخصیت کا خاصہ رہا تھا۔

"اور اس سارے سلسلے میں تمہاری مصطفیٰ کے بارے میں کیا رائے ہے؟" انا نے دل میں کلبلاتا سوال لبوں پر لانے میں قطعی تاخیر نہ کی تھی۔ شہوار نے ایک گہری سانس لی۔ اس لیے وہ انا سے کچھ بھی کہنے سے پرہیز کرتی تھی۔

"اب تک مصطفیٰ شاہ زیب علی کے بارے میں میں جو بھی بیان کرچکی ہوں وہ میری اس کے بارے میں رائے ہی تو ہے۔" اس نے پھر سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ پھر مزید کہنے لگی۔ "اس کے علاوہ کوئی خاص رائے نہیں ہے۔ دیکھو انا! عادلہ بھابی کی اپنی ایک سوچ ہے جس پر وہ کاربند ہیں۔ انکل آنٹی ماسوائے عادلہ بھابی کے بھی مجھے گھر کے ایک فرد کی حیثیت دیتے ہیں۔ مجھے اجنبیت کا قطعی احساس نہیں ہونے دیتے اور یہی حیثیت اس گھر میں میری امی کی بھی ہے۔ گاؤں میں پوری حویلی امی کے کنٹرول میں دے دی گئی ہے۔ مصطفیٰ کے دادا جان حویلی میں ہی مقیم ہیں۔ میری امی حویلی میں سیاہ وسفید کا مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ مصطفیٰ کے سب چچا تایا وغیرہ بیرون ملک دوسرے شہروں میں رہتے ہیں باقی سب کو جائیداد میں سے اپنا اپنا مخصوص حصہ مل چکا ہے۔ رہ گئی حویلی' تو نئے دور کا مزاج رکھنے والے لوگ ہیں یہ سب ان کے لیے حویلی ان کے بزرگوں کی روایات کی ایک نشانی ہے جو امی کی نگرانی میں دے کر سب بری الذمہ ہوچکے ہیں۔" شہوار نے ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی تو انا نے فوراً وہ سوال کرڈالا جو پچھلے کچھ عرصے سے اس کے دل و دماغ میں تھا۔

"اور تم لوگوں کی اپنی فیملی کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے رشتہ دار وغیرہ اور یہ لوگ تمہارے کیا لگتے ہیں؟"

"میری امی کا انکل لوگوں سے کوئی گہرا یا خونی تعلق نہیں ہے ہاں امی انکل کی دور پرے کی رشتہ دار ہیں۔ میرے امی ابو دونوں اپنے اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے' شادی کے بعد ابو کچھ عرصہ بعد ہی فوت ہوگئے تو امی کے لیے زمانے کے سرد وگرم سہنا بڑا مشکل کام تھا۔ میری امی ایک پڑھی لکھی نہایت مہذب' زمانہ شناس خاتون ہیں۔ میں اپنی امی کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ابو کی وفات کے بعد امی لوگوں کے رحم وکرم پر تھیں۔ میری امی ایک نہایت خوب صورت اور صاحب جمال خاتون ہیں۔ ایسے میں لوگوں کی ہمدردیاں بھی ایک خاص معنی لیے ہوئے تھیں۔ امی بتاتی ہیں کہ میں چند ماہ کی تھی جب وہ انکل کے پاس آئی تھیں پناہ کے لیے۔ انہوں نے انہیں بہن جیسا مان اور بابا جان نے انہیں بیٹی جیسا مقام دیا تھا۔ میں حویلی کی چار دیواری میں ہی رہ کر پلی بڑھی ہوں۔ کسی نے آج تک میری یا امی کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھا مجھے حویلی کی ایک معزز بیٹی کا مقام دیا گیا ہے۔ شاہ زیب انکل کے علاوہ ان کے باقی بہن بھائی بھی مجھے حقیقی بیٹی کا سا مقام دیتے ہیں۔ ایسے میں میرا نہیں خیال کہ اس خاندان میں کوئی اور بھی عادلہ بھابی کی طرح مصطفیٰ کے سلسلے میں شکوک بھری منفی سوچ رکھتا ہو۔ آنٹی بیٹی کی طرح عزیز رکھتی ہیں دونوں بیٹیاں شادی کے بعد بھی اپنا ہر کام میرے مشورے سے کرتی ہیں' یہی حال انکل اور دیگر لوگوں کا بھی ہے۔" اپنے بارے میں اس نے تفصیل سے انا کو بتادیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھی کہ پچھلے تین سالوں سے وہ انا کے لیے ایک معمہ سی بنی ہوئی تھی۔ انا اکثر اس کی فیملی کے بارے میں پوچھتی رہتی تھی مگر آج پہلی بار اس قدر تفصیلی انداز میں اس نے اپنی فیملی کے متعلق بتایا تھا۔

"بہت ٹائم ہوگیا ہے۔ کیا خیال ہے چلیں اب!" دوبارہ ریسٹ واچ کی طرف دیکھتے وہ فوراً کھڑی ہوگئی تھی۔ "!

بھی اس کے ہمراہ ہولی۔ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے گیٹ تک آئی تھیں۔ انا کی بھی گاڑی آچکی تھی۔ ڈرائیور نے شہوار کو دیکھتے ہی فوراً گاڑی سے نکل کر اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہتے اپنی اپنی گاڑی کی طرف ہولی تھیں۔



"شہوار بیٹا! تم یہاں کیا کررہی ہو؟" مہر النساء جیسے ہی کچن کے اندر داخل ہوئی تھیں' شہوار کو وہاں موجود دیکھ کر ایک پل کو چونکیں۔

شہوار انہیں رات کے اس وقت یوں کچن میں دیکھ کر سٹپٹائی اور پھر گھبرا کر عادلہ کو دیکھا تھا' جو آرام سے میز پر براجمان تھیں۔

"کچھ نہیں آنٹی جان! بس چائے پینے کو دل کررہا تھا۔"

"تمہارا تو ضروری ٹیسٹ تھا نا! رخشندہ کو کہہ دیتیں وہ پورا فلاسک بھر کر تمہارے کمرے میں رکھ دیتی۔" انہیں اس کی اسٹڈی کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اب بھی کہا تو عادلہ بھابی کے ماتھے کے تیور بگڑے' جب کہ شہوار بس مسکرادی۔

"سینڈوچ وغیرہ تیار ہوگئے ہیں تو لادو اب۔" انہوں نے خاصے رعب سے کہا تھا۔ انداز یوں تھا گویا کسی نوکر سے مخاطب ہوں۔ مہر النساء بیگم نے تعجب سے پہلے عادلہ اور پھر سلیب پر دھری سینڈوچ کے لوازمات سے بجی ٹرے کو دیکھا۔ عادلہ بھابی نے رات کا کھانا سب کے ساتھ نہیں کھایا تھا' وہ کچھ دیر پہلے اپنے والدین کے گھر سے لوٹی تھیں سو کھا پی کر آئی تھیں مگر گیارہ بجے کے بعد انہیں بھوک لگی تھی اور شہوار کی بدقسمتی تھی کہ وہ جس وقت کچن میں داخل ہوئی تھی وہ فریج کھولے دیکھ رہی تھیں۔ شہوار کو چائے کا برتن رکھتے دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ اپنی اسٹڈی چھوڑ کر آئی ہے انہیں اس پر رعب ڈالنے کا اچھا موقع ملا تھا۔ اسے چائے بعد میں تیار کرنے اور پہلے انہیں سینڈوچ بنا کردینے کا حکم جاری کرکے وہ خود آرام سے کچن کی میز پر بیٹھ کر مزے سے اس پر مسلسل نکتہ چینی کرتی شہوار کی ساری کارروائی ملاحظہ کررہی تھیں مگر ایسے میں مہر النساء بیگم کی آمد نے اور ان کی تشویش نے ان کا سارا مزا کرکرا کردیا تھا۔

شہوار نے ایک دم گھبرا کر مگ میں چائے انڈیل کر ٹرے میں رکھتے ٹرے عادلہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ مہر النساء بیگم کو عادلہ کا یہ انداز خاصا ناگوار لگا تھا' ان کا شہوار سے سینڈوچ تیار کروانا بھی پسند نہ آیا تھا وہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھیں کہ عادلہ شہوار پر خوانخواہ طنز کرتی رہتی ہے۔

"شہوار! تمہیں میں نے کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ خود کچن میں مت آیا کرو' اتنی ملازمائیں آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ اتنا اہم تمہارا ائیر ہے۔ رات کا کھانا تم ملازماؤں کے ساتھ تیار کرتی ہو' باقی وقت تو اپنا ضائع مت کیا کرو۔" جہاں وہ عادلہ کی خود پسند طبیعت سے اچھی طرح آگاہ ہوچکی تھیں وہیں انہیں شہوار کا یوں آرام سے اس کی ہر بات مان جانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

"اس نے کون سا احسان کردیا مجھ پر۔ اپنے لیے چائے بنارہی تھی میرے لیے دو سینڈوچ کیا تیار کردیئے ہیں مہارانی نے قیامت آگئی ہے کیا؟" شہوار کی بجائے عادلہ کی طرف سے جواب موصول ہوا تھا۔ مہر النساء بیگم کے بھی تیور ایک دم بگڑے تھے۔

"عادلہ بہو! تمیز سے بات کرو' میں نے شہوار سے کہا تھا۔"

"ہونہہ! شہوار سے کہا تھا' در پردہ تو مجھے سنایا ہے۔" انہوں نے بھی کوئی لحاظ نہ کیا تھا۔ وہ حیران رہ گئیں اس کی بدلحاظی پر۔

"ہاں تو پھر جب سارے گھر والوں کو پتا ہے کہ یہ وقت شہوار کی اسٹڈی کا ہے تو تم نے اس کا وقت کیوں ضائع کیا؟" عادلہ کی مسلسل بدتمیزی پر ان کا بھی بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔

"آنٹی جی! کچھ نہیں ہوتا' میں اپنے لیے چائے تیار کررہی تھی نا۔" دونوں کے بگڑے تیور دیکھ کر شہوار نے فوراً سہم کر کہا تو انہوں نے اسے گھورا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" انہوں نے عادلہ کا سارا غصہ اس پر اتارا تو اس نے فوراً چائے کا مگ تھامے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے بھابی اور آنٹی کے درمیان کشیدگی کی فضا قائم ہو۔

"ہمارا گھرانہ عزت دار گھرانہ ہے۔ ہمارے ہاں ایسی حرکتیں قطعی بری سمجھی جاتی ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ تم میری بات سمجھ گئی ہوگی اور آئندہ اپنی دشمنی شہوار سے نبھانے کے بجائے اپنے اندر ہی رکھوگی۔ میں سب اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ تم شہوار کو تختہ مشق کیوں بنارہی ہو؟ میرے نزدیک تو یہ سب تمہارا ذہنی دیوالیہ پن ہے۔ بہتر ہے کہ اپنے ذہن کا علاج کرو۔ ہمارے لیے مصطفیٰ اور کاشفہ کا رشتہ جوڑنا مشکل نہ تھا مگر تمہارے تیور دیکھ کر ہی ہم نے قدم پیچھے ہٹائے ہیں چھوٹی بہنیں بڑی بہنوں کا پرتو ہوتی ہیں یہ بات مت بھولو۔" مہرالنساء بیگم نے ایک عرصہ حویلی میں حکومت کی تھی ان کی آواز سن کر ہی ان کے ملازم ان کے سامنے مؤدب کھڑے ہوجاتے تھے۔ آج انہوں نے عادلہ کو صاف اور واضح الفاظ میں سمجھا دینے کی کوشش کی تھی۔ عادلہ ان کا سخت لہجہ دیکھ کر چند پل کو گنگ ہوئی تھی۔

"آئندہ شہوار کو تنگ کرتے ہوئے سو بار سوچنا۔ میں نے صرف گھر میں بدمزگی کے خیال سے اسے رات کا کھانا تیار کرنے سے نہیں ٹوکا مگر کل سے وہ رات کا کھانا بھی تیار نہیں کرے گی۔ وہ ہمارے گھر کی بیٹی ہے اور تم اور لائبہ بہوئیں اس گھر کی ذمہ داری تم دونوں پر ہے۔ آئندہ میں کوئی شکایت نہ سنوں۔" اپنے اسی سخت لب و لہجے میں کہہ کر وہ عادلہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر واپس مڑ گئیں اور عادلہ وہ چند پل تو حیرت زدہ رہی کہ اس کی ہر بدتمیزی کو برداشت کرنے والی اس کی ساس کا لہجہ اس قدر سخت بھی ہوسکتا ہے۔ اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ شہوار......!" اس کی نفرت ایک دم بڑھی۔

"لگتا ہے اب تمہارا کوئی معقول بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ گھی اگر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو عادلہ کو انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہیں۔" انتہائی غصہ سے ٹرے گھسیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

گاؤں کی کچھ بچیاں ان سے قرآن پڑھنے آتی تھیں انہیں پڑھا کر نماز پڑھ کر وہ ایک دفعہ کچن کا چکر لگا آتی تھیں۔ وہاں عظمت بی بی کھانا تیار کررہی تھیں' وہ مطمئن ہوکر باہر صحن میں آبیٹھیں۔ انہیں وہاں بیٹھے ابھی چند پل ہی گزرے تھے کہ چوہدری صاحب بخشو کے سہارے وہاں صحن میں چلے آئے۔

"تابندہ بیٹی! اکیلی بیٹھی ہوئی ہو؟ خیر ہے نا......؟" پچھلے ایک ہفتے سے انہیں ایسا کوئی خواب نہیں آیا تھا جس سے ان کی طبیعت بگڑتی۔ آج کل ان کی طبیعت نہ صرف ٹھیک ٹھاک تھی بلکہ یادداشت بھی درست کام کررہی تھی۔ تابندہ نے اٹھ کر ادب سے انہیں سلام کرکے دوبارہ کرسی سنبھالی تھی۔

"جی خیر ہے بابا جان! بس اس وقت یہاں بیٹھنے کو دل کررہا تھا۔" بخشو انہیں کرسی پر بٹھا کر اب ایک طرف مؤدب کھڑا تھا تابندہ بوا نے اسے اشارہ کیا وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔

"کتنے دن ہوگئے ہیں بچوں نے حویلی کا چکر نہیں لگایا؟" وسیع و عریض صحن کو دیکھتے انہوں نے بڑی سی چادر میں لپٹے تابندہ کے وجود کو دیکھا اور پھر شفقت سے مسکرادیے۔

"فون تو سبھی روزانہ ہی کرتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں۔ ایسے میں کم ہی چکر لگتا ہے۔"

"شہوار بیٹا کب آرہی ہے؟" تابندہ کی طرح وہ بھی شہوار کے وجود سے مانوس تھے ایک قلبی لگاؤ سا تھا۔ تابندہ کے چہرے پر شہوار کے ذکر سے اک روشنی سی بکھرتی چلی گئی تھی۔

"فورتھ ائیر چل رہا ہے اس کا میڈیکل کا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ کتنی مشکل پڑھائی ہے اس کی۔ اللہ ساتھ خیریت کے یہ سال بھی گزار دے۔ کل فون کیا تھا میں نے' کہہ رہی تھی کہ اس کا بھی آنے کو دل چاہ رہا ہے مگر وہاں کوئی فارغ نہیں ہوتا۔ دوسرا اس کے پاس صرف اتوار ہی ہوتا ہے چھٹی کا۔ بھاگ دوڑ میں آنا اور پھر واپس جانا۔ کہہ رہی تھی کہ ایک دو چھٹیاں مل جائیں تو وہ چکر لگانے کی کوشش کرے گی۔"

"اللہ بچی کو کامیاب کرے۔ بڑی لائق وذہین اور محنتی بچی ہے۔" انہوں نے دل سے دعا دی تو تابندہ نے مسکرا کر بغور ان کو دیکھا۔

وقت و حالات نے ان کے وجود میں بڑے تغیرات پیدا کردیئے تھے۔ گزشتہ چند سالوں سے ان کی زندگی جس بیماری میں الجھی ہوئی تھی اس نے ان کی رہی سہی طاقت بھی چھین لی تھی۔ ایسے میں وہ دن بہ دن کمزور و لاغر ہوتے جارہے تھے۔ بے شک ان کے تینوں بیٹے نواز علی' شاہ زیب علی اور حسن علی بھی دل جوئی کرتے تھے۔ حسن کراچی میں آباد تھے جب کہ نواز بھائی مستقل کینیڈا میں رہائش پزیر تھے۔ شاہ زیب اکثر گاؤں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان کے تینوں بیٹے آتے رہتے تھے۔ اب بھی اپنے بچوں کا ذکر کرتے ان کے چہرے پر اک روشنی سی تھی۔

"مصطفیٰ سے میری رات ہی بات ہوئی تھی' آپ کا پوچھ رہا تھا آپ سوچکے تھے اس نے ڈسٹرب کرنے سے منع کیا تھا۔ پھر بھابی بیگم سے بات ہوئی تھی۔ وہ کافی الجھی ہوئی تھیں عادلہ بہو کی وجہ سے۔ کہہ رہی تھیں کہ عادلہ اتنا عرصہ گزارنے کے باوجود اس گھر کے مکینوں میں ابھی تک رچی بسی نہیں ہیں۔ کافی مختلف مزاج ہے اس کا۔ بہت پریشان ہورہی تھیں؟"

"اچھا......عباس اپنی بیوی کو کچھ کہتا نہیں؟" چوہدری صاحب کو حیرت ہوئی تھی۔ عادلہ چند بار ہی حویلی آئی تھی مگر جب بھی آئی انداز میں اجنبیت تھی۔

"بھابی بتارہی تھیں کہ بیوی کی حرکتوں اور مزاج کی برہمی کی وجہ سے وہ کافی پریشان رہتا ہے۔ چند بار تو تکرار بھی ہوچکی ہے مگر بھابی اسے عادلہ سے الجھنے سے منع کردیتی ہیں۔" تابندہ بی بھی عادلہ کے رویوں سے خائف اور پریشان رہتی تھیں۔ جب بھی عادلہ سے ملاقات ہوتی تھی اس کا انداز ہمیشہ طنز اور حقارت لیے ہوتا تھا۔ وجہ کیا تھی بھابی نے کبھی بتایا نہ تھا مگر وہ محسوس کرتی تھیں کہ شہوار بھی عادلہ سے خوش نہیں ہے۔ یقیناً عادلہ کا رویہ اس کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوگا جبھی بھابی بیگم خاصی پریشان تھیں۔

"یہ تو خاصی پریشانی والی بات ہے۔ شاہ زیب کچھ نہیں کہتا بہو کو۔ ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی نہیں کی۔ وہ کیسی لڑکی ہے اس لیے تو میں خاندان سے باہر شادی کرنے کے حق میں نہیں تھا۔" تابندہ کی زبانی سب گفتگو جان کر انہیں بھی گہرا صدمہ ہوا تھا۔

"کھلے ڈلے ماحول کی پروردہ لڑکی ہے۔ مزاج و خیالات ہمارے ماحول سے قطعی مختلف ہیں۔"

"تو کیا ضرورت تھی وہاں شادی کرنے کی؟ نواز کی بیٹی تھی' حسن کی تھی' زینت کی بھی دو بیٹیاں تھیں۔ خاندان میں جب لڑکیاں مل گئی تھیں تو باہر کیوں دیکھی اس نے" میں نے تب بھی شہوار کے لیے کہا تھا۔"

"شہوار اور عباس کی عمروں میں خاصا فرق ہے۔ پھر عباس کو عادلہ پسند آ گئی تھی کسی بزنس میٹنگ میں تو بھائی صاحب نے والدین سے مل کر بات طے کر دی کہ بچوں کا دور ہے۔ بچوں کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہمیں بالکل اندازہ نہ تھا اتنی بدمزاج لڑکی ہوگی۔ بھائی صاحب اب پچھتاتے ہیں عباس بھی الجھا پریشان رہتا ہے۔ ماشاء اللہ سے سجاد اور لائبہ کی جوڑی شان دار ہے۔ اپنی اپنی قسمت' اب کیا کیا جا سکتا ہے بھلا۔" انہوں نے سلیقے سے ساری بات سمجھائی۔ شاہ زیب بھائی اور والد سے اپنے گھریلو حالات ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ ویسے بھی ان کا بھی اب شہر آنا جانا بہت کم ہو گیا تھا اسی لیے بہت سی باتوں سے وہ قطعی لاعلم رہتے تھے۔ ورنہ کسی دور میں وہ بڑے معاملہ فہم انسان تھے۔ چاق و چوبند ہر معاملے پر گہری نگاہ رکھنے والے۔"

"میں تو پچھلی دفعہ جب شاہ زیب بال بچوں کے ساتھ رہنے آیا تھا تو کہا بھی تھا کہ شہوار بیٹی کے بارے میں سوچو کہہ رہا تھا کہ مصطفیٰ کی ابھی نئی نئی جاب ہے' سیٹل ہو جائے تو سوچیں گے۔ اب تو مصطفیٰ کو بھی جاب شروع کیے دو سال ہو رہے ہیں۔ خاصا سیٹ ہو چکا ہے۔ اب کس چیز کی دیر ہے' گھر کی بچی ہے۔ آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے تو کیا سوچ رہا ہے اب وہ؟"

مصطفیٰ اور شہوار کی شادی ہو یہ سب سے بڑی خواہش چوہدری حیات صاحب کی ہی تو تھی جو اب آہستہ آہستہ تابندہ بی کے دل میں بھی جگہ پکڑتی جا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ساری عمر ہاسٹلز اور ملک سے باہر گزاری تھی' شروع میں وہ خاصی خوف زدہ بھی رہی تھیں کہ نجانے کیسے کردار کا ہوگا مگر ان دو سالوں میں جس طرح اس نے پاکستان میں سیٹل ہوتے جاب کرتے اپنا امیج بنایا تھا اس سے ان کے دل کے تمام شکوک و شبہات بالکل ختم ہو چکے تھے۔ اب تو ان کے دل کی بھی خواہش تھی کہ مصطفیٰ سے شہوار کی بات طے ہو جائے۔

"بھائی صاحب بتا رہے تھے کہ مصطفیٰ سے انہوں نے سرسری شہوار کا نام لیے بغیر ذکر کیا تھا شادی کا مگر وہ ابھی چند سال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ اس نے منع کر دیا تھا ورنہ بھائی بیگم کا بھی بڑا ارمان ہے کہ جلد از جلد شہوار سے مصطفیٰ کی بات طے کر دی جائے۔" تابندہ بوا نے مسکرا کر بتایا تو وہ بھی مسکرا دیئے۔

"بڑے دن ہوئے ہیں مصطفیٰ کو بھی حویلی کا چکر لگائے ہوئے۔" مصطفیٰ کے ذکر سے انہیں ایک اور بات یاد آئی تھی۔ تبھی بخشو قریب چلا آیا۔

"چوہدری صاحب سراج دین منشی آیا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔" چوہدری حیات علی نے تابندہ بوا کو دیکھا۔

"میں نے صبح پیغام بھیجا تھا اسے آنے کا۔ کل رات بھائی صاحب سے بھی فون پر بات ہوئی تھی' وہ کہہ رہے تھے کہ چند دن تک حویلی کا چکر نہیں لگا پائیں گے' مصروف ہیں۔ کسی ملازم کو بھیجیں گے تو سراج دین سے زمینوں کے تمام کھاتے' حساب کتاب کے کاغذات لے کر شہر بھیج دوں اس کے علاوہ وہ کچھ کاغذات بھی منگوا رہے تھے جو آپ کے پاس زمینوں کے متعلق محفوظ ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا تھی بس ذہن سے نکل گیا۔" تابندہ بوا نے تفصیلاً بتایا۔

"زمینوں سے متعلق کاغذات کا اس نے کیا کرنا ہے؟"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں' کہتے ہیں تو میں کال ملا دیتی ہوں تفصیلی بات کر لیں۔" بخشو ابھی تک مؤدب جواب کا منتظر تھا۔

"ہاں رات کو بات کروں گا۔ تم سراج دین کو بھیجو۔ میں نے بھی اس سے زمینوں سے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔"

بخشو چلا گیا تھا۔

تابندہ بوا اٹھ کر حویلی کے اندر چلی گئی تھیں' انہیں سراج دین اور چوہدری صاحب کے درمیان اپنی موجودگی بے معنی سی لگی تھی۔



"نیم حکیم خطرۂ جان!" انا نے خاصی ناراضی سے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے ولید کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی روشنی کی کال پر گھر لوٹا تھا اور سیدھا باپ کے کمرے میں ہی آیا تھا۔

"ارے' خبردار! میری بیٹی کو کچھ کہا تو بہت اچھا چیک کرتی ہے یہ تو۔ بہت اچھی ڈاکٹر ہوگی یہ مستقبل کی۔" وہ خاموشی سے بی پی آپریٹس سے ضیاء انکل کی بلڈ ریڈنگ چیک کر رہی تھی' ایک نظر سوئی پر تھی تو دوسری نگاہ ولید پر ڈالی جو اب ضیاء انکل کے دوسری طرف آ بیٹھا تھا۔

"یہ محترمہ مستقبل کی ڈاکٹر ہیں ابھی ہوئی تو نہیں نا؟ اس لیے ان سے ٹریٹمنٹ کروانے کا مطلب خطرۂ جان ہی ہے۔" انا خاموشی سے ولید کا طنز جھیل جائے ناممکن سی بات تھی مگر وہ تب بھی خاموش رہی۔

"ماموں جان بہت ہائی ہے آپ کا بلڈ پریشر' سچ سچ بتائیں آج کیا کھایا تھا؟" کانوں سے آلہ ہٹا کر اس نے سنجیدگی سے ماموں سے پوچھا تو وہ ذرا سا گھبرائے تھے۔

"اس بڑھاپے میں ہم نے کیا کھانا ہے بچے؟ یہ عمر ہی آنکھ مچولی کھیلنے والی ہے۔ ادھر بلڈ پریشر ہائی ادھر لو۔ ادھر اٹھے اُدھر بیٹھے۔ سب چلتا ہے پریشان نہیں ہوتے۔" انہوں نے زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے اس کا دھیان ہٹانا چاہا تھا مگر اس نے برہمی سے روشنی کو دیکھا وہ بھی گھبرا گئی۔

"سچی میں نے جان بوجھ کر انہیں کچھ نہیں کھلایا۔ وہ تو انہوں نے صغریٰ ہی سے کچھ بنوا کر کھایا ہے۔ پھوپو گھر پر نہ تھیں میں سو گئی تھی اس لیے مجھے پتا نہیں چلا۔" اب کے انا نے شکایتی انداز میں اپنے ماموں کو دیکھا تو وہ ہنس دیئے۔ جب کہ ولید بھی روشنی کے منہ سے کھانے کا سن کر سنجیدہ ہوا تھا۔

"کیا واقعی......؟"

"بری بات ہے بابا جان! آپ بچے یا ناسمجھ تو نہیں ہیں نا کہ آپ کو سمجھانا پڑے کہ آپ کے لیے کیا چیز نقصان دہ اور کیا فائدہ مند ہے۔"

"اف! تم تینوں نے تو بات کا ایشو بنالیا ہے

ذرا سی بات تھی بڑھا دی فقط زیب داستان کے لیے

میں بھی انسان ہوں' روکھے پھیکے کھانے کھا کھا کر میرا دل بھی بھر جاتا ہے اور یہ ڈکٹیٹر کی نانی اپنی ڈاکٹری جھاڑنے کو تیار رہتی ہے' کچھ نہیں ہوا مجھے۔" ان کا وہی لاپروا انداز تھا تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آخر میں ولید ضیاء نے باپ کو گھورا۔

"بہت خوب! میرا خیال تھا کہ ان دو سالوں میں خاصے سنبھل گئے ہوں گے مگر اور تم نیم حکیم! تم انہیں منع نہیں کرتیں۔ اپنی ڈاکٹری جھاڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے گوش گزار بداحتیاطیوں کے کچھ نقصانات بھی کر دو تو بہتر ہوگا۔" ولید نے انا کو بھی درمیان میں گھسیٹا۔ انا نے بھی جواباً گھورا اس سے پہلے کہ لب کشائی کرتی ولید کی توپوں کا رخ روشنی کی طرف ہو گیا تھا۔

"اور تم... تم کہاں تھیں؟" روشنی نے گھبرا کر پھر باپ کے مطمئن اور بھائی کے طنزیہ چہرے کو دیکھا۔

''انکل اور پھوپو نے کسی تقریب میں جانا تھا' آپ آفس اور انا کالج گئی ہوئی تھی' مجھ سے یہ کتنی بار فرمائش کر چکے تھے کہ میں ان کو چکن روسٹ کردوں مگر میں نے منع کردیا تھا جب ان کی فرمائش حد سے بڑھی تو میں نے ویجیٹبل سوپ بنا کر دے دیا۔ میرے سامنے تو کھا پی لیا تھا۔ میں سونے چلی گئی تھی اور جب سو کر اٹھی تو پورے کچن میں مرغ روسٹ کی خوشبو تھی۔ میری غیر حاضری میں صغریٰ سے نہ صرف بنوا کر کھایا گیا بلکہ ہضم بھی کرلیا گیا۔ ہم دونوں بے قصور ہیں' یہ سارا ان کا اپنا کیا دھرا ہے انہی سے پوچھیں۔'' ولید کے تیوروں سے گھبرا کر اس نے فٹافٹ بات بنا کر اپنی جان چھڑائی تھی۔

''حد ہوتی ہے بابا جان! کتنی غلط بات ہے اس بد احتیاطی سے کچھ نقصان ہوجائے تو پھر؟'' ولید کے سنجیدہ انداز پر وہ مسکرا دیئے۔

''کچھ نہیں ہوتا یار! اتنی جلدی مرنے ورنے کا ارادہ نہیں ہے۔ تمہاری اور روشنی کی شادی کر کے تمہارے پوتے پڑپوتوں کی شادیاں کرنی ہیں' فکر نہیں کرو۔'' ادھر وہی بے فکری کا بھرپور انداز تھا جس پر سب سے پہلے انا کو ہی ہنسی آئی تھی اور انا کو ہنستے دیکھ کر ولید نے مزید گھورا۔

''نیم حکیم جی! بابا کے بی پی کو کنٹرول کرنے کے لیے جو میڈیسن ڈاکٹر نے تجویز کی ہوئی ہے وہ براہِ مہربانی ان کو دے دیں اس سے پہلے کہ معاملہ زیادہ بگڑے۔'' انا نے مسکراتے ہوئے سائیڈ دراز سے میڈیسن کا شاپر نکالا۔

''یہ لاسٹ وارننگ ہے' آئندہ ایسی بد احتیاطی کی نا تو بہت برا ہوگا اور آج دیکھیے گا آج ذرا ماما آجائیں ان کو آپ کی ساری کارگزاری سناتی ہوں پھر نپٹیے گا ان سے اکیلے ہی۔'' پانی کے ساتھ ان کو میڈیسن دیتے اس نے بھرپور دھمکیوں سے بھی نوازا تھا۔

''ارے نہیں نہیں' ایسا ظلم مت کرنا۔ وہ ہٹلر کی جانشین وہ تو قلع قمع کردے گی میرا۔ بڑی سخت ہے وہ یار! یعنی اس کو بتانے کا مطلب ہے' اگلا سارا مہینہ سڑی بسی سبزیوں پر گزارا کرنا پڑے گا۔ آہ...... اتنا بڑا ظلم!'' ان کی اداکاری شروع ہوچکی تھی۔ وہ ایسے ہی تھے زندہ دل' بچوں میں بچے اور بڑوں میں بڑے۔ ولید کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئی تھی۔

''آپ کا یہی علاج ہے۔'' انا نے مزید دھمکایا تھا۔

''یار! تم ہی اس ٹارزن کو منع کرو۔ وہ تمہاری پھوپی تو میرا قیمہ بنادے گی۔'' انہوں نے اب ملتجیانہ انداز میں بیٹے کو دیکھا اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''بالکل درست کرے گی انا! میرا بھی یہی خیال ہے کہ پھوپو کو رپورٹ ضرور کرنی چاہیے۔ اچھی بات ہے آپ کو اگلا مہینہ کیا پورا سال ہی انہی سبزیوں پر گزارا کرنا پڑے تو سبق مل جائے گا کہ کیسے بد احتیاطی کی جاتی ہے۔''

''ہائے......

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے''

بڑا ہی دہائی دیتا انداز تھا تینوں ہنس دیئے۔

''تھوڑی سی معافی شافی کی گنجائش ہوگی نا؟'' انہوں نے اب کے امید بھری نظروں سے روشنی کو دیکھا تھا۔ باپ کے معاملے میں بڑی نرم دل تھی۔ فوراً ان کی جذباتی بلیک میلنگ میں آجاتی تھی۔

''ہرگز نہیں۔'' ادھر سے بھی صفاچٹ جواب ملا تھا۔

''بڑے بے حس' بے مروت لوگ ہو تم۔ باپ کو دھمکیاں دیتے شرم نہیں آتی۔ بوڑھا بیمار باپ جس پر زندگی کے سارے لطف حرام ہیں۔ کبھی کبھار دل اچھا کھانے کو چاہ ہی جاتا ہے مگر اولاد بھی ایسی جلاد صفت کہ باپ کو آنکھیں

دکھاتی ہے۔"اب کے انہوں نے جذباتی بلیک میلنگ کی تھی۔روشنی کے دل پر فوراً اثر ہوا تھا۔

"آپ بھی تو ایسا نہ کیا کریں نا' آپ کے لیے ہی تو یہ سب احتیاطی تدابیر کرتے ہیں۔ہم کوئی آپ کے دشمن ہیں۔" روشنی نرم لہجے میں باپ کو سمجھانے لگی تو ولید مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو بھاگو روشنی یہ ان کا معمول ہے۔اب ان کی کسی بات پر دھیان نہیں دینا۔اب یہ معاملہ ہائی کورٹ میں جا کر ہی رہے گا۔چلو انا تم بھی جا کر چینج کرو۔آپ شام تک اب اپنے بستر سے نہیں ہلیں گے۔شام کو میرے ساتھ چل کر ڈاکٹر کو چیک کروائیے گا۔اب آپ کا دھیان میں خود رکھوں گا۔دیکھتا ہوں کیسے بداحتیاطی کرتے ہیں آپ اب۔" ولید پر ان کے لہجے کا ذرا بھی اثر نہ ہوا تھا روشنی اور انا کو بھیج کر وہ خود بھی اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔عصر کا وقت تھا اپنے کمرے میں آ کر اس نے پہلے چینج کیا اور پھر پھوپو والے حصے میں آ گیا' انا لاؤنج میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

"آپ کھانا کھائیں گے؟" روشنی نے اسے دیکھا تو پوچھا۔

"نہیں! آفس میں لنچ کر لیا تھا تم ذرا اچھی سی چائے پلوا دو۔" روشنی سر ہلاتی کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

"دوپہر میں لنچ نہیں کیا تھا کیا؟" اسے رغبت سے یوں کھانا کھاتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں! سارا دن اتنا ٹف شیڈول رہا۔لیکچر' پریزنٹیشن اور پھر ہاسپٹل کا وزٹ' بچی سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔بڑا ٹف ایئر ہے یہ سارا سارا دن سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔میں تو دن رات دعا کرتی ہوں کہ اللہ کرے کہ جلد از جلد یہ وقت گزرے۔باقی تو ہاؤس جاب ہوگی وہ تو جیسے تیسے گزار ہی لیں گے۔" وہ واقعی آج کی ساری بھاگ دوڑ سے خاصی تھک چکی تھی' کھانا ختم کر کے برتن اس نے ٹرے میں رکھے تھے۔

"آپ سنائیں کیسا چل رہا ہے اپنے ذاتی آفس کا تجربہ!" ٹشو باکس سے ایک دو لیف کھینچ کر ہاتھ صاف کرتے' اس نے ولید کو دیکھا۔

"بہت اچھا! امریکہ میں رہ کر جاب کا تجربہ اب بہت ہیلپ فل ثابت ہو رہا ہے۔احسن' انکل اور بابا گائیڈ کرتے ہیں' میں سوچ رہا ہوں کہ بابا کو فارغ گھر نہ بیٹھنے دوں پہلے کی طرح وہ اب بھی مستقل آفس کا چکر لگاتے رہیں' ان کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا' ورنہ وہ اپنی طرف سے بے پروا ہو جائیں گے۔"

"اچھا خیال ہے' اس طرح ماموں جان بزی ہو جائیں گے۔"

"ہوں......!"

"یہ لیجیے گرما گرم چائے۔" روشنی ولید کے ساتھ ساتھ اپنے اور انا کے لیے بھی چائے لے آئی تھی۔

ولید کو کپ تھما کے سامنے مگ رکھ کر وہ بھی اپنا کپ لیے انا کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

"آج میں سارا دن گھر میں بہت بور ہوئی ہوں۔" بیٹھتے ہی اس نے شکوہ کیا تھا۔

"وہ بھلا کیسے......؟" انا نے اس کے چہرے کی سنجیدگی کو نوٹ کیا۔

"بھائی نے آتے ہی آفس جوائن کر لیا ہے' پھوپو کا اپنا بوتیک ہے۔آج وہ کچھ فارغ ہوئیں بھی تو انکل کے ساتھ تقریب میں چلی گئیں تھی۔بابا کے ساتھ باتیں کر کے آخر میں کب تک دل بہلا سکتی ہوں اور تم محترمہ سارا دن کالج میں گزار کر گھر آ کر بھی سارا سارا دن کتابوں میں سر دیے رہتی ہو۔" روشنی نے اپنی بوریت کا تفصیلی رونا رویا تھا۔وہ ہنس دی۔

"واقعی مسئلہ کافی گمبھیر اور غور طلب ہے۔چلو انا! اس کا کوئی سلوشن بتاؤ۔" بہن کی طرف شرارتی نگاہ سے دیکھتے ولید نے انا سے کہا تو وہ بھی مسکرا دی اور پھر ایک شرارتی نگاہ روشنی کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی۔

"سلوشن تو بس یہ ہے کہ ماما پاپا کے سامنے فرمائشی بیان نوٹ کروانا ہوگا۔" اس کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی روشنی فوراً محسوس کر کے بول اٹھی۔

"خبردار! کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

"تم سلوشن بتاؤ اس کی دھمکیوں کی پروا مت کرو۔اگر معقول ہوا تو ضرور عمل بھی کریں گے۔" ولید نے اسے حوصلہ دیا تو وہ ہنس دی۔

"سلوشن تو یہ ہے کہ ماما پاپا' ماموں جان کے ساتھ ارجنٹ میٹنگ ارینج کریں اور فوراً سے بیشتر محترمہ کی بوریت کا حل ڈھونڈنے کو ان کی شادی کی ڈیٹ طے کریں۔شادی کی تیاریوں میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔یقیناً ساری بوریت دور ہو جائے گی۔" روشنی نے اس قدر معقول حل پر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا جب کہ ولید نے سراہا۔

"زبردست بہت اچھا سلوشن ہے۔کیا خیال ہے یہ نیک خیال بزرگوں تک کب پہنچایا جائے۔" ولید کو بھی بہن کو تنگ کرنے کا موقع ملا تھا۔

"آف کورس! آج ہی یہ نیک کام کرنے کو حاضر ہوں۔" انا نے فوراً اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"بھائی پلیز! میں سیریس ہوں۔" ان دونوں کی نان سیریس باتوں پر اس نے فوراً احتجاج کیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہم مذاق کر رہے ہیں جناب ہم بھی سیریس ہیں۔" انا نے اسے گھورا۔

"تو اور کیا......؟" ولید نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"میں بابا سے شکایت کروں گی کہ آپ انا سے مل کر مجھے گھر بدر کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔فکر نہیں کریں میں اس وقت تک ادھر سے کہیں نہیں جانے والی جب تک آپ کی بیگم نہ آ جائے۔" اس نے بھی دھمکانا چاہا تھا۔

"ضرور اپنی یہ خواہش بھی پوری کر دیکھو۔گھر بدر کی کوئی سازش نہیں' بس کمرا بدر ہو گی تم اور رہ گئی میری شادی کی بات تو سکون سے بیٹھی رہو چار پانچ سال سے پہلے میں شادی کرنے والا نہیں ہوں۔" بڑے ریلیکس موڈ میں صوفے پر بیٹھے اس نے اپنے نیک خیالات کا اظہار کیا تھا۔روشنی اس کے اس شاہانہ انداز پر جل گئی تھی۔

"اوہ یہیں کرنی۔دیکھتی ہوں آپ کیسے انکار کرتے ہیں۔"

"چلیں دیکھ لیتے ہیں۔تم اپنی سی کوشش کر دیکھو۔" مسکراتے ہوئے اس نے کہا تو انا نے بغور دیکھا۔اس کے اس انداز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ ایک پل کو انا کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئی تھیں۔

"تم بھی تو کچھ بولو انا! میرے معاملے میں تو بڑی زبان چل رہی تھی اب بھائی کی باری پر کیوں ہونٹ سی لیے ہیں۔" وہ چپ چاپ دونوں کو دیکھ رہی تھی' روشنی نے ٹوکا تو وہ مسکرائی۔

"میں اس معاملے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔تمہارا جہاں تک معاملہ ہے تقریباً فائنل ہی ہے بس شادی کی ڈیٹ طے کرنا ہے جب کہ ادھر کوئی ایسا معاملہ تو کیا لڑکی تک کا کوئی اتا پتا نہیں۔" اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے حاضر دماغی سے جواب دیا تو ولید مسکرا دیا۔

"بھئی ابھی تک کوئی ایسی لڑکی ملی ہی نہیں کہ انسان شادی کی ضرورت محسوس کرے۔" اپنے اسی مطمئن انداز میں اس نے پھر انا کے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

"اتنا عرصہ امریکہ جیسے معاشرے میں زندگی گزارنے کے باوجود......؟" اس کے لبوں سے سوال پھسلا تھا۔

"ہاں یہی سچ ہے۔"

"چلیں آج بتا ہی دیں کہ آپ کو کیسی لڑکی چاہیے تاکہ لڑکی تلاش کرنے کی مہم شروع کی جائے۔" روشنی نے فوراً

پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

"یعنی لڑکی تلاش کرنے کی مہم نہ ہوئی پولیو ویکسین کی مہم ہوگئی۔"

"تا لیس نہیں، صاف صاف بتائیں۔" وہ بھی روشنی تھی اتنی جلدی کیسے ٹل جاتی۔

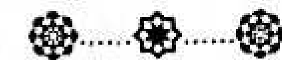
"بھئی میں سیدھا سا انسان ہوں۔ کوئی لمبی چوڑی ڈیمانڈ نہیں ہیں میری۔ جو بھی لڑکی ہو جیسی بھی ہو کم از کم اچھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ گھر کو گھر بنانے والی اور سب سے بڑھ کر تمہیں اور بابا کو اہمیت دینے والی۔"

"شکر ہے اس کا مطلب ہے جو بھی لڑکی پسند کروں گی آپ اس کے لیے اوکے کردیں گے۔" نہ جانے کس خیال سے روشنی کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھی تھیں۔

"جب وقت آئے گا تم مجھے انکاری نہیں پاؤ گی مگر فی الحال یہ ان باتوں کا مناسب وقت نہیں ہے۔" اسے جواب دیتے وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں بابا کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ دیکھوں کیا کر رہے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ روشنی مزید کچھ کہتی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ روشنی آنکھوں میں بے پناہ چمک لیے مسکراتی رہی جب کہ انا ذہن و دل میں اک عجیب سا احساس لیے بیٹھی رہ گئی تھی۔



کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اسے ایک کیس کے سلسلے میں کچھ کمپیوٹر ورک کرنا تھا۔ اپنے سامنے مختلف فائلز کھولے اسٹڈی کرتے وہ کمپیوٹر میں ڈیٹا فیڈ کر رہا تھا۔ جبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ کام کے وقت کسی کی آمد سے اسے بڑی کوفت ہوتی تھی۔ نظریں مونیٹر سے ہٹائے بغیر اس نے کہا تھا۔

"یس کم ان!" آہستگی سے دروازہ کھلا تھا۔ اس نے فائلوں سے توجہ ہٹانا ضروری نہ سمجھی تھی۔

"آپ کو انکل بلا رہے ہیں۔" اپنے عقب سے غیر متوقع آواز سن کر اس نے گردن گھما کر آنے والی ہستی کو دیکھا تھا۔

"شہوار اندر آنے کی بجائے وہیں دروازے میں کھڑی پیغام دے رہی تھی۔

دونوں کا بہت کم سامنا ہوتا تھا شاید کھانے کی ٹیبل پر یا پھر صبح آفس کے لیے نکلتے جب وہ ڈرائیور کے ہمراہ کالج کے لیے نکل رہی ہوتی تھی۔

"خیریت......؟"

"پتا نہیں۔" اپنے انہی مخصوص چند الفاظ میں کہہ کر وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔

شہوار سے اس کا جب بھی سامنا ہوا تھا چند مخصوص الفاظ کے علاوہ دونوں کی کبھی بات نہ ہوئی تھی۔ وہ بہت لیے دیے رہنے والی اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی لگتی تھی اسے بچپن کے چند سالوں کے علاوہ یہ گزرے دو سال مصطفیٰ کو یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتا تھا کہ اس نے عام بچوں کی طرح کبھی ری ایکٹ کیا تھا۔ وہ بچپن میں بھی بڑی معصوم اور کم گو لڑکی تھی اور اب دو سال پہلے جب ملاقات ہوئی تو بھی پہلے سے زیادہ سنجیدہ لگی تھی۔ چھٹیوں میں جب بھی پاکستان آنے کا اتفاق ہوا تو وہ ہمیشہ اپنی اسٹڈی میں گم اپنی ذات میں مگن ہی ملی تھی اور پاکستان آتے ہی وہ اتنا بزی ہوگیا تھا کہ اسے فرصت ہی نہیں تھی کہ اپنے اردگرد دیکھتا۔

ایک تو وہ تھی اتنی ریزرو دوسرا وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی تو اس نے بھی اسے کبھی پریشان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

نجانے شاہ زیب علی صاحب کو اس سے کیا کام آپڑا تھا کہ اسے بطور خاص کمرے سے بلوالیا گیا تھا۔ وہ چیزیں دراز میں رکھ کر کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

"صاحب جی ادھر لاؤنج میں ہیں۔" رخشندہ (ملازمہ) نے اسے دیکھتے ہی فوراً لاؤنج کی طرف نشاندہی کی تھی وہ ادھر ہی چلا آیا تھا۔

اندر داخل ہوا تو مہر النساء بیگم کے علاوہ لائبہ بھابی، سجاد اور شہوار بھی بابا سمیت وہاں موجود تھی۔

مہر النساء بیگم صوفے پر دراز تھیں شہوار کے ہاتھ میں کوئی ٹیوب تھی جس میں سے وہ آئنمنٹ نکال کر ان کے پاؤں پر لگا رہی تھی وہ قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کی پہلی نگاہ ہی ماں کی طرف اٹھی تھی انہیں اس طرح لیٹے دیکھ کر تشویش ہوئی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں لیٹی ہیں؟" کھانے کی ٹیبل پر تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ یہ ایک دم انہیں اچانک کیا ہوگیا تھا کہ وہ یوں دراز تھیں۔

"کچھ نہیں، پاؤں کے جوڑوں میں درد ہو رہا تھا دو تین دنوں سے۔ شہوار کوئی ٹیوب لے آئی تھی کہ لگالوں، تو فرق پڑ جائے گا۔" وہ انگلیوں سے ان کے پاؤں کے ٹخنوں پر ہلکا ہلکا مساج کر رہی تھی۔ سر جھکائے ہوئے تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ وہ باپ کے قریب خالی جگہ پر جا بیٹھا۔

"آپ نے بلوایا تھا؟" شاہ زیب صاحب اپنے سامنے رکھی شیشے کی تپائی پر کئی فائلیں رکھے ادھر متوجہ تھے، مصطفیٰ کے پوچھنے پر سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے عینک اتار کر فائل کے اوپر رکھ دی۔

"کیا کر رہے تھے؟"

"کچھ خاص نہیں آفس ورک تھا کچھ۔ کمپیوٹر میں فیڈ کر رہا تھا۔"

"رات ابا جی سے فون پر بات ہوئی تھی وہ شکوہ کر رہے تھے کہ بہت دن ہوگئے ہیں تم نے گاؤں کوئی فون کر کے خیر خیریت ہی نہیں پوچھی۔"

"بس وہی جاب کی مصروفیات ہوتی ہیں آپ کے سامنے ہی ہے کہ میں کتنا فارغ ہوتا ہوں۔"

"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"اب بس کرو اللہ اجر دے تمہیں۔ اتنی دیر میں ہی لگ رہا ہے کہ جیسے سارا درد بھاگ گیا ہے۔ اللہ تمہارے ہاتھوں میں شفاء دے۔" مہر النساء بیگم نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے شہوار کو دعا دی تو وہ ٹیوب پر ڈھکن لگاتے ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھی تھی۔ وہ ٹیوب ٹیبل پر رکھتے لاؤنج سے ملحق واش روم میں گھس گئی تھی۔

"پتا نہیں یہ لڑکی اتنا کم کیوں بولتی ہے؟ اس نے سوچا تھا۔

"مجھے گاؤں سے کچھ کاغذات منگوانے ہیں زمینوں کے۔ دو تین ہفتوں سے میرا گاؤں کا چکر نہیں لگ رہا۔ منشی سراج دین کو بھی فون کیا تھا کہ پچھلے سارے کھاتے جمع رکھے، حساب کتاب کرنے والے ہیں۔ تمہارے چاچا تایا پھوپوں کو حساب کتاب کی کاپیاں بھجوانی ہیں مگر ادھر جو بزنس کھٹ راگ شروع کیا ہے اس میں فرصت ہی نہیں مل رہی۔" انہوں نے اپنی مصروفیات گنوائی تھیں۔ مصطفیٰ خاموشی سے سنتا رہا۔ گاؤں کی زمینوں اور حساب کتاب سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی سو کوئی رائے نہ دی۔

"کل ہماری ایک میٹنگ ہے سجاد اور میں وہاں ہوں گے۔ عباس کو کنٹریکٹ کے لیے بھیج رہا ہوں کل تمہاری کیا

مصروفیات ہیں؟'' شہوار ہاتھ دھوکر واپس آ کر مہرالنساء کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ یونہی اپنی مصروفیات بتا کے انہوں نے آخر میں مصطفیٰ کا شیڈول پوچھا تھا۔

''بظاہر تو کچھ خاص نہیں' وہی روٹین کے کام ہوں گے۔ ہاں کوئی نیا معاملہ نہ کھڑا ہوجائے تو اور بات ہے۔ کیوں خیریت......؟''

''تابندہ بی شہوار سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ یہ بھی دو تین ہفتوں سے گاؤں نہیں گئی' ابا جی بھی اداس ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کاغذات وغیرہ بھی منگوانے ہیں تم کل شہوار کو لے کر گاؤں چلے جانا۔ تمہاری ماں بھی ساتھ ہوگی۔ جانے کو ڈرائیور بھی لے جاسکتا ہے مگر میرا دل نہیں مانتا۔ تم ذرا ٹائم نکالو' کل جمعہ ہے' شہوار کی تو ویسے بھی چھٹی ہے' اتوار کی شام دونوں کو لے کر واپس آ جانا۔'' جہاں مصطفیٰ ان کا پروگرام سن کر چپ ہوا تھا' وہیں شہوار بھی چونک کر شاہ زیب صاحب کو دیکھنے لگی۔ اس کے علم میں ان کی یہ پلاننگ نہ تھی۔

''کیوں شہوار بیٹا! ہفتے کو کالج سے چھٹی کرلوگی نا؟'' مصطفیٰ نے بھی اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے کی حیرت دیکھتے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی بے خبر ہے۔ شہوار نے سرہلا دیا تھا۔

''کل تم کالج جانا' ہاف ڈے ہے۔ واپسی پر مصطفیٰ بھی آجائے گا تو تم دونوں ماں بیٹی کو مصطفیٰ لے جائے گا۔'' انہوں نے گویا سارا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔

''تم کو پریشانی تو نہیں ہوگی ان دو دن کی چھٹیوں سے؟'' وہ اب سارا پروگرام طے کرنے کے بعد مصطفیٰ سے پوچھ رہے تھے۔ مصطفیٰ ہلکے سے مسکرا دیا۔

''ڈونٹ وری اگر ہوا بھی تو آئی مینج اٹ۔'' شاہ زیب صاحب اسے بہت کم کوئی ذاتی کام کہتے تھے اس لیے مصطفیٰ نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

''کاغذات کی میں نے ابا جی اور تابندہ بی دونوں کو ہدایت کردی ہے وہ ضرور لے کر آنے ہیں۔'' انہوں نے مزید ہدایت دی تو اس نے سرہلا دیا۔

''یہ عباس اور عادلہ نظر نہیں آرہے۔'' انہوں نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو دونوں کو نہ پا کر بیوی کو دیکھا۔

''اپنے کمرے میں ہی ہوں گے۔'' عادلہ کے ذکر پر ان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''اور چائے کا کیا بنا؟ آج چائے نہیں ملے گی کیا؟'' کھانے کے بعد وہ اس ٹائم چائے ضرور پیتے تھے۔ لائبہ کی طرف دیکھتے انہوں نے پوچھا تھا۔

''چائے تیار ہے میں منتظر تھی کہ آپ کب منگواتے ہیں۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ گئی تھی۔

''اور ہاں عادلہ اور عباس کو بھی کہتی آنا وہ بھی ادھر آجائیں۔'' انہوں نے جاتی ہوئی لائبہ کو ہدایت دیں تو وہ سرہلاتی چلی گئی تھیں۔

رخشندہ کے ساتھ چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں سجا کر اسے لاؤنج میں لے جانے کا کہہ کر وہ خود عادلہ کے روم کی طرف بڑھیں۔

''میں تنگ آچکی ہوں اس روز کی چخ چخ بک بک سے۔ میں عباس آپ کو واضح کہے دے رہی ہوں کہ مجھے اب اس قید خانے میں نہیں رہنا۔'' لائبہ عادلہ کی آواز سن کر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

''میں کتنی دفعہ تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ اپنی زبان کو لگام دو۔ کنٹرول کرو اپنے جذبات پر۔ جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کبھی بھی نہیں ہونے والا۔'' عباس بھائی کی تجھی عادلہ سے زیادہ طیش بھری آواز ابھری تھی۔

''مائی فٹ...... میں بھی دیکھتی ہوں کیا نہیں ہوتا اس گھر میں۔ میں ایک پل بھی اب اس چار دیواری میں نہیں گزارنے والی۔ ہر کام میں آپ کی والدہ محترمہ سے اجازت درکار ہے۔ اٹھتے' بیٹھتے' ہنستے بولتے' کھانے پینے ہر بات میں ان کا ٹوکنا' بولنا لازمی ہے۔ مائی گاڈ یہ گھر ہے کہ قید خانہ؟'' پہلے سے زیادہ بُرا اور بدلحاظ انداز تھا۔

''تم بھول رہی ہو کہ تم نے خود اس قید خانے میں آنے کو ترجیح دی تھی۔ تمہیں کسی نے آفر نہیں کی تھی' میں تو پچھتا رہا ہوں اس وقت کہ جب تم جیسی لڑکی کو دیکھ کر شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ سچ کہتے ہیں سیانے! دور کے ڈھول سہانے۔ All That Glitters is Not Gold''

''شٹ اپ! تم خود کیا تھے؟ بظاہر پالش پرسنالٹی کے اندر ایک قدامت پرست' دقیانوسی مرد! پاپا ماما بے بی ایک ڈبو سا انسان چھپا ہوا تھا۔ مجھے تمہاری اصلیت کا پتا چل جاتا تو کبھی نگاہ اٹھا کر تمہاری طرف دیکھتی بھی نہیں۔'' ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر۔ لائبہ نے سرتھام لیا۔ بظاہر عادلہ کے تیور پورے گھر کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھے مگر اندرونی طور پر دونوں کے حالات اس سطح پر پہنچ چکے تھے وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی تھی۔

''میری بھی تمہارے بارے میں سیم رائے ہے۔'' عباس بھائی نے بھی عادلہ کو تپانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

''شٹ اپ......!'' وہ چیخی تھی۔

''یو ٹو شٹ اپ!'' جواباً وہ زیادہ بلند آواز میں دہاڑے تھے۔ ساتھ میں زوردار تھپڑ کی بھی آواز سنائی دی تھی۔ لائبہ کا چہرہ فق رہ گیا۔ ایک پل کو اندر کی طرف خاموشی چھا گئی تھی پھر اسی خاموشی میں آفاق کی روتی سسکتی آواز گونج اٹھی تھی۔

''اب رونے دھونے کا یہ ناٹک بند کر کے اس کو پکڑو۔'' عباس بھائی کی آواز پر بھی کوئی رسپانس نہ ملا تھا۔ لائبہ نے گھبرا کر فوراً دروازے پر دستک دی تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں بند کرو یہ ڈرامے بازیاں......'' عباس بھائی کی دبی دبی آواز پر اس نے پھر دروازے پر دستک دی تھی۔

دومنٹ بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ عباس بھائی روتے سسکتے آفاق کو کندھے سے لگائے نمودار ہوئے تھے۔

''چائے پر بابا جان آپ دونوں کو بلوا رہے ہیں۔'' اس نے خاموشی سے پیغام دیا تھا۔

''یہ کیوں رو رہا ہے۔ لائیں اسے مجھے دیں۔'' اس نے آفاق کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا تھا۔

''آپ دونوں کی آواز باہر تک آرہی تھی۔ ہوسکتا ہے لاؤنج میں موجود لوگ بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ بہرحال آپ دونوں فوراً پہنچیں۔'' وہ پیغام دے کر آفاق کو کندھے سے لگائے وہاں سے نکل گئی تھی۔ عباس چہرے پر عجیب بے بس تاثرات لیے واپس پلٹا تھا۔ عادلہ ابھی تک بیڈ پر منہ کے بل لیٹی سسک رہی تھی۔

''بابا جان نے بلوایا ہے اٹھو منہ دھوؤ اور چلو میرے ساتھ۔'' اپنے تاثرات واحساسات کو کنٹرول کیے اس نے عادلہ کو مخاطب کیا تھا۔

''نہیں جاؤں گی میں۔ اب اس گھر میں بھی نہیں رہوں گی جب تک وہ دو ٹکے کی لڑکی ادھر موجود ہے میں اب ادھر نہیں رہنے والی۔ مسکینی' عیار' چالباز لڑکی! شکل مومناں کرتوت کافراں۔ اتنے ہی تمہیں اس کے درد اٹھتے تھے تو کیوں مجھے لائے؟ اپنے دادا کی بات مان کر بیاہ لاتے اسے اور وہ ایک نہیں دو دو پھنسائے ہوئے ہیں۔ میں جانتی نہیں تم لوگوں کے فیصلوں کو۔ کاشفہ کے لیے تمہارے بھائی نے ایویں انکار نہیں کردیا تھا۔'' عباس نے بڑے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔ عادلہ ایک شکی' منتقم مزاج اور جھگڑالو عورت کی تمام صفات سے مزین عورت تھی' جسے گھر بسانے کی بجائے اپنی انا زیادہ عزیز تھی۔ جسے رشتوں کے تقدس کا کوئی احترام نہ تھا۔

"بکواس بند کرو' نجانے یہ شک کی گرہ کیسے تمہارے ذہن میں پڑ گئی ہے۔ تمہیں رشتوں کے تقدس' احترام کا کوئی پاس نہیں رہا۔ وہ میرے لیے عائشہ اور صبا جیسی ہے۔" بڑے ضبط سے وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ تین سال بہت ہیں برداشت کرنے کے لیے' میں صرف اپنے والدین کی عزت کی وجہ سے تمہیں جھیل رہا تھا اب میری برداشت ختم ہو چکی ہے تم اٹھو ابھی میرے ساتھ چلو امی تو جیسے تیسے ہمارے حالات سے باخبر ہیں آج بابا کو بھی پتا چل جائے اور وہ تمہارے جوہر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔" عباس نے غم و غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی وہ اسے کھینچتا ہوا سیدھا لاؤنج میں لیے چلا آیا تھا۔

لاؤنج میں وہاں سب چائے پیتے خشک میوہ جات سے لطف ہوتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ عباس اور اس کے ساتھ کھنچی چلی آتی عادلہ کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔

عباس نے لاؤنج کے دروازے میں آ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ عادلہ اگر سوفے کی بیک نہ تھام لیتی تو یقیناً گر جاتی۔ وہ پہلے بھی دوپٹہ کو بے پروائی ہی سے لیتی تھی اب تو اور بھی گلے میں لٹک رہا تھا جب کہ وہاں موجود شہوار' مہر النساء اور لائبہ تینوں کے دوپٹے بڑے درست اور سروں پر جمے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا بدتمیزی ہے عباس!" بابا جان کے لیے یہ بالکل غیر متوقع بات تھی' ایک دم اٹھ کھڑے ہو گئے تھے اور ان کی تقلید میں باقی سب۔

بات تو باقی لوگوں کے لیے بھی غیر متوقع تھی۔ مہر النساء بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔ بیٹے کی نا آسودہ زندگی ان کے سامنے تھی۔ بیوی کی طرف سے ملنے والی پریشانیوں پر وہ ماں کی آغوش میں منہ چھپا کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا تھا۔ وہ اپنے تئیں گھر کے ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے تمام کوششیں کر چکی تھیں مگر اب جس طرح عباس عادلہ کو گھسیٹ کر لے کر آیا تھا انہیں لگا ان کی تمام سر توڑ کوششیں بے کار ٹھہری ہیں۔ انہیں اپنا وجود بے جان سا ہوتا محسوس ہوا۔

"یہ بدتمیزی نہیں بابا جان! ہمارے گھر کی اولین روایت رہی ہے کہ چھوٹی موٹی ہر چپقلش گھر کے کرتا دھرتا کے سامنے لائی جائے اگر وہ ناکام ہو جائے تو گھر کے سربراہ کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے۔ ان تین سالوں کی روداد امی جان سے سن لیجیے گا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں۔ رہے باقی لوگ تو مجھے نہیں علم کہ وہ کس حد تک باخبر ہیں تاہم میری ہر حال میں یہی کوشش رہی کہ میرے بیڈ روم کی چار دیواری سے بات باہر نہ نکلے' آج اگر نکلی ہے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔" انتہائی ضبط سے کام لیتے عباس بھائی نے کہا تو وہاں موجود بھی لوگوں کو گویا چند لمحوں کے لیے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"ہوا کیا ہے؟ اور یہ کیوں رو رہی ہے؟"

"یہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کر رہی ہے۔" شہوار خوف زدہ سی بابا جان کا چہرہ دیکھنے لگی جن کے چہرے کی حیرت لحہ لحہ اضطراب میں بدل رہی تھی۔ سجاد بھائی کچھ باخبر تھے مگر عباس بھائی کی بات سن کر وہ بھی گم سم سے رہ گئے تھے۔ مصطفیٰ تو سرے سے گھریلو حالات سے قطعی لاعلم رہنے والا وجود تھا۔ اس کے لیے یہ ساری سچویشن ہی حیران کن تھی۔

"کیوں اس گھر میں کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو؟" کچھ توقف کے بعد وہ سنبھلے تو بیٹے سے پوچھا تھا۔

"مجھے کوئی تکلیف نہیں اور نہ ہی میں اس گھر سے کہیں جانا چاہتا ہوں اور نہ ایسا ہوگا۔ تکلیف اسے ہے اس سے پوچھ لیں۔"

مہر النساء بیگم بے دم سی ہو کر سوفے پر گریں تو شہوار نے گھبرا کر ان کا ہاتھ تھاما۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" اس نے ان کے ہاتھ مسلے تھے۔

"مصطفیٰ مجھے کمرے میں لے جاؤ۔" ان کی لرزتی آواز پر مصطفیٰ نے فوراً ان کو سہارا دیا تھا۔ مصطفیٰ اور اماں کے جانے کے بعد عباس نے شہوار کو دیکھا

"شہوار جاؤ' تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔" وہ نہیں چاہتے تھے کہ شہوار عادلہ کے خیالات جان کر تکلیف کا شکار ہو۔

"بیٹھو تم دونوں۔" شاہ زیب صاحب کے کہنے پر عباس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ "بہو! تم بھی بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے دوبارہ ٹوکا تو عادلہ کو بھی موقع کی نزاکت کا احساس ہوا۔ بہرحال وہ شاہ صاحب کی شخصیت کے سامنے خاصا دبتی اور ڈرتی تھی۔ وہ دوپٹہ درست کرتی دوسری طرف جا کر بیٹھ گئی تھی مگر انداز اب بھی خاصا بگڑا ہوا تھا۔

"تم دونوں جاؤ اپنی ماں کو دیکھو اور دروازہ بند کرتے جاؤ۔ مصطفیٰ کو ادھر آنے سے منع کر دینا۔" لائبہ اور سجاد کو بھی جانے کا کہہ کر وہ آرام سے سوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

"اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟" شاہ زیب صاحب خود کو خاصا سنبھال چکے تھے۔

عباس بھرا بیٹھا تھا۔ شہوار سے متعلق عادلہ کے شکوک و شبہات سمیت علیحدہ گھر لینے کی ضد تک سب بیان کر ڈالا تھا۔

"دیکھو بہو! عباس علیحدہ نہیں ہوگا یہ طے ہے اب تم اپنے ذہن کو کلیئر کر لو کہ شہوار سے متعلق جو تمہارے خیالات ہیں وہ بھی تفصیلاً واضح کر دیتا ہوں کہ شہوار اس گھر کی بیٹی ہے' اس کی وہی حیثیت ہے اس گھر میں جو عائشہ اور صبا کی ہے۔ تابندہ لی ہماری بہن ہے' تمہارا یہ "دو ٹکے" کی کا طعنہ دینا یہ تمہاری کم ظرفی ہے اور دھیان سے بات سن لو۔ مصطفیٰ اور شہوار سے متعلق طعنے بازی کی تو ہم بھی بہت اچھے الفاظ میں جواب دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جب ایک بہن کی طرف سے سکھ نہ ملے تو دوسری سے کیسے امید رکھی جا سکتی ہے پھر بھی تمہارا اپنی بہن کا پروپوزل دینا ایک اہم بات تھی ہم نے غیر جانبداری سے فیصلہ مصطفیٰ پر چھوڑا تھا۔ اس نے انکار کر دیا معاملہ ختم۔ اب اس بات کا ایشو بنا کر تم یوں زبان درازی پر اتر آئی ہو تو ہم اس معاملہ کو حل کرنا بھی جانتے ہیں۔" بڑے غصے سے انہوں نے عادلہ پر حقیقت واضح کی تھی۔

"مجھے آپ کی طرف سے یا آپ کے بیٹے کی طرف سے کوئی ایکسکیوز نہیں سننے' میں علیحدہ ہونا چاہتی ہوں ورنہ دوسرا آپشن بھی ہے میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں گی اور یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے۔" وہ خود کو خاصا سنبھال چکی تھی اب دوبدو جواب دیا تو شاہ زیب صاحب کافی دیر تک اس کی بدلحاظی پر اسے دیکھتے رہے۔

"تم ہماری نرم مزاجی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو لڑکی! تم ہماری بہو ہو' اتنی جرأت تو ہماری بچیوں کو بھی نہیں کہ وہ ہمارے سامنے یوں زبان کھولیں۔ شہوار اور لائبہ تمہارے سامنے ہیں۔ ہم نے ان کے ہنسنے بولنے پر پابندی نہیں لگائی ہر طرح کی آزادی دی ہے۔ باہر آنے جانے' کھانے پینے لوگوں سے ملنے ملانے' ہر طرح کی آزادی ہے۔ ہماری بچیوں نے ہم سے کبھی شکایت نہیں کی کہ یہ گھر ان کے لیے قید خانہ یا حبس بے جا ہے۔"

"وہ کیسے کر سکتی ہیں ساری پابندیاں تو مجھ پر ہیں۔" عادلہ کی بدلحاظی پر عباس نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھا۔ اچھی بھلی زندگی عذاب بنا کر رکھ دی تھی اس عورت نے۔ اب وہ خود بھی ایک فیصلہ چاہتا تھا آر یا پار......

"عباس! تمہاری پسند سے یہ رشتہ کیا گیا تھا ورنہ ہم کیا چاہتے تھے تم بے خبر نہ تھے اگر تمہاری بیوی کے ذہن میں شہوار بیٹی کے متعلق شکوک و شبہات تھے تو اس کو ایشو بنانے کی بجائے آرام و سکون سے ہینڈل کرتے۔" انہوں نے اپنے بیٹے کو ہی تنبیہ کی۔

"بابا میں تین سالوں سے یہ سب برداشت کر رہا ہوں اور کس طرح ہینڈل کرتا؟"

''مجھے تمہارا طریقہ کار قطعی پسند نہیں آیا اگر تمہارے درمیان کوئی جھگڑا چل رہا تھا تو بھی تمہیں چاہیے تھا کہ آرام و سکون سے معاملہ مجھ تک لاتے' یوں ایک دم بیوی کو لے کر سب کی موجودگی میں چلے آنا میں اسے مردانگی نہیں سمجھتا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے خاندان میں عورت ذات کے ساتھ کبھی زیادتی والا معاملہ پیش نہیں آیا' چاہے وہ بیوی ہو' بیٹی ہو یا بہن......'' عباس نے بے چارگی سے باپ کو دیکھا جو اسے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے۔ ''تمہارے بھائی' بھاوج' ماں سب نے کیا سوچا ہوگا تمہیں بیوی کو اس طرح لے کر آتے دیکھ کر؟'' انہوں نے عباس کو شرمندہ کردیا تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں بابا جان! مگر اس وقت یہ باتیں ہی ایسی کررہی تھی کہ مجھے ایک دم غصہ آگیا تھا۔'' عباس نے فوراً اپنی غلطی قبول کرلی تھی۔

''غصے کو پچھاڑنا ہی اصل مردانگی ہے عباس! خیر تم بیوی کو لے کر کمرے میں جاؤ ہم اس مسئلے کا حل سوچتے ہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہمارے پاس آتے تو صورت حال اتنی خراب نہ ہوچکی ہوتی۔''

''اور بہو......!'' عباس کو کہتے انہوں نے عادلہ کو دیکھا تھا۔ ''تم ہماری بیٹی ہو یہ اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا تو ہم ہر طرح کا انصاف کریں گے۔ تمہارا ساتھ دیں گے۔ ہم روایت پرست زبان پر جان دینے والے لوگ ہیں مگر تم جو اعتراضات اور الزامات اپنے شوہر پر لگا رہی ہو وہ بالکل ناجائز ہیں۔ شہوار کی حیثیت اس گھر میں بیٹی جیسی ہے اور ہم قطعی گوارا نہیں کریں گے کہ تم اس کے متعلق کوئی غلط بات کرو۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں عادلہ کو بھی کہا تھا۔

عادلہ نے ایک دم تنفر سے سر اٹھایا۔

''چاہے وہ سچ ہی کیوں نہ ہو؟ کیا یہ جھوٹ ہے کہ مجھ سے شادی سے پہلے آپ لوگوں کا خیال عباس اور اس کی شادی کا تھا۔''

''خیال ظاہر کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں بہت فرق ہوتا ہے بہو! یہ ہمارے بزرگوں کا خیال تھا ہمارے بچوں کا نہیں۔ تم اس گھر میں بہو کی حیثیت سے عباس کی بیوی بن کر رہ رہی ہو اس حقیقت کو کیونکر جھٹلا سکو گی ہو تم؟'' عادلہ کی بات پر اپنے آپ پر بمشکل کنٹرول کرتے وہ ایک دم غصے سے گویا ہوئے تھے۔ ''ہم اگر چاہتے تو عباس کی پسند کو جھٹلا کر اپنے باپ کی خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے کہ وہ ہمارے لیے ہر حال میں مقدم تھی مگر ہم تمہیں بیاہ کر لائے۔ تم ہمارے پوتے کی ماں ہو' خاندان کی بڑی بہو اور بیٹی! ہم رشتوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنے اور عزت و تکریم کرنے والے لوگ ہیں۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے کہ اتنی تعلیم یافتہ باہر کی یونیورسٹی کی فارغ التحصیل بچی کی یہ سوچ ہے۔'' انہوں نے تمسخر سے عادلہ کو دیکھا تھا ایک پل میں ہی عادلہ لاجواب سی ہو کر شرمندہ ہوگئی تھی۔

''ہم کوئی کم حیثیت لوگ نہیں ہیں اگر ہم عام لوگ ہوتے تو تمہارا باپ ہم سے رشتہ داری جوڑنے میں فخر محسوس نہ کرتا۔ تم اگر کم عقلی کا مظاہرہ کرتے علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ پر قائم رہتے یہ گھر چھوڑنے کی حماقت کرو گی بھی تو یہ سراسر تمہارا اپنا نقصان ہوگا' حیرت ہوتی ہے عبدالقیوم جیسے دانش مند کی اولاد اتنی کم فہم اور سطحی سوچ کی حامل بھی ہوسکتی ہے۔ اگر تم اپنی ضد کو قائم رکھتے یہاں سے جاؤ گی تو یاد رکھنا بچے ہم سچے کھرے رشتوں کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں مگر سطحی رشتوں کے لیے ہم پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے۔ اگر جانے کی حماقت کرو گی تو ساری عمر وہیں رہو گی۔ ہم رشتے نہیں توڑتے مگر چھوڑ دیتے ہیں یہ خیال رکھنا......'' عادلہ ان تین سالوں میں یہ ضرور جان چکی تھی کہ یہ لوگ کس مزاج اور اطوار کے مالک ہیں۔ شاہ زیب صاحب کے الفاظ محض دھمکی نہ تھی بلکہ حقیقت پر مبنی تھے اگر وہ گھر چھوڑنے کی حماقت کرتی تو یہ بھی جانتی تھی کہ جس طرح وہ خود جائے گی واپس بھی آئے گی یہ لوگ کبھی اسے پلٹ کر لانے والے نہیں ہوں گے۔

اسے اپنی ماں کی پڑھائی ہوئی ساری پٹیاں ناکام ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ شہوار کو موردِ الزام ٹھہرا کر عباس کی نظروں سے تو گر چکی تھی اب رہی سہی کسر اس خاندان کی نظر سے گر کر پوری ہوجانی تھی۔ اسے ایک دم اپنی عظیم حماقت کا احساس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ اپنی ماں کی اس ساری تیار کردہ اسکیم پر دل کھول کر ماتم کرے۔

''ہم نے تمہارے سامنے سارے حل کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ گھر کو بنانے والی عورت ان باتوں کو ایشو نہیں بناتی وہ ہر حال میں گھر کو گھر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہ رشتوں کو جوڑ کر رکھے نہ کہ توڑے۔ اس کے باوجود اگر تم گھر چھوڑ کر جانے کی ضد پر قائم ہو تو ہماری طرف سے تمہیں کوئی روکے گا نہیں۔ مگر یہ طے ہے کہ ہم تمہیں واپس لے کر نہیں آئیں گے پھر جیسے تم جاؤ گی ویسے ہی آؤ گی بھی۔ علیحدہ گھر کے خیال کو بھول جاؤ' ہمارے جیتے جی ہماری اولاد علیحدہ نہیں ہوسکتی۔'' وہ سخت لب و لہجے میں کہتے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عباس بھی ان کے احترام میں کھڑا ہوگیا تھا مجبوراً عادلہ کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

''فیصلہ تم نے کرنا ہے سوچ سمجھ کر گھر سے قدم نکالنا۔ عبدالقیوم وہ شخص ہے جس کی فہم و فراست کی مثالیں دنیا دیتی ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس کی بیٹی اتنی کم عقل ہوگی۔ اس گھر میں تم پر کوئی جبر سختی نہیں پھر بھی......تم کسی اور بات کو بنیاد بنا کر علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کرتیں تو ہم سوچتے بھی مگر افسوس تم نے شہوار جیسی بے ضرر معصوم لڑکی کی ذات کو اپنے شوہر کے ساتھ نتھی کرنے کی کوشش کی۔ افسوس ہے مجھے تمہاری سوچ اور عقل پر......'' ان کے الفاظ پر عادلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھتی ان کے سامنے تو بڑے بڑوں کی بولتی بند ہوجاتی تھی پھر وہ کیا چیز تھی۔

وہ جس طرح اس کے والد کا حوالہ دے رہے تھے اس سے اس کے اندر اپنے باپ کے پاس معاملہ بگڑ جانے کا خوف بھی پیدا ہوگیا تھا اگر معاملہ ان تک جاتا تو یقیناً بات بہت بڑھ سکتی تھی۔

''ہائے ماما! کیسا فضول مشورہ تھا آپ کا اور میں بھی کیسی کم عقل تھی فوراً عمل بھی کر بیٹھی۔'' وہ اندر ہی اندر نادم ہوئی تھی مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اسے امید نہ تھی کہ عباس اسے یوں گھسیٹ کر باپ کے سامنے لے آئیں گے اب تک تو وہ صرف اس کی باتوں اور حرکتوں سے زچ ہوئے تھے مگر آج شہوار کے نام کا دیا گیا طعنہ کسی اور انداز میں ہی کام کر گیا تھا۔

''اپنی بیوی کو کمرے میں لے جاؤ مزید تماشا میں افورڈ نہیں کرسکتا۔ یہ اگر اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہیں تو بصد شوق چلی جائے۔'' وہ آخری حتمی بات کرکے ایک آخری نگاہ دونوں پر ڈال کر باہر نکل گئے تھے۔

باپ کے جانے کے بعد عباس نے ایک سلگتی نگاہ بیوی پر ڈال کر بغیر کچھ کہے باہر کی راہ لی تھی اور عادلہ چند پل بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی تھی۔

اسے گمان تھا کہ عباس اس کی حرکتوں اور طعنوں سے گھبرا کر ہمیشہ کی طرح معاملے کو دبانے کی کوشش کرے گا اور وہ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نا صرف اسے مجبور کرے گی کہ وہ اپنے والدین کے سامنے علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے بلکہ اس طرح وہ اپنے دل میں موجود شوہر کے خلاف کینہ باہر نکالتے عباس کو اس حد تک ذہنی ٹارچر کرے گی کہ شہوار خود ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جانے پر مجبور ہوجائے گی۔ مگر واہ ری قسمت ان کی ساری بازی ان پر ہی الٹا دی گئی تھی۔



''ہائے! بہت بُرا کیا عادلہ نے' ان تین سالوں میں اس عورت نے ایک لمحہ بھی سکھ کا نہ گزارنے دیا میرے عباس کو۔ اس کی صورت دیکھتی ہوں تو میرے دل سے ہوک اٹھتی ہے۔ میں اندر ہی اندر پردے ڈالتی رہی۔ عباس کو ہی سمجھاتی رہی کہ اب جیسی بھی ہے بیوی ہے اس کی نباہ کرے مگر اس لڑکی نے اپنی کرنی کر کے دکھائی۔ میں لگ دن سے ڈرتی

تھی۔" مہر النساء بیگم کے آنسو تھے کہ خشک ہی نہیں ہو رہے تھے۔

مصطفیٰ حیرت زدہ ماں کی ساری باتیں سن رہا تھا' وہ دو سال پہلے پاکستان لوٹا تھا۔ اس سے ایک سال پہلے عباس کی شادی تھی تب وہ صرف چند دن کے لیے پاکستان آیا تھا۔ شادی کے فوراً بعد واپس لوٹ گیا تھا اور واپس آنے کے بعد وہ اپنی پلاننگ میں ایسے مصروف ہوا تھا کہ کبھی غور ہی نہ کیا کہ اس کا بھائی ایک ایسی ناآسودہ زندگی گزار رہا ہے۔ جس نے ان کے گھر کے ماحول کو تلخ اور رنجیدہ کر رکھا ہے۔

مصطفیٰ کو اپنی بے خبری پر حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہو رہا تھا۔

"اچھا! کچھ نہیں ہوتا ٹینشن نہ لیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" شہوار کو ان کے رونے سے ایک ہی فکر لگی ہوئی تھی اور یہ الفاظ وہ مسلسل وقفے وقفے سے دہرا رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں صاف کیں۔

"میری تو ہر بات اسے چبھتی ہے۔ ذرا لحاظ مروت نہیں ہے اس میں۔ کئی بار دو بدو زبان درازی کر چکی ہے۔ عباس جب بھی دونوں کا کوئی جھگڑا ہوتا تھا' ہمیشہ آ کر مجھ سے کہہ سن کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا تھا کئی بار میں نے اسے سمجھانے کی کوشش بھی کرنا چاہی مگر اس نے ساس سمجھ کر بھی کبھی ذرا ادب لحاظ کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔"

شاہ زیب صاحب کو سب بتاتے ان کے آنسو مسلسل رواں تھے۔

"جب بات اتنی بڑھ چکی تھی تو آپ کو مجھے تو آگاہ کرنا چاہیے تھا نا؟" وہ ناراض ہو رہے تھے۔

"کیا بتاتی؟ میں تو ہر طرح سے کوشش ہی کرتی رہی کہ وہ خود ہی سمجھ جائے' کون سا کم فہم ناسمجھ بچی ہے۔ پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے مگر......" انہوں نے پھر سسکی بھری۔

"میں سمجھا چکا ہوں بہت اچھی طرح سے۔ میں کل یا پرسوں عبدالقیوم سے بھی ملوں گا' بات کروں گا۔ وہ اور مزاج اور انداز کا بھلا آدمی ہے یقیناً ساری بات سمجھ کر اپنی بیٹی کا دماغ درست کرنے کی کوشش کرے گا۔" ان کا انداز ساری صورت حال جاننے کے بعد فیصلہ کن تھا۔

"اللہ کرے!" وہاں موجود سبھی کے دل سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے تھے۔

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ عادلہ کی ماں اور انداز کی عورت ہے وہ کئی بار ہمارے گھر میں ہی بیٹھ کر عادلہ اور عباس کو علیحدہ گھر میں شفٹ کر دینے کا کہہ چکی ہیں۔ بڑی عجیب اور مشکوک باتیں کرتی ہیں وہ۔ مجھے تو لگتا ہے یہ سارا اس کی ماں کا ہی کیا دھرا ہے۔ ورنہ اب سے پہلے عادلہ نے صرف ہمارے طور طریقوں پر ہی ناک منہ چڑھاتے اعتراضات کیے تھے۔ علیحدہ گھر میں شفٹ ہونے کا کبھی ذکر نہ کیا۔" انہوں نے مزید آگاہ کیا۔

"ہوں' اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے عادلہ کی فیملی کا اب۔ عبدالقیوم خود جتنا شریف النفس انسان ہے اولاد اور بیوی کے معاملے میں خاصا بدقسمت واقع ہوا ہے۔ دیکھتا ہوں اس معاملے وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو کیسے سمجھاتا ہے۔"

"میرا اور لائبہ کا تو پھر بھی کچھ خیال' لحاظ کر جاتی ہے مگر میں نے اکثر دیکھا ہے وہ بلاوجہ' خوامخواہ شہوار کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔" انہوں نے یاد آنے پر ایک اور پوائنٹ میاں کے سامنے رکھا تھا' جو سب سے زیادہ قابل غور تھا۔

"دماغ خراب ہے اس لڑکی کا اور کچھ نہیں۔" بیوی کے منہ سے یہ بات سن کر عباس کو بتائی باتیں اور عادلہ کے طعنے اور شکوک میں لپٹی باتیں یاد آئی تھیں۔

"ایک بات کہوں بابا جان؟" اتنی دیر کا خاموش بیٹھا مصطفیٰ سب سنتے کچھ سوچتے آخر میں بولا تھا۔ اس کے لیے یہ سب حیران کن ہی نہیں بڑا پریشان کن بھی تھا۔

"ہاں کہو؟"

"آپ عباس بھائی کو علیحدہ کر دیں' اگر بھابی علیحدہ ہونا چاہتی ہیں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ ہمارے پیش نظر عباس بھائی کی آسودہ' خوش حال زندگی ہے اگر اس طرح وہ خوش رہ سکتے ہیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ ان کی خوشی کے بدلے یہ سودا مہنگا تو نہیں۔" مصطفیٰ نے آرام سے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"بہت اچھا مشورہ دیا ہے تم نے۔ آج اگر عباس کو علیحدہ کرتا ہوں کل کو یہ سجاد اور لائبہ کو ہمارے ساتھ رہنا کھٹکے گا اور جب تمہاری شادی کریں گے تمہاری بیوی یہ ڈیمانڈ کرے گی پھر؟" وہ ایک دم غصے میں آئے تھے۔ بڑے طنز سے جواب دیا تھا۔

"نہیں ماموں جان! یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی ہمیں ادھر ہی رہنا ہے بھلے عباس بھائی کو علیحدہ کریں یا نہ کریں اور رہ گیا مصطفیٰ! تو ہم اس کی بیوی ہی اپنی ڈھونڈیں گے کہ جو ہمارے ساتھ رہے' ہمارے طور طریقوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ جانتی ہو۔" مہر النساء بیگم کے ایک طرف بالکل خاموش بیٹھی لائبہ نے فوراً شاہ زیب صاحب کے خیال کی تردید کر دی تھی۔

"عباس کی طرح مصطفیٰ نے اگر خود ہی کوئی لڑکی پسند کر لی تو پھر ساری توقعات ہی ختم۔"

شاہ زیب صاحب عباس کے معاملے کو لے کر خاصے الجھ چکے تھے۔ مصطفیٰ ان سب بہن بھائیوں میں اگر مزاج کا مختلف تھا تو اپنی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں اس نے ہمیشہ اپنی پسند اپنی مرضی کو اولیت دی تھی کسی نے اس کے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی یہ تو پھر اس کی ساری زندگی کا معاملہ تھا۔

"مصطفیٰ! تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" سجاد بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"پسند کا کیا ہے؟ مگر میرے معاملے میں یہ یقین رکھیں کہ میں عباس بھائی نہیں ہوں' میں عورت ذات کو اس کے مقام پر رکھنے کا فن جانتا ہوں اگر نا کام بھی ٹھہرا تو بھی بیوی کو دیگر رشتوں پر حاوی ہونے نہیں دوں گا۔"

"اللہ نہ کرے جو تم عباس جیسی ناآسودہ زندگی گزارو۔ ہم تمہاری دلہن خود لائیں گے اور اب کے صرف شکل و صورت دیکھ کر فیصلہ کرنے والی غلطی نہ کریں گے۔" مہر النساء بیگم نے دہل کر کہا تھا۔

"تمہاری پسند کا چانس تو پھر مصطفیٰ میں ہو گیا؟" مہر النساء بیگم کی بات پر سجاد نے مسکرا کر کہا تو ماحول پر چھائی رنجیدگی کا ایک دم خاتمہ ہوا تھا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہماری ماں جی کی پسند ہی ہمارے لیے اولیت رکھتی ہے۔ امی جان بے فکر رہیں آپ کا ہر فیصلہ ہی میرے لیے سر آنکھوں پر ہے۔" مصطفیٰ نے بھی مسکرا کر ماں کے فیصلے کو اہمیت دے کر جیسے ان کو ایک فخر سے دوچار کر دیا تھا۔ مصطفیٰ کے یوں مان سونپنے پر ان کا سر فخر سے بلند ہوا تھا۔ انہوں نے دعائیں دی تھیں۔

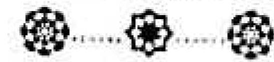
"تم نے پسند کی بات پر اعتراض نہیں کیا' کیا کوئی لڑکی نظر میں رکھی ہوئی ہے؟" سجاد نے چھیڑا تو مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

"مجھ پر شک نہ کریں۔" اس نے جھنجلا کر ہاتھ جوڑے تھے سب کے ساتھ شاہ زیب صاحب بھی مسکرا دیے تھے۔ شہوار کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ بلا ارادہ اس کی طرف اٹھی تھی' وہ بھی متوجہ تھی۔ دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں شہوار نے فوراً گھبرا کر سر جھکا لیا تھا۔ ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

"میں سیدھا سادا شریف سا بندہ ہوں۔ ساری عمر امریکہ میں گزارنے کے باوجود تنہا لوٹ آیا ہوں۔ دو سالوں سے اب ادھر ہوں اپنے کام سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ انسان کسی اور جانب سوچے بھی۔"

"ماں جی نوٹ کر لیں اگر اس کو فرصت ملے تو یہ ادھر ادھر تانک جھانک ضرور کرے گا۔" سجاد نے فوراً پوائنٹ پکڑا

تھا مہر النساء بیگم ہنسنے لگیں۔
"اچھا بس کرو میرا بہت اچھا اور سمجھ دار بیٹا ہے۔ اگر پسند بھی کرے گا تو سوچ سمجھ کر ہی کرے گا میرے بیٹے کو ہیرے اور پتھر کی پہچان ہے۔" مہر النساء بیگم نے فوراً بیٹے کی طرف داری کی تھی۔ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔
"بہت ہوگئی باتیں اب اپنے کمروں میں جاؤ تم لوگ میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے مہر النساء بیگم بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے دائیں بائیں شہوار اور لائبہ تھیں جب کہ سائیڈ صوفے پر مصطفیٰ اور سجاد تھے۔ باپ کے حکم پر وہ چاروں ماں باپ کو اللہ حافظ کہتے اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیئے تھے۔
"آپ نے کیا سوچا پھر اس سارے معاملے پر؟" شاہ زیب صاحب بستر پر آئے تو مہر النساء بیگم نے دریافت کیا۔
"چند دن دیکھو یہ عادلہ کیا کرتی ہے اگر میری زبان کا اثر اس پر ہوگیا ہے تو ماں باپ کے گھر جانے کی غلطی نہیں کرے گی اگر کرے گی بھی تو ہم معاملے کو سلجھانا جانتے ہیں تم فکر مت کرو۔" پرسوچ انداز میں کہتے وہ بستر پر دراز ہوئے تھے۔
"مجھے اس کی حرکتوں اور باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی مگر جب وہ شہوار کو تختہ مشق بناتی ہے تو میرا دل لرز جاتا ہے۔ بن باپ کی بچی اس کا ہر حکم بلا چوں چرا کیے مانتی ہے آدھی رات کو بھی وہ اسے کوئی کام کہے تو فوراً کردیتی ہے۔ مجھے بڑی تکلیف اور شرمندگی ہوتی ہے، تابندہ اپنی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھے تو دکھ سے کٹ کر رہ جائے۔" انہوں نے بھی دل کا پھپولا پھوڑا تھا۔
"میں اب سنجیدگی سے مصطفیٰ اور شہوار کی بات طے کرنے کا سوچ رہا ہوں آپ کل گاؤں جا تو رہی ہیں نا اباجی سے بھی بات کیجیے گا۔ تابندہ سے بھی باقاعدہ رائے اور مرضی دریافت کرلیں اب میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں باقاعدہ اس رشتے کا اعلان کردیا جائے تاکہ عادلہ جیسے لوگوں کی زبان بند ہوجائے۔"
"مصطفیٰ سے پہلے بھی میں نے ایک دو دفعہ شادی کا پوچھا تھا شہوار کا نام نہیں لیا مگر وہ چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ تک رک جائیں۔ وہ اپنی جاب میں اچھی طرح سیٹل ہوجائے۔ وہ کہتا ہے چند سال بعد ہی وہ شادی کرے گا۔"
"چلیں ہم نسبت طے کردیتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"
"میں نے تو نکاح کا ہی سوچا ہوا ہے۔ سچی بات ہے آج کل کے لڑکوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بھلے ہماری اولاد ہے مگر کوئی عادلہ جیسی مل گئی تو پھر مصطفیٰ بھی کسی کام کا نہ رہے گا۔"
"ہوں، یہ بھی نیک خیال ہے مگر ذہن میں رکھیں کہ شہوار بیٹی کا فورتھ ائیر ہے، بہت قیمتی سال ہے اس کا یہ ہماری پلاننگ تو بس ہم تک ہی رہے تابندہ اس کی ماں ہے اس کے بارے میں ہر طرح کے فیصلے کا اختیار رکھتی ہے، وہ جو بھی فیصلہ کریں گی ہمیں ماننا تو وہ ہے۔"
"جی......!" مہر النساء بیگم نے سر ہلا دیا تھا۔
"آپ کل جاتے ہی اباجی اور تابندہ دونوں سے رائے لیجیے گا۔ اب میں اس معاملے میں قطعی تاخیر نہیں کرنا چاہتا۔" انہوں نے فیصلہ سنایا تھا۔
"جی ضرور جیسا آپ کہیں۔" مہر النساء نے فوراً تائید کی تھی۔



"آجاؤ!" انا نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو ماما کی آواز پر اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ جیولری باکس اپنے سامنے بیڈ پر پھیلائے غور و فکر میں مصروف تھیں انا کو آتے دیکھ کر مسکرائیں۔
"اچھا ہوا تم آگئیں، یہ دیکھو یہ زیور کیسا ہے؟" انہوں نے ہاتھ میں تھاما گلوبند اس کی طرف بڑھایا تو انا نے تھام لیا۔ بہت پیارا اور نفیس سیٹ تھا، خاصا بھاری بھرکم تھا۔
"بہت پیارا۔"
"میں نے یہ احسن کی دلہن کے لیے پچھلے سال خریدا تھا۔ ساتھ میں کنگنوں اور چوڑیوں کے یہ سیٹ بھی ہیں۔ خالص گولڈ ہیں، ساتھ میں وائٹ گولڈ اور نگینوں کا کام ہے۔ بہت مہنگے تھے یہ سیٹ۔" انہوں نے اسے کنگنوں اور چوڑیوں کے باکسز بھی کھول کر پکڑائے تو انا دیکھ کر مبہوت ہوئی۔
"ماما کتنا کمال کا ڈیزائن ہے ان کنگنوں کا۔ روشنی کی کلائیوں میں سج کر بہت پیارے لگیں گے۔"
"ہوں...... میں سوچ رہی ہوں کہ آج کل میں روشنی کو ساتھ لے کر جیولر کے پاس چکر لگالوں، شادی سے پہلے تک یہ اہم کام نمٹ جائیں۔ باقی تیاری تو تم نے ہی روشنی کی ساتھ مل کر کرنی ہے۔ میری اور بڑی ذمہ داریاں ہیں شاپنگ کا شعبہ تم اور روشنی سنبھالو۔" سنبھال کر زیور دوبارہ باکس میں رکھتے انہوں نے کہا تو انا کو ایک دم یاد آیا۔
"شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کا کیا رہا؟ کب تک ارادہ ہے؟"
"ارادہ تو نیک ہے، اگلے ماہ کی کوئی بھی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں، میں تو بس تمہارے پاپا کا منہ دیکھ رہی ہوں کہ کب تک فری ہوتے ہیں۔"
"اگلے ماہ!" انا حیرت سے چیخی۔
"مگر ماما یہ تو تیاری کرنے کے لیے بہت کم ٹائم ہے، میری اپنی اتنی ٹف پڑھائی ہے میں کیسے وقت نکال پاؤں گی۔"
"شادی کی ہم نے کون سا لمبی چوڑی تیاری کرنا ہے، زیور کپڑا ریڈی ہے۔ میرا اپنا بوتیک کب کام آئے گا۔ کپڑوں کی تم فکر نہ کرو، باقی ارینجمنٹ تمہارے بھائی، ماموں اور پاپا کی ذمہ داری ہیں۔ یہ ان کا شعبہ ہے وہ خود دیکھ لیں گے۔ سب مینج ہوجائے گا۔" انہوں نے بڑے آرام و سکون سے بتایا تھا، انا نے منہ بنایا۔
"اور باقی جو دیگر باتیں ہیں، اکلوتا بھائی ہے میرا۔ سو ارمان ہیں میرے۔ دن گن گن کر اس موقع کا انتظار کیا ہے۔ اتنی عجلت میں شادی طے کرنے سے تو میں کچھ بھی نہیں کر پاؤں گی۔"
"ہم نے شادی ملتوی کی تو پھر تمہارا بھائی ہاتھ نہیں آئے گا۔ دراصل ضیاء بھائی کی فکر رہتی ہے مجھے۔ ان کی خواہش ہے کہ جلد از جلد یہ فریضہ طے ہوجائے۔ اگلے ماہ کی ڈیٹ ان کی ہی رائے ہے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ ساتھ ہی ولید کو بھی نبٹا دیں مگر وہ لڑکا بھی ضد کا پکا ہے، صاف انکار کردیا ہے کہ تین چار سال سے پہلے تک تو اس کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔ دوسرا وہ شادی صرف اپنی پسند اور مرضی سے کرنے کا خواہاں ہے۔ ہمارا تو بہن بھائی کا اور ہی خیال تھا لیکن خیر......" انہوں نے بات کرتے کرتے انا کو دیکھا تو اسے مکمل طور پر متوجہ دیکھ کر مسکرا کر بات پلٹ دی اور ان کی ادھوری بات انا کے اعصاب پر سل کی طرح بوجھ بن گئی۔
"اللہ ساتھ خیریت کے وقت لائے۔ روشنی اور احسن کی شادی بخیر و عافیت ہوجائے۔ فائنل تو ہم نے کب کا ہی کیا ہوا تھا کہ روشنی اور ولید کے وطن لوٹتے ہی ہم نے ڈیٹ فکس کردینی ہے۔ بس دن سلیکٹ کرنا ہے وہ سب سے مشورہ کرکے طے کرلیتے ہیں۔"
"ہوں......!" ولید کے ذکر پر وہ کچھ گم صم سی ہوگئی تھی

''پاپا نے لگتا ہے آج لیٹ آنا ہے ابھی تک نہیں لوٹے۔'' ماما کو لاکر میں جیولری باکس رکھتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی' گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔

''ہوں' کچھ دیر پہلے کال کی تھی کہ وہ کچھ لیٹ ہوجائیں گے شاید کسی میٹنگ میں بزی ہیں۔'' انہوں نے الماری بند کرکے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''روشنی سوگئیں کیا؟''

''پتا نہیں' جب ہی ادھر آئی تھی تو ولید' احسن بھائی اور روشنی بیٹھے باتیں کررہے تھے۔''

''میں نماز پڑھ لوں' تم فارغ ہوگیا؟ پڑھنا نہیں تھا کیا؟'' باتھ روم کی طرف جاتے جاتے وہ رکی تھیں۔

''پڑھ لیا ہے کل جمعہ ہے' سو اسٹڈی کی طرف سے ٹینشن فری ہے۔'' ماما باتھ روم میں گھسیں تو وہ آہستہ روی سے چلتی باہر نکل آئی۔

لاؤنج سے ابھی بھی باتوں کی آواز آرہی تھی وہ اندر جانے کی بجائے راہداری عبور کرتے صحن میں آگئی تھی' آج کل وہ خاصی افسردہ' گم سم ہورہی تھی۔ نجانے کیوں اسے اپنے احساسات بہت بدلے بدلے سے فیل ہورہے تھے۔ وہ خاموشی سے سنگی بنچ پر جا بیٹھی تھی۔

''ہمارا تو بہن بھائی کا اور ہی خیال تھا مگر خیر......'' صبوحی بیگم کا ادھورا جملہ اس کے اعصاب پر ایک بوجھ گرا گیا تھا۔

''وہ شادی صرف اپنی مرضی اور پسند سے کرنے کا خواہاں ہے۔'' ماما کے الفاظ اسے نجانے کیوں الجھا گئے تھے۔

''تو کیا وہ کسی کو پسند کرتا ہے؟'' اس کا دل لرز اٹھا۔

اس نے اپنے ذہن کے خیالات کو جھٹکنا چاہا تھا کسی اور جانب توجہ مبذول کرنا چاہی تھی مگر نجانے کیوں ایک ہی خیال اور یہ الفاظ ذہن سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔

''بھئی میں سیدھا سادا سا انسان ہوں' کوئی لمبی چوڑی ڈیمانڈ نہیں ہیں میری جو بھی لڑکی ہو جیسی بھی ہو کم از کم اچھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ گھر کو گھر بنانے والی اور سب سے بڑھ کر تمہیں اور بابا کو اہمیت دینے والی ہو۔''

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر ایک عجیب یاسیت بھری کیفیت کا شکار کبھی ماما کے الفاظ پر گم سم ہوجاتی تھی تو کبھی ولید کے الفاظ یاد آ کر اس کے دل کی زیروزبر کیفیت کو پھر سے سہارا دے جاتے تھے۔ اسے لگتا جیسے امید کا دیا پھر سے روشن ہوگیا ہے۔ وہ اپنے بازوؤں پر سر رکھے اپنے ہی خیالات کی جنگ سے نبرد آزما تھی' اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس بھنور سے کیسے نکلے؟

''کیا بات ہے؟ یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟'' نجانے اسے اس عالم میں' اس کیفیت و حالت میں اپنے خیالات سے الجھتے احساسات وجذبات سے لڑتے کتنی دیر گزر رہی تھی کہ اس آواز پر ایک دم گھبرا کر سر اٹھایا تھا۔ وہ سامنے ہی سادہ شلوار قمیص زیب تن کیے اپنے دراز قامت وجود کو لیے اسے گہری نظروں سے تول رہا تھا۔

انا گھبرا کر سیدھی ہوئی تھی۔ لاپروائی سے کندھوں پر ڈالا دوپٹا گھبراہٹ میں سر پر ڈال کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ جو اتنی دیر سے دنیا و مافیہا بھلائے سوچ رہی تھی' اب اسے ایک دم روبرو دیکھ کر پزل سی ہوگئی تھی ورنہ وہ تو خاصی پُراعتماد لڑکی تھی۔

''آپ......'' ولید نے اس کی گھبراہٹ اور پزل انداز کو بغور دیکھا۔ ایک گہری نگاہ اس کے سرخ چہرے اور بھیگی پلکوں پر ڈالی۔

''میں پانچ دس منٹ سے دیکھ رہا تھا ادھر بیٹھی ہو... ہمیں کافی دیر ہوگئی ہے محفل برخاست کرکے تم ہمارے پاس

فرخندہ فیض

السلام علیکم! سوئیٹ قارئین آنچل! کیا حال چال ہیں آپ کے؟ میرا نام فرخندہ فیض ہے۔ پہلی دفعہ آنچل کے تعارف میں آنے کی جسارت کررہی ہوں۔ میرا تعلق ضلع گجرات سے ہے گاؤں کا نام کنگ چنن اور اتفاقاً کاسٹ بھی کنگ ہے۔ ایم اے اردو کررہی ہوں۔ کہانیاں لکھنے کا شوق ہے امید ہے کہ جلد ہی آنچل میں اپنی محنت اور لگن سے جگہ بنالوں گی۔ یہ تو میرا شوق ہوا اب میرے گھر والوں کی طرف آئیں ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی ہیں بڑے بھائی اور دو بڑی بہنوں کی شادی ہوچکی ہے چھوٹی بہن کو بھی رائٹر بننے کا شوق ہے اور اکثر وہ اپنا شوق پورا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ لکھتی رہتی ہے میرا پسندیدہ سنگر ابرارالحق ہے۔ بارش کا موسم بہت پسند ہے۔ آنچل سے کافی عرصہ سے تعلق بنا ہوا ہے۔ (پڑھنے کی حد تک) بھی وہ وقت تھا جب ہم چھپ چھپ کر آنچل پڑھا کرتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے اب تو کھلے عام پڑھتے ہیں۔ سلسلے وار ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' بہت پسند تھا۔ باقی ناول' ناولٹ' افسانہ بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ سوری میں آپ لوگوں کو بہت بور کررہی ہوں حالانکہ میں خود بھی بہت بور ہوں کبھی کبھی مجھے اپنی خاموشی بھی وحشت زدہ کردیتی ہے۔ امی ابو کے بغیر کبھی کہیں بھی نہیں گئی۔ اگر کہیں جاتی ہوں تو فوراً واپس گھر آنے کو دل کرتا ہے۔ کالج لائف بہت یاد آتی ہے۔ کسی کا دل دکھانا اچھا نہیں لگتا۔ بہت زیادہ نرم دل ہوں۔ اس کائنات میں رہنے والے لوگوں کے حالات زندگی دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان ہی مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلائے۔ میری صرف دو سہیلیاں ہیں لیکن زیادہ قریب زینب ہے اور مصباح کی شادی ہوچکی ہے اور وہ اپنے سسرال سدھار چکی ہے۔ پھولوں میں مجھے سارے ہی پھول پسند ہیں میرا فیورٹ رنگ آپ بتائیں کون سا ہے بھلا؟ آپ کیسے بتائیں گے میں خود ہی بتادیتی ہوں مجھے سارے رنگ پسند ہیں کسی ایک رنگ پر اکتفا نہیں کرتی کیونکہ سارے رنگ اللہ کے ہوتے ہیں۔ پھلوں میں آم بہت پسند ہے۔ دال چاول کی بھی بہت شوقین ہوں۔ ٹی وی اسٹار میں احسن خان' نعمان مسعود اور ہمایوں سعید بہت پسند ہیں اس کے علاوہ اداکاروں میں ناہید شبیر' صبا قمر اور صبا فیصل بہت پسند ہیں۔ انسانوں کو پڑھنا مجھے بالکل بھی نہیں آتا لیکن افسوس ہوتا ہے کہ کاش میں چہرے پڑھ سکتی۔ قارئین سو تو نہیں گئے مجھے بھی نیند آرہی ہے اس لیے آخری الفاظ کے ساتھ اجازت چاہوں گی جیو اور جینے دو۔

آئی نہیں' تم ادھر کیا کررہی ہوں؟''

''بس یونہی' ہوا خوری کو ادھر نکل آئی تو ادھر بنچ پر بیٹھ گئی۔'' اسے چند سیکنڈ لگے خود کو سنبھالنے میں۔ اب وہ قدرے پُرسکون تھی۔

''حیرت ہے' اکیلی بیٹھی ہوئی ہو جب کہ روشنی تمہیں اندر ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔''

''یونہی اسٹڈی کرتے کرتے اکتا گئی تو ادھر نکل آئی۔''

''اچھی بات ہے۔'' اس نے فوراً یقین کرلیا تھا۔

''ایک کپ کافی پلا دو مزے دار سی' تم کافی بہت اسٹرونگ بناتی ہو۔'' انا نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔ اس کی اس ذرا سی تعریف سے اسے لگا کہ جیسے اطراف میں گھنٹیاں سی بکھر گئی ہوں۔ اس کے یوں حیرانی سے دیکھنے پر وہ مسکرایا تھا۔

''میں لاتی ہوں۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے۔

''ایک نہیں دو کپ۔'' انا نے تعجب سے اسے دیکھا مگر پوچھا نہیں کہ دوسرا کیوں؟

''میں اپنے کمرے میں ہوں۔'' آواز پر سر ہلاتی وہ کچن میں آگئی تھی۔

اس نے بڑی توجہ اور دھیان سے کافی تیار کی تھی۔ ٹرے میں دو کپ رکھے وہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''یس کم ان!'' ناک کرنے پر دروازہ کھلا ملا تھا' وہ دھکیلتے اندر چلی آئی تھی۔ ولید کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا مسکرا کر اس کی طرف کرسی گھمائی۔

''بڑی جلدی کافی تیار کرلی تم نے۔'' بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھی تو مسکرا کر پلٹی۔

"ماما اور پاپا احسن بھائی سبھی تیز چائے پیتے ہیں' کافی کی لت صرف مجھے ہی ہے۔ اپنے لیے کافی تیار کرتے کرتے اب میں خاصی ایکسپرٹ ہوچکی ہوں۔"

"یہ تو ہے۔" اس نے ایک کپ اٹھا کر اسے تھمایا تو وہ کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف چلا آیا۔

"بیٹھو۔" ایک سپ لیتے اسے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں چلتی ہوں۔ ویسے بھی نیند آرہی ہے۔"

"میں نے دوسرا کپ اپنے لیے نہیں تمہارے لیے کہا تھا۔ میرے ساتھ کافی میں ساتھ تو دو۔" اس کے انکار پر اس نے ٹوکا تو انا نے خاموشی سے کپ تھام لیا۔ اب یوں چلے جانا بداخلاقی ہی تو تھی۔

"بیٹھو۔" وہ اس کے کہنے پر بستر کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

"کیا بات ہے کوئی پرابلم ہے؟ کچھ دیر پہلے تم یوں اکیلے گم لان میں کیوں بیٹھی ہوئی تھیں؟ جب کہ رات کے اس پہر جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔" کچھ دیر بعد ولید کے الفاظ پر اس نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔ انا کو قطعی اندازہ نہ تھا کہ اس سے کافی کی فرمائش کرنے کے پیچھے یہ محرک تھا ورنہ وہ کبھی ہامی نہ بھرتی۔ وہ اتنی سی بات کا اتنی باریکی بینی سے جائزہ لے گا۔

"بتایا تو تھا کہ اسٹڈی کے بعد چہل قدمی کو دل چاہ رہا تھا۔" اسے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"مگر تم تو گم سم اردگرد سے بے خبر بنچ پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس طرح بیٹھنے کو کوئی چہل قدمی کرنا نہیں کہتا۔" اب کے انا نے خاصی حیرت سے اپنے مقابل کھڑے وجود کو دیکھا۔ وہ چلتا ہوا پھر کمپیوٹر چیئر پر جا بیٹھا تھا۔ انا نے خاموشی سے باقی ماندہ کافی حلق میں اتاری۔

"کوئی پرابلم تھی۔ میں ٹیرس پر کھڑے کافی دیر دیکھتا رہا تھا۔ مجھے زیادہ تشویش ہوئی تو تمہارے پاس چلا آیا تھا۔ ایک ہی اسٹائل اور انداز میں بیٹھے رہنا' وہ بھی اس قدر افسردہ پورٹریٹ بنے ہوئے۔"

"آپ کو کس بات پر اعتراض ہے میرے وہاں بیٹھنے پر یا افسردہ حالات میں پورٹریٹ بننے پر۔" اس نے بات مذاق میں ٹالی تو ولید نے بغور دیکھا۔

"مجھے تو دونوں پر ہی اعتراض ہے خیر تم کوئی بات شیئر نہیں کرنا چاہتیں تو اور بات ہے۔"

"نہیں یقین جانیے ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر مجھے کوئی پرابلم ہوتا تو سب سے ہی ڈسکس کرتی۔" اس نے مسکرا کر اس کو یقین دلانا چاہا تھا۔

"تم مجھے ٹال رہی ہو تو ہم ٹل جاتے ہیں۔ یہ بتاؤ اسٹڈی کیسی جارہی ہے تمہاری؟"

وہ چند پل کو چپ چاپ رہ گئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ٹال رہی تھی مگر وہ اسے بتاتی تو کیا؟

کیوں دل تنہائی اور افسردگی کا تمنائی ہے؟ کیوں وہ صرف اپنی بات ایک ہی چیز ایک ہی نام کو زندگی کا محور بناتی چلی جارہی ہے؟ اس نے افسردہ سی سانس خارج کی۔

"بہت اچھی۔" وہ صرف یہی کہہ سکی۔ اس کا دل پھر سینے کے اندر شور مچانے لگا۔ نگاہیں ولید ضیاء کی چمکتی روشن ذہانت سے بھرپور نگاہوں کی طرف اٹھیں اور پھر تابِ نظارہ نہ لاتے کشادہ گھنی پلکیں روشن ستارہ آنکھوں پر چلمن گرا گئی تھیں۔

"بڑا مختصر جواب ہے' حیرت ہے...." ولید کو نجانے کیوں آج اس کی ذات میں اس قدر دلچسپی پیدا ہوگئی تھی کہ مسلسل اس کو موضوع بنائے ہوئے تھا۔

"مجھے چھوڑیں آپ بتائیں' خوش ہیں پاکستان آکر؟" اس نے موضوع بدلنا چاہا تھا۔

"بالکل' بہت زیادہ..... میں صرف روشنی کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے تک وہاں رکا ہوا تھا۔ یہ مختلف کورسز جو بزنس کے حوالے سے کر رہا تھا' محض بہانہ تھا ورنہ جس طرح تم لوگ دس سال پہلے اور بابا جان دو سال پہلے یہاں شفٹ ہوگئے تھے وہاں اکیلے رہنا بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔ ہم نے ہر مقام ہر ایونٹ پر تم لوگوں کی بہت کمی محسوس کی تھی۔" انا نے پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھا' وہاں گزرے لمحوں کے متعلق بڑا خوب صورت تاثر لیے ایک کیفیت تھی جسے وہ جان نہ سکی کہ افسردگی سے متعلق ہے یا وطن آجانے کی خوشی سے متعلق۔

"ہم نے بھی ہر موقع اور ایونٹ پر ماموں اور پھر آپ اور روشنی کی کمی محسوس کی تھی۔ بس اسٹڈی کی مصروفیات نے الجھائے رکھا ورنہ شروع شروع میں تو میرا یہاں آکر دل ہی نہیں لگا تھا۔ اتنا عرصہ وہاں گزار کر آنا اور پھر مستقل یہاں سیٹل ہونا کچھ وقت لگا تھا اب کچھ سیٹل ہونے میں۔"

"ہاں پھوپو تمہارے متعلق ایک ایک بات کی رپورٹ دیتی تھیں۔" ولید نے بھی مسکرا کر کہا تو نجانے کس خیال سے انا کے چہرے پر سرخی سی چھائی تھی۔

"جب تم یہاں آئی تھیں دو پونیاں بنانے والی چھوٹی سی لڑکی تھیں' اب تو ماشاء اللہ میڈیکل کے فورتھ ائیر میں ہو۔ تم نے پچھلے سالوں میں اپنی کوئی تصویر تک نہیں بھجوائی۔ یہاں آنے تک میرے ذہن میں تمہارا وہی دس سال پرانا سراپا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ تم اب بھی چھوٹی چھوٹی بات پر فوراً احساس ہوتے آنکھوں میں آنسو لیے پونیاں ہلاتی بابا کے پاس میری یا روشنی کی شکایت کے لیے آیا کرو گی جہاں اور بہت کچھ بدلا ہے وہاں تم بھی خاصی بدل گئی ہو۔ خصوصاً میچوری ہوگئی ہو۔"

وہ ایک دفعہ پھر اپنی ذات موضوع سخن بنتے دیکھ کر جھینپ گئی تھی۔ دہکتے رخساروں کی لالی میں ایک دم اضافہ ہوا تھا۔ ولید نے بڑی دلچسپی سے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

"کافی ٹائم ہوگیا ہے چلتی ہوں میں اب۔" اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کافی کے لیے شکریہ! تم واقعی بہت اچھی کافی بناتی ہو۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے خالی مگ لیا تو اس کی تعریف پر مسکرادی۔

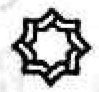
اسے لگا وہ جو کچھ دیر پہلے اپنی ذات میں الجھی رہی تھی۔ گم سم نجانے کس چیز پر افسردہ ہورہی تھی۔ ولید کی باتوں سے اس کی ساری فرسٹریشن ختم ہوگئی ہے۔ ذہن و دل پر جو ایک بوجھ تھا وہ اتر گیا ہے۔ ٹرے میں دونوں مگ رکھ کر وہ دروازہ کی طرف بڑھی تھی۔

"اللہ حافظ اینڈ شب بخیر!" دروازہ کے پاس رک کر پلٹ کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر براجمان اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کہنے پر مسکرا کر سر تسلیم خم کیا تھا۔

"سیم ٹو یو!" اس کے انداز اور لبوں پر کھلتی مسکراہٹ پر انا کو اپنا دل دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

"شکریہ......!" وہ کہہ کر کمرے سے فوراً نکل آئی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

بیٹھے بیٹھے بات پرانی یاد آئی
ماضی کی وہ شام سہانی یاد آئی
فرقت نے جھلسایا آنکھیں بھیگ گئیں
جذبوں کی ہر ایک کہانی یاد آئی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

چوہدری حیات علی خواب میں ڈر کے چیخ رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خاص ملازم بخشوان کو جھنجوڑ کر اٹھا دیتا ہے اور ان کو پانی پلاتا ہے اتنے میں تابندہ بوا بھی آ جاتی ہیں اور باہر سے بخشو سے چوہدری حیات علی کا پوچھتی ہے جس پر ملازم ان کو بتاتا ہے کہ چوہدری صاحب خواب میں ڈر گئے ہیں۔ انا وقار خوب صورت غزل کی آواز سن کر برابر کے ٹیرس میں ولید کے کمرے کے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے یہ سوچتے ہوئے کہ اس غزل کے اس گھر سب ہی دیوانے ہیں انا وقار کے کمرے میں ناک کر کے داخل ہو جاتی ہے اور ولید سے باتیں کر رہی ہوتی ہے کہ تبھی روشنی بھی کمرے میں آ جاتی ہے اور سب کے ساتھ چائے پینے کو کہتی ہے تو ولید انکار کر کے چلا جاتا ہے۔ شہوار یونیورسٹی سے کلاس لے کر جیسے ہی نکلتی ہے کہ اچانک سے ایاز اس کے سامنے آ کر راستہ روک لیتا ہے جس کو دیکھ کر شہوار پریشان ہو اٹھتی ہے اتنے میں انا بھی اس کی مدد کے لیے آ جاتی ہے اور شہوار کو لے کر ایک بیٹھ جاتی ہے اور اس سے ایاز کے بارے میں تفصیل جانتی اور پریشان ہو اٹھتی ہے۔ شہوار کو رات کے وقت چائے طلب ہوئی تو وہ کچن میں آتی ہے کہ عادلہ میں اچانک سے آ جاتی ہے اور اس سے اپنے لیے سینڈوچ بنانے کو کہتی ہے اسی دوران مہر النساء بیگم بھی کسی کام سے کچن میں آتیں ہیں تو شہوار کو وہاں دیکھ کر اسے ڈانٹ رہی ہوتی ہیں کہ عادلہ ان سے بدتمیزی کرتی ہے جس پر مہر النساء بیگم کو بھی غصہ آ جاتا ہے۔ رات مصطفیٰ اپنے کمرے میں آفس کا کام کر رہا ہوتا ہے کہ شاہ زیب صاحب کا بلاوا آ جاتا ہے جب وہ ان کے پاس آتا ہے تو وہ حویلی سے چوہدری صاحب کے فون کا بتا رہے ہوتے ہیں کہ عباس عادلہ کو کھینچتے ہوئے لاتے ہیں اور سب کے سامنے اس کی ساری بکواس رکھ دیتے ہیں۔ ولید انا کو ڈپریس دیکھ کر اپنے کمرے میں کافی کے ساتھ بلواتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے مگر انا کچھ بھی نہیں بتا پاتی اور ولید اس کو سمجھتا ہے اور اپنا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

"تم تیار ہو لو ہمیں ابھی گاؤں جانے کے لیے نکلنا ہے۔" وہ کالج سے لوٹی تو مہر النساء بیگم تیار اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس نے سر ہلا کر اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

"مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں؟" اس نے رک کر پوچھا۔ "ہاں آ گیا ہے کمرے میں تیار ہو رہا ہے۔" وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اپنے گھر ماں سے ملنے جانے کی بھی ایک عجیب سی خوشی تھی۔

تیاری تو وہ رات میں ہی کر چکی تھی۔ تابندہ امی کے لیے اس نے پچھلے دنوں دو سوٹ، شالیں اور دیگر اشیاء لی تھیں۔ وہ بیگ ریڈی تھا اس نے فقط الماری سے لباس نکال کر واش روم کا رخ کیا تھا۔ واش روم سے نکل کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی کہ رخشندہ نے دستک دینے کے بعد کمرے میں جھانکا۔

"بیگم صاحبہ آپ کو بلا رہی ہیں۔" شہوار نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اپنے بکھرے گھنے بالوں کو کم از کم دو تین منٹ تو لگنے ہی تھے انہیں سلجھنے میں۔

"میں آتی ہوں تم یہ بیگ لے جا کر گاڑی میں رکھواؤ۔" رخشندہ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ اس نے الٹے سیدھے ہاتھ بالوں میں چلائے اور فٹافٹ بالوں کو فولڈ کر کے کلپ میں جکڑا تھا خاص اہتمام تو پہلے بھی نہیں کرتی تھی بس کاجل لگا کر اس نے عجلت میں براؤن چادر اپنے گرد لپیٹی اور سینڈل پہن کر جب وہ باہر آئی تو مہرالنساء بیگم گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں اور مصطفیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ لائبہ داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑی تھیں۔ شاید الوداع کرنے آئی تھیں۔

"جلدی کرو۔" اسے آتے دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"انکل کہاں ہیں نظر نہیں آرہے؟" لائبہ سے الوداعی گلے ملتے اس نے پوچھا۔

"انہیں کام تھا وہ چلے گئے تھے اور عادلہ کمرے میں ہیں۔"

"دونوں کو سلام کہیے گا۔" اس سے ہاتھ ملاتے اس نے یاددہانی کرائی تھی۔

"ضرور، تم بھی نانا جان اور بوا جی کو سلام کہنا۔" وہ سر ہلاتی متانت سے قدم اٹھاتی گاڑی کی طرف بڑھ آئی۔

لائبہ کی نگاہوں میں اس کے دراز ساڑھے پانچ فٹ سے بھی نکلتے قد، متناسب سڈول سراپا اور متانت و وقار سے چلتی شہوار کے لیے خاص ستائش تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا وقار اور ٹھہراؤ تھا۔ شاید اس وقار نے عادلہ کی نظروں میں ایک جلن حسد کی کیفیت پیدا کر دی تھی جسے کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔

شہوار نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولنا چاہا پر مہرالنساء نے منع کر دیا۔

"تم آگے بیٹھ جاؤ اتنا لمبا سفر ہے مجھ سے بیٹھ کر طے نہیں ہوگا۔ میں لیٹوں گی تم آگے ہی بیٹھ جاؤ۔" وہ سر ہلاتے جھجکتے ہوئے ہاتھ ہٹا گئی تھی مصطفیٰ نے بھی ماں کی بات پر آگے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا اس کے لیے زندگی میں پہلا اتفاق تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی چادر سنبھالتی بیٹھ گئی تھی۔

"حویلی فون کر دیا تھا نا مصطفیٰ؟" گاڑی جیسے ہی روڈ پر آئی مہرالنساء بیگم کو اچانک خیال آیا۔

"کیوں آپ نے رات کو اطلاع نہیں دی تھی؟" بڑے ریلیکس موڈ میں ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے بیک ویو مرر سے ماں کو دیکھا۔

"تمہارے بابا نے کال کر دی تھی تابندہ کو اطلاع دے تو دی تھی تابندہ کہہ رہی تھی صبح نکلتے ہوئے بھی کال کر دوں تاکہ وہ کھانا وغیرہ ریڈی رکھے۔" شہوار خاموشی سے دونوں کو سن رہی تھی۔

"چلیں بوا جی کو اندازہ تو ہے نا ہم آرہے ہیں وہ تو رات سے ہی تیاری میں لگ گئی ہوں گی۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر پہلے مرر سے ماں اور پھر فرنٹ سیٹ پر خاموش بیٹھی شہوار کو دیکھا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی کیفیت ہوگی وہ تو صبح ہی سے حویلی کا گیٹ دیکھنا شروع کر دے گی۔" مہرالنساء بیگم نے بھی مسکرا کر کہا تو ماں کی بے قراری یاد کر کے شہوار کے چہرے پر ایک فخر، مان اور محبت کا احساس جاگا تھا جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ عظیم ہستی، کائنات کا سب سے بڑا سچ، اس کے اندر ماں سے ملنے کی طلب مزید گہری ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے برسوں بعد ملنے جا رہی ہو۔

"شہوار بیٹا کیا بات ہے طبیعت ٹھیک ہے نا...... بڑی خاموش بیٹھی ہو؟" مہرالنساء بیگم کو اس کی چپ محسوس ہوئی تو فوراً پوچھا۔

مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھا ایک پل کو نگاہیں ملیں مگر وہ فوراً نگاہیں چرا کر چہرہ عقب میں کر کے مہرالنساء بیگم کی طرف چہرہ موڑ گئی تھی۔

"جی بالکل ٹھیک، بالکل اے ون فٹ فاٹ ہوں۔"

"مگر خاموش کیوں ہو؟" انہیں فکر ہوئی۔

"میں پہلے کون سی بہت زیادہ باتونی ہوں۔" مصطفیٰ نے اس کی مسکراہٹ محسوس کی تھی۔ صاف شفاف نکھری نکھری چاندی جیسی مسکراہٹ۔

"پہلے بھی تو بہت کم بولتی تھی۔" وہی دھیما سلجھا انداز تھا۔ مصطفیٰ نے اسے کبھی غیر ضروری بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"بولا کرو ہنسا کھیلا کرو یہی عمر تو ہوتی ہے لڑکیوں کی ہنسنے کھیلنے کی۔ تمہیں چپ چاپ دیکھتی ہوں تو میرے دل کو کوئی مٹھی میں لے لیتا ہے۔ خاموش مت رہا کرو۔ کوئی بات کرو اتنا لمبا سفر ہے چپ چاپ کیسے کٹے گا بھلا گھر میں تو سو کام ملازموں کی چیخ چیخ عادلہ کی ہی ٹینشن رہتی ہے اور اب بھی میں ہی بولے جا رہی ہوں مسلسل۔" وہ گھبرا کر اپنی کیفیت بتا رہی تھیں شہوار ہنس دی۔ مصطفیٰ نے حیرت سے اسے یوں کھل کر ہنستے دیکھا۔

براؤن چادر میں دلکش چہرہ اپنے اندر بھرپور دلکشی رکھتا تھا۔

"آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوا کریں پتا ہے نا کتنی جلدی آپ کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے۔ میں آپ کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔ آپ باتیں کریں میں متوجہ ہوں ڈونٹ وری۔" مصطفیٰ نے اسے پہلی بار اتنا لمبا جملہ ادا کرتے سنا تھا۔

"تو میں بھلا کیا باتیں کروں؟ ہم بوڑھوں کو بھلا اتنی باتیں کہاں آتی ہیں۔ ہماری وہی سادہ سی گھریلو باتیں، بہو کی چغلیاں، ملازموں کے قصے، دال مرچ کی کہانی، میں تمہارے اور مصطفیٰ جتنی پڑھی لکھی ہوتی تو تمہیں بولنے کا ہی کیوں کہتی؟"

"آج آپ کا دل باتیں کرنے کو بڑا مچل رہا ہے خیر ہے ناماں جی۔" مصطفیٰ نے ماں کی باتوں پر مسکرا کر انہیں چھیڑا تو وہ ہنس دیں۔

"لو سنو شہوار! یہ ماں کو چھیڑ رہا ہے۔" انہوں نے بھی مذاق میں حصہ لیا۔

"کوئی بات نہیں آپ ان کو ہدف بنالیں۔" شہوار نے تسلی سے کہا۔

"محترمہ مجھے ہدف بنانا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔"

"کیا بہت مشکل کام ہے؟" اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے اس نے براہ راست مصطفیٰ شاہ زیب علی کو دیکھا۔

"آزمائش شرط ہے۔" ماں کے مذاق کو وہ بھی انجوائے کر رہا تھا۔

"تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اس کے لیے تو میں نے سب طے کر لیا ہے۔ بس چند دن رہ گئے ہیں اس کی بھی آزادی کے۔" مہرالنساء بیگم نے دونوں کو کبھی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے نہیں دیکھا تھا آج جو ایک ذرا سے جملے پر شہوار نے اسے چھیڑا تو انہیں بہت اچھا لگا۔

"مطلب کیا ہے والدہ محترمہ آپ کے اس جملے کا؟ ذرا وضاحت فرمانا پسند کریں گی۔"

"ہم شادی کر رہے ہیں مصطفیٰ کی۔" انہوں نے آرام سے بم پھوڑا تھا بلکہ شہوار کو بتایا۔ مصطفیٰ حیران ہوا۔

"ہائیں کیا مطلب؟" مصطفیٰ کا پاؤں ایک دم بریک پر جا پڑا تھا۔

گاڑی ایک دم بیچ سڑک پر رکی تھی گاڑی کے یوں رکنے پر ٹائر چرچرائے تھے آگے پیچھے والی گاڑیوں کے بھی بریک لگے۔ فضا اگلے پل ہارن کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے فوراً سنبھل کر گاڑی دوبارہ آگے بڑھائی۔

"مذاق کر رہی ہیں نا آپ؟" اس نے مرر میں سے ماں کے مسکراتے جھلملاتے چہرے کو بغور دیکھا۔

"مذاق کیسا؟" سیدھی سادی پلاننگ ہے ہماری۔ ماشاءاللہ سے اب تم سیٹ ہو چکے ہو تو شادی ہو جانی چاہیے اب تمہاری۔"

"خدا کو مانیں ماں جی۔ عباس بھائی اور عادلہ بھابی کا حال آپ کے سامنے ہے۔ ایک اور غلطی کرنے چل دیں آپ۔ آپ کو اچھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ چار پانچ سال سے پہلے شادی نہیں کرنے والا میں۔" دوبارہ سبک خرامی سے گاڑی ڈرائیو کرتے اس نے ماں کو صاف انکار کیا تھا۔

"اب انتظار نہیں کرنے والی میں۔ تمہارے باپ سے سب بات کر لی ہے میں نے، حویلی جا رہی ہوں بابا صاحب سے بھی صلاح مشورہ کر لوں گی۔ رہ گئی عادلہ والی مثال تو میں اب اس جیسی بہو نہیں لانے والی۔ غلطی ایک دفعہ ہوتی ہے بار بار نہیں۔ اگر غلطی ہی کرنا ہوتی تو کاشفہ اس کی بہن کے لیے ہامی بھر لیتے مگر مجھے صرف اپنے گھر کا ہی سکون درکار نہیں بلکہ بیٹے کی خوشیاں بھی عزیز ہیں۔ لڑکی ہر لحاظ سے تمہاری سوچ اور ڈیمانڈ کے مطابق ہوگی۔ بے فکر رہو۔"

''لو جی! ادھر سب طے کیے ہوئے ہیں۔ آپ کو میں اس طرح آزاد برا لگتا ہوں؟'' کچھ جھنجلا کر اس نے کہا تھا۔ شہوار کے لیے اس کا یہ انداز بالکل نیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔ اسی پل مصطفیٰ کی بھی نگاہ اس پر پڑی تو اسے مسکراتے دیکھ کر اور چڑا۔

''ماں جی میں پریکٹیکل اپروچ رکھنے والا انسان ہوں مجھے اس فیوڈل سسٹم سے بہت چڑ ہے کم عمری میں عائزہ، صبا دونوں کی شادیاں کردیں وہ بھی بھرے پرے گھروں میں۔ لائبہ بھابی بھی کم عمر ہیں لے کر اتنی بڑی ذمہ داریوں میں پھنسا دیا۔''

''تمہارے دونوں بھائیوں کی معقول عمر میں ہی شادیاں کی ہیں۔'' ''کاکے'' تو دونوں ہی نہیں تھے۔'' اس کے اس طرح چڑنے پر انہوں نے اس سے زیادہ چڑ کر جواب دیا تھا۔

''تو ان محترمہ کو ابھی تک کیوں بخشا ہوا ہے؟ میرا خیال ہے اکیسویں سن سے یہ محترمہ بھی تجاوز کر چکی ہوں گی۔'' مصطفیٰ کو شہوار کی مسلسل مسکراہٹ سے چڑ سی ہو رہی تھی۔ فوراً توپوں کا رخ اس کی طرف کر دیا گیا تو شہوار ششدر کر رہ گئی۔

''ہائے میں نے کیا کر دیا اب؟''

''اس کی عمر مت گنو اپنی عمر دیکھو اٹھائیس انتیس سے تو زیادہ ہی ہوگی۔''

مہر النساء کے یوں کہنے پر شہوار کو پھر ہنسی آ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے فوراً کھڑکی کی طرف منہ کیا۔

''کوئی حال نہیں ماں جی میری عمر گننے کے بجائے میرا آئی ڈی کارڈ لے کر چیک کرلیں۔ دوسرا میرا ابھی شادی وادی کے جھنجٹ میں پڑنے کا قطعی ارادہ نہیں۔ اس لیے اس ٹاپک کو فی الحال بند کردیں۔'' اس نے کچھ الجھ کر اور کچھ برہمی سے انکار کیا۔

''دیکھ رہی ہو شہوار! ساری عمر باہر گزار کر آیا ہے۔ اب شادی کی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں تو کیسے منہ پھاڑ کے انکار کر دیا ہے۔'' وہ کچھ رنجیدہ سی ہوگئی تھیں۔

مصطفیٰ ساری زندگی ان سے دور رہا تھا سو ان کے دل میں اس کے لیے بڑی گنجائش تھی۔ باقی اولاد کی نسبت اس کا خیال زیادہ کرتی تھیں۔ اس کے لاڈ اٹھاتی تھیں نخرے سہتی تھیں۔

''ہوسکتا ہے مصطفیٰ بھائی نے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہو کیوں مصطفیٰ بھائی۔'' مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

''اب تم ان کے دماغ میں ایک اور نئی بات ڈال دو یہ جو عرصہ بعد کچھ کرنے کا سوچ بیٹھی ہیں فوراً عمل کر دکھائیں گی۔ ماں جی ایسی کوئی بات نہیں، اتنا عرصہ باہر رہ کر آیا ہوں۔ اگر خود سے ہی پسند کر لینے کا مسئلہ ہوتا تو وہیں سے ساتھ لے کر آتا۔ میں بس کچھ عرصہ بغیر کسی ذمہ داری کے لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ جاب کی اپنی بہت سی ذمہ داریاں ہیں میں فی الحال کوئی نئی ذمہ داری افورڈ نہیں کرسکتا۔''

''ماشاء اللہ اپنی زمین جائیداد کے مالک لوگ ہیں چھوٹے موٹے نہیں ہیں، ہم ساری عمر بیٹھ کر زمینوں کی آمدنی کھائیں تو کم ہے پھر بھی تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے ہم۔ تمہاری تنخواہ سے تمہارا اپنا خرچ ہی شاید پورا ہو فی الحال میرا ارادہ نکاح یا منگنی کرنے کا ہے۔ رخصتی جب تم کہو گے تبھی کریں گے۔'' مصطفیٰ نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا شہوار کے سامنے اچھی خاصی بحث ہو چکی تھی۔

''لڑکی ڈھونڈنے میں بھی کچھ وقت تو لگے گا ہی مصطفیٰ بھائی بےفکر رہیں۔ اتنی جلدی شادی کا پروسس انجام نہیں دیا جائے گا۔'' اس کے اس طرح خاموش ہونے پر شہوار نے لب کشائی کی تو اس نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

''لو لڑکی کیوں ڈھونڈوں گی میں بھلا خاندان بھرا پڑا ہے لڑکیوں سے میں جس لڑکی کا بھی نام لوں گی سب خوش ہو کر ہامی بھریں گے۔'' مصطفیٰ نے ایک جتاتی نظر شہوار پر ڈالی تو وہ جھینپ گئی۔

''لڑکی تو ویسے بھی میں نے دیکھ رکھی ہے۔ بس بابا صاحب سے مشورے کے بعد رشتہ ڈالوں گی۔ میرا مصطفیٰ لاکھوں میں ایک ہے۔ خوشی خوشی اقرار ہوگا۔ میرے گھر کی آخری چھیتی خوشی ہے تو جو بھی کروں کم ہے۔'' شہوار کو پھر ہنسی آ رہی تھی۔

[راضی] نہیں تھا آنٹی سب طے کیے بیٹھی تھیں۔ مصطفیٰ کی گھوریوں کا احساس تھا ورنہ دل کھول کر ہنستی۔

''کون ہے وہ لڑکی بھلا ہمیں بھی تو پتا چلے؟'' مصطفیٰ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے اس کی خاموشی کو نوٹ کرتے اس نے مہر النساء بیگم سے پوچھا تھا۔ وہ مصطفیٰ کی خاموشی اور شہوار کے اشتیاق کو دیکھ کر مسکرادیں۔

''پتا چل جائے گا پتا جب رشتہ کروں گی تو مصطفیٰ سے مشورہ کرکے ہی کروں گی۔ مجھے یقین ہے مصطفیٰ کو بھی لڑکی پسند آئے گی۔''

''خاندان میں سے ہے؟'' شہوار کا اشتیاق کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

''یہی سمجھ لو۔'' وہ بھی سسپنس پیدا کر رہی تھیں۔ وہ الجھی۔

''بڑے انکل، حسن انکل یا دونوں پھوپوں کی بیٹیوں میں سے ہے یا پھر دور کی رشتہ داری ہے۔''

''تم اندازہ لگاؤ؟'' انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ الجھ گئی۔

آگے پیچھے سب جاننے والی تمام لڑکیوں کے نام چہرے یاد کر ڈالے مگر کچھ سمجھ نہ آئی۔

''لڑکی پیاری ہے؟'' سوچتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''ہاں بہت زیادہ یوں کہو چندے مہتاب ہے۔'' مصطفیٰ بالکل لاتعلق تھا۔

''زبردست! قد کتنا ہے۔ مصطفیٰ بھائی کے ساتھ چلتے ہوئے سوٹ تو کرے گی نا؟'' اس کا تجسس کئی گناہ بڑھ چکا تھا۔

''قد تو ماشاء اللہ بہت اچھا ہے سوٹ کیوں نہیں کرے گی میں اسے دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ بنی ہی میرے مصطفیٰ کے لیے ہے۔'' ان کے انداز میں اپنی متوقع بہو کے لیے بڑی محبت تھی۔ شہوار بڑی امپریس ہوئی تھی۔

''ایجوکیٹڈ ہے؟''

''تو اور کیا، اپنے مصطفیٰ کے لیے اس کے لیول کی لڑکی تو ضروری ہے نا۔''

''اچھا یہ بتائیں بال کیسے ہیں اس کے کٹنگ ہیں یا بس سو سو۔'' اس کی آنکھوں میں لائبہ بھابی کی چھوٹی بہن شافعہ کا عکس لہرایا جو ان کوالٹیز پر پورا اتر رہی تھی۔ بس بال چھوٹے تھے۔

''ماشاء اللہ بال تو بہت پیارے لمبے اور گھنے ہیں چار فٹ تو ہوں گے۔'' شہوار کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر پر جا پڑا۔ مصطفیٰ نے اس کی حرکت کو فوراً نوٹ کیا تو وہ جھینپ کر ہاتھ گرا گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اتنی خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی اس کی آنکھوں میں نواز انکل کی درِبا آ سمائی جس کے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔

''اچھا یہ بتائیں کہ وہ پاکستان میں رہ رہی ہیں کہ آؤٹ آف کنٹری۔'' یہ اس کے ''اندازوں'' کی زنبیل کا آخری سوال تھا۔ مصطفیٰ نے چڑ کر اسے دیکھا۔

''تمہیں اتنی دلچسپی کس لیے ہے؟ تم نے رپورٹ لکھنی ہے کیا؟'' خاصا ناراضی لیے ڈانٹنے والا انداز تھا۔ وہ اپنی جگہ چپ چاپ سی رہ گئی۔

''ہائے ہائے بچی کو کیوں ڈانٹ رہے ہو۔ ماشاء اللہ اندازے تو اس نے سارے ہی ٹھیک ٹھاک لگائے ہیں۔ چلو مصطفیٰ تم بتاؤ کون ہوسکتی ہے وہ لڑکی؟''

''سوری مجھے پزل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں اور آپ کو لینا نہیں ہے۔ آپ شاید بھول رہی ہیں کہ آپ نے ان محترمہ کو اس لیے آگے بھیجا تھا کہ آپ اتنا لمبا سفر لیٹ کر کریں گی نہ کہ باتیں کر کر کے۔''

وہ اچھا خاصا چڑ چکا تھا۔ شہوار تو ایک طرف مہر النساء بیگم تک ہنس دی تھیں۔

''چلو تم برگر کھا لیتی ہوں لیٹ جاتی ہوں میں ویسے بھی اب بیٹھ بیٹھ کر میں تھک گئی ہوں۔'' انہوں نے سیٹ پر پڑا لنچ باکس اٹھا کر پیچھے سے کشن اٹھا کر سیٹ پر رکھا تھا۔

''شہوار تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا سیدھا کالج سے آتے ہی گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ اس لیے کھانا اور شاپر میں بھی [سینڈوچز] ہیں کھا لو بھوک لگی ہوگی۔''

انہوں نے شاپر اور لنچ باکس اگلی سیٹ پر بیٹھی شہوار کو تھما دیے تھے اور خود کشن سیٹ کر کے دراز ہوگئی تھیں۔
شہوار کو بھوک تو واقعی محسوس ہو رہی تھی اس نے شاپر دیکھا اس میں چپس' نمکو' کوک' بسکٹ وغیرہ کے لوازمات تھے۔ اس نے لنچ باکس جھولی میں رکھ کر کھولا سب سے اوپر والے ٹفن میں چکن سینڈوچ اور کباب تھے۔
''سینڈوچ لیں گے آپ؟'' اس نے کھانے سے پہلے ٹفن مصطفیٰ کی طرف بڑھایا تھا۔
''تھینکس۔'' مصطفیٰ نے ایک سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔
''یہ کباب بھی ہیں۔''
''تو تھینکس تم نے لنچ نہیں کیا تھا تم کھاؤ یہ بھابی نے تمہارے لیے ہی پیک کر کے دیا ہے۔ میں نے تو گھر آ کر ڈٹ کر لنچ کیا تھا۔ بھابی کہہ رہی تھیں کہ ایک ٹفن میں بریانی بھی ہے۔ شاپر میں انہوں نے کوک کی بوتل رکھی ہوئی ہے وہ بھی نکال لو۔'' وہ شاید سارا کچھ چیک کر چکا تھا یا بھابی نے اس کے سامنے پیک کرایا تھا۔ وہ سر ہلاتی ایک سینڈوچ اٹھا کر بڑی رغبت سے کھانے لگی۔ یہ طویل سفر تھا مہر النساء بیگم تو پیچھے دراز ہوگئی تھیں اور سفر کے دوران اسے کبھی نیند نہیں آتی تھی اب سارا سفر مصطفیٰ کے ساتھ اسی طرح بیٹھ کر گزارنا تھا۔

❁......❁......❁

شہوار کے آنے کی خبر تو رات میں ہی مل گئی تھی وہ رات سے خاصی پرجوش تھیں۔ حویلی کی صفائی' کچن میں کھانوں کی تیاری تک وہ ہر چیز اپنی نگرانی میں کروا رہی تھیں۔
دو بجے کے قریب انہوں نے کال کی تو لائبہ نے بتایا کہ وہ لوگ حویلی کے لیے گھر سے نکل چکے ہیں۔ لائبہ نے ہی بتایا تھا کہ مصطفیٰ کے ہمراہ مہر النساء اور شہوار آ رہی ہیں۔
ڈیڑھ گھنٹہ گزرا تو بابا صاحب کو بھی ان کی آمد کے انتظار سے اکتاہٹ ہونے لگی۔
''تابندہ بچے ابھی تک نہیں پہنچے ہیں۔''
''تھوڑی دیر میں آ جاتے ہیں۔''
''اب تو عصر کا وقت بھی آ پہنچا ہے تم کال کر کے پتا کرو میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔'' ہال سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو تابندہ بوا نے نمبر ملائے اب کی بار وہ مصطفیٰ شاہ زیب علی کے نمبر پر کال کر رہی تھیں۔
''السلام علیکم!'' مصطفیٰ کی آواز سنی تو مسکرا دیں۔
''وعلیکم السلام جیتے رہو۔''
''کب تک پہنچ رہے ہو تم لوگ؟''
''ہم بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔ آپ سنائیں خیریت ہے نا؟''
''اللہ کا بڑا شکر ہے کرم ہے۔''
''بابا صاحب کیسے ہیں؟''
''ٹھیک ہیں نماز پڑھ رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ پتا کروں کہ کہاں ہیں بچے کب تک پہنچ رہے ہیں؟''
''شہوار سے بات کرواؤں؟'' وہ پوچھ رہا تھا وہ مسکرا دیں۔
''رہنے دو آ تو رہی ہے نا مل لوں گی باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔ ویسے وہ خیریت سے ہے نا۔''
''جی بالکل' جیسے آپ کی مرضی اللہ حافظ۔''
''اللہ حافظ۔'' وہ کال بند کرتے ہوئے کچن کی طرف چلی آئیں۔ ہر چیز تیار تھی۔
''عظمت! میں اپنے کمرے میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں تم تاج کو کہہ دینا کہ دھیان رکھے مہمان آئیں تو مجھے اطلاع کر دے۔''
''جی۔'' عظمت کو ہدایت دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وضو کر کے نماز ادا کرنے کے بعد انہوں نے تسبیح پکڑ

لی تھی۔ یونہی تسبیح کرتے ان کا ذہن بھٹکا تھا۔ انہوں نے فوراً اٹھ کر الماری کا جائزہ لیا الماری میں تصاویر کا البم اور دیگر کچھ ضرورت کی چیزیں خانے میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے رات یونہی کچھ نکالنے کو باہر نکالے تھے۔ مگر واپس رکھنا یاد نہ رہا تھا۔ انہوں نے کاغذات لاکر میں منتقل کیے تصاویر والا البم لے کر وہ بستر پر آ بیٹھی تھیں۔ اس البم میں گزرے لمحوں کی بہت سی یادیں تھیں۔ ان کا دل بھر آیا۔ ایک تصویر کو دیکھ کر ان کے ہونٹ بے اختیار تصویر پر جھک گئے تھے۔
تصویر میں ایک مرد اور عورت تھے دونوں نے ہی بچوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ مرد کے بازو میں بچہ تھا۔ تین چار سالہ خوب صورت صحت مند بچہ جبکہ عورت کے بازو میں ایک ڈیڑھ سال کی بچی تھی۔
''آہ! کیسے قیمتی موتی تھے۔ نجانے کہاں حالات کے سرد و گرم سہہ رہے ہوں گے۔ وہ امانت میں خیانت تو نہیں کرنے والا جب کو آزما لینے کا دعویدار تھا۔ سکندر! دیکھو میں کسی کی بھی حفاظت نہ کر سکی۔'' بے ربط جملے' بے ربط انداز' لرزتے ہونٹ اور شدت سے بہتے آنسو۔ نجانے کس دکھ کا اظہار تھا یہ۔ ایک دم باہر گاڑی کا شور بلند ہوا تو انہیں احساس ہوا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ شاید ماہ و سال بیتے تھے۔
اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے خود کو بحال کرتے انہوں نے اٹھ کر وہ تصاویر والا البم بھی لاکر میں رکھ کر چابی سب سے نچلے دراز کی تہہ میں رکھ دی تھی۔ باتھ روم میں جا کر چہرے پر موجود شکستگی کے تمام آثار مٹا کر اپنے مخصوص انداز کو برقرار رکھتے وہ باہر نکل آئی تھیں۔
''مہمان ہال میں ہیں۔'' تاج نے اشارہ کیا تو وہ ادھر بڑھ آئیں۔
''السلام علیکم!'' یہ لوگ ابھی ہال میں داخل ہی ہوئے تھے بابا صاحب ساتھ ہی تھے۔
''وعلیکم السلام!'' مہر النساء بیگم نے بڑی محبت سے تابندہ کو ساتھ لگا لیا۔
''ٹھیک ہو نا؟'' انہوں نے خود سے علیحدہ کر کے بغور اس کا چہرہ دیکھا گہری جھیل سی آنکھوں کی سرخی برقرار تھی۔ تابندہ بوا نے سر ہلا دیا تھا۔
شکستہ عمارت بتاتی تھی کہ کبھی یہ بڑی شاندار تھی۔ اتنی شاندار جو دیکھے وہ نظر ہٹانے کو نہ مانے مگر یہ عمارت اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھائی جا چکی تھی۔ اب صرف خالی عمارت تھی اور کچھ بھی نہیں۔
تابندہ بوا کی جوانی کا وہ دلکش پرسوز روپ تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ جوانی حویلی کی چار دیواری میں رل گئی تھی۔
ان کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی۔
''السلام علیکم امی۔'' مہر النساء کے ہٹتے ہی شہوار بڑی بے تابی سے ماں سے لپٹ گئی۔ کتنے دنوں بعد مل رہی تھی آنکھیں چھلک گئیں تو آنسو رخساروں پر رستہ بناتے چلے گئے۔
''وعلیکم السلام!'' انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ وہ سسک رہی ہے۔ انہوں نے بھرپور انداز میں اس کا نازک سراپا اپنے بازوؤں میں سمو لیا۔ یوں جیسے کوئی کانچ کو بڑی حفاظت سے تھام لیتا ہے۔
''اوہو بری بات شہوار ماں کو پریشان نہ کرو' چلو ادھر آؤ۔'' مہر النساء کی اس کے چہرے پر نگاہ پڑی تو فوراً ٹوکتے اسے ماں سے علیحدہ کر کے اپنے بازو کے حصار میں لیے صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔
''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' مصطفیٰ نے بڑے ادب سے سلام کے بعد حال دریافت کیا۔
''وعلیکم السلام جیتے رہو۔'' اس کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر بغور اسے دیکھا۔ مصطفیٰ پر نگاہ پڑتے ہی ان کے دل کا عالم خوشی سے جگمگا اٹھا۔
نقصان بہت ہوا تھا ماضی میں مگر اب سود کے ساتھ وصول لینے کا وقت تھا۔
تمام لڑکوں سے ہٹ کر سلجھا اور سنجیدہ مزاج یہ لڑکا بے پناہ خوبرو جوان تھا۔ انہیں خاندان بھر میں مصطفیٰ کے مقابل کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

www.paksociety.com

"سفر کیسا گزرا۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے بیٹی کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے بھابی اور مصطفیٰ پر نگاہ ڈالی۔

"میں تو تھوڑی دیر بعد ہی سوگئی تھی یہ تو شہوار نے ہی تھوڑی دیر پہلے اٹھایا کہ سفر تمام ہونے والا ہے۔"

"اور مصطفیٰ بیٹا آپ کی جاب کیسی جارہی ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے بوا جی! بہت اچھی۔" تبھی عظمت چلی آئی۔

"چائے لے آؤں؟" اس نے پوچھا۔

"میں فریش ہونا چاہتا ہوں پہلے۔" مصطفیٰ فوراً کھڑا ہوگیا تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران وہ تھک گیا تھا بے شک گاڑی زبردست تھی مگر سفر پھر سفر ہوتا ہے۔

"اچھا بھابی اور شہوار آپ دونوں بھی فریش ہولیں پھر چائے لگواتی ہوں۔"

فریش ہونے کے بعد چائے پی گئی۔ مغرب ہوچکی تھی نماز کے کچھ دیر بعد تابندہ بوا نے کھانا لگوادیا تھا کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا اور پھر بابا صاحب تابندہ بوا اور مہر النساء بیگم کے درمیان ایک طویل گفتگو کی نشست جمی تھی۔ مصطفیٰ پاس ہی تھا گاہے بگاہے ٹی وی دیکھتے وہ بھی گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ جبکہ شہوار کچھ دیر پاس بیٹھنے کے بعد نجانے کہاں گم ہوگئی تھیں۔

ٹی وی کی طرف سے اکتا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ گاؤں میں بڑی جلدی رات ہوجاتی ہے۔ ابھی نو ہی بجے تھے مگر لگ رہا تھا کہ جیسے آدھی رات بیت گئی ہے۔ گھر اور فیملی سے دور رہنے کی وجہ سے وہ بہت کم گاؤں کے ماحول میں رہ پایا تھا۔ اسی لیے یہاں آکر وہ اکثر بور ہوجاتا تھا۔ وہ برآمدہ عبور کرکے صحن میں آنکلا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

انہی لفظوں کی تکرار

مصطفیٰ کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔ وہ ایک دم اپنے قدموں پر گھوما تھا۔ آواز عقب سے یعنی باغ کی جانب سے آرہی تھی۔ کوئی بڑے ردھم اور لے میں گارہا تھا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
چاند نکلا ہے تجھے ڈھونڈنے پاگل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

گانے والی کی آواز میں بڑا سوز اور زیر و بم تھا۔ مصطفیٰ کو اس سناٹے میں گونجتی یہ آواز بڑی دلنشیں لگی۔ وہ باغ کی طرف بڑھ آیا۔ اطراف میں اندھیرا تھا۔ صحن میں ایک بلب روشن تھا باقی لائٹس آف تھیں۔ وہ جو کوئی بھی تھی فوارے کی دیوار پر بیٹھی اردگرد سے بے خبر گارہی تھی۔ سر گھٹنوں میں تھا اور لمبے دراز بال پشت پر پھیلے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

خشک پتوں کی طرح لوگ اڑے جاتے ہیں
شہر بھی اب تو نظر آتے ہیں جنگل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

وہ آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر صرف اپنی ذات میں مگن گارہی تھی۔ مصطفیٰ اس کے عقب میں آکر دونوں بازو سینے پر باندھے کھڑا ہوگیا تھا۔

پھر خیالوں میں تیرے قرب کی خوشبو جاگی
پھر برسنے لگیں آنکھیں میری بادل کی طرح

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

مصطفیٰ کو حیرت ہوئی کہ یہ لڑکی اس قدر اچھی آواز اور ذوق کی مالک ہے۔

گاڑی میں اس نے اس کا بڑا مختلف روپ دیکھا تھا مگر اس وقت تو وہ کسی اور ہی روپ میں نظر آرہی تھی۔

بے وفاؤں سے وفا کرتے گزری ہے حیات
میں برستا رہا ویرانوں میں بادل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

آخر میں اس کی آواز بالکل مدھم ہوتے تھم گئی تھی۔ فضا میں آخری مصرعے کی بازگشت ٹھہر گئی تھی۔

"زبردست! بہت اچھے۔" مصطفیٰ نے بے اختیار سراہا تھا۔ وہ جو کتنے عرصے بعد حویلی آکر بے تاب سی ہوگئی تھی ایک دم اپنے عقب سے آتی آواز سن کر گھبرا کر اٹھی تھی۔

"آپ؟" اسے ایک دم شرمندگی نے آگھیرا۔ نجانے یہ کہاں سے نکل آیا ہے۔ وہ کون سی بڑی گلوکارہ تھی نجانے کیا سوچتا ہوگا۔

"بہت اچھی آواز ہے تمہاری۔" وہ جو ہمیشہ اسے ایک ڈھکے چھپے روپ میں دکھائی دی تھی اس وقت اس کے گلے میں دوپٹا تھا بالوں کا آبشار گھٹنوں سے نیچے تک جارہا تھا۔ مصطفیٰ کو آج تک اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ اس لڑکی کے بال اس قدر لمبے گھنے اور پیارے ہیں۔

چاند کی روشنی میں اس کے وجود سے عجب تابناکیاں سی پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ اس نے مصطفیٰ کے انداز پر گھبرا کر فوراً دوپٹا سر پر جمایا تھا مگر چادر اور دوپٹے کا فرق اسے پہلی بار واضح محسوس ہوا۔ چادر اس کے سارے وجود کو چھپا لیتی تھی۔ جس سے بال چھپ جاتے تھے جبکہ دوپٹا اس کے صرف سر کو ہی چھپا سکا تھا۔ اسے جی بھر کر کوفت ہوئی کہ کیوں بال کھول کر وہ ادھر آنکلی تھی کم از کم ہیئر بینڈ ہی ڈال لیتی۔

"ادھر اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" اس نے اس کے پاؤں کو دیکھا جو وہ قریب پڑی سینڈل میں چھپا رہی تھی۔

"یونہی ادھر آنکلی تو ادھر بیٹھ گئی۔" مصطفیٰ اس سے کچھ فاصلے پر فوارے کی دیوار پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

"تم تو خیر ادھر ہی پلی بڑھی ہو مگر میں ادھر آکر بہت بور ہورہا ہوں۔ بہت کم آنا جانا رہا ہے اس لیے شاید بوریت کا احساس ہورہا ہے۔" وہ پزل سی اسی طرح کھڑی رہی۔ اس کے ساتھ گفتگو کا بہت کم اتفاق رہا تھا۔ آج بھی گاڑی میں جب تک آنٹی لیتی رہی تھیں باتیں ہوئی تھیں اس کے بعد تو ایک دو جملوں کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تھی اور اب۔

وہ انگلیاں چٹخاتی اس طرح کھڑی تھی کہ جیسے ابھی بھاگ جائے گی۔ مصطفیٰ نے نوٹ کیا تو اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ وہ شاید اس کی تنہائی میں مخل ہوا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا تو وہ جھجکتے ہوئے قدرے فاصلے پر دیوار پر ٹک گئی۔

فوارہ بند تھا مصطفیٰ نے اس کے ٹھہرے پانی میں ہاتھ ڈالا تو سرد پانی نے ایک عجیب سا احساس بخشا۔

ٹھنڈک آمیز تنہائی لیے بڑا دل فریب سا احساس۔

"امی بابا اور آنٹی ہال ہی میں ہیں؟" اک بے نام سی خاموشی سے گھبرا کر اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

"ہوں ادھر ہی ہیں۔ وہی گھریلو ٹپیکل خاندانی باتیں عادلہ بھابی کا قصہ بابا صاحب کو سنایا جارہا تھا۔" عادلہ کے ذکر پر اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے گہرے ہوئے۔

"کیا واقعی انکل عادلہ بھابی کی خواہش پر انہیں علیحدہ کردیں گے۔"

"حرج تو کوئی نہیں گھریلو سکون اور امن کے لیے یہ اقدام برا نہیں۔"

"مگر عادلہ بھابی کا رویہ تو غلط ہے نا۔" وہ ایک دکھ سے گویا تھی مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھا۔ ہیرے کی لونگ کی چمک نمایاں تھی۔ اس سے پہلے اسے اس لڑکی کو بغور دیکھنے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ آج کا سارا وقت جو اس کے ہمراہ گزرا

تھا اس سارے وقت میں شہوار کی ذات کی بہت سی خوب صورتیاں اس پر آشکار ہورہی تھیں۔ اسے محسوس ہورہا تھا کہ وہ عادلہ بھابی کی وجہ سے پریشان ہے۔

"مگر میں نہیں چاہتی کہ وہ علیحدہ ہوں۔ عباس بھائی انہیں اتنی محبت وخواہش سے بیاہ کرلائے تھے اب ان کا رویہ؟ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں کس طرح ان کی غلط فہمیاں دور کروں۔" وہ خود سے الجھ الجھ کر تھک چکی تھی وہ کسی سے بھی دل کی بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ نجانے کیسے مصطفیٰ کے سامنے اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے تھے۔ مصطفیٰ اس کے اس انداز پر بری طرح چونکا تھا۔

"کیسی غلط فہمیاں؟" اس نے گھریلو امور میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی مگر عادلہ والا واقعہ اس کے سامنے ہوا تھا تو اس کا متجسس ہونا لازمی تھا۔

شہوار شش وپنج میں پڑ گئی کہ وہ اس سے کچھ کہے یا نہیں۔

اس کے دل پر اس قدر بوجھ بڑھ چکا تھا کہ دل چاہتا تھا کہیں بیٹھ کر کسی کے سامنے دل کھول کر اپنا غبار نکالے۔ تابندہ بی کو وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور کسی اور سے کہتی بھی تو کیا اور کیسے؟

"کوئی سیریس بات ہے شہوار؟" اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر وہ چونکی۔ "میرا خیال ہے کہ تم عادلہ بھابی والے واقعے کو لے کر خاصی پریشان ہو کیا بات ہے اگر بتانا پسند کرو تو بتا سکتی ہو۔" اس کے اس انداز پر مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ بات کچھ ضرور ہے اور سیریس بھی ورنہ وہ اتنی پریشان یا فکر مند دکھائی نہ دیتی۔

"آپ آپ کسی سے ذکر تو نہیں کریں گے؟" بتائے کہ نہ بتائے کے درمیان الجھتے اس نے لب کشائی کرتے ہوئے بھی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کو اندازہ ہوگیا کہ بات واقعی کچھ سیریس ہے۔

"تم کہو میں سن رہا ہوں۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ ہونٹ کچلتے اس نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ بڑے سنجیدہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر عادلہ بھابی یہ علیحدہ گھر والی بات نہ بھی کرتیں تو بھی میں سوچ رہی تھی کہ آپ سے ضرور ڈسکس کروں گی۔ دراصل مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ اس مسئلے کو کیسے حل کروں کیسے آپ کو بتاؤں۔" وہ دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔

"عادلہ بھابی جب سے اس گھر میں بیاہ کر آئی ہیں انہوں نے نجانے کیوں مجھ سے بیر باندھا ہوا ہے۔ شروع شروع میں تو میں الجھتی رہی مگر اب آکر ان کے رویوں کی سمجھ آرہی ہے۔" اس نے آغاز کیا تو وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھنے گیا۔ اس کی نگاہیں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ چہرہ جھکا ہوا تھا۔

"باباصاحب اور باقی لوگوں کا خیال میری ذات عباس بھائی کے ساتھ انیچ کرنے کا تھا۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں انکشاف کیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاصا حیران ہوکر اسے دیکھا۔ اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔

"مگر عباس بھائی کو عادلہ بھابی پسند آگئیں اور یہ بات یہیں ختم ہوگئی۔ شادی کے بعد شروع شروع میں عادلہ بھابی کو میری اور امی کی ذات سے ویسے ہی دلچسپی رہی جیسی باقی لوگوں کو ہے پھر آہستہ آہستہ ان کی یہ دلچسپی ناگواری اور نفرت میں بدل گئی۔" وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

"نجانے انہیں کیسے علم ہوگیا تھا کہ کبھی بزرگ عباس بھائی کے لیے میرا نام لے چکے ہیں۔" وہ بتا کر چپ سی ہوگئی تھی۔

"پھر......!" اس کے لیے اس سارے معاملے میں دلچسپی خاصی بڑھ چکی تھی۔

"ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے میں نے بڑی کوشش کی کہ خود کو محدود کرلوں عباس بھائی یا آپ کا سامنا نہ ہو مگر ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے میں کہاں تک کامیاب ہوسکتی تھی۔ خدا کی قسم میں تھک گئی ہوں ان کی زبان سے نکلنے والے رکیک الزامات اور جملے سن سن کر......!" وہ کہتے کہتے ایک دم رودی تھی اور مصطفیٰ وہ جہاں تھا وہیں ساکت رہ گیا تھا۔ اسے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتے دیکھتا رہا۔

"میری ایجوکیشن کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں کبھی حویلی سے باہر قدم نہ نکالتی۔ میں نے کئی بار انکل سے کہا کہ مجھے ہاسٹل شفٹ کردیں مگر امی نہیں مانتیں میں کسی کو اصل بات نہیں بتا سکتی۔" کافی دیر رونے کے بعد اس نے مزید کہا۔

"او مائی گاڈ واٹ از آ نان سینس۔"

"مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"عباس بھائی خود بہت پریشان ہیں مجھے نہیں پتا باقی لوگ ان کی نفرت کی اصل وجہ جانتے ہیں یا نہیں مگر میں نہیں چاہتی کہ امی تک یہ بات پہنچے۔" دوپٹے سے ناک رگڑتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" رومال لے کر اس نے چہرہ صاف کیا۔

"اب کیا نئی بات ہوئی ہے؟" بڑے تحمل سے وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ کافی دیر چپ ہی رہی تو اسے ٹوکنا پڑا۔

"انہوں نے اپنی سسٹر کا پرپوزل آپ کے لیے دیا تھا۔" اس نے نئی بات بتائی۔

"تو پھر۔" اسے کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔ اس مسئلے کا اس سے کیا تعلق؟

"تو پھر یہ کہ آپ نے انکار کردیا تھا اور وہ سمجھتی ہیں کہ اس کے پیچھے بھی میری ذات ہے۔" اس نے آخر کہہ ہی دیا تھا۔ جھکے سر سے وہ اپنے ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

"نان سینس......!" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنی گھٹیا سوچ کی مالک ہیں وہ۔" وہ چپ چاپ ہونٹ کاٹتی رہی۔

"میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے اس فورتھ ایئر میں آکر اس قدر پریشان ہوچکی ہوں کہ مجھے آرام و سکون سے اسٹڈی کرنے کا وقت ہی نہیں مل رہا۔ گھر میں وہ خود ہیں اور کالج کے اندر ان کا بھائی ایاز عبدالقیوم میری جان اجیرن کیے ہوئے ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس دفعہ میں اب واپس شہر نہ جاؤں۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟" وہ حیران پریشان اب صحیح معنوں میں ہوا تھا۔

"انہوں نے ایک طے شدہ پلاننگ کے تحت اپنے بھائی کو میرے پیچھے لگادیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی بھی آوارہ غلط کردار کے حامل شخص سے کسی بھی انسان کو اذیت پہنچ سکتی ہے۔" اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں وہ اور کیا کہتی۔ مصطفیٰ کئی ثانیے تک اسے دیکھتا رہا۔

"پچھلے ایک سال سے میں یہ عذاب سہہ رہی ہوں۔ میں کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ نہ نکالتی اگر اس شخص کی حرکتیں برداشت سے باہر نہ ہوجاتیں۔ کالج کے اندر اس کی غلیظ زبان اور بری حرکتوں سے بچاؤ کا میں ہر حربہ استعمال کرچکی ہوں مگر اب سب کچھ میری برداشت سے باہر ہے۔"

"او مائی گاڈ۔" مصطفیٰ کے ہونٹوں سے بس یہی نکلا تھا وہ چپ ہوکر رومال سے اپنے آنسو صاف کررہی تھی۔ اس کا سر مسلسل جھکا ہوا تھا اور ایک ہی زاویے پر تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچے دوبارہ بیٹھ گیا۔

"مصطفیٰ بھائی میں بہت برداشت کرنے کے بعد آپ سے ذکر کررہی ہوں۔ آپ پلیز مجھے اس کا سلوشن بتائیں ورنہ میں اپنی تعلیم چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں گی۔" مصطفیٰ نے دیکھا رونے سے اس کی آنکھیں خاصی سرخ ہوچکی تھیں۔

"میں کسی اور سے بھی کہہ سکتی تھی۔ انکل عباس بھائی سے بھی مگر میں کسی سے نہیں کہہ سکی انکل سے اس لیے نہیں کہ وہ فوراً سے پیشتر جو سلوشن پیش کریں گے وہ میری شادی کا ہوگا اور میں اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے سے پہلے ایسا نہیں چاہتی اور عباس بھائی جذباتی انسان ہیں مجھے ڈر ہے کہ بھابی اور ان کے تعلقات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ آپ کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ٹھنڈے دل ودماغ سے اس کا کوئی حل نکالیں گے آپ کے پاس دن میں کئی کیسز آتے ہیں بہت سے معاملات کو حل کرتے ہیں مجھے بھی کوئی حل دیں۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"ایاز عبدالقیوم۔" وہ پہلے بھی بتا چکی تھی اب پھر دہرایا تو اس نے سر ہلایا۔

''وہ کالج میں کیوں پایا جاتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''کلاس فیلو ہے وہ میڈیکل میں ہمارے ساتھ ہی ہے۔''
''اوہ۔''
''اس کے علاوہ؟''
اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''اوکے اب یہ میرا مسئلہ ہے تم ٹینشن فری ہو جاؤ اس کے بارے میں مزید معلومات میں خود حاصل کرلوں گا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے یہ مسئلہ ڈسکس کرلیتیں خوامخواہ اتنا عرصہ پریشان رہیں۔ بے شک ہم میں کوئی خونی رشتا نہیں ہے مگر بوا اور تم سے جو تعلق ہمارے خاندان کا ہے وہ بہت گہرا اور ان مٹ ہے۔ بھابی جیسے کنزرویٹو لوگ اس تعلق کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ دماغی بیمار لوگوں کی سائیکی ہے خیر بھابی کا مسئلہ پہلے ہی بابا کے پاس ہے وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔ رہ گیا یہ مسٹر ایاز والا مسئلہ یہ میری ذمہ داری ہے تم نے مجھ پر اگر بھروسا کیا ہے تو پھر مطمئن ہو جاؤ۔ ان شاء اللہ بہتر حل نکالوں گا۔'' وہ رومال سے چہرہ اچھی طرح صاف کرتے اٹھ گئی تھی۔
''تمہاری آواز بہت اچھی ہے تم وہ غزل بہت اچھی گا رہی تھیں۔''
وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا شہوار اپنی اس تعریف پر جھینپ گئی تھی۔
دونوں ہمراہ چلتے صحن کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے اندر کی طرف جانے والی راہ داری سے گزرنا تھا۔
''آپ وعدہ کریں کہ اس سارے قصے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے مجھے اپنا کردار بہت عزیز ہے۔ میں اسی لیے کسی سے نہیں کہہ رہی تھی کہ نجانے کوئی معاملے کو کس طرح لے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ بات اپنے تک رکھیں۔'' وہ ساتھ چلتے چلتے ایک دم رک کر گویا ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا جھکے سر سمیت لرزتی پلکیں لیے وہ اس ماحول میں ایک عجیب سی تابندگی بکھیر رہی تھی۔
عادلہ بھابی اگر اس سے خوفزدہ تھیں تو کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا اس لڑکی میں وہ سارے گٹس تھے جو مقابل کو چاروں شانے چت کر جانے پر مجبور کردے۔ یہ اور بات تھی کہ عباس بھائی متوجہ نہ ہوئے تھے۔
''کہانا ڈونٹ وری۔ یوں سمجھو تم نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ پلیز ٹینشن فری ہو جاؤ۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دی تھی۔ سرخ رخساروں، بھیگی پلکوں والے چہرے پر یہ مسکراہٹ ایسے تھی جیسے کالی سیاہ گھنگھور بدلیوں میں اچانک چاند نمودار ہو جائے۔
''تھینک یو سو مچ۔''
وہ پھر چلنا شروع ہوگئی تھی تبھی عظمت آتی دکھائی دی تو دونوں رک گئے۔
''آپ کو بی بی صاحب بلا رہی ہیں۔'' اس نے مصطفیٰ کو پیغام دیا۔
''تم چلو ہم اندر ہی آرہے ہیں۔'' پھر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔



وہ عجلت میں کمرے میں داخل ہوا تھا مگر ٹھٹک جانا پڑا تھا۔
انا وقار احمد روشی کے کمرے میں کارپٹ پر کشن پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے منہ گھٹنوں کے اوپر رکھے دنیا و فیہا سے بے خبر تھی اس کے اردگرد کتابیں اور جرنلز وغیرہ بکھرے پڑے تھے۔ مگر وہ ہر چیز سے لاتعلق نجانے کن سوچوں، خیالوں میں گم تھی۔ اس کے ٹھٹکنے کی وجہ اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی تھا۔
انا وقار احمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔
یہ لڑکی اس کے لیے ایک معمہ بنتی جا رہی تھی۔

وہ ایک دو پل کھڑا رہا تھا انا متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو انگلی کی مدد سے بجایا تو وہ ہڑبڑا کر چونکی۔
''آپ؟'' ولید کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ ٹپٹا کر سیدھی ہوئی پھر فوراً اپنے ہاتھ سے رخساروں کو رگڑا۔ پانی کے قطرے فوراً صاف کیے تھے۔
''خیریت؟'' نہایت تعجب کا مظاہرہ کرتا وہ آگے بڑھ آیا وہ مسکرا دی۔
''آف کورس۔'' بظاہر اس کی مسکراہٹ سے اس کے اندر کی کیفیت کا کچھ بھید نہیں ملا تھا مگر وہ الجھ چکا تھا۔
''تو پھر اتنی رنجیدہ سنجیدہ سی کیفیت لیے کیوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ تم روئی بھی ہو؟''
''نہیں، صبح سے آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ روشی سے پوچھ لیں تھوڑی دیر پہلے آئی ڈراپس ڈالے ہیں۔ شاید قطرے آنکھ سے باہر آگئے ہیں۔'' بظاہر مسکرا کر جواب دیا تھا پھر بھی وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھے گیا۔
''روشی کہاں ہے؟'' اطراف میں دیکھا۔
''وہ کافی بنانے گئی ہے۔'' اس نے اپنے سامنے بکھرے پیپرز اکٹھے کیے۔
''وہ تو کافی نہیں پیتی۔''
''اپنے لیے چائے اور میرے لیے کافی۔'' جرنل کھول کر دیکھنے لگی۔
''رات کے وقت اتنی کافی اچھی نہیں ہوتی۔ نیند ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔ دن میں تو گزارا ہو جاتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ڈنر کے بعد بھی تم نے کافی ہی پی تھی۔'' اس کی طرف بغور دیکھتے اس نے کہا تو وہ ہنس دی۔
''جانے دیں جن کی نیندیں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں ان کی مزید کیا ہوں گی۔''
''کیوں تمہاری نیند کو کیا ہوا ہے؟''
''مالیخولیا۔'' ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ مسکرا رہی تھی۔
''یہ تو خاصی سیریس بات ہے۔ علاج کرواؤ اپنا۔''
''جو حکم جناب کا۔''
''انا مجھے نجانے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے تم کچھ پریشان ہو۔ کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو، یہ رشتے ناتے کس لیے ہوتے ہیں۔ کل رات بھی تم لان میں تنہا بیٹھی شاید کسی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ میرے پوچھنے پر ٹال گئی تھیں۔'' خاصی سنجیدگی سے ولید کہہ رہا تھا انا وقار کا جرنل پر جھکا سر اسی زاویے پر جھکا رہ گیا۔
''آپ کا وہم بھی ہو سکتا ہے؟'' سر اٹھائے بغیر اس نے ٹالا۔
''یقیناً مگر تم یہ تو مانتی ہو کہ میری چھٹی حس بہت اچھے انداز میں کام کرتی ہے۔ میں آنکھیں اور کان کھلے رکھتا ہوں۔ وقت و حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت مجھ میں خاصی اچھی پائی جاتی ہے۔''
''تو میں نے کب ان تمام صلاحیتوں کے پائے جانے سے انکار کیا ہے؟'' اب کے وہ خاصی الجھ کر تیکھے پن سے گویا تھی۔
''انکار نہیں مگر بے وقوف سمجھ کر ٹال تو رہی ہو۔'' اب کے انداز خفگی بھرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی روشی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔
''یہ لو تمہاری گرما گرم کافی، تمہاری جتنی اچھی بنانی تو نہیں آتی مگر گزارا کرلو۔'' وہ بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر ولید کو دیکھ کر رک گئی پھر مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے ٹرے انا کے سامنے رکھ دی تھی۔
''خیریت ہے ولی بھائی؟'' اسے بغور انا کا جائزہ لیتے دیکھ کر وہ چونکی۔
''بالکل میں نے تمہیں گرین کور والی جو فائل کل دی تھی وہ کہاں ہے۔'' اس نے اٹھ کر ریک سے فائل اٹھا کر اسے تھمائی۔
''تھینکس۔'' ایک سرسری نظر فائل پر ڈال کر اس نے پھر انا کو دیکھا وہ گود میں بک رکھے کافی کا مگ تھام کر سپ

لے رہی تھی۔

''اس سے وجہ پوچھو کہ اسے کیا مسئلہ ہے۔ میں ذرا کام دیکھ لوں اپنا' ورنہ اس کا دماغ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ روشی کو تاکید کرتا باہر نکل گیا تو روشی نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے بھائی سچ کہہ رہے ہیں کیا؟''

''اوہو یار ایسی کوئی بات نہیں۔ تجی ولی کو تو پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہونا چاہیے تھا۔ اب آنکھوں سے جلن کی وجہ سے پانی نکل رہا تھا تو میں کیا کرتی۔'' وہ جھنجلا گئی تھی۔

''اور کل رات والا کیا قصہ ہے؟''

''کچھ نہیں اسٹڈی کرتے کرتے تھک گئی تو دل ہوا خوری کو چاہنے لگا۔ میں باہر چلی گئی تھی ٹہلتے ٹہلتے بینچ پر گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اب اپنے گھر میں اتنی آزادی سے بیٹھنے پر پابندی لگ جائے گی حیرت ہے۔'' روشی نے بغور دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے کتابوں کو اٹھا کر ادھر اُدھر کر رہی تھی۔

اس نے کچھ کہنا چاہا پھر ٹال گئی اور پھر خاموشی سے چائے پینے لگی تھی۔



کمرے میں آنے کے بعد وہ خاصی دیر تک ایک مسئلے پر بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ پھر ایک واضح نکتے پر پہنچنے کے بعد اس نے نمبر ملائے۔

''السلام علیکم سر!'' اس کی کال فوراً پک کر کے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام! ٹھیک ہو؟''

''جی سر۔''

''آفس میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا میری غیر موجودگی میں۔''

''نو سر۔''

''اچھا احمد میری بات دھیان سے سنی ہے۔ میں تمہیں ایک شخص کا بائیوڈیٹا سینڈ کر رہا ہوں تمہارے سیل پر اس کے متعلق مجھے صبح تک ساری ڈیٹیل چاہیں۔ اس لڑکے کے متعلق ہر تفصیل بڑی سے بڑی چھوٹی سے چھوٹی' گھر کا نمبر' ایڈریس کالج دیگر تمام باتوں کی تفصیل میں تمہیں سینڈ کر رہا ہوں۔ یوں سمجھو یہ پرسنل اسائمنٹ ہے جو تمہارے ذمہ ہے۔ کل صبح میں کال کروں گا۔'' امجد اس کا ماتحت تھا رائٹ ہینڈ' اس شخص پر اس کو بڑا اعتماد تھا۔

''یس سر میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو سب معلومات مل جائیں۔''

''مجھے اس لڑکے کی تمام سرگرمیوں کی فہرست بھی درکار ہے۔ کن لوگوں سے ملتا ہے' کب کہاں اور کیوں جاتا ہے؟ کن لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے۔''

''یس سر کام ہو جائے گا۔''

''او کے ویل ڈن۔''

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ ساتھ لایا تھا۔ کچھ ہی دیر میں امجد نے ڈیٹیل سینڈ کردیں وہ ان کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس کم آن۔'' گمان تھا کہ ملازمہ ہوگی مگر دروازے سے مہر النساء خاتون کو برآمد ہوتے دیکھ کر اٹھ گیا۔ نظریں فوراً وال کلاک کی طرف اٹھی تھیں۔ رات کے بارہ کے اوپر کا ٹائم تھا۔

''خیریت آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟''

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی سوچا ابھی کر کے ہی سوؤں۔'' وہ اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔

''خیریت ایسی کیا بات ہے جو آپ نے صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔'' تعجب سے انہیں دیکھا۔

''تم پہلے اس کو بند کرو اور پورے دھیان سے میری ساری بات سنو۔''

مہر النساء بیگم کا انداز بڑا دھیما تھا مصطفیٰ کو محسوس ہوا کہ بات خاصی اہم ہے۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کرنے کے بجائے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی خاصی تھکن کے باوجود وہ امجد کی فراہم کی ہوئی معلومات کو پڑھنا چاہ رہا تھا۔

''جی اب کہیے۔''

''میں یہاں بابا اور تابندہ سے ایک نہایت ضروری کام کے سلسلے میں رضامندی لینے آئی تھی۔ تم گھر میں عادلہ والے مسئلے سے باخبر ہوناں۔'' انہوں نے پوچھا تو اس نے حیرانی سے دیکھا۔

''کل رات جو بھی ہوا اس حد تک تو باخبر ہی ہوں مزید کچھ پتا نہیں۔''

''رات جو بھی ہوا اور تمہیں جو بھی بتایا وہ تو تصویر کا ایک ہی رخ تھا۔ تصویر کا دوسرا رخ تو یہ ہے کہ عادلہ ایک شکی' بدمزاج اور جھگڑالو عورت ہے۔ جس نے عباس کی زندگی شہوار کے نام کے طعنے دے دے کر عذاب بنا رکھی ہے۔'' انہوں نے لمبی چوڑی تمہید کے بجائے براہ راست بات کی۔

''جی۔'' مصطفیٰ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ عادلہ کے شکوک سے متعلق شہوار نے صرف اس سے ہی ڈسکس کیا ہے مگر یہاں تو ماں جی بھی باخبر تھیں۔

''کیا مطلب' آپ کو یہ سب کس نے کہا؟''

''تمہیں تو کسی بات کا ہی علم نہیں مگر شروع میں ہماری مرضی عباس اور شہوار کا رشتہ طے کرنے کی تھی مگر عباس راضی نہ ہوا اور عادلہ بیاہ کر آ گئی۔ پھر نجانے اسے کس طرح اس بات کی بھنک پڑ گئی۔ اس نے دونوں پر شک کرنا شروع کردیا۔ شہوار نے مجھے کبھی نہیں کہا مگر عادلہ کی باتیں ہی ایسی گھٹیا تھیں کہ مجھے خود بخود پتا چلتا گیا۔ پھر اس نے اپنی بہن کے رشتے کے لیے کہا تم نے انکار کردیا بے چاری کی جان اور مصیبت میں گھر گئی۔ وہ سمجھتی ہے کہ ہم تمہارا اور شہوار کا رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں اس لیے انکار کردیا۔ عادلہ نے عباس کا ذہنی و روحانی سکون برباد کردیا ہے۔ اس بات کے طعنے دے دے کر۔ عباس بڑا عرصہ سب سے چھپاتا رہا ہے کچھ عرصہ پہلے مجھے بیوی کی باتیں بتائیں اب تو حد ہی کردی ہے عادلہ نے شہوار کو بنیاد بنا کر علیحدہ گھر کا مطالبہ کر رہی ہے۔'' انہوں نے مختصراً سارا قصہ بیان کر ڈالا۔

''عادلہ اور اس کے علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کے متعلق تو تمہارے بابا ہی فیصلہ کریں گے مگر ایک فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ یوں سمجھ لو ہمارے دل کی خواہش ہے ابا جی اور تابندہ سے بات کر کے تم سے بات کرنے آئی ہوں۔''

''ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''راستے میں تم نے ابھی شادی نہ کرنے سے متعلق جو بھی خیالات ظاہر کیے وہ ایک طرف مگر ہمارا مشترکہ فیصلہ ہے کہ ہم تمہارا شہوار کے ساتھ اب باقاعدہ رشتہ طے کردیں۔''

''کیا؟'' وہ ایک دم حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ شہوار سے متعلق اپنا نام وہ کئی بار پہلے بھی سن چکا تھا مگر کبھی سیریس نہیں لیا تھا اب یہ ایک دم فائنل فیصلہ کن انداز۔ بے شک شہوار میں کوئی کمی نہیں تھی وہ کسی کا بھی آئیڈیل ہو سکتی تھی مگر اس کی ذات کی تمام تر خوبیوں کو جاننے کے باوجود اس نے اس کے متعلق اس انداز میں کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

''تابندہ بہت خوش ہے اس نے فوراً ہامی بھرلی ہے مگر ساتھ کہہ بھی دیا ہے کہ مصطفیٰ اور شہوار سے پوچھ کر ہی فائنل جواب ہوگا۔ وہ شہوار سے پوچھ لے اس سے پہلے میں تم سے رضامندی چاہتی ہوں۔ اب ہم اس فیصلے کو مزید نہیں لٹکانا چاہتے جلد از جلد کوئی حتمی فیصلہ چاہتے ہیں تاکہ عادلہ اور عباس کی زندگی میں ناخوشگواریت کی فضا ختم ہو۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔'' کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

''بظاہر شہوار کے لیے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ ایسی لڑکیاں کسی بھی انسان کا آئیڈیل ہو سکتی ہیں مگر آپ کو بتا چکا ہوں ابھی میں شادی سے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔''

''ہم فوراً شادی نہیں کرنا چاہتے منگنی کو ہم نے کبھی کوئی شرعی حیثیت نہیں دی تمہارے بابا کا خیال ہے کہ ہم نکاح کرلیتے ہیں جب تم راضی ہو اور شادی کی ضرورت محسوس کروگے تو وہ بھی ایجوکیشن کمپلیٹ کرکے اپنی زندگی میں سٹیبل ہوچکی ہوگی۔'' اس نے ماں کو دیکھا یعنی سب طے کرکے گھر سے روانگی ہوئی تھی۔

''پہلے شہوار سے پوچھ لیں کہ اس کی کیا مرضی ہے اگر وہ راضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یاد رہے شادی ابھی نہیں ہوگی۔'' ساتھ میں اس نے واضح بھی کردیا تھا۔ مہرالنساء بیگم ایک دم نہال ہوگئیں۔

''جیتے رہو خوش رہو بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے شاد و آباد رہو۔'' اس کی پیشانی چومتے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں تو وہ ہنس دیا۔

شریک سفر کے لیے اس نے حقیقتاً کچھ نہیں سوچا تھا شہوار جیسی ہر لحاظ سے آئیڈیل لڑکی کچھ بری بھی نہ تھی اس صورت میں کہ جب کوئی ڈیمانڈ بھی نہ تھیں اس کی اپنے دل کی طرف سے تو یہ لڑکی کہاں بری تھی بھلا۔

''بہت رات ہوگئی ہے بس تم سے یہی بات کرنی تھی۔ تابندہ سے ہمارا کوئی خونی رشتہ یا تعلق نہیں مگر سب سے بڑا انسانیت کا ہی تعلق ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں اور تابندہ جیسی باکردار عورت جس کی جوانی حویلی کی چار دیواری میں گزر گئی ہو اس کی خاندانی پاکیزگی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہے کہ کبھی کسی نے اس کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ حویلی کی بیٹی کی سی عزت دی اور آج اس کی بیٹی ہماری وجہ سے کسی کی نگاہ میں کھٹک رہی ہے تو بھی ہم کو ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھنا ہے سمجھ رہے ہونا۔''

''ہوں۔'' انہوں نے لگے ہاتھوں تابندہ بوا سے اپنے تعلق کی بھی وضاحت کردی تھی۔

''آرام کرو اب بہت رات بیت گئی ہے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے باہر نکل گئیں۔ تو مصطفیٰ نے پر سوچ نگاہوں سے وال کلاک کو دیکھتے ہوئے بستر پر اپنی ٹانگیں سیدھی کی تھیں۔



''السلام علیکم!'' وہ ڈائننگ ٹیبل پر موجود افراد کو سلام کرتے اپنی مخصوص کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

''صغریٰ ناشتا لے آؤ۔'' کچن کی طرف منہ کرکے اس نے آواز لگائی۔ وقار صاحب نے اخبار سے منہ ہٹا کر انا کو دیکھا اور اس کی عجلت پر مسکرادیے۔

کالج کی تیاری کیے وہ اب ناشتے کی منتظر تھی۔ ناشتے کی ٹیبل پر اس وقت سبھی تھے سوائے روشی کے۔

''یہ لو گرما گرم پراٹھے۔'' روشی اس کے سامنے پراٹھے کے ساتھ انڈا اور دودھ کا گلاس رکھ رہی تھی اس وقت صغریٰ کے ساتھ وہ کچن میں تھی۔

''مجھے بس سلائس گرم کرکے لادو اتنا ہیوی ناشتا نہیں کروں گی میں صبح صبح۔'' اس کی آواز میں اکتاہٹ ضرور تھی کہ ولید نے اپنے ناشتے سے انصاف کرتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ بڑے کھنچے کھنچے تاثرات لیے ٹیبل پر موجود تھی۔ عجیب سی موڈی تھی یہ لڑکی دل چاہا تو خوش ہولیا ورنہ کھنچے کھنچے رہے۔

''صغریٰ انا کے لیے سلائس گرم کرلاؤ۔'' روشی صغریٰ کو کہہ کر اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے سامنے سے پراٹھا آملیٹ سے کھانے لگی تھی۔ وہ اسی طرح بے زار تاثرات لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔

''تمہیں صبح صبح کیا ہوا ہے؟ اتنا موڈ کیوں آف ہورہا ہے تمہارا؟'' صبوحی بیگم نے حیرت سے بیٹی کو دیکھا وہ ایک دم الرٹ ہوئی۔

''کچھ نہیں صغریٰ سلائس گرم کرلیے ہیں تو لے آؤ۔'' ماں کو ٹال کر اس نے پھر کچن کی طرف ہانک لگائی تو اگلے ہی پل صغریٰ بھاگم بھاگ پلیٹ میں گرم سلائس لیے چلی آئی تھی۔

''یہ لیں جی۔'' اس کے سامنے پلیٹ رکھی تو اس نے خاموشی سے جیم کی شیشی اٹھالی۔ سلائس اور دودھ کا ناشتا کرکے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''صغریٰ میرے روم سے سینڈل لے آؤ پلیز جلدی کرو۔'' آرڈر کرکے وہ لاؤنج کے صوفے پر جابیٹھی تھی۔

''ایک تو اس لڑکی کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا؟ نجانے کیوں اتنی بے زار ہوتی جارہی ہے۔ ہر وقت صغریٰ کو پھرکی کی طرح گھمارہی ہوتی ہے۔'' ولید اٹھ کر لاؤنج میں آیا تو وہ سینڈل پہن کر چادر لپیٹ کر بکس لینے باہر جارہی تھی پیچھے سے صبوحی بیگم کہہ رہی تھیں۔ احسن کو مارکیٹنگ کے سلسلے میں کہیں جانا تھا سو وہ پہلے نکل گیا تھا وقار صاحب اور ضیاء صاحب لیٹ جاتے تھے آفس۔ وہ بھی اپنا بریف کیس تھامے باہر نکل آیا۔

''تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات ہی میں گاڑی چیک کرلیا کرو اب صبح صبح یہ نئی مصیبت' ٹائر پنکچر کیے ہوئے ہیں۔ رات کو تو اچھے بھلے تھے۔ عین وقت پر ہی تمہیں ہوش آتا ہے۔ رات بھر میں یہ ٹائر پنکچر ہو کیسے گیا ہے؟'' وہ کوفت و بے زاری سے ڈرائیور پر برس رہی تھی ولید کو ایک لمحے میں ہی صورت حال کا ادراک ہوا۔

''کیا پرابلم ہے منصور خان؟'' اپنی گاڑی کی طرف جانے کے بجائے وہ انا کے قریب آ گیا تھا۔

''صاحب جی فرنٹ کا بایاں ٹائر پنکچر ہوچکا ہے۔ رات بیگم صاحب کو لے کر کسی رشتے دار کے ہاں گیا ہوا تھا تو شاید تب ہوا ہے۔ صبح میں نے چیک نہیں کیا کہ ٹھیک ہی ہوگا۔'' وہ شرمندگی سے بتا رہا تھا۔

''تم ٹائر تبدیل کرو' دوسری گاڑی تو احسان لے گیا ہے۔ ابھی بابا اور انکل نے بھی آفس جانا ہے اور پھوپو نے بوتیک پرابلم ہوجائے گی۔ انا تم ایسا کرو میرے ساتھ آجاؤ' میں ڈراپ کردوں گا۔'' انا نے اپنی گھڑی دیکھی وہ خاصی لیٹ ہوچکی تھی۔ ولید گاڑی ڈرائیووے پر لایا تو وہ خاموشی سے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

''خیریت صبح صبح یہ محترمہ کا موڈ کیوں آف ہے؟'' کچھ دور آنے کے بعد اسے خاموشی سے بے زار تاثرات لیے بیٹھے دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' وہی بے زار لہجہ۔

''پھر بھی کچھ تو ہوا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی موڈی ہوگئی ہو۔''

''کہانا کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا تو ولید نے ایک گرم نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ اس کا انداز خاصا بدتمیزانہ تھا اور ولید کو حقیقتاً برا لگا تھا۔

گاڑی میں اب بالکل خاموشی تھی۔ انا کو اپنے لہجے کی بدتمیزی اور بے زاری کا بخوبی اندازہ تھا سو وہ ہونٹ کچلتے عجب بے چارگی لیے کبھی کبھار ولید کے از حد سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے اندر ہی اندر شرمندہ ہورہی تھی۔

''ایم سوری۔'' کچھ توقف کے بعد اس سے رہا نہ گیا تو شرمندگی سے کہہ دیا وہ پھر بھی خاموش رہا کوئی تاثر نہ دیا۔

''ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ صبح صبح شہوار میری فرینڈ ہے اس کی کال آگئی کہ وہ آج کالج نہیں آرہی۔ محترمہ حویلی جاکر بیٹھ گئی ہے۔ آج کا سارا دن اس کے بغیر از حد کوفت و بے زاری سے گزرنے والا ہے۔ بس اس پر بہت غصہ آرہا تھا کہ مجھے کل ہی بتادیتی تو میں آج چھٹی کرلیتی۔'' اس نے اپنے رویے کی وضاحت کی۔ ولید نے جب بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

''پلیز ولید آپ اس طرح خاموش اور چپ رہیں گے نا تو میں رودوں گی۔ میرا دل ویسے ہی غم سے بوجھل ہورہا ہے۔'' عجب رنجیدگی لیے وہ کہہ رہی تھی۔ ولید نے بڑی خاموشی مگر تجسس نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی خاصی اپ سیٹ اور بے چین دکھائی دی۔ بس اگلے ہی لمحے رونے کو تیار۔

اتنے دنوں سے وہ اس کا یہ انداز نوٹ کررہا تھا آج تو حد تھی۔ وہ ایسا کیوں کررہی ہے۔ وہ حیران ہوا اور ساتھ میں پریشان بھی۔

''ساری رات نیند کیوں نہیں آئی؟'' سنجیدگی سے اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں ولی مجھے نیند کیوں نہیں آئی۔ میں پریشان ہوں' بہت زیادہ۔'' وہ تو جیسے رونے کو تیار بیٹھی تھی بس چھیڑنے کی دیر تھی ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رودی۔

''او مائی گاڈ انا...... !'' وہ اس کے رونے سے بہت پریشان ہوگیا تھا اس نے ایک سائیڈ میں گاڑی روک لی تھی۔

"پلیز، مجھے بتاؤ تم کیوں اتنی ڈسٹرب ہو؟" اس کی طرف مکمل طور پر رخ کیے پوچھ رہا تھا۔ انا کے رونے میں اس کی ہمدردی پر اور شدت آ گئی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے، کوئی خاص مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ پلیز۔" وہ خاصا پریشان ہوگیا تھا۔

وہ اچھی خاصی میچورڈ اور اپنے حواس پر کنٹرول رکھنے والی لڑکی تھی۔ اس جیسی لڑکی سے ایسی جذباتیت کی توقع حیرت انگیز عمل ہی تو تھا۔

"انا۔" اس نے اس کے ہاتھ تھامنے چاہے تھے خاموش کروانا چاہا تھا مگر وہ اس کے ہاتھوں پر ہی چہرہ ٹکا کر روتی رہی تھی۔

ولید کے اندر بڑی زبردست اکھاڑ پچھاڑ ہوئی۔ اس لڑکی کا یہ عمل جس قدر شدید تھا اسی قدر بچکانہ بھی تھا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھے گیا۔

انا وقار کے اس رویے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اس کی آنکھوں میں سوچ کے سائے لہرائے۔

اس نے اسے دوبارہ نہیں ٹوکا تھا وہ جی بھر کر روئی تھی پھر رونے میں کمی آئی تو اس نے اپنا ایک ہاتھ کھینچ کر ٹشو باکس سے کئی لیف کھینچ کر اس کی طرف بڑھا دیں۔

"یہ لو۔" اس کی آواز پر اس نے بھیگا سرخ چہرہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے صرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

اس نے بہ مشکل خود کو سنبھالتے اس کا دوسرا ہاتھ بھی چھوڑتے ٹشو کے لیف تھام لیے تھے۔

ولید نے اپنا بھیگا ہاتھ دیکھا آنسوؤں سے تر تھا اور پھر اس کا چہرہ دیکھا نجانے کیا بات تھی کہ اس کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ونڈ اسکرین کے پار نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"ایم سوری۔" خاصی دیر بعد وہ سنبھلی تو شرمندہ لہجے میں کہا۔ اس نے اسے دیکھا۔ رو رو کر اس نے چہرہ خراب کرلیا تھا۔

"ایسی کیا بات ہے انا جو تمہیں جذباتیت سے دوچار کرنے شکست وریخت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور کررہی ہے۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کررہا ہوں مگر تم نے کوئی سرا ہاتھ میں نہیں پکڑایا۔ اس طرح ٹوٹ کر شدت سے بکھر کر رونا کوئی عام وجہ تو نہیں ہوگی۔ پلیز مجھے بتاؤ تم کیوں ڈسٹرب ہو۔ میں تمہارا مسئلہ حل کروں گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے اپنی طرف سے بے پناہ اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا مگر انا مہر خاموش تھی۔

"انا تم نے اگر مجھے نہ بتایا تو میں تمہاری اس کیفیت کے متعلق انکل اور پھوپو سے ضرور ڈسکس کروں گا۔ ہم کزنز ہی نہیں دوست بھی ہوسکتے ہیں۔ پلیز مجھ پر یقین کرو ایسی کیا بات ہے جو تمہیں اندر ہی اندر مارے دے رہی ہے۔" ولید کی اپنائیت میں کئی گناہ اضافہ ہوا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔"

"کسی نے کچھ کہا ہے؟ روشی، بابا جان، پھوپو، انکل یا احسن میں سے کسی نے؟" وہ اپنے گمان کے گھوڑے دوڑا رہا تھا مگر انا کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔

"انا، تم اپنے ساتھ ساتھ میرا ٹائم بھی برباد کررہی ہو تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کتنی لیٹ ہوچکی ہو۔" آخر میں جھنجلا کر کہا تو وہ ٹشو سے ناک رگڑتے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

"انا! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں کہ اس احمقانہ اور بچکانہ حرکت کی کیا وجہ ہے؟"

"کوئی خاص نہیں، بس مجھ پر کبھی کبھار ڈپریشن کا ایسا دباؤ پڑتا رہتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں اب میں نارمل ہوں۔" ولید کی طرف دیکھ کر اس نے کہا تو ولید نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"زبردست، یہ تو وہی بات ہوئی ناکہ کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔" وہ اس کے انداز پر اچھا خاصا چڑ کر بولا۔ اس کے انداز پر نجانے کیسے انا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی جس پر وہ اور چڑ گیا۔

"نان سینس۔"

"آپ گاڑی چلائیں، میں اب ٹھیک ہوں۔"

"سامنے کسی چیز سے گاڑی دے نا ماروں، یہ تم پاگل اور الو کسی اور کو بنانا مجھے نہیں اور یہ تم ذہن نشین کرلو کہ گھر جا کر تمہاری اس حماقت کی تفصیلی رپورٹ میں پھوپو جان کے گوش گزار کرنے والا ہوں۔ وہ اب تم سے خود ہی نبٹ لیں گی۔" اس کے دھمکی آمیز انداز پر بھی وہ چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔

ولید کو اب انا پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا اس نے بڑے جارحانہ انداز میں گاڑی آگے بڑھائی۔

یعنی حد ہوتی ہے جذباتیت کی بھی وہ سیدھا اسے الو بے وقوف بنا رہی تھی۔ بڑی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے اس کے تیور بھی بڑے جارحانہ اور دوٹوک تھے۔

انا نے گھبرا اور سہم کر اس کے انداز اور چہرے کے زاویوں کو دیکھا۔

گاڑی اس قدر اسپیڈ میں تھی کہ کئی بار کسی نہ کسی چیز سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ انا ایک دم خوفزدہ ہوگئی تھی۔

"ولی پلیز۔" کچھ نہ سمجھ آیا تو اس نے اس کے اسٹیئرنگ کو تھامے مضبوط ہاتھوں پر اپنے نرم و نازک سبک ہاتھ رکھ دیے تھے۔

"گاڑی کسی سے ٹکرا جائے گی آہستہ۔" اس نے خفگی و نخوت سے اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر رفتار مزید بڑھالی اور انا اس کے ردعمل پر ششدر سی سیٹ کے دونوں کناروں کو مضبوطی سے تھام کر بیٹھی رہ گئی۔



"جس طرح زمین کو اچھی خوراک اور آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سر کو بھی تیل کی ضرورت رہتی ہے۔ ماشاء اللہ اتنے خوب صورت لمبے بال ہیں تمہارے، تیل ڈالا کرو سر میں ہفتے میں دو بار تو ضرور مالش کروایا کرو، سر میں خشکی نہیں ہوتی اتنی مشکل پڑھائی ہے تمہاری، دماغ میں خشکی نہ ہوگی۔" تابندہ بی کے ہاتھ اس کے بال لگ گئے تھے اور وہ بڑے مزے سے کشن زمین پر ڈالے بیٹھی ان سے مالش کروا رہی تھی وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"یقین جانو میں بڑی مطمئن ہوں۔ جس طرح بھائی بیگم اور بھائی صاحب تمہارا خیال رکھتے ہیں میرا سارا تفکر خوف ختم ہوجاتا ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" نجانے وہ کیا کہہ رہی تھیں شہوار کی ذہنی رو بھٹکی۔

"امی آپ کے بال بھی تو اتنے پیارے لمبے ہیں کیا ابو کے ہوتے ہوئے بھی ایسے ہی تھے؟" اس کا سوال ایسا تھا کہ تابندہ بی کے لبوں سے ایک آہ خارج ہوئی تھی۔ شہوار کو افسوس ہوا کہ اس نے خوامخواہ باپ کا ذکر کرکے ماں کو دکھی کردیا ہے۔

"تمہارے جیسے ہی تھے۔ تمہارے ابو تو دیوانے تھے میرے بالوں کے، اگر کبھی میں باندھ دیتی تو بہت ناراض ہوتے تھے مگر......!" وہ پھر خاموش ہوگئی تھیں۔ ماضی ان کے لیے بڑا تلخ تھا۔ جیسی خوب صورت خوش گوار یادیں تھیں اتنے ہی تکلیف دہ مناظر تھے۔

"اچھا چھوڑیں اس ذکر کو میرے ساتھ شہر چل رہی ہیں نا اس بار۔" اس نے فوراً بات بدلی۔ تابندہ بی نے سکھ کا سانس لیا کہ اس نے مزید نہیں کریدا۔

"ابھی نہیں، ہاں چند دنوں بعد چکر لگاؤں گی۔"

"ابھی کیوں نہیں؟ سچی میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔" وہ ایکدم چھوٹی بچی بن گئی تھی تو تابندہ بی مسکرادیں۔

"بالکل بچی ہو تم؟" ہلکی سی سر پر چپت لگائی تھی۔

"السلام علیکم!" تبھی باہر سے مصطفیٰ اندر آیا تو دونوں کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔

شہوار کا دوپٹا تخت پر پڑا ہوا تھا اس نے فوراً پکڑ کر گلے میں ڈالا۔

صبح سے مصطفیٰ اور بابا صاحب زمینوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔ مہر النساء بیگم بھی بے شمار باتوں کے بعد ابھی اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تھیں۔ گھر میں ملازموں کے علاوہ وہ دونوں ہی تھیں۔ شہوار کے گھبرا کر دوپٹا لینے پر اس نے نوٹ تو کیا

مگر پھر نگاہ پھیر گیا۔

''وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو بابا صاحب بھی آ گئے ہیں کیا؟'' اسی طرح مصروف انداز میں شہوار کے بالوں میں تیل لگاتے انہوں نے تخت پر اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔

مصطفیٰ نے آگے بڑھنا چاہا مگر پھر نجانے کس خیال سے تخت پر ہی بیٹھ گیا۔ دائیں طرف وہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بیٹھنے پر وہ مزید گھبرا گئی تھی۔

''نہیں بابا صاحب ڈیرے کی طرف نکل گئے تھے کہہ رہے تھے کہ ایک دو گھنٹے وہاں ٹھہریں گے۔''

''عظمت......!'' تابندہ بی نے مصطفیٰ کی بات سنتے ہوئے آواز لگائی تو اگلے ہی پل عظمت سر پر تھی۔

''جی بوا جی۔''

''مصطفیٰ صاحب کے لیے پانی لے کر آؤ اور میرے کمرے سے کنگھا بھی لا کر دو۔ میں شہوار کے بالوں میں خود کنگھا کروں گی۔'' وہ سر ہلا کر واپس چلی گئی تھی۔ کچھ لمحے بعد وہ دونوں چیزیں لیے پھر حاضر تھی۔ پانی مصطفیٰ کو تھمایا۔ شہوار پر مصطفیٰ کی مسلسل موجودگی اک بوجھ کی سی تھی گھر میں کبھی اس کے سامنے نہیں جاتی تھی اور اب کیسے ننگا سر لیے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''امی میں باقی خود کر لوں گی آپ رہنے دیں۔'' عظمت نے جیسے ہی کنگھا لا کر انہیں تھمایا شہوار نے فوراً کہا اس کا دل فوراً اٹھ کر یہاں سے بھاگنے کو تھا۔

''رہنے دو میں خود کنگھی کروں گی ہمیشہ تو تم خود ہی کرتی ہو آج ماں کو کرنے دو۔'' انہوں نے تیل کی پیالی عظمت کو پکڑا کر کنگھا تھام لیا تھا۔

پانی پیتے مصطفیٰ نے مسکرا کر دونوں ماں بیٹی کو دیکھا۔ شہوار بڑی مجبوری کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے ابھی اٹھ کر بھاگ جائے گی۔

رات تک اس کے دل و دماغ میں کوئی ایسی سوچ نہ تھی مگر اب اس وقت شہوار کو اس طرح گھریلو انداز میں بیٹھے دیکھ کر اس کے دل میں بڑے خوش گوار سے احساسات پیدا ہوئے تھے۔ بالوں میں کنگھا کرتے بوا اس سے چھوٹے موٹے جاب سے متعلق سوال بھی کر رہی تھیں۔ جن کے جواب وہ پوری توجہ سے دے رہا تھا۔

''سال بھر پہلے اس لڑکی کے کیا لمبے بال تھے پاؤں تک چھوتے لے کے ستیاناس مار لیا ہے یہ ہاتھ بھر رہ گئے ہیں۔ پتا ہے مجھے دن رات کتابوں کو چاٹو گی تو یہ حال تو ہوگا ہی نا۔'' اس کے برے برے منہ بنانے پر انہوں نے مصطفیٰ سے بڑے افسوس سے یہ ذکر چھیڑا تھا۔ شہوار کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''امی......!'' وہ احتجاجاً بولی تو مصطفیٰ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

''مجھے تو سوچ سوچ کے ہول اٹھتے ہیں کہ اس لڑکی میں اپنی عمر جتنی لڑکیوں والے کوئی طور طریقے نہیں۔ ماسیوں کی طرح تمبو سے بھی بڑی چادر ہر وقت لٹکائے پھرتی ہے سر کو ہوا کیا خاک لگتی ہے؟'' بالوں کی چٹیا گوندھتے انہوں نے ایک اور اعتراض کیا تھا۔

''اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں گنجی ہونے والی نہیں میں۔'' اس نے ناراضی سے کہا۔

''میں نے سنا ہے بوا جی کہ لمبے بالوں والی عورتوں پر جادو بڑی جلدی اثر کرتا ہے۔'' کچھ سوچتے مصطفیٰ نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے گردن موڑ کر دیکھا اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ اسے حیرت ہوئی یہ شخص اس طرح کا مزاج بھی رکھتا ہے۔

''اللہ نہ کرے۔'' انہوں نے دہل کر کہا تھا۔ ''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں لمبے بال تو عوت کا سنگھار ہوتے ہیں عزت ہوتی ہے۔''

''اچھا اگر جادو نہیں ہوتا تو کسی پر جادو تو کر دیتی ہوں گی؟'' ماں کے ہاتھوں سے چٹیا کھینچ کر دوپٹا سنبھالتے وہ اٹھ

کھڑی ہوئی تھی۔ وہ صاف سمجھ گئی تھی کہ مصطفیٰ اس کا ریکارڈ لگا رہا تھا۔ بوا مصطفیٰ کی بات پر ہنس دی تھیں۔ جیسے انہوں نے بھی اس کے مذاق کو انجوائے کیا تھا۔

''یہ پرانے زمانے کے لوگوں کی باتیں ہیں تو ہم پرستی ہے نری' کہاں کا جادو کیسا جادو؟ بس عوت کے بال اس کا سنگھار ہوتے ہیں۔ اگر مقدر والی ہو اور قدر دان لوگ میسر ہوں تو شوہر کے دل میں گھر کرے ورنہ کون پوچھتا ہے۔''

''ہاں یہ بات بھی ہے۔'' اس کی سنجیدگی میں سر مو فرق نہ آیا تھا۔ ایسے سر ہلایا جیسے کسی اسکالر کی بات پر ہلاتے ہیں۔

''میں بادام کا تیل ساتھ دے دوں گی لے جانا تیل کی مالش کروانا فرق پڑے گا۔ یہ جو جلد خشک ہو رہی ہے ٹھیک ہو جائے گی۔'' انہوں نے لگے ہاتھوں اسے بھی مشورہ دیا۔

''جی اچھا۔'' وہ عجلت سے کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ بوا تیل والے ہاتھ پاس پڑے کپڑے سے صاف کر رہی تھیں۔ یہ کپڑا کچھ پل قبل شہوار کے کندھوں پر تھا کہ کوئی تیل کا قطرہ کپڑوں پر گر کر داغ نہ ڈال دے۔ اٹھتے ہی کپڑا زمین پر گر گیا تھا۔ جسے بوا نے اٹھا لیا تھا۔

''بڑی بے پروا ہتی ہے اپنی ذات سے پڑھائی کے علاوہ تو کچھ اور سوجھتا ہی نہیں بھابی شکایت کرتی ہیں کہ کالج سے آنے کے بعد بھی سب وقت کتابوں اور کچن میں گزار دیتی ہے۔ کہیں آتی جاتی ہی نہیں۔''

''اس کا یہ سال بھی تو بہت اہم ہے نا' میڈیکل فورتھ ایئر ہے امتحان قریب ہیں۔ بہت محنت طلب ہے ایجوکیشن اس کی۔'' اس نے مسکرا کر بوا کے سامنے شہوار کی روٹین کی وضاحت کی۔

''ہم نے بھی کالج یونیورسٹیوں میں وقت گزارا ہے۔ اسکول کے پچھلی طرف سے اٹھ کر نہیں آئے ہم' خیر وقت کی رفتار بھی تو ہمارے جیسی نہیں رہی ہے۔ ہمارے دور کی نسل اور اب کی نسل میں بڑا فرق ہے بیٹے۔ بہت محنت کرتی ہے شوق بھی بہت ہے اسے ڈاکٹر بننے کا۔ بس دن رات ایک خواب دیکھتی ہے اللہ میری بچی کا ہر خواب پورا کرے۔'' وہ اپنے بارے میں کچھ کہتے کہتے بات پلٹ گئی تھیں۔ مصطفیٰ کے اندر اک تجسس نے سر ابھارا۔

''زبردست اس کا مطلب ہے آپ ہائی ایجوکیٹڈ خاتون رہ چکی ہیں اپنے وقت کی۔ ویسے آپ کی ایجوکیشن کہاں تک ہے؟'' وہ بڑے فریش موڈ میں ان سے استفسار کر رہا تھا۔ تابندہ بی نے بغور مصطفیٰ کی دلچسپی کا مطالعہ کیا۔

''پھر بھی یونیورسٹی میں وقت گزرا ہے آپ نے تو یقیناً ڈگری لیول تک کی تعلیم تو حاصل کی ہوگی؟''

''انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا تھا میں نے۔'' انہیں بتانا پڑا تھا۔

''کیا......؟'' مصطفیٰ حیرت سے گنگ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

''حیرت ہے کبھی لگا نہیں کہ آپ اتنی تعلیم یافتہ رہی ہیں۔'' اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا۔

''بس وقت و حالات نے ٹھوکروں کی زد پر رکھ دیا۔ تو سب ڈگریاں وقت کی دھول ثابت ہوئیں۔'' ان کے لہجے میں دکھ کی آمیزش تھی۔

''اور شہوار کے فادر آئی مین سکندر انکل کی کوالیفکیشن کیا تھی؟'' اس کی دلچسپی ایک دم کافی بڑھ چکی تھی۔ تابندہ بوا کے اندر دکھ نے کروٹ بدلی۔

''وہ ابروڈ کے فارغ التحصیل تھے پاکستان میں آ کر انہوں نے لیکچرر شپ جوائن کی تھی۔ میں ان کی اسٹوڈنٹ تھی۔ والدین کی وفات کے بعد وہ تنہا رہ رہے تھے۔ میں ماں اور پھر باپ کی وفات کے بعد تنہا ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔ وہ اچھے کردار کے سلجھے ہوئے انسان تھے اور مجھے ایک سہارے کی ضرورت تھی بس کچھ دوستوں کے توسط سے ان کو رشتہ دیا گیا اور پھر ہماری شادی ہو گئی۔'' تابندہ بی کی آنکھوں میں گزرے وقت کی فلم چل رہی تھی۔ لہجے میں گزرے وقت کی کرچیاں سمٹ آئی تھیں جیسے......!

''پھر......!''

''بس سکندر صاحب کی زندگی نے چند سال وفا نبھائی ان کی وفات کے بعد میں پھر زمانے کے رحم و کرم پر تھی بابا

صاحب اور بھائی صاحب لوگوں سے دور کی رشتہ داری تھی مجھے سر چھپانے اور اپنی عزت و کردار کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے چھت جیسے مضبوط سائبان کی ضرورت تھی۔ عقد ثانی کو دل نہ مانا اور پھر یہاں چلی آئی باقی ساری زندگی حویلی کی اس چار دیواری میں گزر گئی۔ پر اللہ میری بچی کی قسمت میری جیسی نہ بنائے۔ اسے دنیا جہاں کی خوشیاں نصیب کرے۔'' مصطفیٰ حقیقت میں تابندہ بی کی زندگی سے ازحد متاثر ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں میں تابندہ بی کے لیے عزت و تکریم مزید بڑھ گئی تھی۔

''آپ نے بڑی اسٹرگل کی ہے آپ کے دیگر رشتہ دار خالہ' چچا' انکل کے رشتہ دار نزدیکی کوئی تعلق دار نہ تھا؟'' تجسس انسان کی فطرت کا حصہ ہے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''جب ماں باپ نہ رہے تو قریبی کوئی تعلق نہ رہا۔ میں کون سا کسی لینڈ لارڈ کی بیٹی تھی یا سکندر کوئی امیر کبیر تھے۔ محنت اسٹرگل سے جو بھی کمایا تعلیم کی حد تک ہی تھا۔ غریب والدین کی اکلوتی اولاد ہیں آج مرے کل دوسرا دن کوئی خیر خبر رکھنے والا نہ کوئی پوچھنے والا' اگر کوئی تھا تو اس کی اپنی غرض تھی۔ کسی خالہ ماموں نے سر پر ہاتھ رکھنا بھی چاہا تو عزت و کردار پر حرف آتا تھا اور مجھ جیسی عورت جسے عزت کے لیے صرف چار دیواری کی ضرورت تھی۔ بس خاموشی سے عزت بچا کر حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی اور کرتی بھی کیا؟ ایک تنہا عورت چند ماہ کی بچی گود میں لیے کب تک دنیا کی سختیاں سہتی' بس یہاں آ کر ماضی بھلا دیا اور زندگی کے دن پورے کرنے لگی۔ سب سے بڑھ کر میرے لیے شہوار کی زندگی اہم تھی اور اس کے لیے سب نام و نسب بھول گئی۔'' تابندہ بوا کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی تھی۔

کیا عظیم عورت تھیں اور کیا کمال کا حوصلہ تھا۔ وہ سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

''نہ میں کوئی عام نسب اور خاندان کی عورت تھی اور نہ ہی سکندر بہت اونچے اور اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر وقت نے سب کچھ چھین لیا۔ ماں باپ نے نازوں سے پالا مگر اکلوتے بیٹے کی کوئی خوشی دیکھنا نصیب نہ ہوئی' خاندان والوں کے لیے سکندر سے بڑھ کر دولت و جائیداد اہم تھی اور پھر سکندر نے سب کچھ چھوڑ کر معمولی لیکچرار کی جاب حاصل کرلی۔ زندگی کی گاڑی اچھی چل رہی تھی مگر......!'' تابندہ بوا کے آنسو اب باقاعدہ بہہ رہے تھے مصطفیٰ بس خاموشی سے انہیں دیکھے گیا۔

''امی کیا ہوا ہے آپ کو...... کیوں رو رہی ہیں؟'' شہوار اچانک باہر آئی تو ماں کو آنسو بہاتے دیکھ کر تڑپ کر قریب آ گئی۔

تابندہ نے فوراً آنسو صاف کیے تھے۔ بیٹی کے سامنے رونے کی وہ کبھی غلطی ہی نہ کرتی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا بیٹا بس ویسے ہی۔''

''ویسے ہی کبھی کوئی نہیں روتا' سچ سچ بتائیں مصطفیٰ بھائی کیا ہوا ہے؟ کیوں روئی ہیں امی۔'' وہ بے حد پریشان ہو چکی تھی آگے بڑھ کر ماں کے آنسو صاف کرتے اس نے پریشانی سے مصطفیٰ کو بھی دیکھا۔

''میں نے بھلا کیوں رونا ہے اتنی فرماں بردار میری بیٹی ہے ساری عمر کے بعد اب دل کو قرار ملا ہے۔ سکھ پا رہی ہوں بس گزرا وقت یاد آ گیا اور بھلا کیوں روؤں گی۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ دیکھو ذرا عظمت کیا کر رہی ہے دوپہر ڈھل رہی ہے رات کے کھانے کا دیکھو آج کیا پکانا ہے۔'' وہ تخت سے اتر گئی تھیں مگر شہوار کی پریشانی کم نہ ہوئی۔

''آپ ہمیشہ مجھے اسی طرح ٹال جاتی ہیں۔ بچی نہیں ہوں میں جو کچھ سمجھ نہ سکوں۔ مصطفیٰ بھائی آپ نے یقیناً امی سے ابو کے متعلق پوچھا ہوگا ہے نا؟'' کتنا پکا تھا اس کا اندازہ اور کتنی گہری تھی اس کی نگاہ۔

''اب اس بے چارے کے پیچھے مت پڑ جانا۔ چلو تم بھی میرے ساتھ کچن میں دیکھو بلکہ بتاؤ مجھے کہ آج کیا پکاؤں؟ مصطفیٰ بیٹا تمہیں کیا پسند ہے۔'' وہ اسے ٹالتے ہوئے ساتھ ہی مصطفیٰ سے بھی پوچھ رہی تھیں۔

......☆☆☆......

اتنی خوب صورت' نہایت کوالیفائیڈ خاتون تھیں اور زندگی گزارنے کا کیا کمال حوصلہ اور ضبط رکھتی تھیں ساری زندگی حویلی والوں کی خدمت میں گزار دی۔ وہ نہایت دکھ سے انہیں دیکھے گیا۔

اس عمر میں بھی ان کا حسن حزن و سوز میں ڈوبا دیکھنے والے کو مبہوت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا نجانے ان کی جوانی کیسی

تو چھن ہوگی۔ مصطفیٰ ان کو بغور دیکھتا سوچے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''جو مرضی پکا لیں آپ جو بھی پکائیں گی میں خوش دلی سے کھا لوں گا۔'' اس نے محبت سے کہتے ان کا مان رکھا تھا وہ مسکرا دیں۔

''جیتے رہو۔''

''ٹھیک ہے آج شہوار کی پسند کا کھانا بنواتی ہوں تمہیں بھی پسند آئے گا۔ چلو شہوار کچن میں آ جاؤ کل تو تم نے چلے ہی جانا ہے ماں کے ساتھ تھوڑا وقت ہی گزار لو۔'' وہ بڑے بہانے سے اس کا دھیان بٹانے کو ہاتھ پکڑ کر کچن کی طرف چل دی تھیں۔ مصطفیٰ پرسوچ نگاہوں سے دونوں کو کچن کے دروازے سے اندر گم ہوتا دیکھتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

کالج سے آنے کے بعد وہ باقی سارا وقت روم میں بند رہی تھی۔ ڈنر پر بھی اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے جان چھڑالی تھی۔ بڑی عجیب سی رات گزری تھی۔ وہ اپنی ذات اپنے احساسات سے خود بھی گھبرا چکی تھی۔ وہ خود بھی اس ڈپریشن کا حل چاہتی تھی۔

وہ مسلسل ولید ضیاء سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی اگلا دن سنڈے کا تھا۔ سب چھٹی ہونے کی وجہ سے لیٹ ناشتہ کرنے کے عادی تھے سو صبح جلدی ناشتہ کرتے وہ ولید سے سامنا کرنے سے بچ گئی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ رات سوئی نہیں تھی پچھلی رات کی بھی بے خوابی' نیند خود بخود آنے لگی تھی وہ بے خبر سو گئی تھی اور پھر گیارہ بجے آنکھ کھلی تھی۔

اتنا تو وہ جانتی تھی کہ ولید اس کے ڈپریشن کے متعلق گھر والوں سے ذکر نہیں کرے گا مگر اسے جب بھی موقع ملے گا اس سے تفصیلی گفتگو ضرور کرے گا۔

دراصل وہ اپنے اس ڈپریشن کی اصل وجہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اٹھتے ہی وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ بارہ بجے کے قریب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو روشی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی آن تھا۔

خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا۔'' ہوا کیا ہے تمہیں' کل سے کمرہ نشین ہوئے بیٹھی ہو۔ مجھے یہ تھا کہ اسٹڈی کر رہی ہو مگر اسٹڈی بھی اتنے گھنٹوں پر محیط۔'' وہ خاموشی سے روشی کے طنز کو نظر انداز کرتے صوفے پر ٹک گئی اور روشی چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

''باقی لوگ کہاں ہیں؟'' اس نے گھر کی خاموشی بطور خاص نوٹ کی۔

''ولی بھائی تو احسن کے ساتھ کہیں باہر نکل گئے ہیں۔ انکل بھی پتا نہیں کہاں نکلے ہیں البتہ بابا اپنے کمرے میں ہیں اور پھوپو کا تمہیں پتا ہے کہ سنڈے کو بھی وہ بوتیک میں ہوتی ہیں۔''

''ہوں۔''

''بڑی دیر تک سوئیں تم' کیا رات نیند نہیں آئی تھی؟''

''نہیں بس ویسے ہی سستی طاری ہے اور کچھ نہیں' تم سناؤ کل ذکر کر رہی تھیں کہ شاپنگ کا موڈ ہے' آج پھر جانا ہے یا نہیں۔''

''جانا تو ہے مگر تمہارا انتظار تھا کہ محترمہ کی نیند کب مکمل ہوتی ہے۔''

''یار دو راتوں سے نہیں سوئی تھی۔''

''اسی لیے تو منع کرتی ہوں کہ اتنی کافی اچھی نہیں ہوتی' وہ بھی رات کے وقت۔''

''تو کیا کریں ڈیئر' کافی نہ پیوں تو لگتا ہے مر جاؤں گی۔'' وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

''میڈیکل اسٹوڈنٹ تم خود ہو۔ تمہیں خود ہی اندازہ ہونا چاہیے کہ ہر چیز ایک خاص لمٹ میں ہی اچھی لگتی ہے۔ کافی کون سی بڑی صحت بخش چیز ہے ایک نشہ ہی تو ہے اور نشہ کوئی بھی ہو صحت کے لیے بار مرقل ہی تو ہوتا ہے اپنی اس عادت کو

چینج کروایک دوکپ تو ٹھیک ہیں مگراتنی زیادہ پینا بھی اچھی بات نہیں۔'' وہ تشویش سے کہہ رہی تھی انا ہنس دی۔

''اوکے' ڈونٹ وری' اگلی دفعہ خیال رکھوں گی۔''

''ولی نے میرے بارے میں کوئی بات کی۔'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے روشی سے پوچھا۔

''نہیں' بس صبح سے ایک دوبار تمہارا پوچھا تھا۔ میں کتنی بار تمہارے کمرے میں گئی' ایک بار وہ بھی گئے تھے مگر تم سو رہی تھیں کیوں خیریت؟''

''ہاں......بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' روشی پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''تم بیٹھو میں چینج کر کے آتی ہوں پھر شاپنگ کے لیے چلتے ہیں۔ ویسے پھوپو کہہ رہی تھیں کہ ڈریسز کے لیے خوار ہونے کی ضرورت نہیں ہر طرح کی ورائٹی بوتیک سے مل جائے گی۔ ساتھ میچنگ جیولری' شوز' اینڈ چیزیں بھی۔'' وہ اٹھتے اٹھتے کہہ رہی تھی۔ وہ تیار ہونے چل دی تو وہ اسی طرح سستی لیے ٹی وی دیکھتی رہی۔

''ارے ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو چلنا نہیں ہے؟'' روشی چینج کر کے چادر اور بیگ لے کر لوٹی تو وہ کسلمندی سے بیٹھی ملی تھی۔

''تم گاڑی نکلواؤ میں آتی ہوں۔'' اپنے کمرے میں آ کر الماری سے چادر نکال کر بیگ تھام کر مطلوبہ اماؤنٹ چیک کرتی وہ باہر آئی تو وہاں لان میں ولید اور احسن کو کھڑے دیکھ کر چونکی۔ روشی ان کے پاس ہی کھڑی تھی جبکہ ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ آہستہ روی سے چلتی روشی کے پاس چلی آئی۔ سرسری سا سلام کر کے اس نے بیگ کھول لیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' ولید نے اسے بغور دیکھا جبکہ وہ ان کے بجائے بیگ کی طرف متوجہ تھی۔ نجانے کیا چیک کر رہی تھی وہ کل صبح کے بعد اب دکھائی دے رہی تھی۔

''ہم پہلے ماما کے پاس بوتیک چلیں گے ماما سے مشورہ کر کے پھر کہیں اور چلیں گے۔'' اسی مصروف انداز میں اس نے روشی سے کہا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو ولید نہایت سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر چہرہ موڑا۔

''ہم جارہے ہیں احسن بھائی۔ صغریٰ گھر میں ہے اسے میں نے سمجھا دیا ہے ماموں اور آپ لوگوں کو وقت پر لنچ کرا دے گی۔ ہم ماما کے پاس جارہی ہیں ان کو ساتھ لے کر ہی کہیں جائیں گی۔'' ڈرائیور دروازے کھولے منتظر تھا۔

''چلو روشی۔'' وہ ان کو بتا کر گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ روشی بھی بیٹھی تو گاڑی چل دی تھی۔ انا نے آنکھوں پر گلاسز چڑھائے بڑی سستی سے سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا تھا۔

❀......❀......❀

انہیں کچھ دیر بعد واپسی کے لیے نکلنا تھا مصطفی مہرالنساء بیگم سمیت اسے بھی تیاری کرنے کا کہہ کر کہیں باہر نکل گیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں کھڑی بیگ تیار کر رہی تھی تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس......!'' عظمت دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔

''بوا جی آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔''

''اچھا میں آتی ہوں۔'' اسے بھیج کر بیگ کی زپ بند کرتے وہ دوپٹا سر پر درست کرتے تابندہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ نماز ادا کر کے بستر پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

''آؤ بیٹھو ادھر۔'' وہ ان کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

''تیاری کر لی۔''

''جی۔''

''مصطفی باباصاحب کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے؟ پٹواری سے دونوں کو شاید کوئی کام تھا آتے ہی ہوں گے۔'' انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا وہ چپ ہی رہی۔

''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''جی کہیے۔'' انہیں سوچتا پا کر کہا۔

''تمہارے لیے بھابی بیگم نے مصطفی کا رشتا دیا ہے۔''

''جی......!'' وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے لیے یہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' وہ بے یقین سی تھی۔

''بڑوں کے درمیان یہ بات کافی عرصے سے چل رہی تھی۔ اصل میں باباصاحب اور باقی لوگ بھی یہی چاہتے تھے کہ تمہارا رشتا خاندان کے لڑکوں میں سے ہی کسی کے ساتھ ہو۔'' انہوں نے مزید بتایا۔

''مگر امی یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارا کون سا ان لوگوں کے ساتھ کوئی خونی یا نسبی تعلق ہے۔ عادل بھائی بے شک خاندان کی نہیں ہیں مگر ان کی ذات برادری ان سے میچ تو کرتی ہے نا۔ ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم ان کے ملازم بھی نہیں۔'' اس کے دل میں برسوں کی تلخی ایک دم ابھر آئی تھی۔

''ایسی بات نہیں شہوار بیٹا' ان لوگوں نے مجھے ہمیشہ بیٹی کا مان دیا ہے۔ عزت دی کبھی کم نسب یا گھٹیا خاندان کا طعنہ نہیں دیا۔''

''یہ اس لیے کہ آپ واقعی ان کے خاندان کی نہیں تھیں تو دور کی رشتہ داری تو تھی نا جبکہ میرا باپ نجانے کون تھا۔ امی میں نے ہمیشہ اس گلٹ کے ساتھ زندگی گزاری ہے کہ نجانے ہم کون ہیں اور ادھر کیوں ہیں۔ دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنا بڑا ہی شرمناک عمل ہے اور میں نے ہر لمحے اس شرمناک اذیت کو اپنے وجود میں محسوس کیا ہے۔'' تابندہ بی حیرت سے شہوار کے خیالات سن رہی تھیں۔ اس کے اندر ایسا لاوا ابل رہا ہے وہ حیرت زدہ تھیں۔

''امی مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔ میں اپنی حیثیت اپنے مرتبے سے واقف ہوں' ایسا قطعی ممکن نہیں ساری عمر کے لیے اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔ ان کے ٹکڑوں پر پلنے والی لڑکی ان کے گھر کا ایک حصہ بنے میں کبھی اپنی ذات سے نظریں نہ ملا پاؤں گی۔ آپ انکار کر دیں پلیز۔'' اس کے لہجے میں کوئی لچک نہ تھی۔

''مگر شہوار بھائی یا گھر کے کسی فرد نے ہمیں کبھی اجنبی یا غیر ہونے کا احساس نہیں دیا۔ عباس کے ساتھ تمہارا نام لیا گیا تب مجھے اعتراض تھا کہ تم ابھی کم عمر ہو مگر اب تو مصطفی ہر لحاظ سے پرفیکٹ لڑکا ہے۔ میں ماں ہوں' میرا دل ماں کا دل ہے اور ایک ماں اپنی اولاد کے لیے سب سے اچھی اور سب سے بہتر چیز کا انتخاب کرتی ہے میں انکار نہیں کروں گی۔''

''امی پلیز' میں بڑی خوددار ہوں اور عزت نفس کا پاس رکھنے والی لڑکی ہوں۔ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں۔ آنٹی یا دیگر لوگ اگر ایسا سوچ پا چاہ رہے ہیں تو یہ ان لوگوں کی محبت اور بڑا پن ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہ قطعی بے جوڑ تعلق ہے کہاں وہ لوگ اور کہاں مجھ جیسی لڑکی؟'' تابندہ بی گم صم انداز میں شہوار کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی ذات پر ہی ہنس رہی تھی۔ وہ تو بہت مطمئن اور پر سکون تھیں کہ شہوار کی تربیت میں کوئی کمی نہیں۔ اس کی شخصیت بہت پرفیکٹ ہے مگر یہ احساس کمتری کہاں سے آ گیا تھا وہ گنگ تھیں۔

''امی پلیز یہ مت سمجھیے گا کہ میں احساس کمتری کا شکار ہوئی ہوں۔ امی میں اپنی حیثیت جانتی ہوں۔ اول روز سے خود کو یہ باور کروایا ہے کہ یہ ہمارے محسن ہیں اور اگر محسن اپنے روبرو اپنے پاس جگہ عنایت کر دیں تو یہ ان کی وسیع القلبی ہے مگر احسان لینے والے کو چاہیے کہ اپنی اوقات یاد رکھے۔ امی میں اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو رہنا چاہتی ہوں۔ پلیز آئندہ اس ٹاپک کو مجھ سے ڈسکس نہ کیجیے گا۔''

''شہوار بیٹے تم سمجھنے کی کوشش کرو ایسی بات نہیں تم کسی سے کم نہیں تم تو......!'' انہوں نے کچھ مزید کہنا چاہا مگر شہوار نے ان کی بات کاٹ دی۔

''پلیز امی جی......! میری خودداری کو برقرار رہنے دیں۔ وہ پتا نہیں کس موڈ میں آ کر یہ نیکی کرنا چاہ رہے ہیں۔ مگر مجھے یہ نیکی قبول نہیں' میں ساری عمر ان لوگوں میں ایک کمپلیکس کا شکار رہ کے زندگی نہیں گزار سکتی' نہایت کم درجے یا گھریلو

ملازمین میں بھی ہمارا درجہ نہیں آتا۔ ہم صرف پناہ گزین ہیں اور پناہ گزین کو صرف پناہ درکار ہوتی ہے مزید بینفٹ سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ آئندہ آپ اس موضوع پر بات نہیں کریں گی ورنہ میں اپنی تعلیم وہیں ادھوری چھوڑ کر آ جاؤں گی۔'' اس کا لہجہ نہایت دوٹوک اور اٹل تھا کہ تابندہ بی حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ یہ آیا وہی شہوار ہے یا پھر کوئی اور لڑکی ہے۔

''میں بھابی اور بابا صاحب کو بھلا کس منہ سے انکار کروں گی۔ میں ساری عمر کے احسانات کیسے بھلا دوں؟ بھائی صاحب اتنی عزت کرتے ہیں میری' بیٹا تم کچھ بھی نہیں جانتیں جو میں جانتی ہوں یہ انکار محض جذباتیت ہے اور کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا تھا۔

''تو پھر مجھے بتائیں ناکہ حقیقت کیا ہے؟ کون ہوں میں آپ کو ان لوگوں پر اتنا اعتماد اور بھروسا کیوں ہے؟ کوئی تو رشتہ دار ہوگا نا میرے باپ کا؟ آپ کے رشتہ دار یہ لوگ ہیں تو میرے باپ کا نام و نشان کن لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ آپ آج یہ بھی بتا ہی دیں نا۔'' وہ سوال جو برسوں سے صرف ماں کو دکھ نہ ہو کبھی اس کے لبوں پر نہ آیا تھا اب کیسے سنسناتا تیر بن کر تابندہ بی کے دل میں لگا تھا۔ وہ بے اختیار رو دیں۔

''شہوار میں نے ساری زندگی تمہاری پرورش' تمہارے بہتر مستقبل کے لیے قربان کردی اب اس عمر میں تم ماں پر سنگ باری کرو گی؟'' ماں کے آنسو دیکھ کر اس کے اندر اپنی سخت لفاظی پر ندامت نے سر اٹھایا۔

''پلیز امی اس ٹاپک کو یہیں دفن کردیں۔ میں آئندہ کبھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کروں گی' نجانے کیسے یہ سب کہہ دیا۔ معافی چاہتی ہوں بس آپ منع کردیں۔'' ماں کے ہاتھ تھام کر وہ خود بھی سسک اٹھی تھی۔ اپنے الفاظ پر خود بھی شرمندہ ہو رہی تھی۔

''میں کیسے منع کردوں اور منع کرنے کے بعد میں دوبارہ کیسے اس حویلی میں رہنے کی ہمت کرسکتی ہوں۔ شہوار اپنی ماں پر ترس کھاؤ جب مجھ پر زندگی کے دروازے چاروں اطراف سے بند ہوگئے تھے تو ان لوگوں نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں کسی عام خاندان کی عورت نہ تھی۔ اپنی ماں کو کانٹوں پر مت گھسیٹو ساری عمر کانٹوں پر سفر کرتے میرا تن من جھلس چکا ہے' جسم ہو چکا ہے۔ دولت' جائیداد' نام و نسب' فخر و غرور سب کچھ تھا۔ مگر وقت نے ظالم جلاد کی طرح سب کچھ چھین کر در بدر کردیا۔ تمہارا باپ کوئی عام انسان یا شخص نہ تھا یقین کرو میری بات پر۔'' وہ شدت سے رو دیں۔

''تو پھر ادھر کیوں پناہ لی آپ نے' پڑھی لکھی تھیں آپ کہیں بھی رہ لیتی۔''

''ہاں کہیں بھی رہ لیتی میں مگر زندگی صرف سانسیں لینے کا نام نہیں بیٹی' زندگی کی چند اور احتیاجات بھی ہیں۔ ایک جوان عورت کب تک چند ماہ کی بچی کو تھامے اپنے آپ کو بھیڑیوں کا شکار بننے سے بچاتی۔ مجھے تحفظ ہی نہیں اپنی عزت بچانے کے لیے چار دیواری بھی درکار تھی اور یہ حویلی ہی آخری امید تھی میری۔'' شہوار لب بھینچے بیٹھی رہی۔ اس کی ماں غلط نہ تھی اس کی خواہش غلط نہ تھی۔ مگر وہ اپنی خوددار طبیعت کا کیا کرتی۔

عادلہ جیسی عورتیں تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتیں اور وہ ساری عمر کم مرتبہ پناہ گزین ہونے کی زنجیروں میں جکڑی اپنی ہی ذات سے کبھی نظریں نہ ملا پاتی اور وہ طعنے سہتے سہتے اپنی عزت نفس کی قربانی دے جاتی۔

مصطفیٰ شاہ زیب جیسے لوگ تو قسمت والیوں کو ملتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی۔

''اگر آپ انکار نہیں کریں گی تو میں خود انکار کردوں گی مگر امی اس حویلی میں رہنے کے بدلے مجھے اپنی خودداری اور سیلف ریسپیکٹ گروی نہیں رکھنی۔ ساری گستاخی کے لیے معافی چاہتی ہوں اللہ حافظ۔'' وہ اٹل لہجے میں کہہ کر اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گئی تھی۔ تابندہ بی غم زدہ بیٹھی رہ گئی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



قسط نمبر 3

ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

ان کو کیسے ہوگئی ہمارے حال کی خبر
بن گئی ہیں کب سے یہ پیامبر تنہائیاں
لوگ کہتے ہیں انہیں روح و جسم کا عذاب
مخلص ہوتی ہیں بہت ہی چارہ گر تنہائیاں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہوار کالج سے واپس آتی ہے تو مہر النساء بیگم اسے اپنے اور مصطفیٰ کے ساتھ حویلی چلنے کا کہتی ہیں۔ سفر کے دوران مہر النساء بیگم مصطفیٰ کو اس کی شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہیں مصطفیٰ کافی حیران ہوتا ہے اور فی الحال شادی نہ کرنے کا کہتا ہے۔ مگر مہر النساء اس کی بات ٹال جاتی ہیں پھر سارا سفر شہوار اور مہر النساء کی باتوں میں گزرتا ہے۔ تابندہ بوا لا کر سے ماضی کا ایک البم نکال کر دیکھ رہی ہوتی ہیں کہ اچانک ایک تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ رو پڑتی ہیں۔ مصطفیٰ باغ کی جانب سے آتی خوب صورت غزل کی آواز سن کر ٹھٹک جاتا ہے۔ شہوار کو یوں غزل گاتے دیکھ کر وہ اس کی خوب صورت آواز کی تعریف کیے بنا نہیں رہ پاتا۔ شہوار مصطفیٰ کو عباس اور عادلہ کی ازدواجی تلخیوں کے سبب سے آگاہ کرتی ہے اور جب وہ عادلہ کے رویے کی وجہ اپنی ذات بتاتی ہے تو مصطفیٰ کافی حیران ہوتا ہے اس کے مزید تفصیل پوچھنے پر وہ عادلہ کے بھائی ایاز عبدالقیوم کی حرکتوں کا بتاتی ہے تو مصطفیٰ اسے بے فکر رہنے اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ ولید انا کو پریشان اور روتا دیکھ کے کافی پریشان ہوجاتا ہے اور اس سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھتا ہے مگر وہ ٹال جاتی ہے اور وہ روشی کو انا سے پوچھنے کی تاکید کر کے چلا جاتا ہے۔ مصطفیٰ لیپ ٹاپ پر ایاز عبدالقیوم کی معلومات دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب ہی مہر النساء بیگم آ کے اسے شہوار اور اس کے رشتہ کے فیصلہ کا بتاتی ہیں تو وہ رشتہ کے لیے ہامی بھر لیتا ہے۔ گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے ولید انا کو کالج ڈراپ کرتا ہے راستے میں انا سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھنے پر انا شدت سے رو پڑتی ہے جس پر ولید گھبرا جاتا ہے۔ مہر النساء مصطفیٰ کو تابندہ بوا کی زندگی کے متعلق بتاتی ہیں کہ کس طرح سکندر کی موت کے بعد انہوں نے شہوار اور خود کو سنبھالا تو مصطفیٰ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ شہر جانے سے قبل تابندہ شہوار سے اس کے اور مصطفیٰ کے رشتہ کے متعلق بات کرتی ہیں تو شہوار صاف انکار کر دیتی ہے۔ تابندہ غم زدہ سی رہ جاتی ہیں۔

اب آگے پڑھئے



واپسی کے وقت تابندہ بی ان تینوں کو باہر تک خدا حافظ کہنے آئی تھیں۔ بابا صاحب نے اندر سے ہی انہیں اللہ حافظ

کہہ دیا تھا۔

''بہت اچھی طرح سوچ لو میں شام کو فون کروں گی۔'' مہرالنساء بیگم تابندہ بوا کے گلے لگتے ایک دفعہ پھر ان کو یاد دہانی کروا رہی تھیں۔ انہوں نے غائب دماغی سے سر ہلا دیا تھا۔

''مجھے انکار قطعی نہیں سننا۔'' انہوں نے محبت بھری دھونس سے کہا تھا۔ شہوار ان کے الفاظ سن چکی تھی اس نے ایک گہری نگاہ چپ چاپ ماں پر ڈالی۔

''اچھا اللہ حافظ امی جان۔ جو بھی گستاخی کی ہو اس کے لیے معاف کر دیجیے گا۔'' ان کے گلے لگ کر وہ سسک اٹھی تھی کہ بہرحال اس نے ماں کو تکلیف دینے کا سوچا بھی نہ تھا۔ انہوں نے بھی نم آنکھوں سے اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔

''ایک دفعہ پھر سوچنا' بھابی نے سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔ یہ عمر بھر کے فیصلے ہیں یوں پل بھر کی جذباتیت میں نہیں ہو جاتے۔'' انہوں نے پھر سمجھانا چاہا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے آنکھیں صاف کرتی ان سے جدا ہو گئی تھی۔

''اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔'' ان سے نظریں چرا کر وہ گاڑی کی سمت چلی آئی تھی۔

''او کے بوا جی' اللہ حافظ۔'' مصطفیٰ بھی ان سے پیار لے کر گاڑی کی طرف چلا آیا تھا۔ ملازم سامان رکھ چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ماں کے لیے پچھلا دروازہ کھولا تو مہرالنساء بیگم بیٹھ گئی تھیں۔

''آپ محترمہ آگے ہی بیٹھیے۔'' شہوار نے مہرالنساء بیگم کی تقلید کرنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر فرنٹ ڈور کھول چکا تھا۔ شہوار نے لب بھینچے ماں کی طرف دیکھا وہ بھی دیکھ رہی تھیں۔ پتا نہیں انہوں نے مصطفیٰ کے الفاظ سنے تھے یا نہیں انہوں نے ہاتھ ہلایا تو وہ بھی مسکرا کر ہاتھ ہلاتی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔ شہوار کے اندر ماں کو اس طرح انکار کر کے اذیت دینے پر پہلے ہی ندامت نے ادھ موا کر دیا تھا اوپر سے ان کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی مہر بہ لب رہی۔ تابندہ بی مسلسل ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے بھی ہاتھ ہلاتے گاڑی اسٹارٹ کی۔ تیز رفتاری سے گاڑی کچے سے نکال کر جیسے ہی پکی سڑک پر آئی تو مصطفیٰ نے رفتار نارمل کر لی۔ شہوار ابھی تک کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھتے آنسو بہا رہی تھی۔

''یہ دو دن گزرنے کا تو پتا ہی نہیں چلا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی تو یہاں پہنچے تھے اب واپس جا رہے ہیں۔'' ماں جی کی آواز پر مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''اب خیر ایسی بات بھی نہیں۔ آپ خواتین کو تو کوئی نہ کوئی مصروفیت مل ہی جاتی ہے بزی ہونے کے لیے۔ مجھے تو لگ رہا تھا کہ نجانے کتنے دن ہو گئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔'' مصطفیٰ نے کہتے ہوئے ان کی طرف توجہ دی تو اسے محسوس ہوا کہ شہوار مسلسل گردن کھڑکی کی طرف موڑے سوں سوں کر رہی ہے۔

''کیا بات ہے شہوار رو رہی ہیں؟'' اس نے فوراً متجسس ہوتے پوچھا تو شہوار نے بجائے اس کی طرف دیکھنے کے صرف گردن نفی میں ہلا دی تھی۔

''ظاہر ہے ماں سے مل کر بچھڑنا' تابندہ کو روتے دیکھ کر رونا تو آئے گا ہی نا۔'' مہرالنساء بیگم نے فوراً کہا تھا۔

''تم گاڑی روکو' شہوار تم میرے پاس پیچھے آ جاؤ آگے بیٹھی تو بس روتی ہی رہو گی۔'' محبت بھرے انداز میں بولیں تھیں۔

''لو جی کیا منطق ہے پیچھے بیٹھنے سے محترمہ کے آنسو رک جائیں گے' پچھلی سیٹ میجک سیٹ ہے جو آنسو روک دیتی ہے۔'' مصطفیٰ نے پرمزاح انداز میں کہا۔

''تم تو ہو ہی آدم بے زار' نہ بات کرو گے نہ بچی کا دل بہلاؤ گے یوں اسے ماں ہی یاد آئے گی نا۔ روئے گی نہیں تو بھلا کیا کرے گی۔'' انہوں نے کہا تو مصطفیٰ نے اپنی مسکراہٹ بمشکل ہونٹ دانتوں تلے دبا کر روکی۔

''کیا فرمائش ہے والدہ محترمہ کی جانب سے محترمہ کا دل بہلانے کی۔ پوچھ لیں محترمہ سے کہ دل بہلانے پر ناراض تو نہ ہوں گی۔'' اس کا لہجہ انتہائی شرارتی تھا۔ مہرالنساء بیگم بات کو سمجھ کر ایک دم ہنس دی تھیں۔ جبکہ شہوار تو اپنی جگہ ساکت ہی رہ گئی تھی۔ ایسی جملے بازی وہ بھی ماں کی موجودگی میں اس کا دل کانپا۔

''چلو چپ کرو تنگ نہ کرو میری بچی کو۔'' انہوں نے بیٹے کو ڈپٹا۔

''لو جی خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ ان کا دل بہلاؤں۔ اب دل بہلانے کے سو طریقے ہیں اب مجھے نہیں پتا کہ ان کو کس طریقے سے بہلاؤں کہ یہ آنسو بہانا چھوڑ کر مسکرانے لگیں۔''

''تم کچھ نہ کرو بس گاڑی روکو شہوار پیچھے میرے پاس بیٹھے گی۔''

''یہ نیک خیال آتے ہوئے کیوں نہ آیا تھا۔ آپ کے سونے کے بعد تو یہ محترمہ باقی سارا رستہ بور ہی ہوتی رہی ہیں۔'' شہوار کو حیرت ہوئی تو کیا اس نے اسے اتنا آبزرو کیا تھا۔

''تب یہ رو تو نہیں رہی تھی۔'' انہوں نے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''اچھی منطق ہے۔'' اس نے سائیڈ میں گاڑی روک کر ساتھ ہی بٹن دبا کر دروازہ ان لاک کیا تو شہوار آہستگی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم اس کا ہاتھ محبت سے تھامتے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر تھپتھپانے لگی تھیں۔

مصطفیٰ نے بیک ویو مرر سے دیکھا چادر کے ہالے میں صرف ہیرے کی لونگ سے دہکتی سرخ ناک ہی دکھائی دے رہی تھی۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو؟ گھبراؤ نہیں تابندہ کی سب خیر خبر رکھنے والے ہیں' میں نے تو آتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلے مگر بابا صاحب کی وجہ سے وہ نہیں مانی۔'' انہوں نے اسے دلاسا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے ڈیش بورڈ پر رکھی منرل واٹر کی بوتل اٹھا کر ماں کی طرف بڑھا دی تھی۔

''لو یہ پانی پیو۔'' انہوں نے بوتل لے کر اسے کہا تو وہ چادر سے چہرہ صاف کرتی بوتل لے کر پینے لگی۔ مرر سے اس کا رو دیا رویا سرخ چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی اور جتنا وہ روک رہی تھی آنسو اتنی ہی شدت سے بہتے جا رہے تھے۔ مصطفیٰ کو ایک دم احساس ہوا کہ صرف ماں سے جدا ہونے کے احساس سے اس قدر روانی سے آنسو نہیں بہہ سکتے۔ وہ پہلے بھی بارہا جدا ہوئی تھی ایسی حالت تو کبھی نہ تھی۔ ایک بار پہلے بھی وہ اس کے ساتھ ماں سے مل کر واپس شہر کے لیے روانہ ہوئی تھی تب وہ خاموش ضرور تھی مگر اب اس طرح بڑی شدت سے رونا؟ وہ الجھ کر مرر میں سے اسے گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا۔ مہرالنساء بیگم اسے آہستہ آواز میں نجانے کیا سمجھا رہی تھیں۔ وہ سنجیدگی سے دونوں کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی چپ ہو کر خاموش ہو گئی تھی۔

''کیا بات ہے بوا جی سے کوئی بات ہوئی ہے؟'' کافی دیر بعد جب کہ مہرالنساء خاتون کی آنکھ لگ گئی تھی وہ سفر میں ضرور سو جاتی تھیں۔ انہیں سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر سوتے دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔ شہوار جو باہر دیکھ رہی تھی نگاہ ہٹا کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ مرر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چہرے کا رخ ایک بار پھر باہر کی طرف کر لیا تھا۔

''مجھے تو یہی لگ رہا ہے کہ کہیں کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔ ورنہ پرسوں بھی تم سفر میں ساتھ تھیں ایسی لاتعلق اور اجنبی تو پرسوں نہ تھیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اپنے تاثرات پر قابو پاتے خود کو نارمل کرتے اس نے کہا تھا۔

''خیر لگ تو نہیں رہا تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں۔'' مرر میں سے مسکراتی نگاہوں کا تصادم عجیب سا تھا وہ پزل سی تھوڑا سا اور دروازے سے لگ گئی تھی۔

''ماں جی نے مجھ سے ایک بات کی ہے۔ یقیناً بواء جی نے تم سے بھی ڈسکس کیا ہوگا۔ کیا خیال ہے...... کیا رائے ہے تمہاری؟'' وہ سمجھ کر انجان بنتے پھر باہر دیکھنے لگی۔

مصطفیٰ سے اس کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی مگر اس سفر کے میں اب تک ان کے درمیان جتنی بھی باتیں ہو چکی تھیں اس سے مصطفیٰ کے مزاج و انداز کے تمام رنگوں سے وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ مصطفیٰ اس پروپوزل سے بے خبر نہیں ہے۔ ورنہ وہ اب اس سے یہ بات قطعی نہ کرتا۔

''تم نے جواب نہیں دیا؟'' اس نے اپنا سوال دہرایا تو اس بار شہوار کے لیے لاتعلق رہنا ممکن نہ ہو سکا۔

''میں سمجھی نہیں۔ ماں جی سے تو میری کئی ٹاپکس پر ڈسکشن ہوئی ہے۔ اسی طرح امی سے بھی۔ خصوصاً عادلہ بھابی والے ایشو پر بھی۔ میں پہلے بھی پوری کوشش کرتی ہوں ان سے لاتعلق رہنے کی اب مزید کروں گی۔'' مصطفیٰ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اس کے تاثرات سے قطعی اندازہ نہ ہو سکا کہ بواء جی نے اس سے دونوں کے رشتہ والی بات سے متعلق ڈسکس کیا ہو۔

''اس کے علاوہ کوئی اور بات بواء جی نے تم سے نہیں کہی۔'' وہ اپنے بارے میں اس کی رائے جاننا چاہتا تھا مگر اس کے تاثرات سے ایسے ہی لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سرے سے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔

''ماں جی بطور خاص اسی لیے گاؤں آئی تھیں بواء جی سے بات بھی کی تھی اور کیا ممکن ہے کہ بواء جی نے آپ سے ڈسکس نہ کیا ہو؟ آپ کی رائے یا مرضی دریافت نہ کی ہو؟'' وہ پرسوچ نظروں سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں آپ سے متعلق بات کی تھی اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی سنجیدگی پر حیرت سے دیکھا۔

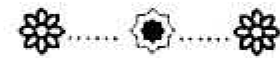
''میرے متعلق کیا بات کی تھی؟''

''یہی کہ آنٹی آپ کے لیے کوئی لڑکی پسند کر چکی ہیں جلد ہی آنٹی آپ کا رشتہ طے کر دیں گی اسی سلسلے میں وہ امی اور بابا صاحب کی مرضی جاننے کے لیے گاؤں آئی تھیں۔''

''اس کے علاوہ، میرا مطلب ہے تم نے پوچھا نہیں کہ لڑکی کون ہے؟'' بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتی شہوار کو اب اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''پوچھا تھا کہہ رہی تھیں کہ خاندان کی ہی ہے۔ ایک دو دن میں پتا چل جائے گا مجھے بھی۔'' ہاتھوں کو مسلتے وہ پھر باہر کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے غور سے دیکھا۔ مرر سے اس کا سائیڈ پوز ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''چلیں ہم بھی دیکھ لیں گے شہوار بی بی کہ کب تک آپ لاعلم رہتی ہیں۔'' اس نے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر دی۔



''ہوگئی واپسی بازار کی خاک چھان کر؟'' جیسے ہی دونوں نے لاؤنج میں قدم رکھا احسن بھائی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ظاہر ہے واپسی ہوئی ہے تو اس وقت دکھائی دے رہی ہیں۔'' صوفے پر نکلتے اس نے احسن کو جواب دیتے

اطراف میں دیکھا۔ ٹی وی پر کوئی ''ٹاک شو'' چل رہا تھا۔ ضیاء ماموں اور وقار احمد صاحب دونوں ادھر متوجہ تھے۔ احسن اور ولید بھی ایک ہی صوفے پر براجمان ادھر ہی متوجہ تھے مگر اب دونوں کی آمد پر ان کی توجہ اس جانب ہوگئی تھی۔ منصور خان بڑے بڑے شاپنگ بیگز اٹھائے چلا آیا تو انا نے اسے دیکھا۔

''یہ کہاں رکھوں بی بی صاحبہ؟''

''ماما کے روم میں رکھ آؤ وہ آ کر ایک دفعہ چیک کر لیں گی۔'' سینڈل سے اپنے پاؤں آزاد کر کے صوفے پر رکھ کر وہ ہاتھوں سے پیروں کی انگلیاں دبانے لگی تھی۔

''عظمت پانی لے آؤ۔'' روشی نے آواز دی تو ولی نے دونوں کو دیکھا یعنی کہ شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

''ولی یار! میں سوچتا ہوں کہ مرد اتنی محنت اور تجل خواری کر کے کماتا ہے یہ عورتیں بازاروں میں یہ ساری کمائی جھونک آتی ہیں بھلا ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' وہ بظاہر سنجیدہ تھا مگر اس سنجیدگی میں جو شرارت پنہاں تھی انا نے گھور کے بھائی کو دیکھا۔ عظمت پانی لے آئی تھی اس نے گلاس لے کر لبوں سے لگایا۔

''یار! اس میں تمہاری سوچ کا کوئی قصور نہیں۔ عورت کی فطرت ہی یہ ہے مرد کی کمائی کو یہ خرچ کر کے روحانی تسکین حاصل کرتی ہے۔ اگر عورت بازار کا چکر نہ لگائے تو بازار سنسان ہو جائیں چلو مردوں کے کمانے کا ایک فائدہ تو ہوتا ہے کہ کسی کا فائدہ ہو جاتا ہے اور ان کی روحانی حس تسکین پا جاتی ہے۔''

''اوف، ولی بھائی یہ آپ دونوں کیا ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہیں؟ سبھی عورتیں یہ کام کرتی ہیں مجبوری اور شوقیہ دونوں عورتوں میں ہم کون سا روز جاتے ہیں۔ شادی کی شاپنگ کی ہے اور تو کچھ نہیں۔'' انا نے ولید کے الفاظ پر اسے گھور کر سامنے ٹی وی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ روشی نے جواب دیا تھا۔

''کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو، اپنے ساتھ بیٹھی اس حسین خاتون سے پوچھ کر ذرا بتاؤ کہ ان کا موڈ کیوں آف ہے۔'' روشی کو بہلا کر اس نے انا کو چھیڑا تھا۔ اب کی بار وقار اور ضیاء ماموں بھی متوجہ ہوئے تھے۔ وہ سب کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

''کیوں کیا ہوا ہے انا کو؟'' سب سے پہلے ضیاء ماموں نے ہی لب کشائی کی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا ماموں جان، بس یہ ایسے ہی کہہ رہے ہیں۔'' اس نے فوراً وضاحت دی تھی۔ بہت کم عرصے میں وہ اتنا تو اچھی طرح جان چکی تھی کہ ولید خاصا اسٹریٹ فارورڈ ہے۔

''مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے میں کچن میں جا رہی ہوں۔'' اس نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''کیوں بازاروں میں کھانے کی اشیاء دستیاب نہ تھیں؟'' ولی نے پھر چھیڑا تھا۔

''جانے بھی دیں ولی بھائی، بے چاری اتنی مشکل سے تو بازار جانے کے لیے تیار ہوئی تھی اب میں اکیلی پھوپو کے ساتھ اور کیا کیا دیکھوں۔'' روشی کو ولید کو ٹوکنا پڑا تو وہ ہنس پڑا۔

''مسئلہ کیا ہے؟ لڑائی تو نہیں ہوگئی تم دونوں میں۔'' ضیاء صاحب کو ولید کا انداز کچھ عجیب سا لگا تو فوراً ٹوکا۔ ان کے ٹوکنے پر وہ فوراً سنبھل گیا۔

''ارے نہیں بابا جان۔ ایسی قطعی کوئی بات نہیں۔ بس اسے یونہی تنگ کر رہا تھا۔''

''ذرا دھیان سے رہنا اسے یونہی چھیڑو یا تنگ کرو گے تو وہ فوراً واک آؤٹ کر جاتی ہے۔'' احسن نے اسے ڈرایا تھا۔

''اندازہ ہورہا ہے۔'' اس نے پرسوچ انداز میں کچن کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں وہ کچھ پل قبل غائب ہوئی تھی۔

''آئندہ اسے چھیڑنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ بمشکل راضی ہوتی ہے جرمانے کے طور پر جیب ہلکی کروانا پڑتی ہے۔'' احسن کی بات پر وہ ہنس دیا۔

''ہائیں......!''

''آپ کیا اس کی برائیاں کررہے ہیں۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ موڈی ہے ذرا اور تو کچھ نہیں۔'' روشی احسن سے اس کی باتیں سن کر ایک دم بولی تھی۔ ویسے بھی انا اسے بہت عزیز تھی اس کے بارے میں الٹا سیدھا سن ہی نہیں سکتی تھی۔

''ہاں' تکیہ تھا جن پر وہی پتے ہوا دینے لگے۔'' وہ اس برجستہ انداز پر جھینپ سی گئی تھی۔

''محترمہ! یہ برائیوں والا ڈیپارٹمنٹ آپ خواتین کا ہے۔ ہم تو اسٹریٹ فارورڈ قسم کے لوگ ہیں جو بھی کہتے ہیں منہ پر کہتے ہیں۔'' وہ کہاں باز آنے والا تھا۔ روشی نے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

''روشی! صغراں سے کہو ایک کپ کافی بنا کر بھیج دے۔'' اسے اٹھ کر جاتے دیکھ کر ولی نے کہا تو وہ رک گئی۔

''آپ کو یہ انا والی لت کیوں لگتی جارہی ہے؟ کافی بھی کوئی پینے والی چیز ہے۔ نری کڑوی کسیلی' بدمزا سی کافی۔'' اس نے فوراً اعتراض کیا تھا۔

''بھئی جس وقت جس چیز کی طلب ہوگی وہی مانگوں گا نا۔ چلو کافی نہیں چائے ہی بجھوا دو کچھ تو ہو۔''

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کچن میں آئی تو انا کھانا کھا کر برتن سمیٹ کر سنک میں رکھ رہی تھی۔ جبکہ صغریٰ چائے تیار کر کے باقی لوازمات ٹرالی میں سجا چکی تھی۔

''چلو شکر ہے چائے تیار ہے۔ انا لاؤنج میں سب چائے مانگ رہے ہیں۔ تم لے جاؤ میں ذرا اپنا حلیہ درست کر آؤں۔'' وہ کہہ کر جلدی سے نکل گئی تھی۔ انا اب دوبارہ ولید کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ اس نے منہ بنایا۔

''صغریٰ سب ریڈی ہے تم خود ہی لے جاؤ۔ میرا پوچھیں تو کہہ دینا میں چائے پی چکی ہوں اور اپنے کمرے میں ہوں۔''



رات کو وہ لوگ واپس پہنچے تھے تھکن سے برا حال تھا کھانا کھا کر سب اپنے اپنے کمروں کو چل دیے تھے اور اب ناشتے کی ٹیبل پر سب بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ عادلہ بھابی کی وجہ سے غیر محسوس خاموشی کا دورانیہ مزید بڑھ گیا تھا۔

''شہوار بی بی گاڑی تیار ہے۔'' ملازمہ نے آکر ڈرائیور کا پیغام دیا تھا۔

''میں آتی ہوں۔'' دودھ کا گلاس ختم کرکے وہ ٹیبل پر ہی رکھی اپنی فائل بکس اور بیگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اوکے بابا میں بھی چلتا ہوں' اللہ حافظ۔'' اپنے پیچھے مصطفیٰ کی آواز سن کر بھی وہ بغیر پلٹے باہر نکل آئی تھی۔

''شہوار ٹھہرو۔'' وہ گاڑی کے کھلے دروازے میں بیٹھ رہی تھی جب مصطفیٰ کی آواز سن کر ٹھہر گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اسی کی طرف آرہا تھا۔

''آج سے تمہیں ڈراپ کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ تم میرے ساتھ جایا کروگی رہ گئی پک کرنے کی بات تو وہ ڈرائیور کرلے گا۔'' اس کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے روکنے کی وجہ بیان کی تو وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''مگر وہ کیوں بھلا؟ میں تو روزانہ ڈرائیور کے ہمراہ ہی جاتی ہوں نا۔''

''آپ نے ایاز والے معاملے میں ہیلپ کا کہا تھا' آئی مین یہ اسی سلسلے کا ایک اسٹیپ ہے کیا سمجھیں؟''

''سمجھ تو گئی ہوں پر اس سے کیا ہوگا؟'' اسے مصطفیٰ کے ساتھ جانے پر اعتراض تھا اسی لیے اس نے کچھ ناگواری سے کہا تھا۔

''انسان وقت و حالات کو قابو کرنے کے لیے ڈفرنٹ اسٹریٹیجیز اپناتا ہے۔ اسے بھی ایک اسٹریجی سمجھ لو۔ میرا خیال ہے باقی بحث ہم گاڑی میں بیٹھ کر کرلیتے ہیں۔ اگر اسی طرح کھڑے رہیں تو ہم دونوں ضرور لیٹ ہوسکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کی الجھن کو پڑھتے اس نے مسکرا کر کہا اور ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی کی طرف چل دیا جو پورچ میں ہی کھڑی تھی۔

''بیٹھو۔'' اس کے قریب گاڑی لاکر فرنٹ سیٹ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ بادل ناخواستہ بیٹھ گئی۔

''کچھ دور آنے کے بعد اس نے گردن موڑ کر شہوار کو دیکھا وہ سنجیدہ چہرہ لیے باہر دیکھ رہی تھی اس کے دیکھنے پر بولی۔

''میں ڈرائیور کے ساتھ ہی جاتی ہوں اسی کے ساتھ جانے دیں۔ میں نے آپ سے مدد کا ضرور کہا تھا مگر مجھے آپ کے ساتھ جانا قطعی مناسب نہیں لگ رہا۔''

''خیر جب ساری زندگی کے لیے انسان ذمہ داری اٹھا رہا ہے تو یہ ذرا سی زحمت کیا معنی رکھتی ہے؟ بہر حال اس وقت میرے پیش نظر تمہاری حفاظت مقدم ہے؟'' وہ اس کے پہلے جملے پر ہی الجھ گئی تھی۔ اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ یعنی بڑوں میں جو بھی معاملہ طے پا رہا تھا اس کی باقاعدہ رضامندی سے طے ہورہا تھا۔

وہ خاموش رہی مصطفیٰ نے اس کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھا۔ براؤن بڑی سے کڑھائی والی چادر میں سارا وجود لپیٹے وہ اس وقت خاصی مغرور اور پروقار سی لگی۔ مصطفیٰ کو طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

''میں ایاز عبدالقیوم کی قسم کے لوگوں کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ایسے لوگ جسٹ کاغذ کے شیر ہوتے ہیں۔ ہاں میں اپنے دشمن کو کبھی بزدل سمجھ کر نظر انداز نہیں کرتا۔ ہر آن' ہر صورت میں اس کی طرف سے چوکنا رہتا ہوں۔ خصوصاً ایسے بے وقوف قسم کے لوگوں سے ہر قسم کے رویوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ عادلہ بھابی کا بھائی ہونا ہی اس شخص پر نظر رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک دن وہ تمہیں میری گاڑی سے اترتے دیکھ لے گا تو دوسرے دن اسے اتنا احساس ضرور ہے گا کہ وہ تمہاری طرف قدم بڑھاتے ہوئے سو بار ضرور سوچے گا۔'' وہ بہت تحمل اور بردباری سے اسے اپنے لائحہ عمل کے فوائد و نتائج سے آگاہ کررہا تھا۔

''اس لائحہ عمل کے باوجود اس نے کوئی حرکت کی تو؟'' اس نے یوں پوچھا جیسے ابھی بھی اس کی وضاحت سے غیر مطمئن ہو تو وہ مسکرا دیا۔

''تو ہم کس لیے ہیں۔ تم نے مجھے سب بتا کر جو اعتماد کیا ہے اس میں مجھے کبھی پیچھے نہیں پاؤ گی۔ ایک مشہور کہاوت ہے گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔'' یہ المیہ ہے کہ انسان کرپٹ قسم کا ہو تو اس کے لیے داؤ ہوتے ہیں آزمانے کو ہمیں بھی تمام ٹرکس سمجھائے گئے ہیں کہ ایسے دشمنوں سے کیسے نبٹتے ہیں۔ وہ اگر کوئی اور حرکت کرے گا تو یقیناً ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہم بھی نہیں بیٹھیں گے۔ میں چاہتا تو ڈائریکٹ ایکشن لے سکتا تھا مگر میرے لیے اپنے خاندان کی عزت و آبرو کی حفاظت زیادہ مقدم ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو اس طرح حل کروں کہ نہ تم پر کوئی حرف آئے اور نہ ہی کوئی اور ایشو اٹھے۔'' دھیمے لہجے میں کہتے اس نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ کچھ سوچتے اپنے ہی کسی خیال میں الجھی ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کے صبیح روشن تروتازہ چہرے کو بغور دیکھتے اس نے استفسار کیا تو وہ چونک کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"پریشان ہو؟" کل سارے سفر میں اس کا جو رویہ اور انداز رہا تھا وہ تو ایک طرف' اس وقت بھی وہ خاصی الجھی ہوئی دکھائی دی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں' میں پریشان نہیں ہوں۔ ہاں آپ کے اس لائحہ عمل سے ضرور الجھ گئی ہوں۔ خیر آپ نے اتنا بڑا اسٹیپ اٹھانے کا ارادہ کیا ہے تو یقیناً سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔"

"جب مجھ پر اعتبار کیا ہے تو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کے الفاظ میں ایک دم سختی در آئی تھی۔ "عورت جتنی خوف زدہ ہو مرد اسے اتنا ہی آسان شکار سمجھ کر شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں تو تمہیں خاصی بہادر لڑکی سمجھ رہا تھا۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس آوارہ بدمعاش انسان کے رویوں کو جس طرح میں نے برداشت کیا ہے وہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی حرکات اس کے الفاظ اس کے تمام ردعمل آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ عادل بھائی اور ان کا یہ بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہیں۔ کیا بتاؤں آپ کو۔" وہ ایک دم رو دی تھی اور مصطفیٰ حیرت سے گنگ اسی کنارے پر بیٹھا رہ گیا تھا۔

تو کیا وہ شخص تمام حدود پار کر گیا ہے؟ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ بات محض چھیڑ چھاڑ تک ہوگی۔ تو کیا ابھی بتانے کو اور بھی بہت کچھ باقی تھا۔ ایک آوارہ انسان کس طرح سہج سہج کر قدم اٹھانے والی لڑکی کے پندار کو ٹھیس پہنچا گیا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھا۔

"کیا دھمکیاں دیتا ہے تمہیں؟" اس کے لب ولہجے میں ایک دم چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔ وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس شخص کا آوارہ پن غلاظت کی صورت کس حد تک گیا ہوگا۔

"یہ تو بہت ہی اول درجے کی صورت ہے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ کالج کی چار دیواری میں پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ذلت ورسوائی کے احساس سے مرجانے کو جی چاہتا ہے۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی سسکیاں بھر گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبالیے۔

"مجھے کھل کر بتاؤ شہوار وہ کس طرح کی لینگویج یوز کرتا ہے اور کیا کیا دھمکیاں دیتا ہے؟" اس کے اندر کا غیور مرد ایک دم بپھر اٹھا تھا گاڑی ایک جھٹکے سے سائیڈ میں روکتے پتھریلے تاثرات لیے پوچھ رہا تھا۔

"پلیز مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھیں میں نے بہت مجبور ہو کر آپ سے اس مسئلے پر مدد چاہی ہے۔ آپ خود سمجھ دار باشعور انسان ہیں۔ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے اور کن نتائج کی دھمکیاں دے سکتا ہے۔ میں بہت عرصہ چپ رہی ہوں مگر اب مزید کوئی ذلت نہیں سہہ سکتی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر کھل کر رو دی۔

مصطفیٰ کے اندر گویا آتش فشاں ابل پڑا۔ اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی۔

اتنے ریش انداز میں گاڑی بھگاتے دیکھ کر شہوار نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے بالکل سیدھ میں دیکھتے گاڑی چلا نہیں رہا تھا بلکہ اڑا رہا تھا۔ اس خاندان کے تمام مرد ہی غیرت وعزت کے نام پر بڑے غیور تھے مر مٹنے والے۔

"کیا میں نے تمام کچھ بتا کر بہت برا کیا ہے؟" خوف سے اس کے آنسو رک گئے تھے چادر سے چہرہ صاف کرتے اس نے نہایت خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر میں اسے نہ بتاتی تو خود ہی مرجاتی۔" وہ خود ہی نڈھال ہوگئی تھی۔ چند منٹ بعد اس کی گاڑی میڈیکل کالج کے سامنے تھی۔

"آپ؟" اس نے اس کے تیوروں سے خائف ہو کر کچھ کہنا چاہا مگر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے کے بعد اس کی طرف کا ڈور آ کر کھول دیا تھا۔

"آؤ اترو۔" اس کے تاثرات ہنوز تھے۔

"تمہیں اس شخص سے خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس کو کیسے ہینڈل کرنا ہے یہ سب یہ میرا مسئلہ ہے۔ ڈونٹ وری اوکے......!" اپنے اسی سنجیدہ انداز میں کہہ کر اس نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ اپنی فائل بکس اور بیگ تھامے اتر آئی۔

"واپسی پر ڈرائیور لینے آئے گا اسے میں سمجھا دوں گا۔" وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آیا تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ہوتی بس یہی کہہ پائی تھی۔

"اللہ حافظ۔" وہ اندر چلی گئی تھی جبکہ وہ پلٹ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اب کے اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے تھے۔ وہ نجانے کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہی تھی۔ اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

"شہوار۔" اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا انا تھی جو متفکر سی کھڑی تھی۔

"کہاں غائب تھیں۔ میں کتنی دیر سے گیٹ پر نظریں جمائے تمہاری منتظر کھڑی تھی اور تمہیں کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" ہاتھ ملا کر وہ اس کے ساتھ بینچ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں بس' دو تین منٹ پہلے ہی آئی ہوں۔ میں ادھر بیٹھ کر تمہیں ہی دیکھ رہی تھی۔" انا نے اسے بغور دیکھا آنکھوں کی سرخی سے وہ چونکی مگر شہوار کے اٹھنے پر بغیر کچھ پوچھے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آنٹی کیسی ہیں اور کیسی چھٹیاں گزاریں؟" ساتھ ساتھ چلتے انا نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"امی ٹھیک ہیں بس ارجنٹلی آنٹی کا پروگرام بن گیا تھا اس لیے تمہیں بروقت اطلاع نہ کرسکی۔ مجھے یقین تھا کہ اطلاع نہ کرنے پر تم مجھے کوستی ہوگی۔"

"ہاں غصہ تو مجھے بڑا آیا تھا۔ پرسوں سارا دن بہت بور ہوئی میں۔ ذرا دل نہ لگا کالج میں کچھ خاص اسٹڈی بھی نہ ہوئی بس اسپتال کا چکر لگا تھا۔" وہ دونوں باتیں کرتی اپنے کلاس روم کی طرف آ رہی تھیں ان کی کلاس اوپر تھی۔ پہلے زینہ طے کرنا تھا۔

نہ سوچا تھا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

دونوں کسی بات پر مسکراتے سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب اچانک کسی کونے سے نکل کر وہ شخص کسی آسیب کی طرح سامنے آیا تھا۔

"اف...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں تمیز نہیں...... ہٹو سامنے سے۔" انا تو ایک دم غصے سے پھنکاری تھی۔ وہ نگاہوں میں وارفتگی سمیٹے مسکراتے ہوئے شہوار کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے بدتمیزی نہیں جذبہ عشق کہتے ہیں۔ کہیے کیسی ہیں محترم خاتون شہوار سکندر صاحبہ۔" اس نے انا کو جواب دینے کی بجائے والہانہ نظروں سے شہوار کے چہرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ شہوار کے چہرے پر برہمی کے آثار بڑھے تھے۔ وہ کتنا نظر انداز کرتی اس کو۔

''شٹ اپ، ہٹو سامنے سے..... تمہارے جیسے آوارہ لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔'' وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''محترمہ شہوار صاحبہ آپ منہ نہ لگنے کی بات کرتی ہیں ہم تو خواب و خیال میں روزانہ جمال یار میں وصلِ خمار کے نجانے کون کون سے مراحل طے کرلیتے ہیں۔ کل تو خیر اتوار تھا پرسوں کہاں تھیں آپ؟'' اس کی بکواس پر اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

''خیر نہ بتائیں ہمیں تو ویسے بھی سب پتا چل ہی جاتا ہے۔ مصطفیٰ شاہزیب کے ساتھ چھٹیاں گزارنے محترمہ گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ شاہزیب علی مانا کہ اعلیٰ عہدے پر ہیں۔ مگر دھیان رکھنا زیادہ اونچا ہاتھ مارو گی تو منہ کے بل بھی گرسکتی ہو۔'' انداز دھمکی آمیز تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ؟ تم ہوتے کون ہو اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے۔ اپنی لمٹ میں رہو تم مسٹر ورنہ میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تک تمہاری شکایت پہنچادوں گی۔'' انا کے لیے یہ سب برداشت کرنا ناممکن تھا ایک دم چیختے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''بصد شوق انا صاحبہ آپ اپنی عزیز از جان ہستی کے لیے یہ شوق بھی پورا کردیکھیے گا۔ اس کے بعد ہم جو سین کیری ایکٹ کریں گے وہ بھی ملاحظہ کیجیے گا۔ ویسے کچھ کم قیامت تو آپ بھی نہیں۔ کیا خیال ہے کسی دن فرصت میں کینٹن میں بیٹھ کر ملاقات کا خاص اہتمام نہ کیا جائے؟''

''یو شٹ اپ۔'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہوئی تھی۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔

انکار کی یہ لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

''کوئی بات نہیں، ہم تو عادی ہیں اپنی دوست کو سمجھائیں کسی دن ملاقات کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کالج میں نہیں تو باہر کسی ہوٹل، کسی روم جہاں بھی چاہیں۔ چوائس ان کی ہوگی انٹرٹین ہم کریں گے۔ پیسا ہاتھ میں ہونا چاہیے دنیا مٹھی میں ہوتی ہے اور ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم نے کبھی ''انکار'' کا لفظ نہیں سنا۔'' وہ نجانے کیا کیا بکواس کررہا تھا دونوں حیرت سے منہ کھولے اس کی گھٹیا سوچ سن رہی تھیں۔

''ویسے بھی اوروں کے در پر پلنے والی لڑکی اپنی ''خودی'' کا پرچار کرتے عزت و آبرو کے الفاظ استعمال کرے کچھ جچتے نہیں۔ ایسی لڑکیاں ہمارے لیے ٹشو پیپرز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔''

''شٹ اپ۔'' برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ شہوار کا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑتا ایاز عبدالقیوم نے نہایت بے دردی سے ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ہمت ہے تمہاری شہوار بی بی! ورنہ ہم پر تو آج تک ہمارے ماں باپ نے ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ شکر کرو یہ لگا نہیں اگر لگ جاتا تو تم اپنے قدموں پر واپس چل کر جانے کی ہمت کھودیتیں۔'' وہ ایک دم بپھر کر گویا ہوا تھا۔ انا بھی حیرت زدہ کھڑی رہ گئی تھی کتنا دھمکی آمیز سفاک انداز تھا۔

''تم انتہائی ذلیل، کمینے انسان ہو چھوڑو میرا ہاتھ۔'' صبح صبح بات اس نہج تک آجائے گی دونوں کے گمان میں نہ تھا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر ناکام رہی تھی۔ وہ شخص نہایت مکروہ مسکراہٹ لیے دیکھ رہا تھا۔

''بڑا نرم و نازک ہاتھ ہے، یہ ہاتھ تو صرف پھولوں کی نرماہٹ محسوس کرنے کے لیے بنے ہیں۔'' اس نے سختی سے

بھینچا تھا اور انا کی پروا کیے بغیر بھاگتے ہوئے منظر سے اوجھل ہوگئی تھی۔

''بہت ہوگئی، حد ہوتی ہے برداشت کی بھی اب لگتا ہے کہ کوئی معقول بندوبست تمہارا کروانا ہی پڑے گا۔'' انا غصے سے اسے کہتے فوراً تیز قدموں سے اسی طرف چل دی تھی جہاں شہوار گم ہوئی تھی۔ اسے ایک دم شہوار کی فکر ہوئی تھی۔

❀......۞......❀

صبح صبح شہوار سے ہونے والی گفتگو نے اسے اس حد تک پریشان رکھا کہ وہ آفس آکر بھی مکمل توجہ و دھیان سے کوئی کام نہ کرسکا تھا۔ بہت تھک کر خود سے الجھنے کے بعد اس نے امجد کو بلوالیا۔

''سر آپ نے بلوایا؟'' سلام کرکے وہ مودب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں امجد آؤ بیٹھو۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ اٹینشن بیٹھ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے ذمے جو کام لگایا تھا وہ کہاں تک پہنچا؟'' اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ اور فائلز کو ایک طرف کرتے اس نے مکمل توجہ سے امجد کو دیکھا۔

''سر تقریباً تمام کام مکمل ہے۔''

''ہوں، کیا بریفنگ ہے؟''

''سر میں نے فائل ریڈی کرلی ہے اگر آپ کہیں تو فائل لے آؤں۔''

''ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد وہ دوبارہ فائل لیے اس کے سامنے بیٹھا اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''سر آپ نے صرف مجھ سے ایاز عبدالقیوم کے متعلق ڈیٹیل جمع کرنے کا کہا تھا مگر سر جب میں نے اس شخص کے متعلق معلومات کروائیں تو اس کے پیرنٹس کے متعلق بھی بڑے عجیب و غریب قسم کے انکشافات سامنے آئے ہیں۔'' فائل اس کے سامنے رکھتے اس نے بتایا تو فائل کھولتے مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

''سر عبدالقیوم نامی یہ شخص ایک بہت بڑا بزنس مین ہے۔ بزنس کی دنیا میں اس کا بڑا نام ہے۔ اس کا اندرون اور بیرون ملک اچھا خاصا سرمایہ انویسٹ ہے۔ ماضی میں اس کا نام ہمایوں تھا۔ غریب ماں باپ کی اولاد تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی کسی حادثے کی وجہ سے انتقال کرگئے تھے۔ اس کے چچا اشفاق احمد نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اشفاق احمد ماضی کے مشہور صنعت کار مختار احمد کا داماد تھا۔ یہ اشفاق احمد مختار احمد کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھا۔ مگر بلا کا چالباز اور موقع پرست انسان تھا۔ اس نے مختار احمد کو نجانے کس طرح اپنی چالاکیوں سے اپنا گرویدہ بنالیا کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اشفاق احمد سے کردی۔ اشفاق احمد اس کے ففٹی پرسنٹ کاروبار کا مالک بن بیٹھا۔ حقائق بتاتے ہیں کہ بہت جلد مختار احمد پر داماد کی اصلیت واضح ہوگئی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتا ایک کار ایکسیڈنٹ میں ان کی ڈیتھ ہوگئی۔ اشفاق احمد کی بیوی اس ایکسیڈنٹ کو قتل کا کیس کہتی تھی۔ انہوں نے اس وقت رپورٹ بھی درج کرائی تھی مگر اشفاق احمد نے معاملے کو نجانے کس طرح ہینڈل کیا کہ تمام معاملہ یکسر ختم ہوگیا۔ اب اشفاق احمد کی بھی ایک بیٹی لالہ رخ ماں کی ساری جائیداد اور کاروبار کی تنہا وارث......!'' مصطفیٰ شاہزیب کے لیے یہ ساری کہانی بڑی دلچسپ تھی۔

''زبردست، بہت اچھا ہوم ورک کیا ہے تم نے، تمہیں یہ ساری معلومات کیسے دستیاب ہوئیں۔'' پچاس سالہ امجد خان بہت فرض شناس اور ذہین انسان تھا بلا کا معاملہ فہم اور زیرک۔

”سر یوں سمجھیں کہ ماضی میں اس ہمایوں نامی شخص سے کئی بار واسطہ پڑا ہے مختلف کیسز کے سلسلے میں......!“

”تمہارا مطلب ہے کہ اس عبدالقیوم سے؟“

”یس سر......؟“

”پھر۔“

”ایاز عبدالقیوم کی انوسٹی گیشن کرواتے ہی پتا چل گیا کہ یہ عبدالقیوم موجودہ اور ماضی کے ہمایوں احمد کا بیٹا ہے تو میرے لیے کیس کی جانچ پڑتال کروانا بہت آسان ہوگیا۔ میں اس شخص پر کئی بار کام کر چکا ہوں میرے پاس اس کے متعلق اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ بس المیہ یہ ہے کہ اس شخص کے پاس دولت جیسی طاقت ہے وہ ہر بار اتنی صفائی سے اپنا دامن بچا کر نکل جاتا ہے کہ میری ساری محنت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ سر! اس شخص سے میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں سر مجرم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کا میں نے مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ مکمل تعاون کا وعدہ کریں مجھے سپورٹ کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کیس سے متعلق آپ کو وہ تمام حقائق مہیا کروں گا جو کسی شخص کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوں گے۔“ وہ امجد خان کے لہجے میں پلتی نفرت دیکھ رہا تھا۔

”سر یہ شخص جتنا شریف اور معصوم نظر آتا ہے یہ اتنا ہی گھناؤنے کردار کا حامل انسان ہے۔ سر یہ انسان کی کھال میں بھیڑیا ہے۔“

”کول ڈاؤن امجد۔“ اس نے فوراً اسے ریلیکس کیا۔ ”تمہارا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟“

”سر سب بتاؤں گا آپ کو بس تھوڑے سے حقائق سے نقاب کشائی باقی ہے۔ سر اس ڈیپارٹمنٹ میں میں ایک مقصد لے کر آیا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ہمایوں احمد کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانا۔ میرے جمع شدہ حقائق کا ایک اہم مہرہ منظر سے غائب ہے۔ لالہ رخ سر یہ بظاہر برسوں پہلے مر جانے والا کردار ہے مگر حقائق کی تلاش کے دوران مجھ پر واضح ہوا کہ اصل حقائق وہ نہیں جو نظر آ رہے ہیں۔ سر مجھے لالہ رخ کے شوہر اگر وہ مر نہیں گیا اور اس کے بچوں کی تلاش ہے بس۔“

”اوہ یہ تو بہت الجھی ہوئی کہانی ہے۔ ہم یہ تو سب ہینڈل کر ہی لیں گے مجھے پہلے ایاز عبدالقیوم کے متعلق بریفنگ دو۔ مجھے فی الحال ایاز والا معاملہ ہینڈل کرنا ہے۔“ مصطفیٰ کے لہجے میں ایاز کے لیے ایسی ناگواری ضرور تھی کہ امجد خان نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

”سر کوئی خاص بات ہے؟“

”ہوں۔“

”ایاز کے متعلق تم نے جو بھی حقائق جمع کیے ہیں وہ بتاؤ۔“

”سر ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مانیں گے؟“ مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ الجھا ہوا تھا۔

”ہاں کہو۔“

”آپ کی تو ان لوگوں سے رشتہ داری ہے آئی مین آپ کے بڑے بھائی عباس علی کی شادی عبدالقیوم کی بیٹی سے ہوئی ہے آپ کو تو ایاز نامی شخص سے متعلق سب باتوں کا علم ہوگا۔ پھر خصوصاً یہ انویسٹی گیشن کیوں کروائی جا رہی ہے۔“ وہ جھجکتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”بس ضرورت پڑ گئی ہے تم پہلے حقائق بتاؤ پھر میں تمہیں وجہ بتاتا ہوں۔“

”سر یہ تو فطری بات ہے جو بیج بوئیں گے فصل بھی وہی ہوگی۔ ایاز اپنے ماں باپ کی فطرت سے کیسے ہٹ کر ہو سکتا

بلکہ ماں باپ سے دو ہاتھ آگے ہی ہے۔ ہائی سوسائٹی کے بچوں میں موجود تمام اخلاقی وسماجی برائیاں جوان کے لیے طرہ امتیاز ہوتی ہیں ایاز میں بھی پائی جاتی ہیں۔ کلب جانا' ڈرنک کرنا' صنف مخالف سے دوستی' وقت گزاری یہ بہت عام سی باتیں ہیں۔ سر اس کا چار لڑکوں پر مشتمل گروپ ہے۔ یہ گروپ فی الحال کسی بہت بڑی سرگرمی میں ملوث نہیں۔ موبائل فون چھینا' انجوائے منٹ کے طور پر کسی بھی راہ چلتے کو روک کر نقدی اور قیمتی سامان چھین لینا یا زیادہ سے زیادہ کسی بھی مجبور و بے بس لڑکی کی زندگی اجیرن کر دینا اس کی انتہائی حد اغوا یا ریپ کا کیس بھی ہو سکتا ہے۔“ مصطفیٰ ششدر سا امجد خان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بلک بلک کر روتا شہوار کا معصوم ودل کش سراپا در آیا۔

”اوہ مائی گاڈ۔“ وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ امجد بھی فوراً کھڑا ہوا۔

”یہ کم سے کم حد ہے تو اس کی زیادہ سے زیادہ حد کیا ہو سکتی ہے؟“ اس کے اندر ایک دم غم وغصے کا ابال اٹھا تھا۔

”سر یہ تو اس کی عام سرگرمیاں ہیں......!“

”اور خاص سرگرمیاں کیا ہیں؟“ امجد خان کو لگا جیسے مصطفیٰ خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہو۔

”سر اس پورے گروپ کے سب لڑکے مل کر یہ کام کرتے ہیں یہ سب لڑکے چھوٹے موٹے گھرانوں کے نہیں ہیں۔ ان کے لیے یہ سب عام اور روٹین کی جسٹ انجوائے منٹ کی تھرل ہے۔ اگر کبھی کسی متاثرہ خاندان یا فرد کی رسائی پولیس اسٹیشن تک ہو جائے اور ان کے خلاف کارروائی کروانا چاہے تو وہ بے چارہ خود ہی کسی جرم یا الزام میں دھر لیا جاتا ہے۔ خصوصاً ایسا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کی لڑکیوں کو زیادتی یا اغوا کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جو بہت غریب یا مجبور گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں۔“

”مائی گاڈ۔“ اِدھر سے اُدھر ٹہلتے بڑی مشکل سے وہ اپنے اندر اٹھنے والے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”دس از ٹو مچ۔“ امجد خان خاموشی سے اس کا اضطراب دیکھ رہا تھا۔

”اور ابھی تک ان کے خلاف کسی نے کوئی ری ایکشن نہیں لیا۔ کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔“ ایک دم رک کر امجد خان کا چہرہ دیکھا۔

”سر کارروائی تو تب کی جائے جب کوئی ثبوت باقی ہو یا معاملہ تھرو پراپر چینل سے پیش کیا جائے۔ ان لڑکوں کے والدین معاملے کو اگلے قدم میں داخل ہونے ہی نہیں دیتے دے دلا کر متاثرہ خاندان کو چپ کرا دیتے ہیں۔“

”کیا تم جانتے ہو ایسے کسی متاثرہ خاندان کو؟“

”سر پتا کرانا مشکل نہیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے میں اپنی تمام فورس اور ریسورسز اس کیس کو ہینڈل کرنے کے لیے استعمال کرنے کو تیار ہوں۔ تم چند دنوں میں کسی ایسے خاندان کو منظر عام پر لاؤ جو واقعی متاثرہ ہے محض جھوٹ پر مبنی نہ ہو۔ اب عبدالقیوم صاحب کی نیک نامی اور شرافت کا بھانڈا بیچ چوراہے پر میں پھوڑوں گا اور اس ایاز اور اس کے ساتھیوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرانے کو تیار ہوں۔“

”سر! یہ کام ہو جائے گا مگر سر مجھے اس کی وجہ بھی بتا دیں تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ اس شخص کے متعلق اور کس قسم کے ثبوت درکار ہونا چاہیے۔“ امجد خان نے دھیمے سے کہا تو مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتا کرسی پر ٹک گیا۔

”جس میڈیکل کالج میں یہ زیر تعلیم ہے وہاں میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ہستی ہیں...... یوں سمجھ لو امجد خان ایک بدکردار شخص کی غلاظت کے چھینٹے کسی کے وجود کو کس طرح داغ دار کر سکتے ہیں۔ میں ڈائریکٹ اس کیس کو ہینڈل کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے خاندان کی ذلت کسی طور بھی گوارہ نہیں۔ تم متاثرہ

خاندان میں سے کسی ایک فرد کو بھی منظر عالم پر لے آؤ باقی معاملے کو ہینڈل کرنا میری ذمہ داری ہے اس شخص کو اپنی بدکرداری کی سزا جھیلنا ہوگی۔''

''او کے سر......!'' امجد خان فوراً سارا معاملہ سمجھ کر سر ہلا گیا۔

''سر ایک مشورہ دوں؟'' وہ کچھ جھجکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں بولو۔''

''انسپکٹر شہناز ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا وہ مہرہ ہے جس کی ذہانت کے سامنے بڑے بڑے کرمنل گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوسکتے ہیں۔ ہم ان پر ہر چینلز کو استعمال کریں گے اس شخص کے تھرو اس کے والد اور پھر ماضی کے تمام حقائق سے پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ سر بغیر کسی کے نالج میں آئے ہم اس شخص تک رسائی پاسکتے ہیں۔'' امجد خان کے مشورے پر مصطفیٰ نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو امجد خان کہ میں کسی بھی کیس کو حل کرنے کے لیے کسی عورت کو استعمال کرنا مردانگی و غیرت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ وہ عورت ذات ہیں اور مرد بہر حال مرد ہی ہوتا ہے۔''

''سر انسپکٹر شہناز پہلے بھی ایسے بے شمار کیسز بہت کامیابی سے ہینڈل کرچکی ہیں بغیر کسی نقصان کے جسٹ اپنی ذہانت کے بل بوتے پر۔ آپ اس چیز کی فکر مت کریں۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ان تمام لیڈیز کو ایسے کیسز سے نبٹنے کے لیے تمام ٹرکس سمجھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ اگر کامیابی نہ بھی ہو مگر اپنے آپ کو سنبھالتے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی یہ خواتین ضرور کوشش کرتی ہیں۔'' امجد خان کا انداز قائل کرنے والا تھا وہ چند پل بغور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ انسپکٹر شہناز کے کردار پر کوئی حرف نہ آئے گا۔''

''سر یہ ہماری ڈیوٹی ہے اتنی لڑکیوں کو ذلت بھری زندگی سے بچانے کے لیے کسی نہ کسی ایک کو دلدل میں اترنا ہی پڑے گا نا۔ مجھے یقین ہے جسے میں دلدل میں اترنا کہہ رہا ہوں انسپکٹر شہناز اس دلدل سے بخیر و عافیت نکلنے تمام معاملے کو نبٹانے میں ہماری مدد ضرور کرے گی۔''

''ٹھیک ہے آج سے اس کیس پر کام شروع کردو اور انسپکٹر شہناز کو تمام صورت حال سمجھا کر اچھی طرح بریف کر کے میرے پاس بھیجو۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد بالآخر اس نے ہاں کہہ دی تھی۔

''یس سر۔'' وہ اٹھ کر سلام کرتے باہر نکل گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے فائل کھول لی تھی جوں جوں وہ فائل میں موجود حقائق اور دلائل کو اسٹڈی کر رہا تھا اس معاملے کے متعلق تمام ثبوت اور ریکارڈز سمیت حقائق اس فائل میں موجود تھے۔ مصطفیٰ کی دلچسپی از حد بڑھ گئی تھی۔

''بھئی یہ امجد خان تو بڑا کارآمد انسان ہے۔ حیرت ہے اتنے کم عرصے میں اتنی مدلل اور تفصیلی معلومات۔'' وہ سراہے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ان معلومات کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی ساری زندگی کی خوشیوں سے منہ موڑے صرف اسی ایک کیس کو حل کر رہا تھا۔ یہ معلومات ایک دو دن کا نچوڑ نہ تھیں بلکہ ساری زندگی کی جہد مسلسل تھیں۔ جس سے ابھی مزید حقائق واضح ہونے تھے۔ وہ بڑی باریک بینی سے کیس اسٹڈی کر رہا تھا جب دروازے پر دستک دے کر انسپکٹر شہناز اندر داخل ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام۔'' اس نے ایک نظر بغور اس عورت کو دیکھا۔ نہایت خوب صورت اور تیکھے نقوش کی مالک یہ پچھلے دس سال سے اس ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ اس کا گزشتہ ریکارڈ بہت صاف شفاف اور بے داغ تھا۔ یہ اپنی عمر سے کئی سال کم

غزل

ہو رہا ہے کیا نظر کے سامنے
مجھ کو لوٹا میرے گھر کے سامنے
رو رہا تھا ایک مفلس کس قدر
شہر کے اک معتبر کے سامنے
زخم میری حسرتوں کے چاک تھے
آج بھی اس چارہ گر کے سامنے
آ رہا ہے گھر نظر اللہ کا
سر جھکے کیوں اہل زر کے سامنے
پوچھنے والا نہیں رانا کوئی
قتل ہوتے ہیں نظر کے سامنے

قدیر رانا......راولپنڈی

لگتی تھی شاید یہ اس لیے تھا کہ یہ اپنے آپ کو مین ٹین رکھتی تھی۔

''آپ کو امجد خان نے تمام صورت حال سمجھادی ہے کیا؟''

''جی سر۔''

''آپ کے سامنے ایک نہایت اوباش اور آوارہ مزاج لڑکا ہوگا۔ کس طرح ہینڈل کرنا ہے اندازہ ہے؟'' سنجیدہ انداز میں اسے دیکھا وہ مسکرادی۔

''سر میں نے اس سے بھی زیادہ مکار اور جہاندیدہ مردوں کو ہینڈل کرچکی ہوں۔ ایسے لڑکے تو بس ایک دو ملاقاتوں کی مار ہیں۔ مگر سر میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ آپ کے اعتماد پر پورا اتر پاؤں۔''

مصطفیٰ نے چند پل اسے دیکھا۔ وہ بے پناہ خوب صورت تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار شہوار کا سراپا آ کر ہلچل مچاتا رہا۔

''سر آپ فکر نہیں کریں یہ میری ڈیوٹی ہے۔ ہر سال مجھے اسپیشلی ٹریننگ اسی لیے دی جاتی ہے کہ اگر صورت حال ایسی گمبھیر ہو تو کیسے معاملے کو ہینڈل کروں گی۔ سر وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' اس نے بڑے ریلیکس انداز میں کہا تو مصطفیٰ کے اعصاب بھی قدرے پرسکون ہوئے۔

''آپ کو کیا کرنا ہوگا اور کیسے یہ سب تفصیلات آپ کو عین وقت پر دے دی جائیں گی۔ آپ نے تمام بریفنگ براہ راست مجھے اور امجد خان کو دینا ہوگی۔ کوئی بھی قدم ہماری نالج میں رکھ کر اٹھانا ہوگا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کی تفصیل ہم تک پہنچانا ہوگی۔ میں ذاتی طور پر عورت کو استعمال کرنا بہت غلط سمجھتا ہوں۔ یہ اگر بہت سی جانوں کی ناموس کی بات نہ ہوتی تو میں قطعی آپ کو زحمت نہ دیتا۔'' اس نے اس پر صاف واضح کردیا تھا۔

''ڈونٹ وری سر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

مصطفیٰ نے سائیڈ پر رکھا لیپ ٹاپ اپنے سامنے کھول لیا تھا۔ کئی کیز پریس کرنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ کا رخ انسپکٹر شہناز کی طرف موڑ دیا تھا۔

''یہ چہرہ آپ غور سے دیکھ لیں۔'' انسپکٹر شہناز نے اسکرین پر جھلملاتے چہرے کو بغور دیکھا اور مصطفیٰ شاہزیب علی کو

جواز حد سنجیدہ تاثرات لیے ہوئے تھا۔

''یس سر۔''

''ایک یہ چہرہ بھی از بر کریں۔'' اس نے ''کی'' دباتے ایک اور چہرہ سامنے کیا تھا۔

''یس سر کرلیا ہے۔'' وہ بولی تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ آپ ہمارے اعتماد پر پورا اتریں گی۔ میں یہ فائل اسٹڈی کرلوں اگلا لائحہ عمل آپ کو بتادوں گا۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔'' وہ سلام کرتے الٹے قدموں باہر نکل گئی تھی۔

مصطفیٰ شاہزیب علی نے لیپ ٹاپ بند کرکے چند منٹ بغور سوچا اور پھر اپنے سامنے رکھی فائل دوبارہ کھول لی تھی۔



وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ کارپٹ پر اپنی کتابیں بکھیرے بظاہر ان میں مصروف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اس کا دھیان اس جانب تھا نہیں۔ اس نے نظر ہٹا کر اطراف میں دیکھا۔

ٹی وی چل رہا تھا۔ ایک صوفے پر مہر النساء بیگم اور لائبہ بھابی آپس میں باتیں کررہی تھیں اور ان کے مقابل بیٹھی عادلہ کی تمام تر توجہ شہوار کی طرف تھی۔ پتا نہیں وہ اسے گھور رہی تھیں یا اس کی محویت کو پڑھ رہی تھیں۔ وہ اندازہ نہ لگا سکا۔ وہ اندر جانے کی بجائے باہر لان کی طرف آ گیا۔

اس پر آج امجد کی تیار کی گئی فائل کو اسٹڈی کرکے عبدالقیوم کی شخصیت کے متعلق عجیب و غریب انکشافات ہوئے تھے۔ اسے تو عادلہ بھابی کا اپنے خاندان میں پایا جانا بھی اب کسی ڈرامے کا حصہ لگ رہا تھا۔ وہ جوں جوں اس کیس کے متعلق سوچ رہا تھا مزید الجھتا جارہا تھا۔ مگر بہرحال کچھ واضح ہونے کے باوجود بہت کچھ ابھی بھی پس منظر میں تھا۔ کچھ ایسا غیر حقیقی اور پراسرار ضرور تھا جس تک ابھی امجد خان کی رسائی نہیں ہوپائی تھی۔ شاید اسی لیے امجد خان کوئی فیصلہ کن قدم نہیں اٹھا پارہا تھا۔

اگر لالہ رخ واقعی زندہ ہے تو وہ مرنے والی عورت کون ہے؟ وہ جوں جوں سوچ رہا تھا اسے یہ کہانی مزید الجھتی محسوس ہورہی تھی۔ رخشندہ کام نبٹا کا باہر نکلی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ اس پر پڑی تو پکارلیا۔

''سنو رخشندہ۔ شہوار بی بی کو بھیجو انہیں کہو میں بلارہا ہوں۔''

''جی صاحب۔'' وہ فوراً چلی گئی تھی۔

دو تین منٹ بعد اسے شہوار آتی دکھائی دی تو وہ سیدھا ہوکر کرسی پر ٹک گیا۔

''آپ نے بلایا تھا؟'' اس کے انداز میں الجھن تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے مقابل پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ٹک گئی اور پھر اسی خاموشی سے مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔

''کیا کررہی تھیں؟'' بڑی سی چادر میں اپنے آپ کو چھپائے وہ کافی افسردہ سی لگی۔

''اسٹڈی کررہی تھی۔'' نہایت سنجیدگی سے جواب ملا تھا۔

''آج کالج میں سارا دن کیسا گزرا؟'' اس نے اس کی سنجیدگی محسوس کرکے براہ راست وہ بات پوچھی جس کے لیے بلوایا تھا۔

''بس ٹھیک تھا۔'' وہ خاصی اکتائی ہوئی لگی اسے۔ وہ چونکا۔

''خیریت؟'' اس نے اس کے رویے کی وجہ جاننا چاہی۔

''جی۔''

''ایاز کالج آیا تھا آج؟'' بغور اس کا چہرہ دیکھتے اس نے پوچھا۔

اسے اپنا ضبط جواب دیتا محسوس ہوا اور آنکھیں بے اختیار چھلک اٹھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رودی۔ اور مصطفیٰ اس ردعمل پر حیرت زدہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

''شہوار...... کیا ہوا...... اس نے تمہیں پریشان کیا ہے یا کوئی الٹی سیدھی حرکت یا بکواس کی ہے تو مجھے بتاؤ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' ایک دم اس کی مردانگی عود کر آئی تھی۔ وہ روتی رہی۔ مصطفیٰ شاہزیب علی کو اس کا رونا عجیب اذیت میں دھکیل گیا۔ وہ بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھا تھا۔

''شہوار پلیز، روؤ مت، کچھ بتاؤ تو سہی۔'' ملتجی انداز میں کہتے مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا مگر وہ فوراً ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج پہلی بار کسی مرد نے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا۔ ورنہ وہ تو خود کو سینت سینت کر رکھنے والی لڑکی تھی۔ اسے اپنا آپ پہلے ہی ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہورہا تھا مصطفیٰ کے گرم ہاتھ کی حدت نے اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اسے یوں بدک کر اٹھتے دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

''آپ نے مجھے صرف یہی پوچھنے کے لیے بلوایا ہے یا کوئی اور بات بھی کہنی ہے؟'' بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتے اپنے آنسو صاف کرتے اس نے کہا تو وہ حیران ہوا۔ شہوار کا انداز بڑا ناراضی لیے ہوئے تھا۔ اسے حیرانی ہوئی۔

''ظاہر ہے اسی پرابلم کے متعلق جاننے کے لیے بلایا ہے۔'' اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''مجھ سے اس بارے میں بار بار پوچھ کر مجھے کانٹوں پر مت گھسیٹیں۔ ذلت سے مرجانے کا مقام ہے یہ میرے لیے۔ میرا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ میری ماں آپ لوگوں کی پناہ لینے والی عورت ہے اور میں اس کی بے بس و مجبور بیٹی آپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔'' اس کے اندر تو آگ دہک رہی تھی۔ ایاز اسی لیے تو اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ دن رات کی اذیت عفریت کی طرح اس کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔ وہ کسی اچھے گھرانے کی ہوتی تو وہ کیونکر اسے تنگ کرتا۔

''شٹ اپ کیا بکواس ہے یہ؟ خود ترسی کا یہ کون سا انداز ہے اور یہ بکواس کس نے کی ہے؟'' اس کے الفاظ پر وہ بھی ایک دم غصے سے گویا ہوا تھا۔

''آپ کو اس سے کیا کہ کس نے یہ بکواس کی ہے؟ یہ بکواس محض بکواس تو نہیں ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ خود ترسی کا ایک انداز نہیں وہ سفاک حقیقت ہے جسے ابھی تک میں بھلائے بیٹھی تھی۔ میری ماں محض پناہ حاصل کرنے والی ایک عورت ہے اور میں ان کی بیٹی۔ کسی کے کہنے سے میں یا آپ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ فیکٹ از فیکٹ۔'' مصطفیٰ نے بڑے غصے سے اسے دیکھا۔

''کیا کہا ہے اس نے آج؟'' اس کے لب و لہجے میں اک آگ سی در آئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا اس کے رونے کی وجہ۔

''ایک غلیظ انسان کی غلاظت کی آخری حد کیا ہوسکتی ہے بھلا؟'' وہ روبرو بولی تھی اور مصطفیٰ کئی ثانیے تک گم صم کھڑا رہ گیا تھا اور پھر کچھ سوچتے اس نے خود کو پرسکون کیا۔

''اتنی ٹینشن کس چیز کی لے رہی ہو تم؟ تم نے اپنا مسئلہ مجھ سے ڈسکس کردیا مطلب اب یہ میرا ہیڈک ہے۔ تم پرسکون رہو اور پریشان نہ ہو چند دن اس کی بدتمیزیاں چپ چاپ سہہ جاؤ، پھر سب نارمل ہوجائے گا پرامس...... وہ اب کچھ نہیں کہے گا اور نہ ہی کرے گا۔'' وہ انگاروں پر لوٹ گئی۔

''اتنا آسان ہے نا۔''

"جب اعتبار کیا ہے تو مکمل کرو یہ بے اعتمادی کیوں بھلا؟ کہنا اب یہ میرا مسئلہ ہے اور ادھر آرام سے بیٹھ کر مجھے بتاؤ کہ اس نے آج کیا بکواس کی ہے؟" وہ اسے اشارہ کرتے خود بھی بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھی بیٹھ کر دھیرے دھیرے سب بتانے لگی۔ ساری بات سننے کے بعد اسے اپنا خون کھولتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس حد تک چلا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک بے حس وحرکت بیٹھا رہا تھا اور شہوار سر جھکائے شرم وندامت سے مر جانے کو تھی۔

"شہوار بی بی آپ کا فون ہے؟" دونوں بغیر ایک دوسرے سے نظریں ملائے سر جھکائے اسی طرح گم صم اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھے جب ملازمہ کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔ شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رخشندہ اس کا موبائل تھامے کھڑی تھی۔ جو مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے موبائل لے کر اسکرین پر نظر ڈالی۔ حویلی سے کال تھی۔ یقیناً تابندہ بی تھیں۔

"السلام علیکم!" اپنی آواز کو بحال کر کے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"وعلیکم السلام کدھر تھیں۔ میں کتنی دیر سے کال کر رہی تھی۔"

"موبائل روم میں تھا۔ بس پتا نہیں چلا۔" مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ لب ولہجے سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ دوسری طرف کون ہے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں آپ ٹھیک ہیں نا اور بابا صاحب کیسے ہیں؟" مصطفیٰ ریلیکس ہو کر کرسی کی پشت گاہ سے کمر ٹکا کر سیدھا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں اور بابا صاحب بھی' مجھے تم سے بات کرنی تھی۔ آج بھابی بیگم کی دو دفعہ کال آچکی ہے وہ مجھ سے میرا جواب مانگ رہی ہیں۔ تم جانتی ہو مجھے کوئی انکار نہیں صرف تمہاری وجہ سے انہیں ٹال رہی ہوں۔ اب بتاؤ کیا سوچا ہے تم نے۔ میں بھابی کو ہاں کہہ دوں۔" اس نے گھبرا کر نگاہ اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا اس کا دل عجب انداز میں دھڑکنے لگا۔ اسے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ ایک دم جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کو پہلے بھی منع کر چکی ہوں اب بھی انکار ہے۔" وہ ایک دم وہاں سے ہٹ کر قدرے فاصلے پر آرکی تھی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو' مصطفیٰ سے بہتر تمہیں عمر بھر کوئی رشتا نہیں ملنے والا۔" دوسری طرف سے انہوں نے خاصا ناراض ہو کر کہا تھا۔

"پاگل پن کی بات نہیں امی یہ' مصطفیٰ آخری فرد تو نہیں ہیں امی یہ خاصا بے جوڑ تعلق ہے۔ پہلے ہی دنیا اس کے گھر رہ کر ان کے ٹکڑوں پر پلنے کے طعنے دیتی ہے اور مزید نجانے کیا کیا سننا پڑ جائے۔ سوری امی مجھے اپنی کردار کشی قطعی قبول نہیں۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ میں انکار نہیں کروں گی کان کھول کر سن لو۔ میں ایک عمر گزار چکی ہوں ہر طرح کے لوگ اور رویوں کو جھیل چکی ہوں تم ابھی بچی ہو' میں نے تم سے خوامخواہ میں پوچھ لیا تھا۔ چاہیے تو مجھے یہ تھا کہ ڈائریکٹ بھابی کو ہاں کرتی جواب بھی کروں گی۔ تم اپنا بھلا نہیں سوچ سمجھ رہی تو میں احمق نہیں جو تمہیں کنوئیں میں چھلانگ لگاتے دیکھتی رہوں۔ میں آج بھابی کو ہاں کہہ رہی ہوں۔ اب میں بھابی بیگم کو جلد از جلد اس رشتے کو کسی نام سے منسوب کرنے پر زور دوں گی۔" ان کا انداز کیسا اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ شہوار نے بے چارگی سے موبائل کو دیکھا لائن کٹ چکی تھی۔

"کیا بات ہے معلوم ہوتا ہے بوا۔ جی سے کوئی بحث چل رہی تھی تمہاری۔" اسے کتنی دیر تک اپنی جگہ سے ہلتے نہ پا کر وہ خود ہی اٹھ کر اس کی طرف چلا آیا تھا۔

حنا کنول

ڈیئر قارئین کرام اینڈ فرینڈز! السلام علیکم: مجھ سے ملیے میں ہوں حنا کنول گھر والے پیار سے مجھے چندا کہتے اور میری امی جان مجھے چاندی کہتی تھیں۔ میں 28 دسمبر کو ملتان میں پیدا ہوئی لیکن ابو جی کے کاروبار کی وجہ سے پیارے شہر حویلی لکھا میں رہتے ہیں۔ ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں درمیان میں ہوئی اور فائدے میں بھی کیونکہ میں اپنی امی کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اس لیے کہا کیونکہ میری امی جان میری دوست آج سے تین سال پہلے 24 فروری کو اپنی لاڈلی کو چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس جا چکی ہیں۔ آپ سب دعا کریں کہ اللہ میری پیاری امی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ابو جی کا سایہ تا قیامت ہم پر قائم رکھے آمین۔ میری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ بہت حساس ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ میں ایک اچھی بیٹی' اچھی بہن' اچھی نند اور ایک اچھی دوست ہوں۔ میری بہت سی دوست ہیں جن میں کوثر اقبال' ناصرہ احمد' صدیقہ فاطمہ' حنا شاہ' قیصرہ خان' فوزیہ اکبر شاہ' بلی' تنزیلہ میری بھابی اور مرزا فرخ بیگ میرے بھائی شامل ہیں۔ میرے بھائی کہتے ہیں کہ چندا تم جس دن اداس ہو کر بات کرتی ہو تو میرا سارا دن اداس گزرتا ہے۔ میرا پسندیدہ کلر بلیک ہے کھانے میں چاول' سبزیوں میں کریلے اور پھلوں میں آم اور کیلا پسند ہیں۔ خوشبو صرف DOIT۔ محبتیں تلاش کرتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے ساری دنیا کو اپنا بنالوں۔ قرآن مجید میری پسندیدہ کتاب ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں اپنے ابو جی کے ساتھ حج یا عمرہ کروں اور سارے جہاں کی خوشیاں اپنی بہن عروج کے لیے خرید لوں (کاش ایسا ہوتا)۔ میں چار رسالے لیتی ہوں جن میں آنچل' شعاع' کرن اور پاکیزہ شامل ہیں لیکن آنچل از بیسٹ لیکن بہت کوشش کر کے آنچل میں کبھی لکھ پاتی ہوں کیونکہ ابو جی نے مجھے اسکول بنا کر دیا ہے۔ جو میری امی جی کے نام پر ہے۔ جہاں میں بطور پرنسپل اپنے فرائض انجام دینے میں مصروف رہتی ہوں۔ ڈیئر فرینڈز تعارف کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا۔ اس لیے اب اجازت چاہوں گی۔ اس دعا کے ساتھ ہمارا آنچل دن دگنی اور رات چگنی ترقی کرے آمین اور آپ سب خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں کیونکہ زندگی بہت کم ہے کوشش کریں کہ ہنستے ہوئے کٹ جائے زندگی کا سفر۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ

"کوئی بحث نہیں چل رہی تھی۔" بڑی تلخی سے کہہ کر وہ خاصے ناراض تاثرات لیے تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ نے حیرت سے اس کا ری ایکشن نوٹ کیا تھا۔

"بڑی لمبی نشست جمی تمہاری مصطفیٰ شاہ زیب علی کے ساتھ۔ ویسے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے۔" عادلہ بھابی کے کافی تیکھے لب ولہجے سے بجے الفاظ نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔ وہ راہداری میں ہی رک گئی تھی۔ انہوں نے بڑے تمسخرانہ تاثرات لیے اسے دیکھا تھا۔ وہ چند قدموں کے فاصلے پر تھیں۔

"آپ سے مطلب؟" وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ ایک دم تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بولی تھی۔ عادلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یعنی ہماری بلی ہمی کو میاؤں۔" اس کا انداز تضحیک آمیز تھا۔ وہ جھلس کر رہ گئی۔

"میں آپ کے سامنے کسی بات کی جواب دہ نہیں ہوں۔ ہٹیں سامنے سے۔" وہ بھی غصے سے جوابی کارروائی کر رہی تھی۔ وہ کیوں لحاظ کرتی' ان کا بھائی ہر حد پار کرتا جا رہا تھا۔ پھر وہ کیوں لحاظ کرتی۔

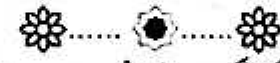
"ہماری پیاری بنو دھیرج سے' سکون سے مانا کہ مصطفیٰ کے لیے تمہارا پروپوزل دیا گیا ہے مگر یہ ذہن میں رکھو صرف پروپوزل دیا گیا ہے مصطفیٰ شاہ زیب کی زندگی میں تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیاں داخل ہونے لگیں تو پھر ایسے ویسوں کی تو

امید ہی نہیں رکھنی چاہیے۔'' انہوں نے گویا اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

''عادلہ بھابی پلیز حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ میں ہمیشہ آپ کے طنزیہ جملے برداشت کرلیتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی زرخرید ہوں میری اپنی ایک سیلف رسپیکٹ ہے۔'' آج تو اس کی گویا برداشت کی ساری حدیں ہی ختم ہوگئی تھیں۔ عادلہ نے بہت تعجب سے اسے دیکھا آج وہ بہت بدلی بدلی محسوس ہوئی ناقابل فہم ان کے منہ پر دوٹوک جواب دیتی۔ خاصی بدلحاظ بھی۔

''اور مجھے اپنی اوقات' اپنا مقام بہت اچھی طرح ازبر ہے آپ خدارا بار بار مجھے یہ مت احساس دلایا کریں کہ میں اس گھر کے ٹکڑوں پر پلنے والی دو ٹکے کی لڑکی ہوں میں جو بھی ہوں مجھے اچھی طرح علم ہے۔'' وہ اس قدر غصے سے بولی تھی کہ اس کے پیچھے آتے مصطفیٰ کے قدم راہداری میں ہی ٹھٹک گئے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' شہوار کے الفاظ اور عادلہ بھابی کی موجودگی اسے ایک پل لگا تھا صورت حال سمجھنے میں۔ شہوار اس کی آواز سن کر سن رہ گئی اور پھر احساس توہین سے اسے اپنا چہرہ جھلستا محسوس ہوا۔ یعنی یہ شخص سب سن چکا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ بغیر رکے بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لپکی تھی۔ عادلہ بھابی کے چہرے پر بڑی فاتحانہ قسم کی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اس ساری صورت حال پر مصطفیٰ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ شہوار کیوں اتنی تلخ ہو رہی ہے۔



آج کالج میں دونوں کا دن اچھا خاصا خوشگوار گزرا تھا۔ شہوار بہت خوش تھی اور اس کی خوشی اس کے چہرے سے صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ انا گاہے بگاہے اسے خوش دیکھ کر مسکراتی رہی تھی۔

آج سارا دن انہیں ایاز عبدالقیوم نظر نہیں آیا تھا۔ ایاز اس کے اعصاب پر مسلسل ایک خوف کی طرح چھایا رہتا تھا جسے آج نہ دیکھ کر اندر ایک طمانیت کا احساس جاگا تھا۔ آج دونوں کتنے دنوں بعد کنٹین کی طرف آئی تھیں۔ یہ جگہ ایاز اور اس کے چیلوں کا مرکز تھی سو شہوار اس طرف قدم رکھنے سے گریز ہی کرتی تھی۔ دونوں نے کنٹین آکر گرما گرم سموسوں کے ساتھ چائے کا آرڈر کیا تھا۔

''تم سناؤ احسن بھائی کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں۔''

''ماما اور روشی ہی سب دیکھ رہی ہیں۔ ہاں چھٹی والے دن روشی کی ہیلپ میں کردیتی ہوں تو ماما کو کچھ فری ہینڈ ملتا ہے۔ ڈریسز سارے کے سارے ماما کے بوتیک سے آرڈر پر بنوائے گئے ہیں۔ ہاں ابھی ویڈنگ ڈریس باقی ہے۔ باقی تیاریاں بھی بس سو سو ہیں۔'' تبھی کنٹین کا ورکران کا آرڈر سرو کر گیا تھا۔

''ہیلو' کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' انا اور شہوار دونوں نے چونک کر آنے والی ہستی کو دیکھا۔ اچھی خاصی پیاری لڑکی تھی۔ اک ادا سے بالوں کو جھٹکتے ان کے قریب ٹیبل کے پاس کھڑی اجازت طلب کررہی تھی۔

''سوری' آئی ڈونٹ نو...... ہو آر یو؟'' انا نے صاف چٹا چٹ جواب دیا تھا۔ لڑکی مسکرادی جبکہ شہوار خاموشی سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ کالج میں آج سے پہلے انہوں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔

''شفق مرتضیٰ' نیو کمر آف دس کالج۔ اسلام آباد سے مائیگریٹ ہو کر ادھر آئی ہوں۔'' وہ کھڑے کھڑے ہی اپنا تعارف کروا رہی تھی۔

''اصل میں ساری ٹیبلز فل ہیں جو چند ایک ہیں وہ خالی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اکیلے بیٹھنے کی بجائے کیوں نہ کسی کی کمپنی کو انجوائے کرلیا جائے۔'' شکل و انداز سے وہ خاصی ماڈرن لگی تھی۔ کمال کی ڈریسنگ اور میک اپ کا ذوق تھا مگر

جنوری 2013ء

کل یکم جنوری ہے
اور اس کے بعد 365 دن کا بھرا پُرا سال
اپنے بوجھل دل کو جوان کرلو
امیدوں کو پھر سے ہرا کرلو
365 دنوں میں اک پل' اک گھڑی' اک دن
ایسا بھی ہوسکتا ہے
جو ہر زخم کا مداوا بن جائے
دل کی بنجر زمین کو ہرا بھرا کردے

کہ زندگی اک روشنی
اک امید سے عبارت رہتی ہے دم آخر تک
امیدوں کو ہرا کرلو
آنکھوں کو سپنوں سے روشن کرلو
اپنے دل کو جوان کرلو
یہی زیر لب دہراتی ہے
آخر بھیگی شام
''دسمبر'' کی

شگفتہ خان...... بھلوال

اس کے برعکس گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی۔

''اوکے' اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں کہیں بھی بیٹھ جاتی ہوں۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔'' وہ پلٹی تھی شہوار کو اپنی اور انا کی بداخلاقی بری لگی۔

''سنیں......! آپ ہمیں جوائن کرسکتی ہیں۔ اس کے کہنے پر مسکرا کر بیٹھ گئی تھی۔

''تھینکس۔'' انا نے بڑی کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آپ یہ سموسے لیں نا؟'' شہوار کی اخلاقیات عروج پر تھی۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''وائے نات۔'' وہ لڑکی بھی گویا آفر کی منتظر تھی۔ شہوار کی پلیٹ سے سموسہ اٹھا کر آرام سے کھانے لگی تھی۔

''آپ دونوں فرینڈز ہیں؟'' بڑی بے تکلفی سے پوچھا تھا۔

''یس۔'' انا نے سنجیدگی سے کہہ کر اپنی پلیٹ بھی اس کی طرف کھسکا دی تھی۔

''تھینکس مجھے سموسے بہت پسند ہیں۔'' انا خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی اسے دیکھے گئی۔

''آپ دونوں نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟'' انا کے سنجیدہ چہرے پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالتے اس نے پھر شہوار کو دیکھا۔

''ہم دونوں فرینڈ ہیں۔ فورتھ ایئر میں ہیں' میرا نام شہوار سکندر ہے اور یہ انا وقار احمد ہیں۔'' شہوار نے سلیقے سے بتایا۔

''ویری نائس' آپ دونوں کی طرح نام بھی بہت پیارے ہیں۔'' اس نے برملا تعریف کی تھی۔

''آپ کس ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہیں۔'' انا کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

''میں سیکنڈ ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہوں۔ آپ مجھ سے دو سال سینئر ہیں نا۔'' اس نے کہا تو شہوار نے بھی بغور دیکھا۔ لڑکی بلا کی خوب صورت تھی۔

''آپ مائیگریٹ ہو کر یہاں کیوں آئی ہیں۔'' اس نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''مجھے ڈاکٹری واکٹری سے کوئی دلچسپی نہیں بس مارے باندھے اس میں داخلہ لیا ہے۔ دو سال سے سیکنڈ ایئر میں ٹکی ہوئی ہوں۔ فادر کا ٹرانسفر ادھر ہوگیا تو پوری فیملی کو بھی یہاں شفٹ ہونا پڑا ہے۔ میرے والد میڈیسن کی بہت نامی گرامی شخصیت ہیں۔'' وہ لڑکی بڑی باتونی تھی۔ انا نے گھڑی دیکھی اور پھر شہوار کو۔

''سرزیدی کا پیریڈ شروع ہورہا ہے۔ آج تو پریزینٹیشن ہے نا اور اس کے بعد اسپتال کا وزٹ۔ چلیں ہال تک پہنچتے ہوئے بھی پانچ منٹ لگ جاتے ہیں۔'' شہوار بھی گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''او کے شفق ہم چلتے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

''می ٹو۔'' دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہال کی طرف آ گئی تھیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس لڑکی کے بارے میں؟'' کچھ دور آنے کے بعد انا نے پوچھا۔

''اچھی ہے۔''

''اچھی ہی نہیں' خاصی بولڈ' باتونی اور چالاک بھی ہے۔'' انا نے منہ بنایا تو شہوار ہنس دی۔

''تمہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہونا چاہیے تھا خاصی مشکوک فطرت رکھتی ہو۔''

''پولیس سے مجھے یاد آیا کل وہ ایاز کیا بکواس کر رہا تھا۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی والے معاملے پر۔ تم نے بھی ذکر نہیں کیا۔ کیا اس کے ساتھ گاؤں گئی تھیں۔'' انا فوراً یاد آنے پر پوچھ رہی تھی۔ ایاز کے ذکر پر شہوار کے اعصاب بڑی بڑی طرح چٹخے تھے۔

''خدا کے لیے انا اگر وہ شخص آج نہیں آیا تو اس کا ذکر کر کے تو موڈ خراب مت کرو۔'' اس نے بڑی خفگی سے اسے گھورا تو وہ ہنس دی۔

''او کے نہیں کرتی اس کا ذکر مگر یہ مصطفیٰ شاہ زیب علی کا کیا ذکر ہے؟'' وہ باز نہ آئی تھی۔

''کچھ نہیں' مصطفیٰ مجھے اور آنٹی کو لے کر گاؤں گیا تھا۔ انکل کا کوئی ضروری کام تھا وہاں اسی سلسلے میں۔ ساتھ ہمیں بھی لے گیا تھا۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''تم نے پریزینٹیشن ریڈی کرلی ہے اور سر یوسف والے اسائنمنٹ کا کیا رہا؟'' اس نے فوراً بات پلٹی تھی۔ اس کے بعد ہال پہنچنے تک دونوں اسی ٹاپک کو ڈسکس کرتی رہی تھیں۔ لیکچر اور وزٹ کے بعد دونوں اکٹھی ہی گیٹ تک آئی تھیں۔

شہوار نے نگاہ دوڑائی پارکنگ میں اس کی گاڑی نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ ابھی اسے ڈرائیور لینے نہیں آیا۔ وہ ادھر اُدھر دیکھتی نگاہ واپس پلٹ رہی تھی کہ اس کی نظر ایک نہایت وجیہہ' دراز قامت' سوٹڈ بوٹڈ خوش شکل نوجوان پر ٹھہر گئی تھی۔ جوان کے پاس آ کر رکا تھا اور اسے دیکھتے ہی انا گڑبڑائی تھی۔

''ارے آپ۔''

''السلام علیکم! آنے والے نے بڑی گرم جوشی سے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے پرشوق نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گھبرائی گھبرائی سی انا کو۔

''میں تمہیں لینے آیا تھا۔'' وہ انا سے مخاطب تھا۔

''ڈرائیور کہاں ہے؟ آپ نے بھلا کیوں زحمت کی؟'' انا کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا۔ ولید نے اسے گھور کر شہوار کی طرف دیکھا۔

''آپ یقیناً شہوار ہیں؟''

''جی' مگر معذرت چاہتی ہوں میں شناسائی کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرسکتی۔ آپ کون......؟'' انا کا ارادہ تعارف کروانے والا قطعی نہ تھا۔ وہ تو آنے والی صورت حال کا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ ولید اس کو مسلسل نظر انداز کرنے کے بعد اب یہ راستہ اپنا رہا تھا۔ یقیناً اگلا لمحہ اس کے لیے خاصا مشکل تھا۔

دسمبر سو گیا ہے

اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے ہوئے کچھ پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقیں اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یوں ہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے کے نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگتی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب تک ہمیں شب کو جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پہ اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو' چاندنی' تارے' صبا' رستے' گھٹا' کاجل' محبت' چاندنی' شبنم' ہوائیں' رات' دن' بادل
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پر یادوں کے
جو پتے تھے سنہرے ہوگئے ہیں
اسے کہنا دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے

کتاب (دل درد کا ٹکڑا ہے)
شاعر: ارشد ملک

''ولید ضیاء احمد' انا کا ماموں زاد۔'' تعارف اتنا مکمل تھا کہ شہوار کو مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ انا کی ساری فیملی سے غائبانہ طور پر متعارف تھی۔ شاید اسی طرح ولید بھی تھا۔ انداز تو یہی بتا رہا تھا۔

''اوہ' کیسے ہیں آپ؟ روشی کیسی ہے؟'' اس نے اخلاق نبھایا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے ٹھیک ٹھاک ہیں اور روشی بھی۔'' پھر اس نے انا کی طرف چہرہ کیا۔

''ڈرائیور روشی کو لے کر پھوپو کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا ہوا ہے۔ احسن بزی تھا سو مجھے ہی تمہیں پک کرنے کی زحمت اٹھانا پڑی۔'' انا کے گھبرائے گھبرائے انداز کو نظر انداز کرتے اس نے اپنی آمد کی وضاحت کی تھی۔

''اوہ......!'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیا خیال ہے چلیں۔'' اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔ مسکرا کر سامنے دیکھا تو الجھ گئی۔ پارکنگ میں ایاز عبدالقیوم کی ''زیرو میٹر'' کھڑی تھی۔ وہ آج سارا دن دکھائی نہ دیا تھا مگر گاڑی موجود تھی۔ اگر اس نے ایک دو بار خود اپنی آنکھوں سے اسے اس گاڑی سے نکلتے نہ دیکھا ہوتا تو اور بات تھی مگر وہ کالج میں نہیں تھا۔ اب شہوار کو تنہا چھوڑ کر جانے کو اس کا دل نہ مانا۔

''شہوار کا ڈرائیور نہیں آیا ابھی وہ آجائے تو پھر چلتے ہیں۔ آپ بے شک گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرلیں۔'' انا کے سنجیدہ انداز پر ولید نے کہا۔

''شہوار بھی ہمارے ساتھ آجائے ہم ڈراپ کردیں گے۔''

''نہیں میں ویٹ کرلیتی ہوں آپ دونوں زحمت نہ کریں۔ ڈرائیور بس آنے ہی والا ہوگا۔'' اس نے فوراً انکار کیا تھا۔

''ہمیں قطعی کوئی زحمت نہیں ہوگی اگر ہم ڈراپ کردیں گے دوسری صورت میں ہم ویٹ کرلیتے ہیں ڈرائیور کے

آنے تک۔" ولید نے دونوں کو بغور دیکھا۔ انا کے انداز سے واضح ہوگیا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور شہوار ان کے ساتھ......!

"او کے میں ویٹ کرلیتا ہوں۔" وہ واپس اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔

"تم نے خوامخواہ میں زحمت دی۔" شہوار کو اچھا نہیں لگا تھا۔ گیٹ پر کھڑے رہنا بھی مناسب نہ لگا تو دونوں نے واپس اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

"کوئی زحمت نہیں تم فون کر کے اپنے ڈرائیور کا پتا کرو وہ کہاں ہے آرہا ہے یا نہیں ورنہ ہم ڈراپ کردیں گے۔" وہ دونوں واپس اندر چلی آئی تھیں۔ بات معقول تھی شہوار نے بیگ سے سیل نکال کر کال ملائی۔ جو ڈرائیور نے فوراً پک کرلی تھی۔

"کہاں ہو تم، میں کتنی دیر سے گیٹ پر کھڑی ویٹ کررہی ہوں کیا ٹائم بھول گئے ہو؟"

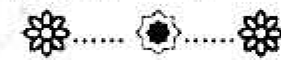
"نہیں بی بی جی مصطفیٰ صاحب نے فون کر کے اپنے آفس بلا لیا تھا آپ بس پانچ منٹ انتظار کریں میں پہنچ رہا ہوں۔"

"مصطفیٰ نے کیوں بلوالیا تھا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"بس بی بی جی، ویسے ہی بلوالیا تھا۔ ہدایت دینے کو۔" صاف لگا تھا کہ وہ اسے ٹال گیا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے فوراً پہنچو۔" اس نے تحکم بھرے انداز میں کہتے کال ڈراپ کردی تھی۔

"پانچ منٹ میں پہنچنے کا کہہ رہا ہے۔" انا کو بتا کر اس نے موبائل فون بیگ میں ڈالا تھا۔



"ہاں تو اب فرمایئے انا وقار احمد صاحبہ، اتنے دنوں تک مجھ سے چھپنے کی ناکام سی کوشش کے پیچھے کیا وجہ کارفرما تھی؟" شہوار کو رخصت کرنے کے بعد وہ خود بھی گاڑی میں آبیٹھی تھی۔ گاڑی جیسے ہی کالج کی حدود سے باہر نکلی اس نے براہ راست اس سے سوال کیا۔ انا اس جملے پر سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

"کوئی وجہ نہیں......اور میں کیوں بھلا چھپنے لگی۔ بس اسٹڈی میں بزی تھی۔"

"ہاں تو یہی سوچ سوچ کر میں حیران ہوتا رہا۔ تم ٹارزن کی جانشیں بھلا کیوں مجھ سے ڈر کر چھپنے لگیں۔ پچھلے دنوں کوئی مسئلہ تو رہا ہوگا جو مجھ سے پہلوتہی کرنے کا سبب بنا ہوگا۔ میں سوچ سوچ کر الجھا کہ میں نے تمہیں کبھی ماضی میں ایسا کیا ادھار دے رکھا ہے۔ جس کا تقاضا اب میری طرف سے ہو رہا ہے اور تم دینے کی اہلیت نہیں رکھتیں اور شاید یہی بات مجھ سے چھپنے کی وجہ بن رہی ہے۔" بڑے سبھاؤ اور ٹھنڈے ٹھار لہجے میں وہ طنز کررہا تھا۔ انا نے ہونٹ دانت تلے دبا کر کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ بڑی سبک خرامی اور محتاط روی سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا۔

خوب صورت مردانہ خدوخال میں طنز کی آمیزش تھی۔ اس کے گہرے سیاہ بال اس کی کشادہ پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ مضبوط توانا ہاتھوں کی گرفت اسٹیرنگ پر تھی۔ گندمی خوب صورت ہاتھوں کی رگیں نمایاں تھیں۔

"یہ ہاتھ کسی کے گرد تحفظ کا حصار باندھتے کیسے لگتے ہوں گے۔" اس کے اندر کی شوریدہ سری نے بھونچال پیدا کردیا تھا۔ گہری مقناطیسی آنکھیں اپنے اندر عجب مقناطیسیت لیے ہوئے تھیں۔ اسے لگا یہ مقناطیسیت اسے اپنی طرف شدت سے کھینچ رہی ہے۔ خوب صورت بھرپور چہرے کی سرخی بہت نمایاں تھی۔ انا کو اپنا دل اپنی کنپٹیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ نجانے کیوں وہ اس شخص کے سامنے اس قدر بے بس ہوجاتی تھی۔

"ہے آپ کے پاس میرے اس سوال کا جواب محترمہ انا وقار احمد صاحبہ۔" وہی ٹھنڈا میٹھا انداز جو اس کے اعصاب کو

عجب خود فراموشی کی کیفیت میں جکڑ لیتا تھا۔

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے اپنے اعصاب پر قابو پانا چاہا۔

"بے وقوف نہیں ہوں میں اور نہ ہی مجھے اول فول بکنے کی عادت ہے؟" اس نے برا مناتے اسے گھورا تو بے اختیار انا کی ہنسی بکھر گئی۔

"مائی گاڈ، میں کب آپ کو بے وقوف کہہ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ آپ تو خاصے لائق فائق سمجھ دار ہیں۔" آخر میں شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھا اس نے بنا اس کی طرف دیکھے گاڑی ایک مشہور و معروف ہوٹل کی پارکنگ کی طرف موڑ لی۔

"خیریت، ادھر کیوں چلے آئے گھر نہیں جانا کیا؟"

"محترمہ میرا موڈ کسی بہت اچھی جگہ بیٹھ کر پیٹ پوجا کرنے کا ہو رہا ہے۔" گاڑی پارک کر کے اس نے اگنیشن میں سے چابی کھینچی۔

"مگر ہم گھر جا کر بھی تو لنچ کرسکتے تھے نا۔" وہ تھوڑا سا جھجکی۔

"گھر میں آپ شاید بھول رہی ہیں کہ صغریٰ کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا پھوپو اور روشی شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں۔"

"مگر کھانے کے لیے اس نے کچھ نہ کچھ تو تیار کیا ہی ہوگا نا۔" احسن بھائی ضیاء ماموں اور پاپا کے علاوہ یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ کسی اور کے ساتھ کسی جگہ کھانا کھانے آئی تھی۔ اس لیے ولید سے لاکھ انسیت و لگاؤ سہی مگر وہ جھجک سی گئی تھی۔

"نو موراِ ایکسوز پلیز، کم آن۔" وہ اتر گیا تو وہ بھی اپنا بیگ سنبھالتی کتابیں اور فائل پچھلی سیٹ پر رکھ کر نکل آئی تھی۔ قدرے پرسکون گوشے میں ٹیبل سلیکٹ کر کے ولید نے اس کے لیے چیئر کھینچ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

"آج آفس میں کرنے کو کوئی کام نہیں تھا۔ لگتا ہے بہت فارغ ہو کر آئے ہیں۔" اردگرد کا جائزہ لیتے ماحول کمفرٹ ایبل محسوس کر کے وہ بھی ذرا پرسکون ہوئی تھی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، اتنا فارغ تو میں قطعی نہیں ہوں۔ ہزاروں کام توجہ کے منتظر تھے مگر ذرا تمہاری برین واشنگ کا کام زیادہ اہم تھا سو سب چھوڑ کر صرف اس ایک کام کے لیے آنا ہی پڑا۔"

"ہیں، مجھے کیا ہوا ہے؟ بھلا میری برین واشنگ کیوں کریں گے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر فوراً برا مناتے اس نے مینیو کارڈ تھام کر کھول لیا تھا۔ ولید نے بغور دیکھا۔ چادر میں بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے وہ خاصی لاپروا سی لگی۔ ولید نے بھی کارڈ کھول کر مینیو کا جائزہ لیا۔

"کیا کھاؤ گی؟" اس نے ایک سرسری نظر کارڈ پر ڈالتے اس سے پوچھا تو وہ کارڈ بند کر کے کندھے اچکا گئی۔

"آپ لنچ کرا رہے ہیں آپ کی مرضی ہے جو مرضی کھلا دیں۔"

"ویٹر۔" ولید کے اشارے پر ویٹر فوراً حاضر ہوا تھا۔ ولید نے آرڈر نوٹ کرواتے اس سے بھی پوچھا۔

"چکن چیز کھالو گی نا؟" انا نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مزید ایک اور آئٹم لکھوانے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں اب اسٹارٹ ہوجاؤ، کھانا سرو ہونے تک تم اپنی بات آرام سے کرسکتی ہو۔ یاد رکھنا مجھے ٹالنے کی کوشش کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔ تمہیں میری ناراضی کا اندازہ ہے اور نہ ہی میری مستقل مزاجی کا۔ میں جس بات پر ایک دفعہ اڑ جاتا ہوں تو منوائے بغیر چھوڑتا نہیں ہوں۔" انا نے بڑی بے بسی و بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اسے رہ رہ کر ان لمحوں پر افسوس ہوا جب اپنے احساسات و جذبات پر کنٹرول کھو کر اس شخص کے سامنے ترش ہوئی تھی۔

وہ اس شخص کو بتاتی بھی کیا؟ وہ تو خود بھی بے خبر تھی کہ وہ کیسی سرد جنگ کا شکار ہے۔ اس کے احساسات وجذبات کسی انتشار کی زد پر ہیں۔

''ایک معمولی سی بات تھی بس شہوار سے متعلق معمولی سا ڈپریشن تھا۔ ریئلی آپ بار بار ایک ہی بات کر کے مجھے ٹارچر مت کریں۔'' رنجیدگی سے کہتے وہ گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''شہوار سے متعلق ڈپریشن تھا تو بھی بتا دو وجہ کیا ہے؟'' اس کی سنجیدگی میں سر مو فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک دم جھنجلا اٹھی تھی۔

''آپ کو آخر مسئلہ کیا ہے؟ میں جیسا مرضی ری ایکٹ کروں آپ کو تو کچھ نہیں کہہ رہی نا اور پھر شہوار میری دوست ہے۔ دوستوں کی سو باتیں ہوتی ہیں۔ ہر بات بتانے والی بھی نہیں ہوتی۔'' جھنجلا کر کہتے آخر میں وہ خاصی سخت ہوگئی تھی۔

''یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایک دم ہائپر ہونے کی آخر وجہ تو کوئی ہے نا؟ کوئی بھی انسان بغیر کسی وجہ کے ڈپریشن کا شکار ہونے سے رہا۔''

''بال کی کھال اتارنا تو کوئی بس آپ سے سیکھے۔ بس کوئی وجہ نہیں اور یہ قیامت تک طے ہے کہ اگر کوئی معقول وجہ ہوتی بھی تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتی۔'' اس نے کافی نروٹھے پن کا مظاہرہ کیا تھا وہ خاصی دیر تک بغور دیکھتا رہا۔

''چلو مجھ سے نہ سہی روشی سے تو ذکر کر ہی سکتی ہو نا۔''

''ہاں ضرور اگر واقعی کوئی وجہ ہوئی تو......!'' وہ بمشکل اپنے مزاج ولہجے پر قابو پاتے اس شخص سے مسلسل ہونے والی بحث کو تحمل سے سہہ جانے پر مجبور تھی۔ ورنہ ضبط تو بار بار جواب دے رہا تھا۔

''پلیز اب اس ٹاپک پر مزید ایک لفظ بھی نہ کہیے گا۔ اتنے مسحور کن ماحول میں آپ نے یہی بورنگ ٹاپک ڈسکس کرنا ہے تو میں ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر اٹھ کر چلی جاؤں گی۔'' چٹختے لب ولہجے میں کہتے اس نے وارننگ دی تھی۔ لہجہ و انداز قطعی سنجیدہ تھا۔ ولید نے بغور دیکھا اور پھر اعصاب کو ڈھیلے انداز میں کرسی پر چھوڑ دیا۔

''اوکے......!'' پھر ہنس دیا۔

''خیر اس قدر خوب صورت ماحول میں کہنے کو اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی ماحول انسان کو اتنا ٹریپ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ مجھ جیسے خشک بورنگ مزاج کے حامل انسان کے منہ سے تم جیسی حسین خاتون سے کوئی لطیف بات کرنے کے لیے الفاظ جاری ہو جائیں گے۔ ویسے اس مسحور کن ماحول میں اس بورنگ ٹاپک کے علاوہ آپ محترمہ اور کیا سننا پسند کریں گی۔'' بظاہر بڑی سنجیدگی میں بڑی غیر سنجیدہ سی بات سن کر انا وقار احمد کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا اور اس کی گھنی دلکش پلکوں کی جھالر خود بخود لرزنے لگی تھی۔

''آپ بھی بس، میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔'' اس نے اپنی بھیگتی ہتھیلیوں کو باہم جکڑا۔

''یونہی تو خیر کوئی بات نہیں ہوتی۔ تم نے کبھی آج تک کسی عمارت کو یونہی بغیر پلر کے کھڑے دیکھا ہے؟ انگریزوں کے ساتھ ایک طویل زندگی گزاری ہے۔ بڑی لوجیکل تھنکنگ کا مالک ہوں۔ تم لاکھ مجھے بنانے کی کوشش کرو مگر بننے والا میں بھی نہیں ہوں۔'' ولید کے ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ کا رقص بڑا دل موہ لینے والا تھا۔ انا کو اپنے کمزور اعصاب پر قابو رکھنا مشکل ہونے لگا۔ اس شخص کی مسکراہٹ کتنی جاندار اور دل موہ لینے والی ہے۔ ویٹر کھانا سرو کرنے لگا تو دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی میں وہ غیر محسوس انداز میں اس شخص کے دلکش چہرے کو تکتی رہی تھی۔

''کھانا شروع کرو۔'' اسے اپنی ہی کسی سوچ میں مگن دیکھ کر ولید نے ٹوکا تو وہ جھنجلا کر خود کو سرزنش کرتے کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''ایک بات کہوں ولی؟'' اس کی ذہنی رو بھٹک چکی تھی اب اس کی ساری توجہ گاہے بگاہے خاموشی سے کھانا کھاتے ولید کی طرف تھی۔

''ہوں۔'' مصروف انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کی سرخی ماند پڑگئی۔ یہ شخص ایک نگاہ ڈالتا ہے تو اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہوتا ہے اور اگر کسی دن اس نے نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت کرلی تو میں تو مر ہی جاؤں گی۔ اس نے اس کی سوالیہ نگاہوں میں دیکھا۔

''آپ کو اپنی زندگی میں آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی جسے دیکھ کر بے اختیار دل نے چاہا ہو کہ کاش اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع مل جائے۔'' بڑے دھیمے اور رک رک کے لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔ بظاہر وہ کھانا کھا رہی تھی۔ مگر مکمل توجہ اس کی طرف تھی جس نے اس سوال پر بڑا حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''اس احمقانہ سوال کا مطلب؟'' انا کو اپنا چہرہ بے تاثر رکھنا بڑا مشکل ہو گیا' وہ لب بھینچ گئی۔ وہ اس وقت حیرت سے اسے بغور دیکھ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ اس کے وجود سے بس جان نکلنے والی ہے۔

''بس یونہی' آپ کو دیکھ کر کر پہلا خیال تو یہی آتا ہے کہ نجانے کتنی مرتی ہوں گی' ویسے بھی سنا ہے فارنر لڑکیاں ایشیائی مردوں کے حسن وجمال پر بہت مرتی ہیں دیوانی ہیں۔'' اپنے آپ کو بحال کرتے اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ اس قدر مسحور کن ماحول میں ایسی بچکانہ بات ولید کا قہقہہ بے ساختہ اور جاندار تھا۔

''اوہ مائی گاڈ۔ زبردست یعنی سیدھے لفظوں میں تم میری وجاہت وحسن کی برملا تعریف کر رہی ہو۔'' پانی کا گھونٹ بھرتے اس نے چھیڑا تو وہ برا مان کر چہرہ جھکا گئی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

''آپ نے سیدھے لفظوں میں جواب نہیں دینا تو مذاق بھی مت اڑائیں۔'' اسے حقیقتاً اس کا مذاق اڑانا بہت برا لگا تھا۔

''ہزاروں مرتی تھیں۔ مگر کیا کریں ہمارے والد صاحب نے ہمارے ذہن میں ایک بات ڈال دی تھی بیٹا باہر جاتے ہوئے آنکھیں اور دل گھر پر رکھ کر جانا۔'' غیر سنجیدگی سے کہے جملے کو سنتے ہوئے انا کا سارا وجود کان بن گیا تھا۔

''کیا آپ کو کبھی کوئی پسند نہ آئی؟'' نجانے اسے اتنی دلچسپی کیوں تھی جاننے کی۔

''اب ایسی بھی بات نہیں۔ بہت سوں نے پیش قدمی بھی کی۔ کچھ بہت اچھی بھی لگیں۔ مگر واہ ری قسمت بابا صاحب کے قائم کیے گئے اصول بہت سخت تھے۔ اگر کہیں دل اٹکا بھی تو لگانے کی نوبت نہ آئی۔'' انداز ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔ انا مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی۔

''کیوں؟'' بہت سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ جیسے دنیا جہاں میں اس سے اہم ٹاپک کوئی نہ ہو۔

''اگر اُدھر دل لگا آتے تو اِدھر آ کر جھک مارتے۔ مادام! بابا نے صاف واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بہو ان کی پسند اور معیار کی ہوگی اور وہ خود منتخب کریں گے۔ بابا کی وارننگ نے سب خواب ملیامیٹ کر دیے۔'' انداز ایسا تھا کہ وہ بھی بے اختیار ہنس دی۔

''کیا وہ بہت پیاری اور خوب صورت تھی؟'' اس کے لہجے میں بے پناہ اشتیاق تھا۔ ولید نے گھورا۔

''کیوں تم نے اس کے حسن کے متعلق قصیدہ لکھنا ہے۔ کھانا کھا لیا ہے تو فٹافٹ اٹھو۔'' انا نے منہ بنا کر سر جھکا لیا۔ اپنی پلیٹ میں موجود کھانا ختم کرتے ہی وہ نیپکین سے ہاتھ صاف کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



قسط نمبر 4

ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

کس قدر انوکھا ہے رابطہ محبت کا
کب نجانے ہوجائے معجزہ محبت کا
اپنی ذات سے بھی وہ اجنبی لگتا ہے
جس کے ساتھ ہوجائے حادثہ محبت کا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہر جاتے وقت مہر النساء تابندہ بوا کو شہوار اور مصطفیٰ کے رشتے کے بارے میں جلد فیصلہ کرنے کو کہتی ہیں ساتھ ہی تاکید کرتی ہیں کہ ہر حال میں ہاں ہونی چاہیے۔ جس پر تابندہ بوا کی غائب دماغی سے سر ہلا دیتی ہیں اور روتے ہوئے شہوار کو رخصت کرتی ہیں۔ راستے میں مصطفیٰ باتوں باتوں میں شہوار سے جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ بوا نے اس سے رشتے کی بات کی یا نہیں مگر شہوار خود کو جان بوجھ کر انجان ظاہر کرتی ہے۔ جس پر مصطفیٰ خاموش ہو کر اپنی توجہ ڈرائیونگ کی جانب مبذول کر لیتا ہے۔ روشی اور انا جب شاپنگ سے لوٹتی ہیں تو سب لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ولی سب کے سامنے انا کو چھیڑتا ہے جس پر غصہ ہو کے وہ واک آؤٹ کر جاتی ہے۔

کالج جاتے وقت مصطفیٰ شہوار کو روک لیتا ہے اور خود اس کے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے جس پر شہوار کافی پزل ہو جاتی ہے اور مصطفیٰ کو منع کرتی ہے مگر وہ اسے ایاز عبدالقیوم کے خلاف ایک اسٹیپ کہہ کے چپ کرا دیتا ہے۔ راستے میں شہوار مصطفیٰ کے سختی سے پوچھنے پر ایاز کی سنگین دھمکیوں کے متعلق اسے آگاہ کرتی ہے۔ جس پر مصطفیٰ آگ بگولا ہو جاتا ہے اور روتی ہوئی شہوار کو تسلی دے کر کالج چھوڑ دیتا ہے۔ دوسری جانب اتنے دن کے بعد کالج حاضری پر انا اس سے کافی ناراض ہوتی ہے۔ جب ہی ایاز عبدالقیوم شہوار کا راستہ روک کر اس سے خوب بدتمیزی کرتا ہے جس پر شہوار اسے کافی سناتی ہے مگر وہ ڈھٹائی سے سب سن کے اسے تنگ کرتا رہتا ہے جس پر جز بز ہو کے شہوار بھاگ جاتی ہے جبکہ انا ایاز کو وارن کرتے ہوئے شہوار کی تلاش میں نکل پڑتی ہے۔ آفس پہنچتے ہی مصطفیٰ امجد کو بلاتا ہے اور اس سے ایاز کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرتا ہے۔ ایاز کا گھناؤنا روپ جاننے کے بعد اسے شہوار کی بہت فکر ہوتی ہے ساتھ ہی حیرانی بھی ہوتی ہے کہ اتنی جلدی امجد نے اتنی معلومات کیسے حاصل کیں جس کے متعلق وہ امجد سے بھی پوچھتا ہے مگر وہ صبر کا کہتا ہے اور انسپکٹر شہناز کو اس کیس میں شامل کرنے کا کہتا ہے جس پر مصطفیٰ شہناز سے مل کر اسے بریف کرتا ہے اور کافی حد تک مطمئن ہو جاتا ہے۔ گھر پہنچ کر مصطفیٰ شہوار کو اپنے کمرے میں بلاتا ہے اور اسے مطمئن رہنے کو کہتا ہے جب ہی تابندہ بوا کی کال آجاتی ہے وہ شہوار کو مصطفیٰ کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس پر شہوار غصہ میں اس بے جوڑ تعلق کے متعلق اول فول بولتی رہتی ہے۔ جس کو سن کر پیچھے کھڑا مصطفیٰ دنگ رہ جاتا ہے۔ وہ اس سے پوچھنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ بنا جواب دیے آگے بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ سامنے سے آتی عادلہ اس پر طنز کے تیر برساتی ہیں مگر آج وہ بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر انہیں جواب دے کے چلی جاتی ہے۔ کالج میں ایاز کی غیر حاضری سے انا اور شہوار دونوں کافی پرسکون دکھائی دیتی ہیں واپسی میں ولید انا کو لینے آتا ہے اور اسے گھر کی بجائے قریبی ریسٹورنٹ میں لے جاتا ہے اور اس سے اس کی پریشانی کے بابت پوچھتا ہے۔ جسے

ہمیشہ کی طرح ٹال جاتی ہے۔ کھانے کے دوران وہ اس سے محبت کے بارے میں پوچھتی ہے مگر اس کا انکار سن کر اسے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا خوبرو و دل کش نوجوان اب تک محبت کے جذبے سے ناآشنا ہے ساتھ ہی اس کی اپنے بابا کی پسند پر سر جھکانے والی تابعداری اسے کافی پسند آئی اور وہ اس ہی کو سوچنے میں مگن ہوتی ہے کہ ولید گھر چلنے کا کہتا ہے جس پر وہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیں)

❁......❁......❁

وہ آفس سے نکل رہا تھا جب اس کے موبائل پر حویلی سے کال آگئی تھی۔

''السلا علیکم!''

''وعلیکم السلام کیسے ہو مصطفیٰ بیٹا؟'' دوسری طرف تابندہ بی تھیں۔

''الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک اے ون...... آپ سنائیں کیسی ہیں اور بابا صاحب کیسے ہیں؟'' تابندہ بی کی کال پر حیرت زدہ ہوتا گاڑی میں آ بیٹھا۔ آج تک تابندہ بی کو براہ راست اس کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی تھی۔ نجانے آج انہوں نے یہ زحمت کیوں کر ڈالی۔

''میں ٹھیک ہوں' بابا صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے بتایا تو ہیڈ فون سیٹ کرتے وہ ٹھٹکا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' ہیڈ فون کانوں سے لگا کر موبائل جیب میں ڈالتے کچھ تفکر سے پوچھتے اس نے گاڑی کے اگنیشن میں چابی گھمائی تھی۔

''تمہیں پتا ہو شاید وہ اکثر خواب وغیرہ کے کسی سلسلے سے پریشان رہتے ہیں جب بھی وہ کوئی خواب دیکھتے ہیں تو کتنے دن تک گم صم اپنے کمرے میں بند ہو جاتے ہیں۔ پرسوں رات بھی کوئی ایسا خواب دیکھا تھا۔ تب سے وہ کمرے میں بند ہیں۔'' انہوں نے بتایا تو گاڑی ڈرائیو کرتے وہ خاصا چونک گیا۔

''ہاں جانتا تو میں بھی ہوں' بھلا ان خوابوں کی کیا حقیقت ہے؟ وہ ایسی کنڈیشن میں کیوں چلے جاتے ہیں؟ کبھی کسی سائیکاٹرسٹ سے بھی کنسلٹ کیا؟ کبھی کسی کو بتایا انہوں نے کہ کس قسم کے خواب آتے ہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا اس کے لہجے میں ان کے لیے تشویش تھی۔

''شروع میں کبھی کبھار ایک دو دفعہ رات میں چیخ کر ڈر کر اٹھ جاتے تھے اور جب یہ سلسلہ چل نکلا تو ایک بار شاہزیب بھائی ان کو سائیکاٹرسٹ کے پاس شہر لے آئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ نے ساری سچویشن اور خوابوں کی نوعیت جاننے کے بعد یہی کہا تھا کہ ان کے لاشعور میں ان کی ذات کی ایک بہت بڑی گرہ ہے جو کھلنے میں نہیں آرہی اور اب خوابوں کا روپ دھارے انہیں پریشان کرتی ہے۔ انہوں نے مسلسل وزٹ کا مشورہ دیا تھا مگر بابا صاحب پھر دوبارہ سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے پر راضی نا ہوئے۔ پہلے تو وہ صرف پریشان ہوتے تھے اب تو خاصے بیمار اور ایبنارمل ری ایکٹ کرنے لگے ہیں مگر اس کے باوجود کسی ڈاکٹر یا ماہر نفسیات سے ملنے پر راضی نہیں ہوتے۔''

''اوہ آئی سی' یہ تو بہت کریٹیکل کنڈیشن ہے بوا جی انہوں نے کبھی کسی کو بتایا بھی نہیں کہ ان کے لاشعور میں ایسا کیا واقعہ ہے جو اس طرح کی سچویشن اختیار کر گیا ہے۔ تھوڑا بہت تو بتایا ہی ہوگا۔''

''نہیں' جب سے میں اس حویلی میں ہوں میں دیکھتی آئی ہوں کہ وہ اپنی ذات میں مگن رہنے والے اور تنہائی پسند انسان رہے ہیں۔ بھابی بیگم اور دیگر لوگ بھی بتاتے ہیں وہ شروع سے ہی ایسے ہیں۔ اکثر ڈپریشن کا شکار ہو جاتے تو کئی کئی دن تک سب سے کٹ کر الگ تھلگ ہو جاتے اور پھر خود بخود نارمل ہو جاتے تھے۔ ایسی صورتِ حال تب سے ہے جب بابا صاحب کی ساری اولاد بہت چھوٹی اور کم عمر تھی۔ جتنا عرصہ وہ باہر رہے ہیں یہ صورتِ حال رہی۔ پاکستان میں سیٹل ہونے کے باوجود اور تمام بچوں کی شادیاں کر دینے' بیوی کی وفات کے بعد تو اور تنہا ہو گئے تھے۔ بھابی بیگم بتاتی ہیں کہ وہ شروع سے ایسے ہی ہیں انہیں زمین جائیداد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بڑے بھائیوں کی وفات کے بعد بابا صاحب پر جب ذمہ داری پڑی تو انہوں نے یہ ذمہ داری شاہزیب بھائی پر ڈال دی تھی۔''

''ام انٹرسٹنگ۔'' مصطفیٰ کے لیے یہ ساری معلومات خاصی حیران کن تھیں۔

''تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''آفس ٹائمنگ ختم ہونے کے بعد گھر جا رہا ہوں۔''

''تبھی میں کہوں اتنا شور کیوں ہے۔ ڈرائیونگ خود کر رہے ہو۔'' انہوں نے اندازہ لگایا۔

''جی۔''

''اچھا بزی ہو پھر۔ تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی جب گھر پہنچ جاؤ تو مجھ سے رابطہ کرنا۔''

''آپ ابھی کہیں جو کہنا ہے؟''

''نہیں' تم دھیان سے ڈرائیونگ کرو' ایک وقت میں دو کام اچھے نہیں ہوتے' گھر جا کر کال کرنا' اللہ حافظ۔'' انہوں نے کال بند کر دی تو کچھ سوچتے مصطفیٰ نے بھی ہیڈ فون اتار کر سامنے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا۔

گھر آ کر سب کے ساتھ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو ذہن تابندہ بوا کی طرف ہی تھا۔ نجانے انہوں نے ایسی کیا ضروری بات کرنی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ کہیں شہوار نے بوا جی کو لیاز والے واقعے سے متعلق بتا تو نہیں دیا۔ ایک دم اس کا ذہن الجھا۔ نجانے اب ایسی کیا بات تھی۔ اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔ دروازہ بند کرتے اس نے حویلی کے نمبرز ملائے تھے۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے شاید کوئی ملازمہ تھی۔

''وعلیکم السلام بوا جی کو بلاؤ کہنا مصطفیٰ کی شہر سے کال ہے۔''

''جی ابھی بلاتی ہوں۔'' وہ ہولڈ کر کے چلی گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' تین چار منٹ بعد بوا جی کی آواز سنائی دی تو وہ فوراً ایکٹیو ہوا۔

''وعلیکم السلام۔''

''گھر آگئے' کھانا کھا لیا؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''جی۔''

''شہوار کیسی ہے؟'' ان کے سوال پر اس کے ذہن پر کچھ دیر قبل کھانے کی ٹیبل پر چپ چاپ کھانا کھاتی شہوار کا عکس لہرایا۔

''بظاہر تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' مسکرا کر ان کی تسلی کروائی۔

''اور باقی گھر والے؟'' ان کے تمہیدی انداز سے وہ کچھ الجھا۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔''

''مجھے تم سے بہت ضروری بات ڈسکس کرنا تھی ذرا دھیان اور توجہ سے سننا۔''

''جی ضرور۔''

''تمہیں علم ہوگا کہ تمہارا پروپوزل شہوار کے لیے دیا گیا ہے۔''

''جی میرے علم میں ہے۔''

''میں نے کل بھابی کو فون کر کے ہاں کہہ دی تھی۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''جی! میری نالج میں یہ بات بھی ہے۔''

''بات یہ ہے کہ بیٹا! شہوار اس رشتے پر خوش نہیں ہے۔ وہ ایسا نہیں چاہتی۔ اس کے انکار کے باوجود میں نے ہاں کہی ہے۔'' اس بات پر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ تو اس کا شک درست نکلا تھا شہوار بے خبر نہ تھی۔

''اس نے صاف لفظوں میں اس پروپوزل سے انکار کر دیا تھا مگر مجھے اس کا فیصلہ نہایت احمقانہ ہی محسوس ہوا تو میں نے توجہ نہ دی اور بھابی بیگم کو ہاں کے لیے عندیہ دے دیا۔ اب وہ اس بات پر مجھ سے ناراض اور خفا ہے وہ میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہی۔''

''وہ اس پروپوزل سے انکاری کیوں ہے؟'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''اس کا کہنا ہے کہ رشتہ برابری کی سطح پر ہی اچھا لگتا ہے۔ میاں بیوی میں نام و نسب کا اعلیٰ درجے کا ہونا لازمی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ یہ ایک ان میچ کپل ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوچ ہے کہ ہم حویلی میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ کسی اور رشتے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' مصطفیٰ حیرت سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''یہ سب شہوار نے خود کہا ہے؟''

''ہوں۔'' انہوں نے قدرے توقف کیا پھر کہنے لگیں۔

''دیکھو مصطفیٰ! تم ایک سمجھدار اور قابل لڑکے ہو شہوار کا کہنا ہے کہ تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی ہے۔ تو تمہارے ساتھ ان فٹ محسوس نہ ہو گی۔ مجھے تمہاری ذہانت، قابلیت اور معاملہ فہمی کا بخوبی ادراک ہے۔ اس حویلی نے ہم ماں بیٹیوں کو جو مقام اور مرتبہ دیا ہے وہ عام بات نہیں ہے۔ میں شہوار کی ماں ہوں، ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی اچھے سے اچھے اور اعلیٰ گھر میں جائے۔ اس کا داماد ہر لحاظ سے اچھا اور قابل ہو۔ میں نے ماں بن کر فیصلہ کیا ہے مگر اسے لگتا ہے کہ یہ غلط فیصلہ ہوا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اگر تم سے اس کا رشتہ طے ہو گیا تو وہ ساری عمر اپنی ہی نظروں میں گر جائے گی۔ دوسروں کے ٹکڑوں پر پل کر ان کی برابری کرنا یہ بات اس کی ذات کو تکلیف دے رہی ہے۔'' انہوں نے بیٹی کے تمام خیالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی بات؟'' اس نے پوچھا انداز خاصا پرسوچ سا تھا۔

''وہ شاید عادلہ اور دیگر لوگوں کی باتوں اور رویوں سے خوفزدہ ہے عادلہ کی باتیں جو بھی بھابی بتاتی ہیں وہ ایک طرف شہوار نے مجھے آج تک محسوس نہیں ہونے دیا کہ عادلہ کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟ مگر عادلہ کے ساتھ میری جتنی بھی ملاقاتیں ہو چکی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ میرے بعد شہوار کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہو گا؟ عادلہ اور طرح کے مزاج اور اطوار کی مالک ہے۔ شہوار اس کی باتوں اور زبان سے بھی خوفزدہ ہے اور شاید یہی سب سے بڑا خوف ہے جو اسے اس رشتے پر راضی نہیں ہونے دے رہا۔''

مصطفیٰ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ یہ شاید نہیں حقیقی بات تھی۔ مگر عادلہ بھابی کو بنیاد بنا کر اس پروپوزل سے انکار کرنا۔ اسے شہوار کی نری بے وقوفی لگی تھی۔ وہ تو اسے اچھا خاصا عقل مند سمجھتا تھا مگر اس وقت وہ اچھی خاصی بے وقوف ثابت ہو رہی تھی۔

''میں نے بھابی کو ہاں کہہ دی ہے اور میں اب اس فیصلے کو نہیں بدلنے والی۔ وہ بے وقوف سمجھتی ہے کہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔''

''دیکھیں بواجی یہ ہمارے بزرگوں کا فیصلہ تھا ماں جی نے مجھ سے میری رضا مندی پوچھی اور میں نے بالکل ویسے ہی ہاں کہی جیسے کوئی بھی اولاد ماں باپ کے فیصلے کو اہمیت دے کر سر جھکا دیتی ہے۔ میں نے کم تر حیثیت مرتبہ، دولت، جائیداد کے پیمانوں کو پہلے کبھی اہمیت دی تھی اور نہ ہی شہوار کے لیے رضا مندی دیتے ہوئے دی تھی۔ میں نے صرف ایک بات

بھی کہ وہ ایک سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے جو نا صرف ہمارے خاندان کے تمام طور طریقوں کو جانتی ہے بلکہ خاندان کو یکجا رکھنے اور انہی اصول و روایات کے اندر رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا ہنر رکھتی ہے۔ بواجی میں نے زندگی کا طویل حصہ امریکا میں گزارا ہے۔ وہاں کی ٹیپیکل سوچ اور خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ کا بخوبی جائزہ لیا ہے۔ میری سوچ عام لڑکوں جیسی ہوتی تو مجھے عادلہ بھابی کی بہن کاشفہ میں بہت کشش محسوس ہوتی۔ مگر اتنا عرصہ گھر خاندان سے دور رہتے اس کی دلیکھا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور شہوار ان تمام معیار پر بخوبی پورا اتر رہی ہے۔ رہ گئی مالی و نسبی تعلق کی بات تو اس کو میں نے پہلے بھی کبھی اہمیت نہیں دی۔ آپ نے جن حالات سے بھی مجبور ہو کر حویلی میں پناہ لی وہ ایک طرف مگر ہمیں ہمیشہ یہ بات اور روانی گئی کہ آپ اس حویلی کی بیٹی ہیں، ہم سب کے لیے قابل عزت اور مقدم اور ہم سب نے آپ کو وہی مقام اور مرتبہ دینے کی کوشش کی جو حویلی کی ایک بیٹی کا حق تھا ایسے میں شہوار کے اندر یہ احساس کمتری پیدا ہونا حیرت کی بات ہے۔ جبکہ ہماری طرف سے کبھی اس کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی۔ ہمیشہ اسے اس گھر میں عائشہ، صبا جیسا مقام دیا گیا ہے۔'' کچھ سوچتے سوچتے اس نے تفصیلی اپنے تمام احساسات سے انہیں آگاہ کیا تھا۔

''پتا نہیں اس کے اندر یہ احساس اس قدر شدت سے کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ میں بھی حیران ہوں اب ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے بیٹا، تم ہی بتاؤ کہ کیسے معاملے کو سلجھاؤں؟ وہ تو میری بات ہی نہیں سن رہی۔ کال ریسیو تک نہیں کر رہی۔''

''میں اس سے بات کر کے دیکھوں؟'' اس نے پوچھا تو انہوں نے فوراً ٹوکا۔

''نہیں، وہ سمجھے گی کہ میں نے تمہیں ساری باتیں بتا دی ہیں۔ وہ اور ناراض ہو گی اور اس کی ایگو (انا) ہرٹ ہو گی۔ وہ سمجھے گی کہ میں نے جان بوجھ کر تمہیں سب بتایا ہے۔ مجھے بس یہ بات کھٹک رہی تھی کہ اپنے تئیں فیصلہ کر کے ہاں کہہ دینا کہیں واقعی اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر دی۔ مجھے تم پر پہلے بھی بھروسہ تھا اب تمہاری باتیں سن کر تمام تفکرات ختم ہو گئے ہیں۔ ابھی وہ سوچ کا ایک پہلو دیکھ رہی ہے۔ جب میاں بیوی کو ساتھ رہنے زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے تو بہت سی غلط فہمیوں کا تدارک ہو جاتا ہے۔ وہ بھی صحیح ہو جائے گی۔ یقین مانو تم نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے مجھے ایک حقیقی خوشی سے دوچار کیا ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے، مطمئن رکھے وہ اب حویلی کا چکر لگائے گی تو خود ہی سمجھانے کی کوشش کروں گی تم بس اس سے بات نہ کرنا۔'' وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ بواجی کے اس طرح اعتماد کرنے تمام حالات ڈسکس کرنے سے اسے ایک حقیقی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

یعنی بواجی اسے بہت اچھی طرح اور گہرائی سے سمجھتی تھیں۔ جبھی تو اس کی رضا مندی بھی کسی قدر محتاط اور سلجھے انداز میں معلوم کر لی تھی کہ اسے محسوس تک نہ ہونے دیا تھا۔

''آپ بے فکر رہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کن لوگوں کی وجہ سے ایسا ری ایکٹ کر رہی ہے۔'' اس نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی۔

''مجھے صرف تمہاری طرف سے تسلی کرنا تھی۔ تمہارے خیالات جان کر شہوار کے تمام خوف باطل لگ رہے ہیں اب تو تمہاری طرف سے میں مطمئن ہو گئی ہوں۔''

''اس قدر عزت افزائی کے لیے شکریہ۔''

''بیٹا! خیال رکھنا شہوار کو ہماری اس ٹیلی فونک گفتگو کا پتا نہ چلے۔ وہ بہت حساس لڑکی ہے۔ فوراً انا کا مسئلہ بنا لے گی۔'' انہوں نے ساتھ ہدایت خاص بھی کی تھی۔ وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ میں کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گا۔'' اس نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی۔

''جیتے رہو خوش رہو ہزاروں کامیابیاں تمہارے نصیب میں آئیں۔'' اس کی اس درجہ فرمانبرداری پر خوش ہو کر انہوں

نے دل سے دعا دی تھی۔

"آمین۔"

"بہت لمبی کال ہوگئی اجازت دو اللہ حافظ۔" انہوں نے کہا تھا۔

"اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے بھی کریڈل رکھ دیا گیا تو وہ کئی پل موبائل ہاتھ میں لیے پرسوچ نظروں سے تابندہ بی کی گفتگو کا تجزیہ کرکے شہوار کی سوچ اور رویوں کا پس منظر سوچتا رہا تھا۔



"کیا بات ہے شہزادے! بڑی غمزدہ تصویر بنائے بیٹھے ہو؟"

شہزادا سے کافی دیر سے خاموش اور گم صم دیکھ رہا تھا وہ بظاہر ان کے ساتھ ہی تھا۔ ہاتھ کی انگلیوں میں دبا سگریٹ اس کو بظاہر اس محفل کا حصہ ہی بنا رہا تھا مگر وہ اس تمام گفتگو، حرکتوں اور باتوں کے دوران چپ چاپ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جس پر چونکتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"آہ ہاں کیا ہم اور کیا غم کی تصویر۔ ہماری تو بس وہی حالت ہے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے۔" سگریٹ کا گہرا کش لے کر اطراف میں دھواں بکھرتے اس نے استہزائیہ کہا تھا۔

"بس یہ تو اب کام سے گیا۔ یہ تو سچ مچ کا جوگ لیے بیٹھ گیا ہے۔" امین نے بھی اس کی حالت پر استہزائیہ مسکراہٹ اچھالی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"ہونہہ، جوگ مائی فٹ میں کیوں لینے لگا ایسا جوگ؟" سگریٹ کا آخری سرا اپنے پاؤں تلے مسلتے ہوئے وہ کافی حقارت سے گویا تھا۔

"تو پھر کافی دنوں سے تم ہمارے کسی بھی پروگرام میں شامل کیوں نہیں ہوئے۔ پچھلے ہفتے جو ماڈل کا شوٹ کے دوران ہمارا پروگرام تھا تم نے کیسے روڈلی بی ہیو کیا تھا۔ اب تم ایک گھٹیا لڑکی کے پیچھے ہمارے سارے پروگرام مزغارت کرنے لگو گے کیا؟" کامران بھی بھرا بیٹھا تھا وہ ہنس دیا۔

"خیر گھٹیا لڑکی تو قطعی نہیں وہ اگر اس کے پیچھے اتنی مضبوط بیک نہ ہوتی تو تم لوگ دیکھتے میں کب کا کوئی حتمی فیصلہ کن قدم اٹھا چکا ہوتا۔ تم لوگ جانتے ہو کہ صبر و برداشت میری فطرت کا حصہ نہیں۔ مگر پھر بھی میں دن رات صبر کر رہا ہوں۔" اپنے سامنے پڑا مشروب کا بھرا گلاس اس نے اٹھا کر منہ سے لگا لیا تھا۔

"تو لعنت بھیجو ایسی لڑکی پر تم شہزادہ گلفام ہو۔ جدھر نظر ڈالو گے ہزاروں تمہارے قدموں میں ہوں گی۔ لیلیٰ زبیری دو دن پہلے جس نے ہمارے پروگرام میں ہمارا ساتھ دیا تھا وہ تو بری طرح تم پر مرمٹی ہے۔ کئی کالز کر چکی ہے کہ تم سے دوبارہ میٹنگ ارینج کرواؤں اس کی؟" شہزادا سے گلاس کا مشروب حلق میں اتارتے دیکھ کر قدرے پرسکون ہو کر کہہ رہا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے وہ لعنت بھیجنے والی چیز نہیں ہے بڑی سے چادر میں ڈھکا چھپا اس کا سراپا تم کیا جانو کیا قیامت ہے اس وجود میں۔" عادلہ باجی کی شادی میں بنا سنورا اس کا وہ روپ تو آج بھی دل پر نقش ہے۔ یہ گھٹنوں تک سے آتے بال اور ان پر ٹوٹ کر بکھرتی حیا۔" کامران نے اسے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بڑے مدہوش کن انداز میں آنکھیں موند کر کہتے دیکھ کر شہزاد کو کنپٹی پر انگلی رکھ کر یوں اشارہ کیا کہ جیسے وہ کھسک گیا ہو۔

"اتنا ہی مرتے ہو تو سیدھے سادھے اپنے باپ سے کہہ کر پروپوزل بھیجو تمہارا ابھی مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"ہونہہ پروپوزل، اتنے اونچے گھر میں اس کی حیثیت نوکر کی بھی نہیں۔ نجانے کون ہے کہاں کا گند ہے وہ تو ان لوگوں نے

عزت دے رکھی ہے ورنہ تو ایسی لڑکیوں کی عزت بیچ چوراہے پر اتار دی جائے تو کوئی انگلی اٹھانے والا نہ ہو۔" پروپوزل والی بات تو سیدھی دل پر لگی تھی۔ اسے اپنے باپ کی دولت مرتبے پر اتنا غرور تھا اور یہی غرور اس کے لب و لہجے سے عیاں تھا۔

"اوف، کتنا بور کر رہے ہو تم یار، شہزادا اس کو تو اب رہنے ہی دو کسی کام کا نہیں رہا یہ اب تو...... تم بتاؤ وہ لیلیٰ کیسی ہے؟ میرا پھڈیکٹ اس سے کرواؤ یار وہ پہلی ملاقات تو بھولتی ہی نہیں۔ کیا چیز ہے وہ بھی ایمان سے۔" کامران نے نہایت کمینگی سے کہتے ایاز کو آنکھ مار کر کہا تھا تو وہ چاروں لڑکے قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔

"وہ اتنی آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ اس نے اپنے منہ سے ایاز کا نام لیا ہے تو صاف مطلب ہے اس کی ساری توجہ صرف ایاز کی طرف ہے۔ وہ صرف ایاز سے ہی رابطہ کرے گی۔ زیادہ خواب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے صاف ہری جھنڈی دکھائی تھی۔

یہ سارے لڑکے دولت مند گھرانوں کے بگڑے رئیس زادے تھے۔ جن کی جیبوں میں قیمتی موبائل، گاڑی کی چابی کے علاوہ پاکستانی اور غیر ملکی کرنسی کا انبار ہر وقت رہتا تھا۔ جن کا مقصد زندگی صرف انجوائے منٹ اور تھرل کا نام تھی۔ وہ اس وقت کلب میں بڑی فرصت و بے فکری سے بیٹھے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

"خیر پیچھے تو میں بھی نہیں ہٹنے والا۔ اگر عادلہ باجی اور ابا جی کی رشتہ داری بگڑنے کا احساس نہ ہوتا تو اس کا بھی وہی حشر ہو چکا ہوتا اب تک جو ایسی کئی لڑکیوں کا ہمارے ہاتھوں ہو چکا ہے۔" اس نے دوبارہ گلاس بھرتے اپنے مذموم ارادوں کا اظہار کیا تو امین نے گہرا سانس لیا۔

"اور تم لیلیٰ زبیری سے کانٹیکٹ کر لینا۔ کہہ دینا کہ وہ مجھ سے ڈائریکٹ رابطہ کرے اب ایک دو ٹکے کی لڑکی کے پیچھے اچھا آئٹم نظر انداز کر دوں یہ تو کفرانِ نعمت ہے۔ ایسی آفر بھی بار بار بھلا کب ہوتی۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔" کامران نے ایک سرد مصنوعی سانس بھری۔

"میرا خیال تھا کہ یہ اپنی پے در پے ناکامیوں کا سوگ مناتے لیلیٰ کی گوٹ ہم میں سے کسی ایک کی طرف اچھال دے گا۔ لیکن خیر...... یاد رکھو وہ صرف دیکھنے کی چیز ہے چھونے کی غلطی نہ کرنا۔ مجھے بھی وہ کسی اور کے ریفرنس سے ملی تھی۔ بلا کی حسین ہے تو اسی بلا کی ہوشیار بھی ہے۔ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے اور اب تک جتنی بھی گرلز سے واسطہ پڑا ہے وہ ان جیسی بھی نہیں ہے۔ دھیان سے اور محتاط رہ کر اس سے ڈیلنگ کرنا۔" شہزاد نے اسے سمجھایا تو وہ طنزیہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"جانتا ہوں اس قوم کو محض اپنے دام بڑھانے کو بنتی ہو گی سالی۔ خیر خالی جیب تو کبھی میں بھی نہیں رہا۔ اگر اس میں نخرا یا غرور ہے تو کم میں بھی نہیں۔ پھر ایسی چیز پر تو محنت کرنے کا بھی اپنا ایک مزہ ہے جو مشکل اور جدوجہد سے حاصل ہو۔" اس کے لب و لہجے میں خاصی حقارت تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے سرسری سی نظر ڈالی مگر وہاں اسکرین پر نظر آنے والے نمبر کو دیکھ کر وہ فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"السلام علیکم ڈیڈ۔"

"کدھر ہو؟" بے لچک پتھریلا انداز تھا۔

"میں دوستوں کے ساتھ کلب میں ہوں، کیوں خیریت؟"

"فوراً گھر پہنچو میں اگلے پندرہ منٹ میں تمہیں گھر کے اندر دیکھنا چاہتا ہوں گاٹ اٹ۔" ان کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔

"مگر ڈیڈ......!" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے کال ڈراپ کر دی تھی۔

"تو اس کے تو وارنٹ جاری ہو گئے۔" کامران تمسخر سے ہنسا تھا۔

"نجانے کیا بات ہے جو ڈیڈی نے فوری بلوایا ہے۔" کرسی سے اٹھ کر اس نے مطلع کیا تھا۔

"بہت ڈرپوک ہے تمہارا باپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جانے والا۔ حیرت ہے اس قدر وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے بزنس کو کیسے سنبھالا ہوا ہے انہوں نے۔" شہزاد نے بھی اس کے والد پر چوٹ کی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ غصے سے انہیں گھورتا باہر کی طرف لپکا۔

"کل کنسرٹ کا کیا فیصلہ کیا تم نے۔ چلو گے یا اپنی سترہویں صدی کی محبوبہ کی یاد میں آہیں بھرو گے۔" پیچھے سے امین نے ہانک لگائی تھی۔

"پروگرام تم ڈن کرلو مجھے کال کرکے انفارم کردینا۔" جاتے جاتے اس نے بھی اونچی آواز میں کہتے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

گھر آیا تو لاؤنج میں ہی اسے اپنے ماں باپ کے ہمراہ عادلہ کو دیکھ کر رک جانا پڑا۔

"خیریت۔ آپ نے اتنی ارجنٹلی کیوں بلوایا؟" ماحول سے اندازہ ہوچکا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے کسی بات پر خاصی گرما گرمی کی فضا طاری رہ چکی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" عبدالقیوم کے کھردرے لہجے پر اس نے ماں اور بہن کو دیکھا۔

"تم نے کل اکاؤنٹ سے پانچ لاکھ روپے نکلوائے تھے؟" خاصے تیکھے پن سے دریافت کیا تھا۔ وہ ذرا چونکا پھر کندھے اچکائے۔ بڑا بے پروا انداز تھا۔

"سو واٹ۔" اس کے انداز پر عبدالقیوم صاحب کا ٹمپر لوز ہوگیا تھا۔

"میں یہ پیسا تمہاری دن بدن بڑھتی ہوئی عیاشیوں کے لیے نہیں کما رہا۔ کیوں نکلوائے تم نے پیسے ایسی کیا ضرورت تھی تمہاری۔"

"ضرورت تھی ڈیڈ۔ یار دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے والا بندہ ہوں اب خالی جیب تو گھومنے سے رہا۔" اس کی بے پروائی میں سر مو فرق نہ آیا تھا۔

"دیکھ رہی ہو تم دونوں اس کی انہی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں سے میں عاجز آچکا ہوں۔ چار سال اس نے ایف ایس سی میں لگائے۔ میں نے پیسا پانی کی طرح بہا کر اس مقام پر اس کا رزلٹ بہتر کروانے کی کوشش کی کہ اسے میڈیکل میں داخلہ مل سکے۔ دو سال اس نے انٹری ٹیسٹ کلیئر کرنے میں لگا دیے۔ جھولی بھر کر رقم دی تو اسے داخلہ ملا اب بھی اس کے کلچھڑے ختم نہیں ہو رہے۔ جب دل چاہتا ہے ہر دوسرے دن لاکھ دو لاکھ نکلوا رہا ہے۔" وہ تو بھرے بیٹھے تھے انداز اس قدر غصیلا تھا کہ گویا اس بار اس کی کسی خطا کو بخشنے کا قطعی موڈ نہیں ہے۔

"اس میں ایسی کون سی قیامت آگئی ہے کون سا یہ سارا مال لیگل طریقے سے کمایا ہے۔ آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ بیٹیوں پر خرچ کرتے کبھی تکلیف نہیں ہوتی۔ میرے حساب کتاب کے تمام کالم ازبر ہوتے ہیں۔ میری سو ضرورتیں ہیں۔" جواباً وہ بھی ازحد بدتمیزی سے گویا ہوا تھا۔

"ضرورتیں نہیں، عیاشیاں کہو عیاشیاں اب کی بار کسی لڑکی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور کسی کے والدین نے کیس کردیا تو میں اب نہیں چھڑوانے والا۔ میں اس لیے پیسا نہیں کما رہا کہ تم پانی کی طرح بہاتے رہو۔"

"تمہارے ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہر چیز کی ایک لمٹ ہوتی ہے۔ پرسوں تم نے مجھ سے بھی دس ہزار لیے تھے۔" مسز عبدالقیوم بھی شامل گفتگو ہوئی تھیں۔

"اوہ کم آن مام اب کیا میں آپ لوگوں کو دو ٹکے کے لوگوں کی طرح حساب دیتا پھروں۔" ماں کے الفاظ پر اس کا بھی انداز گستاخانہ ہوگیا تھا۔

"میں تمہارا اکاؤنٹ کینسل کروادوں گا۔" انہوں نے دھمکی دی تو وہ ہنس دیا۔

"ضرور...... یہ بھی کر دیکھیں میں اپنی ضروریات اور طریقوں سے پوری کرنا شروع کردوں گا۔" اس کا انداز دھمکی آمیز تھا۔

"اور کسی دن اپنی انہی سرگرمیوں کی وجہ سے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو خبر لینے میں بھی نہیں آؤں گا۔" انہوں نے بھی صاف ہری جھنڈی دکھائی تھی۔

"تو نہ آئیں۔" وہ زیادہ بھڑکا۔

"کیا ہوگیا ہے آپ دونوں کو میں یہاں چند گھنٹے سکون کی تلاش میں آتی ہوں مگر یہاں کی وہی چیخ چیخ بک بک ہی ختم نہیں ہوتی۔" عادلہ جو کافی دیر سے چپ چاپ تھی ایک دم چیخ کر گویا ہوئی تھی کاشفہ اپنے روم میں سو رہی تھی۔

"تم سے بھی میں تفصیلی بات چیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں آرام سے سکون سے بیٹھی رہو۔" عادلہ کو انہوں نے جھڑک کر چپ کروادیا تھا مگر وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

"مجھے کسی ورکر سے اطلاع ملی ہے کہ پچھلے دنوں پولیس کا کوئی آدمی تمہارے متعلق پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ میں اسی بات سے خوفزدہ ہوں پچھلے ماہ جو انہوں نے اپنے گروپ سمیت ایک لڑکی کے ریپ کے سلسلے میں سرگرمیاں انجام دی تھیں اس کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔ وہ تو ان تمام لڑکوں کے والدین کے ساتھ مل کر لڑکی کے گھر والوں کے منہ بند کروادیا تھا مگر اب کے میں کہہ رہا ہوں کہ کیس پولیس تک پہنچا تو بہت بری صورت حال سے بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اب کی بار انہوں نے کچھ فکرمندی سے کہا تھا۔

"کون سور ما ہے وہ جس کی اتنی مجال ہوگئی ہے کہ وہ ہمارے بارے میں تفتیش کرتا پھرے۔" کچھ چونک کر وہ بھی کچھ دھیما پڑ گیا تھا مگر انداز جوشیلا تھا۔

"پتا تو نہیں لگ سکا پھر بھی تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ احتیاط ضروری ہے۔ اپنے دوستوں میں اٹھتے بیٹھتے خیال رکھو۔ بعض اوقات یہ دوست ہی ہوتے ہیں جو پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کام بھی سرانجام دے دیتے ہیں جب ان کا اپنا مفاد خطرے میں ہو۔" اب کے اس نے جوش میں آنے کی بجائے تحمل سے ان کی بات سنی۔

"میں اکیلا کسی بھی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوں۔ اگر کوئی ایک پھنسے گا تو باقی کی بھی گردن پھنسے گی ڈونٹ وری ڈیڈ۔" انہوں نے بغور دیکھا اس کا انداز پرسوچ تھا یعنی اس کی عقل میں کچھ نہ کچھ بات سما ہی گئی تھی۔

"تم بتاؤ تم کیوں ہر روز سسرال سے ادھر آ بیٹھی ہوتی ہو۔" ایاز کو مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کرکے اب کے انہوں نے عادلہ کی طرف رخ کیا تھا اس نے ماں کو دیکھا اور منہ پھلا لیا۔

"ہائے ہائے کیا ہوگیا ہے آپ کو بیٹی ہے ہماری۔ اب میکے کا چکر بھی نہ لگائے۔ ایک ہی شہر میں رہتی ہے چلی آتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔" ماں نے فوراً بیٹی کی طرف داری کی تھی۔

"چند دن پہلے اس کے سسر کی کال آئی تھی مجھے وہ بتا رہا تھا کہ اس نے علیحدہ گھر میں رہنے کی ڈیمانڈ کی ہے۔" اس دن کے بعد اس کا آج چکر لگا تھا وہ اسی لیے چکر نہیں لگا رہی تھی کہ ڈیڈ نے ضرور باز پرس کرنی ہے۔

"تو کون سا دنیا سے علیحدہ انوکھی ڈیمانڈ کردی ہے۔ ساری دنیا کی لڑکیاں علیحدہ ہوتی ہیں۔" عبدالقیوم صاحب نے بیوی کو گھورا۔

"یہ تمہاری ہی شہہ پر اتنا اکڑ رہی ہے۔ میں نے عادلہ تمہیں کیا سمجھایا تھا۔" انہوں نے بیوی کو ٹوک کر بیٹی سے باز پرس کی تھی۔

"ایم سوری ڈیڈ آپ کے فائدے کے لیے میں اپنی زندگی اجیرن نہیں کرسکتی۔ یہ عباس بالکل پینڈو و جاہل انسان ہے۔

ماں باپ سے پوچھے بغیر تو کھانے کا لقمہ بھی منہ میں نہیں ڈالتا۔" وہ تو بھری بیٹھی تھی ایک دم پھٹ پڑی۔

"تم کوشش کرتیں بیویاں کیا کچھ نہیں کرلیتیں۔ اس میں صرف میرے لیے ہی نہیں تم لوگوں کے لیے بھی فائدہ تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اسٹرانگ بیک گراؤنڈ رکھنے والا مضبوط گھرانا ہے۔ کم عقلی مت دکھاؤ' میں کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر نہیں کرتا۔ تم میری عادت اچھی طرح جانتی ہو۔ یہ تینوں باپ بیٹا جس طرح دن بدن بزنس کی دنیا میں اپنا نام بنارہے ہیں تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ یہ لوگ کس قدر آگے جاسکتے ہیں۔"

"اوہ ڈیڈ۔ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ ہم کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بزنس مین کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ پھر آپ ان لوگوں کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟" ایاز نے خاصے تنفر سے پوچھا تھا۔

"یہ لوگ آج اس بزنس کی دنیا میں نہیں آئے۔ شاہزیب علی کے باقی دونوں بھائی اور ان کی اولادیں اندرون ملک اور بیرون ملک عرصہ دراز سے اس بزنس میں انوالو ہیں۔ ان کی پروڈکشن کا ایک نام ہے۔ معیار ہے' کوالٹی ہے۔ جس طرح تم سب دولت کو لٹا رہے ہو نا تو وہ دن دور نہیں جب تم تینوں کی وجہ سے میں پچھتاوے کے آنسو بہانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" بیگم نے فوراً دہل کر کہا۔

"ڈیڈ آپ کو نہیں پتا وہ کس قدر اولڈ اینڈ دقیانوس قسم کا گھرانا ہے۔ کاشفہ کے لیے انکار کرکے انہوں نے صاف لفظوں میں میری انسلٹ کی ہے اور اب اسی دو ٹکے کی شہوار بی بی سے مصطفیٰ کا رشتہ طے کردیا گیا ہے۔" انکشاف ایسا تھا کہ وہاں موجود بھی چونک گئے تھے خصوصاً ایاز تو کتنی دیر تک گم صم رہ گیا تھا۔

"ان لوگوں کا ارادہ فوراً نکاح کرنے کا ہے۔ مجھ سے نہ پوچھا نہ ہی بڑی بہو ہونے کے ناتے بتایا۔ یہ ویلیو ہے اس گھر میں میری؟ سیدھے صاف لفظوں میں یہ میری توہین ہے۔ وہ اولڈ بی بی چاہتی ہے کہ میں بات بے بات اس سے اجازت لیا کروں کچن سنبھالوں گھر کی ذمہ داری قبول کرکے ملازموں کے سر پر کھڑے ہوکر گھرداری کروں کام کرواؤں' مائی فٹ۔" وہ تو گویا آج ادھر دل کی بھڑاس نکالنے کے ارادے سے آئی تھی۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا ہے علیحدہ گھر کا؟ وہ شاہزیب علی کہہ رہا تھا کہ تمہیں سمجھاؤں اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر تم ایسا چاہتی ہو تو پھر اس گھر میں کوئی گنجائش نہیں تمہاری۔ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ چھوڑنا ہوگی ورنہ تمہیں اپنے گھر واپس بلالوں۔"

"مائی فٹ! ڈیڈ ہم بھی کوئی اتنے گرے پڑے نہیں ہیں۔ عادلہ کے نام بینک بیلنس کوٹھی سب کچھ ہے۔ ہم میں اتنی صلاحیت ہے کہ ہم اس کو علیحدہ شفٹ کرسکتے ہیں۔ اس دقیانوسی گھرانے میں عادلہ جیسی باشعور لڑکی کی شادی کردینا آپ کی سب سے بڑی مس ٹیک ہے ڈیڈ۔" باپ کے منہ سے تمام بات سن کر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"وہاں شادی کرنا میری نہیں تمہاری بہن کی اپنی مس ٹیک ہے۔ تب اسے عباس کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے تو تب بھی اس گھرانے کا نام و نسب اور خاندانی وقار ملحوظ خاطر رکھا تھا۔" انہوں نے ناراضی سے سب کو دیکھا۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے' مگر ڈیڈ میں اب ادھر نہیں رہنا چاہتی۔ میرا اور اس شہوار کا کیا مقابلہ مگر اس لڑکی کو اپنے مقابل دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے چاروں اطراف میں آگ دہکتی محسوس ہوتی ہے۔"

"یہ تو بڑی ناانصافی کی انہوں نے' دیکھا تھا ایک بار شہر آنے پر اس کی ماں کو بھی کوئی دور پرے کی رشتہ دار ہے نا ان لوگوں کی۔" مسز عبدالقیوم نے بھی حصہ لیا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہے وہ ان کی؟ مجھے تو یہ ماں بیٹی اپنی جان کا آسیب لگتی ہیں۔" اس نے تنفر سے جواب دیا تھا۔

"انہوں نے ڈیڈ کو بتانے کی دھمکی دی اور میں چپ ہوگئی۔ ورنہ میں اب اس تعلق کو مزید لٹکائے رکھنے کے قطعی حق میں نہیں ہوں۔" اس کا انداز خاصا زہریلا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عبدالقیوم صاحب نے چونک کر بیٹی کا فیصلہ کن انداز دیکھا۔

"مجھے اول تو آرام سے عباس کے ہمراہ علیحدہ شفٹ ہونے دیں بصورت دیگر میں کورٹ میں جاؤں گی۔ صاف واضح بات ہوگی۔" اس کے تیور جارحانہ تھے۔

"تم عقلی والی باتیں مت کرو۔ تم اس گھرانے کو نہیں جانتیں۔ وہ طلاق کے لیے کبھی نہیں راضی ہوں گے۔" وہ خاصے فکرمند ہوگئے تھے۔

"ڈیڈ عادلہ ٹھیک کہہ رہی ہے اسے کس چیز کی کمی ہے۔ ابھی بھی لاکھوں ہوں گے جو اس سے شادی کرنے کو بے تاب ہوں گے۔" ایاز نے بھی اس کی حمایت کی تھی۔

"وہ تو ہے ہی جذباتی تم بھی اس کی حمایت کرو گے تم اس گھرانے کو نہیں جانتے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بھوگی کو تو مان جائیں گے مگر طلاق کبھی نہیں۔"

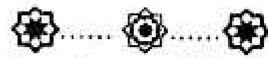
"ہم کورٹ میں جائیں گے ڈیڈ۔" ایاز عادلہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر بھڑکا تھا۔

"سکون سے آرام سے ابھی تو عادلہ اپنے گھر جائے اس کے سسر سے میں بات کروں گا اگر وہ خود علیحدہ رکھنے پر راضی ہوا تو ہم عادلہ کو کوٹھی میں شفٹ کردیں گے۔ ویسے بھی فرنشڈ کوٹھی اسے جہیز میں اسی لیے دی تھی۔ کب تک عباس اپنے والدین کے ساتھ رہے گا اسے بھی آخر بیوی کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا۔" بیٹی کے آنسوؤں سے باپ کا بھی دل پسیج گیا تھا کچھ سوچتے انہوں نے سلوشن پیش کیا تھا۔

"آپ لاکھ کوشش کرلیں وہ بڑے ضدی اور خودسر لوگ ہیں ڈیڈ۔ وہ کبھی علیحدہ شفٹ کردینے کے لیے نہیں مانیں گے۔" آنسو صاف کرتے اس نے باپ کو وارن کیا تھا۔

"جب لاتوں کے بھوت باتوں سے نہ مانیں تو ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہیں۔ ڈونٹ وری یہ ریٹائرڈ ڈی آئی جی صاحب کیا کریں گے میں بھی دیکھ لوں گا۔" ایاز جوشیلا خون تھا اس کا لب و لہجہ بھی اس کے جذبات کا عکاس تھا۔ عبدالقیوم صاحب نے حاضرین پر نگاہ ڈالی اور کچھ سوچنے لگے۔

"مصطفیٰ بھی اسی ڈیپارٹمنٹ میں ہے یہ مت بھولو اور پولیس کی دوستی و دشمنی دونوں ہی خطرناک ہوتی ہیں...... جیسی تمہاری سرگرمیاں ہیں ان کی موجودگی میں تو تمہیں ان کے سامنے آتے ہوئے بھی سو بار سوچنا ہوگا۔ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے عادلہ کے کسی بھی سلسلے میں تم انٹرفیئر نہیں کرو گے میں خود ہی ہینڈل کروں گا۔" انہوں نے بیٹے کو ٹوک دیا۔



وہ ساری رات عجیب سی کیفیت میں رہی تھی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر وہ پھر سے لیٹ گئی۔ ساری رات سوئی جاگی کیفیت رہی تھی اب جو آنکھ لگی تو بڑی پرسکون نیند آئی۔ نجانے وہ کتنی دیر تک سوئی رہتی دروازہ زور سے بجائے جانے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے نیند بھری آنکھیں کھول کر ناگواری سے بند دروازے کو دیکھا۔

"شہوار بی بی جی دروازہ کھولیں۔" رخشندہ کی آواز پر اس نے کسلمندی سے وال کلاک کی طرف نگاہ ڈالی مگر اس کو اچھل کر بیٹھنا پڑا وال کلاک آٹھ بجا رہا تھا۔ یعنی وہ اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ کالج جانے کا ٹائم بھی نکلنے والا تھا اس نے فوراً بستر سے اتر کر تیزی سے دروازہ کھولا تھا۔ وقت اس قدر کم تھا کہ وہ تیار ہوتی تو بھی لیٹ ہوجاتا تھا۔ دروازہ کھول کر رخشندہ کو دیکھا۔

"بی بی جی ناشتے پر آپ کو بلا رہی ہیں۔"

''آ رہی ہوں۔ پہلے تم ایسا کرو دومنٹ میں الماری سے میرا کالج کا لباس نکال کر استری کر کے لے آؤ فنافٹ۔'' وہ بلا کر الماری کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کی الماری سے سوٹ نکال کر وہ باہر چلی آئی تو وہ منہ ہاتھ دھو کر دوبارہ کمرے میں آئی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بال کھول کر برش اٹھالیا۔ رخشندہ اس کا لباس لیے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کوفت سے اپنے لمبے گھنے بالوں سے نبرد آزما تھی۔

''یہ لیں بی بی جی استری کر دیے ہیں۔'' اس نے اس کا سوٹ لا کر میز پر ڈال دیا۔

''ماشاءاللہ بی بی جی تساں دے بال وڈے خوب صورت نے۔ اے لمبے گھنے بال تساں نوں تو بہت سج دے نے۔'' اس کے بالوں کو محبت وستائش سے دیکھتے وہ کہہ رہی تھی۔

''آدھا گھنٹہ لگتا ہے بال بنانے میں۔ ٹائم ہے نہیں میرے پاس اور ان کے ساتھ چمٹی ہوئی ہوں۔'' اس کے کمرے کی چیزیں درست کرتی رخشندہ اس کی بے زاری پر مسکرادی۔

''لائیں بی بی آپ ادھر اسٹول پر بیٹھ جائیں میں کنگھی کر دیتی ہوں۔'' شہوار بازوؤں کو تھکانے کی بجائے فوراً آئینے کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔ ورنہ بال بناتے بناتے اسے اپنے بازو دکھتے محسوس ہوتے تھے۔

''آج تسی لیٹ اُٹھے او؟'' وہ اپنے خاص اسٹائل میں پوچھ رہی تھی۔

''بس رات نیند نہیں آئی صبح فجر کی نماز پڑھ کر لیٹی تو آنکھ نہیں کھلی۔'' وہ بال بنا کر شہوار کے ہاتھ سے کلپ لے کر آدھے بالوں کو تھام کر کلپ لگا رہی تھی۔

''نیند کیوں نہیں آئی تھی؟'' رخشندہ کی بجائے سوال کسی اور کی طرف سے آیا تھا۔ وہ بے اختیار دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ ایسا کرنے سے رخشندہ کے ہاتھ سے کلپ پھسل کر نیچے گر گیا تھا اس کے سارے بال پھر بکھر گئے تھے جو رخشندہ کے ہاتھ میں تھے۔ مصطفیٰ بالکل تیار جانے کے لیے کھڑا تھا۔ اسے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ رخشندہ اس کے بال چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کی پشت پر گھنا آبشار نیچے تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ کی نگاہیں بے اختیار اٹھی تھیں۔

''رخشندہ تم ادھر بیٹھ ہی گئی ہو ماں جی تمہیں بلا رہی ہیں۔'' دوپٹے سے بے نیاز خوب صورت دل کش سراپا بڑا سحر طراز تھا۔ وہ نظریں ہٹا کر رخشندہ سے مخاطب ہوا تو وہ فوراً سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

''آج کالج جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' اس نے شپٹا کر بیڈ کے سرہانے سے اپنا دوپٹا اٹھا کر کندھوں پر ڈالتے ایک پلو سر پر بھی ڈالا تھا مگر خوب صورت سیاہ لمبے گھنے بالوں کا آبشار دوپٹے کے ذرا سے تکلف سے چھپ نہ سکا تھا۔ بس ریشم کی مانند لہرا کر رہ گیا تھا۔

''جانا تھا بس لیٹ ہوگئی ہوں۔'' اس کی گہری جائزہ لیتی آنکھوں سے گھبرا کر کہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ابھی تم نے چینج اور بریک فاسٹ بھی کرنا ہے؟'' رسٹ واچ دیکھتے اس نے اسے یوں ہی کنفیوژ کھڑے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

''جی۔''

''آپ چلیں میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔'' اب اس کی موجودگی میں وہ بال بنانے سے تو رہی۔

''میں بریک فاسٹ اور سب کام کر کے فری ہوں۔ گاڑی میں بیٹھ کر تمہارا ویٹ کرنے کی بجائے میں ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کر لیتا ہوں۔ تم ریڈی ہو جاؤ ہری اپ۔'' اس کی سوچ سے بے نیاز اس نے سرسری سا کہا تھا۔ شہوار اس نئی افتاد پر مزید ہراساں ہوگئی۔

''کمرہ تو بہت اچھے انداز میں سیٹ کیا ہوا ہے تم نے۔'' توصیفی انداز میں کمرے کا جائزہ لیتے وہ سائیڈ پر رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر ٹک گیا تھا۔

''تھینکس۔''

''رات نیند کیوں نہیں آئی تھی؟'' اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا تو وہ خاموشی سے جھک کر ہیئر کلپ اٹھا کر سیدھی ہوگئی۔

''بس ویسے ہی۔'' سنجیدگی سے کہتے اس نے ڈریسنگ سے برش بھی اٹھالیا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے بیگ فائلز اور بکس کے ساتھ رکھی ایک ڈائری اٹھالی تھی۔ جو اس کے قریب پڑی اسٹڈی ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔ شہوار لباس اٹھا کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

مصطفیٰ نے ڈائری کھولی تو منہ بنانا پڑا۔ باہر سے ڈائری جس طرح خوب صورت اور دل کش لگ رہی تھی اندر سے خاصی پھیکی تھی۔ ڈائری کے اندر صاف صفحات پر مختلف ڈایا گرامز اور تصاویر ہاتھ سے بنائی گئی تھی۔ انسانی خدوخال سے متعلق یہ تصاویر۔ اس نے سرسری نگاہ ڈال کر ڈائری بند کر دی۔ ڈائری واپس کتابوں کے ساتھ رکھتے اس نے پھر کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کمرہ بہت ترتیب سے مزین تھا۔ کہیں بھی کوئی بے ترتیبی نہ تھی بس بیڈ پر پڑے بلینکٹ اور پرشکن چادر کے سوا۔ وہ لباس بدل کر واش روم سے نکلی تو مصطفیٰ کو اسی طرح مستقل مزاجی سے اپنے کمرے میں بیٹھا دیکھ کر الجھی۔

''صبح صبح انہیں شاید کوئی اور کام ہی نہیں۔'' اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ کو نظر انداز کر کے وہ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ چہرے پر کچھ لگانے کی ضرورت تو نہ تھی۔ فیس واش سے دھونے کے بعد وہ صرف لوشن یوز کرتی تھی۔ اس نے لوشن اٹھا کر عجلت میں چہرے اور ہاتھوں پر لگاتے ساتھ ساتھ ایک طرف ریک میں رکھا جوتا بھی پہنا تھا۔ اسے چادر الماری سے نکالتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اس نے چادر کی تہہ کھولتے ہوئے کہا تو وہ باہر نکل گیا۔ اس نے جلدی سے اپنے اوپر سے دوپٹا کھینچ کر بستر پر ڈالتے چادر لپیٹی تھی۔ اپنی کتابیں بیگ اور فائلز لیے وہ خدا حافظ کہنے ڈائننگ ٹیبل کی طرف چلی آئی۔

''رخشندہ بتا رہی تھی کہ تمہاری آنکھ دیر سے کھلی ہے۔ ناشتا ریڈی ہے فٹافٹ کر لو۔'' آنٹی اسے دیکھ کر بولیں۔

''نہیں ناشتے کا بالکل وقت نہیں ہے۔'' انکل سجاد اور عباس بھائی بڑے فارغ موڈ میں بیٹھے ناشتے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔

''آرام سے ادھر بیٹھو۔ یہ دودھ اور انڈا ضرور لو۔ ایسے خالی پیٹ نہیں جانے دوں گی میں۔'' انہوں نے ٹوکا تو وہ گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''لڑکی تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اتنی محبت سے تمہیں ہماری بیگم کچھ کھلا پلا رہی ہیں۔ ورنہ ہم خالی پیٹ بھی اٹھ کر چل دیں تو کبھی پوچھا نہیں۔'' شاہزیب انکل کی بات پر دودھ کا گلاس اٹھاتے وہ مسکرادی تھی۔ بوائل انڈے کے پیس پلیٹ میں اس کے سامنے تھے ایک پیس اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

''اتنا بڑا الزام لگا رہے ہیں کچھ تو خدا کا خوف کریں۔ ہر وقت آگے پیچھے رہتی ہوں پوچھ لیں لائبہ سے کھانا پکواتے ہوئے ہمیشہ آپ کی پسند کو مدنظر رکھا ہے۔'' آنٹی فوراً سنجیدہ ہوگئی تھیں۔ ٹیبل پر موجود سبھی افراد مسکرادیے۔ شہوار دودھ کا گلاس ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا آنٹی جی اللہ حافظ۔'' جھک کر آنٹی سے کہا تو انہوں نے محبت سے دونوں ہاتھوں میں اس کا تروتازہ روشن چہرہ تھام لیا۔

''جیتی رہو،اللہ حافظ۔'' پیشانی چوم کر دعا دی تو وہ مسکراتی باقی لوگوں کو بھی خدا حافظ کہتے باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وے پر گاڑی ڈالے فرنٹ سیٹ کا دروازہ وا کیے اس کا منتظر تھا۔ انکل آنٹی اور دیگر لوگوں کو اس نے نجانے کیا بتایا تھا کہ کسی نے بھی اسے صبح مصطفیٰ کے ساتھ جانے پر کچھ بھی نہ پوچھا تھا۔

''رات بوا جی کی کال آئی تھی۔'' وہ کھڑکی کی طرف منہ کیے اپنے ہی کسی خیال میں گم تھی کہ مصطفیٰ کی آواز پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی وہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ بتا رہی تھیں کہ تم ان کی کالز ریسیو نہیں کر رہیں۔'' اب کی بار وہ حقیقتاً چونکی تھی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بزی تھی موبائل وائبریشن پر تھا مجھے ان کی کالز کا پتا نہیں چلا۔'' اپنی حیرت پر قابو پاتے اس نے کہا۔

''مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ تم ان سے کسی بات پر ناراض ہو اس لیے تم کال ریسیو نہیں کر رہی؟'' اب کی بار وہ شدید حیرت سے دوچار ہوئی تھی اور اندر ہی اندر خائف بھی نجانے اب اگلا سوال وہ کیا پوچھنے والا تھا۔ اسے اس شخص سے خوف ہی آتا تھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں ان سے۔'' اس کا انداز تردیدی تھا مگر اس انداز میں ایک تلخی سی تھی۔

''تو پھر کیا وجہ ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس مجھے وقت نہیں ملا۔ کالج جا کر میں ان کو کال کرلوں گی۔'' کافی زیادہ برا مان کر اس نے روٹھے پن سے کہا تھا وہ ہنس دیا۔

''اچھی بات ہے وہ کافی پریشان اور متفکر لگ رہی تھیں۔ تم کال ضرور کرلینا۔ بلکہ اس وقت فری ہو ابھی کال کرو۔''

''میرے پاس اس وقت کریڈٹ نہیں ہے، کالج کی کینٹین سے کارڈ لے کر کال کرلوں گی۔'' اس کے مشورے پر اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا تو مصطفیٰ نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی سرسری نگاہ کی حدت سے اس نے گھبرا کر فوراً نگاہ جھکالی۔

''میرے موبائل سے کرلو وہ رات جتنی پریشان تھیں اگر موقع محل کا مجھے احساس نہ ہوتا تو میں رات ہی تمہارے کمرے میں آکر ان سے تمہاری بات کرواتا۔'' اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اسے رہ رہ کر تابندہ بی پر غصہ آرہا تھا وہ ان سے ناراض تھی۔ ان کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی تو اس کی بجائے مصطفیٰ کو کال کرنے کی کیا تک بنتی تھی۔

''لے لو بھئی۔'' اس نے بڑی بے بسی و بے چارگی سے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔ حویلی کا نمبر ملاتے وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ کچھ توقف کے بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''ہیلو۔'' عظمت نے کال ریسیو کی تھی۔

''میں شہوار بول رہی ہوں امی کو بلاؤ۔'' کافی روکھے اور غصیلے لہجے میں مخاطب تھی۔ مصطفیٰ نے اپنی ہنسی ہونٹ تلے دبا کر روکی۔

''السلام علیکم!'' تابندہ دو منٹ بعد لائن پر تھیں۔

''وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟'' اپنے لہجے پر قابو پانے کی تمام کوششیں ناکام تھیں۔ غصہ اس کے لہجے سے صاف واضح ہو رہا تھا۔

مصطفیٰ نے اس کے سرخ دہکتے چہرے کو دیکھا۔

''شکر ہے مولا کا بہت ناراض تھیں رات کو غصے سے موبائل ہی بند کر دیا تم نے۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ مصطفیٰ بڑی سلو رفتار میں گاڑی ڈرائیو کرتے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''میں ناراض ہوں اور نہ ہی غصے میں۔ میں کالج جا رہی ہوں بارہ بجے کے بعد میں فری ہوں گی تب آپ سے بات

کروں گی۔ اس وقت آپ سے یہی بات کرنی تھی۔ اپنا خیال رکھیے گا'اللہ حافظ۔''

''ارے ٹھہرو'شہوار بیٹا میری بات تو سنو۔'' وہ پکارتی رہ گئی تھیں۔ اس نے کال ڈس کنیکٹ کرتے موبائل مصطفیٰ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے موبائل تھام لیا۔ اس کے چہرے پر سرخی رقم تھی جو واضح غماز تھی اس نے اپنے جذبات پر بمشکل کنٹرول رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''تم اور باتیں کرلیتیں اتنی جلدی بات ختم بھی کردی۔ اس رویے کی کوئی خاص وجہ؟'' اس نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے پوچھا۔

''نہیں۔'' روکھا نہایت مختصر جواب۔

''بوا جی سے پھر کس بات پر ناراض تھیں۔ میرے مجبور کرنے پر اگر کال کر ہی لی تھی تو ٹھیک سے بات بھی کرلیتیں۔''

''میری ان سے کوئی ناراضگی نہیں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے میں کسی غیر کی مداخلت برداشت نہیں کرسکتی۔'' اس نے کہا۔

''یہ تم کس انداز اور لب ولہجے میں بات کر رہی ہو۔ ہر کوئی غیر نہیں ہے۔ تمہارا اگر ان سے خون کا رشتہ ہے تو ہمارا ان کا خلوص محبت'اپنائیت کا تعلق ہے جو تمہارے تعلق سے کئی درجے مضبوط ہے۔'' اس کے الفاظ پر مصطفیٰ نے غصے سے اسے ٹوک دیا تھا۔

''ایم سوری۔'' اسے شاید اپنے رویے کا فوراً اندازہ ہوگیا تھا۔ یا مصطفیٰ سے امید نہ تھی کہ فوراً اس کے غلط رویے پر ٹوک دے گا۔ وہ دوبارہ بات کیے بغیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ وہ بھی ہاتھ مسلتے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے مہر بلب رہی۔

گاڑی کالج کے سامنے رکی تو اس نے شکر کا سانس لیا۔ ورنہ آج تو لگ رہا تھا کہ گویا سفر نے جان سولی پر لٹکا دی ہے۔ ایسے ہی تو بوجھل جاں گسل لمحے آئے تھے ان دونوں کے درمیان۔ اس نے ایک نظر پھر مصطفیٰ پر ڈالی اس کے چہرے پر اس کی بات سے چھا جانے والی سرخی ابھی تک قائم تھی۔ اسے تاسف ہوا کہ اس نے ایسی بات ہی کیوں کی۔ اسے غصہ تو تابندہ کے فیصلے پر تھا یہ شخص کب جانتا تھا کہ وہ کیوں انکار کر رہی ہے۔ بلکہ یہ شخص تو سرے سے اس کے انکار سے ہی بے خبر تھا۔ نجانے امی نے اس سے کیا کہا ہوگا؟ جو صبح صبح اس قدر خیر سگالی کے جذبات لیے فون کروا رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا اس کے کمرے میں آنے کی بھی یہی وجہ تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔ نجانے کیوں اس کے اندر اپنے رویے پر ندامت کے ساتھ ملال بھی اترنے لگا۔

''اللہ حافظ۔'' دروازہ بند کرتے دھیرے سے کہا تو اس نے ایک سپاٹ نظر اس پر ڈالی۔ وہ یکدم نگاہ جھکا کر گیٹ کی طرف پلٹ گئی تھی۔

وہ ایک دو سیکنڈ اسی طرح بیٹھا رہا پھر اپنے پیچھے کسی گاڑی کا ہارن سن کر اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی تھی سائیڈ بیک ویو مرر سے دیکھتے اس نے ٹرن لیا جب سامنے سے آتی گاڑی کی سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس نے بھی دیکھ لیا تھا اس کے چہرے پر مصطفیٰ کو اس جگہ پا کر استعجاب کی لہر اٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے انتہائی غصے اور طیش کے عالم میں سامنے ایاز پر ایک سلگتی نگاہ ڈالی اور پھر رش انداز میں گاڑی وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

لگاتار تین چار پیریڈ اور پریکٹیکلز کے بعد وہ بارہ بجے فری ہوئی تھیں۔ شہوار آج غیر محسوس انداز میں ان کو خاصی خاموش اور مضطرب محسوس ہوئی تھی۔ صبح سے لے کر سارا وقت اتنا بزی گزرا تھا کہ دونوں کو سلام دعا کے علاوہ کوئی اور بات کرنے کا بھی وقت نہ ملا تھا ورنہ وہ اسی سے اس کی خاموشی کی وجہ ضرور پوچھتی۔

''کینٹین چلتے ہیں وہاں جا کر کچھ پیٹ پوجا ہی کرلی جائے۔'' اسپتال کے وزٹ کے بعد دونوں واپس کالج کی طرف آئیں تو انا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ اب بریک ٹائم تھا۔ شہوار نے بغیر کچھ کہے سر ہلایا تھا۔

''یہاں کوئی سیٹ خالی نہیں ہے انتارش ہے۔ چل واپس چلتے ہیں۔'' اس کی توقع کے عین مطابق کینٹین کھچا کھچ بھری ہوئی تھی تمام ٹیبلز فل تھیں۔ انا نے بھی اطراف میں دیکھا۔ کوئی سیٹ خالی نہ تھی۔

''چلو کچھ لے لیتے ہیں ہال کی طرف چلتے ہیں وہاں کوئی نہیں ہوگا آرام سے بیٹھ کر کھالیں گے۔'' اسے واپس پلٹتے دیکھ کر انا نے کہا تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔

''تم لے آؤ میں دروازے میں کھڑی ہوتی ہوں۔''

''برگر اور کوک لے لوں؟'' اس کے الجھن بھرے انداز کو دیکھتے انا نے پوچھا تھا۔

''جو جی چاہتا ہے لے لو ذرا جلدی کرو۔'' دروازے میں سے ایاز اور اس کے چند چیلوں کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا گئی تھی۔ انا نے بھی ان کو دیکھا اور پھر ایک سنجیدہ نگاہ ان پر ڈالتی کینٹین کی طرف چل دی تھی۔ وہ راہ داری کے عین وسط میں کھڑی تھی۔ ایاز اور اس کے دوستوں کو آتے دیکھ کر اس نے سائیڈ سے ہو کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا تھا۔ ابھی اس نے دو قدم اٹھا کر دروازے کی طرف پیش قدمی ہی کی تھی کہ ایاز نے ایک دم اپنی ٹانگ اڑا کر اس کی راہ مسدود کردی تھی۔ اس نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈال کر دوسری طرف سے نکلنا چاہا تو وہ اس طرف بھی ہوگیا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' وہ اس شخص سے قطعی الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ کینٹین بھری پڑی تھی۔ اب تک وہ سرعام اس سے سامنا ہونے سے کتراتی رہی تھی مگر اب ایک دم بھرے مجمع میں ذلت و بے عزتی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ شہوار نے ایک دم پیچھے ہٹتے بڑی بے بسی و بے چارگی سے کینٹین کی طرف دیکھا۔ انا شاید اندر چلی گئی تھی۔ ورنہ وہ ضرور واپس آجاتی اگر ان کی بدتمیزی ملاحظہ کرلیتی تو۔

''ہٹو ایک طرف میں تمہارے منہ لگنا بھی پسند نہیں کرتی۔'' بہت سے لوگوں کو مزے لیتے دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ غصے سے کہتے سائیڈ سے ہو کر دیوار کی طرف سے دروازے کی طرف لپکی تھی۔ ایاز کے کسی ایک دوست نے فوراً دروازے میں کھڑے ہو کر اس کی یہ کوشش بھی ناکام بنادی تھی۔

''مسٹر ایاز مجھے مجبور مت کرو کہ میں چیئرمین صاحب تک تمہاری شکایت کرنے پہنچ جاؤں۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''ضرور جاؤ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ بدنام اگر ہم ہوئے تو کیا نام نہ ہوگا۔ مجھے تو کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے تمہاری طرف سے کسی ایسے ہی اقدام کی ضرورت ہے۔'' اس کے کمینے لب و لہجے پر اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب پوری قوت سے اس ذلیل انسان کے منہ پر دے ماری تھی۔ یہ اس کے ضبط کی انتہا تھی۔ کتاب بہت زور سے لگی تھی وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے جھکا تھا۔

''آہ۔'' وہ کراہا تھا پوری کینٹین میں ایک دم سناٹا چھا گیا تھا۔

''اوہ اس کی یہ مجال۔'' اس کے دوست غصے سے اس کی طرف بڑھے تو وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی۔ کئی لڑکے اس بار اٹھ کر قریب آگئے تھے جو پہلے محض تماشائی تھے۔ ایاز نے اپنے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو اس کا ہاتھ خون سے تر تھا۔ کتاب پوری قوت سے پھینکے جانے پر اس کی ناک پر لگی تھی۔ ایک دم خون ناک سے بہتا اس کے ہاتھ کو رنگین کر گیا تھا۔

''اس کی یہ مجال میں اسے آج مزہ چکھا کر رہوں گا۔ چھوڑوں گا نہیں اسے۔'' کینٹین میں بیٹھے اسٹوڈنٹس صورتِ حال شدید نوعیت میں بگڑتے دیکھ کر فوراً اس طرف چلے آئے تھے۔ وہ مغلظات بکتے انتہائی وحشی انداز میں شہوار کی طرف لپکا تھا۔

''غلطی تمہاری ہے تم نے جان بوجھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔ یہ انتہائی شریف اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے سارا کالج جانتا ہے

تم جس قماش کے آدمی ہو یہ بھی کسی سے چھپا ہوا نہیں۔'' فائنل کے ایک اسٹوڈنٹ ہاشم نے اسے اس قدر اشتعال انگیز انداز میں شہوار کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کا راستہ روکنا چاہا تھا۔ بلکہ بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا تھا۔

''اوہ یو ایڈیٹ۔'' وہ تو انتقام اور جوابی کارروائی کے لیے بھرا ہوا تھا ایک دم کھینچ کر ہاشم کے منہ پر مکا دے مارا تھا۔ ہاشم کون سا کسی سے کم تھا کالج میں ایاز لوگوں کے بعد اگر کسی کے گروپ کے چرچے تھے تو یہ ہاشم لوگوں کا گروپ ہی تھا یہ اور بات تھی کہ ان کی شہرت بری نہ تھی۔ اس نے بھی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ ایاز کی گردن دبوچ لی۔ ہاشم کے باقی دوست بھی اس کے ساتھیوں پر پل پڑے تھے۔ کینٹین ایک دم میدانِ کارزار کا نقشہ پیش کرنے لگا تھا۔ انا بھی شور کی آواز پر فوراً بھاگی آئی تھی۔

''مائی گاڈ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' انا حیرت زدہ تھی ہاشم اور ایاز دونوں گروپس کے لوگوں کو آپس میں گتھم گتھا دیکھ کر ششدر تھی کینٹین کے مالکان بھی میدان میں بیچ بچاؤ کروانے کے لیے کود پڑے تھے۔

''بڑا ہیرو بنا پھرتا ہے تو باپ کے پیسے پر عیاشی کرتا ہے۔ اب اٹھا کر دیکھنا نظر کسی بھی لڑکی کی طرف تیرا تو وہ حشر کروں گا مثالِ عبرت بن کر رہ جائے گا تو۔'' لمحوں میں ایاز اور اس کے ساتھیوں کا برا حال تھا۔ مکوں اور لاتوں سے ان کی درگت بنائی تھی ان لوگوں نے۔ اس لڑائی کی خبر لمحوں میں پورے کالج میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ چند پروفیسرز جو نزدیک ہی تھے فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ سر اشفاق کے درمیان میں آنے پر مار کٹائی کا سلسلہ ایک دم رکا تھا۔ کینٹین کے مالکان بزورِ طاقت ہاشم کو دبوچے ہوئے تھے جو کسی بھی طرح قابو میں نہ آرہا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے یہ غنڈہ گردی کس سلسلے میں۔'' انہوں نے ایاز کا خون سے تر چہرہ دیکھتے اور ہاشم کی پھٹی شرٹ دیکھتے گھورا تھا۔

''سر یہ کالج کی لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ ان کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے اس نے۔ اس کی اسی غنڈہ گردی کی وجہ سے کوئی اسے ٹوکتا نہیں۔ یہ کالج کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتا ہے آج میں نے ٹوکا تو اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھا لیا۔'' ہاشم کالج کا ایک ہونہار اور لائق اسٹوڈنٹ تھا اس کی بات پر سر اشفاق الجھ گئے۔

''مائی گاڈ اور اس کے چہرے کا یہ حشر کس نے کیا ہے؟''

''سر شہوار نے۔'' کسی طرف سے اونچی آواز گونجی تھی۔ انا کو اپنے حواس قابو سے باہر ہوتے محسوس ہوئے۔ شہوار نے تو صرف کتاب ماری تھی ناک سے بہنے والا خون اور مزید مار دھاڑ سے چہرہ اور رنگین اور نیلا ہوگیا تھا۔

''شہوار نے یو مین شہوار سکندر نے؟'' ایاز اور اس کے ساتھی کینہ توز نظروں سے ہاشم اور لڑکیوں کے نرغے میں نڈھال کرسی پر بیٹھی شہوار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھیں۔

''جی سر۔'' شہوار سر اشفاق کی پسندیدہ اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟''

''معاملہ کیا ہے؟'' کسی اور پروفیسر نے بھی حصہ لیا۔ براہ راست ہاشم کو دیکھا۔

''سر یہ شہوار کو تنگ کر رہا تھا وہ باہر جانے لگی تو اس نے راستہ روک لیا تھا۔ ڈرانے دھمکانے کے علاوہ گھٹیا لینگویج یوز کی تھی۔ سر گالیاں تک دی ہیں اس نے۔ اس نے خاصی بدتمیزی بھی کی ہے اس کے ساتھ۔ سر شہوار نے تو بس اس کے منہ پر بدتمیزی کرنے کی وجہ سے کتاب کھینچ کر ماری ہے میں ہوتا تو اس کی گردن توڑتا آنکھیں تک نوچ لیتا۔ وہ خاصا جوش میں آکر کہہ رہا تھا۔'' انا نے فوراً شہوار کے یخ سرد ہاتھ تھام لیے۔

''ان بلیو ایبل۔''

''اوہ۔'' سر اشفاق ساری صورتِ حال سمجھ گئے تھے۔

"سرساری کینٹین کے سامنے کی صورتِ حال ہے کسی سے بھی پوچھ لیں۔"

"تم دونوں اپنے اپنے گروپس سمیت چیئرمین صاحب کے آفس میں میرے ساتھ چلو۔ معاملہ مار دھاڑ کا ہے وہ اب خود ہی ہینڈل کریں گے۔" دونوں ہی مالدار گھرانے کے لڑکے تھے انہوں نے معاملہ خود نبٹانے کی بجائے چیئرمین صاحب کے پاس لے جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

شہوار جو بڑی مشکل سے خود پر قابو پارہی تھی انا کے گلے لگتے ہی ایک دم رودی۔ کیسی زلت کا سامان کیا تھا اس شخص نے۔ وہ اپنی ہی نظر سے گرگئی تھی۔ کسی سے آنکھیں ملانے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔ وہ لوگ سر کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ باقی مجمع بھی لمحوں میں چھٹ گیا تھا مگر حادثے کے بعد کے اثرات قائم تھے اب اسٹوڈنٹس شہوار کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ اس نے اپنا سرخ چہرہ اٹھا کر انا کو دیکھا۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں انا۔ ابھی اور اسی وقت۔" اس وقت اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کے قابل نہ تھی۔

"مگر ڈرائیور کو تو تم نے چار بجے کی ٹائمنگ دی ہوئی ہے نا؟"

"تم یہ موبائل لے کر گھر کال کرو بلکہ ڈرائیور والے کانٹیکٹ نیم پر کال کر کے اسے آنے کا کہو میں فوراً گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے بیگ سے موبائل نکال کر اسے تھما دیا تھا۔ شہوار کی حالت واقعی خاصی خراب تھی۔ گھبرا کر انا نے ساتھی لڑکی کو کہا۔ اس کا بی پی خطرناک حد تک لو ہو چکا تھا۔ چہرہ بالکل ہی زرد ہو گیا تھا۔ وہ لوگ اسے ہال میں لے آئی تھیں رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

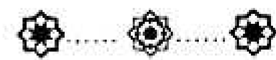
"تمہارے ڈرائیور کا نمبر بند ہے۔" کئی بار کال ملانے پر کوئی رسپانس نہ ملا تو اس نے کہا۔ اس نے بھیگتی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ رونے کی وجہ سے تو اس کی آنکھیں اور حسین ہوگئی تھیں۔ انا کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ اس نے فوراً نظریں چرائیں۔

"تم شاہزیب انکل والے نمبر پر کال کرلو۔" اس نے کال ملائی تو ایک دو پل کے بعد ریسیو کرلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام شہوار بیٹا' خیریت۔" وہ شہوار کے نمبر سے کال دیکھ کر یہی سمجھے تھے کہ شہوار ہے۔

"انکل میں شہوار کی دوست ہوں۔ کالج میں اچانک اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ وہ گھر آنا چاہ رہی ہے۔ ڈرائیور کا نمبر بند تھا آپ پلیز فوراً کسی کو لینے بھیجیں۔" اس نے آرام سے صورتِ حال بتائی۔ کال بند کر کے اس نے بہت محبت سے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔



چیئرمین صاحب نے اسے بھی بلوایا تھا مگر اس قدر ذلت کے بعد وہ اب کسی اور کا مزید سامنا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پارہی تھی۔ اس نے سر اشفاق سے منع کر دیا تھا۔ کچھ اس کی حالت بھی ایسی ہو رہی تھی کہ انہوں نے پھر دوبارہ نہ کہا تھا۔ آج یہ جو سب کچھ ہوا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اس کے حواس پہلے ہی ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

شاہزیب انکل کو وہاں پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا۔ شہوار کی بجائے کسی اور لڑکی کا پیغام سن کر وہ خاصے پریشان ہوگئے تھے۔ وہ اپنے آفس میں تھے ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھے مگر شہوار کے نمبر سے آنے والی کال سن کر وہ فوراً سب ملتوی کر کے خود ہی کالج چلے آئے تھے۔ کالج کے گیٹ پر پہنچ کر انہوں نے شہوار کے نمبر پر کال کی تھی۔

"میں کالج کے گیٹ پر ہوں۔" شہوار کی بجائے پھر دوسری آواز سن کر وہ اب حقیقتاً متفکر ہوئے ان کا جی چاہا وہ سیدھا کالج کے اندر چلے جائیں۔ کالج کے چیئرمین صاحب کون سا ان کے لیے اجنبی تھے کسی زمانے میں وہ خاصے اچھے

...دہ چکے تھے۔ وہ تو قسمت انہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں لے گئی تھی اور وہ ایڈمنسٹریشن میں آگئے تھے۔ بہرحال ایف ...دونوں نے ایک ہی کالج سے کیا تھا۔ مگر دوستی برقرار تھی۔

"میں چیئرمین صاحب کے آفس میں آرہا ہوں آپ شہوار کو ادھر ہی لے آئیں۔"

"نہیں انکل ہم بس گیٹ پر ہی پہنچ رہے ہیں آپ ادھر ہی ٹھہریں۔" عجلت میں کہہ کر اس لڑکی نے کال بند کر دی تھی۔ ...ے وہیں رک گئے۔ نجانے کیا مسئلہ ہوا تھا کہ اس کا سیل بھی کسی اور کو اٹینڈ کرنا پڑ رہا تھا۔

...کی خراب طبیعت بھلا کیونکر اور کیسے ہو سکتی ہے؟" شہوار کا صبح صبح کا روشن تر و تازہ چہرہ ان کے ذہن میں جھلملانے ...منٹ بعد شہوار کسی لڑکی کے بازو کے حصار میں گیٹ سے نکلتی دکھائی دی تو وہ دروازہ کھول کر باہر آئے تھے۔

"کیا ہوا ہے بیٹا؟" انہوں نے ایک دم اسے اپنے محبت بھرے حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ لگ کر ایک ...سک اٹھی۔ یوں لگا ایک دم کڑی دھوپ سے گھنی چھاؤں میں آگئی ہو جیسے۔

"شہوار...... انکل پریشان ہو رہے ہیں۔ پلیز کنٹرول یور سیلف۔" انا کی آواز پر اس نے بہ مشکل اپنی جذباتیت پر قابو ...کی کوشش کی۔ انا نے اس کا بیگ اور دیگر اشیا بھی سمیٹ رکھی تھیں۔

"کیا بات ہوئی ہے بیٹا۔ یہ تو بالکل بے سدھ سی ہوتی جارہی ہے۔" اس کا بالکل ڈھیلا ڈھالا بے جان وجود جو بہ مشکل ...حواس میں تھا دیکھ کر وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہوگئے تھے۔ انہوں نے انا کو دیکھا وہ نظریں چرا گئی۔

"بس یونہی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ بی پی لو لگ رہا ہے مجھے۔" پتا نہیں شہوار ان لوگوں کو بتاتی بھی ہے کہ نہیں سو وہ ...ٹال گئی تھی۔ شہوار کچھ بھی بتاتی وہ اس کا مسئلہ تھا مگر وہ اپنی طرف سے اسے مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

"کب سے ہے اس کی طبیعت خراب؟" اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بٹھاتے انہوں نے پوچھا تو انا نے ...شہوار کا بیگ اور دیگر اشیاء انہیں تھمائیں۔

"بس کچھ دیر پہلے ہی ہوئی ہے۔ زیادہ پریشانی والی بات نہیں۔ یہ بس گھر جانے کی ضد کر رہی تھی۔" اس نے اپنی طرف ...سے ان کی تشویش کم کرنا چاہی تھی مگر ان کے چہرے پر چھائی پریشانی ہنوز برقرار تھی۔

"زیادہ خراب ہے تو پہلے ڈاکٹر کے پاس ہی لے کر جاتا ہوں۔" انہوں نے شہوار کی طرف بھی دیکھا۔

"نہیں مجھے بس گھر جانا ہے۔" لرزیدہ لہجے میں شہوار گویا تھی۔

"اوکے بیٹا! آپ نے اس کا خیال رکھا بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے اسے تھینکس کہتے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ اندر کی طرف بڑھ آئی تھی۔ ہال میں آئی تو آنسہ اور دیگر لڑکیاں وہیں ...براجمان تھیں۔

"چلی گئی شہوار۔" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ہوں۔" آج جو بھی ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ شہوار جیسی حساس لڑکی اس سارے واقعے سے کس قدر ...ہوئی ہوگی۔ جس طرح لمحہ بہ لمحہ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی اسے تشویش ہوئی کہ کہیں وہ گھر جانے تک بالکل ہاتھ ...نہ چھوڑ بیٹھے۔

"ویسے آج جو بھی ہوا ہے، بہت برا ہوا ہے۔ ایسا قطعی نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اپنی چیزیں سمیٹتے اس کے لہجے میں بڑی فکر ...مندی تھی۔

"ہوں یہ تو ہمارا خیال ہے نا مگر جس طرح ایک لمبے عرصے سے وہ شہوار جیسی محتاط لڑکی کا ضبط آزما رہا تھا اگر ہمارے ...جیسی عام سی لڑکی ہوتی تو کب کی یہ سچویشن کری ایٹ ہو چکی ہوتی۔ حوصلہ ہے شہوار کا جو اس سارے معاملے کے دوران

بھی مکمل حواس میں تھی۔“ آنسہ نے خیال آرائی کی تھی اس نے خاموشی سے بس اسے دیکھا۔

”اسے لینے کون آیا ہے؟“

”اس کے انکل آئے تھے وہ کسی گاؤں سے بی لانگ کرتی ہے۔ یہاں وہ اپنے رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔“

”ہائے پھر تو واقعی یہ سب اچھا نہیں ہوا۔ ویسے اس کے انکل نے پوچھا نہیں کہ اسے کیا ہوا ہے۔“ آنسہ کو ایک اور فکر ہوئی تھی۔

”پوچھ رہے تھے میں نے ٹال دیا ہے نجانے شہوار ان لوگوں سے معاملہ ڈسکس کرنا بھی چاہتی ہے کہ نہیں خوانخواہ معاملہ بگڑتا۔ کسی کے ہاں رہ رہی ہے ایک اور پریشانی کھڑی ہو جاتی اس کے لیے۔“

”بہت اچھا کیا تم نے۔“

”ویسے چیئرمین صاحب کے پاس معاملہ پہنچا ہے ہاشم اینڈ گروپ یوں راہ چلتوں پر حملہ کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ ایک عرصہ کا ساتھ ہے۔ یقیناً معاملہ طویل ہوگا۔ چیئرمین صاحب شہوار سے ضرور بات کریں گے۔“ آنسہ کی ساتھی نے بھی حصہ لیا تھا۔

”اللہ کرے سب خیریت رہے۔ یہ ایاز جیسے لوگ زمین پر بوجھ ہیں کالج کی شاید ہی کوئی لڑکی ہو جو اس کی ستائی ہوئی نہ ہو۔ اچھا ہے اس سے سوال جواب ہونے چاہیے۔ مجھ سے اگر کوئی مشورہ مانگیں تو میں صاف کہوں گی کہ اسے کالج سے نکال باہر کریں۔ اگر سر نے اسے ریلیف دینے کی کوشش کی تو ہاشم لوگ یہ برداشت نہیں کریں گے۔ ایاز نے ان لوگوں پر حملہ کر کے خود اپنے ساتھ دشمنی نبھائی ہے۔ وہ جدی پشتی جاگیردار گھرانے کا لڑکا ہے۔ ان کے ہاں تو دشمنیاں ایسے نبھائی جاتی ہیں جیسے محبوبہ سے دوستیاں۔“ آنسہ کی مثال ایسی تھی کہ ایسے ماحول و گفتگو میں بھی انا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”یہ کیا مثال ہوئی بھلا؟“ آنسہ کی فرینڈ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ جھینپ گئی تھی۔

”میرا مطلب ہے کہ ان کی دشمنیاں بڑی لمبی چلتی ہے۔ ایاز اس کے ساتھ پنگا لے کر ساری عمر پچھتائے گا۔ یہ عام لوگ نہیں ہیں۔“

”بڑا علم ہے تمہیں ہاشم کے بیک گراؤنڈ کا۔ خیر ہے نا۔“ اس کی دوست نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تو اس نے فائل اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔

”بالکل خیر ہے تم لوگوں کو شاید علم نہ ہو کہ ہاشم میرا چچازاد ہے۔ بالکل سگا۔“ وہ دھماکہ کر کے کتابیں اٹھا کر مسکراتے ہوئے اپنی دوستوں کی حیرت کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

”ہائے واقعی۔“ انا ان کی باتوں سے کچھ پرسکون ہوئی تھی ورنہ اسے لگ رہا تھا مسلسل ایک ہی واقعے کو سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے والا ہے بس۔“

”کیسی بے وفا بے مروت لڑکی ہو تم۔ اتنا عرصہ تم ہمارے ساتھ تھیں اور تم نے منہ سے بھانپ تک نہ نکالی۔“ اس کی فرینڈ آستین چڑھا کر اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

”وہ بھی اس لیے کہ ہمارے والد محترم کی اپنے بھائی صاحب سے برسوں سے چپقلش چلی آ رہی تھی اس سال ہی دونوں طرف سے بھائی چارے کی فضا دوبارہ قائم ہونے کے اقدامات کیے گئے ہیں جس کی ایک کڑی ہاشم کے ساتھ میری بات ٹھہرانے کا فیصلہ ہے۔“

”اللہ تم اتنا کچھ ہم سے چھپا کے بیٹھی رہی۔ آج تک ہم سے ایک لفظ نہ کہا۔ ہم تمہیں اس طرح معاف کرنے والی نہیں۔“

”تم لوگوں کو بتانے کا مطلب تھا کہ تم لوگ پورے کالج میں ڈھنڈورا پیٹ دیتیں اب بھی بتانے کا مطلب صرف پوزیشن کلیئر کرنا ہے ابھی مجھے ایگزیمز تک اسی کالج میں گزارا کرنا ہے اس لیے تم لوگ اپنی زبانیں بند رکھو گی۔“

”خوامخواہ ٹریٹ لیے بغیر تو ہم ٹلیں گی نہیں۔“ اس کی دوستوں نے رعب ڈالا۔

”او کے۔ ایاز اور ہاشم والا معاملہ کلیئر ہو جانے دو۔ پھر زبردست ٹریٹ دوں گی۔“ اس نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

”لگتا ہے اس سارے ہنگامے کی وجہ سے باقی پیریڈز اب نہیں ہوں گے۔ ویسے بھی کل جمعہ ہے ہاف ڈے ہوگا۔ آج کا دن بھی ضائع گیا۔“

”نجمہ اطلاع دے کر گئی ہے کہ تمام ٹیچرز اینڈ پروفیسرز کی چیئرمین صاحب کے ساتھ فوری میٹنگ ہے۔ جس کا ایجنڈا ہاشم اینڈ ایاز والا قصہ ہے اور نجمہ یہ بھی بتا رہی ہے کہ یہ لوگ بھی پروفیسر اور دیگر لوگوں سمیت میٹنگ روم میں لے جائے گئے ہیں۔“ آنسہ کی دوست صائقہ نے بھی بتایا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ نجانے اب یہ قصہ کیا کروٹ بدلتا ہے۔ اسے رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ روشی کو ساتھ لے کر شہوار کی طرف جائے گی۔ ایک دفعہ اس نے شہوار سے ان کا مکمل ایڈریس لیا تھا۔ یہ فیصلہ کرتے اپنے اعصاب کو ریلیکس کرتے وہ آنسہ وغیرہ کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئی تھی۔



گھر آ کر انہوں نے گاڑی روکی تو تشویش بھری نظروں سے بیک ویو مرر سے شہوار کی طرف دیکھا وہ آنکھیں بند کیے سارا رستا سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے خاموش رہی تھی۔ انہوں نے ایک دو بار پریشان ہو کر پکارا بھی تھا مگر اس کی جانب سے جواب تو ایک طرف جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

انہوں نے جلدی سے دروازہ وا کرتے پچھلی سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر کی طرف جھکتے اسے پکارا۔

”شہوار شہوار بیٹا۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ مکمل طور پر بے سدھ تھی۔ انہوں نے جلدی سے اسے باہر نکالتے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

”ہائے صاحب جی بی بی جی نوں کی ہویا سی؟“ رخشندہ باہر ہی تھی۔ ایک دم شور مچانے لگی تھی۔ وہ ارد گرد دیکھے بغیر اندر بڑھے تھے۔

”بیگم صاحبہ کو بھیجو جلدی کرو۔“ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے انہوں نے رخشندہ سے کہا تھا۔

”پر گھر میں تو کوئی وی نئیں بڑی بیگم صاحبہ تے لائبہ بی بی کسی عزیز دے گئے ہوئے نیں عادلہ بھابی تے کل دے ای اپنے میکے گئے ہوئے نیں۔“ اپنے کمرے میں لا کر انہوں نے اسے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

”تم اس کو دیکھو بلکہ پانی لے کر آؤ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔“ انہوں نے اس کے پاس ہی بیٹھ کر اس کا چہرہ تھپتھپایا تو رخشندہ نے فوراً سائیڈ میں پڑا گلاس اٹھا کر باتھ روم کا رخ کیا تھا۔ پانی لا کر اس نے گلاس شاہزیب صاحب کو تھما دیا تھا۔ انہوں نے اس کے منہ پر چھینٹے مارے ناک دبائی۔ ہاتھ پیر رخشندہ مسل رہی تھی۔ مگر سب بے سود تھا۔

”اف۔“ ان کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

”صاحب جی بی بی جی نوں کی ہویا سی۔“ وہ اٹھ کر جیب سے موبائل نکال کر کال ملانے لگے تھے۔ رخشندہ شہوار کو اس طرح دیکھ کر اور بھی پریشان ہو چکی تھی۔

”ہاں زبیری میں شاہزیب بول رہا ہوں۔ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ نہیں گھر پر ہوں، فٹافٹ پہنچو۔ نہیں تمہاری بھابی تو ٹھیک ہیں، شہوار بیٹی کی طبیعت خراب ہے۔ ہاں بے ہوش ہے۔ میں تمہارے آنے تک کوشش کرتا ہوں۔“ رخشندہ دل جمعی سے اس کو ہوش میں لانے کے جتن کر رہی تھی۔ انہوں نے شہوار پر ایک نگاہ ڈال کر پھر نمبر ملائے تھے۔

”کہاں ہو تم لوگ؟ میں گھر پر ہوں اپنی امی کو لے کر فوراً گھر آؤ۔ شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ باقی تفصیل گھر آ کر معلوم کر لینا۔“ وہ پھر شہوار کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس کی نبض رک رک کر چل رہی تھی۔ ایک کراہ کے ساتھ اس کی

مسلسل بے ہوشی ٹوٹی تھی مگر حواس میں وہ پھر بھی نہ تھی۔ کراہ کے بعد اس کی طرف سے پھر خاموشی تھی۔

ڈاکٹر زبیری تھوڑی دیر میں پہنچ گئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے اس کی ہارٹ بیٹ اور نبض چیک کرنے کے بعد ایک انجکشن لگایا تھا۔

''بچی کے اعصاب پر خاصا برڈن ہے۔ ہارٹ بیٹ اور نبض سے تو یہی لگ رہا ہے کہ اس کے دل و دماغ سخت قسم کے صدمے کی زد پر رہے ہیں۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں صبح صبح کالج گئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک تھی۔ خدانخواستہ گھر میں بھی کوئی مسئلہ نہیں کہ یہ پریشان ہو۔ کالج میں ہی اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ کسی دوست نے مجھے اس کے نمبر سے کال کی تھی۔ میں فوراً جا کر لے آیا تھا۔ تب سے اب تک یہ بے ہوش ہے۔''

''اوہ۔'' وہ پھر شہوار کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ اسے تھوڑی کوشش کے بعد ہوش تو آ گیا تھا مگر اس کی کنڈیشن ایسی تھی کہ ڈاکٹر زبیری نے اسے انجکشن لگا کر سلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوجائے گی۔ چند گھنٹے اسے آرام کرنے دیں۔ ڈسٹرب نہ کریں۔ جب اٹھے تو بار بار پوچھ کر پریشان نہ کریں۔ آرام اور سہولت سے پوچھیے گا کہ کیوں پریشان ہے۔'' اس کی طرف سے مطمئن ہوتے انہوں نے شاہزیب علی صاحب کو بھی تسلی دی تھی جو مسلسل ٹینشن کا شکار تھے۔

''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا بھرا ابھی گاڑی رکنے اور پھر دو منٹ بعد افشاں، لائبہ اور مہر النساء بیگم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' ڈاکٹر صاحب کو سرسری سلام کرتے وہ فوراً بستر کی طرف لپکی تھیں۔ سوتی ہوئی شہوار کو دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا ہے اسے۔ یہ کیوں ایسے لیٹی ہوئی ہے؟''

''ٹیک اٹ ایزی بھابی۔ یہ بالکل ٹھیک ہیں بی پی لو ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی تھیں۔ میں نے بی پی کنٹرول کرنے کے لیے انجکشن لگا دیا ہے۔ اب اس کے اعصاب نارمل ہو رہے ہیں۔ نیند میں ہے۔ ایک دو گھنٹے کے بعد بیدار ہوگی تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگی۔'' ڈاکٹر زبیری نے مہر النساء بیگم کو بھرپور تسلی دی تھی۔

''شکر ہے مولا کا۔ لائبہ نے بتایا تو میں تو سن کر ہی پریشان ہوگئی تھی۔ مگر یہ تو کالج گئی تھی نا آپ کو کہاں مل گئی؟'' اب کے انہوں نے حواس بحال کرتے صورتحال سمجھتے پوچھا تھا۔

''کالج میں طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ ڈرائیور کو تم لوگ لے کر گئی ہوئی تھیں مجھے اس نے کال کی تو میں لینے گیا تھا۔'' لائبہ بھابی بھی پرتشویش نظروں سے آنکھیں بند کیے لیٹی شہوار کو دیکھ رہی تھی۔

''مگر اس کی طبیعت خراب کیوں ہوگئی صبح تو ٹھیک ٹھاک تھی۔'' لائبہ بھابی نے شاہزیب علی صاحب کو دیکھا۔

''بی پی لو ہے اسی وجہ سے اس کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوگئے اور یہ بے ہوش ہوگئی۔'' کرسی پر ٹکتے ڈاکٹر زبیری نے سہولت سے کہا تھا۔

''ہاں، صبح ناشتا بھی نہیں کر کے گئی تھی۔ آج کی لڑکیوں میں یہ اتنی سی تو جان ہے بی پی تو خود لو ہونا ہے۔ اوپر سے اتنی مشکل پڑھائی ہے۔ سارا دن موٹی موٹی کتابوں کو چاٹنے اور اسپتال کے چکر لگاتے یہ حالت تو ہونی ہے نا۔'' مہر النساء بیگم نے فوراً نتیجہ نکالا تھا۔ شاہزیب علی صاحب نے گہرا سانس لیا۔

''ہوسکتا ہے یہی وجہ ہو۔'' انہوں نے خود کو تسلی دی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

وہ اپنے کمرے میں الماری میں سر دیے چیزوں کی ترتیب درست کر رہی تھی جب انا نے اندر جھانکا تھا۔

''روشی فارغ ہو؟'' روشی نے سر اٹھا کر انا کو دیکھا۔

''الماری درست کر رہی ہوں، کیوں خیریت؟''

''میری ایک دوست ہے نا شہوار جس کا ذکر میں اکثر کرتی ہوں۔'' وہ اندر چلی آئی تھی۔

''ہاں تو۔'' اس نے مصروف انداز میں جواب دیا تھا۔

''اس کی طبیعت خراب ہے۔ کالج سے گھر چلی گئی تھی۔ میرے ساتھ اس کے ہاں چلو گی۔'' روشی نے الماری سے چیزیں نکالتے اسے دیکھا۔

''ابھی۔''

''ہوں۔''

''مغرب ہونے والی ہے۔ پھوپو گھر آجائیں تب تک میں بھی الماری درست کرلوں گی۔ ویسے جائیں گے کس کے ساتھ؟''

''ڈرائیور کے ساتھ ہی جائیں گے۔''

''تم یہ چیزیں رہنے دو نا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ میں بھی چینج کر لیتی ہوں ابھی مغرب میں آدھا گھنٹا ہے۔ ابھی نکلیں گے تو جلدی واپسی ہوجائے گی۔ میں اس کو فون کر دیتی ہوں۔''

''تم ان کو کال کر کے پہلے پرمیشن لے لو میں اتنی دیر میں یہ سب اندر رکھتی ہوں۔'' وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ماما کو کال کر کے شہوار کا بتا کر اس نے اجازت لی تو انہوں نے کئی ہدایات کے بعد اجازت دے دی تھی۔ دونوں تیار ہو کر گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ منصور خان کو ایڈریس دے کر اس کو چلنے کا کہا تھا۔ وہ پہلی بار شہوار کے گھر جا رہی تھی۔ رستے میں اس نے پھولوں کا بکے لے لیا تھا۔ ایڈریس تو آسان تھا آدھے گھنٹے بعد ڈرائیور نے گاڑی ایک خوب صورت پرشکوہ عمارت کے سامنے روکی تھی۔

''شاہزیب پیلس'' کے الفاظ کی تختی سامنے لگی دیکھ کر انا اور روشی باہر نکل آئی تھیں۔ ایک باڈی گارڈ گیٹ پر تھا۔

''تم ماما کو پک کر لینا۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں لینے آجانا۔'' منصور خان کو رخصت کرتے وہ گیٹ کی طرف لپکی تھیں۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' گارڈ پوچھ رہا تھا۔

''اندر پیغام بھیج دیں شہوار سکندر کو کہ انا آئی ہے۔'' اس نے انٹرکام سے اندر اطلاع دی تھی۔ انٹرکام پر انہیں اندر بھیج دینے کی اجازت مل گئی تھی۔ اسے اس انویسٹی گیشن سے بڑی کوفت سی ہوئی تھی۔ روشی اس کے ساتھ خاموشی سے چل رہی تھی۔ دونوں گارڈز کی معیت میں اندر چلی آئی تھیں۔ یہ پرشکوہ عمارت باہر سے جس قدر خوب صورت تھی اندر سے اس سے بڑھ کر تھی۔

''زبردست بہت پیارا گھر ہے۔'' لان کو دیکھتے روشی بے اختیار ہوئی تھی۔ داخلی دروازے پر انہیں ایک باوقار خاتون کھڑی مل گئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ یہ مہمان ہیں۔'' گارڈ کہہ کر واپس پلٹ گیا تھا۔

''السلام علیکم! خاتون کو دیکھ کر دونوں نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا تھا۔

''رک کیوں گئیں بیٹا آؤ۔'' دو سیڑھیاں چڑھ کر وہ دونوں اوپر آئیں تو انہوں نے دونوں کو محبت سے گلے لگایا تھا۔ انا نے انہیں بکے تھما دیا۔ ان کے ساتھ وہ اندر بڑھ گئی تھیں۔ اندر سے بھی گھر کیا تھا واقعی پیلس تھا۔ دونوں ستائشی نظروں سے دیکھتے آگے بڑھ آئیں۔

"شہوار تمہارا ذکر اکثر کرتی رہتی ہے۔ میں تو اسے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ تمہیں گھر بلائے۔" ساتھ چلتے وہ کہہ رہی تھیں۔

"آپ مہر النساء آنٹی ہیں نا؟" انا نے اندازہ لگایا تو انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"پتا نہیں کیا ہوگیا ہے اس لڑکی کو صبح اچھی بھلی کالج گئی تھی۔ کالج میں ہی طبیعت خراب ہوئی تمہارے انکل لینے گئے تو رستے میں ہی بے ہوش ہوچکی تھی۔ سب گھر والوں کو اس نے پریشان کردیا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اٹھی ہے تو لائبہ اسے زبردستی بہلا پھسلا کر کچھ کھلا رہی ہے۔" انہوں نے تفصیل بتائی تھی انا گم صم رہ گئی۔ اس حساس سی پاگل لڑکی نے اس قدر اثر لیا تھا اس سارے واقعے کا۔ رہ رہ کر شہوار کا زرد چہرہ سامنے آرہا تھا۔ آنٹی کے ساتھ وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"بھابی پلیز ضد نہ کریں۔ کچھ بھی نہیں نگلا جارہا ہے۔ ابھی قے ہوگئی تو سب اگل دوں گی۔" بے چارگی میں وہ لائبہ کا ہاتھ پیچھے ہٹارہی تھی جو زبردستی اسے سوپ پلارہی تھی۔

"تھوڑا سا لے لونا۔ بی پی بھی اسی لیے لو ہوا ہے کہ تم نے صبح بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔" وہ بہلا رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" انا کی آواز پر اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت واستعجاب کے ساتھ ساتھ آنسو بھی سمٹ آئے۔

"وعلیکم السلام۔" اس کے چہرے پر ایک پل کو روشنی ہوئی تھی اس نے کمبل ہٹا کر اٹھنا چاہا مگر کمزوری اس قدر تھی کہ اٹھا نہیں گیا۔ لائبہ بھابی پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ انا فوراً جھک کر اس کے گلے لگ گئی۔ شہوار کو لگا جیسے سلگتے صحرا میں وہ ایک دم گھنے سائے تلے آگئی ہو۔ اس کے آنسو بہہ نکلے اور بے اختیار بہتے چلے گئے۔

"ارے بس چپ کرو۔ کچھ نہیں ہوا۔ اتنی سی طبیعت تو خراب ہوئی ہے۔ میں تو تمہاری عیادت کو آئی تھی۔" اسے خود سے جدا کرکے آنسو صاف کرتے اس نے دلاسا دیا تو دوپٹے سے ناک رگڑتے اس نے انا کے ساتھ آنے والی دوسری لڑکی کو بھی دیکھا۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ چونک گئی۔ اسے لگا روشی میں اسے کسی اور چہرے کی شباہت دکھائی دی ہے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے انا کو دیکھا تھا۔ انا نے مسکرا کر روشی کو دیکھا۔

"یہ روشانے ہیں۔"

"اوہ واقعی۔"

"السلام علیکم!" انا ایک طرف ہٹی تو روشی اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ شہوار کو دیکھ کر روشی کو بھی عجیب سا احساس ہوا تھا۔

❁ ...... ◎ ...... ❁

بل پے کرنے کے بعد دونوں باہر آگئے تھے۔ گاڑی میں بیٹھنے تک اس کی سوچ کی ڈور اسی ایک مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔

"اگر فرض کیا کہ آپ کو کوئی لڑکی اچھی لگ گئی ہو...... ایز اے لائف پارٹنر پسند آجائے تو پھر۔"

"خدا کو مانو لڑکی! ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا اور نہ ہی میری عقل گھاس چرنے گئی ہے۔"

"اور جو پسند کرتے ہیں کیا ان سب کی عقل گھاس چرنے گئی ہوتی ہے۔" اس نے فوراً برا مانا تھا۔

"خیر ایسا تو میں بھی قطعی نہیں کہہ رہا۔ آخر بابا کس مرض کی دوا ہیں۔ یہ ان کا ہیڈک ان کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔ میں کیوں اپنی انرجی ویسٹ کروں۔" گاڑی ڈرائیو کرتے کندھے اچکا کر خود کو مطمئن کرنے کا خاصا دلکش انداز تھا وہ دیکھے گئی۔

"آپ کا دل نہیں چاہتا۔" اس کا لہجہ بوجھل سا ہوگیا۔

"قطعی نہیں۔" صاف جواب تھا وہ حیرت زدہ ہوئی۔

"کیوں۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ کی لائف میں کبھی ایسا ایونٹ نہ آیا ہو۔ اتنی دل کش زبردست اٹریکٹیو پرسنالٹی رکھتے ہو کبھی کسی چھوٹے موٹے فلرٹ کی بھی جگہ نہ رہی ہو۔" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ پہلی بار کچھ چونک کر ولید نے اس کی طرف دیکھا وہ متوجہ تھی۔ ولید کی گہری آنکھوں کی بے پناہ چمک محسوس کرتے وہ فوراً سر جھکا گئی تھی۔

"اتنی بحث کس سلسلے میں اور تم سننا کیا چاہتی ہو؟" مسلسل ایک ہی ٹاپک پر اسے جمے مسلسل بحث کرتے دیکھ کر وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔ انا وقار احمد ایک دم گھبرا گئی۔

"بس یونہی۔" وہ منمنائی۔

"خیر یونہی تو کچھ بھی نہیں ہوتا اتنی دلچسپی کس لیے بھلا؟ اگر کوئی ایسی دل کش واردات ہوئی بھی ہو تو بھی وہ بہر حال میری اپنی ذات تک ہی محدود ہوگی۔ چھوٹا موٹا فلرٹ تو ایک طرف کوئی جاندار لمبا چوڑا افیئر بھی ہو تو اس کا تعلق میری اپنی ذات سے ہوگا۔ تم اس سارے معاملے میں اس قدر سنجیدگی سے دلچسپی کیوں لے رہی ہو آخر؟"

"اوف، غلطی ہوگئی وہ بھی بڑی سنگین قسم کی جو آپ سے پوچھ لیا۔ بات ہی پکڑ لی ہے آپ نے۔ نہیں بتانا چاہتے تو مت بتائیں۔ زبردستی تھوڑی ہے۔" اس نے خاصا برا مان کر منہ پھلایا تھا۔ اس کو یوں منہ پھلاتے دیکھ کر ولید بے اختیار ہنس دیا تھا۔

"کبھی کبھار تو تم بالکل بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے بال پکڑے وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔

"آپ نے جو بڑے دادا اباؤں والا مزاج اختیار کرلیا ہے۔ وہی کافی ہے۔" کافی پل بعد سنبھل کر جواب دیا تھا۔

"شادی کی شاپنگ کہاں تک پہنچی؟" اس نے فوراً موضوع بدل دیا تھا۔ جسے صاف محسوس کرتے انا کا لہجہ خود بخود سنجیدہ ہوگیا۔

"بس ہو ہی رہی ہے۔ مامار وشی تو کر ہی رہی ہیں نا۔" اس نے کھڑکی کی طرف منہ کرلیا تھا۔ ولید اسے باہر کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر خود بھی چپ رہا تھا۔ کبھی کبھار اس شخص کا یہ سنجیدہ بڑے اباؤں والا انداز اسے بڑا ہرٹ کرتا تھا اور خود بخود اس کی آنکھوں میں نمی آجاتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ آنکھوں کی نمی کو غیر محسوس انداز میں چادر کے پلو سے صاف کیا۔

"پتا نہیں یہ شخص ہی اتنا کم فہم ہے یا میں ہی پاگل ہوں۔" وہ خود سے ہی ناراض ہوچکی تھی۔ اس نے سوچ لیا کہ اب وہ اس شخص سے کچھ بھی پوچھنے کی غلطی نہ کرے گی اور نہ ہی اسے اتنی اہمیت دے گی۔ اپنے جذبات پر بہ مشکل قابو پاتے اس نے خود سے عہد کیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

قسط نمبر 5

ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

جو کاری زخم لگا ہے دل پر، پہلے اس کی فکر کرو
یہ بعد میں دیکھا جائے گا یہ کس کی کارگزاری ہے
جو صاحب گھر گھر میری بابت زہر اگلتے پھرتے ہیں
وہ صرف میرے ہمسائے نہیں ہیں، اُن سے قرابت داری ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی مصطفیٰ کو کال کر کے شہوار کی اس رشتے کے لیے ناراضی کی بابت بتاتی ہیں۔ مصطفیٰ کو یہ سن کر اپنا شک درست محسوس ہوتا ہے کہ یہ رشتہ شہوار کی رضامندی کے بغیر طے ہوا ہے۔ تابندہ مصطفیٰ سے شہوار کو قائل کرنے کا کہتی ہیں اور ساتھ ہی شہوار کی ان سے ناراضی دور کرنے کا بھی کہتی ہیں۔ مصطفیٰ کی باتوں سے وہ کافی حد تک پرسکون ہو جاتی ہیں اور انہیں اپنے فیصلے پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ ایاز اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوتا ہے جب ہی عبدالقیوم اسے فوراً گھر پہنچنے کا کہتے ہیں جس پہ وہ دوستوں سے معذرت کرتا ہوا گھر آ جاتا ہے گھر پہنچتے ہی عبدالقیوم اس سے بینک سے پانچ لاکھ روپے نکلوانے کی بابت پوچھتے ہیں جس پہ وہ غصے میں آ جاتا ہے اور کافی بدتمیزی کرتا ہے۔ عبدالقیوم اسے اس کی عیاشیوں پہ وارن کرتے ہیں کہ اب اگر وہ کسی مصیبت میں پھنسا تو وہ اس کی مدد نہیں کریں گے ساتھ ہی وہ عادلہ کو بھی سمجھاتے ہیں کہ وہ الگ گھر لینے کی ڈیمانڈ چھوڑ کے اپنے سسرال واپس چلی جائے۔ جس پہ سب ہی ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ عادلہ سب کو شہوار اور مصطفیٰ کے رشتے کی بابت بتاتی ہے جس پہ تمام نفوس چونک جاتے ہیں۔ کالج ڈراپ کرتے وقت مصطفیٰ شہوار کی بات تابندہ بی سے کرواتا ہے جس پر شہوار نہایت غصے سے رسمی بات کر کے کال منقطع کر دیتی ہے شہوار کینٹین میں انا کا انتظار کر رہی ہوتی ہے جب ہی ایاز اپنے دوستوں کے ساتھ آ کر اس سے الجھتا ہے جس پہ وہ گھبرا جاتی ہے اور اسے باز رہنے کو کہتی ہے مگر وہ نہایت بدتمیزی پر اتر آتا ہے کینٹین میں رش ہونے کی وجہ سے سب کی توجہ ایاز اور شہوار کی جانب مبذول ہو جاتی ہے ایسے میں فائنل ایئر کا ایک اسٹوڈنٹ ہاشم ایاز کو روکتا ہے جس پہ دونوں گروپ کے مابین مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اور معاملہ چیئرمین تک پہنچ جاتا ہے۔ شہوار کو اتنی ذلت سے شدید صدمہ پہنچتا ہے جس سے اس کی طبیعت کافی بگڑ جاتی ہے۔ انا اسے سنبھالتے ہوئے شاہ زیب کو فون کر کے بلا لیتی ہے۔ شہوار کی طبیعت کا سن کے وہ کافی پریشان سے کالج پہنچتے ہیں اور فوراً اسے گھر لاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسے آرام و سکون کی تاکید کرتے ہیں جس پہ مہرالنساء بیگم کافی پریشان ہو جاتی ہیں انا روشی کے ساتھ شہوار کو دیکھنے آتی ہے۔ روشی کو دیکھ شہوار کو کسی چہرے کی شباہت محسوس ہوتی ہے جبکہ روشی کو بھی شناسائی کا احساس ہوتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

❁......❁......❁

''وعلیکم السلام!'' شہوار بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

''مجھے بہت شوق تھا شہوار آپ سے ملنے کا۔ انا نے اتنی تعریفیں کر رکھی ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔'' روشی نے بے پناہ محبت واپنائیت سے کہتے اس کے ہاتھ دبائے۔

مہرالنساء اور لائبہ مسکراتی نگاہوں سے تینوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''بھابی یہ انا ہے اور یہ روشی۔ انا کی کزن روشانے نام ہے ان کا۔'' لائبہ بھابی سے تعارف کرانے پر دونوں نے اٹھ کر فرداً فرداً ان کو گلے لگایا۔

''شہوار بھی بہت ذکر کرتی ہے آپ لوگوں کا' بہت خوشی ہوئی آپ دونوں سے مل کر۔'' بھابی نے اخلاقاً کہا۔

''یہ انا بیٹی تمہارے لیے لائی ہے شہوار......!'' مہرالنساء آنٹی نے ہاتھوں میں تھاما بکے اس کی گود میں رکھ دیا۔ تازہ سرخ گلابوں کو دیکھ کر اس نے بڑی ممنوع اور مجروح نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرادی۔

روشی نے بغور شہوار کو دیکھا وہ اسے حزن وغم میں ڈوبا نہایت خوب صورتی ودلکشی سے تراشا ایک بلوری (کانچ) مجسمہ لگی۔ جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ سکتا ہو...... دوپٹہ سر سے اترا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کے کالے گھنے بالوں کی چٹیا پر اس کی نگاہ پڑی۔ انا کی زبان سے وہ اس کے حسن کے قصیدے سن چکی تھی مگر اسے لگا وہ سب تو بہت کم تھا۔ وہ حقیقتاً بہت حسین تھی۔ عجیب سی کشش تھی اس کے وجود میں...... بے پناہ مقناطیسیت...... اسے اپنا دل لوہے کا ٹکڑا محسوس ہوا جو اس لڑکی کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔

''تم لوگ باتیں کرو میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' بھابی سوپ والا باؤل تھامے باہر نکل گئی تھیں۔ مہرالنساء بیگم بھی انہیں بے تکلفی سے بیٹھنے کا کہتے مغرب کی نماز پڑھنے نکل گئی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں یار! یہ سب کچھ نیا تو نہیں نا۔ ٹھیک ہے جو بھی آج ہوا ہے یہ بہت زیادہ ہے مگر تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔ تمہارے انکل نے تمہاری طبیعت کی خرابی کی وجہ پوچھی اور میں نے کچھ نہ کہا مگر وہ پریشان ضرور ہو گئے تھے۔'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھی اس کے دونوں ہاتھ تھامے محبت سے کہہ رہی تھی' جبکہ روشی ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کیسے سنبھالوں خود کو...... یوں لگتا ہے کہ جیسے سارے زمانے کا گندہ وبدباطن شخص میرے چہرے پر مل گیا ہے۔ مر جانے کو جی چاہ رہا ہے...... ایسی ذلت اور رسوائی...... مائی گاڈ......'' وہ پھر بری طرح رودی۔

روشی بڑی حیرانی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

''میں نے ہمیشہ سر اٹھا کر زندگی گزاری ہے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے' اور آج میری ذات سے متعلق پورے کالج نے وہ ڈرامہ دیکھا ہے جس کا تصور میں مر کر بھی نہیں کر سکتی...... جی چاہتا ہے کہ ابھی موت آ جائے' نجانے چیئرمین صاحب اب اس واقعے کو کس طرح لیتے ہیں۔ وہ انکل کے دوست ہیں' اگر بات بڑھ گئی تو انکل تک بھی پہنچ گی اور میں اپنی نظروں سے ہی گر جاؤں گی۔'' اس کا تراشا وجود اب پھر سسکیوں سے لرزیدہ تھا۔ کسی بید مجنوں کی شاخ کی مانند ہچکولے کھاتا۔ خوب صورت دلکش چہرے پر زردیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس کا ڈپریشن پھر انتہا کو بڑھنے لگا تھا۔ انا نے فوراً سہم کر اسے تھاما۔

''شہوار پلیز......! کنٹرول یور سیلف...... آنٹی یا کوئی اور آ جائے گا؟ تمہیں یوں روتے دیکھ کر ان پر کیا بیتے گی بھلا؟'' اس نے اسے جذباتی کیفیت سے نکالنے کے لیے کہا۔

اپنے ساتھ لگا کر مزید کچھ کہے بغیر اس سے تسلی آمیز محبت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

''تم لیٹ جاؤ' تمہاری طبیعت اب بھی بہتر نہیں لگ رہی ہے۔ بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔ آگ کی طرح تپ رہی ہو تم......'' اسے محبت سے خود سے جدا کرتے بستر پر لٹا دیا۔ تبھی بھابی چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ رخشندہ کے ہمراہ چلی آئی تھیں۔

''اچھا تم جاؤ چائے میں خود بنا لوں گی......'' رخشندہ ٹرالی رکھ کر چلی گئی تھی۔ انہوں نے چائے بنا کر دونوں کو کپ تھمائے۔

''شہوار چائے پیو گی؟'' انہوں نے آنکھیں بند کیے شہوار سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پی لو...... برف ہوتے اعصاب کے لیے چائے بہت سودمند رہتی ہے۔ تمہیں افاقہ ہوگا۔'' انا نے کہا اور پھر بھابی کو چائے بنانے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے کپ بنا کر اسے تھما دیا۔ انا نے کپ لے کر شہوار کو دیکھا جو آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پی لو...... شاباش۔'' وہ خاموشی سے مہر بہ لب تھی۔ پھر ذرا سا اٹھ کر کپ تھام لیا۔

''کمرا تو بہت پیارا ڈیکوریٹ کیا ہوا ہے تم نے شہوار؟'' چائے پیتے دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہوتے انا نے اطراف کا بھی بھرپور جائزہ لیا تھا۔

''یہ ہماری ''ماں جی'' کا کمرا ہے۔ شہوار کا کمرا تو دوسرا ہے۔'' بھابی خود بھی چائے پیتے بتا رہی تھیں۔

''اوہ ویری نائس......'' روشی کی نگاہوں میں توصیف تھی۔

''آپ روشی بالکل خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ کچھ اپنے بارے میں ہی بتائیے۔'' بھابی کے سوال پر شہوار نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

''میں انا کے ماموں کی بیٹی ہوں۔ ہم دو بہن بھائی ہیں...... ولید بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ ہماری والدہ کا انتقال بہت کم عمری میں ہی ہو گیا تھا' بقول بابا کے تب میں دو سال کی تھی' اپنی ساری لائف ہم نے امریکہ میں گزاری ہے۔ بابا دو سال پہلے پاکستان شفٹ ہوئے تھے جبکہ ہم اب کچھ عرصہ قبل ہی آئے ہیں۔ بھائی نے بزنس ایڈمنسٹریشن کیا ہے اور ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے بعد انہوں نے اسی فیلڈ میں کئی طرح کے کورسز بھی کیے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ وہاں جاب بھی کر چکے ہیں۔ جبکہ میں نے لاء پڑھا ہے' ایجوکیشن کی وجہ سے ہم وہاں رکے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میری ایجوکیشن کمپلیٹ ہوئی اور ڈگری ملی بھائی نے بھی تمام کورسز ترک کیے اور جاب چھوڑ کر ہم پاکستان آ گئے۔ اب یہاں بھائی اور بابا دونوں انا کے پاپا کے ساتھ مل کر بزنس کر رہے ہیں۔ بابا نے کئی سال پہلے انویسٹمنٹ کی تھی جبکہ باقاعدہ شمولیت اب بھائی کی آمد کے بعد اختیار کی ہے۔'' اس نے اپنے متعلق مکمل تفصیل سے بتایا۔

''زبردست۔'' تبھی مہرالنساء بیگم بھی نماز پڑھ کر آ چکی تھیں۔ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔ اور باتوں کا ایک خوب صورت سلسلہ چل نکلا تھا جس پر انا شرارت سے کہنے لگی۔

''ان محترمہ کا ایک تعارف یہ بھی ہے کہ یہ عنقریب ہمارے اکلوتے بھائی احسن کی دلہن بننے والی ہیں۔ اور اگلے ماہ شادی ہو رہی ہے۔'' انا نے شرارتی نگاہوں سے روشی کو دیکھتے کہا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔ شہوار کو اس کا یہ شرماتا روپ بڑا دلکش لگا۔

''ویل ڈن' کانگریجولیشن۔'' بھابی نے دل سے مبارک باد دی۔
''میں شادی میں انوائیٹ کروں گی آنٹی..... آپ سب نے آنا ہوگا۔'' انا نے کہا۔
''جی ضرور بیٹا! تم شہوار کی واحد دوست ہو' تم ہمارے گھر آئیں مجھے تو بڑی خوشی ہوئی ہے تمہیں اپنے ہاں دیکھ کر.....'' مہرالنساء بیگم نے بھی بڑے خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔
''آنٹی میں آپ کی اس بیٹی کو کئی بار اپنے گھر آنے کی آفر کرچکی ہوں مگر یہ کبھی ہامی تک نہیں بھرتی۔ آپ اسے لے کر بھابی کے ہمراہ کسی دن آیئے گا نا۔ یقین مانیے مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' اس نے بھی خلوص سے دعوت دی۔
''ہاں ضرور آئیں گے۔ اب تم کہہ رہی ہونا..... شہوار منع بھی کریں گی تو بھی میں انہیں کھینچ کھانچ کر لے آؤں گی۔'' بھابی نے دلاسا دیا۔
انا کے آنے اور اس کے دلاسا دینے سے شہوار کا ذہن وقتی طور پر بٹ گیا تھا۔
''لائبہ تم بچیوں کو گھر دکھاؤ۔ جب سے آئی ہیں ایک ہی جگہ پر ٹک گئی ہیں۔ کوئی تکلف نہیں کرو بچیوں تم لوگوں کا اپنا گھر ہے۔'' ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
''مرد حضرات کا گھر آنے کا ٹائم ہوگیا ہے۔ میں ذرا کچن دیکھ لوں۔ لائبہ تم ان کو گھر دکھاؤ۔'' جانے سے پہلے انہوں نے وضاحت کی تھی اور لائبہ کو تاکید بھی کی۔
''آؤ شہوار! تم بھی ہمارے ساتھ چلو.....'' انا نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔
''نہیں تم لوگ جاؤ..... میرے جسم میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ میں اٹھ کر بیٹھ جاؤں۔ ہاں تم لوگوں کے ساتھ میں اپنے کمرے تک ضرور چلتی ہوں۔'' وہ کمبل ہٹا کر چادر درست کرتے لائبہ کے سہارے بستر سے اتر آئی تھی۔
وہ چند گھنٹوں میں ہی بہت کمزور اور بیمار نظر آرہی تھی۔ بھابی کے ساتھ ساتھ انا نے بھی ایک طرف سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
اس کے کمرے میں اسے لٹا کر کمرے کا جائزہ لے کر وہ باقی گھر دیکھنے لگ گئی تھیں۔ لائبہ بھابی بہت ملنسار اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔ ان کے ساتھ گھر دیکھتے ہوئے بوریت نہیں ہوئی تھی' محل کی طرح بڑا سارا گھر اور اس کے مطابق آرائش وزیبائش دیکھ کر دونوں متاثر ہوئی تھیں۔
''ماشاء اللہ بہت ہی پیارا گھر ہے آپ کا تو۔'' روشی کئی مرتبہ یہ الفاظ دہرا چکی تھی۔ وہ دونوں واپس شہوار کے کمرے میں چلی آئی تھیں' تبھی رخشندہ آگئی تھی۔
''آپ کا ڈرائیور آگیا ہے۔''
ڈرائیور کا سن کر دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
''اپنا بہت سارا خیال رکھنا' میری مانو تو تین چار دن کالج سے چھٹی کرلو صحت اچھی رہے گی۔'' اس نے واپسی کے ارادے سے اٹھتے اسے نصیحت کی تھی اور پھر گلے لگا کر محبت سے ہاتھ دبائے تھے۔
وہ شہوار سے مل کر بھابی کے ہمراہ باہر آئیں تو مہرالنساء بیگم چلی آئیں۔
''تم لوگ اب کھانا کھا کر جانا' سب تیار ہے بیٹا۔'' وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔
''جی ضرور' مگر ہم مزید نہیں رک سکتیں۔ ماما مغرب کے بعد گھر سے باہر نکلنے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ تو ڈرائیور ساتھ ہے ورنہ ماما کہیں نہیں جانے دیتیں۔ پھر سہی' پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔'' انا نے معذرت کی تھی۔

حورین حسن

آنچل کی محفل میں آداب پیش کرتی ہوں۔ کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ میری دعا ہے خدا آپ سب کو خوشیاں دے اس طرح کہ آپ کو کبھی غم نہ آنے پائیں۔ معذرت کہ میں تو اپنا تعارف ہی کروانا بھول گئی تو جناب مجھے حورین حسن کہتے ہیں۔ ہم سات بہنیں اور ایک بھائی' بہت خوش اور مطمئن زندگی بسر کررہے ہیں۔ ماما جان ہاؤس وائف جب کہ بابا پہلے سیکشن آفیسر تھے مگر ریٹائرمنٹ کے بعد ہائیکورٹ میں وکالت کرتے ہیں' ہم جھنگ جسے محبت کی سرزمین کہتے ہیں' میں رہتے ہیں اور جہاں تک تعلیم کا حق ہے تو جناب ہم نے گریجویشن کیا ہے اور اب مزید ترقیوں کے خواب آنکھوں میں سجائے آگے بھی پڑھیں گے۔
تو جناب اب ہم اپنی خامیوں کا تذکرہ کریں گے کہ خوبیاں سننا یا سنانا تو سب کو پسند ہوتا ہے مگر خامیوں پر لوگ کم ہی متوجہ ہوتے ہیں تو مجھ میں شاید یہ خامی ہے کہ میں دوسروں سے توقعات بہت جلد وابستہ کرلیتی ہوں پھر جب وہ پوری نہیں ہوتیں تو خوب مایوس ہوجاتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری سوچ بہت کتابی سی ہوگئی ہے ہر کام میں' میں سچائی' ایمان داری اور سلیقے کو دیکھنا چاہتی ہوں مگر جب حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا تو یقین مانیں بہت دکھی ہوتی ہوں۔ اس کے علاوہ شاید یہ خامی بھی ہے کہ میں بہت زیادہ تر فیملی سے الگ تھلگ اپنی کتابوں کی دنیا میں مست رہتی ہوں اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ مجھ سے یہ احساس بھی چھین لیتا ہے کہ موسم میں بہت شدت ہے اور لائٹ بھی نہیں مگر..... مگر میں اپنے کام میں مگن رہتی ہوں اور خوبیاں..... ویسے یہ تو ہم سے وابستہ لوگ ہی بہتر بتا سکتے ہیں مگر یقین مانیں مجھ سے کبھی کسی کو شکایت نہیں ہوئی اور میں ایک اچھی راز دار ایسے ہوں کہ ایک اجنبی بھی مجھ سے عہد لے کر کوئی بات بتائے تو میں اسے اپنے تک محدود رکھوں گی اور خوب صورت ڈریس ڈیزائننگ کرنا اور کبھی کبھی کوئی ڈیکوریشن پیس بنانا تو جناب یہ ہی خوبیاں ہوسکتی ہیں
چونکہ میری پیدائش (بلکہ ہم سب بہنوں اور بھائیوں کی) لاہور میں ہوئی اور بچپن وہیں گزرا تو مجھے اس شہر سے خاصا لگاؤ ہے۔ اس کے علاوہ ایف ایم سننا بھی اچھا لگتا ہے خاص طور پر ایف ایم آرجے شمس' فریال آپی' اسامہ صدیقی بہت اچھا پروگرام پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے سے اتنا لگاؤ نہیں مگر پانی بہت پیتی ہوں اور دن میں تقریباً آدھا گھنٹہ واک کرنا اچھا لگتا ہے۔ میں ہر ایک سے بہت خوش اخلاقی سے ملتی ہوں مگر دوستی جسے کہتے ہیں وہ شاید مجھے آج تک کسی سے نہیں ہوسکتی اور اسی لیے میں اپنی ہر بات اللہ تعالیٰ سے ہی شیئر کرتی ہوں اور مجھے گفٹ خریدنا اور اپنی فرینڈز کو دینا بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ میں زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنا ہی پسند کرتی ہوں' جہاں بہت سے ڈائجسٹ' اخبار اور کتابوں کا ڈھیر ہے اور ساتھ میرے تین خوب صورت سے ٹیڈی بیئر بھی..... اوہ سوری جی! میں تو بھول گئی کہ میرے علاوہ میری اور بھی فرینڈز نے اس محفل کو یقیناً خوب صورت لفظوں سے سجانا ہے۔
میری خواہش ہے کہ میں ایک اچھی رائٹر اور اسلامک اسکالر بنوں' لاسٹ میسج یہ کہ ''منزل کو پانے کی خواہش آپ کے اندر ایک امید پیدا کرتی ہے اور یہی امید زندگی کا دوسرا نام ہے جو درد کے اندھیروں میں چپکے سے آپ کو زندگی کا رقص کرنا سکھلاتی ہے۔''

''یہ اچھا نہیں لگتا بیٹا..... گھر آئے مہمان کھانا کھائے بغیر چلے جائیں۔'' انہوں نے اصرار کیا تو روشی ہنس کر ان کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔
''یقین مانیں آنٹی پھوپو بہت پریشان ہورہی ہوں گی۔ کافی ٹائم ہوگیا ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ واپس جانا ہے..... ساتھ کوئی بھائی ہوتا تو ہم ضرور رک جاتے۔'' روشی کے انداز میں یا چہرے پر ایسی دلکشی تھی کہ وہ مبہوت ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ روشی ان کے یک ٹک دیکھنے پر سمجھی کہ ناراضی سے دیکھ رہی ہیں۔
''اچھا چلیں وعدہ رہا نیکسٹ ٹائم ہم ڈے ٹائم آئیں گے اور سارا دن آپ کے ساتھ گزار کر کھانا کھا کر ہی جائیں گے۔'' انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور نگاہ چرالی مگر نگاہ بھٹک بھٹک کر صرف اسی ایک چہرے کا طواف کرنے لگ گئی تھی۔ انہوں نے بے پناہ اپنائیت ومحبت سے اس کا چہرہ تھام کر چوم لیا۔
انہیں لگا کہ جیسے بے پناہ روشنی سی ان کے وجود میں اتر گئی ہو۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری صورت دی ہے رب نے۔ اللہ مقدر بھی اچھے کرے۔" انہوں نے دعا دی اور روشی اس والہانہ پن پر گھبرا گئی تھی۔ ان کے گلے لگانے پر تھم سی گئی تھی۔

وہ دونوں ان کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھیں۔ ان دونوں کو بے پناہ محبت اور دعا کے ساتھ رخصت کیا تھا۔



"کیا بات ہے شہزادے آج بڑا غمگین بیٹھا ہے۔ لگتا ہے کسی گہرے غم سے آشنائی ہوگئی ہے آج ہمارے جگر کی...... نہ وہ پہلے جیسی چہکار نہ وہ رعب و دبدبہ...... یار یہ کتنا بور ہوتا جارہا ہے دن بدن۔" کامران اسے یوں بیٹھے دیکھ کر حیران ہوا تھا مذاق میں چھیڑا تھا۔

"شٹ اپ......" اس کے مذاق پر اس نے سلگتی کھا جانے والی نظروں سے تمام ساتھیوں کو دیکھا۔

اس واقعے کو کتنے گھنٹے گزر چکے تھے مگر لگتا تھا کہ جیسے ابھی کچھ دیر پہلے اس شکست کا سامنا بھری پری کینٹین میں کیا گیا ہے۔ اور وہ ہاشم لوگ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پسٹل لے اور جا کر اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔

"کسی بات پر غصہ آرہا ہے تو پھر ہمیں کیوں کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ کہیں کسی سے جھگڑا وگڑا تو نہیں کر لیا ہے تو نے۔ ویسے جیسی تیری طبیعت ہے لگتا ہے اپنے باپ سے لڑ جھگڑ کر آیا ہے۔ تیرا باپ بھلے تو غصہ کرنے سے بڑا کھڑوس۔ دولت پر ناگ بن کر بیٹھا ہے۔" شہزاد نے بھی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہ بھنا اٹھا۔

"بکواس اگر کی نہ تو میں ایک منٹ میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" امین نے رازدرانہ نظروں سے شہزاد اور کامران کو دیکھا۔

"تو کچھ منہ سے بھی پھوٹے گا یا یہی سوگ والی صورت لیے گلاس پر گلاس چڑھائے گا۔ یار دوست آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ تو بول تو سہی۔ آج ہمارے شہزادے کی ہنسی کیوں روٹھی ہوئی ہے۔" کامران تھا ہی خبیث...... خباثت سے مسکرا کر بولا تھا۔

"مجھے پتا ہے یہ کیوں شکست خوردہ انسان کی طرح بیٹھا اپنی شکست کا سوگ منا رہا ہے۔" امین نے طنزیہ و رازدارانہ نظروں سے سب کو دیکھا۔ شہزاد اور کامران کے ساتھ وہ بھی اس کے انداز پر چونکا تھا۔

"اس نے تو قیامت تک منہ سے پھوٹنا ہی نہیں چل تو ہی بتا۔ پتا چل جانا ہے کہ ابھی تھیلے سے کون سی بلی سامنے آتی ہے۔" کامران نے اسے آنکھ مار کر امین کا کندھا پکڑا تھا۔ ایاز کا جی چاہا کہ آگے پڑا گلاس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

"اس کا آج کالج میں سب سے اسٹرانگ گروپ کے لیڈر سے جھگڑا ہوا ہے اور جواباً ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں سمیت اس کی خاصی ٹھکائی کر دی تھی...... آخری خبر آنے تک وجہ تنازعہ اس کا اپنی محبوبہ کو کینٹین میں چھیڑنا اور راہ روک کر بدتمیزی کرنا تھا جس پر وہ معصوم لیلیٰ جوش میں آکر اس کے منہ پر کتاب مار گئی اور پھر میدان کارزار بن گیا۔" وہ چونک کر حیران ہوا تھا۔

یہ چاروں لڑکے علیحدہ علیحدہ گھرانوں کے تھے...... میڈیکل کالج میں صرف ایاز پڑھتا تھا وہ حیران ہوا کہ اس قدر درست رپورٹ امین کو کہاں سے ملی ہے۔

"ہائے...... کیا واقعی......؟" کامران اور شہزاد تو ایکدم اچھل کر اس کے قریب ہوئے تھے اور پھر بغور اس کا چہرہ دیکھا نیم تاریک کلب کے ٹیرس میں کی گئی روشنی خاصی محدود تھی مگر اس محدود روشنی میں بھی امین کی نظریں اس کے

چہرے کے نیل اور چوٹ کے نشانات کو نہایت تمسخرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اس کے چہرے سے تم لوگوں کو ساری کہانی کی رپورٹ مل سکتی تھی۔ لگتا ہے زیادہ نشہ ہی چڑھ گیا ہے تم لوگوں کو' آنکھیں کھول کر دیکھو تو سہی اپنے شہزادے کو۔"

"بکواس نہیں کرو......" ایاز ایکدم طیش سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ "میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس بلڈی بچ کو...... نہایت پارسا بنتی ہے' جن لوگوں کے سامنے اس نے مجھے ذلیل کیا ہے انہی کے سامنے اسے ذلت کی گہرائیوں میں دھکیلوں گا۔" وہ غصے و تنفر سے اپنے جذبات آشکار کر رہا تھا' امین نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مگر کیسے......؟ وہ تو تمہیں گھاس ڈالنے پر بھی راضی نہیں۔"

"شہزاد اس کو سمجھا لو ورنہ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔" امین کا طنز سیدھا دل پر لگا تھا۔ وہ ایکدم بھنا کر اٹھا تھا۔

"امین چپ کرو تم...... تم ادھر بیٹھو بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟" شہزاد نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پھر کرسی پر بٹھا دیا۔ اس نے ان کے بار بار پوچھنے پر ساری رام کہانی کہہ سنائی۔ امین بڑی مطمئن نظروں سے اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا اور اس کی نظریں اسے مزید طیش دلاتی رہیں۔

"ہائے...... تو کیا چیئرمین صاحب نے تمہیں کالج سے نکال دیا۔" کامران نے حیرت سے پوچھا۔

"ویسے اچھا ہی کیا تو کون سا سنجیدگی سے وہاں پڑھ رہا تھا۔ صرف خوب صورت پریوں کا تعاقب کرنے وہاں داخل ہوا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں ہونا چاہیے ایسی ڈگریاں تو یوں چٹکی میں ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔" کامران نے اس کی تسلی کا سامان بھی کیا تو کس انداز میں۔

"ابھی نکالا نہیں...... نیکسٹ میٹنگ میں سارا معاملہ پیش ہوگا اور پھر ہی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔" کامران کے الفاظ سے زیادہ وہ امین کی نظروں سے چڑ کر بولا۔

"چلو فوراً پھانسی کی سزا نہ سہی...... قسطوں میں ہی سہی' ویسے سنا ہے کہ قسطوں میں ملنے والی سزا زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔" وہ بھی امین تھا چوٹ کرنے سے پھر بھی باز نہ آیا تھا۔

"اس سے لڑنے کا بھلا کیا فائدہ...... تم بتاؤ اگر واقعی نکال دیا تو کیا کرو گے؟" شہزاد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا کامران ہنس دیا۔

"لوبیا چنے بیچے گا۔" اس کی ہنسی اس کی روح پر تازیانے کی مانند لگی۔

"جس طرح میٹرک ایف ایس سی کی ڈگریاں ملی ہیں ویسے یہ لوبیا چنے بھی بیچ لے تو بڑی بات ہے۔" امین نے تو حد ہی کر دی تھی وہ ایکدم بلوریں گلاس اٹھا کر اسے مارنے لگا تو شہزاد نے فوراً ہاتھ تھام کر اسے روک دیا۔

"حد کرتے ہو یار...... یہ تو شروع سے ہی ان لوگوں کا مزاج ہے۔ تو کیوں غصہ کرتا ہے۔"

"میں اس وقت بہت غصے میں ہوں ان کو کہو اپنی بکواس بند کریں نہیں تو یہاں سے دفع ہو جائیں ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

"تمہارا زور صرف حسینوں کو پٹانے میں چلتا ہے...... مردوں والی کوئی صفت نہیں ہے تم میں سوائے اس کے کہ باپ کے پیسے پر عیاشی کرتے رہو۔"

امین کا سلگتا جملہ اسے مزید سلگا گیا تھا۔ شہزاد نے گھور کر امین کو دیکھا۔

"میں ہاشم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر کالج سے نکالا تو میں قیامت مچا دوں گا...... سمجھ کیا رکھا ہے ان لوگوں نے......" وہ بپھرا ہوا تھا۔

"ویسے قصور تمہارا ہے...... مٹی ڈالو ایسی لڑکی پر...... کیوں خوار ہو رہے ہو اس کے پیچھے۔ یوں سرعام بھری کینٹین میں اس کا راستہ روکو گے تو کوئی نہ کوئی اس کی حمایت میں آئے گا ہی نا......" شہزاد نے حقیقت پر مبنی تجزیہ پیش کیا۔

"ویسے بھی تمہیں کون سا لڑکیوں کی کمی ہے...... اس جیسی ایک چھوڑ دس تمہارے لیے......" کامران نے بھی اس کا حوصلہ بلند کرنا چاہا۔

"بشرطیکہ وہ اس جیسے کم عقل کو گھاس ڈال لیں تو......" امین اب بھی سلگانے سے باز نہ آیا تھا۔ امین کی یہ عادت تھی۔ معاملہ کسی کا بھی ہوتا وہ اسی طرح سلگاتا تھا۔ مگر آج اس کا دل کچھ زیادہ ہی ڈسٹرب تھا تو اسے یہ سب کچھ زیادہ ہی لگ رہا تھا۔

"بھئی ان لڑکیوں کا بھی ایک اسٹینڈر ہے...... پیسے کا کیا ہے کہیں سے بھی مل سکتا ہے۔ ہماری بھی جیبیں بھری پڑی ہیں۔"

"اس کو یہاں سے دفع کرو ورنہ میں چلا جاتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تو شہزاد نے گھور کر امین کو دیکھا اور پھر اسے بٹھا لیا۔

"تمہارے والد صاحب کو اس صورت حال کا پتا ہے کیا؟" اس کے چہرے پر نیل کے نشانات بغور دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں...... میں ابھی گھر گیا ہی نہیں اور اگر پتا چل بھی جائے تو کیا ہو جائے گا بھلا......! ہوگا تو وہی جو میں چاہوں گا۔"

"تو پھر کالج چھوڑ دے گا؟"

"ہاں...... میرا دل وہاں اب نہیں لگتا...... میں نے زیادہ پڑھ کر بھی کیا لینا ہے۔ باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں' جو بھی ہے سب کچھ میرا ہی تو ہے۔ کروڑوں کا بزنس بعد میں بھی میں نے ہی سنبھالنا ہے اور اب بھی' تو پھر اب کیوں نہیں...... ویسے بھی یہ انسانیت کی خدمت ودمت ہم سے نہیں ہوتی۔"

"اچھا فیصلہ ہے...... خوامخواہ اتنے سال ضائع کیے تو نے۔ کسی آرٹس سبجیکٹ میں بی اے کر کے ماسٹر کر لیتا تو آج ہماری طرح تمہارے پاس بھی ڈگری ہوتی۔ خیر دیر آید درست آید......" شہزاد نے بھی اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ شہزاد اس کے گروپ میں تینتیس سے اوپر کی عمر کا تھا۔ گھر میں بیوی بچے تھے مگر فطرت نہیں بدلتی' امین تیس کا تھا جبکہ کامران اس کا ہم عمر تھا۔ مگر شوق اور دلچسپیاں ایک ہونے کی وجہ سے سب دوست تھے۔

"تو ایسا کر اس لڑکی کو اٹھا لے......" امین نے بڑی سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

"کاش ایسا کر سکتا......" اس نے ایک گہری سانس بھری۔

"کیوں بھلا......؟ ہمارے لیے یہ کون سا مشکل کام ہے۔ اگر ایسی ہی وہ دو ٹکے کی لڑکی ہے تو اس کے لیے تمہیں اتنا خوار ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے' چند دن پاس رکھنا' دل بھر جائے تو کسی کے ہاتھ آگے ٹرانسفر کر دینا۔ نہ ہی ثبوت بچے گا نہ ہی کوئی مسئلہ ہوگا۔" کامران کا یہ مشورہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"اب وہ اتنی بھی دو ٹکے کی نہیں ہے' بڑی مضبوط بیک ہے' ڈی آئی جی شاہزیب حیات علی اسے اپنی بھتیجی شو کرواتے ہیں۔ بھلے وہ ان کے بھائی کی بیٹی نہیں ہے مگر ان کے گھر وہ ان کی بیٹی کی ہی طرح رہ رہی ہے۔ سیکیورٹی میں وہ کالج آتی اور جاتی ہے۔ ان کے گھر کے باہر گارڈ کھڑے ہیں۔ اندر کیمرے نصب ہیں۔ اور مصطفیٰ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں انتہائی اونچی پوسٹ پر بیٹھا یہ شخص اپنے باپ سے کئی گنا بڑھ کر چالاک ہے۔ اتنا آسان نہیں ہے یہ سب۔"

"تو پھر گولی مار...... کیوں اپنے آپ کو ایک لڑکی کے پیچھے برباد کر رہے ہو۔" شہزاد خاصا جل کر بولا۔

”کاش گولی ہی مار سکتا۔ لیکن میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ اسے ہر حال میں حاصل کر کے رہوں گا چاہے اب اپنا طریقہ کار ہی بدلنا پڑے۔“ اس کے ارادے مصمم تھے۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”مثلاً کیا کرو گے۔“

”میں شادی کروں گا اور ساری عمر اسے اس طرح سلگاؤں گا کہ وہ اپنے زخم چاٹتی پھرے گی سالی......“ غلیظ گالی بکتے ہوئے اس نے اپنے ارادے ظاہر کیے تھے۔

”زبردست...... چلو اچھی بات ہے۔ اگر وہ اتنی مضبوط بیک میں ہے تو تم پھر بھی گھاٹے کا سودا نہیں کرو گے پھر بھی تمہاری بہن کے سسرالی ہیں اس کو اپنانے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اس طرح تمہاری سسٹر کا گھر بھی محفوظ رہے گا۔“ شہزاد کو اس کا ارادہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے فوراً سراہا بھی تھا۔

”کیا وہ لوگ تمہیں لڑکی دے دیں گے۔“ امین نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”اگر نہ بھی دیں تو بھی اور بہت سے طریقے ہیں...... اب یہ طے ہے کہ مجھے شادی اسی سے کرنی ہے۔“ اس کا بے لچک انداز تھا۔

”ویل ڈن...... بیسٹ آف لک۔“ کامران نے بھی سراہا تھا جبکہ امین نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھتے کندھے اچکا دیئے تھے۔

اور ایاز نے جان بوجھ کر اس کا انداز نظر انداز کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

وہ اپنی مخصوص اسپیڈ میں گاڑی ڈرائیو کرتا آ رہا تھا آج وہ خلاف معمول لیٹ تھا۔ احسن عموماً میٹنگز وغیرہ اٹینڈ کرتا تھا مگر آج اسے جانا پڑ گیا تھا۔ نو بجے تک وہ فارغ ہوا تھا۔ گھر سے احسن اور بابا کے دو فون آ چکے تھے۔ وہ انہیں جلدی پہنچنے کی اطلاع کے ساتھ اسپیڈ سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ وہ سارا دن کی ازحد مصروفیت و تھکاوٹ کی وجہ سے اب خود بھی جلد از جلد گھر پہنچ کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

رات کا وقت تھا اسی وجہ سے ٹریفک بھی کم تھا۔ ابھی وہ گھر سے کچھ فاصلے پر ہی تھا جب ایک تیز رفتار گاڑی کو سامنے سے آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کی تھی۔ ون وے سڑک تھی ہارن دیتے اس نے سامنے والی گاڑی کے ڈرائیور کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر لگتا تھا کہ اس گاڑی کا ڈرائیور بہرہ تھا گاڑی کی اسپیڈ کم ہونے کی بجائے اور بڑھی تھی۔ ممکنہ حادثے سے ڈر کر ولید نے فوراً بریک پر پاؤں رکھا تھا مگر دیر ہو چکی تھی۔ سامنے سے آنے والی گاڑی لہرا کر اس کی گاڑی کے بمپر سے ٹکراتی لہراتی فٹ پاتھ پر چڑھ کر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

ولید نے فوراً اپنا چہرہ نیچے جھکا لیا تھا مگر ایسا کرنے سے اس کا چہرہ تو ونڈ اسکرین کی تباہ کاریوں کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا مگر ولید کو لگا کہ جیسے اس کی گردن اور کندھے شیشے کی نوکوں سے چھل گئے ہیں۔ ونڈ اسکرین اور سائیڈ کی کھڑکی کا شیشہ بری طرح ٹوٹا تھا۔

حادثہ کافی شدید اور فوری تھا۔

اس نے اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو کئی ٹیسیں درد کی اسے اپنے کندھوں اور بائیں بازو کے ساتھ ساتھ گردن سے بھی اٹھتی محسوس ہوئیں۔

اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے احتیاط سے ٹکڑے پیچھے کرتے دروازے کو کھولا تھا۔ باہر آ کر اس نے دوسری گاڑی

کو دیکھا۔ رات کے وقت ٹریفک اس سڑک پر نہ ہونے کے برابر تھی۔ کافی دیر بعد کوئی کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ اس نے گاڑی ٹکراتے ہوئے ایک بھرپور نسوانی چیخ سنی تھی جو یقیناً دوسری گاڑی سے برآمد ہوئی تھی۔ گاڑی جس طرح الٹی پڑی تھی لگتا تھا کہ گاڑی کے افراد خاصے زخمی ہوں گے اگر بچ بھی گئے تو یقیناً چوٹیں تو شدید نوعیت کی ہوں گی۔

وہ اپنے زخموں اور تکلیف کو بھلائے سرعت سے دوسری گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ گاڑی سائیڈ سے الٹی ہوئی تھی۔ اس نے اس کے ٹوٹے شیشوں سے جھانکا تو گاڑی میں ایک نسوانی وجود کے علاوہ اسے کوئی اور نظر نہ آیا تھا۔ لڑکی ڈرائیونگ سیٹ پر تھی پتا نہیں زندہ بھی تھی کہ مر کھپ گئی تھی۔ خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔

ولید نے سوچا چپ چاپ اپنی خیر منائے اور نکل جائے مگر اس کا دل کسی کو یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر جانے کو نہ چاہا۔ اس نے اپنی تمام قوت استعمال کر کے گاڑی کو دھکا لگایا تو وہ لڑکھڑاتی کچھ سیدھی ہوئی تھی اب گاڑی کا دروازہ کھل سکتا تھا اس نے زور سے دروازہ کھولتے اندر سر ڈالا۔

لڑکی کا بازو تھام کر دیکھا نبض چل رہی تھی۔ وہ یقیناً ابھی زندہ تھی بروقت طبی امداد سے وہ بچ بھی سکتی تھی اس نے اس کو دونوں بازوؤں کے حصار میں لے کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ خون اس قدر بہہ رہا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر باہر زمین پر ڈالتے اس نے اندازہ لگایا کہ لڑکی نہ صرف خاصی خوب صورت تھی بلکہ جس طرح کا لباس وہ زیب تن کیے ہوئے تھی وہ خاصی ماڈ اور روشن خیال بھی تھی۔

اس کے برہنہ بازوؤں اور ہوش ربا وجود سے نگاہیں چراتے اس نے پھر گاڑی میں سر دیا تھا۔ دوسری سیٹ کے پیچھے پڑا بیگ، موبائل اور دوسری چیزیں اس نے اٹھا کر بیگ میں ڈالتے ہوئے گاڑی کی چابی بھی اگنیشن سے کھینچ لی تھی۔

لڑکی کو اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر منتقل کر کے اس نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے وجود پر ڈال دیا تھا۔

نجانے کس گھرانے، کس خاندان کی عزت تھی۔ اسے اپنے اعصاب سلگتے محسوس ہوئے، اس کی نگاہوں میں ایک ڈھکا چھپا سراپا در آیا، امریکہ جیسے روشن خیال معاشرے میں رہنے کے باوجود روشی اپنی اقدار نہیں بھولی تھی مگر یہ لڑکی اس نے سر جھٹکا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے کانچ کے ٹکڑے ہٹاتے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

سب سے پہلے اس لڑکی کو ہاسپٹل پہنچانے کا انتظام کرنا تھا۔ وقتی طور پر اسے اپنے زخم اور تکلیف بھول گئی تھی۔ انسانیت کے ہی ناتے ایک بے بس موت کے منہ میں جاتے وجود کی مدد کرنا یہی سب کچھ تو بابا انہیں ساری عمر سکھاتے رہے تھے اور وہ بھلا ان کی تعلیمات کیسے فراموش کر دیتا۔

ہاسپٹل میں لڑکی کو اسٹریچر پر ڈالا اور ایمرجنسی روم میں فوراً منتقل کر دیا گیا تھا۔

”آپ لڑکی کے کیا لگتے ہیں؟“ چند منٹ بعد نرس نے آ کر پوچھا تو وہ سٹپٹا گیا۔

”کچھ بھی نہیں لڑکی کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور میں نے انسانیت کے ناتے اس کی مدد کی ہے۔“ نرس نے مشکوک نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ جانتے ہیں یہ ایک پرائیویٹ ہاسپٹل ہے لاکھوں لگ جاتے ہیں علاج کے لیے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ آپ اس کے ہزبینڈ ہیں۔“

لڑکی کی ظاہری کنڈیشن بھی کھاتے پیتے گھرانے کی لگ رہی ہے۔ اس کی ٹریٹمنٹ پر آنے والے اخراجات بھلا کون افورڈ کرے گا اب......“ نرس کا انداز ہمدردی کی بجائے پیشہ ورانہ تھا۔ ولید کو تاسف سا ہوا۔ اس سے بہتر تو امریکہ

کا معاشرہ تھا جہاں فوراً زخمی کو امداد تو دی جاتی ہے۔

"میں افورڈ کروں گا ظاہر ہے میں ہی لے کر آیا ہوں۔ آپ بتائیں کیا چاہیے؟" اس نے تلخی سے کہا تو نرس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"فوری بلڈ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ آپ کو ایک پرخلوص مشورہ ہے لڑکی کسی بڑے گھرانے کی لگ رہی ہے یہ نہ ہو کہ آپ محض جذبہ ہمدردی میں مارے جائیں۔ جتنی جلدی ہو سکے اس کے ورثا کو ٹریس کریں۔ کیونکہ لڑکی کی حالت خاصی تشویش ناک ہے۔" وہ اسے مشورہ دے کر فوراً پھر ایمرجنسی روم میں گھس گئی تھی۔

اسے تشویش نے آ گھیرا تھا۔ اس نے اپنی سفید شرٹ پر ایک نگاہ ڈالی جو لڑکی کو اٹھانے سے خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ دوبارہ پارکنگ میں آیا گاڑی میں سے لڑکی کا بیگ نکال کر وہ واپس اندر آ گیا تھا۔

ایک سائڈ کرسی پر بیٹھ کر اس نے اس کا بیگ چیک کرنا شروع کیا تھا۔ بڑے سے جہازی سائز بیگ میں ہر چیز تھی جو عورتوں کو اپنے حسن کو نکھارنے کے لیے استعمال کرنا ہوتی ہے اگر نہیں تھا تو کوئی اس کا اتا پتا نہیں تھا۔ اس نے کوفت سے اس کا موبائل پکڑ لیا۔ کنٹیکٹ لسٹ چیک کرنا شروع کر دی تھی۔

وہ ابھی موبائل چیک ہی کر رہا تھا کہ افتاں و خیزاں وہ نرس پھر باہر آئی تھی۔

"کچھ پتا چلا لڑکی کے ورثا کا......؟"

"جی کوشش تو کر رہا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھیں فوری بلڈ چاہیے...... ہاسپٹل میں اس کے گروپ کا بلڈ دستیاب ہے اگر آپ ہر طرح کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو ٹریٹمنٹ دیا جا سکتا ہے ورنہ ایم سوری۔"

وہ نرس خالص اپنے بڑوں کی زبان بول رہی تھی۔ اس نے برہمی سے اسے دیکھا۔

"تو کیا آپ لوگ اس کے مرنے کا ویٹ کر رہے ہیں۔ اسے فوری ٹریٹمنٹ دیں۔ میں ہر طرح کی صورت حال کو قبول کرتے اس کی ذمہ داری قبول کر رہا ہوں۔ اور بحیثیت انسانیت ہر طرح کے ڈیوز بھی پے کرنے کو ریڈی ہوں۔ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ کائنڈلی آپ یہاں کے ڈاکٹروں سے میری بات کروائیں۔ حیرت ہے کیسی بے حسی اور سفاکیت ہے؟ انسانیت نام کو نہیں...... گوشت پوست کا بنا انسان آخری ہچکیوں پر ہے اور آپ لوگوں کو اپنے فوائد کی پڑی ہے...... اوہ مائی گاڈ۔" وہ ایکدم غصے میں آ کر تمام چیزیں صوفے پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نرس فوراً اندر کی طرف بھاگ گئی اور دو منٹ بعد وہ ایک ڈاکٹر سے بات چیت کرتے مختلف پیپرز پر سائن کر رہا تھا۔ اس کی جیب میں جتنے روپے تھے وہ سب جمع کروا کر اس نے ان کو فی الحال مطمئن کر دیا تھا۔ باقی کچھ دقت مختلف چیزیں اور ادویات فراہم کرنے میں لگ گیا تھا۔

"کیا بنے گا اس ملک کا؟ یہ ڈاکٹرز نہیں لٹیرے ہیں...... کیسے لوٹتے ہیں یہ لوگ، مائی گاڈ......" اس کے لیے یہ صورت حال نئی ہی نہیں تشویش ناک بھی تھی۔ وہ غم و غصے سے ٹہلتا رہا تھا اور پھر ایک دم لیفٹ اینڈ رائٹ کرتے چونک گیا تھا۔ لڑکی کے بیگ کے پاس رکھا موبائل بج رہا تھا۔ اس نے فوراً موبائل اٹھا لیا تھا۔

"عادلہ......" نام دیکھ کر اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

"ہیلو......" اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جبکہ دوسری طرف نسوانی آواز میں کوئی بری طرح برس رہا تھا۔

"کہاں ہو تم...... ٹائم دیکھ رہی ہو کیا ہو رہا ہے مائی گاڈ رات کے بارہ بج رہے ہیں اور تمہارا کہیں نام و نشان نہیں...... مام پریشان ہو رہی ہیں فوری گھر پہنچو......" نجانے یہ کس قسم کی افتاد تھی اس کا ہیلو سنے بغیر ایکدم اسٹارٹ

ہوئی تھی اور اپنی بات سنا کر کھٹاک سے فون بند کر دیا گیا تھا۔

"یا اللہ......"

ولید نے گھور کر موبائل کو دیکھا اور پھر آنے والی کال پر ری ڈائل کر دیا۔

چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی مگر انداز ہنوز پھاڑ کھانے والا تھا۔ اس کی سنے بغیر وہ پھر "چلتی کا نام گاڑی" کی مانند فل اسپیڈ سے بول رہی تھی۔

"اب کیا تکلیف ہے...... میری نیند سخت خراب ہو گئی ہے صرف تمہاری وجہ سے۔ اور مام انہیں بھی چین نہیں، ہر دو منٹ بعد انہیں تمہارے درد اٹھ رہے ہیں۔ خدا کے واسطے اب یہ ایکسکیوز مجھے پیش کرنے کی بجائے مام کو پیش کرنا...... میں تنگ آ چکی ہوں تمہاری طرف سے بہانے بنا بنا کر...... آج پھر اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ رات بھر کا کسی ہوٹل میں پروگرام ہے تمہارا......"

ولید سن کر ہی پسینوں پسینے ہو گیا تھا۔ وہ تو صرف ہاسپٹل کے عملے کی بے حسی پر کڑھ رہا تھا یہاں تو حقیقی رشتوں میں بے حسی تھی۔ کیسی بے پروائی تھی اور کیا انداز تھا؟

"دیکھیے میم! آپ مجھے بھی کچھ بولنے کا موقع دیں تو عرض کروں کچھ......" اس سے پہلے کہ وہ کال بند کرتی اس نے فوراً بات کاٹ کر کہا تو دوسری طرف اجنبی مردانہ آواز سن کر ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی اور پھر شروع ہو گئی تھی۔

"خبردار تم اس کی حمایت میں کچھ بولے تو...... میں جانتی ہوں تم لڑکوں کو...... دولت اور حسن دیکھ کر رال ٹپکنے لگتی ہے تمہاری...... اور وہ بھی اتنی کم عقل اور بے وقوف ہے کہ اپنا اسٹینڈرڈ تک نہیں دیکھتی۔ ایسے للو پنجو قسم کے دو ٹکے کے لڑکوں کی ڈیمانڈ اور اوقات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں مسٹر......"

اس عورت کی گفتگو ایسی عامیانہ اور گھٹیا تھی کہ وہ ایکدم اشتعال میں آ گیا تھا۔

"اوہ...... یو شٹ اپ......" وہ ایکدم بولا تھا، دوسری طرف ایک دم خاموشی چھائی تھی۔

"آپ کو صرف یہ اطلاع دینی ہے کہ یہ جس محترمہ کا بھی نمبر ہے وہ اس وقت ایکسیڈنٹ کی وجہ سے زندگی و موت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ اگر آپ کی ریلیٹو ہیں تو رابطہ کر لیجیے گا...... شکریہ۔" موبائل بند کر کے اس نے پھر صوفے پر پھینک دیا اور اس عورت کے الفاظ پر اسے ابھی تک اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہوئیں۔

"مائی گاڈ...... کیسے غلیظ لوگ ہیں، کیا عورت ذات اتنا پستی میں بھی گر سکتی ہے اور وہ بھی مسلمان عورت؟" وہ سوچ سوچ کر سلگ رہا تھا۔

موبائل ایک دفعہ پھر بجنا شروع ہو چکا تھا اس نے بے حسی سے بجتے موبائل کو دیکھا۔ وہ اب جلد از جلد اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتا تھا، دل تو چاہا کہ ایسی سفاک عورت سے بات کرنے کی بجائے موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

اس نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے موبائل اٹھا لیا۔ آن کرتے خاموشی سے کان سے لگا لیا۔

"میں کاشفہ کی سسٹر بول رہی ہوں...... آپ نے چند پل پہلے جو اطلاع دی ہے کیا وہ درست ہے؟" لڑکی کا نام کاشفہ تھا۔

"یس......" اس نے مختصراً کہا۔

"اگر یہ آپ کی سسٹر کا نمبر ہے تو ان کا بیگ اور گاڑی کی چابی اس وقت میرے پاس ہے...... ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اور میری بدقسمتی کہ میں انہیں انسانیت کے ناتے ہاسپٹل لے آیا اور اب اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔ وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں...... گاڑی بری طرح ڈیمیج ہوئی ہے اگر میں بروقت انہیں ہاسپٹل نہ پہنچاتا تو وہ

اب تک مر چکی ہوتیں۔‘‘اس نے سنجیدہ دوٹوک انداز میں اطلاع دی تھی۔

’’مائی گاڈ۔‘‘

’’ایکسیڈنٹ کیسے ہوا......اور وہ خیریت سے تو ہے نا......؟‘‘اب کے وہ لڑکی خاصی پریشانی سے پوچھ رہی تھی اس کی پریشانی محسوس کرتے وہ بھی تھوڑا سا دھیما پڑ گیا۔

’’شاید گاڑی کی بریک فیل ہوگئی تھیں۔گاڑی کے انداز سے تو یہی لگتا ہے۔اور وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں۔ ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔‘‘

’’کون سے ہاسپٹل میں ہے؟‘‘وہ پوچھ رہی تھی اس نے ہاسپٹل کا نام بتا کر کال ڈس کنیکٹ کردی تھی۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد ایک مرد عورت اور لڑکی پریشان گھبرائے ہوئے آتے دکھائی دیئے تھے۔یقیناً وہ ریسپشن سے اس کے متعلق ہی پوچھ کر آئے تھے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

’’میں کاشفہ کا والد اور یہ اس کی والدہ اور بہن ہیں۔‘‘آدمی نے ہی آگے بڑھ کر تعارف کروایا تھا۔فارمیلٹی کے طور پر اس نے ان سے ہاتھ ملاتے حادثے کی وجہ صورت اور اب تک کی تمام تفصیلات بتاتے ڈاکٹر کے رویے بھی بتادیئے تھے۔

عبدالقیوم صاحب آتے ہی مختلف ڈاکٹرز اور اسٹاف سے رابطے میں لگ گئے تھے اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد ہی جیسے سارے ہاسپٹل کا اسٹاف اور عملہ ایک جگہ سمٹ آیا تھا۔ولید خاموشی سے کارکردگی دیکھ رہا تھا۔

وہ ڈاکٹرز جو بمشکل لڑکی کو ٹریمنٹ دے رہے تھے اب بڑی جانفشانی سے لڑکی کو ہینڈل کررہے تھے۔

ایک بجے کے قریب ڈاکٹرز نے بتایا کہ لڑکی کی کنڈیشن بہتر ہے اور اب خطرے سے باہر ہے تو اس نے بے اختیار تشکر کا سانس لیا تھا۔

’’تھینک گاڈ......اوکے عبدالقیوم صاحب اب مجھے اجازت دیجیے میرے گھر والے پریشان ہورہے ہوں گے آپ کی بیٹی کو اللہ شفا دے اور ہدایت یہ بھی لمبی زندگی دے۔‘‘اس نے دل سے دعا دی تھی۔

’’تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا! تم نے میری بیٹی کو دوسرے لوگوں کی طرح فٹ پاتھ پر پڑا رہنے نہ دیا...... تمہاری بروقت مدد سے وہ بچ گئی ہے۔‘‘وہ تشکر سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے گویا تھے اور پہلی بار شاید اسے غور سے دیکھا تھا۔

ہاسپٹل میں رات کے وقت وہ اسے دیکھ کر ایک پل کو چونک گئے تھے۔

یہ چہرہ یہ انداز یہ لب ولہجہ وہ بری طرح ٹھٹکے تھے۔

’’ایسی کوئی بات نہیں، بحیثیت انسان یہ تو میرا فرض تھا ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو بھی میں اس کی مدد کرتا اور اپنے تمام سورسز استعمال کرواتا اس کی جان بچانے کے لیے......‘‘وہ بغیر پلکیں جھپکائے اس کے روشن خوبرو نہایت حسین وجمیل چہرے کو تک رہے تھے۔

’’کیا نام ہے تمہارا؟‘‘اپنے کسی خیال سے چونک کر انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرادیا۔

اپنی وجاہت سے تو وہ خود بھی باخبر تھا اکثر لوگ اسے دیکھ کر اسی طرح مبہوت رہ جاتے تھے۔خصوصاً لڑکیاں تو مرتی تھیں۔

’’جی ولید ضیاء احمد۔‘‘

’’اوہ......‘‘وہ ایکدم ریلیکس ہوئے تھے اپنے ذہن کو جھٹکتے وہ مسکرائے تھے۔

’’تھینک یو بیٹا......ہم اب یہیں ہیں تم جا کر آرام کرو۔‘‘

ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھے دوسرا اس کے ہاتھ میں ڈالے وہ بہت محبت وشفقت سے کہہ رہے تھے۔یہ ان کا خاص انداز تھا کسی کو اپنا گرویدہ بنانے کا......ولید قدرے متاثر ہوا۔

’’اور تم بھی شاید زخمی ہو......‘‘اس کی گردن پر نظر ڈالتے قمیص رنگین دیکھ کر وہ تشویش سے بولے تھے۔ولید مسکرادیا۔

’’نہیں انکل، بس ہلکے سے زخم اور خراشیں ہیں ڈونٹ وری۔‘‘

’’کسی ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔بینڈیج تو ضرور ہونی چاہیے نا۔‘‘گردن پر ہاتھ رکھ کر زخم دیکھتے وہ کہہ رہے تھے۔ان کا لہجہ پرشفقت ہی نہیں پرتشویش بھی تھا۔

’’جی ضرور کرواتا مگر کیا کروں خاصا لیٹ ہوچکا ہوں گھر والوں کے کئی فون آچکے ہیں اور دوست کے پاس ٹھہر جانے کے بہانے بنا بنا کر اب میں بھی تھک چکا ہوں۔میں ان شاء اللہ صبح چکر لگاؤں گا۔یہ کارڈ ہے رکھ لیں کسی بھی سلسلے میں ضرورت ہو تو کال کرلیجیے گا۔چونکہ یہ ایکسیڈنٹ کا کیس تھا تو کاغذی کارروائی پر میرے ہی دستخط ہیں۔کوئی پریشانی ہو تو بلا لیجیے گا۔‘‘عادلہ اپنی ماں کو لیے سائیڈ کے صوفوں پر ٹک گئی تھی۔ولید نے انہیں کار کی چابی بیگ اور موبائل تھما دیا تھا۔

اور پھر وہ ان لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

’’بڑا نیک اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔‘‘عبدالقیوم صاحب نے اپنی بیگم کو دیکھ کر کہا۔

’’کسی نیک اور سلجھے ہوئے گھرانے کا لگتا ہے۔‘‘بیگم نے بھی تائید کی تھی۔اور عادلہ بھی قائل ہوئی کہ اس نے ایک دفعہ بھی تو سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

یہ اس کی شرافت کی گواہی ہی تو تھی۔

عبدالقیوم صاحب ہاتھ میں پکڑا کارڈ جیب میں ڈالتے نڈھال سے انداز میں صوفے پر ٹک گئے تھے۔



اسٹڈی کے دوران اسے کافی کی شدید طلب ہوئی۔وہ پچھلے کئی دنوں سے روشی اور ولید کی ہدایت کی وجہ سے کافی پینے سے احتیاط برت رہی تھی مگر آج طلب بڑھتے دیکھ کر وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ارادہ اس کا کچن کی طرف جانے کا تھا مگر لاؤنج سے ٹی وی کی آواز آتے دیکھ کر وہ ادھر چلی آئی۔

روشی اپنی جمائیاں روکے ٹی وی دیکھتی صوفے پر نیم دراز تھی۔

اس نے وال کلاک کی طرف نگاہ کی۔

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

’’تم سوئی نہیں روشی؟‘‘وہ اس کے پاس ہی صوفے پر آ بیٹھی منہ پر ہاتھ رکھے جمائی روکتے وہ اٹھ بیٹھی......نیند سے اس کا برا حال تھا۔آنکھوں کے ڈورے نیند کی وجہ سے سرخ ہورہے تھے۔وہ اس وقت اس حالت میں نہایت پرکشش لگ رہی تھی۔

’’ولید بھائی کا ویٹ کررہی ہوں۔‘‘اپنے جاگنے کی وجہ بیان کی تو وہ چونکی۔

’’کیا ولی ابھی تک نہیں لوٹا۔‘‘نہایت حیرت واستعجاب سے پوچھا۔

’’نہیں......میں نے ایک گھنٹہ پہلے کال کی تھی تو کہہ رہے تھے کہ دوست کے پاس ہوں۔لیٹ ہوجاؤں گا۔اور

اس کے بعد مسلسل خاموشی ہے۔ میں نے کئی بار کال کی ہے مگر وہ اٹینڈ نہیں کررہے۔"

"لاؤ دو موبائل میں کال کرتی ہوں۔" اس نے روشی کے ہاتھ سے اس کا موبائل لے کر نمبرز ملائے تھے بجائے اس کے کہ کال ریسیو کی جاتی فوراً کاٹ دی گئی۔

"کاٹ دی نا؟" روشی اس کے ہاتھ نیچے کرلینے پر گویا ہوئی۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"آپ کدھر ہیں...... اور کب تک پہنچ رہے ہیں؟" اس نے دوبارہ میسج سینڈ کیا جس کا Reply فوراً مل گیا تھا۔

"میں دوست کے ساتھ ہوں...... ڈونٹ وری...... کچھ لیٹ ہو جاؤں گا...... تم آرام سے جا کر سو جاؤ۔"

میسج پڑھ کر اس نے گہری سانس لیتے روشی کو موبائل تھما دیا تھا۔

"ولی بھائی کا ایسا کون سا دوست ہے جو اتنی رات کو باہر ہیں ابھی تک؟" وہ روشی کو دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"کافی پیو گی؟"

"نہیں پہلے ہی نیند سے برا حال ہے۔ اس ٹائم کافی پی کر اپنی نیند خراب نہیں کرنی......" اس کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہوگئی تھی۔

"میں سونے جارہی ہوں اور تم بھی کافی کو چھوڑ کر سونے کی کوشش کرو۔"

"تم چلو میں تمہارے کمرے میں ہی کافی بنا کر آتی ہوں۔"

کچن میں آ کر اس نے اپنے لیے کافی بنائی تھی۔ مگ لیے وہ روشی کے کمرے میں آئی تو وہ محترمہ بستر پر دراز نیند میں تھی۔

"روشی۔" اس کے پاس ہی بیٹھ کر اسے جھنجوڑا۔

"کیا ہے؟" نیند سے مندھی مندھی آنکھیں کیسی سحر طراز تھیں۔ اسے ٹوٹ کر روشی پر پیار آیا۔

"تمہیں شہوار کے گھر جا کر کیسا لگا؟" روشی کے ساتھ واپسی پر ڈرائیور کی وجہ سے شہوار والے معاملے پر زیادہ بات چیت نہ ہوئی تھی۔ گھر آ کر ٹائم ہی نہیں ملا تھا کہ دونوں آرام سے بیٹھ کر اس موضوع پر ڈسکشن کرتیں۔

"اچھا لگا...... بلکہ بہت اچھا مگر یار یہ کون سا وقت ہے ان لوگوں کو ڈسکس کرنے کا' صبح نہیں ہونی کیا؟" اس کا نیند سے برا حال تھا۔ وہ مسکرا دی۔

"اٹھ کر بیٹھ جاؤ...... ورنہ میں یہ کافی کا بھرا مگ تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔ مجھے نیند نہیں آرہی اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم بھی میرے ساتھ جاگو گی۔" روشی نے بڑی بڑی آنکھوں سے اسے گھورا اور اسے مسکراتے ہوئے کافی کی چسکیاں بھرتے دیکھ کر کلسی۔

"دفع ہو جاؤ...... اپنے کمرے میں جا کر مرو...... لے کر میری نیند خراب کررہی ہو۔ پہلے ولی بھائی کی وجہ سے اب تمہاری وجہ سے...... میں پھوپو کو ورغلاتی ہوں تمہارا اب کوئی پکا بندوبست کریں...... تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی۔ تمہارے لیے تمہارے ساتھ جاگنے والا ایک انسان ڈھونڈیں اب......" روشی کے الفاظ پر انا کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔ شرم سے اس کے گلنار رخساروں پر پلکوں کا رقص بڑا دلکش تھا۔ وہ ایکدم ششدر کر رہ گئی۔

"بکواس مت کرو......" اس نے ڈپٹا تھا وہ ہلکا سا ہنس دی تھی۔ نیند سے اٹی ہنسی...... ماحول میں ارتعاش سا بکھر گیا۔

"بکواس نہیں حقیقت میں اب ایسا ہی کروں گی اب اگر تم نے میری نیند خراب کی تو...... اچھا ہے تمہیں بھی لگام

ڈالنے والا کوئی ہونا چاہیے۔ جس کے سامنے تمہاری بولتی بند ہو۔ وہ تمہاری راتوں کو اپنے وجود کی قربتوں سے منور کرے پھر تمہیں جاگنے کا مزہ آئے گا۔'' روشی نے گویا اگلے پچھلے سارے حساب چکائے تھے وہ ایک دم شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ خجالت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کے کندھے پر مارا' وہ ہائے وائے کرتے کراہ کر رہ گئی۔

''بہت چلتی ہے تمہاری زبان...... لگتا ہے احسن بھائی زیادہ ہی تنگ کرنے لگے ہیں تمہیں...... ویسے انہیں شرم آنی چاہیے شادی سے پہلے ان کی یہ حرکتیں...... ماما سے شکایت کروں گی......'' روشی اس کی دھمکی پر ایکدم ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی تھی انا نے بے ساختہ اپنی مسکراہٹ ہونٹوں تلے روکی۔

''خبردار پھوپو کو کچھ کہا بھی تو...... ایسی کوئی بات نہیں' میری تو کبھی احسن سے ایک دو لفظوں سے زیادہ بات چیت ہی نہیں ہوئی۔'' وہ گھبرا کر صفائی پیش کر رہی تھی وہ کھل کر ہنس دی۔

روشی نے ایک زوردار دھموکا اسے جڑ دیا۔

''بہت بری ہو تم؟'' وہ منہ پھلا کر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

''انا شہوار کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ وہ کس شخص کی بات کر رہی تھی کالج میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے؟'' کچھ دیر بعد یاد آنے پر وہ اس کی طرف رخ کیے پوچھ رہی تھی۔ انا فوراً سنجیدہ ہوگئی۔

''بس ہے ایک شخص پورے کالج کے لیے ناسور تقریباً کالج کی تمام لڑکیاں اس سے بدظن اور دور بھاگتی ہیں۔''

''اس کا شہوار سے کیا تعلق ہے؟'' یہ ٹاپک اتنا حساس تھا کہ انا سوچنے لگی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

''اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں......'' اس نے خاصی حقارت سے کہا۔

اور پھر چیدہ چیدہ مختصراً الفاظ میں اسے تمام پچھلی باتوں کے ہمراہ موجودہ صورت حال سمیت سب بتا دیا۔ روشی کو یہ سب سن کر بہت دکھ ہوا۔

''ویری سیڈ۔''

''ویسے وہ لوگ بہت اچھے پرخلوص اور ملنسار ہیں' شہوار کے لیے تو بہت مخلص ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا' اس کی ساری شوخی وشرارت ہوا ہوگئی تھی۔ اسے رہ رہ کر شہوار کا حزن وملال میں ڈوبا چہرہ یاد آ رہا تھا۔

''ایسے لڑکے کے لیے تو کڑی سے کڑی سزا بھی کم ہے۔ تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' روشی تبصرہ کرتے کرتے انا کی افسردگی دیکھ کر رک گئی۔

''ولی بھائی بھی کتنے بے پروا ہو گئے ہیں...... اب تو آ جانا چاہیے تھا انہیں۔''

وال کلاک کی طرف دیکھا تو سوا ایک ہو رہا تھا۔ انا کا بھی دھیان بھٹکا۔ روشی پھر لیٹ گئی تھی۔ انا کی توجہ ولید کی طرف ہوگئی۔

''تمہیں تو نیند آنے والی نہیں اب...... میں سو رہی ہوں تم ولی بھائی کا انتظار کر لینا۔ وہ آئیں تو کھانا وغیرہ پوچھ لینا پلیز......'' نیند سے بھری آنکھیں اس نے پھر بند کر لی تھیں۔ وہ روشی کے بیڈ پر بیٹھی چند منٹ کچھ سوچتی رہی اور پھر اٹھ کر باہر ٹیرس پر آ نکلی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب گاڑی کے ہارن کی آواز پر وہ چونکی۔

شاید ولید آ گیا تھا۔

وہ سیدھی ہو کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ چوکیدار اپنے کمرے سے نکل کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا...... ولید گاڑی

اندر لے آیا تھا۔ سارا لان اور ارد گرد کا سارا ماحول گہرے تاریک اندھیرے میں غرق تھا وہ اپنی گاڑی سے نکل کر چوکیدار کو نجانے کیا کہہ رہا تھا۔ چوکیدار صرف سر ہلا رہا تھا اور پھر ولید اپنے والے پورشن کی طرف چلا آیا تھا۔

ولید کا کمرا روشی کے کمرے کے ساتھ ہی تھا۔

وہ جیسے ہی سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا تھا سامنے ہی ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ لگی انا کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' ورنہ اسے یقین تھا کہ روشی کے علاوہ سب ہی سو چکے ہوں گے اور روشی کو بھی اس نے میسج کر کے سونے کا کہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ واقعی سو گئی ہوگی۔ وہ اس کی کچی نیند کے بارے میں اچھی طرح آگاہ تھا۔ مگر روشی کی جگہ انا کو چوکیداری کرتے دیکھ کر چپ ہو گیا تھا۔

انا تو حیران وششدر سی آنکھیں پھاڑے ولید کی خون آلود شرٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ خون کیسا ہے......؟ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے کیا؟' حیرت کے سمندر سے نکلتے ہی بہت گھبرا کر نہایت خوفزدہ وہ اس کے قریب آ کر پوچھ رہی تھی وہ جواب دینے کی بجائے کمرے میں چلا گیا تھا۔

اور انا بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔

''کہ...... کہ کیسے ہوا ہے ایکسیڈنٹ......؟'' وہ لاکھ بہادر سہی ایک مستقبل کی لائق فائق ڈاکٹر سہی مگر ولید کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے کو تھے۔ ولید نے ہاتھ میں تھاما بیگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں۔'' اس کی بے پناہ گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر اس نے تسلی دینا چاہی تھی۔

''تو پھر یہ......؟'' اس نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتے اس کی خون آلود شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''کچھ نہیں یار! بس کسی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا تو اس کو ہاسپٹل پہنچاتے یہ حالت ہوگئی۔'' لفظ ایکسیڈنٹ سن کر ہی ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں وہ تو پھر اس قدر خون آلود شرٹ دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ ایکدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں نا؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو سمٹ آئے تھے۔ ''سچ سچ بتائیں...... کیا ہوا ہے؟'' ولید نے خاصا چونک کر اسے دیکھا۔

''تھنگ مور یار......! اور میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔ بس چند خراشوں کے سوا میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ اس کی کیفیت سے خاصا متاثر ہوا تھا۔ دھیمے سے اس کا رخسار تھپتھپا کر اسے ریلیکس کرنا چاہا مگر وہ خون سے بھری شرٹ کو دیکھ کر کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھی۔

ساری شرٹ خون آلود تھی یقیناً کوئی بڑی بات ہوئی ہوگی۔

''میں ماموں اور ماما کو بتاتی ہوں۔'' صورت حال کا اندازہ لگاتے اس کا ہاتھ چھوڑ کر باہر نکلنے والی تھی۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو انا......'' ولید نے ایکدم اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا تھا۔

''آپ زخمی ہیں نا......!'' اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف وہراس تھا۔ وہ محسوس کرتے کچھ دھیما پڑ گیا۔

''ہاں مگر اتنا زیادہ نہیں جتنا تم سوچ رہی ہو...... چند ہلکی پھلکی گردن بازو اور کندھوں پر خراشیں ہیں...... تم خود میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو...... بہت کمزور اعصاب کی مالک ہو تم تو؟'' اسے ڈپٹ کر آخر میں اس نے جتایا تو وہ خجل سی ہوئی مگر وہ کیا کرتی کسی اپنے کو خون آلود حالت میں دیکھ کر دل پر کیا بیتتی ہے یہ زندگی کا فرسٹ اور حیران کن ایکسپیرنس تھا۔ مریض کو تو وہ اکثر دیکھتی ہی رہتی تھی بلکہ عادی تھی۔

''آپ نے بینڈیج کروائی؟'' وہ مسلسل تھانیداروں کی طرح کھڑی تفتیش کر رہی تھی۔ ولید جو پہلے ہی اعصاب

شکن تھکاوٹ کا شکار تھا اوپر سے ایکسیڈنٹ نے رہی سہی طاقت سلب کرلی تھی۔ گردن اور کندھوں سے اٹھنے والی ٹیسیں بڑی تکلیف دہ تھیں۔ وہ آرام سے بستر پر بیٹھ کر پاؤں کو جوتوں سے آزاد کرنے لگا تھا۔

انا نے دیکھا اس کی گردن بھی زخمی تھی۔ جس کی وجہ سے خون بہنے سے شرٹ کا پچھلا حصہ بھی خون آلود ہو چکا تھا۔

"آپ گھر کیوں آئے...... ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں گئے؟" وہ چیخی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"انا پلیز میں چینج کرنا چاہتا ہوں، پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔" اس کے ان الفاظ نے اس کے دل پر بری طرح چوٹ لگائی تھی۔ اس کے آنسو بے اختیار تھے۔

"مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر، آپ کی تکلیف کے احساس سے میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ شدت سے رو دی تھی جبکہ ولید اس ردعمل پر حیران رہ گیا تھا۔

وہ اچھی خاصی میچور لڑکی تھی اس جذباتیت کی اس سے توقع تو نہ تھی۔ ولید کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے فوراً اٹھ کر اس کے قریب ہوا تھا۔

"مائی گاڈ...... یہ کیا طریقہ ہے یار......؟ ڈونٹ وری آئی ایم آل رائٹ۔" تسلی دینے کو اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ تو بے اختیار اس کے قریب ہوتے اس کے کندھے پر پیشانی ٹکاتے رو دی تھی۔ اور یہ سب کچھ اس قدر اچانک تھا کہ ولید بھی اپنی جگہ ہڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

"آپ کو کچھ بھی ہوا تو بائی گاڈ میں مر جاؤں گی۔" پتا نہیں وہ حواس میں تھی یا نہیں ولید تو تڑپ کر پیچھے ہوا تھا۔ جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

نہ ہی وہ کوئی ناسمجھ بچہ تھا اور نہ ہی انا کے الفاظ غیر واضح تھے۔

تو پھر......! اس کا یوں رونا...... ری ایکٹ کرنا...... اور اب بھی وہ اپنے الفاظ کا احساس کیے بغیر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

"انا ڈونٹ بی سلی! یہ کیا بیوقوفی ہے یار۔" وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔ "تم اچھی خاصی میچور لڑکی ہو...... میڈیکل کے فورتھ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہو کر ایسا ری ایکشن حیرت ہے۔ ذرا سا خون دیکھ کر تمہاری یہ حالت ہے اگر کسی دن خون میں لت پت وجود کو ٹریٹمنٹ دینے کی ضرورت پڑ گئی تو پھر؟" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ایم سوری......" اپنی جذباتیت پر خود بھی گھبرا کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ولید نے خاموشی سے اس کی بھیگی نگاہوں سے نظریں چرالیں۔

ایکدم دل کو کچھ ہوا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ ہری اپ۔" الماری کی طرف بڑھتے اس نے اس کے وجود کو سامنے سے ہٹانا چاہا تھا۔ بڑا سا دوپٹہ لیے جس کا ایک پلو سر پر تھا اس کے سامنے کھڑی روتی آنسو بہاتی، اسے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گئی تھی۔ انا نے کچن میں آ کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔

اپنی کیفیت اس کے اپنے لیے بھی بڑی پریشان کن تھی اور اس کے قطعی اختیار سے باہر بھی۔

وہ جتنا بھی خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی مگر وہ اپنے احساسات و جذبات کے سامنے قطعی بے بس تھی۔

بعض احساسات و جذبات فطری ہوتے اور واقعے کو مدنظر رکھتے انسان کے اندر سے امڈتے ہیں یوں کہ اسے خود بھی اندازہ نہیں ہو پاتا کہ وہ کس قسم کی جذباتیت کا مظاہرہ کر رہا ہے یا سامنے والے انسان پر اس کی جذباتیت کس طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس وقت وہ بھی کچھ ایسی ہی چویشن سے دوچار تھی۔ وہ صرف جذبات کے تابع تھی۔

وہ فرسٹ ایڈ باکس لیے واپس کمرے میں آئی تو وہ چینج کر چکا تھا۔ جسم پر بنیان اور ٹراؤزر تھا۔ کندھوں پر وہ ٹاول ڈالے جیسے اس کا ہی منتظر تھا۔

اب گردن اور بازوؤں کے زخم خاصی تکلیف دے رہے تھے۔ جنہیں وہ مسلسل معمولی خراشیں اور ٹیسیں کہہ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ رکھے تھے۔

"میں بینڈیج کرلوں گا تم جاؤ اب......" اس کے ہاتھ سے باکس لے کر وہ کھول رہا تھا جبکہ وہ خاموشی سے اس کی گردن اور بازو کے زخم کو خاصی تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ خود کیسے کریں گے......؟ بہتر تھا کہ ہاسپٹل سے ہی کروا کر آتے۔" وہ اپنے آپ کو خاصا سنبھال چکی تھی باکس سے روئی اور ڈیٹول لے کر ولید کی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کرتی اس کی سائیڈ پر آ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے میں کچھ پل قبل ایک کمزور ڈاکٹر ثابت ہوئی ہوں مگر اب کی بار آپ کو ناکامی نہیں ہوگی۔ اب میں اتنی بھی اناڑی نہیں ہوں۔"

مسکرا کر کہتے اس وقت وہ کسی بھی صورت حال کو ذہن میں جگہ دیئے بغیر صرف جذبۂ ہمدردی کے تحت یہ سب کرنے پر مجبور تھی شاید اس کے پیشہ ورانہ ڈاکٹری کے جذبات ابھر آئے تھے۔ یا پھر وہ اپنے احساسات و جذبات کے سامنے قطعی بے بس تھی۔

ولید بھی شاید اس کے احساسات سمجھ گیا تھا اس نے دوبارہ ٹوکا نہیں تھا۔

"آپ ادھر چیئر پر آ کر بیٹھ جائیں۔" ولید بستر کے کنارے سے اٹھ کر چیئر پر آ بیٹھا تھا جو اس نے اسٹڈی ٹیبل کے سامنے سے اٹھا کر ڈریسنگ کے سامنے رکھی تھی۔

وہ ٹاول ہٹا کر اس کی گردن سے بڑی احتیاط سے چپکے کانچ صاف کر رہی تھی۔

"کب ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟" وہ نظریں اپنے پاؤں پر جمائے اس کے رحم و کرم پر تھا اس کے سوال پر نظریں اٹھا کر مرر میں اسے دیکھا وہ مکمل توجہ اس کی گردن کی طرف کیے روئی اور ڈیٹول کی مدد سے گردن سے خون کے ساتھ ساتھ شیشے کی کرچیاں بھی چن رہی تھی۔

"شاید نو بجے کی ٹائمنگ تھی۔"

"مائی گاڈ تب سے اب تک آپ اسی حالت میں گھومتے پھر رہے ہیں؟" اس نے حیران ہو کر ولید کے چہرے کی طرف دیکھا جو جھکا ہوا تھا وہ اس کے تاثرات ملاحظہ نہ کرسکی تھی۔

"ہمت ہے آپ کی، جس طرح کانچ گردن کی کھال میں گھس گئے ہیں تکلیف تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔" کمرے میں پڑا جگ اٹھا کر وہ واش روم میں گھس گئی تھی پانی بھر کر لا کر ڈیٹول کے چند قطرے ڈال کر اس نے پہلے تو اس کے ٹاول سے کانچ اور جما ہوا خون صاف کیا اور پھر جہاں زخم گہرا تھا وہاں آئنٹمنٹ لگا کر اس نے پٹی کردی تھی۔ دائیں بازو، دائیں کندھے اور گردن کا پچھلا حصہ دائیں طرف سے زیادہ متاثر ہوا تھا باقی تو خراشیں ہی تھیں صرف۔ مرہم پٹی کر کے اس نے جھک کر باکس میں تمام چیزیں ڈالی تھیں اور پھر تمام چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا کھائیں گے؟" اس کے سوال پر ولید کو شدید بھوک کا احساس ہوا جو بھاگ دوڑ میں کہیں رفو چکر ہو چکا تھا۔

"تم رہنے دو پہلے ہی بہت خدمت کرلی ہے میری...... آج تو نیم حکیم جی کو بھی مجھے تختۂ مشق بنانے کا موقع مل گیا ہے۔ پہلے تو تمہاری ڈاکٹری کی زد میں جسٹ بابا جان ہی آتے تھے۔" بینڈیج کے دوران وہ ایک لفظ بھی نہ بولا تھا

اوراب اس کے الفاظ پر وہ مسکرادی۔

”تم جاؤ..... صبح کالج بھی جانا ہوگا تم نے..... خواہ مخواہ میری وجہ سے تم نے اپنی نیند برباد کی..... بھوک تو واقعی مجھے لگ رہی ہے اور تھکن سے بھی برا حال ہے اب جی چاہتا ہے کہ پڑ کر سو جاؤں مگر کھانا کھائے بغیر نیند نہیں آئے گی۔ میں خود ہی کچن سے کچھ نہ کچھ لے لوں گا۔ تمہارا بہت شکریہ تم نے اتنی زحمت کی۔“

”زحمت کیسی.....؟ آپ پلیز آرام سے لیٹ جائیں میں کھانا لے آتی ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہتے باہر نکلنا چاہا کہ ولید نے منع کردیا۔

”تم رہنے دو پہلے ہی تمہیں خاصا ڈسٹرب کرچکا ہوں..... تمہیں نیند آ رہی ہوگی۔“

”میری نیند کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ تو پہلے ہی کم ہی آتی ہے۔ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلنے سے بہتر ہے کہ آپ کی خدمت ہی کرلوں۔ کہتے ہیں کہ مریض کی عیادت اور خدمت میں بھی بڑا ثواب ہے اور میں ٹھہری پکی مسلمان یہ ثواب بھلا کیسے چھوڑ دوں۔“ وہ ہنس کر کہتے کمرے سے چلی گئی۔

آج انا کے تمام رویے ولید کے لیے بڑے حیران کن تھے۔ اس نے ڈریسنگ کے شیشے میں اپنے زخموں کو دیکھا جہاں پر اس نے بینڈیج کی تھی۔ اس کی نرم انگلیوں کا لمس ابھی بھی گردن پر محسوس ہورہا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس نے الماری سے قدرے ڈھیلی ڈھالی شرٹ نکال کر پہن لی تھی۔ ہاتھ منہ دھو کر بستر پر آ بیٹھا تو وہ بھی کھانے کی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔

”میں دودھ گرم کرکے اس میں ہلدی ڈال کر لائی ہوں۔ یہ گھریلو بہت اچھا ٹانک ہے۔ Pan کے لیے بھی اور صحت کے لیے بھی..... اس کے علاوہ پلیٹ میں درد اور زخموں کو فوری مندمل کرنے کے لیے یہ ٹیبلٹس ہیں۔ کھانا کھا کر لے لیجیے گا۔“ سلیقے سے سر پر دوپٹہ لیے اس نے اس کے سامنے جھک کر بستر پر ٹرے رکھ دی تھی۔

”تھینکس یار.....! تم نے تو اچھا خاصا ٹریٹمنٹ کرڈالا ہے۔ ڈاکٹر تو فوری علاج کرکے ٹالتے ہیں۔ یہ پہلی ڈاکٹر دیکھی ہے جو ٹریٹمنٹ دینے کے بعد اپنے مریض کی اتنی خدمتیں بھی کررہی ہے۔“ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس نے ٹرے اپنے قریب کرلی تھی۔ انا مسکرا کر واپس پلٹ گئی تھی۔

”انا.....“ اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی اس نے پکارا تو انا کو یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کا نام ہی نہیں لیا بلکہ اس کے جسم سے روح تک کھینچ لی ہے۔

”جی.....“

اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ مڑے بغیر صرف گردن موڑ کر دیکھ رہی تھی۔

”تھینکس اینڈ یار بابا روشی یا گھر میں کسی کو بھی نہیں بتانا۔ خوامخواہ سب پریشان ہوں گے۔ اوکے۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ وہ سعادت مندی سے ایسے سر جھکا گئی کہ جیسے وہ اس کی معمول ہو۔

کبھی کبھار وہ اسے بڑی ناقابل فہم لگتی تھی جیسے کہ اب؟ وہ اس کے انداز پر چونک گیا۔

پھر وہ دھیمے سے مسکرادیا تو وہ جلدی سے کمرے کا دروازہ بند کرتے نکل گئی تھی۔



ساری رات وہ سخت بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ مہرالنساء بیگم اس کے پاس ہی لیٹی تھیں۔ میڈیسن اور نیند کی گولی کی وجہ سے وہ سوئی رہی تھی مگر نیم غنودگی والی نیند تھی۔ اس کے اعصاب گہری تیز آواز سے بیدار ہوئے تھے۔ چند پل لیٹے رہنے کے بعد اسے صورت حال کا اندازہ ہوا تو اس نے دیکھا اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس کے بیگ

میں پڑا موبائل بج رہا ہے۔

اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر کمزوری اس کے وجود پر غالب آگئی تو اس نے بے چارگی سے موبائل کی آواز سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

موبائل بج بج کر خود ہی خاموش ہوگیا تھا۔

وہ اسی طرح لیٹی رہی..... پھر وقت کا تعین کرنے کو اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

دن کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔ وہ چند منٹ اسی طرح لیٹی رہی تو مہرالنساء بیگم کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

”اٹھ گئیں تم..... اب کیسی طبیعت ہے؟ رات تو بہت تیز بخار تھا۔ ہوش وحواس ہی برقرار نہ رہے تھے۔ رات کے بارہ بجے ڈاکٹر زبیری کو کال کرنا پڑ گئی تھی۔ انہوں نے آکر انجیکشن لگائے اور مختلف دوائیاں دی تھیں۔“

اس کے پاس ہی بیٹھ کر محبت سے اس کی پیشانی چوم کر بال سمیٹے۔

اس والہانہ محبت پر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

اگر ان کو پتا چلے کہ وہ ان کے سب سے چہیتے بیٹے کے لیے انکاری ہے تو کتنا دکھ ہوگا انہیں۔

اور مصطفیٰ.....!

پتا نہیں اس کی خراب طبیعت کا سن کر اس کا کیا ری ایکشن رہا ہوگا..... ذہین تو خاصا ہے فوراً کڑی سے کڑی ملاتے بات کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔

”بخار تو کم ہوا ہے..... شکر ہے اللہ کا“ اس کے چہرے اور گردن کو چیک کرتے وہ خاصی مطمئن ہوئی تھیں۔ اور اسی وقت اس کا موبائل پھر بجنے لگا تھا۔

”لو دیکھو تمہارا موبائل ساری رات بجتا رہا ہے..... ایک دوبار انا نے کال کرکے تمہاری خیریت پوچھی تھی..... اور ایک بار تابندہ کی کال تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ تم سوگئی ہو تمہاری طبیعت کا نہ بتایا کہ خوامخواہ وہ پریشان ہوگی.....“ اسے بتاتے ہوئے انہوں نے اس کے بیگ سے موبائل نکال لیا تھا۔

”مصطفیٰ کی کال ہے.....“ اسکرین دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”آپ سن لیں پلیز.....!“

موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے نفی میں گردن ہلادی۔ ساتھ حیران بھی تھیں۔

”السلام علیکم.....“

”وعلیکم السلام.....!“ مصطفیٰ کے سلام کا انہوں نے جواب دیا تھا۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ یقیناً وہ گھر میں ہی ہوتا تھا تو پھر کال کیوں کی اس کے نمبر پر؟

”کیسی ہیں آپ..... اور شہوار کہاں ہے..... اس کا موبائل آپ کے پاس کیوں ہے؟“

ادھر ادھر الجھنے کی بجائے اس نے ڈائریکٹ پوچھا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، شہوار بھی پاس ہی ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں..... کل کالج میں طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ گھر آگئی تھی۔ ساری رات بخار میں پھنکتی، بے ہوش رہی ہے۔ آدھی رات کو ڈاکٹر زبیری آکر چیک کرکے دوا دے کر گئے تھے۔“ وہ نجانے کدھر تھا جو ساری صورت حال سے بے خبر تھا۔ وہ چونک گئی۔

”لوہ..... کیا ہوا اسے؟“ وہ فوراً تشویش کا شکار ہوا تھا۔

"بی پی لو ہوگیا تھا......" شہوار آنٹی کی یکطرفہ گفتگو سے کچھ نہ سمجھ پائی۔

"کالج سے واپسی اکیلی آئی تھی کیا...... یا ڈرائیور لینے گیا تھا؟" موبائل سے ہلکی سی آتی آواز پر مہرالنساء آنٹی کے کانوں کے علاوہ اس کی سماعت کو بھی فیض یاب کر رہی تھی۔

"ڈرائیور تو ہمیں لے کر خالد کے گھر گیا تھا۔ تمہارے بابا کو کال کی تو وہ لینے گئے تھے۔"

"اوہ...... اب کیسی کنڈیشن ہے اس کی؟"

"رات سے بہتر ہے۔ بخار بھی اتر گیا ہے اب تو......"

"مگر آپ لوگوں نے پوچھا نہیں کہ یہ اچانک اسے ہوا کیا ہے' کل اچھی بھلی تھی۔ جب میں نے اسے کالج ڈراپ کیا تھا۔"

"لو اس کی طبیعت ہی اتنی خراب رہی ہے کہ پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ اب بھی ابھی جاگی ہے۔" محبت سے اس کی طرف نگاہ کرتے انہوں نے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے پلکیں موندھ کر آنکھوں پر بازو رکھ کر چت لیٹی رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے...... میں نے یہ پوچھنے کے لیے اسے کال کی تھی کہ کالج کس کے ساتھ جا رہی ہے۔ خیر میری اس سے بات کروائیں میں خود اس سے اس کی طبیعت پوچھتا ہوں۔" انہوں نے موبائل ہٹا کر اس کے بازو کو پکڑ کر اس کو متوجہ کیا۔

"مصطفیٰ سے بات کر لو وہ خیریت پوچھ رہا ہے تمہاری۔" انہوں نے موبائل اس کے چہرے کے قریب کیا۔

"آپ خود ہی بات کر لیں' اب میں بھلا ان سے کیا بات کروں گی۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"تو اپنی طبیعت کا بتانا چلو شاباش پکڑو بات کرو۔" انہوں نے موبائل اس کے کان سے لگا دیا تھا۔

"محترمہ! تمہیں میں کھا نہیں جاؤں گا۔" اس کی موجودگی محسوس کرتے وہ کہہ رہا تھا۔

شہوار کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری...... اور یہ تمہیں اچانک ہوا کیا ہے؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"بس خود ہی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ میں نے کون سا خود کرلی ہے۔" وہ جھلائی تھی۔

"جس طرح کی تمہاری حرکتیں ہیں...... اس میں یہ بھی بعید نہیں......" اس کا کل والا طنزیہ انداز تھا۔

مہرالنساء آنٹی اٹھ کر خود ہی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ شہوار کو بڑی بے بسی کا احساس ہوا۔

"غصہ تو تمہاری کل والی حرکت پر اس قدر ہے کہ جی چاہتا ہے کہ کبھی تم سے بات نہ کروں مگر یہ بتاؤ یہ اچانک ہوا کیا تمہیں؟"

"بتا کر طبیعت خراب تھوڑی ہوتی ہے۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"اس قدر شدید نوعیت کی خرابی بھی تو یکدم نہیں ہوتی۔ اور مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اور نہ ہی گھر میں سے کسی نے ذکر کیا۔ تابندہ بوا کی کال آئی؟ ان سے کوئی بات ہوئی تمہاری؟" وہ شاید اس کی گفتگو سے اصل صورت حال کا جائزہ لگانا چاہ رہا تھا۔

"پتا نہیں میری بے ہوشی کے دوران شاید انہوں نے کال کی تھی میں تو شام کو اٹھی تھی تھوڑی دیر کو اور اب بیدار ہوئی ہوں۔ باقی سارا وقت مجھے کچھ نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے؟ اور کہاں ہوں......!"

"مائی گڈنیس اتنی خراب طبیعت رہی ہے تمہاری۔" وہ اس کے منہ سے سن کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"آپ کہاں ہیں اس وقت؟" اس کے کال کرنے کا سوچتے وہ چونکی تو پوچھا۔

"مجھے ایک ارجنٹلی کام سے کل بارہ بجے اسلام آباد آنا پڑ گیا تھا شام تک فری ہوں گا۔ میں نے دو تین بار گھر فون کیا ہے مجھے کسی نے بھی نہیں بتایا۔"

"تو کیا ہو جانا تھا اگر آپ کو بتا بھی دیتے...... مجھ پر آنے والی تکلیف آپ اپنے اوپر لینے سے تو رہے؟" وہ کل صبح اس سے ناراض ہوا تھا اور آج صبح دوبارہ بات ہو رہی تھی' کل وہ سامنے تھا آج صرف آواز تھی مگر انداز وہی تھا۔ سو وہ جھنجلا گئی تھی۔

"ہو سکتا ہے لے ہی لیتا۔" ذومعنی انداز میں اس نے کہا تو شہوار کو اپنے کانوں کی لوئیں تک تپتی محسوس ہوئیں...... اس نے تو بڑے عام اور سادہ لفظوں میں کہہ دیا تھا مگر اندازہ نہ تھا کہ وہ بات کو اپنے انداز میں لے لے گا۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس کی خاموشی محسوس کر کے اس نے بات پلٹ دی تھی۔

"لیٹی ہوئی ہوں۔"

"یعنی کہ مستقبل کی ڈاکٹر صاحبہ اس وقت خود بھی مریضوں والے گیٹ اپ میں ہیں۔"

وہ ہنس دی...... اسے لگا کہ اس شخص سے بات کرتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر چھائی تمام کثافت پل بھر کو پس منظر میں چلی گئی ہے۔

ذہن ہلکا پھلکا ہوا تو اعصاب روئی کے گالوں کی مانند لطیف سے ہوگئے۔

"ڈاکٹرز بھی تو عام انسانوں کی مانند ہوتے ہیں ان کے اندر بھی عام انسانوں کی طرح ری ایکٹ کرنے والا ہر زہ فٹ ہے جو موسم' رویے' واقعات کو دیکھ کر متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے...... ہر چیر پھاڑ کرنے والا وجود اتنا ظالم بھی نہیں ہوتا...... اسی طرح ڈاکٹرز لوگ بھی ہیں۔ میں بھی آپ کی طرح عام سی انسان ہوں۔" اس کے ہلکے پھلکے انداز کو انجوائے کرتے اس نے بھی بات آگے بڑھا دی تھی۔

"صبح صبح اتنی گاڑھی گفتگو مجھے تو شک ہو رہا ہے کہ اس وقت محترمہ بیماری سے نہیں کسی سیریس قسم کے ڈاکٹری فارمولے میں الجھی ہوئی ہیں...... کیوں ڈاکٹر صاحبہ......" وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنس دی۔

اس کی جھرنوں کی مانند خوشگوار ہنسی دوسری طرف کی سماعت پر میٹھی پھوار کی مانند برسی تھی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں...... لگتا ہے خاصی فرصت سے آپ نے فون کیا ہے؟"

"فرصت کیسی؟ اس وقت تیار ہو رہا ہوں اور ساتھ ساتھ بات کر رہا ہوں' کچھ دیر بعد کچھ آفیسرز کے ساتھ میٹنگ ہے پھر ایک ضروری کام ہے۔ رات کی فلائٹ سے اپنے شہر پہنچ جاؤں گا۔ پھر گھر آ کر تمہاری خیریت تفصیلی پوچھوں گا۔"

وہ خاموش رہی۔

"تمہارے یہ الفاظ کہ خود ہی طبیعت خراب ہوئی ہے اور بتا کر خراب تھوڑی ہوتی ہے۔ پر ذرا یقین نہیں کیا میں نے گھر آ کر تفصیلی انداز میں بات کروں گا۔ بہتر ہے کوئی معقول قسم کا بہانہ ڈھونڈ کر رکھنا۔" اس کے الفاظ پر وہ سٹپٹا سی گئی۔

"اور ہاں کالج میں کل کا دن کیسا گزرا؟" اس نے وہی سوال کر ڈالا تھا جو اس کی اس خرابی طبیعت کی اصل وجہ تھا۔

"مصروف ہی گزرا پھر طبیعت خراب ہوگئی تو گھر آ گئی۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا مگر اندر تو ایک آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ زخم نئے سرے سے ادھڑے تھے۔

"ایاز نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی نا؟" وہ اصل سوال کی طرف لوٹ آیا تھا اور شہوار کو لگا وہ بس ابھی پھوٹ کر رو دے گی۔

اسے اپنے جذبات پر ذرا کنٹرول نہ رہا اور بڑی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی ایک سسکی اس کے لبوں سے خارج ہوگئی۔

"کیا بات ہے شہوار...... خاموش کیوں ہو...... تم نے بتایا نہیں......؟"

وہ پوچھ رہا تھا اور اس نے خاموشی سے موبائل کان سے ہٹاتے کال ڈس کنیکٹ کر ڈالی تھی۔ وہ اسے کیا بتاتی بھلا وہ لمحے تو اس کے لیے قیامت سے بڑھ کر تھے۔

وہ شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رودی...... وہ آنسو بہانے میں اتنی منہمک تھی کہ موبائل پھر بجنے لگ گیا تھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ "مصطفیٰ" پھر کال کر رہا تھا۔

اس نے آہستگی سے آن کرتے موبائل کان سے لگالیا۔

"جی......!" بغیر سلام دعا کے وہ گویا ہوئی تھی۔

"تم نے کال کیوں کاٹ دی اور میری بات کا جواب نہیں دیا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ خاصی برہمی تھی لہجے میں۔

"تمہاری اس قدر شدید طبیعت خرابی کے پیچھے کہیں ایاز کی کوئی بدتمیزی تو نہیں۔" وہ ذہین تھا کیسے ایکدم اصل نکتہ تک پہنچا تھا اور وہ اس سے چھپاتی بھی تو کیا؟ وہ ششدر رہ گئی۔

اس کے بہتے آنسو ایکدم ٹھہر گئے۔ گویا منجمد ہوگئی ہو۔

"شہوار پلیز بتاؤ...... کیا بات ہے اس قدر خاموش کیوں ہو...... تم رو رہی ہو؟" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ کیسے اندازہ لگا رہا تھا جیسے سامنے ہی کھڑا ہے بالکل۔ اور اب کی بار اس نے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔

اس کی سسکیاں بلند تر ہوتی گئیں تو دوسری طرف مصطفیٰ کی سماعت پر جیسے عذاب اتر آیا تھا۔

"کیا بات ہے شہوار پلیز ٹیل می...... کیوں رو رہی ہو...... کیا کیا ہے اس ذلیل خبیث انسان نے؟" وہ مسلسل رو رہی تھی۔ وہ دوسری طرف بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ چند پل خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"اگر تم خاموش نہ ہوئیں تو ابھی میں بابا اور ماں جی کو کال کر کے سب کچھ بتادوں گا۔ رونے دھونے کی بجائے تم مجھے اصل بات بتاؤ۔" کافی سختی سے اس نے دھمکی دی تھی۔ شہوار ایکدم خاموش ہوگئی۔

"مصطفیٰ آپ آجائیں بس میں آپ کو سب بتادوں گی۔ اگر میں نے آپ سے کچھ بھی نہ کہا تو میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" وہ پھر رودی تھی۔ اور اس کا رونا مصطفیٰ کے لیے بڑا اعصاب شکن تھا۔

"او کے اپنا خیال رکھنا۔ اس قدر خراب کنڈیشن ہو رہی ہے تمہاری مائی گاڈ۔ کل اور اب تک نجانے کس طرح تم ری ایکٹ کرتی رہی ہو...... میں میٹنگ کے بعد دوپہر تک فوراً پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں تب تک خود کو سنبھالو پلیز۔"

وہ اور بھی نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا اس نے کال بند کردی تھی۔

پتا نہیں اس نے مصطفیٰ کو بتا کر اچھا کیا تھا یا برا مگر وہ اب تنہا یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کم از کم مصطفیٰ کے سامنے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جائے گا بھلے بعد میں پچھتانا پڑے۔

موبائل ایک طرف رکھ کر اس نے کرب سے آنکھیں موندلی تھیں۔



وہ ابھی تک گم صم موبائل تھامے کھڑا تھا۔

کل اسے ایمرجنسی میں اسلام آباد آنا پڑا تھا۔ بس فوراً گھر آکر ضروری چیزیں لے کر وہ ایئرپورٹ کے لیے نکل گیا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے پیچھے وہ کمزور سی لڑکی اس قدر شکست وریخت سے دوچار

ہوجائے گی۔

اس کا یوں ری ایکٹ کرنا......

اس کی لرزتی آواز‘ سسکیاں‘ شدت سے رونا۔

”مصطفیٰ آپ آجائیں بس تو میں آپ کو سب بتادوں گی۔“ کیسا ٹوٹتا لہجہ تھا۔ یہ سب اس کے اعصاب پر کسی بم کی طرح لگ رہا تھا۔

کالج میں ایسی کیا بات ہوئی ہوگی کہ وہ اس حالت تک جا پہنچی؟ وہ جوں جوں سوچ رہا تھا اس کا فشار خون بڑھتا جارہا تھا۔

بہت غصے سے اس نے ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

”السلام علیکم سر......!“ اٹینشن آواز میں سلام کیا گیا۔

”وعلیکم السلام!“ اس نے برہمی سے جواب دیا۔ دوسری طرف اس کی برہمی پر چند پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔

”خیریت سر؟“

”کل آپ کہاں تھیں؟“

”سر کل آپ اسلام آباد روانہ ہوئے تو گھر پر ایک ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ میری والدہ باتھ روم میں گر گئی تھیں تو میں امجد خان کو اطلاع دے کر گھر چلی گئی تھی۔“ انسپکٹر شہناز اس کی برہمی پر تفصیلی بیان دے رہی تھی۔

”اور آپ نے یہ اطلاع مجھے کیوں نہیں دی؟“ اس نے بہت غصے سے پوچھا تو دوسری طرف وہ خاموش رہ گئی تھی۔

”آپ کو پتا ہے آپ کی ذرا سی نااہلی کے سبب مجھے کتنی تکلیف سہنا پڑ رہی ہے۔“ اس نے اپنا سارا غصہ اس پر نکالا تھا۔

”سر میں نے کسی خوشی میں کل چھٹی نہیں کی تھی میری بھی مجبوری تھی‘ اگر کوئی اور والدہ کو دیکھنے والا ہوتا تو میں کیوں گھر آتی۔“

”اوکے......اب کیسی طبیعت ہے آپ کی والدہ کی۔ خیریت تو رہی نا کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟“ انسپکٹر شہناز کے الفاظ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی سخت کہہ گیا ہے۔ فوراً اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہی۔

”جی سر خیریت ہی رہی۔ صرف پاؤں میں موچ آئی ہے۔ اب بہتر ہیں۔“

”اوہ......“ اس کا انداز سنجیدہ ہوگیا۔

”سر میں آج آن ڈیوٹی ہی ہوں۔“ انسپکٹر شہناز نے کہا تو وہ بھی اصل موضوع کی طرف آگیا۔

”کل کیا ہوا آپ سب کچھ ڈیٹیل سے پتا کر کے مجھے آدھ گھنٹے میں انفارم کریں۔“

”یس سر۔ سر سب خیریت ہے نا......اینی پرابلم؟“

”یس......آپ فوراً پتا کریں شہوار آج کالج نہیں گئیں ان کی فرینڈ ہوسکتا ہے آئی ہوں......آپ براہ راست یا بالواسطہ جس طرح بھی ممکن ہو اصل صورت حال کا پتا کریں۔“

”جی سر میں پتا کرتی ہوں۔“

”اوکے اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ سر۔“ اس نے موبائل آف کرتے ہوٹل کے روم میں ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی اس کے اعصاب پر ابھی تک پھوٹ پھوٹ کر روتا لہجہ عجیب ضربیں لگا رہا تھا۔ اس نے انتہائی غم و غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔



وہ سو کر اٹھی تو سب ناشتے کی ٹیبل پر تھے۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر سوگئی تھی وہ رات ہی ڈیسائڈ کر کے سوئی تھی کہ جب شہوار جائے گی تو اسی دن وہ بھی کالج جائے گی۔ شہوار کے بغیر اسے کالج جانا اچھا نہ لگا۔ خوامخواہ جا کر بور ہوجاتی۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ ناشتے کی ٹیبل پر آگئی۔ روشی کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھی تو نگاہ سیدھی ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ولید پر پڑی۔ سادہ بلیک شلوار قمیص میں ملبوس وہ اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

”تم کالج نہیں گئیں؟“ اسے رات والے حلیے میں ہی دیکھ کر وہ چونکا۔

”نہیں آج چھٹی کرنے کا موڈ ہو رہا ہے۔“ توس پر جیم لگاتے اس نے کہا۔

”پاکستانی قوم بلا کی سست کاہل اور کام چور ہے۔ شاید اسی لیے ہم ترقی نہیں کر پا رہے۔“ اس کی پلیٹ میں رکھا دوسرا سلائس اٹھا کر اس کے سامنے رکھی جیم کی شیشی اس نے اپنی طرف گھسیٹ لی تھی۔ ایک تو ان الفاظ اور دوسرا اس دھاندلی پر اس نے اسے گھورا۔

”یہ خوبیاں آپ میں ہوں گی میں ایسی قطعی نہیں ہوں۔“ کھا جانے والا انداز تھا وہ مسکرا کر جیم لگاتا رہا۔

”یہ کون سا انداز ہے انا! بڑا ہے تم سے ایسے منہ پھاڑ کر کہتے ہیں۔“ ماما نے فوراً اسے ٹوکا تو اس نے منہ بنالیا۔

”صاحب جی! آپ کے لیے پراٹھا لے آؤں گرما گرم۔“ صغراں نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”لے آؤ بھئی ان سلائس وغیرہ سے بھی کچھ بنتا ہے یہ تو مریل کمزور لوگوں کی خوراک ہے‘ آج میرا چھٹی کرنے کا ارادہ ہے چلو اسی بہانے پراٹھا کھالیں گے۔“ صبح صبح خاصا جتاتا انداز......انا نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

”کیوں بھئی تم کیوں چھٹی کر رہے ہو۔“ احسن نے ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

”ایک ضروری کام تھا۔“ انا نے بس اسے دیکھا۔

”ویسے بھی کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ پاکستانی کاہل سست کام چور لوگوں کی قسم کے ساتھ رہ رہے ہیں تو صحبت کا کچھ نہ کچھ تو اثر ہوتا ہی ہے نا۔“ اب کے پھر اس نے اس پر چوٹ کی تھی۔ اس کی بات پر سب ہنس دیئے تھے۔ ماسوائے انا کے۔

”ولی بیٹا رات تم کب آئے تھے گھر؟“ ماما کو اچانک یاد آیا تو پوچھا۔

”رات بارہ بجے تک آگیا تھا پھوپو۔“ اس صاف جھوٹ پر روشی نے حیران ہو کر پہلے انا اور پھر بھائی کی صورت دیکھی۔ ایک بجے تک تو وہ انا کے ساتھ زبردستی باتیں کرنے پر مجبور رہی تھی وہ بھلا کب آیا تھا۔

”ایسا کون سا دوست تھا تمہارا جسے میں نہیں جانتا؟“ احسن نے پوچھا۔

”اب آیا نا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔“ انا کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح ضرور تھی کہ ولید نے اسے گھور کر دیکھا مگر وہ مسکرا کر دودھ کا گلاس لبوں سے لگا گئی۔

”تھا ایک دوست......بلکہ ہے ملواؤں گا کسی دن۔“ احسن ناشتا کر چکا تھا بس بیٹھا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔

”ولید بیٹا صبح واک کرتے مجھے گیراج میں تمہاری گاڑی دکھائی نہیں دی۔“ وقار صاحب نے اخبار پڑھتے ایک پل رک کر پوچھا۔

”وہ انکل جی کچھ پرابلم ہوگئی تھی تو صبح صبح میں نے چوکیدار کو کہہ دیا تھا کہ کسی ورکشاپ میں لے جائے تو وہ چھوڑ آیا ہوگا۔“

”اچھی بھلی تھی کل تک تو اسے کیا ہوا ہے؟ بالکل نئی گاڑی بھلا کیوں پرابلم ہوگئی۔“ ضیاء صاحب بھی متوجہ

ہوئے تھے۔

"ہوسکتا ہے ایکسیڈنٹ ہوگیا ہوگاڑی کا۔" بڑی معصومیت سے انا نے بم پھوڑا۔

ولید ایک دم گھبرایا تھا۔ اس نے بظاہر تو خود کو نارمل ہی رکھا تھا مگر ٹیبل کے نیچے سے اس نے زور سے اپنا پاؤں انا کے نازک سے پاؤں کے اوپر رکھ کر مسلا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ مذاق کررہی ہے یہ۔" اس نے ساتھ ہی اطمینان دلایا۔

"ہائے......" وہ اچھلی تھی

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ سب کے دیکھنے پر شرمندہ ہوگئی تھی مگر اس کا پاؤں آزاد نہ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں......" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹانگ پیچھے کرنا چاہی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ٹیبل کے نیچے اس کا ہاتھ اور پاؤں دونوں ولید کے آہنی شکنجوں میں تھے۔

"صبح صبح بھلا کون سی ورکشاپ کھلی ہوگی۔ دن چڑھے دیتے تم۔" وہ خاموش رہا۔ صغراں اس کے لیے گرما گرم پراٹھا اور آملیٹ لے آئی تھی۔

ولید نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو اس نے جلدی سے کھینچ لیا۔ ہاتھ سخت گرفت سے سرخ ہوچکا تھا۔

وہ اب انڈے پراٹھے کے ساتھ انصاف کررہا تھا۔ انا نے مزید سلائس پلیٹ میں رکھے۔ ٹیبل کے نیچے وہ مسلسل دوسرے پاؤں کی مدد سے اپنا پاؤں آزاد کروانے کی کوشش میں تھی مگر لگتا تھا کہ وہ آج کی تاریخ میں آزاد ہونے والا نہیں تھا۔ درمیانی دو انگلیوں پر ہونے والی جلن بڑھ گئی تھی۔

"تم چھٹی کیوں کررہے ہو ایسا کون سا ضروری کام ہے تمہیں؟" احسن نے پھر پوچھا انا کو بروقت بدلہ چکانے کا گویا موقع ملا تھا۔

"بخار ہوگا محترم کو اور ہوسکتا ہے جس دوست کا رات ذکر کررہے تھے وہ کوئی لڑکی ہو۔"

"تمہیں بڑی انفارمیشن ہے میرے متعلق۔" لقمہ نگلتے اسے گھورا تو اس نے منہ پھیر لیا۔

"ولی کیا واقعی تمہیں بخار ہے۔" ماما کو یکدم تشویش ہوئی۔

"اوہ نہیں پھوپو یہ یونہی کہہ رہی ہے۔" اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"یہ لڑکی کا کیا سلسلہ ہے بھائی؟" روشی نے پوچھا۔

"دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں...... چھوٹی سی عقل ہے اس کی وہ بھی غلط موقعوں پر غلط انداز میں استعمال کرتی ہے۔" دودھ پینے کے بعد نیپکن سے منہ صاف کرتے اس نے پھر انا کو سلگایا۔

"ہاں...... ایویں خود تو جیسے بڑے عقل کل ہیں نا۔" وہ سلگی پاؤں میں بری طرح درد ہورہا تھا مگر وہ بھی آزاد کرنے کو تیار نہ تھا۔

"کچھ جلنے کی بو آرہی ہے احسن۔" اسے اس نے مزید سلگایا تھا۔

"دیکھ لیجیے گا میں بھی آپ کو بعد میں کیسے پوچھوں گی۔" وہ فوراً برا مان گئی تھی۔ ولید مسکرا کر اسے دیکھ کر چڑاتا رہا۔

"انا! آج اگر آف کیا ہے تو روشی کے ساتھ بازار کا ہی چکر لگا لینا۔ شادی کی کئی چیزیں ہیں جو ابھی خریدنے سے رہ گئی ہیں۔" ماما نے اس کی توجہ اپنی طرف کرلی تھی۔

"مگر ماما شادی کی ڈیٹ کا بھی تو پتا چلے نا...... تاکہ اس کا اندازہ لگاتے تیاری فائنل کریں۔ آج تو ویسے بھی فرائیڈے ہے مارکیٹ بھلا کب کھلی ہوں گی؟" احسن نے بڑی مسکراتی نگاہ روشی کی طرف ڈالی تو وہ

جھینپ کر فوراً سر جھکا گئی۔

"ڈیٹ کا کیا ہے اگلے ماہ کا کوئی بھی دن طے کرنا ہے۔ اپنے گھر کی بات ہے۔ ہم کون سا باہر سے لارہے ہیں۔ ابھی بیٹھے ہیں ابھی فائنل کرلیتے ہیں۔ کیوں ضیاء بھائی کون سی ڈیٹ فائنل کریں۔" روشی اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ انا ہنس دی۔

"بچوں سے پوچھ لو کام والے لوگ ہیں سب...... جن دنوں انہیں فراغت ملتی ہے وہی دن رکھ لیتے ہیں۔" ضیاء ماموں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اگلے ماہ کی پچیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔" ولید نے کہا تو سب نے تائید کی۔

احسن اٹھا تو ولید بھی اٹھ گیا...... انا نے جاتے ہوئے ولید کی پشت کو گھورتے اپنا پاؤں کرسی پر رکھ کر دیکھا۔ پاؤں کا اگلا حصہ بری طرح سرخ ہوچکا تھا۔ درمیان والی دو انگلیاں چھل گئی تھیں۔

"ظالم......" پاؤں پر نرمی سے انگلی پھیرتے وہ بڑبڑائی تھی۔

وہ اٹھ کر لاؤنج میں آبیٹھی' بائیں ہاتھ سے دایاں بازو بڑی نرمی و محبت سے تھام لیا۔

اس کی آنکھوں میں کئی روز پہلے کے خوابوں کا عکس اتر آیا اور وہ اسی عالم میں کتنی دیر تک بیٹھی رہی۔



وہ کمرے سے باہر آیا تو صغراں شڑاپ شڑاپ پانی بہاتے کوریڈور دھو رہی تھی۔

"سب گھر والے کہاں ہیں۔" ولید کی آواز پر وہ اچھلی تھی۔

"بڑے دونوں صاحب تو احسن بھائی کے ساتھ ہی آفس چلے گئے تھے۔ بی بی جی اپنے بوتیک' چھوٹی دونوں بیبیاں اندر ہیں۔" وہ اندر آیا تو انا اسے لاؤنج کے صوفے پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی دکھائی دی۔ آنکھوں میں بڑا خوشنما تاثر تھا۔ ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کی توجہ ٹیبل پر پڑے گلدان کی طرف تھی۔ روشی کہیں نہیں تھی۔

وہ بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں ایسے لگی کہ جیسے وہ یہاں بڑی فرصت سے کافی دیر سے بیٹھی ہوئی ہے۔

ولید نے انگلی کی مدد سے دروازہ ناک کیا اور پھر اندر چلا آیا۔ وہ ناک کی آواز پر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی' خوب صورت خواب کا عکس ٹوٹا تھا۔ وہ ولید کو آتے دیکھ کر سیدھی ہوگئی تھی۔

ولید کی آمد پر چہرے کے رنگوں میں کئی گنا اضافہ ہوا۔

"کیا بات ہے بڑی گہری سوچوں میں گم تھیں۔ خیریت تو ہے ناں......" وہ سامنے صوفے پر آبیٹھا تھا۔

"روشانے کہاں ہے؟ نظر نہیں آرہی؟" ارد گرد دیکھتے اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی' یوں جیسے اپنی خوشنما آنکھوں کے خوب صورت تاثر کو اس سے چھپانا چاہتی ہو۔

"پتا نہیں...... باہر ہی کہیں ہوگی؟" اپنے پاؤں پر انگلی پھیرتے اس کی پوری توجہ اپنے پاؤں کی ہی طرف تھی۔ ولید نے اس کی توجہ کے مرکز کی طرف دیکھا' اور پھر اسے پاؤں کا جائزہ لیتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔

"کیا ہوا ہے پاؤں میں؟" اس نے صرف ایک پل کو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس شکایتی نگاہ میں نجانے کیسا تاثر تھا کہ وہ ایک پل کو خود بھی سٹپٹا گیا تھا۔

"میں نے تو آرام سے ہی پاؤں رکھا تھا۔ کیا زیادہ ہی دباؤ پڑ گیا؟" اس کے معصوم بننے پر انا نے انگلیوں سے اٹھتے

درد کو محسوس کرتے پاؤں ٹیبل پر رکھا۔

''تو اور کیا یہ دیکھیں یہ دونوں انگلیاں کیسی چھل گئی ہیں۔ پاؤں ہے کہ ہتھوڑا یوں کھینچ کر مارا تھا۔ ہر ایک کو اپنے جیسا باڈی بلڈر سمجھ رکھا ہے میرا نازک سا پاؤں مسل کر رکھ دیا۔ من سے بھی زیادہ وزن ہے آپ کے پاؤں کا۔''

ولید نے تاسف سے اس کی سرخ چھلی انگلیوں کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

شعر انا کے سر سے گزر گیا تھا سر اٹھا کر تعجب سے اس کے مسکراتے لبوں کو دیکھا اور پھر فوراً برامان گئی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے لے کر میرا نازک پاؤں کا ستیاناس مار دیا ہے اور ذرا بھی اپنے رویے پر تاسف نہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اپنی گود میں رکھ کر تمہارے اس نازک سے پاؤں کی مرہم پٹی کروں اب۔'' اس نے مسکرا کر گھورا۔

''خیر اب ایسی بھی احمق نہیں کہ آپ سے کسی انسانیت کی توقع کروں۔ یہ تو دل سے محسوس کرنے والے لوگوں کا کام ہے۔ جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔'' اس نے گہری چوٹ کی۔

''مرہم لگالو...... اب ایسی بھی کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ ذرا سا چھل گیا ہے۔'' اس کے مشورے پر وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

ولید نے ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھایا تو وہ چونکی۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے میگزین سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ بن رہا تھا وہ کلسی۔

''میرا خیال ہے کہ اگر میری یادداشت کمزور نہیں تو رات جناب کوئی ایکسیڈنٹ کروا کر آئے تھے۔''

''اوہ...... وہ معمولی سی خراشیں تھیں۔ ایسی معمولی خراشوں کی کیا پروا؟'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''ہاں دیکھ چکی ہوں آپ کی ہمت' تو پھر آفس سے چھٹی کیوں کی ہے؟'' وہ جرح پر اتر آئی۔

''بس دل کر رہا تھا۔'' اور پھر کوئی خیال آتے ہی وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''مائی گڈنیس۔''

''میرا خیال ہے کہ مجھے ہاسپٹل کا ایک چکر لگالینا چاہیے پتا کرنا چاہیے کہ وہ مریضہ اب کیسی ہے؟''

''کیا مطلب رات جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ کوئی عورت تھی......'' انا تو حقیقتاً چونکی تھی۔

''عورت نہیں لڑکی تھی۔'' اس نے تصحیح کی اور انا منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

خون سے رنگین سفید شرٹ اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی تو اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

''ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''پتا نہیں...... ویسے میرا اندازہ ہے کہ لڑکی کی کار کی بریک فیل ہوگئی تھیں اور اس کو گاڑی پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ گاڑی ون وے روڈ ہونے کی وجہ سے میری گاڑی کے دائیں بمپر اور سائیڈ سے ٹکرا کر فٹ پاتھ سے نیچے اتر کی ایک طرف لڑھک گئی تھی۔''

''مائی گاڈ! وہ لڑکی کیسے بچ گئی اور اتنی رات کے وقت وہ تنہا کیا کر رہی تھی؟'' سوال کے ساتھ ساتھ اس نے اعتراض بھی کیا تھا۔

''ڈاکٹرز کی محنت اور اللہ کی عنایت کہ وہ بچ گئی۔ مگر جس حالت میں اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا مجھے خود بھی ڈاؤٹ تھا

کہ یہ شاید ہی بچ پائے۔''

''اوہ......'' پھر پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

''آپ اکیلے تھے کہ اور بھی لوگ تھے آپ کے ساتھ؟'' وہ نجانے کیا جاننا چاہتی تھی ولید چونکا۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''رات کے اس پہر اکا دکا گاڑی ہی گزر رہی تھی۔ باقی سواری کوئی بھی نہ تھی۔ ظاہر ہے میں اکیلا ہی تھا...... مجھے خود ہی گاڑی سے اسے نکال کر ہاسپٹل پہنچانا پڑا تھا۔''

انا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ولید بھی کھڑا ہو گیا وہ شاید ہاسپٹل چکر لگانے کے لیے سوچ رہا تھا۔

انا کے اندر سرد مہری اتر آئی۔

''آپ نے اس لڑکی کو ہاسپٹل پہنچا دیا...... اس کی زندگی کی تگ و دو کے لیے اتنی کوشش کی وہ زندہ بچ گئی...... اب دوبارہ ہاسپٹل جانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔'' وہ انجانے سے احساس سے سلگتی گویا ہوئی تو ولید نے حیرت سے اس کے لب و لہجے کو دیکھا۔ اسے کچھ تلخی سی محسوس ہوئی آنکھوں کا خوشنما تاثر اب غائب تھا بلکہ سلگتا سا احساس تھا۔

''بھئی مریض کی عیادت ہمارا فرض ہے۔ بے شک اس کے ورثاء کچھ دیر بعد پہنچ گئے تھے چونکہ حادثہ میری ہی گاڑی سے ٹکرانے سے پیش آیا ہے تو اخلاقی تقاضا یہی ہے کہ جب تک وہ ٹھیک نہیں ہو جاتی میں ہاسپٹل کا چکر لگاتا رہوں۔''

''اوف...... یہ اخلاقی تقاضے۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''آپ نے دیکھا وہ کیسی تھی؟''

''ہائے...... مجھے بھلا کیا ضرورت ہے اسے دیکھنے کی۔ اس وقت سچویشن ایسی تھی کہ خون سے لت پت وجود کو صرف ہاسپٹل پہنچانے کی جلدی تھی وہ جیسی بھی ہو اس سے کیا؟ میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا تھا۔''

''اونہہ...... بن تو ایسے رہے ہیں کہ جیسے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہوگی۔'' انا کے اندر آگ سی جل اٹھی۔

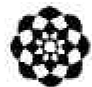
''ساری شرٹ ایویں ہی رنگین ہوگئی تھی۔ وہ کس قدر قریب رہی ہوگی۔'' اس تصور سے ہی اس کو اپنی سانسیں جلتی محسوس ہوئیں...... وہ سر جھٹک کر اپنے ہی خیال سے گھبرا کر باہر کی طرف بڑھی۔

''میں ہاسپٹل جانے لگا ہوں چلو گی میرے ساتھ؟'' وہ پوچھ رہا تھا اس نے پلٹ کر تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

''او کے۔''

''ٹھیک ہے میں چینج کرلوں پھر......'' وہ گردن ہلاتے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ
لوگ کیا سادہ ہیں، سورج کو دکھاتے ہیں چراغ
اپنی محرومی کے احساس سے شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ

اپنی شخصیت کے بارے میں آپ کی رائے؟

اللہ کا خاص کرم ہے کہ اس نے بنی نوع انسان بنایا، مکمل تو اس دنیا میں کوئی انسان نہیں۔ خامی کی گنجائش تو ہر جگہ ہے اور میرے اندر بھی بہت خوبیاں اور خامیاں ہیں مگر میں جو بھی ہوں اپنی ذات سے مطمئن ہوں۔ میری فیملی میری شخصیت کو بنانے سنوارنے میں پیش پیش رہی ہے۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنی فیملی کی مرہونِ منت ہوں، اپنی ذات پر اعتماد رکھتی ہوں اور ہر معاملے میں اصلاحی پہلو کو اولین اہمیت دیتی ہوں اور یہی سوچ میری اپنی شخصیت کے بارے میں بھی ہے۔

تعلیمی قابلیت؟

ماسٹر (ایم اے اردو، ایم اے اسپیشل ایجوکیشن اور ایم اے ہسٹری)

تحریری سفر کب شروع کیا؟

اس کی تفصیل میں بہت ڈیٹیل سے آنچل میں ہی "بہنوں کی عدالت" کے سلسلے میں لکھ چکی ہوں پھر بھی مختصر الفاظ میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ اسکول کی عمر سے ہی لکھنا شروع کیا اور بہت کچھ لکھا بھی، مگر پہلی کہانی دسمبر 2005ء آنچل میں ہی شائع ہوئی اور پھر تحریری سفر چل نکلا جو اب تک جاری ہے۔

موجودہ مصروفیات

موجودہ مصروفیات تو وہی ہیں جو انٹرویو میں لکھ چکی ہوں، نئی تازی مصروفیات یہ ہیں کہ اسٹوڈنٹ کے ایگزامز چل رہے ہیں تو ادھر مصروف ہوں، ساتھ میں گھر میں 6 اپریل 2013ء کو بھائی کی شادی ہے۔ 7 اپریل کو بہن مصباح کی برات ہے تو اسی سلسلے میں گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، میں کڑھائی کا کام بہت اچھا کر لیتی ہوں تو شادی کے سلسلے میں چند ایک سوٹ بنا رہی ہوں اس کے علاوہ پاکستانی پوائنٹ میری ایکسٹرا مصروفیات ہے۔ نیٹ کی دنیا میں یہ واحد فورم ہے، جس کو میں سرچ کرتی ہوں اتنی سخت معمولات کے باوجود جب بھی وقت ملتا ہے، میں نیٹ سے آج کل صرف صرف پاکستانی پوائنٹ کو ہی سرچ کرتی ہوں۔ یہ بہت اچھا فورم ہے اردو ناول اور لٹریچر پڑھنے والوں کے لیے یہ ایک بہت اچھی سائٹ ہے، اگر قارئین مجھ سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے پاکستانی پوائنٹ کے ذریعے کنٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد گھر کے کام اور بس یہی آج کل کی مصروفیات ہیں۔

مشاغل و شوق

مشاغل و شوق تو وہی ہیں بس لکھنا پڑھنا۔ اک نیا شوق آج کل پاکستانی پوائنٹ سے ناول اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھنا ہے اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ میرا ایکسٹرا اور کوئی مشغلہ نہیں ہے۔

خوبیاں و خامیاں

یہ تو خاصا مشکل سوال کر ڈالا بس ایک عام انسان ہوں، ہاں سمجھوتے والی فطرت کی مالک ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ خاصی خوش اخلاق ہوں۔

خامیاں

خامیاں تو بہت ساری ہیں۔ کافی حساس ہوں، حد سے زیادہ جنونی بھی ہوں۔ معصوم بھی ہوں (کوئی بھی مجھے آرام سے پاگل بنا کر اپنا مطلب نکلوا سکتا ہے) اپنی ذات سے آخری حد تک بے پروا رہتی ہوں۔ سست، کاہل سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں دیر رات تک جاگتی رہتی ہوں اور آج کل گھر میں رہتی ہوں تو صبح دیر سے اٹھتی ہوں (امی کہتی ہیں کہ جس دن تم نے وقت پہ سونا اور اٹھنا شروع کر دیا سمجھو کہ تم نے صحت بنانا شروع کر دینا ہے، یعنی موٹی ہو جاؤ گی)۔ خامیوں کی یہاں طویل لسٹ ہے اب کس کس کو پوائنٹ آؤٹ کروں۔ قارئین کے سامنے خوامخواہ شرمندگی اٹھانی پڑ جائے گی (ہاہاہا)۔

سالگرہ کا دن کیسے مناتی ہیں

میرے ڈاکومنٹ کے مطابق میری تاریخ پیدائش 26 دسمبر ہے۔ مگر میں سالگرہ نہیں مناتی جیسے عام دن گزارتی ہوں یہ بھی گزر جاتا ہے۔ ہاں فرینڈز وش ضرور کرتی ہیں، کال کر کے، میسج سینڈ کر کے، میل کے ذریعے، اکثر کارڈز اور گفٹ دیتی ہیں۔ میرے اسٹوڈنٹ بھی وش کرتے ہیں اور اکثر گفٹ بھی دیتے ہیں۔ اس بار بھی سب نے وش کیا، فرینڈز کی طرف سے کارڈز بھی ملے۔ اس بار 26 دسمبر اس لیے بھی یادگار رہا کہ 25 کو اویس (احمد بھائی) پاکستان آیا تھا اور ایک اور اہم بات یہ کہ پاکستانی پوائنٹ کی طرف سے بھی مجھے بڑے اچھے انداز میں وش کیا گیا تھا۔ ایک بہت ہی اچھی اور نائس فرینڈ سدرہ شفیق نے مجھ سے پہلی بار موبائل پر بات کی تھی۔

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز جھگڑے کے بعد اپنے دوستوں سے ملتا ہے اور جھگڑے کی تفصیل بتاتے ہوئے شہوار سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ ولید آفس میٹنگ سے واپس آتے ہوئے لیٹ ہو جاتا ہے، راستے میں اس کی گاڑی سے ایک گاڑی ٹکرا جاتی ہے جس میں موجود لڑکی کو وہ اسپتال لے جاتا ہے اور پھر اس کے ورثا کو کال کر کے اسپتال آنے کی اطلاع دیتا ہے مگر دوسری جانب لڑکی کے الفاظ سن کے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ عبدالقیوم اسپتال میں ولید کو دیکھ کر تھوڑا چونک جاتے ہیں اور اس سے اس کے والد کی معلومات لے کے کچھ سوچتے ہیں۔ دوسری طرف انا ولید کے لیٹ ہو جانے پر اس کا انتظار کرتی ہے اور واپسی پر اس کی خون آلود شرٹ دیکھ کے رونا شروع کر دیتی ہے، ولید کے تسلی دینے پر وہ کافی حد تک خود کو سنبھالتے ہوئے اس کا ضروری ٹریٹمنٹ و بینڈیج کرتی ہے۔ شہوار ساری رات بخار کی حالت میں بے حواس رہتی ہے، صبح مصطفیٰ اسے اسلام آباد سے کال کرتا ہے تو وہ اپنا صبر کھو بیٹھتی ہے اور رو پڑتی ہے جس پہ مصطفیٰ پریشان ہو کے جلد پہنچنے کا کہتا ہے، ساتھ ہی انسپکٹر شہناز کو فون کر کے معلومات حاصل کرنے کا آرڈر دیتا ہے۔

صبح ناشتے پہ ولید کی نوک جھونک سے انا کا موڈ یک دم بدل جاتا ہے پھر ولید کی آفر پر وہ اس کے ساتھ کچھ سوچتے ہوئے اسپتال جانے کی حامی بھر لیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

سی گرین لباس اور تر و تازہ چہرہ لیے وہ کھلا ہوا گلاب ہی تو لگ رہی تھی۔ وہ نیچے آئی تو روشی راہداری میں ہی کھڑی ولید سے کسی بات پر بحث کر رہی تھی۔ ولید بھی بالکل ریڈی تھا۔ اس کی تیاری دیکھ کر تو وہ اور بھی جل بھن گئی۔

"آپ دونوں جا کہاں رہے ہیں۔ رات بھی آپ لیٹ آئے پھر صبح پھوپو سے جھوٹ بھی بولا کہ بارہ بجے آ گیا تھا۔ مجھے انا کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا تھا مگر اب اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔" وہ ان کے قریب آئی تو روشی کو الجھتے پایا۔

"ڈونٹ وری، ہم نزدیک ہی کام سے جا رہے ہیں۔ تم نے چلنا ہے تو ریڈی ہو جاؤ۔" وہ بہن کو بہلا رہا تھا۔

"مگر بتا بھی تو چلے کہ کام کیا ہے اور آپ کے ساتھ یہ کیوں جا رہی ہے؟" اس نے انا کو گھورا تو وہ سمٹ سی گئی۔

"اس کی بحث آج کی ڈیٹ میں ختم نہیں ہونے والی۔ میں گاڑی نکال رہا ہوں۔ تم فٹافٹ آ جاؤ۔" وہ بہن کے سوال پر گھور کر گیراج کی طرف چلا گیا۔ اس کی گاڑی تو ورکشاپ میں تھی گھر والی گاڑی کی چابی اس نے ڈرائیور سے لے لی تھی۔

"تم یوں سج سنور کر کہاں چلیں؟" بھائی کا غصہ وہ اب انا پر نکال رہی تھی۔

"ہائے بجی سنوری کہاں ہوں۔ صرف سوٹ ہی تو بدلا ہے۔" پھر اسے گھورا۔

"یہ تو تمہارا بھائی ہی جانتا ہوگا کہ کہاں جارہے ہیں مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ ایک کام ہے۔ ساتھ چلنا ہے میں ریڈی ہوگئی۔" اپنا نہایت قیمتی خوب صورت بیگ کندھے پر ڈالتے وہ مسکرائی۔

"ہاں اتنی ہی تو معصوم بی بی ہو نا تم انہوں نے ساتھ چلنے کو کہا اور محترمہ فوراً ریڈی ہوگئیں۔"

"مائنڈ اٹ' میں تمہارے بھائی کے ساتھ کسی ڈیٹ پر نہیں جارہی اور نہ ہی ان کو بھگا کر لے جارہی ہوں۔" روشی کی تفتیش پر اسے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ماشاء اللہ' کیسی کیسی حسرتیں پال رکھی ہیں۔ خیر کسی دن ڈیٹ پر بھی چلی جاؤ گی۔ ارادے تو مجھے یہی لگ رہے ہیں اور جہاں تک بھگا کر لے جانے والی بات ہے تو تم تو نہیں مگر ان کی تیاری لگ رہی ہے کہ وہ تمہیں بھگا کر کہیں ضرور لے جارہے ہیں۔" اس کے معنی خیز اندازوں پر وہ ایک دم شرم سے سرخ پڑ گئی اور بیگ کھینچ کر اسے دے مارا۔

"بکومت مجھے واقعی کچھ نہیں پتا۔" اس نے صاف نظریں چرائیں۔ روشی نے بغور دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ رات ولی بھائی کب آئے تھے؟"

"ڈیڑھ بجے کے قریب۔" ولید گاڑی کا ہارن دے کر اسے متوجہ کررہا تھا وہ فوراً لپکی تو روشی نے فوراً اس کا راستا روکا۔

"مجھے دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔"

"مائی گاڈ ایسی شکی بہن میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اپنے بھائی پر شک کررہی ہو شرم کرو۔" ولید نے جیسے ہارن پر ہی ہاتھ رکھ لیا تھا پورا صحن تیز آواز سے گونج اٹھا تھا۔

"نہیں بھائی اور تمہاری اس تیاری پر' صبح صبح یہ کھلا ہوا گلاب بن کر میرے بھائی کے ساتھ کہیں جانا' دال میں واقعی کچھ کالا ہے۔"

"تمہاری طرح تمہارا بھائی بھی سڑیل اور بد دماغ ہے۔ تم دونوں بہن بھائیوں کی قریب کی نظر کمزور ہے۔ کاش میں کہیں لے ہی جاتی تمہارے بھائی کو مگر......!" ایک گہرا سانس کھینچتے اسے ایک طرف ہٹا کر وہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھی۔

"روشی اسے فرنٹ سیٹ پر مسکراتی نگاہوں سے بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کھل کر ہنس دی تھی۔

"واقعی دال میں کچھ کالا تو ہے......"

"کیا کہہ رہی تھی روشی؟" کچھ دور آنے کے بعد ولید نے اس سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں آپ تو جان بچا کر آ گئے تھے پیچھے وہ میرا دماغ کھا رہی تھی۔"

"ہاں' خواتین یہی کام اچھے انداز میں کرلیتی ہیں اور آتا کیا ہے؟" اس کی چوٹ پر اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور مرد عورتوں کو انڈر اسٹیمیٹ کرلیتے ہیں۔" اس نے فوراً حساب برابر کیا۔ باقی رستا دونوں خاموش ہی رہے تھے۔ ولید نے ریڈ روز کا بکے لیا تو انا سرخ گلاب دیکھ کر پریشان ہوئی اور اس کے اندر عجیب عجیب سے احساسات پیدا ہوتے رہے اور وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔

ولید نے ریسپشن سے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ مریضہ کو ایمرجنسی سے روم نمبر 5 میں منتقل کردیا گیا ہے۔ وہ دونوں روم کی طرف چلے آئے بکے ولید نے اسے تھما دیا تھا۔ دستک دینے کے بعد ولید نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو انا کے اندر پکڑ دھکڑ سی شروع ہوتی محسوس ہوئی۔

"آؤ۔" اسے راہداری میں ہی رکتے دیکھ کر کہا تو وہ اس کے پیچھے روم میں داخل ہوگئی۔

"السلام علیکم۔" کرسی پر بیٹھی لڑکی نے چونک کر آنے والوں کو دیکھا۔

نگہت اسلم چوہدری

اسلام علیکم! چاند کی طرح چمکتے' پھولوں کی طرح مہکتے' تاروں کی طرح جھلملاتے' ہوا کی طرح گنگناتے اور تتلیوں کی طرح چہچہاتے قارئین اور تمام آنچل اسٹاف کو میرا یعنی مابدولت نگہت اسلم چوہدری کا چاہتوں اور محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں' برداشت کرنا آپ کا فرض بنتا ہے تو جناب میں 12 دسمبر 1996ء کو سونا ویلی میں پیدا ہوئی بلکہ آپس کی بات ہے میری آمد سے پہلے میری ویلی چاندی کی تھی اور بعد میں سونے کی ہوگئی' ہاہاہاہا۔ اچھا اگر تعلیم کی بات کی جائے تو میں حال ہی میں ایف ایس سی سیکنڈ پارٹ میں پہنچی ہوں' اگر دوستوں کی بات کی جائے تو جی میری 23 دوستیں ہیں یعنی پوری کلاس ہی میری دوست ہے لیکن سدرہ اور سارہ کے ساتھ میں زیادہ کلوز ہوں اس کے علاوہ رفعت (میری بہن)' انعم (میری بھتیجی) اور نوشیلہ (میری بھانجی) بھی میری بہترین دوست ہیں۔ میرے اچھے اور پیارے دوست میرے بھیا اور نگ زیب اقبال (ایم بی بی ایس ڈاکٹر) ہیں۔ میرے بھیا بالکل دوسرے شاہد کپور ہیں' مجھے پینٹنگ کرنا بہت اچھا لگتا ہے اور ماشاء اللہ میں ایک اچھی پینٹر ہوں۔ بقول میری مما ایک یہی کام ہے جو میں ڈھنگ سے کرتی ہوں' مجھے پیاز سے بہت ڈر لگتا ہے۔ جس ہستی کے بغیر میرا جینا ناممکن ہے وہ میری مما جی ہیں (مما! میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں)۔ نازیہ کنول نازی اور عشنا۔ جی پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ مجھے ڈریسنگ میں اسکرٹ شرٹ پسند ہے۔ جیولری میں لنگن اور رِنگ پہننا پسند کرتی ہوں۔ پھولوں میں گلاب بہت پسند ہے' مجھے ساون کی بارشیں بہت پسند ہیں۔ میں اپنے آزاد کشمیر کے اونچے اونچے پہاڑوں' چیڑ کے درختوں' بل کھاتی ہوئی سڑکوں' بہتی ہوئی ندیوں اور ہرے ہرے کھیتوں سے جنون کی حد تک پیار کرتی ہوں۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں' اگر خوبیوں خامیوں کی بات کی جائے تو بقول سدرہ اور سارہ (میری پیاری فرینڈز) میں بہت خود غرض ہوں اور بڑی جلدی انتقام لیتی ہوں' بقول میری ٹیچر میں بڑی کنجوس ہوں' میرے خیال میں بہت ہوگیا' اگر کوئی بھول ہوگئی تو اسے بھول سمجھ کر بھلا دیجیے گا' ارے بھلانا صرف بھول کو ہی بھول کرنے والوں کومت بھلائیے گا۔ دعاؤں میں مجھ معصوم کو یاد رکھیے گا' اللہ حافظ اینڈ گڈ بائے۔

"وعلیکم السلام۔" ولید کو دیکھ کر عادلہ نے فوراً اٹھ کر استقبال کیا اور ولید کے ساتھ ایک نہایت نازک گلابوں کی مانند کھلی کھلی سی لڑکی کو دیکھ کر چونکی۔ انا نے خاموشی سے لڑکی کو بکے تھما دیا۔

"تھینکس..... آئیں پلیز بیٹھیں۔" یہ وی آئی پی روم تھا ایک طرف رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا تو دونوں ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی سسٹر کی؟" لڑکی کا چہرہ سفید چادر میں چھپا ہوا تھا۔ انا نے ایک سرسری نگاہ ڈال کر پھر میزبان لڑکی کا جائزہ لیا۔ سادا شلوار قمیص میں بھی اس کا حسن ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ولید کے سوال پر وہ مسکرا کر خود بھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"اب تو بہتر ہے ظاہر ہے شدید چوٹوں کی وجہ سے سارا وجود متاثر ہوا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کوئی اندرونی چوٹ نہیں آئی۔ نہ ہی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ مگر ایکسیڈنٹ تو پھر ایکسیڈنٹ ہی ہوتا ہے نا۔ ڈاکٹرز کافی مطمئن ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ولید نے کہا۔

"مریضہ کو ہوش بھی آیا تھا کہ ابھی تک رات والی کنڈیشن میں ہی ہیں۔" ولید نے بستر پر لیٹے سفید چادر میں چھپے وجود کو دیکھا۔

"صبح ہوش آیا تھا چار پانچ منٹ کے لیے۔ ڈاکٹرز نے پھر ٹرینکولائزر کے حوالے کردیا۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن یہ اسی حالت میں رہے گی۔"

"او آئی سی' ویسے آپ نے پتا لگایا کہ ایکسیڈنٹ کی اصل وجہ کیا تھی گاڑی میں فالٹ یا کوئی اور وجہ؟" انا مکمل طور پر خاموش تھی وہ خاموشی سے دونوں طرف کی مکالمہ بازی سن رہی تھی۔

"ڈیڈ نے جائے وقوعہ سے معاملے کی پڑتال کروائی ہے۔ گاڑی کی جو کنڈیشن ہے اس سے مکینک نے تو یہی بتایا ہے کہ اوور اسپیڈ ہونے کی وجہ سے کاشفہ کا گاڑی پر کنٹرول نہیں رہ سکا اور نتیجتاً وہ سامنے والی گاڑی سے ٹکرا کر حادثے کا

سبب بن گئی۔"

"آپ کے والدین نظر نہیں آرہے؟"

"ماما کی رو رو کر حالت خراب ہوگئی تھی اور ڈیڈ کی آج بہت اہم بزنس اپائنٹمنٹ تھی۔ وہ ماما کو گھر چھوڑ کر چند گھنٹوں کے لیے گئے ہیں۔"

"اور آپ کے باقی بہن بھائی؟"

"بھائی ہے ایک اسے ابھی تک ہم نے اطلاع ہی نہیں دی۔"

"کیا کسی اور کنٹری میں رہائش پزیر ہیں؟" ولید نے استفسار کیا تو وہ ہنس دی۔

"نہیں ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے۔ کچھ موڈی ہے اور بے پروا بھی۔ گھر سے باہر ہو تو سیل آف کر دیتا ہے۔ رات جب مجھے اطلاع ملی تو اس کا نمبر بند تھا۔ وہ دوستوں کے ساتھ کسی ملے گلے میں بزی ہوگا۔" بے پروائی سے وہ کہہ رہی تھی اور ولید نے ایک عام سی نگاہ اپنے سامنے بیٹھی دل کش و حسین سی اس لڑکی کو دیکھا۔

اسے رات اس لڑکی کی گفتگو یاد آئی اور ساتھ ہی اس نے ایک عام سی نگاہ بیڈ پر لیٹے وجود کو دیکھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ شاید یہ ہائی سوسائٹی کے نام نہاد لوگوں کے لیے عام سی بات ہو مگر یہ سب اس جیسے حساس مرد کے لیے بہت زیادہ تھا۔ شاید یہ معاشرتی المیہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"یہ آپ کی مسز ہیں؟" عادلہ نے ولید کے ساتھ مسلسل چپ چاپ بیٹھی انا کو دیکھ کر ولید سے پوچھا تو جہاں وہ ایک دم سٹپٹایا وہیں انا بھی خفت سے سرخ ہوگئی تھی۔

"کزن ہیں میری انا وقار احمد۔" اس نے شرمندہ ہوتے تعارف کروایا۔ عادلہ ایک پل کو چونکی پھر بجائے شرمندہ ہونے کے ہنس دی۔

"اف یو ڈونٹ مائنڈ مجھے تو آپ ایک کپل ہی لگ رہے ہیں۔" اس کی مسکراتی نگاہوں سے انا کا سارا اعتماد ریزہ ریزہ ہوگیا تھا۔

"خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عادلہ کے اس برجستہ تبصرے پر خاصی سنجیدگی سے ولید نے کہا تو انا نے اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھی۔

"آہ......!" سفید چادر کے اندر سے ایک کراہ بلند ہوئی تو عادلہ فوراً اٹھ کر اس کی طرف چلی گئی۔ سفید چادر ہٹا کر اس نے دیکھا وہ آنکھیں بند کیے مسلسل کراہ رہی تھی۔ انا نے لڑکی کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر اپنی جگہ گم صم رہ گئی۔ یہ لڑکی اپنی بہن سے بھی کئی گنا زیادہ حسین اور دل کش تھی۔ چہرے پر کئی خراشیں تھیں مگر اس کے باوجود آنکھیں بند کیے یہ چہرہ اپنے اندر بہت خوب صورتی لیے ہوئے تھا۔

"لگتا ہے ٹرینکولائزر کا اثر ختم ہو رہا ہے۔ میں ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں۔" اس نے فوراً انٹرکام تھام کر ڈاکٹرز کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر فوراً آگئے تھے۔ وہ مریضہ کا جائزہ لینے لگے تھے۔

"ولید چلیں؟" وہ ایک دم بےزاری سی ہونے لگی تو اس نے ولید کو کہا ولید نے اسے دیکھا۔ سنجیدہ چہرے کے تاثرات بڑے عجیب سے تھے۔

"یہ چابی لو تم گاڑی میں جا کر بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ سمجھا کہ کاشفہ کو سفید پٹیوں میں جکڑے دیکھ کر وہ پریشان ہو رہی ہے۔ گاڑی کی چابی اسے تھمائی تو وہ بغیر ایک لفظ کہے تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ ڈاکٹرز لڑکی کے زخموں کا معائنہ کرتے عادلہ سے بات چیت کر رہے تھے۔ دو منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھول کر ایک بلند قامت خوش شکل نوجوان داخل ہوا تھا۔

"ہائے عادلہ مجھے تو کسی نے بتایا تک نہیں وہ تو میں ابھی گھر گیا تو مام نے بتایا تو فوراً ادھر بھاگا آیا ہوں۔" نوجوان آتے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ولید نے نوجوان کو دیکھا یہ نوجوان آج کے ایلیٹ کلاس کے بگڑے ہوئے رئیس زادوں کے مکمل گیٹ اپ میں تھا۔ بے تکے سے حلیے میں وہ اسے خاصا ناگوار لگا۔

"تمہیں کوئی بتاتا بھی تو کیسے؟ ساری رات سے تمہارا موبائل آف مل رہا تھا۔" عادلہ نے بھائی کو غصے سے دیکھ کر پھر ڈاکٹر سے بات چیت شروع کر دی۔ کچھ پل بعد ڈاکٹرز چلے گئے تو عادلہ نے ولید کو دیکھا۔

"یہ میرا بھائی ایاز ہے اور ایاز یہ ولید صاحب ہیں۔ یہی کاشی کو اسپتال لے کر آئے تھے۔" اس نے تعارف نبھایا تو ایاز نے فوراً اسلام کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے ولید نے بغیر کسی تاثر کے تھام لیا۔

"ارے آپ کی کزن کہاں گئی؟" وہ ڈاکٹرز کے ساتھ مصروف تھی سوائے انا کے جانے کا پتا نہیں چلا۔

"وہ گاڑی میں چلی گئیں اور اب میں بھی چلتا ہوں۔" اس نے اٹھ کر کہا تو عادلہ نے اس کے دراز قامت مضبوط ڈیل ڈول کو دیکھا ایک دم اس کی نگاہوں میں ستائش سمٹ آئی۔

"کچھ دیر تو رکیے؟" اس نے اخلاق نبھایا۔

"نہیں وہ گاڑی میں اکیلی ہیں انہیں کہیں کام کے لیے جانا ہے۔"

"اوہ۔"

"او کے اللہ حافظ۔" وہ اب کی بار ایاز سے ہاتھ ملائے بغیر تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔ وہ پارکنگ میں اپنی گاڑی کی طرف آیا تو انا شیشے چڑھائے گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ کر اس نے کھڑکی کا شیشہ بجایا تو انا نے اپنے ہی کسی خیال سے چونک کر ولید کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا لاک کھول دیا۔

"کیا ہوا ہے؟ بڑے متفکروں والے انداز میں بیٹھی ہوئی ہو۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل خاموش پا کر اس نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں بس ویسے ہی۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا چند پل اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد کچھ یاد آیا تو اس کی طرف منہ کیا۔

"ولید آپ اسپتال سے بینڈیج ہی کروا لیتے بے شک زخم اتنے گہرے نہیں مگر زخموں کو کبھی چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"فی الحال تو ڈاکٹر صاحبہ رات آپ کی کی گئی بینڈیج سے گزارا ہو رہا ہے۔ دوبارہ ضرورت پڑی تو کروا لیں گے۔ ڈونٹ وری۔" ولید کی مسکراہٹ پر اس کا دل پھر ایک پل کو بوجھل ہوا تو وہ کھڑکی کی طرف منہ موڑ گئی۔ نجانے وہ ایسی کیوں ہو رہی تھی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے اندر اس قدر اضطراب اور پریشانی کیوں ڈیرہ جما گئی تھی۔ وہ اپنی فیلنگز خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

صبح سے وہ اس قدر خوش تھی کہ حد نہیں اور اب انجانے خوف کی آہٹیں وہ اپنے دل کی دہلیز پر محسوس کر رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تیاگ کر کسی کونے میں جا بیٹھے اور دل کھول کر روئے کہ ہر طرف جل تھل ہو جائے کوئی بھی کونا خشک نہ رہے۔ اپنی ہی سوچوں اور خیالات سے گھبرا کر اس نے سیٹ کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا۔ اس کے اس طرح گم صم ہونے پر ولید نے بہت حیرت و تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا۔ مگر اس کے انداز پر متفکر ضرور ہو گیا تھا۔



میٹنگ کے بعد انسپکٹر شہناز کی کال آ گئی تھی اور اس نے جو رپورٹ دی اسے سن کر وہ خاصی دیر تک غم و غصے کا شکار رہا۔ بہرحال کل جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ شہوار جیسی نرم و نازک احساسات کی مالک حساس لڑکی کے اعصاب پر یہ چوٹ کیسی گہری لگی ہوگی۔

اس کا پھوٹ پھوٹ کر روتا سلگتا لہجہ...... ابھی تک دل پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کس کرب کا شکار ہو کر بیمار ہوئی ہوگی۔ کل صبح کا روشن تر و تازہ صبیح چہرہ اس کے دل و دماغ میں ابھی بھی روشن تھا۔ وہ اپنے تمام ضروری کام پس پشت ڈال کر ہوٹل سے اپنا سامان لے کر سیدھا ائیرپورٹ آ گیا تھا۔

اپنے شہر آ کر وہ پہلے آفس آیا جہاں چند ضروری امور نمٹانے کے بعد وہ گھر آ گیا تھا۔ لائبہ بھابی اور ماں جی دونوں لان میں ہی بیٹھی مل گئی تھیں۔ وہ سیدھا انہی کی طرف چلا آیا۔

''السلام علیکم......!''مشترکہ سلام کیا تھا۔
''وعلیکم السلام۔'' ماں جی سے جھک کر پیار لے کر کرسی پر ٹک گیا۔
''تم نے تو رات کو آنا تھا۔'' ماں جی نے پوچھا تو وہ ہنس دیا اور پھر ہاتھ بڑھا کر لائبہ بھابی کی گود سے آفاق کو اٹھالیا۔
''جی پروگرام تو یہی تھا مگر کام جلدی نمٹ گیا تو چلا آیا۔''
''آفس سے آ رہے ہو؟'' آفاق کو اچھالتے دیکھ کر بھابی نے بھی پوچھا۔
''جی سیدھا وہیں چلا گیا تھا۔''
''عادلہ بھابی آ گئی ہیں کیا؟'' آفاق کے رخسار چوم کر ماں کو دیکھا۔
''نہیں وہ چند دن رہنے کے لیے گئی ہے۔'' انہوں نے تلخی سے جواب دیا۔
''آفاق ان کے بغیر رہ لیتا ہے آپ کو تنگ تو نہیں کرتا۔'' کھلکھلا کر ہاتھ پیر مارتے اپنے معصوم پیارے بھتیجے کو دیکھتے اس نے لائبہ بھابی سے پوچھا۔ جو عادلہ بھابی کے ایسے ہر پروگرام میں بڑی خندہ پیشانی سے آفاق کو سنبھالتی تھیں۔
''تنگ تو نہیں کرتا۔ بالکل بھی نہیں' بلکہ عادلہ بھابی کے بجائے یہ میرے ساتھ زیادہ اٹیچ ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہری سانس خارج کی۔
''وہ تو بچہ پیدا کرنے پر ہی کب راضی تھی؟ اللہ کی طرف سے آس لگی تو اس نے ایک قیامت برپا کردی تھی۔ سب نے سمجھایا مگر وہ ضد کی پکی تھی پھر اس شرط پر راضی ہوئی کہ آفاق کو صرف پیدا کرے گی اس کے لیے ملازمہ رکھنا ہوگی جو اسے پالے گی۔ فیڈ تک تو اس نے کروایا نہیں۔ نجانے کیسی ماں ہے۔ لائبہ نے خوش ہو کر پیدا ہوتے ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا ورنہ نجانے اس بچے کا کیا حال ہوتا؟ وہ بچوں کو پاؤں کی زنجیر کہتی ہے۔ آفاق کے بعد تو اس نے عباس سے صاف کہہ دیا کہ ایک ہی بیٹا کافی ہے مزید بچے وہ افورڈ نہیں کرسکتی۔'' ماں جی نے تو دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ مصطفیٰ نے جھک کر خوب صورت گل گوتھنے سے بچے کے سر پر بوسہ دیا۔
''بچے تو باغ کے پھول ہوتے ہیں' گھروں کی رونق' میرے بچے کی زندگی کو دیمک لگا دی اس عورت نے۔ اس کا دل ویران کردیا۔'' ماں جی کا لہجہ آزردہ ہوا تو مصطفیٰ کے دل کو تکلیف ہوئی۔
''تو عباس بھائی ایک فائنل اسٹیپ کیوں نہیں لے لیتے۔ جب ان کی ہر طرح کی خوبیاں سامنے آ گئی ہیں تو انہیں چھوڑ دیں پھر۔'' مصطفیٰ نے جوش سے کہا تو ماں جی نے دہل کر اس کا چہرہ دیکھا۔
''نہ بیٹا نہ۔ ہماری بھی بیٹیاں ہیں۔ اللہ اسے ہدایت دے اپنے گھر اور گھر والے کی محبت اس کے دل میں پیدا کردے' بھلا اس سے بڑھ کر ہمیں کیا چاہیے۔ میرا بیٹا بڑی محبت اور خواہش کے ساتھ اس عورت کو بیاہ کر لایا تھا۔'' اس نے خاموشی سے سر جھٹکا۔ بھلا عباس بھائی کب تک ایسے تعلق کو یک طرفہ ڈور سے کھینچتے رہیں گے۔ اس کے اندر بڑی تلخ سی سوچ ابھری۔
''کھانا کھاؤ گے مصطفیٰ؟'' بھابی کو آفاق تھما کر وہ اٹھا تو ماں جی نے پوچھا۔
''جب سب لنچ کریں گے تو مجھے بھی بلوا لیجیے گا میں ذرا چینج کرلوں۔'' وہ جاتے جاتے ایک پل کو رکا۔ ''شہوار کی طبیعت اب کیسی ہے؟ کہاں ہے وہ اس وقت؟''
''رات سے تو بہتر ہے مگر بخار ابھی بھی ہے صبح کچھ کم تھا مگر ختم نہیں ہوا۔'' وہ سر ہلاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔
اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ شہوار کے روم کی طرف آ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ بستر پر دراز سر تک کمبل اوڑھے دکھائی دی۔ شاید سو رہی تھی۔ وہ گہری سانس خارج کرتا دوبارہ دروازہ بند کرتے اپنے کمرے میں آ گیا۔ کھانا اس نے ماں جی اور بھابی کے ساتھ ہی کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھا رہا۔ پتا نہیں شہوار اٹھی کہ نہیں۔ رخشندہ ادھر کسی کام سے آئی تو روک لیا۔
''شہوار......اٹھ گئی کیا؟''
''جی بی بی صاحبہ انہیں کھانا کھلا رہی ہیں۔''

آنچل کے نام

صبح کی پہلی کرن تیرے نام
رب کی حمد و ثناء کرتی
لبوں سے نکلنے والی ہر اک دعا تیرے نام
خوشبو میں بسا یہ کاغذ
اور کاغذ میں نقش ہر تحریر تیرے نام
موتیوں کی طرح چمکتے بارش کے قطرے
اور مسکراتی ہوئی ہر اک قوس قزح تیرے نام
گگن پہ چمکتے تارے
تاروں کے درمیان چمکتا چاند تیرے نام
مجھے میرے آنچل سے عزیز نہیں کوئی
اسی لیے تو سب میں ہے معتبر یہ نام

صدیقہ خان......باغ' آزاد کشمیر

''کون ماں جی؟'' رخشندہ سر ہلا کر چلی گئی تو وہ بھی ٹی وی آف کرتا اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ دستک دے کر اس نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔
''السلام علیکم!'' شہوار نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے سر جھکا لیا۔ صبح جذباتیت کا مظاہرہ کرتے اس نے کمزوری کا سامنا تو کرلیا تھا مگر اس کے بعد پچھتاتی رہی تھی کہ اب ضروری تو نہیں کہ اسے ہر بات بتائی جائے۔ ماں جی اس کے لیے دلیہ بنوا کر لائی تھیں جسے پر زور اصرار کے بعد وہ کھا رہی تھی۔ مصطفیٰ ایک طرف رکھی کرسی اٹھا کر بستر کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا۔
''یہ تھوڑا سا اور کھالو۔ صبح بھی صرف ایک سلائس کے علاوہ کچھ نہیں لیا تھا۔ رات بھی صرف چند چمچ سوپ کے لیے تھے۔ اس طرح تو کمزوری ہوجائے گی چلو شاباش یہ پورا پیالہ ختم کرو۔'' ماں جی نے اسے چند نوالے لینے کے بعد ہاتھ روک کر بیٹھتے دیکھ کر ٹوکا۔
''پلیز بالکل نہیں کھایا جارہا اس وقت' جب دل چاہا خود منگوالوں گی ابھی نہیں پلیز۔'' ماں جی کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا۔
''اگر دلیہ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تو اپنی پسند کی کوئی بھی چیز بتادو وہ بنوا لیتی ہوں۔ مگر پرہیزی چیز بنوا کردوں گی اسپائسی نہیں۔'' ٹرے میں باؤل رکھتے انہوں نے کہا تو اس نے ذرا سا مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔
''کچھ بھی مت بنوائیں۔ بخار کی وجہ سے منہ کا ذائقہ کڑوا ہوگیا ہے۔ ایسے میں ہر چیز کا ایک ہی ٹیسٹ لگ رہا ہے۔'' بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگاتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔ مگر گلابیاں چھلکاتا چھلکتا چہرہ اس وقت زرد ہوتا کملایا ہوا لگ رہا تھا۔
''اب طبیعت کیسی ہے تمہاری؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔
''بہت تنگ کرتی ہے یہ بیماری میں۔ تابندہ ٹھیک اس کی شکایت کرتی ہے کہ بیماری میں یہ کسی بچے کی طرح بن جاتی ہے۔ تمہارے بابا اور بھائی بھی پریشان ہو رہے ہیں کہ اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا ہے کہ ایک دم اتنی بیمار ہوئی کہ بستر سے آ لگی۔'' مہرالنساء بیگم نے مصطفیٰ کے سامنے اظہار خیال کیا تو وہ مزید شرمندہ ہوگئی۔

"میں تو ایک دن میں ہی بوکھلا کر رہ گئی ہوں۔ کل سے سارا وقت اس کی پٹی سے لگی بیٹھی ہوں۔ ساری رات یہ بے ہوش کراہتی رہی ہے اور میری جان ہولتی رہی ہے۔ کل سے تابندہ کے کئی فون آ گئے ہیں۔ بات نہیں کروا رہی کہ اس نے بخار میں کچھ الٹا سیدھا بول دیا تو وہ تنہا عورت وہاں روتی پریشان ہوتی رہے گی۔" انہوں نے اب کے مصطفیٰ کو تفصیل سے بتایا۔

"ہاں میرے پاس بھی دوپہر میں کال آئی تھی پریشان ہو رہی تھیں کہ یہ محترمہ خود کہاں ہیں اور بات کیوں نہیں کر رہی ہیں۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔" مصطفیٰ نے بھی بتایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ماں ہے نا' اولاد تکلیف میں ہو اور ماں کو کیسے سکھ ملے اتنی دور بیٹھی بھی محسوس کر رہی ہے۔" مہرالنساء بیگم فوراً متاثر ہوئی تھیں۔

"تم یہ دوا لو اب میں نیند کی گولی نکال رہی ہوں۔ بخار پہلے سے قدرے کم ہے۔ اللہ شفا دے۔ تمہیں مسلسل بستر پر پڑے دیکھ کر میرا دل ہول رہا ہے۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی دوائیوں میں سے اس کی میڈیسن نکالی تھی۔ پانی کا گلاس بھر کر اسے گولیاں تھمادیں۔ وہ خاموشی سے میڈیسن کھا گئی تھی۔

"اچھا مصطفیٰ تم اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرو سارا دن لیٹے لیٹے بھی بندہ بے زار ہو جاتا ہے۔ لائبہ بچے کے ساتھ گھر کے دیگر کام بھی دیکھتی ہے اور میں اکیلی اس کا کہاں تک جی بہلاؤں۔" وہ ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں اور شہوار کی جان پر بن آئی تھی۔ مصطفیٰ اب پہلی فرصت میں اس سے یہی پوچھے گا وہ خاموشی سے نظریں جھکائے مصطفیٰ کے بولنے کی منتظر بس بستر کی چادر دیکھے جا رہی تھی۔

"بوا جی سے بات کر لو وہ پریشان ہو رہی ہیں۔ کہتی ہو تو ابھی کال ملا دیتا ہوں۔" اس نے کہا بھی تو کیا اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو موبائل کی وائبریشن ہونے پر اس کی اسکرین کو گھور رہا تھا۔ شاید اس کا موبائل سائلنٹ پر تھا۔

"بوا جی کی مسلسل کال آ رہی ہے۔" اس نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

"السلام علیکم!" آن کرتے اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

"وعلیکم السلام! تابندہ بی اس کی آواز سن کر ایک دم نہال ہو گئی تھیں۔

"کل سے میں نے کئی کالز کی ہیں۔ کوئی یوں بھی ماں کے دل کو آزماتا ہے۔ غصہ ہے یا ناراضگی جو بھی ہے وہ سب ایک طرف مگر ماں ہوں تمہاری۔ کوئی اس طرح بھی ماں سے ناراض ہوتا ہے۔" ان کی آواز میں نمی گھل گئی تھی اور وہ اپنی جگہ مجرم بن گئی تھی کہ ماں کو اتنی تکلیف دینے کا سبب بن رہی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" اس نے دھیمے سے کہا۔ بخار نے ساری قوت ہی سلب کر لی تھی شاید ماں سے بات کرتے سانس الجھنے لگا۔

"تو پھر بات کیوں نہیں کر رہی تھی مجھ سے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ہلکا سا بخار تھا اور جب بھی آپ کی کال آئی میں سو رہی ہوتی تھی مجھے پتا نہیں چلا۔" اس نے کہا تو وہ فوراً پریشان ہو گئیں۔

"میرے اللہ طبیعت خراب کیوں ہو گئی بخار کیوں ہوا؟"

"بس کیا بتاؤں بخار وجہ بتا کر تھوڑی آتا ہے۔" مصطفیٰ نے اس کے چہرے پر ایک پل کو چھا جانے والے تاثر کو دیکھا۔ عجب اضمحلال لیا ہوا انداز تھا۔

"مگر مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ میں نے کتنی کالز کیں۔"

"سب آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہلکا سا بخار تھا اب میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں بالکل فٹ فاٹ اے ون۔" اپنے آپ کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کو وہ قدرے مسکرائی بھی تھی۔

"اللہ کرے۔" ان کے لہجے میں کئی تفکرات تھے۔

"تم نے میرے ہاں کر دینے والی بات کا اتنا اثر لیا ہے۔ اسی لیے اپنی طبیعت خراب کر ڈالی؟" وہ افسردہ لہجے میں

پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں......!"

"مگر میں جانتی ہوں تم خوش نہیں ہو۔ مصطفیٰ میری خواہش ہے بیٹا' ایک ماں بھلا اپنی اولاد کے لیے غلط فیصلہ کیسے کر سکتی ہے۔ مصطفیٰ تمہارے لیے دنیا میں سب سے گھنی چھاؤں و مضبوط سہارا ثابت ہوگا۔" شہوار نے خاموشی سے پلکیں اٹھا کر مصطفیٰ کی طرف دیکھا وہ مکمل توجہ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر فوراً پلکوں کی جھالر گرا لی۔ دل سینے کے اندر یوں شور مچانے لگا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"ہم اس ٹاپک پر بعد میں بات کریں گے۔ میں خود کال کروں گی اب بار بار سب کو فون کر کر کے میری طرف سے پریشان مت ہوں میں ٹھیک ہوں اور اس بات کا میں نے قطعی اثر نہیں لیا بس ویسے ہی بخار ہو گیا ہے۔"

"تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ تم ابھی بھی ناراض ہو مجھ سے۔" ان کی آواز رنجیدہ تھی۔

"نہیں امی میں بھلا آپ سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گی آپ کے سوا میرا ہے کون۔ مانا یا نہ مانا وہ ایک طرف مگر آپ کی بات یا فیصلے کو رد کر سکتی ہوں ناراض نہیں ہو سکتی۔ فکر نہ کریں۔ بالکل مطمئن رہیں۔" دھیمے لہجے میں آہستہ آہستہ بولتے اپنی سانس کو ہموار کرتی وہ یہ مشکل کہہ رہی تھی اور مصطفیٰ بڑے صبر و شکر سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور مصطفیٰ کے سامنے یہ سب کہنا اس کے لیے بڑا مشکل تھا۔

"اچھا میں خود کال کر لوں گی۔ رات کو اگر نہ کر سکی تو کل ہفتہ ہے گھر میں ہوں گی سارا دن۔ کسی بھی وقت کر لوں گی پریشان نہ ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ اوکے......اللہ حافظ۔" مصطفیٰ کی نظریں مسلسل اپنے چہرے پر جمے دیکھ کر اس نے جلدی جلدی بات سمیٹتے خدا حافظ کہا تھا۔ کال آف کر کے موبائل مصطفیٰ کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" مصطفیٰ نے موبائل لے کر پاکٹ میں رکھ لیا۔

"بہت پریشان لگ رہی تھیں بوا جی۔"

"جی۔" اپنے ہاتھوں کو آپس میں جکڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ ناراضگی والا کیا سلسلہ ہے؟" بغور اس کی طرف دیکھتے اس نے پوچھا۔

"کوئی سلسلہ نہیں ویسے ہی بات ہو رہی تھی۔ آپ سنائیں آپ کب آئے؟ آپ نے تو شاید رات کو آنا تھا۔" اس نے بات بدلنی چاہی۔ مصطفیٰ نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"ہاں پروگرام تو یہی تھا مگر صبح تم سے بات کرنے کے بعد میں نے تمام پروگرام کینسل کر دیا تھا۔ اب بتاؤ صبح ایسا شدید ری ایکشن پیش کرنے کی کوئی خاص وجہ؟" شہوار خاموشی سے اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے بڑی بری طرح کشمکش و پنج میں پڑ گئی تھی۔ صبح جذباتیت کا اظہار تو کر دیا تھا مگر اب اپنی زبان سے سب کہہ دینا دنیا جہاں کا مشکل ترین امر لگ رہا تھا۔

"میں تم پر واضح کر دوں کہ میں اپنے تئیں تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں کل کالج میں لیا' لوگوں کی وجہ سے جو بھی ہنگامہ ہوا وہ حرف بہ حرف میرے علم میں آ چکا ہے۔ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تم سے تمام تفصیل جان لینا ضروری سمجھتا ہوں۔" شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا' اس کے چہرے پر چھائی بے انتہا قسم کی کرختگی نما سنجیدگی دیکھ کر اس کا دل دھڑکا اس نے اپنے لرزتے ہاتھوں کو دیکھتے فوراً سر جھکا لیا۔

"آپ کو کیسے علم ہوا؟"

"تمہارے صبح والے ردعمل اور اس شدید ڈپریشن نما بیماری کا اندازہ ہونے کے بعد تمام صورت حال معلوم کروانا میرے لیے قطعی مشکل نہ تھا۔ ہاں تمام کارروائی سے باخبر ہونے کے لیے مجھے تھوڑی دیر کے لیے انتظار کی اذیت ضرور سہنا پڑی تھی۔"

"اب پلیز جلد از جلد تم بتا دو۔" اس نے ٹوکا تو بادل ناخواستہ اسے تمام کارروائی اس کے گوش گزار کرنا پڑی۔ مصطفیٰ نے کوئی شدید ردعمل ظاہر کیے بغیر تحمل سے اس کی تمام گفتگو سنی تھی اور سب کچھ کہہ دینے کے بعد شہوار نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا وہ چہرے پر بغیر کوئی تاثر لائے محض خاموشی سے اس کی ساری بات سن کر اب غور و خوض کر رہا تھا۔

"ہوں ٹھیک ہے تم سناؤ ڈاکٹر کیا کہتا ہے تمہاری ڈپریشن نما بیماری کے بارے میں۔" ساری بات سننے کے بعد اس نے اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر موضوع بدل دیا تھا اور شہوار نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب صبح ڈاکٹر زبیری آئے تھے اب وہ بھی مطمئن ہیں۔" اس کے اس طرح نارمل ردعمل شو کرنے پر اس نے بھی سہولت سے جواب دے دیا تھا۔

"یہ جو ہاشم گروپ ہے یہ کس قسم کے لڑکے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔

"براہ راست تو کبھی واسطہ نہیں پڑا بظاہر اچھے ہیں۔ ہاں ہاشم خاصا اسٹرانگ بیک گراؤنڈ رکھتا ہے شاید میں زیادہ ڈیٹیل سے نہیں جانتی۔ کالج میں کبھی غنڈہ گردی تو نہیں کی مگران کا گروپ ایک مضبوط پوزیشن کا حامل ضرور ہے۔ دیگر تمام ایئرز کے طلبا ان سے خائف بھی رہتے ہیں مگر پرامن طبیعت کے مالک ہیں یہ لوگ۔ کوئی بھی مسئلہ ہو کسی بھی قسم کا فوری حل کرنے کے لیے پیش پیش رہتے ہیں یہ لوگ۔" اس نے سہولت سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہوں..... اور لیاز وغیرہ کے ساتھ اس کا تعلق کیسا رہا ہے؟"

"پہلے بھی چند بار دونوں میں ہنگامہ ہو چکا ہے دراصل کبھی ہاتھا پائی کی نوبت نہیں آئی۔ ان لوگوں میں تو محض زبانی تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ ہاشم لوگ خصوصاً گرلز کو پروٹیکشن دیتے ہیں پہلے بھی لیاز لوگوں سے ان کا مسئلہ چند ایک بار کسی نہ کسی لڑکی کی ہی وجہ سے خراب ہوا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جو اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔" وہ سر ہلاتے مزید کہنے لگی۔

"اس جیسے لڑکے جو اکیڈمک لحاظ سے زیرو ہوں جواب تک میڈیکل کالج میں بس باپ کے پیسے کی وجہ سے ٹکے ہوں وہ بھلا کالج کیوں آتے ہیں؟ ہاسٹل اور کالج میں تعلیمی کارکردگی کے معاملے میں زیرو ہونے کے باوجود وہ ابھی تک کالج میں کیوں اٹکا ہوا ہے صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایسے بہت سے حربے ہیں جو ٹیچرز اور ڈاکٹر کو خوف زدہ کرنے کے لیے وہ استعمال کر لیتا ہے۔ کسی کی کوئی نہ کوئی مجبوری ڈھونڈ نکالتا ہے۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"اوہ۔" مصطفیٰ نے لیاز کے ذکر پر اس کے چہرے پر چھائی نفرت کا بغور جائزہ لیا تھا۔

"اوکے ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو اپنے ذہن پر بوجھ ڈالنے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میرا خیال ہے کمرے میں تنہا لیٹے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ماں جی اور بھابی کے پاس بیٹھو ذہن فریش ہوگا۔ بے تکی ڈپریشن زدہ سوچوں کو ذہن میں جگہ دینے کے بجائے تمہیں چاہیے کہ کمرے کی چار دیواری سے باہر نکل کر بیٹھو۔" شہوار نے خاموشی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"تم اب چند دن قطعی کالج نہیں جا رہیں۔ میں اب اس معاملے کو خود ہینڈل کروں گا۔" وہ مسکرا کر کہتا کمرے سے نکل گیا اور شہوار خاموشی سے دروازے پر ایک نگاہ ڈال کر کراؤن سے ٹیک لگا کر گہری سانس لے کر رہ گئی۔

......☆☆☆......

وہ سو کر اٹھی تو طبیعت خاصی فریش اور بہتر تھی۔

چونکہ آج اتوار تھا تو آرام کا بھی خاصا وقت ملا تھا۔ اس کی طبیعت کی خرابی کے سبب ڈسٹرب تو پہلے بھی کسی نے نہ کیا تھا مگر مصطفیٰ سے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے کا سبب تھا کہ وہ خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔ صبا اور عائشہ رات میں ہی آ گئی تھیں دوسرا اسنڈے ہونے کی وجہ سے گھر میں کافی رونق تھی۔ عادلہ تو تھیں نہیں اس لیے ہر کوئی انجوائے کر رہا تھا۔ وہ فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج سے سب کے بولنے کی آوازیں سن کر ادھر ہی چلی آئی۔

رنگ پیراہن کا خوش بو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا عائشہ نے بڑی برجستگی سے شعر داغا تو وہ تمام لوگوں کو دیکھ کر ایک دم جھینپ سی گئی۔ لاؤنج میں مصطفیٰ اور انکل شاہ زیب کے علاوہ باقی سبھی تھے۔ اسے یوں کھڑے دیکھ کر ماں جی مسکرا دی تھیں۔

"رک کیوں گئیں آؤ ادھر آجاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ عائشہ کی شرارتی نگاہوں کو نظر انداز کرتے آگے بڑھ آئی۔ ماں جی کے ایک طرف صبا تھی تو انہوں نے دوسری طرف اسے اپنے پاس ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تم آرام کر رہی تھیں میں نے سب کو منع کر دیا تھا کہ تمہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ ماشاء اللہ لباس بدلنے سے خاصی فریش لگ رہی ہو۔" انہوں نے اس کے سرخ لباس میں چہرے کی زردی کو بڑی محبت سے دیکھا

"جی بہت بہتر ہوں۔"

"ویسے یہ غبار کس سلسلے کا تھا؟" عائشہ نے کہا تو اس نے اسے دیکھا وہ اپنی بیٹی کو گود میں لیے قالین پر بیٹھی تھی۔

"بھلا بخار کا بھی کوئی سلسلہ ہوتا ہے؟" سجاد بھائی نے بہن کے الفاظ پکڑے۔

"کیوں نہیں ہر ایک چیز کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جیسا کہ شجرۂ نسب۔" اس نے بے تکی ہانکی تو وہ ہنس دی۔

"ماں جی مصطفیٰ کہاں ہے؟" اچانک صبا کو خیال آیا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے کوئی کام کر رہا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ ہم اتنی دور سے ان دونوں کے لیے آئی ہیں۔ ان محترمہ کو بھی آج کل میں ہی بیمار ہونا تھا اور وہ جناب ہیں کہ انہیں فرصت ہی نہیں کہ دو گھڑی بہنوں کے پاس ہی بیٹھ جائیں۔" عائشہ نے منہ بنا کر شکوہ کیا تو وہ چونک گئی۔ بھلا یہ احسان کس سلسلے میں فرمایا جا رہا ہے۔

"ماں جی نکاح کا پروگرام پھر کیا ہے؟ آپ نے فون کیا تو ایک پل بھی انتظار نہ ہوا فوراً سامان باندھا اور چلی آئیں مگر ادھر آ کر لگ رہا ہے کہ یہاں دور دور تک کوئی آثار ہی نہیں۔" شہوار نے قدرے حیرت سے سب کو دیکھا۔ اس کے سامنے پہلی بار باضابطہ طور پر اس سلسلے پر گفتگو کی جا رہی تھی۔ ورنہ تا بندہ بی نے جس طرح سے اسے بتایا تھا کہ انہوں نے ہاں کہہ دی ہے تو اس کے بعد کسی نے بھی اس سے بات کرنے یا اشاروں کنایوں میں تذکرہ تک نہ کیا تھا۔

"یہ تو تمہارے والد ہی جانیں کیا پروگرام ہے انہوں نے ہی سب طے کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے اسی ہفتے میں کوئی پروگرام رکھ لیں۔" ایک میٹھی متبسم نگاہ شہوار کے حیران چہرے پر ڈالتے انہوں نے جواب دیا۔

"میں آپ کو صاف اور واضح کہہ دیتی ہوں یہ ہمارے گھر کی آخری خوشی ہے۔ ہر طرح کا ہلہ گلہ کریں گی ہم باقاعدہ ڈھولک رکھ کر گیت اور گانے گائیں گی۔" عائشہ جو خاصی بے پروا اور من موجی طبیعت کی مالک تھی اس نے فوراً دل کی خواہش بیان کی۔

"اپنے بابا سے اجازت لے لینا تم لوگ جانتی ہو نا کہ وہ مہندی مایوں ڈھولک وغیرہ کو قطعی اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر یہ تو سب غیر اسلامی رسمیں ہیں۔ ہاں ہلہ گلہ گھر کی چار دیواری تک ضرور کرنا۔ اس سے کون منع کر رہا ہے۔" صبا نے منہ بنایا۔

"لو جی یہ کیا بات ہوئی بھلا ایسے خاک مزہ آئے گا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں امی جان جب باقی سب کی شادیوں پر یہ سب اہتمام نہیں کیے گئے تو اب بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی یہ محض ابھی نکاح کی تقریب ہوگی شادی بیاہ کی نہیں۔" عباس بھائی نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"ہائیں نہیں میں کیا کیا ارمان لے کر آئی ہوں۔ آپ کی شادی کے ساتھ ہی میری بھی شادی طے کر دی گئی تھی۔ ذرا بھی انجوائے نہ کر سکی۔ سجاد اور صبا کی شادی کے موقع پر ننھی پری آ دھمکی تھی۔ اسپتال کے بستر سے اٹھ کر شادی اٹینڈ کی تھی۔ سوچا تھا کہ باقی ارمان مصطفیٰ کی شادی پر پورے کروں گی۔" عائشہ نے فوراً افسردہ شکل بنا ڈالی۔

"وہ تو تم اب بھی پورے کر سکتی ہو۔ گانے گانے کا اتنا ہی ارمان ہے تو اس ٹیبل کو ڈھولک بنا لو اور گانا شروع کرو۔" سجاد نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تو وہ فوراً سیدھی ہوئی۔

"ہاں میں تو ضرور بجاؤں اور گاؤں گی بھی۔"

"بلکہ ابھی بھی گا سکتی ہو دلہن صاحبہ تمہارے سامنے ہے شروع ہو جاؤ۔" لائبہ نے شہہ دی تو اس نے اپنی ننھی بسمہ کو فوراً سجاد کی گود میں دیا اور اپنے پیچھے پڑی تپائی کو فوراً گھسیٹ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"لو دیکھو کوئی حال نہیں اس لڑکی کا۔ ذرا بھی نہیں لگ رہا کہ ایک بچی کی ماں ہے۔" اسے ہاتھوں سے ٹیبل بجاتے دیکھ کر مہرالنساء بیگم بے اختیار ہنس دیں۔ صباء بھی ان کے پہلو سے اٹھ کر عائشہ کے پاس بیٹھ کر تالی بجانے لگی تھی۔

"بس ہاتھ ہی تھکاؤ گی یا پھر گانا بھی گاؤ گی۔" عباس بھائی نے بھی اسے چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

"فکر نہیں کریں ابھی شروع کرتے ہیں۔" بھائی کو جواب دے کر ماں جی کی طرف ایک نگاہ ڈالتے اس نے اپنی شرارت سے بجی نگاہیں شہوار پر فٹ کردی تھیں۔

راجا کی آئے گی بارات رنگیلی ہوگی رات
مگن میں ناچوں گی ہو او مگن میں ناچوں گی

اس نے تان لگائی تھی۔

اور شہوار کے زرد چہرے پر ایک دم رنگوں کی برسات ہوگئی تھی۔ لائبہ بھی آفاق کو لیے عائشہ کے پاس آ بیٹھی تھی۔ صبا اور عائشہ دونوں تالیاں بجانے لگی تھیں۔

"محترمہ نکاح کی تقریب ہوگی بارات کی نہیں' باقی ارمان ناچنے والے تب کے لیے ادھار رکھ لینا۔ ابھی تو صرف گانوں پر ہی اکتفا کرو۔" سجاد بھائی نے چھیڑا تو وہ گانا ادھورا چھوڑ کر ایک دم ہنس دی۔

"تو اور کیا' خوامخواہ کسی کے جذبات سے کھیلنے کی ضرورت بھی نہیں۔" عباس بھائی نے بھی ایک شریر نظر رنگوں سے سجے چہرے پر ڈالی تو وہ مزید پزل ہوگئی۔

"یا اللہ یہ کیا ہوگیا ہے ان سب لوگوں کو......" سچویشن ایسی ہوگئی تھی کہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اٹھ کر چلی جائے یا بیٹھی رہے۔

"میری بیٹی کو تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔" مہرالنساء بیگم نے ہنس کر اسے بازو کے حلقے میں لیا تو جانے کا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا۔

"ارے ٹھہرو ایسے تو کوئی مزہ نہیں آئے گا۔ دلہن صاحبہ حاضر ہیں اور دلہا صاحب غائب ان کو بھی پکڑ کر لاتی ہوں۔ پھر صحیح سے ان محترم کی درگت بنائیں گی۔" صبا کو ایک دم خیال آیا تو وہ اٹھ کر فوراً باہر بھاگی۔

کلیاں اچھی بچھوانا نھا بنا آوے گا
نور کے تنبو لگوانا نھا بنا آوے گا

عائشہ نے ایک اور گیت شروع کیا۔

جائے کہو مورے بھولے سسر سے
جائے کہو مورے بھولے سسر سے
کلیاں اچھی جھڑوانا نھا بنا آوے گا

اپنی شرارتی نظروں سے اسے مسلسل کنفیوژ کرتی وہ گا رہی تھی۔ جبھی صبا مصطفیٰ کا ہاتھ کھینچتی چلی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر تو عائشہ کو مزید شرارت سوجھی۔ اس نے فوراً پٹڑی بدلی۔

کالا ڈوریا کنڈے نال اڑیائی لوے
چھوٹا دیورا بھابی نال لڑیائی لوے

مصطفیٰ کو پتا نہیں تھا کہ اندر کیا صورت حال ہے۔ وہ پل میں ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ لائبہ نے جھینپ کر ایک زور کا دھموکا عائشہ کے کندھے پر دے مارا۔

"یہ کیا بکواس ہے' اچھا بھلا گاتی تم پٹڑی سے اتر گئیں۔" سجاد کی نگاہوں کی شرارت کو نظر انداز کرتے اس نے احتجاج کیا مگر اس نے اس کا احتجاج ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔

نہ لڑ دیورا ... تیری ... اور ... بلائیں ... وے

نہ لڑ سوہنڑ یا تیری اک بھرجائی وے
کالا ڈوریا کنڈے نال اڑیائی لوے
چھوٹا دیورا بھابی نال لڑیائی لوے

"دیور ایک نہیں دو۔" سجاد بھائی نے تصحیح کی۔

"بھئی یہ کیا ہو رہا ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو سب کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"تمہارا ناطقہ بند کرنے کی پلاننگ ہو رہی ہے۔" سجاد بھائی نے اپنی بیگم کو دیکھ کر آنکھ دبائی تو وہ فوراً سر جھکا گئیں۔ اطراف میں ہنسی بکھر گئی۔

"ویسے یہ زیادتی ہے۔ مصطفیٰ کبھی کسی کے ساتھ نہیں لڑا۔" عباس بھائی نے دفاع کیا۔

"کچھ نہیں مزا آ رہا ہے یار آؤ تم بھی انجوائے کرو۔" عباس بھائی نے کہا ساتھ ہی اس کو اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔ اور شہوار اس کی موجودگی پر ایک دم ہراساں سی ہوگئی۔

وے بول سانوں وے بول سانوں
نہ رو بس سانوں' نہ رولیس سانوں
وگدی اے راوی وچ' شا میں مہندیاں' شا میں فیریاں
تیرا ڈھولا بڑا سوہنا بھنوں پٹیلاں کھندیاں

مصطفیٰ بیٹھ تو گیا تھا مگر جس طرح صبا' عائشہ کے ساتھ مل کر سب کی مسکراہٹوں پر جائز ناجائز سب کا استحصال کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایک دم ٹپٹا گیا۔ ایک دم گھبرا کر اس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ ماں جی اور ان کے ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھا۔ ایک پل کو لگا کہ نظریں اس سرخ انگاروں کی طرح دہکتے مہکتے وجود پر جم سی گئی تھیں۔ وہ شرمائی لجائی جھینپتی بڑی دل کش و دل ربا لگی۔ اس کی نظریں اس کے وجود پر یوں گڑ گئیں جیسی مقناطیسیت کی کشش سے لوہا جم جاتا ہے۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدلتے ان کو گھورا تو وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"آپ کے نکاح کی تقریب کی خوشی میں گیت گائے جا رہے ہیں۔" لائبہ نے ہنس کر کہا تو اس نے چونک کر ماں جی اور پھر شہوار کو دیکھا وہ نظریں جھکائے بڑی کنفیوژ سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"بابا جان ڈھولکی کے سخت خلاف ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ہم ٹیبل بجا کر اپنے دل کے ارمان پورے کرلیں۔" عائشہ نے بھی لقمہ دیا۔

"بھئی یہ بڑی بے ضرری ہستیاں ہیں۔ گا نے دو ان کے ارمان پورے ہوجائیں گے۔ ہمیں کیا۔" اس کی حیرت پر عباس بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ تو وہ جھینپ گیا۔ اس کے لیے یہ ساری صورت حال نئی اور دلچسپ تھی۔

"چلو وہ والا گانا شروع کرتے ہیں ہے بھی موقع و محل کا...... شہوار پر تو خوب ہی جچے گا۔" عائشہ نے ٹیبل بجاتے ہوئے کہا تو لائبہ کی دلچسپی بڑھی۔

"کون سا والا؟"

میری آنکھوں میں سمائی ایک لڑکی
میرے دل کو ہے بھائی ایک لڑکی
وہی تو میرا دل لے گئی
وہی تو میرا دل لے گئی

مصطفیٰ کی موجودگی میں عائشہ پر گویا شرارت ٹوٹ کر برسی تھی۔

"مصطفیٰ کا دل لے کر جاتی تو کوئی بات بھی نہیں تمہارا لے کر اس بے چاری نے کیا کرنا ہے؟" وہ تو سر سے پاؤں تک سرخی سے لال پڑ گئی تھی۔ اوپر سے سجاد بھائی کے شرارت سے بھرپور کمنٹس۔

”مائی گاڈ۔“ مصطفیٰ نے بھی ہنس کر اپنی بہنوں اور پھر بے انتہا گھبرائی شرمائی اس دل ربا لڑکی کو دیکھا۔ وہ بغیر کسی کو دیکھے ماں جی کے بازو کے حصار میں لرزتی پلکوں کی جھالر لیے خاصی کنفیوژ لگ رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے سارے ماحول کو انجوائے کرنے لگا۔

کالی کالی زلفوں میں راتوں کی ادائیں ہیں
ریشمی دوپٹے میں بہاروں کی گھٹائیں ہیں
رنگت ہے کرنوں جیسی رفتار ہے لہروں جیسی
وہی تو میرا دل لے گئی وہی تو میرا دل گئی

شہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کوئی منتر آئے اور وہ پل میں غائب ہوجائے۔

”زبردست۔“ انہوں نے گانا مکمل کیا تو عباس اور سجاد نے تالیاں بجا کر داد دی۔

”اب ٹپے نہ گائے جائیں۔“ صبا نے کہا تو عائشہ نے فوراً نفی میں گردن ہلادی۔

”بھئی مجھے تو کوئی ٹپے وپے نہیں آتے۔“ تو صبا نے مدد طلب نظروں سے لائبہ کو دیکھا۔

”اور مجھے بھی صرف مشہور زمانہ صرف ایک ہی ٹپہ یاد ہے۔“ لائبہ نے بھی انکار کیا۔

”چلو ایک ہی سہی گاؤ تو سہی۔“

چٹا ککڑ بنیڑے تے
سرخ دوپٹے والیے منڈا عاشق تیرے تے

مصطفیٰ کی بار بار شہوار کی طرف اٹھنے والی نگاہوں کو لائبہ نے فوراً نوٹ کیا تھا۔ بڑی شرارت اور ذومعنیت تھی اس کے لہجے میں مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا۔

”ہم نے تو کاسنی دوپٹے کا ذکر سنا ہوا ہے۔ یہ سرخ دوپٹا کہاں سے آگیا؟“ سجاد بھائی نے اپنی بیگم کو دیکھا۔

”جیسے بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کے پیچھے پیچھے کلرڈ ٹی وی آگیا تھا۔“ صبا کے جواب پر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

”ویسے سوچنے کی بات ہے منڈا سرخ دوپٹے والی پر ہی عاشق کیوں ہوا۔ کسی نیلے ہرے پیلے والی پر کیوں نہ ہوا؟“ شہوار کے سرخ دوپٹے کو دیکھتے عباس بھائی نے شرارت سے کہا تو عائشہ نے ہنسی دبائی۔

”ہوسکتا ہے نیلے ہرے پیلے والی کے اتنے لمبے گھنے بال نہ ہوں۔“ شہوار ہق دق سی رہ گئی ایک دفعہ پھر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ یہ لوگ تو اس کا ریکارڈ لگانے کا پورا اہتمام کیے ہوئے تھیں۔

”میں نے تو سنا ہے جن کے لمبے گھنے بال ہوتے ہیں وہ جادو ٹونے میں بھی ماہر ہوتی ہیں۔“ مصطفیٰ نے شرارت سے لقمہ دیا۔

”اسی لیے لگتا ہے جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔“ لائبہ کی پھلجڑی نے مصطفیٰ کو برجستہ جواب سے نوازا تو وہ جھینپ گیا۔

”اب بس کرو...... زیادہ تنگ نہیں کرو۔“ شہوار کی حالت قابل دید تھی۔ وہ تو آج بری پھنسی تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق ان سب کی شرارتوں اور جملے بازی کا شکار ماں جی کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ فوراً سب کو ٹوک دیا۔ شہوار کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال سے کیسے نکلے۔ اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں گیلی ہوگئیں تو اس نے بے اختیار سر جھکا لیا۔

”ماں جی! یہی تو موقع ہے بھلا اس کے بعد ان دونوں نے کہاں ہاتھ آنا ہے خصوصاً مصطفیٰ بھائی نے۔“ عائشہ کی شرارت ابھی تک قائم تھی۔

”ابھی صرف رشتہ ہی طے ہوا ہے۔ پہلے نکاح کا دن تو طے کرلینے دو پھر کرلینا ان کو بھی تنگ...... چلو اب اٹھو کچن دیکھو ذرا۔“ آنسو روکنے کی کوشش میں اس کا چہرہ ضبط سے سرخ انار کی مانند دہک رہا تھا۔ مہرالنساء بیگم نے اس کا چہرہ دیکھا تو فوراً اسے اپنے ساتھ لگاتے انہیں ٹوکا۔

”دو دن یہ مسلسل بستر پر پڑی رہی ہے ابھی اس کی طبیعت ٹھیک سے سنبھلی نہیں۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“ ان کے

انداز پر عائشہ نے منہ بنایا، مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

”اس کی طبیعت کا ہی تو علاج کر رہے تھے ہم۔“ عائشہ نے کہا۔ شہوار نے خاموشی سے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر دیکھا مصطفیٰ بڑی توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی پلکیں ایک دم لرز گئیں اس نے فوراً نظروں کا رخ بدلا۔ دل ایک دم سینے کے اندر بُری طرح شور مچانے لگا تھا۔

”میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں کمرے میں جاؤں؟“ آہستگی سے ماں جی کو کہہ کر ان کا بازو اپنے گرد سے ہٹاتے وہ اٹھ گئی تھی۔

”تم کہاں چلیں؟“ صبا نے اسے اٹھتے دیکھ کر فوراً پوچھا۔

”کمرے میں...... آتی ہوں۔“ اسے کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی، مصطفیٰ کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا تھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

”ماں جی اس بار مجھے شہوار کچھ افسردہ اور چپ چاپ سی لگ رہی ہے۔“ عائشہ کے دل میں جو بات کھٹک رہی تھی اس نے فوراً کہہ دی، مصطفیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”طبیعت جو خراب ہے اب بھلا ایسے عالم میں وہ قہقہے لگانے سے تو رہی۔“

”ویسے ماں جی! شہوار سے پوچھ کر ہی یہ رشتہ طے ہوا ہے نا؟“ عائشہ کے اس سوال پر مصطفیٰ بھی چونکا (تو کیا شہوار نے اس سے کچھ کہہ دیا ہے؟)

”ظاہر ہے اس نے ہاں کہی ہے تو تابندہ نے مجھے مثبت جواب دیا ہے۔ یہ تابندہ کی ہی رائے تھی کہ بچوں نے زندگی گزارنی ہے اور بچوں کی مرضی اور رضامندی سے ہی یہ فیصلہ طے ہو۔“

”مصطفیٰ بھائی اور شہوار کا کپل ایک پرفیکٹ کپل ہے۔ میری تو برسوں کی آرزو پوری ہو رہی ہے جیسے ہی آپ نے فون کرکے اطلاع دی کہ تابندہ بوا نے ہاں کہہ دی ہے تو پھر تو مجھ سے ایک پل بھی صبر نہ ہوا کہ میں وہاں رکوں۔“ صبا نے اپنے دل کی بات کہی۔

”ویسے مصطفیٰ بھائی آپ سچ سچ بتائیں شہوار کی کس بات یا خوبی سے متاثر ہوکر آپ نے ہاں کہی ہے۔“ عائشہ کی توپوں کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھ کر وہ سٹپٹایا۔ اس نے مدد طلب نظروں سے سجاد کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیئے۔ جیسے کہہ رہا ہو خود ہی ان بلاؤں سے نپٹو۔

”میرا خیال ہے اس نے اس کے لمبے بالوں سے متاثر ہوکر ہاں کہی ہے۔ سنا نہیں تھا کہ لمبے بالوں والی جادو ٹونے میں ماہر ہوتی ہیں۔“ لائبہ نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گیا۔

”میں نے تو محض ماں جی کی خواہش اور خوشی ملحوظ خاطر رکھی ہے۔ کہیں نہ کہیں تو شادی ہونا ہی ہے نا جہاں ماں جی نے رضامندی چاہی میں نے ہاں کردی۔“ اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے آرام سے کہا تو عائشہ نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر کے بتائیں یہ سیاستدانوں والا بیان نہیں چاہیے مجھے۔“ عائشہ کا انداز آج جان بخشی کرنے والا نہ تھا، وہ بُرا پھنسا تھا منہ بنا کر سجاد کو دیکھا تو اس کی شریر مسکراہٹ کے ساتھ برجستگی نے مزید کسر پوری کردی تھی۔

”دل پہ قابو ہو تو ہم بھی سر محفل دیکھیں
وہ خم زلف ہے کیا صورت زیبا کیا ہے؟“

”مائی گاڈ! ان کی طرح آپ کا دماغ بھی خراب ہوگیا ہے؟ یہ بھلا کیا بدتمیزی ہے؟“ اس نے عباس بھائی کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھ کر گھورا۔

”اس کو بدتمیزی نہیں برجستگی کہتے ہیں۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”بات کو ٹالیں نہیں مصطفیٰ بھائی! سچ سچ بتائیں، کہاں تو محترم پانچ سال تک شادی کا نام سننے کو ہی تیار نہ تھے اور اب کہاں

فوراً رضامندی دیتے نکاح کی تیاریوں میں ہیں۔ سچ سچ بتائیں کہ یہ حوصلوں کے علم اتنے بلند کیسے ہوگئے ہیں؟" صبا نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"خدا کی پناہ مانگو لڑکیوں یہ ماں جی تمہارے سامنے بیٹھی ہیں میں نے تو ویسے ہی ہاں کی ہے جیسے باقی لوگ کرتے ہیں۔ دنیا سے انوکھا نرالا کام تو نہیں کردیا میں نے۔ اگر میری ہاں اتنی غیر یقینی ہے تو کوئی بات نہیں میں اپنی ہاں واپس لے لیتا ہوں۔"

"خبردار تم نے ایسا سوچا بھی تو؟ میرا بس چلے تو کل کی ہوتی آج ہی تمہاری شادی کردوں۔" ماں جی نے فوراً ہی اسے ٹوکا اس نے سنجیدہ سی صورت بنا کر عائشہ کو دیکھا۔

"ہوگئی تسلی اب؟"

"خیر اس طرح تو جان آپ کی پھر بھی نہیں چھوٹنے والی آپ کی طرف ایک جاندار قسم کی پارٹی ڈیو ہے۔ انتظام کردیں ٹائم سلیکٹ کرلیں ہم سب کو کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کرانا ہے آپ نے۔" لائبہ نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا۔ مصطفیٰ نے ایک بھرپور آہ بھری اور پھر تاسف سے سر ہلایا۔

"آپ لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں موقع سے فائدہ اٹھانا ہی عورت کی سرشت میں شامل ہے۔"

"یہ جذباتی حملے کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ٹریٹ تو آپ کو ہر حال میں دینا ہی ہوگی ہم ایسے تو نہیں ٹلیں گے۔"

"یہ واقعی ایسے نہیں ٹلیں گی ان کا بس چلے تو ساری جائیداد اپنے نام لکھوالیں ٹریٹ کے نام پر۔" عباس بھائی کی شگفتگی دیکھنے والی تھی۔

"کوئی بات نہیں تم لوگ دن وٹائم سلیکٹ کرلو۔" مصطفیٰ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا لڑکیوں نے خوش ہوکر نعرہ لگایا۔

"مصطفیٰ بھائی دی گریٹ۔" وہ ہنستا ہوا وہاں سے نکل آیا اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے راہداری میں ایک پل کو ٹھٹک کر رک گیا۔ کچھ پل پہلے کی بھیگی پلکیں ذہن میں ہلچل مچا گئیں۔ شہوار کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ذرا سا آگے بڑھ کر دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ آدھے سے زیادہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے کا منظر سامنے تھا۔ شہوار اسٹڈی ٹیبل پر بازو کے اوپر چہرہ ٹکائے چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پشت پر پھیلے کالے سیاہ بالوں کی گھنی آبشار نیچے تک پھیلی فرش تک بکھری ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے متوجہ کرنے کو انگلی کی مدد سے دروازہ بجایا تو اس نے ایک دم بازو سے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر گھبرا کر فوراً سیدھی ہوئی۔ بھیگی پلکوں اور آنکھوں کی سرخی سے صاف اندازہ ہورہا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں کیا شغل فرمایا جارہا تھا۔ اس نے فوراً دوپٹہ سر پر جماتے بالوں کو چھپانے کی کوشش کی۔

"تم رو رہی تھیں؟" اس کے سوال پر اس نے لب کاٹتے نفی میں سر ہلادیا۔ مصطفیٰ کچھ سوچتا اندر آکر کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ ناسمجھی میں دیکھے گئی۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟"

"جی بہتر ہے۔" گھبرایا گھبرایا سا انداز تھا۔ وہ اس کی آمد سے مزید ڈسٹرب ہوگئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر مصطفیٰ کو کہنا پڑا تو وہ الجھتی ہوئی کرسی پر ٹک گئی۔

"جی......؟"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم اس رشتے پر خوش نہیں ہو۔" اس کے الفاظ پر وہ بُری طرح ٹھٹکی۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟" کچھ پل سنبھلنے کے بعد اس نے تیکھے پن سے پوچھا۔

"بعض اوقات کسی دوسرے انسان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی انسان کے اپنے احساسات اس قدر شارپ اور معاملہ فہم ہوجاتے ہیں کہ وہ مخالف کے رویوں اور انداز و اطوار سے ہی اصل صورت حال کا اندازہ لگالیتا ہے۔" وہ بہت ہی ریلیکس موڈ میں کہتا اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ آپ کو محض غلط فہمی ہوئی ہے تو......؟"

"تو بھی میں یہ کہوں گا کہ تم مجھے محض ٹال رہی ہو۔" اس نے برجستگی سے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"حویلی سے واپسی پر تابندہ بوا کے ساتھ تمہارا رویہ اور مسلسل رونے سے مجھے شک تو ہوا تھا مگر میں ٹال گیا کہ کوئی اور وجہ ہوگی مگر جس طرح تم ان کی کالز مسلسل نظر انداز کررہی تھیں اس سے تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ صورت حال سو فیصد یہی ہے۔" اب کے شہوار خاصی پریشان ہوگئی۔

"آپ سے امی نے کچھ کہا کیا؟" لہجہ ایک دم تلخ ہوا۔

"نہیں بوا جی نے نہیں کہا مگر جس طرح وہ تمہاری طرف سے متفکر اور پریشان ہورہی تھیں اس سے یہی اندازہ لگا پایا ہوں میں۔" وہ خاموشی سے بغیر تردید یا تصدیق کیے اپنے ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں کے ناخنوں سے کھیلتی رہی۔

"کیا میرے اندازے درست ہیں؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

وہ اپنے احساسات و جذبات سے الجھتی رہی اس نے سوچا کہ مصطفیٰ نے اگر خود سے ہی بات شروع کی ہے تو ساری صورت حال اس پر واضح کردینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہوار نے گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ یہ خاصا ان فٹ سا فیصلہ ہے۔" اس نے آخر دل کی بات کہہ دی۔ جو بات کئی دنوں سے دل میں چھپی ہوئی تھی وہ آخرکار لبوں پر آ ہی گئی تھی۔ کہہ دینے کے بعد اس نے خوف زدہ نظروں سے مصطفیٰ کا ردعمل جانچا۔ وہ بالکل نارمل تھا۔

"نہیں مجھے قطعی نہیں لگا کہ یہ قطعی بے جوڑ تعلق ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"کیوں؟" وہ چیخی۔

"میں قطعی اس فیصلے کے حق میں نہیں ہوں میں اس کو ایک ان سوٹ ایبل تعلق ہی سمجھتی ہوں۔ میں کسی بھی لحاظ سے خود کو آپ لوگوں کے مالی و نسبی معیار پر پورا اترتی محسوس نہیں کرتی' ہم پناہ گزین ہیں' ہماری اس حویلی میں جو حیثیت جو مقام ہے وہ مجھے ازبر ہے اور میں کسی قسم کی بھی غلط فہمیوں میں مبتلا نہیں ہوں اور نہ ہی خوش فہمیاں پالتی ہوں تھیکٹ از فیکٹ۔" مصطفیٰ کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال دی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یعنی وہ یہ سب سوچ رہی تھی۔

"مائی گاڈ یہ تو سراسر احساس کمتری ہے۔" بوا جی کے منہ سے سب سن کر اسے برا نہیں لگا تھا مگر شہوار جیسی پڑھی لکھی سمجھدار باشعور لڑکی کے منہ سے سن کر ایک دم اسے غصہ آ گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم ایسے گھٹیا قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو؟"

"یہ احساس کمتری نہیں' خودشناسی ہے آپ یا کوئی بھی اس حقیقت سے انکاری نہیں ہوسکتا کہ آپ لوگوں کے ہی ٹکڑوں پر پل کر اس مقام تک پہنچنے والی ایک عام سی حقیر بے مایہ ہستی ہوں۔ میری ماں نے ساری زندگی آپ لوگوں کی پناہ میں گزاری' کیا اس حقیقت سے انکار کرسکتے ہیں؟" شہوار کی آنکھوں میں ایک عجیب سلگتی ہوئی کیفیت تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا' وہ کس لہجے اور انداز میں مخاطب تھی۔

"تو تابندہ بوا بے جا خوف زدہ نہیں تھیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "بہت غلط انداز میں جج کررہی ہو تم ہماری محبتوں کو۔ پناہ گزین کا مطلب سمجھتی ہو؟" اس نے بہت غصے سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"جی بہت اچھا طرح۔"

"اگر واقعی پناہ گزین کا مطلب سمجھتی ہو تو یہ بھی اچھی طرح سمجھتی ہوگی تم کہ پناہ گزین کو کیا مقام اور رتبہ ملتا ہے؟ تابندہ بوا کو حویلی میں جو عزت اور مقام ملا ہے وہ کبھی نہ ملتا' وہ ساری حویلی کی کرتا دھرتا ہیں اور تم اس مقام پر کیونکر پہنچ گئیں' پناہ گزینوں کو اتنی سہولیات نہیں ملتیں محترمہ شہوار صاحبہ!"

"یہ بھی آپ لوگوں کا بڑا پن اور اعلیٰ ظرفی ہے مگر حقیقت تو یہی ہے نا کہ ہم اس خاندان کے خاندانی ملازموں میں بھی شمار نہیں ہوتے' اگر ملازم سمجھا جاتا تو پھر یہ سہولیات نہ ہوتیں۔ آپ لوگ چاہیں تو یہ واپس بھی لے سکتے ہیں' میرے لیے اپنے

ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہونا اور آسان ہو جائے گا۔" اس کے غصیلے لہجے پر اس نے بھی برہمی سے اظہار خیال کیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ اس لڑکی کے الفاظ تھے یہ فیلنگز تھیں۔

"تم ایک پڑھی لکھی مہذب لڑکی ہو میں یقین نہیں کرسکتا کہ ایک مستقبل کی ڈاکٹر کی یہ سوچ یہ خیالات ہو سکتے ہیں؟" اس نے بڑے تاسف سے اسے دیکھا۔

"آپ یقین نہ کریں یہ آپ کا مسئلہ ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ کبھی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگتے نہیں دیکھا' آپ ماشاء اللہ اعلیٰ حسب ونسب کے مالک ایک ذمہ دار پوسٹ پر فائز انسان ہیں' آپ کو لڑکیوں کی کمی تو نہیں' ایک سے ایک اعلیٰ خاندان' اونچے مالی حسب ونسب والی خاندانی لڑکی آپ کو پسند آ سکتی ہے' پھر ایک بے مایہ حقیر سی لڑکی کیوں؟ اور لڑکی بھی وہ جو آپ لوگوں کے ہی ٹکڑوں پر پل کر جوان ہوئی ہو' جس کا ضمیر اسے ساری عمر آپ لوگوں کے احسانات کے بدلے بولنے کی اجازت نہ دے۔ یقین جانیں میں ساری عمر آپ لوگوں کے احسانات کے بدلے سر اٹھا کر زندگی گزارنے کی ہمت کھو بیٹھوں گی اگر ایسا ہوا تو......" آخر میں اس کی آواز رندھ گئی تو مصطفیٰ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس سے بڑی اس کی ذات کی تذلیل اور ہتک اور کیا ہوگی کہ ایک لڑکی اس کے ساتھ سے انکاری تھی۔ اس نے تابندہ بوا کی گفتگو کے بعد سوچا تھا یہ لڑکی محض مفروضوں پر قائم غلط فہمیوں کا شکار ہے۔

عادلہ بھابی اور لیاز لوگوں کی وجہ سے پیدا ہونے والا احساس کمتری ہے بس' مگر اس کی ذہنی اپروچ اس قدر خراب' خستہ حالت کا شکار ہو چکی تھی کہ وہ بے یقینی سے اس کے الفاظ سن رہا تھا۔ تو بوا جی ناحق پریشان نہ تھیں' یقیناً یہ سب الفاظ اس نے ان کے سامنے بھی استعمال کیے ہوں گے۔ مصطفیٰ کو بہت افسوس ہوا کہ اس نے اس کے سامنے بیٹا پک ہی کیوں چھیڑا؟

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" وہ برہمی سے گویا ہوا۔

"میری باتوں یا خیالات کو پلیز آپ غلط معنوں میں مت لیجیے گا' اپنی روٹس کی تلاش تو ہر انسان کا حق ہے نا۔ میری امی آپ لوگوں کی دور کی رشتہ دار ہیں مگر مجھے آج تک اس تعلق کی وضاحت نہیں ملی کہ وہ آپ کے والدین کی کس سلسلے کی رشتہ دار ہیں۔ دور کا تعلق ہی سہی پر پتا تو چلے نا کہ اصل رشتے کی جڑ کیا ہے؟ اور میرے والد امی کے الفاظ میں کہ وہ ایک اونچے خاندان کے اعلیٰ سوچ اور کردار کے حامل انسان تھے تو یہ بات بھی مجھے مطمئن نہیں کرسکتی۔ لوگ مجھے میرے اصل حوالے سے نہیں جانتے بلکہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے اس کو مانتے ہیں اور یہی حقیقت ہے کہ میں آپ لوگوں کے احسانات کا کبھی بدلہ نہیں چکا سکتی۔ بات ایک دو روز کی ہو تو ٹھیک بھی ہے' بات تو نسلوں تک جائے گی آپ کے پاس میرے اس سوال کا جواب ہے تو مجھے بھی مطمئن کریں کہ میں کون ہوں تاکہ دنیا کے سامنے میں بھی سر اٹھا کر جی سکوں؟" اس کے سوالیہ انداز پر وہ بھی ایک دم گڑبڑا گیا تھا۔ اس سارے سلسلے بلکہ تمام تر حقیقت سے تو وہ خود بھی بے خبر تھا۔

"امی کہہ رہی ہیں کہ میں جذباتی ہو رہی ہوں آپ کہتے ہیں کہ یہ احساسِ کمتری ہے۔ اگر یہ احساس کمتری ہے تو مجھے اس کا علاج بتائیں' مجھے اس گلٹ اس شرمندگی سے نکالیں کہ میں کیوں آپ لوگوں کے در پر پڑی ہوں۔" وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی یہ اس کی زندگی کا ایک نازک موڑ تھا۔ اس کے لیے ایک ایسا ناسور جو نہ اسے جینے دیتا تھا اور نہ ہی مرنے۔

"تجسس انسان کی فطرت کا حصہ ہے' میں بھی متجسس ہوں اگر میں ہوں تو کیوں ہوں؟ امی نے میری ولدیت کے خانے میں محمد سکندر علی لکھوا دیا' میرے اکیڈمک ریکارڈ میں ولدیت کے لیے محمد سکندر علی استعمال ہوتا ہے مگر المیہ ہے کہ مجھے آج تک اپنے باپ کے متعلق کسی ایک بات کا نہیں پتا۔ امی سے کچھ پوچھا تو ان کی طبیعت بگڑنے لگی' نتیجتاً میں نے پوچھنا چھوڑ دیا مگر میری ذات حصوں میں بٹ گئی ہے۔ عادلہ بھابی کی تضحیک بھری باتیں اور تذلیل مجھے جینے نہیں دیتی آپ بتائیں آپ کب تک ایک بے نام ونشان لڑکی کو اپنائے رکھنے کا حوصلہ رکھیں گے۔" وہ حیران وششدر کھڑا تھا اس کے دل وذہن میں ایسے ایسے طوفان بھی برپا ہو سکتے تھے وہ حیرت زدہ تھا۔

"دیکھو شہوار! میرے لیے یہ سب بے معنی باتیں ہیں' تمہارے اعلیٰ کردار واطوار نے میرا فیصلہ تمہارے حق میں کروایا ہے' بوا جی ایک سلجھی اور باکردار خاتون ہیں۔ حویلی کے لیے وہ ایک بیٹی کی حیثیت رکھتی ہیں' ان کا حویلی میں وہی مقام ہے جو تائی کا

ہے' ہم لوگوں نے ان کو پناہ گزین کا درجہ دیا اور نہ ہی ملازمین کا۔"

"تو بھی یہ فیصلہ میرے لیے بہت مشکل بلکہ ناقابل قبول ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں مگر مجھے اعتراض ہے' میں لوگوں کی طنزیہ نظریں اور حقارت بھری باتیں نہیں سہہ سکتی۔ آپ اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں پلیز۔" وہ ایک دم ملتجی ہوئی تھی۔

"شٹ اپ۔" اس کے انداز پر وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس ساری سوچ کو محض بچکانہ سوچ ہی کہہ سکتا ہوں' بوا جی نے تم سے اگر کچھ ڈسکس نہیں کیا تو بھی اس میں کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ محض عادلہ اور دیگر لوگوں کی وجہ سے تم ایک اہم پروپوزل سے انکاری ہو رہی ہو حیرت ہو رہی ہے مجھے تمہاری عقل پر۔" غم وغصے اور تاسف سے اس کا برا حال تھا۔

"میں اب اندازہ کرسکتا ہوں کہ تابندہ بوا تمہاری ان احمقانہ باتوں کی وجہ سے کس قدر پریشان رہی ہوں گی۔" اس نے برہمی سے دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"یہ احمقانہ باتیں نہیں ہیں۔"

"ہاں بڑی عقل مندانہ گفتگو ہے یا یہ' جو عادلہ بھابی جیسے لوگوں کی وجہ سے سٹریس لے سکتی ہیں ان سے کسی بھی حماقت کی توقع کی جاسکتی ہے۔" صاف چوٹ کی تھی۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"میں اس موضوع پر آپ کے پاس گفتگو کرنے نہیں آئی آپ خود آئے ہیں مائنڈ اٹ۔" غصے سے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر باور کروایا۔

"اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم اس قدر حماقت کا ثبوت دو گی تو قطعی نہ آتا۔" وہ اس صاف واضح تضحیک پر چٹک ہی تو گئی تھی۔

"تو اب کھڑے کیا تماشا دیکھ رہے ہیں' جائیں یہاں سے پھر؟" اسے ایک دم غصے سے جواب دیتے دیکھ کر مصطفیٰ نے ایک پل کو سکون محسوس کیا۔

"خیر تماشا تو نہیں دیکھ رہا اور نہ ہی تماشا دیکھنے کی خواہش میں یہاں تک آیا تھا۔" بڑی سنجیدگی سے کہتے وہ ایک پل کو رکا۔

"بوا جی سے بھی تم نے یہی سب بکواس کی ہوگی تبھی وہ اس قدر پریشان تھیں۔ ایک بات ذہن نشین کرلو تمہاری عقل اگر گھاس چرنے گئی ہے تو دوسروں کی ضرور حاضر ہے' جن زریں خیالات کا اظہار تم نے میرے یا بوا جی کے سامنے کیا ہے' کسی تیسرے بندے کے سامنے کرکے اپنی ہنسی نہ اڑوا لینا' سب تمہارے خیالات سننے کے بعد یہی کہیں گے کہ تم احساسِ کمتری کا شکار ہو۔" کچھ لمحے قبل اس کے الفاظ پر اسے کسی قدر تکلیف ضرور ہوئی تھی مگر وہ اب خود کو پرسکون اور نارمل کر چکا تھا آرام سے اس پر طنز کر رہا تھا' وہ سلگ اٹھی۔

"کسی پروپوزل پر اقرار یا انکار میرا شرعی حق ہے آپ مجھ پر طنز نہیں کرسکتے۔"

"تمہارے حق کو ضرور اہمیت دی جاتی اگر تم احمقانہ سوچ وخیالات کی مالک نہ ہوتیں۔" تابندہ بوا کی خاص تاکید تھی کہ وہ اس سلسلے میں اس سے بات کرنے میں محتاط رہے گا ورنہ اس کا دماغ درست کرنا قطعی مشکل امر نہ تھا۔ وہ ایک منٹ میں اسے سمجھا سکتا تھا۔

"اور ہاں اپنے دماغ سے فضول قسم کے خیالات کو نکال دو' تم کون ہو یا سکندر انکل کون ہیں؟ اس معاملے میں اگر بوا جی پر شک کرو گی تو میں اسے تمہاری کم فہمی اور کم عقلی ہی گردانوں گا' میں نے ایک دفعہ بابا جان سے اس سلسلے میں تفصیلی بات کی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ وہ سکندر انکل کی فیملی کو جانتے ہیں شروع دنوں میں جب بوا جی حویلی آئی تھیں تو وہ معاملے کو سلجھانے ان کے رشتہ داروں کے پاس گئے تھے۔ تابندہ بوا نے حویلی کی پناہ چاہی تھی مگر وہ کسی بھی لحاظ سے بعد میں پیش آنے والے حالات کی وجہ سے دوبارہ سسرالی رشتہ داروں سے باقاعدہ رابطہ نہ رکھ پائی تھیں۔ تابندہ بوا نے خود بتایا تھا کہ وہ لوگ خاصے لالچی اور بدفطرت تھے' ان کی اور تمہاری زندگی کو ان سے خطرہ لاحق تھا اس لیے انہوں نے کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر بھی وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی' اس کے لیے نہ ہی یہ الفاظ نئے تھے اور نہ ہی یہ بہلاوے۔ پھر وہ بہلتی بھی تو کیسے؟ وہ بچپن سے

ہی اس قسم کی کہانیاں سنتی چلی آ رہی تھی مگر اس کے باوجود اس کا اندر مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ کہیں کچھ ہے ایسا جو مسنگ ہے اور وہ کیا مسنگ ہے یہی معمہ حل نہیں ہو پا رہا تھا' جس نے اسے الجھا دیا تھا۔

وہ اس پروپوزل سے متعلق اپنی ناپسندیدگی مصطفیٰ پر واضح کر چکی تھی اب مزید کچھ بھی کہنا اسے بے کار لگا تو وہ اپنی جگہ ہونٹوں کو کچلتے چپ چاپ کھڑی رہی۔ انداز گویا یوں تھا کہ وہ اب مزید کچھ بھی کہنے سننے کو تیار نہیں۔ مصطفیٰ نے اس کے بے لچک انداز کو دیکھا۔ سرخ لباس میں رونے سے چہرہ مزید سرخ دو آتشہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی سرخی سوا تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''چلو اس ٹاپک پر پھر کسی دن تفصیلی گفتگو کروں گا' اس وقت ایک اہم کام دیکھنا ہے۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر اس نے غصے سے دیکھا۔

''میں آپ پر تمام خیالات واضح کر چکی ہوں' مجھے آپ سے قطعی بھی اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہیں کرنی اب۔'' اس کے غصیلے لب و لہجے پر مصطفیٰ نے بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

اب تک وہ اس کے سامنے ایک سمجھ دار سلجھی ہوئی لڑکی کے روپ میں ہی آئی تھی۔ جس نے اس کے دل و ذہن میں ایک بھرپور تاثر چھوڑا تھا۔ وہ اس کی بے حد عزت کرتا تھا مگر اب اس کا انداز اور یہ احمقانہ انکار اس کے اندر غم و غصے کی ایک تیز لہر ابھری۔ شہوار کا یہ قطعی نیا روپ تھا۔

''شٹ اپ۔'' غصے سے اسے ٹوک کر اس نے اپنے اندر ایک دم اٹھنے والے اشتعال پر بمشکل قابو پاتے اپنے لب بھینچے۔

''میرا اس سلسلے میں کوئی تعلق نہیں' میں بوا جی کی پریشانی کی وجہ سے تم سے بات کرنے پر مجبور ضرور ہوا ہوں مگر تم نے جو بھی کہنا یا سننا ہے بوا جی یا بڑوں سے کہو' ان سے بات کرو' میرا خیال ہے وہی تمہارے دماغ کا صحیح اور درست علاج کر سکیں گے۔'' غم و غصے سے کہتا وہ تیزی سے اس پر ایک تیز سلگتی نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔ شہوار نے سخت اشتعال میں آ کر ایک دم دروازہ زور سے بند کیا۔ مصطفیٰ کی تیز سلگتی نگاہ روح میں گویا اتر گئی تھی۔ جی چاہا کہ کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر دے۔ وہ بے اختیار سسکتے ہوئے بستر پر گر کر بُری طرح رو دی تھی۔

❀......❀......❀

''آ گئیں آپ لوگ؟'' وہ دونوں جیسے ہی اندر داخل ہوئیں صوفے پر دراز لیاز نے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں تمہارے ڈیڈ اسپتال گئے ہیں تو ہم آ گئیں۔'' وہ دونوں سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

''آج تم نے سارا دن اسپتال کا چکر نہیں لگایا؟'' لیاز کو ٹی وی کی طرف متوجہ دیکھ کر عادلہ نے ٹوکا۔

''بس ٹائم ہی نہیں ملا۔''

''وہ بہن ہے تمہاری' جب بھی ہوش آیا اس نے تمہارا ہی پوچھا۔'' مام نے کہا۔

''اُف! میں اسپتال کے ماحول سے سخت الرجک ہوں' پرسوں گیا تو تھا اب ہر وقت اس کے سرہانے سے لگ کر بیٹھنے سے تو رہا۔'' اس نے جھنجلا کر چینل بدلا۔

''میڈیکل پڑھ رہے ہو اور اسپتال کے ماحول سے الرجک ہو...... حیرت ہے۔''

''میں نے میڈیکل کالج چھوڑ دیا ہے پرسوں سے۔'' اس نے بے پروائی سے دھماکا کیا۔

''ہیں...... یہ کیا بکواس ہے؟'' عادلہ نے زندگی میں کوئی اور کام سنجیدگی سے کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر یہ اس کی خوبی تھی کہ وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ رہی تھی اور اس نے اپنی ایجوکیشن سنجیدگی سے مکمل کی تھی۔

''میرا موڈ بدل گیا ہے' مجھ سے نہیں یہ میڈیسن پڑھی جاتی۔''

''تو اب کیا کرو گے؟ چار سالوں سے تم ادھر لٹکے ہوئے تھے' کتنی مشکلوں سے تو تمہیں ایڈمیشن ملا تھا' ہر سال تمہارے ڈیڈ نے لاکھوں تمہارے اوپر لگائے ہیں اس کے باوجود تم کلیئر نہیں ہوتے تھے۔'' مام کا بھی حیرت سے بُرا حال تھا۔

''اب میں نے کچھ بھی نہیں کرنا' پیسہ ہو تو ڈگریاں یوں مٹھی میں ہوتی ہیں۔ ڈونٹ وری......'' اس نے چٹکی میں ان کی

تشویش اڑا دی تھی عادلہ نے سر تھام لیا۔

''ڈیڈ کو پتا لگا نا تو بہت غصے ہوں گے' پہلے ہی کاشفہ کی وجہ سے وہ پریشان ہیں۔''

''سو واٹ؟ میرا اب انٹرسٹ نہیں رہا اس فیلڈ میں تو کیا کروں؟'' اس نے کندھے اچکائے۔

''تم سے تو دماغ کھپانا ہی فضول ہے' ایک وہ کاشی ہے نجانے کیا کیا کرتی پھرتی ہے' دیکھا اس کا انجام اس قدر سیریس حالت میں بستر پر پڑی ہوئی ہے۔'' عادلہ کے الفاظ پر بھی اس نے توجہ نہ دی تھی۔

''تم جب کہ اب کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے تو پھر اپنے ڈیڈ کا بزنس جوائن کر لو۔'' مام نے مشورہ دیا۔

''اوہ نو مام...... اب تو مزا آ رہا ہے فری ہو کر زندگی انجوائے کرنے کا۔ اکلوتا بیٹا ہوں ڈیڈ کا' ساری عمر یہی کام کرنا ہیں تو ابھی تو آزاد زندگی انجوائے کرنے دیں۔'' عادلہ نے تاسف سے اسے دیکھا گویا کہہ رہی ہو کہ یہ لاعلاج ہے۔

''تمہارے سسرال میں سے کسی نے چکر نہیں لگایا اسپتال کا۔'' مام کو اب عادلہ کا خیال آیا تو پوچھا۔

''میں نے اطلاع ہی نہیں کی' خوامخواہ سب دوڑے آتے اور پھر سو باتیں سننا پڑتیں۔''

''تمہیں کیوں وہ لوگ باتیں سناتے؟'' لیاز نے پوچھا۔

''تمہیں نہیں پتا ان کے گھر کا ماحول' کتنا دقیانوسی اینڈ کنزرویٹو ہے' یوں رات گئے اکیلی لڑکی ذات کا گاڑی لے کر باہر گھومنا ان لوگوں کے نزدیک بڑی بے حیائی ہے۔ میں تو چلو ان کے طریقہ کار پر عمل نہیں کرتی مگر باقی سب خواتین ڈرائیور اور گھر کے کسی مرد کے بغیر باہر قدم نہیں رکھتیں۔'' منہ بنا کر عادلہ نے وضاحت دی۔

''غریب فیملی۔'' لیاز نے تمسخر اڑایا پھر اچانک خیال آنے پر وہ اٹھ بیٹھا۔

''مام! مجھے آپ لوگوں سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' کچھ سوچتے اس نے کہا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر جاتی عادلہ ٹھٹکی۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے آرام سے بم پھوڑا۔

''کیا......؟'' وہ دونوں حیران ہوئیں عادلہ واپس پلٹ آئی۔

''میں شہوار سکندر سے شادی کرنا چاہتا ہوں عادلہ!'' اس نے اب کی بار صرف عادلہ کو دیکھا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ بے اختیار صوفے پر ٹک گئی تھی۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟ جانتے ہو کس کا نام لے رہے ہو' مجھے اس لڑکی سے حد سے زیادہ نفرت ہے اور اس دو ٹکے کی لڑکی کو میں بھابی کے طور پر قبول کر لوں' ناممکن۔'' اس نے نخوت و نفرت سے سر جھٹکا۔

''تو میں کون سا اسے ساری عمر دم چھلے کے طور پر لٹکائے رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وہ لڑکی میرے لیے ایک چیلنج ہے اب ہر حال میں اس سے شادی کر کے اس کا غرور توڑنا ہے' بڑی بنتی ہے طرم خان' مجھے ہر حال میں اس کو حاصل کرنا ہے بس۔'' اس کا لفظ لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا' مام حیران ہوئیں۔

''تمہیں کون سا لڑکیوں کی کمی ہے' اپنے سرکل میں ایک چھوڑ دس تیار ہیں' وہ لڑکی جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے' میں اسے بہو نہیں بنانے والی۔'' فوراً انکار ہوا تھا۔

''اوہ مام! جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' آپ کو نہیں پتا وہ لڑکی کیا ہے؟ اب تو میرے لیے وہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں اس کا حسن مٹی میں رولنا چاہتا ہوں' غرور توڑنا چاہتا ہوں' میرا بس چلے تو میں اسے تنکا تنکا کر کے بکھیر دوں۔ اگر وہ دو ٹکے کی لڑکی ریٹائرڈ آئی جی شاہ زیب علی اور موجودہ ایس پی مصطفیٰ کی پناہ میں نہ ہوتی تو کب کا اسے اٹھوا لیا ہوتا مگر اب میں اسے شادی کے نام پر حاصل کروں گا۔'' وہ نخوت سے کہہ رہا تھا اور عادلہ حیرانی سے اسے دیکھے گئی۔

''یہ کیا معاملہ ہے بھلا؟''

''بتاؤں گا آرام سے سکون سے؟ شادی تو میں بھی اپنی ہی کلاس کی کسی لڑکی سے بڑی دھوم دھام سے کروں گا' بس انتقام لینا ہے اس سے۔''

''مگر اب کوئی فائدہ نہیں' اس کا رشتہ مصطفیٰ سے طے کر دیا گیا ہے۔'' عادلہ کچھ کچھ معاملہ سمجھ گئی تھی اس نے اپنے آپ کو

پرسکون کرتے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"سو واٹ؟ مام آپ عادلہ کے ساتھ کل ہی ان لوگوں کے ہاں جائیں میرا پرپوزل لے کر۔"

"اگر انہوں نے انکار کردیا تو؟" مام نے پوچھا۔

"تو پھر میں وہ کروں گا جو یہ لوگ بھی دیکھتے رہ جائیں گے۔" ٹی وی آف کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم جاؤ گی عادلہ کہ نہیں۔" عادلہ نے منہ بنالیا۔

"اب اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے میں اپنی بے عزتی کرواؤں؟ میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ لوگ ہاں نہیں کریں گے۔"

"تو وہ لوگ اچھی طرح مجھے بھی نہیں جانتے کہ میں کیا کروں گا۔ میرے لیے ایسی راہ چلتی لڑکیوں کا حصول قطعی مشکل نہیں۔ عزت کے ساتھ رشتہ بنا رہا ہوں یہ ضرور باور کروادینا ان کو۔" وہ انتہائی غرور بھرے لہجے میں کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

"یہ سب کیا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آئی۔" مام نے عادلہ کو دیکھا۔

"ڈونٹ وری آپ کو پتا تو ہے کہ اسے اپنے تھرل سوجھتے رہتے ہیں۔ چند دن کا خمار ہے اتر جائے گا۔"

"مگر وہ تو کہہ گیا ہے کہ کل ہم ان کے گھر جائیں۔"

"ہاں تو چلے جائیں گے' ایسی لڑکیوں کی اوقات اچھی طرح ازبر ہے' گھر میں مصطفیٰ کو پھنسا رہی ہے اور کالج میں اوروں کو۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ اس خاندان کے سامنے اس لڑکی کی اصلیت واضح کروں' اچھا موقع ہے مصطفیٰ نے کاشفہ کے لیے انکار کیا تھا ابھی تک مجھے وہ ذلت نہیں بھولی۔ میں بدلہ لے کر رہوں گی آپ بھی ریڈی رہیے گا' چلیں گے۔ ایاز کون سا رئیل میں اس سے شادی کررہا ہے' محض چیلنج کے طور پر قبول کررہا ہے' ناہم بھی اس ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا کرلیتے ہیں' کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ طنز و حقارت سے ہنس کر کھڑی ہوگئی۔

"اس لڑکی کی اصلیت سب کے سامنے لانے کا اس سے بہتر اور معقول موقع کوئی اور نہیں ملے گا۔ مام چلیں گے مزا آئے گا۔" وہ ہنس کر مطمئن انداز میں مام سے کہتی اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

❁......❁......❁

بڑی کسلمندی کے ساتھ وہ بستر سے اتری اور باتھ لے کر آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر خاصی بیزاریت سے تیار ہورہی تھی' تبھی اس کا موبائل بجنا شروع ہوگیا۔ اس نے برش ڈریسنگ پر رکھ کر موبائل اٹھایا۔ شہوار کی کال دیکھ کر اس کو لگا کہ جیسے اطراف میں خوش گوار ہوا کا جھونکا بکھر گیا ہو۔ پرسوں اور کل کا دن اس نے بڑی بیزاریت سے گزارا تھا۔

"السلام علیکم!" شہوار کی خوش گوار آواز اس کے اعصاب کو لطیف سا احساس بخش گئی تھی۔

"کیسی ہو؟"

"وعلیکم السلام! بالکل ٹھیک ٹھاک' تم سناؤ؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں' کیا کررہی ہو؟" شہوار نے پوچھا۔

"کالج کی تیاری اور تم؟"

"میں نہیں جارہی۔" اس نے بیزاری سے کہا تو وہ چونکی۔

"ہائے......کیوں؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی ابھی تک یا ایاز کی وجہ سے نہیں جارہی۔"

"بس ویسے ہی آنٹی کا کہنا ہے کہ میں اچھی طرح آرام کرلوں ورنہ کالج جا کر پھر طبیعت خراب کرلوں گی' اسی لیے۔"

"اوہ......" اس کے نہ جانے کا سن کر اس کے اعصاب پر اوس سی پڑی۔

"ہوسکتا ہے میں ایک دو دن مزید نہ جاسکوں' تم لیکچرز اور نوٹس لے لینا میں تم سے لے لوں گی۔" اس نے اپنی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا تو وہ چونکی۔

"اس طرح کالج سے غیر حاضر رہ کر ایاز لوگوں کو تو اور شہہ ملے گی کہ تم ڈرگئی ہو ان سے۔"

"ہاں انا! میں واقعی ڈرگئی ہوں' اس شخص کے تیوروں اور حرکتوں سے میں خوف زدہ ہوگئی ہوں' اب نجانے مزید کیا ہو؟ یہی سوچ کر ہی میرے دل کی دھڑکن بند ہونے لگتی ہے۔ خود کو سنبھالنے اور سمجھانے میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔" اس نے بھیگے لہجے میں اپنا خوف بیان کیا تو انا کے دل پر چوٹ سی لگی۔

"کچھ نہیں ہوگا اب' چیئرمین صاحب تک معاملہ پہنچا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا' وہ آمنہ اور ہاشم یقیناً اب اس شخص کو کالج میں نہیں ٹکنے دیں گے۔" اس نے حوصلہ دیا۔

"اسی بات کا تو خوف ہے مجھے' چیئرمین صاحب انکل کے دوست ہیں اور ان کو نہیں پتا کہ میرا ان سے کوئی تعلق بھی ہے۔ اگر بات انکل تک پہنچ گئی تو معاملہ بہت خراب ہوجائے گا۔"

"اچھا ہوگا اس طرح انکل تمہاری پروٹیکشن کا بھرپور بندوبست کرلیں گے' میرا تو مشورہ ہے کہ تم اپنے اس پولیس آفیسر مصطفیٰ کو سب صورت حال بتادو وہ یقیناً کوئی بہتر حل ہی نکال لے گا۔" انا نے مشورہ دیا تو وہ چپ ہوگئی۔

"اچھا دیکھوں گی۔"

"تم سناؤ روشی کیسی ہے؟ آنٹی اور بھابی کو تم دونوں بہت اچھی لگی تھیں' خصوصاً روشی کی آنٹی بہت تعریفیں کرتی رہیں کہ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اتنا عرصہ امریکہ میں گزارنے کے باوجود مشرقی پن قائم ہے اس کا۔" اس نے غیر محسوس انداز میں بات بدل دی تاکہ انا کو ذرا بھی فیل نہ ہو وہ ہنس دی۔

"یہ تو ہے۔"

"ہم نے اگلے ماہ شادی کی ڈیٹ فکس کرلی ہے' کل اور پرسوں کا سارا دن بہت بزی گزرا شاپنگ کرتے ہوئے۔ تمہیں پتا ہے رات کو میں نے ماما سے زبردستی کہہ کر ڈھولک منگوائی تھی' رات کو خوب محفل جمی' بہت مزا آیا۔" ایک دم یاد آنے پر انا کی آنکھوں میں خوش نما سے رنگ اتر آئے تھے مگر اگلے ہی پل ان رنگوں میں سرد پن سا اتر آیا' جیسے ساری محبت بجھ گئی ہو۔

"تم ضرور آنا شادی میں' آنٹی بھابی سبھی کو انوائٹ کروں گی۔" اس نے اپنا ذہن بٹایا۔

"کیوں نہیں' ضرور آؤں گی۔"

"انا مجھے کالج کی تمام صورت حال سے ضرور آگاہ کرنا' میرے نہ جانے پر ایاز لوگوں کا کیا ری ایکشن ہے ضرور بتانا۔" دھیمے لہجے میں اس نے تاکید کی تو اس نے سر ہلادیا۔

"میں کالج جا کر تمہیں کال کروں گی' ڈونٹ وری۔" چند مزید باتوں کے بعد اس نے کال بند کردی۔

شہوار کے بغیر کالج جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوراً تیار ہوئی۔ اپنا بیگ اور تمام چیزیں سمیٹ کر ڈائننگ ہال میں آئی تو وہاں سبھی ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے۔ ولید کو دیکھ کر وہ رکی اور پھر اسے نظر انداز کرتے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کل کا سارا دن یہ شخص گھر پر نہیں تھا اور رات کو بھی نجانے کب لوٹا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر رہ رہ کر اسپتال کے کمرے میں لیٹا سفید پٹیوں میں جکڑا انتہائی خوب صورت و دلکش وجود آکر ہلچل مچاتا رہا تھا۔ اسے تو بس یہی بات اذیت دے رہی تھی کہ یہ شخص اس حسین و جمیل لڑکی کو اسپتال لے کر گیا تھا۔ اس کی شرٹ اس لڑکی کے خون سے رنگین تھی۔ ساری رات اس کی بے چینی و اضطراب میں گزری تھی اور اب بھی ولید ضیاء احمد پر نگاہ پڑتے ہی اسے اپنا آپ ایک ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہورہا تھا۔

صغراں نے اس کے سامنے لاکر ناشتہ رکھا تو اس نے بے دلی سے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔ گلاس خالی کرکے اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھی تو صوفی بیگم نے اسے ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ناشتا تو ڈھنگ سے کرلو۔" انہوں نے ٹوکا۔

"بس کرلیا۔" ولید نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ عجیب بیزار انداز تھا وہ اپنی چیزیں لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

"اسے کیا ہوا؟" اس نے روشی کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکادیے۔

"موڈ نہیں ہورہا ہوگا ناشتہ کرنے کا۔" روشی کے جواب پر وہ بھی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا وہاں سے نکل آیا۔ اس کی گاڑی ابھی تک ورکشاپ میں تھی اور دو دن سے وہ گھر والی گاڑی استعمال کررہا تھا' جب کہ بابا والی گاڑی گھر کے لیے استعمال ہورہی

تھی۔ وہ اپنا بیگ لے کر پورچ میں آیا تو انا اندر سے نکل آئی۔ گاڑی میں ڈرائیور کی جگہ ولید کو دیکھ کر وہ رکی تو ولید نے گاڑی پاتھ وے پر لا کر روک دی۔

"آپ کی گاڑی ابھی تک ورکشاپ سے واپس نہیں آئی؟" قریب آ کر اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"آج آجائے گی تم بیٹھو میں ڈراپ کردوں گا۔" فرنٹ ڈور کھولتے اسے کہا تو وہ ایک عجیب سی نگاہ اس پر ڈالتے فرنٹ سیٹ پر ٹک گئی۔

"موڈ کیوں آف ہے؟" اسے انا کا انداز بڑا عجیب سا لگا۔

"آپ سے مطلب؟" جواب اس سے بھی زیادہ عجیب تھا وہ حقیقتاً ٹھٹکا۔

"خیریت؟" وہ انا کے پل پل بدلتے موڈ پر بڑا حیران ہوتا تھا۔ عجیب سی موڈی لڑکی تھی بغیر جواب دیئے وہ باہر بدستور دیکھے جارہی تھی۔

دس سالوں میں کس قدر چینجز آئی تھیں اس کے اندر۔ اسے اپنے موڈز کے تابع رہنے والی خاصی نخریلی اور موڈی لڑکی لگ رہی تھی۔ ایک پل میں اپنی اپنی سی اور اگلے پل ہی ٹوٹلی غیر قطعی اجنبی۔

"محترمہ کس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جارہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ رات بارہ بجے تک کہاں تھے میں نے پوچھا نہیں نا؟" ایک دم سنجیدگی سے ولید کو دیکھتے اس نے تیزی سے کہا۔

"اس لیے آپ بھی میری ذات میں انٹرفیئر مت کیا کریں تو بہتر ہے۔" ولید اب کے حقیقت میں حیران رہ گیا تھا۔ انا کا انداز اور تیور خاصے جارحانہ تھے۔ جذبات میں سلگتا ہوا سا احساس تھا وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا جس کے تیور نا قابلِ فہم تھے۔ اس کے دیکھنے پر وہ اپنی گود میں رکھے بیگ کے اسٹریپ سے کھیلنے لگی۔

"اس بیویوں والی باز پرس کی کوئی وجہ؟" اب پزل ہونے کی باری انا کی تھی۔ وہ ولید کے الفاظ پر خاصی جز بز ہوئی' گھبرا کر اسے دیکھا وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھ کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"یہ بکواس نہیں' جس طرح کا تمہارا برتاؤ ہے نا اسی کے مطابق جواب تھا۔" اب کے ولید نے اس کی طرف دیکھتے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا تو وہ فوراً پلکیں جھکا گئی۔ اس شخص کی آنکھوں میں بے پناہ حدت تھی کہ وہ تاب نظارہ نہ لا سکی۔

"ایسے سوال کرنا آنے جانے کی ٹائمنگ یاد رکھنا' یہ تو بیویوں کا ہی کام ہوتا ہے نا۔" اس نے جتایا۔

"مائی گاڈ! دماغ خراب ہے آپ کا' بس بات نہیں کریں آپ مجھ سے۔" ایک دم صورت حال سمجھتے سوال کی وضاحت جان کر وہ بالکل ہی آؤٹ ہوگئی تھی۔ ولید کے انداز نے اندر ہی اندر سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"میں نے تو محض خراب موڈ کی وجہ پوچھی تھی' پھر تو تم نے کھینچ مارا تھا' ڈائریکٹ اٹیک۔"

"میرا موڈ قطعی خراب نہیں ہے' بس میرا دل آپ سے بات کرنے کو نہیں کر رہا۔" اب کے تندہی سے کہا تو وہ ہنس دیا' کیسا بچکانہ انداز تھا' بچوں والا۔

"دل کیوں نہیں چاہ رہا بھلا؟" انا نے سر اٹھا کر اس کے چہرے پر کھلنے والی مسکراہٹ دیکھی' یہ مسکراتا شخص اس کے دل کی دنیا زیروزبر کر گیا تھا۔ اسے اپنا دل اپنی ہتھیلیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ کتنی خوب صورت ہیں اس شخص کی آنکھیں اور مسکراہٹ۔

"پتا نہیں۔" وہ ایک دم یاسیت کی زد میں آ گئی۔ اس نے ہونٹ کچل لیے' اندر ایک مجروح سی کیفیت پیدا ہوئی تو سیٹ سے ٹیک لگا کر سیدھی ہوگئی۔ دل چاہا کہ اس شخص کو دیکھتی رہے اور بس دیکھتی ہی رہے۔

"آپ دوبارہ اسپتال گئے؟ کیسی طبیعت ہے اب اس لڑکی کی؟" خود سے ہار کر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہوں' کل بھی دو دفعہ گیا تھا اور جمعہ کو تمہارے ساتھ گیا تھا' اب تو خاصی بہتر ہے مگر جب بھی چکر لگا وہ نیم غنودگی میں تھی' براہ راست ملاقات نہیں ہوئی۔"

"بہت پیاری اور خوب صورت لڑکی ہے نا؟" ولید کے چہرے کو دیکھتے اس نے کہا وہ ہنس دیا۔

"ہوگی' میں نے غور سے نہیں دیکھا۔" انا کو لگا اس کے اعصاب ایک دم چٹخنے لگے ہوں۔ تن من ایک دم جھلس اٹھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں' لڑکی کو ایکسیڈنٹ کے بعد آپ ہی اسپتال لے کر گئے تھے نا۔ اس رات ڈیڑھ بجے واپسی ہوئی تھی' اس کے بعد بھی چکر لگائے ہیں' کل رات بھی بارہ بجے واپس آئے اور کہہ رہے ہیں کہ میں نے غور سے نہیں دیکھا۔" اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک سلگتا ہوا رقیبانہ سا احساس تھا اس کی آنکھوں میں اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا وہ سر جھکا گئی۔

"لگتا ہے خاصی ماڈ اور ایلیٹ فیملی سے تعلق ہے ان کا۔" اس نے کہا پر ولید خاموش ہی رہا اور ولید کی خاموشی انا وقار علی کو اپنی روح پر ایک دم اترنے والا بوجھ لگنے لگی۔ اس کا دل کٹ کٹ کر گرنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور خوب روئے۔

"ولی......" کچھ پل بعد بڑے ضبط سے پکارا' ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔

"ہوں۔"

"آپ کے زخم کیسے ہیں اب؟ میرا مطلب ہے دوبارہ بینڈیج کروائی؟" کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں' کل اور پرسوں دونوں بار کروائی تھی' اب بہتر ہیں۔"

"کیا گاڑی کا زیادہ ہی نقصان ہوگیا ہے' جو ابھی تک گیراج سے نہیں آئی۔" اس نے مزید پوچھا۔

"آجائے گی آج' جاتے ہوئے وہاں سے ہو کر ہی جاؤں گا۔ ایک بات کہوں انا؟" کچھ توقف کے بعد اس نے انا کو دیکھا' وہ چونک گئی۔

"جی کہیں۔" وہ کانشیس ہو کر بیٹھ گئی تھی کہ نجانے کیا کہہ دے۔

"ایک دم تمہارا موڈ بدلتا ہے' دل چاہا تو بات کرلی ورنہ ناراض' بڑا بچکانہ برتاؤ ہو جاتا ہے' بعض اوقات تمہارا اور میں الجھ جاتا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی بات ہے جو تمہیں الجھا رہی ہے۔ پریشان کررہی ہے' پچھلے دنوں تمہارا رویہ اور اب اس وقت کا رویہ مجھے الجھا گیا ہے۔ ہم کزنز ہیں اچھے دوست بن سکتے ہیں' ایسا کیا پرابلم ہے جو تمہیں ایک دم ڈسٹرب کردیتا ہے' اگر اعتماد کرتی ہو تو پلیز ڈسکس کرو۔" انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ ولید نے گردن گھما کر بات کرتے کرتے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں کی مقناطیسیت نے انا کے اوپر بڑے دلکش انداز میں اثر کیا۔

"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے میں قطعی پریشان نہیں ہوں۔" ہاتھوں کو مسلتے دھیمے سے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں آپ کو خوامخواہ وہم ہوگیا ہے۔" اس نے ٹالا تو ولید نے بڑی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

"وہم نہیں بلکہ سو فیصد یقین ہے۔"

"پلیز ولی! ایسی کوئی بات نہیں' بس شروع سے ہی موڈی ہوں۔"

"دس سال پہلے تک تو تم موڈی نہ تھیں۔" اس نے طنز کیا تو وہ ہنس دی۔

"انسان کو بدلتے ایک پل لگتا ہے' دس سال پہلے میں بالکل بچی تھی' میری ترجیحات اور ضروریات قطعی مختلف تھیں' تب کھانے پینے' کھیلنے کودنے سے ہی فرصت نہ تھی کہ مجھے دنیا کو دیکھنے پرکھنے کا سلیقہ کیونکر آتا؟ پاکستان آنے کے بعد بہت وقت بدلا' دس سالوں میں کئی ماہ دن گھنٹے منٹ اور سیکنڈ آتے ہیں' موڈز کا کیا ہے؟ وہ کب بدل جائے؟" ولید نے سنجیدگی سے اس کے خوب صورت' گلاب کی طرح تر و تازہ مہکتے' کھلے کھلے سے چہرے کو دیکھا' کچھ دیر قبل والی کیفیت نہ تھی مگر اس کی آنکھوں میں اک عجیب سا نا قابلِ فہم سا احساس ضرور تھا جو ہمیشہ کی طرح اب ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"موڈی تو میں شروع سے ہی تھی بس پہلے آپ نے کبھی مجھ کو غور سے پڑھا ہی کب تھا۔" ولید نے بغور دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی' بہت پیاری دلکش مسکراہٹ تھی اس کی۔

"چلو اب پڑھنا چاہتا ہوں نا اب کیوں کترا رہی ہو؟ پڑھنے دو پھر مجھے۔" ولید کا انداز بہت سنجیدہ تھا' انا کی مسکراہٹ ایک

دم بخود۔ بغور اسے دیکھا وہ سامنے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"مجھ کو پڑھ کر بھلا کیا حاصل ہوگا آپ کو خوامخواہ وقت کا زیاں۔"

"کچھ بھی حاصل نہ ہو کم از کم تمہارے بدلتے موڈز کی وجہ تو پتا چل ہی جائیں گی۔"

"لاحاصل۔" وہ مسکرا کر کہہ کر باہر دیکھنے لگی۔

"یہ تو بعد کی بات ہے کہ کچھ حاصل ہوگا کہ نہیں' سرورق دیکھ کر کتاب کے نفسِ مضمون کا اندازہ لگانے کا بھلا کیا فائدہ' اصل ادراک تو کتاب پڑھ کر ہی حاصل ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیا رقم ہے؟"

"اُف ولی! آپ بھی نا؟ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے میرے اندر۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"خیر خوب صورت دلکش کتاب کے اندر کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی نا۔" وہ ہنس دی۔ بڑی معطر اور تر و تازہ سی ہنسی تھی۔

"آپ کو چاہیے تھا کہ بزنس کی بجائے لاء پڑھتے' جرح آپ بہت اچھی کر لیتے ہیں۔" کالج آتے دیکھ کر وہ کچھ پُرسکون ہو کر مستعد بیٹھ گئی تھی۔

"اور تم بہت اچھی طرح بات کو پلٹنے کا ہنر جانتی ہو خیر تمہارے ان بدلتے موڈز کی وجہ بھی ہم کسی نہ کسی دن معلوم کر ہی لیں گے آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" کالج کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا تو انا کھلکھلا کر ہنس دی۔

صبح اس کا موڈ کتنا خراب تھا مگر اب ولید کی اپنے لیے فکرمندی اپنی ذات کے لیے الجھاؤ دیکھ کر وہ اندر تک شانت ہوگئی تھی یعنی وہ اس سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی پروا تھی اسے بھی۔ یوں لگا دہکتی آگ پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں گویا۔ یوں جیسے کسی نے دل کی بے قراری پر ہولے سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ سارا اضطراب' فکرمندی و بے قراری ایک دم ختم ہوگئی تھی جیسے۔

اس نے تپتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک اتر گئی تاثیر مسیحائی کی

اس نے آنکھوں میں بے پناہ اشتیاق اور والہانہ پن لیے اسے دیکھا تھا۔ اس شخص کے لیے وہ خود کو برف کی طرح پگھلتا محسوس کرتی تھی۔ یوں جیسے تن من دھن پریم کے مندر میں وار کے بیٹھی ہو۔ اک سانس کی ڈوری اٹکی ہے اب اس کی بھینٹ چڑھاؤں گی۔ کتابیں سمیٹ کر وہ آہستگی سے گاڑی سے اتر آئی تھی۔

ولید کے ذرا سے التفات سے اسے اپنا آپ ہواؤں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ جذبوں میں ایک دم سبک خرامی چھا گئی تھی۔ ولید نے اسے گیٹ سے اندر غائب ہوتے دیکھ کر آہستگی سے گاڑی آگے بڑھالی تھی۔



میڈیکل کالج کے سامنے گاڑی روک کر مصطفیٰ شاہزیب علی نے اس وسیع و عریض عمارت کو دیکھا۔ چیئرمین صاحب کے پاس وزیٹنگ کارڈ بھجوایا تو اگلے ہی لمحے انہوں نے بلوالیا تھا۔

"السلام علیکم!" پولیس آفیسر کے روپ میں مصطفیٰ شاہزیب علی کو دیکھ کر وہ چونکے تھے۔

"وعلیکم السلام!" ایک دم اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کا والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔

"کیسے ہو بیٹا!" مصطفیٰ مسکرا دیا تھا۔

"فائن۔"

"اور شاہزیب علی کیسا ہے؟ بھابی' بچے' باقی لوگ؟" کافی عرصے سے ان لوگوں کی ملاقات نہ ہوئی تھی اب بڑے پُرسکون انداز میں وہ سب کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں' بابا اکثر آپ کو یاد کرتے ہیں۔"

"مجھے آپ سے ایک ضروری کام تھا اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" رسمی باتوں کے بعد مصطفیٰ نے اپنی آمد کا مقصد واضح کیا' وہ چونک گئے مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔

"خیریت؟"

"جی۔" مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"اسی میڈیکل کالج کے فورتھ ائیر میں میری ایک کزن پڑھ رہی ہیں' اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" چیئرمین صاحب سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہوسکتا ہے آپ اسے جانتے بھی ہوں' میڈیکل فورتھ ائیر کی طالبہ ہیں شہوار سکندر علی نام ہے ان کا۔" اب کے وہ قدرے چونک کر متوجہ ہوئے۔

دو دن پہلے کا واقعہ اس قدر غیر اہم بھی نہ تھا کہ وہ اس قدر جلدی بھول بھی جاتے۔ ایک لڑکی کی وجہ سے کالج کے دو گروپ کا آپس میں تصادم ہوا تھا۔ معاملہ سنگین تھا کہ اگر ایک گروپ کی شہرت بدنامِ زمانہ تھی تو دوسرا گروپ بھی خاصی مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتا تھا۔ عام واقعہ ہوتا تو ٹیچرز اور وہ خود کبھی توجہ نہ دیتے مگر وجہ یہ تھی کہ ہاشم کا خاندان ایک مضبوط سیاسی پس منظر کا حامل تھا اور ان لوگوں سے ان کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ اس لیے وہ ذاتی طور پر اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئے تھے اور معاملے کو اپنے طور پر حل کرنا چاہتے تھے۔

"شہوار سکندر علی! دو دن پہلے کالج کے دو گروپس ایاز اور ہاشم کے لوگوں کا جھگڑا ہوا تھا' یہ جھگڑا کسی طالبہ کی وجہ سے ہوا تھا کیا یہ وہی بچی تو نہیں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"جی۔" مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"اوہ۔" انہیں حقیقتاً تاسف ہوا۔

"مجھے قطعی معلوم نہ تھا کہ یہ بچی تم لوگوں کی رشتہ دار ہے۔"

"انکل! دو دن پہلے اس کالج کی چار دیواری میں جو بھی حرکت ہوئی' میں اس کو اخلاق سوز حرکت ہی کہوں گا' ایسے لڑکوں کو اگر کالجز پناہ دینے لگیں تو پھر شرفاء لوگ کہاں اپنے بچوں کو ایسی درسگاہوں میں آنے دیں گے؟ یہ تو سراسر دھاندلی اور اخلاق سے عاری حرکات ہیں کہ ایک کمزور بے بس لڑکی عرصہ دراز سے ایک آوارہ' بدمعاش ٹائپ لڑکے کی مسلسل دھمکیاں اور حرکات برداشت کر رہی ہے اور کسی کو احساس تک نہیں اگر دو دن پہلے یہ واقعہ نہ ہوتا تو کب کسی کو پتا چلتا کہ ایک شریف باکردار لڑکی کیونکر اپنے کیریئر کو تباہ کر گئی ہے؟" مصطفیٰ کا انداز بظاہر دھیما ہی تھا مگر اس میں شعلوں کی سی لپک تھی۔

"انکل! ایک آوارہ انسان بھری کینٹین کے سامنے ایک باکردار وجود کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے اس کا رستہ روکے اور گالی گلوچ کرے' اس سے بڑی انسانیت کی تذلیل کیا ہوگی کہ کوئی اس لڑکے کی بدمعاشی کے خوف سے اٹھ کر اس لڑکی کا ساتھ دے' مجبوراً اسے خود ہی اپنا تحفظ کرنا پڑے۔ ہاشم گروپ درمیان میں کودے بھی تو اس وقت جب اس شخص کی بدتمیزی کی انتہا ہوگئی تھی اور شہوار نے اسے کتاب کھینچ ماری تھی۔" مصطفیٰ کا انداز بہت برہم تھا مگر اس کے باوجود برداشت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔

"یہ مسئلہ اسی وقت میرے علم میں لایا گیا تھا' اس کے بعد میں نے کالج کے تمام ٹیچرز اور میڈیکل اسٹاف سے اس سلسلے میں میٹنگ بھی ارینج کی تھی۔ میں نے اس بچی سے بھی ملاقات کرنے کو بلوایا تھا مگر اس کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ گھر چلی گئی تھی۔ جب تک معاملہ ہمارے علم میں نہ تھا ہمیں کچھ پتا نہ تھا اور جب صورت حال سامنے آئی ہم نے فوراً پرابلم کو فیس کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ معاملہ نہ بگڑے۔" چیئرمین صاحب نے صفائی پیش کی تو اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"انکل اس واقعہ کی وجہ سے شہوار کی طبیعت کس قدر بگڑی آپ اندازہ نہیں لگا سکتے' کئی گھنٹے اس نے مسلسل بے ہوشی اور خوف میں گزار دیئے' گزشتہ دنوں وہ جس طرح ذہنی اسٹریس اور اذیت کا شکار رہی ہے اس واقعہ کو لے کر اس کی حالت کس قدر خراب ہوئی ہوگی۔ دو دن وہ کالج نہ آسکی تھی اور نہ ہی آج آئی ہے۔ انکل مجھے اس مسئلے کا مکمل اور پراپر سولوشن چاہیے۔ میں چاہتا تو اس معاملے کو اپنی ذاتی بے ہاف پر ہی حل کرسکتا ہوں وہ لڑکا اس قدر لوز کریکٹر اور مختلف کرائمز میں ملوث ہے کہ اس پر کوئی بھی کیس بنوا کر جیل میں بھجوا سکتا ہوں نہ مجھے اس کے باپ کی دولت کی پروا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کے تعلقات کی۔ مگر

میں ہر کام تھرو پراپر چینل کرنے کا عادی ہوں۔ میں مجرم کے گرد شکنجہ کسنے سے پہلے پوری اور مکمل تیاری کا قائل ہوں۔ آپ بتائیں اس سلسلے کے فوری حل کے لیے کیا کیا اقدامات کرسکتے ہیں۔"

"ہمارے لیے اسے کالج سے نکال دینا قطعی مشکل امر نہیں ہے مگر ٹیچرز اور دیگر اسٹاف کی رپورٹ کے مطابق اس کا باپ ہائی لیول پر اپروچ رکھتا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے بے حد خراب اکیڈمک ریکارڈ کے باوجود کالج میں ٹکا ہوا ہے تو صرف اپنے باپ کی دولت اور اثر ورسوخ کی وجہ سے اگر اس لڑکے کو کالج سے نکال بھی دیا جائے تو بھی اس بچی پر ملبہ گر سکتا ہے' ہمیں تمام ممکنات کا جائزہ لے کر ہی کوئی حتمی قدم اٹھانا ہوگا بیٹا!"

"یہاں صرف ایک لڑکی کی عزت کا سوال نہیں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جو اس بدکردار شخص کی بدکرداری کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔" مصطفیٰ نے برہمی سے کہا۔

"ڈونٹ وری بیٹا! وہ بچی شاہزیب کی رشتہ دار ہی نہیں میری اپنی بچی ہی سمجھو میں ذاتی طور پر اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہوں اور میری پوری کوشش ہوگی کہ اس لڑکے کو اب مزید اس کالج میں نہ ٹکنے دیا جائے۔ ہاشم گروپ نے جو بھی معلومات اس کے متعلق فراہم کی ہیں ایسے کردار کا حامل شخص وہ بھی میڈیکل شعبے میں ہونا' یہ تو سراسر انسانیت کی توہین ہوئی نا۔" انہوں نے کہا۔

"جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوجاتا' میں شہوار کو کالج نہیں آنے دوں گا۔ انکل براہِ مہربانی کوشش کیجیے گا کہ یہ مسئلہ جلد از جلد حل ہوجائے' میں نہیں چاہتا کہ اس کی تعلیم متاثر ہو وہ ایک ذہین اور محنتی طالبہ ہے۔ جس طرح کے حالات اسے درپیش ہیں ایسے حالات سے متاثر ہوکر بہت سی لڑکیاں اپنا کیریئر ختم کرلیتی ہیں' میڈیکل فیلڈ میں آنا اور ایجوکیشن مکمل کرنا اس کا جوش تھا اگر میرے علم میں اس کا یہ مسئلہ آیا ہے تو میں یہ مسئلہ مکمل طور پر حل کرنا چاہتا ہوں۔" گھڑی دیکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا اسے اور بھی ایک اہم ضروری کام تھا۔

"آپ بے فکر رہیں بیٹا! میں پوری غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے اپنی مکمل کوشش کروں گا کہ معاملہ خوش اسلوبی سے حل ہوجائے۔"

"شکریہ انکل!" وہ مسکرا کر بولا۔

"ایک اور فیور بھی چاہیے۔" ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے مزید کیا۔

"کیسی فیور؟"

"بابا اس قصے سے قطعی لاعلم ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری فیملی کے کسی بھی شخص کو اس قصے کا علم ہو آپ سمجھ رہے ہیں نا کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔" وہ مسکرا دیے۔

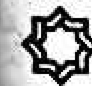
"ڈونٹ وری! میں اب اس مسئلے کو ذاتی بی ہاف پر حل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ انکل! او کے اللہ حافظ۔" چیئرمین صاحب سے ملنے کے بعد وہ خاصا ریلیکس ہوا تھا۔ دل میں ایک اطمینان سا پھیلا تھا کہ اب یقیناً کالج آنے پر شہوار کسی بھی قسم کے خوف وغیرہ سے تو محفوظ رہے گی نا۔ اس نے ان پر اعتماد کرتے اگر ساری صورت حال بتائی تھی تو وہ بھی اسے قطعی مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ تو اس کی اپنی عزت وغیرت کے لیے ایک تازیانہ تھا وہ اس سلسلے میں جو بھی اقدامات اٹھانا چاہتا تھا قطعی جذباتیت کا شکار ہوئے بغیر حتمی اقدام کرنا چاہتا تھا۔

❁......❁......❁

عادلہ بھابی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ بظاہر عادلہ بھابی اور ان کی والدہ کا رویہ نارمل ہی تھا۔ اب نجانے عادلہ رہنے آئی تھیں یا یہ بھی ان کا ایک ہنگامی دورہ تھا جو وہ اکثر میکے کے طویل قیام کے دوران شوہر کی خیر خبر رکھنے کے لیے لگاتی رہتی تھیں۔ شہوار سلام دعا کے بعد ان کے سامنے نہیں گئی تھی' کیا پتا کب ان دونوں ماں بیٹی کی زبان کیا اُگل دے؟

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

دل کی دھڑکن تیری پلکوں کی جھپک میں اُتری
دیر تک راز رہے راز تو کھل جاتا ہے
اپنی کرنوں کو سمیٹے ہوئے ہنگامِ سفر
چاند شبنم میں اُترتا ہے تو کھل جاتا ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

انا ولید کے ساتھ اسپتال آتو جاتی ہے مگر عکاشہ کی خوب صورتی دیکھ کے وہ قدرے بے زاری ہو کر چلی آتی ہے وہ خود اپنی کیفیت سے انجان ہوتی ہے ولید اس کے عجیب و غریب رویے پر الجھ کے رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب مصطفیٰ انسپکٹر شہباز سے تمام رپورٹ لینے کے بعد شہوار سے تفصیلی بات کرتا ہے اور اسے ایاز والے معاملے میں بے فکر رہنے کو کہتا ہے ادھر مصطفیٰ کی بہنیں شہوار اور اس کے رشتے کی خبر سن کر ملنے چلی آتی ہیں اور مصطفیٰ کی موجودگی میں شہوار کو خوب تنگ کرتی ہیں وہ جھینپ کے رہ جاتی ہے۔ مصطفیٰ شہوار کو ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں آتا ہے اور اسے روتا دیکھ کے پریشان ہو جاتا ہے اس کے پوچھنے پر شہوار اس رشتے کی مخالفت میں اپنا جواز پیش کرتی ہے جسے سن کے مصطفیٰ چکرا کے رہ جاتا ہے اور اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی کم عقلی پہ نہایت غصے میں آ جاتا ہے۔ دوسری جانب ایاز عادلہ اور مام کو شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پہ رضامند کرتا ہے۔ ایاز کے خیالات جان کر عادلہ ایک کمینی سی خوشی محسوس کرتی ہے۔ مصطفیٰ کالج کے چیئرمین سے میٹنگ کر کے تمام معاملات ہینڈل کرتا ہے اور قدرے بے فکر ہو جاتا ہے ادھر شہوار عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد پر پریشان ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

وہ صبا کے ساتھ اپنے کمرے میں ہی بیٹھی رہی تھی۔

"کچھ پتا چلا؟ عادلہ بھابی کی بہن کاشفہ کا سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ بال بال بچی ہے۔" عائشہ بڑے ہنگامی انداز میں کمرے میں آئی تھی وہ جو صبا کے ساتھ مل کر میگزین کے اشتہارات پر تبصرہ کر رہی تھی' سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہائے...... کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" صبا بھی حیران ہوئی تھی۔

"گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں محترمہ تو کوئی فالٹ ہو گیا تھا' جس سے اس کا گاڑی پر کنٹرول نہ رہا اور دوسری گاڑی سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ عادلہ بھابی ہی بتا رہی تھیں ماں جی کو کہ جس آدمی کی گاڑی سے ٹکرائی تھی وہی اسپتال لے کر گیا' انہیں اطلاع کی۔ جس طرح کی سیریس کنڈیشن تھی اگر وہ شخص انسانیت نہ دکھاتا تو وہ بچ نہ پاتی۔"

"یہ تو واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔" صبا نے کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے محترمہ کی؟"

"آنٹی بتا رہی تھیں کہ پہلے سے کافی بہتر ہے' ایک دو ہفتے اسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"چلو چل کر آنٹی سے عیادت ہی کر لیتے ہیں' اگر ماں جی کہیں گی تو اسپتال کا ہی چکر لگا لیں گے۔ اب بھابی جیسی بھی ہوں ہیں تو بھابی نا......" صبا اٹھ کھڑی ہوئی۔ عائشہ خبر سنا کر پھر باہر نکل گئی تھی۔

"تم نہیں چل رہیں شہوار؟" اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر صبا نے کہا۔

"تم چلو میں بعد میں آ جاتی ہوں۔" شہوار کو کاشفہ کے ایکسیڈنٹ کا افسوس تو ہوا مگر عادلہ اور ان کی ماں کو برداشت کرنا' وہ ہمیشہ خوف زدہ ہو جاتی تھی کہ نجانے کچھ کہہ نہ دیں۔ صبا اور عائشہ لائبہ سمیت ماں جی کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ یہاں ابھی تک

کاشفہ والا موضوع ہی زیر بحث تھا۔

"تم دونوں کب آئیں؟" عادلہ نے عائشہ اور صبا سے پوچھا جو بڑی پھوپو کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ رشتے میں لائبہ کی بھابیاں بھی تھیں' ان کے ہاں خاندان کے باہر بیٹیاں دینے کا کوئی رواج نہ تھا۔

"ہم کل آئی تھیں۔" صبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"رہنے آئی ہو؟"

"جی یہی سمجھ لیں' ہفتہ ڈیڑھ کی چھٹی ملی ہے۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"آپ سنائیں آپ رکیں گی یا آنٹی کے ساتھ واپس جائیں گی۔" عادلہ اپنے موڈ کی مالک تھی اس کے پروگرام بھی اس کے اپنے طے کردہ ہوتے تھے جن میں ان لوگوں کی وجہ سے رد و بدل کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ انہیں میکہ زیادہ عزیز تھا اسی لیے سسرال سے زیادہ وہ میکے میں پائی جاتی تھیں۔

"نہیں میں رہنے تو نہیں آئی مجھے چند چیزوں کی ضرورت تھی ویسے بھی مام کو ایک ضروری کام تھا تو ان کے ساتھ آنا پڑا۔" اپنے مخصوص نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔ عائشہ نے مسکرا کر لائبہ کو دیکھا اور پھر عادلہ کی مام کو جو ماں جی سے محو کلام تھیں۔

"ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا کہ بچی کا اس قدر بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ورنہ فوراً چکر لگاتے' آپ کے لیے تو یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے اللہ ساتھ خیریت و صحت کے بچی کو گھر لائے آمین۔" ماں جی بے پناہ تشویش لیے اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔

"یہ سب تو زندگی کے ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔" بیگم عبدالقیوم کا انداز بے پروا تھا۔

"ہم رات کو ضرور عیادت کو آئیں گے۔" ماں جی نے خلوص سے کہا۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک کام تھا اسی لیے آنا پڑا۔" اپنے انداز سے ہٹ کر انہوں نے کہا تو وہ سب چونکیں۔

"خیریت؟" ماں جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کے گھر میں جو لڑکی رہتی ہے کیا نام ہے اس کا...... ہاں شہوار! اس کی ماں سے ملنا تھا اسی سے کام تھا۔" سب حیران ہوئی تھیں' لائبہ نے گھبرا کر عادلہ کو دیکھا' وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شہوار کے نام پر بڑے تمسخرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"کوئی ضروری کام تھا کیا؟" ماں جی کا وہی پُرخلوص انداز تھا۔

"یوں ہی کہہ لیں' کام تو اس کی ماں سے ہی تھا کہ بیٹی کی ماں وہی ہے پھر سوچا کہ آپ سے بات کر لوں' لڑکی آپ کے گھر میں ہی رہ رہی ہے تو کیا حرج ہے۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ ماں جی الجھ گئی تھیں۔

"میری تو اس کی ماں سے براہ راست کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی' کبھی یہاں آتے جاتے دیکھا بھی نہیں۔ عادلہ بتاتی ہے کہ وہ بہت کم کہیں آتی جاتی ہیں' حویلی میں ہی رہتی ہیں۔"

"ہاں وہ حویلی کے اندر ہی رہتی ہیں' شادی بیاہ میں بھی کہیں نہیں آتی جاتیں۔ پردہ دار عورت ہیں۔" ماں جی نے خوش اخلاقی سے بتایا۔

"میں ایاز کے لیے اس کی بیٹی کے رشتے کے لیے آئی ہوں۔" آخرکار بیگم عبدالقیوم نے بم پھوڑ ہی دیا' اندر آتی شہوار دروازے میں ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ باقی سب بھی حیرت زدہ ہو کر عادلہ اور اس کی ماں کو دیکھ رہی تھیں۔

"جی کیا مطلب......؟" ماں جی واقعی نہیں سمجھی تھیں۔

"بڑا سادہ اور واضح مطلب ہے آنٹی جی! مام میرے بھائی ایاز کا رشتہ شہوار کے لیے چاہ رہی ہیں۔" عادلہ نے وضاحت کی' انداز وہی مخصوص تمسخرانہ تھا۔

"مگر ہم تو شہوار کا رشتہ مصطفیٰ کے ساتھ کر رہے ہیں' تابندہ نے ہاں بھی کر دی ہے۔ تمہارے سامنے ہی بہو سارا معاملہ طے ہوا تھا' تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہم ان دونوں کے نکاح کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" مہرالنساء بیگم نے ایک دم برامان کر عادلہ کو دیکھا۔

"ابھی ہاں ہی ہوئی ہے کون سا شادی ہو گئی ہے۔" مہرالنساء بیگم کے برامان جانے پر وہ بھی ایک دم برافروختہ ہوئی تھی۔

"عزت دار گھرانوں میں کسی کو زبان دے دینا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ یہ عام بات نہیں ہے شہوار ہمارے خاندان کی بیٹی ہی نہیں اب بہو بھی ہے۔" شہوار گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ شخص اسے پورے کالج میں ذلیل کرنے کے بعد اب اس گھر میں اسے ذلیل کروانے کو اپنی ماں، بہن کو بھیج رہا تھا۔

"عادلہ نے آپ کو شاید یہ سب نہیں بتایا، ہم پہلے ہی شہوار اور مصطفیٰ کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔" ماں جی نے بیگم عبدالقیوم کو دیکھا، عادلہ تمسخر سے ہنس دی۔

"میں نے تو یہ بات سب کو بتائی تھی مگر شہوار نے لگتا ہے ایاز کو نہیں بتائی ورنہ وہ ہم پر زور نہ دیتا کہ ہم اس گھر میں آ کر اس کا رشتہ مانگیں۔" عادلہ کی ہنسی سب کے اعصاب پر ایک تازیانہ سی ثابت ہوئی تھی۔

"بہو صاف بات کیا کرو، ہمیں یہ ہنسی میں کہی گئیں باتیں سمجھ نہیں آتیں۔" عادلہ کے انداز کو نظر انداز کرتی مہر النساء بیگم نے قدرے سکون سے کہا۔

"صاف بات یہ ہے کہ ایاز شہوار کے ساتھ کالج میں پڑھتا ہے، دونوں میں کیا معاملات طے ہیں یہ مجھے نہیں پتا اگر ایاز نے رشتہ طے ہوجانے کے باوجود سب جانتے بوجھتے ہمیں ادھر بھیجا ہے تو یقیناً شہوار کی رضامندی سے ہی بھیجا ہوگا۔ ہمیں جواب دینے سے پہلے آپ شہوار سے پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" عادلہ کا مقصد شہوار کو صرف ذلیل کرنا تھا اور قدرت کی طرف سے اسے بہت اچھا موقع بھی مل رہا تھا تو وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ کیوں نہ اٹھاتی۔ لاؤنج میں موجود تمام افراد کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، شہوار اپنی جگہ ساکت ہی رہ گئی تھی۔

"شہوار کو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں، اس کا معیار اتنا گھٹیا اور سطحی نہیں ہوسکتا۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے بھابی! شہوار سے ہمیں پوچھنے کی قطعی ضرورت نہیں، اسے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ایاز اس کے کالج میں پڑھتا ضرور ہے مگر وہ اس کی چوائس نہیں ہوگا۔" عائشہ کو سب سے زیادہ غصہ عادلہ کے انداز پر تھا، ایک دم سنبھل کر گویا توپ داغ دی تھی۔

"اچھا تو پھر ایاز اسے ہر قیمت پر اپنی حاصل کرنے کو بےتاب ہے؟" عادلہ بھی ایک دم غصے سے بولی۔

"ہمارا اکلوتا بھائی ہے، کروڑوں کی جائیداد، بزنس کا مالک، ہماری ایک کلاس ہے، مقام ہے۔ ایسی دو ٹکے کی لڑکیوں کو تو ہم نوکر بھی نہیں رکھتے۔ نوکر رکھتے ہوئے بھی ہم اس کا شجرہ نسب کو کھنگالتے ہیں۔" عائشہ کے یہ الفاظ کہ اس کا معیار اتنا گھٹیا، سطحی اور عام نہیں ہوگا۔ عادلہ کو یہ الفاظ سیخ پا کر گئے تھے۔

"تو پھر آپ کو ہمارے گھر آنے کی بھی زحمت نہیں کرنا چاہیے تھی بھابی!" عائشہ عادلہ کے اس تکبر بھرے زعم پر اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ بات تم شہوار سے پوچھو کہ اس نے ایاز سے کس قسم کی ڈیلنگ کی ہے۔ جائیداد اور بینک بیلنس میں ایاز سے کتنا مال بٹورنا ہے؟ نجانے اسے کون کون سے سبز باغ دکھائے ہیں کہ ہمیں اس کا رشتہ مانگنے پر مجبور ہونا پڑا۔" شہوار نے سختی سے دروازے کو تھاما، عادلہ کے الفاظ اس کے اعصاب کو بم کی مانند پھوڑ گئے تھے اسے لگا کہ وہ ابھی گر جائے گی۔

"عادلہ بہو! بس اب ایک لفظ بھی نہیں، شہوار کیا ہے ہم اسے اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں؟ تمہارے بھائی نے یہ فیصلہ کیا یا خواہش کی یہ اس کا مسئلہ ہے۔ ہم نے مصطفیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ طے کردیا ہے اگر نہ بھی کیا ہوتا تو بھی ہم نے شہوار کو خاندان سے باہر نہیں بیاہنا تھا۔" مہر النساء بیگم سختی سے گویا ہوئی۔

"وہ اس خاندان کا خون تو نہیں جسے باہر نہیں بیاہا جاسکتا؟" بیگم عبدالقیوم نے اپنی مسلسل خاموشی کو توڑا۔

"یہ تمہاری سوچ اور سمجھ کی باتیں ہیں، ہم تمہیں وضاحت دینا پسند نہیں کرتے۔"

"کسی دو ٹکے کی لڑکیوں کی اوقات کیا ہے بھلا؟" اتنا ہی اسے خاندانی بنانے کا شوق تھا تو پھر اسے کالج میں دوسروں کو سبز باغ دکھانے سے بھی منع کیا ہوتا؟" وہ ایک دم سیخ پا ہی ہوگئی۔

"عادلہ بہو......" مہر النساء بیگم ایک دم غصے سے کھڑی ہوگئیں۔

"کسی سے رشتہ مانگنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے بیگم عبدالقیوم! ہم عزت دار لوگ ہیں اگر تابندہ کی دی ہوئی قسم کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں بتاتے کہ وہ کون اور کس حسب نسب سے تعلق رکھتی ہے؟ ہمیں اس کی جان و آبرو کی فکر ہے ورنہ ہم ابھی تمہاری تمام باتوں کا جواب دیتے بہر حال تم اپنی ماں کے ساتھ اپنے بھائی کے لیے آئیں اس عزت افزائی کا شکریہ اگر دنیا میں کوئی آخری شخص بھی بچا تو بھی ہم تمہارے بھائی کے لیے رشتہ قبول نہ کرتے۔ ہم ایک دفعہ ہی تم لوگوں سے رشتہ کرکے پچھتا رہے ہیں، یہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا کہ کون نیچ اور دو ٹکے کا حامل ہے۔ ہم اب مزید ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہتے۔" غصے کی زیادتی کے باوجود بڑے تحمل سے وہ گویا تھیں۔

"آپ اچھا نہیں کر رہیں، پچھتائیں گی۔" عادلہ بھی نخوت سے گویا ہوئی۔

"تمہیں اس گھر میں لاکر جو پچھتا رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا پچھتانا؟"

"دیکھا مام! یہ ہے ویلیو اس گھر میں میری، ہم نے تو بھلا سوچا تھا مگر ایسے گندے لوگوں کو عزت راس کب آتی ہے، نجانے کس کا گندا خون ہے؟"

"عادلہ......" مہر النساء بیگم کی آواز پر وہ تینوں دہل کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

"ماں جی پلیز آرام سے، سکون سے۔" عائشہ نے فوراً ماں کا غصے سے کانپتا وجود تھاما۔ شہوار ایک دم اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"آپ پلیز بھابی اس وقت خاموش رہیں۔" صبا بھی غصے سے گویا ہوئی۔ دوسری طرف سے آکر ماں کو تھاما۔ عادلہ جس قدر بدسلوکی پر اتر آئی تھی اب بولنا ناگزیر ہوچکا تھا۔

"ہاں کسی کو آئینہ دکھائیں تو وہ اسی طرح چیختا چلاتا ہے۔" یہ تو وہ گھر سے ہی طے کرکے چلی آئی تھی کہ بیگم عبدالقیوم صرف رشتے کی بات چھیڑیں گی مگر عادلہ کے معاملے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہیں گی اور وہ عادلہ کی پرفارمنس سے مطمئن تھیں۔

"ہاں دوسروں کو آئینہ دکھانا آسان ہے مگر آئینے میں اپنی کریہہ، بدصورت شکل دیکھنا مشکل ہوتا ہے بھابی! آپ نے تو آج انتہا کردی، کچھ تو سوچا ہوتا کہ یہ آپ کا اپنا گھر ہے، اپنے ہی بچوں کو کھا جانے کی عادت سانپ کی ہوتی ہے آپ کی اخلاقیات نجانے کیا ہیں؟ شاید دوسروں کی کردار کشی کرکے، اسے ذلیل کرکے آپ کو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اول روز سے آپ نے شہوار کے ساتھ بیر باندھ رکھا ہے مگر افسوس آپ کی ان تمام حرکتوں اور الزامات سے آپ کا کردار بہت کھل کر واضح صورت میں سامنے آگیا ہے۔" عائشہ نے خاصی تلخی سے جوابی کارروائی کی۔

"شہوار پر ہمیں ایسے ہی اعتبار ہے جیسے کوئی انسان اپنی ذات پر کرتا ہے۔ آپ کو شاید اپنی ذات اپنے کردار یا اپنے بھائی کے معاملات پر شک ہو مگر ہمیں نہیں ہے۔" صبا کو بھی عادلہ کی باتیں زخمی کرگئی تھیں پھر وہ کس طرح خاموش رہتی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں کیا کرتے ہو تم لوگ؟ مجھے ذلیل کرکے اچھا نہیں کیا اب دیکھنا شہوار کو کیسے مصطفیٰ کا ہونے دیتی ہوں۔ میری بہن کو ٹھکرا کر ایک دو ٹکے کی لڑکی کو چنا۔ حیرت ہے وہ اتنے گھٹیا کردار کی نکلی کہ میرے بھائی کو بھی نہ بخشا ہم تو پھر عزت سے بیاہنا چاہتے تھے مگر......"

"چلیں مام! اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں تو آپ کو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے رہے ہیں؟ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، یہ بےعزتی اور ذلت سہتی ہوں میں یہاں روزانہ......" عادلہ نے ایک دم پینترا بدلا، چھم چھم روتے ماں کا ہاتھ پکڑے وہ وہاں سے چلی گئی۔ ماں جی بےدم سی ہوکر صوفے پر گری تھیں۔

"ماں جی ریلیکس کچھ نہیں ہوا آپ کو ان کی طبیعت اور مزاج کا پتا تو ہے نا۔ جب کسی طرح زور نہیں چلا تو یہ نیا ڈرامہ کرنے چلی آئی اور اس کے لوفر آوارہ لفنگے بھائی کو کیا ہم نہیں جانتے۔ کوئی بھی صاحب نظر انسان اس پر ایک نظر ڈال کر ہی اس کی تمام خوبیوں کا ادراک حاصل کرلیتا ہے۔ محض ہم کو اور شہوار کو اذیت دینے کا مقصد تھا اور کچھ نہیں۔" لائبہ نے ان کے دونوں یخ سرد ہاتھ تھام کر تسلی دی تو انہوں نے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

"وہ شروع سے ہی شہوار سے دشمنی رکھتی ہے، شہوار کو پتا چلے تو کتنی تکلیف ہوگی اس کو۔ نجانے اسے کس کس طرح کن کن الفاظ میں ذلیل کرتی رہی ہے اور وہ معصوم شریف لڑکی کبھی ایک لفظ بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ ایسے خیالات ذرا تابندہ یا شہوار سن لیں تو کبھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کریں ہم سے۔" ماں جی اب بہت آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"دھمکی دے کر گئی ہے ایسے فتنہ پرور لوگوں سے کیا بعید؟ میرے دل میں تو ہول اٹھنے لگے ہیں' کیا بدشگونی کر گئی ہے۔ آئیں تمہارے بابا جان بات کرتی ہوں ان سے اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور پینترا بدلے میں اس جمعے کو نکاح کروا دیتی ہوں۔" صبا نے انہیں پانی پلا کر ریلیکس کرنا چاہا۔

"مجھے تو رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا ہے پہلے ہی خاصی حساس ہے۔ ذرا بھی پتا چلے عادلہ بھابی اور ان کی باتوں کا تو نجانے وہ تو کیا کچھ سوچ لے۔" صبا کو بھی عادلہ کی سوچ پر تاسف تھا۔

"اچھا ہوا وہ ادھر نہیں آئی' تم میں سے کوئی بھی اسے عادلہ یا اس کی باتوں کا نہیں بتائے گا' مجھے تو شرمندگی ہو رہی ہے' کیسے گھٹیا خیالات ہیں عادلہ کے ذرا بھی انسانیت نہیں برتی۔ شہوار بچی سن لے تو نجانے کیا سوچے؟"

"ایک بات تو بتائیں ماں جی! تابندہ بوا کا تو پتا چلتا ہے کہ وہ ہماری دور پرے کی رشتہ دار ہیں مگر شہوار کے والد کا تعلق کہاں سے ہے؟" یہ فطری سوال تھا جو بارہا دل میں اٹھا تھا مگر عادلہ جس طرح شہوار کی ذات پر کیچڑ اچھال رہی تھی اور مہر النساء بیگم اس کا دفاع کر رہی تھیں تو صبا' عائشہ سب کے دلوں میں تابندہ بوا کے ماضی کو جاننے کی ایک جستجو ضرور پیدا ہوئی تھی۔ عائشہ نے سوال کیا تو ماں جی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تابندہ نے آج تک کچھ نہیں بتایا جو بتایا وہ تم لوگوں کو پتا ہے۔"

"اور جو آپ عادلہ بھابی کے سامنے تابندہ بوا کی قسم وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں؟" صبا الجھ گئی تھی یہی حال لائبہ اور عائشہ کا بھی تھا۔

"وہ تو عادلہ کا منہ بند کرنے اور زبان کو لگام ڈالنے کے لیے کہا تھا۔ بہر حال تابندہ کے ماضی کے بارے میں ہم بھی زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ ہاں شروع میں جب تابندہ ادھر آئی تھی تو تمہارے بابا سکندر علی کے خاندان والوں سے ملے تھے اس کے ماں باپ وفات پا چکے تھے' ایک چچا تھا جو قریب المرگ تھا' ملازم کے رحم و کرم پر تھا باقی اولاد چچا کی باہر کے ملک میں سیٹل ہو گئی تھی۔ چچا نے سکندر علی کی وراثت و جائیداد پر قبضہ کر کے اسے بے دخل کر دیا تھا اور پھر شوہر کی وفات پر تابندہ حویلی میں آ گئی تو چچا اپنی بداعمالی کے سبب قدرت کی گرفت میں آ گئے۔ اولاد سارا مال اسباب سمیٹ کر باہر جا بسی اور بیمار باپ ملازم کے آسرے پر رہ گیا' اس کے بعد تمہارے بابا دوبارہ اس شخص کے پاس نہیں گئے' نجانے وہ شخص مر گیا یا زندہ ہے۔" مہر النساء بیگم نے ماضی کا ایک واقعہ سنایا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھانے لگے۔

"اور انکل سکندر علی جو تھے ان کی وفات کیسے ہوئی؟" صبا نے سوال کیا۔

"تابندہ جب یہاں آئی تھی تو گم صم اور ذہنی توازن کھو چکی تھی پھر آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گئی' پھر ہم نے بھی زیادہ بات چیت نہیں کی اس کے ماضی سے متعلق۔ شروع میں تو وہ ذرا سی بات پر چڑ جاتی تھی' کئی دنوں تک بے حواس رہی تھی۔ شوہر سے بہت محبت تھی اس کو جب وہ ہمارے پاس آئی تھی تو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا' وہ ہفتوں اسپتال میں رہی تھی۔ ان دنوں میرے ہاں صبا پیدا ہوئی تھی' شہوار چند ماہ کی بچی تھی' مجھے ہی اسے سنبھالنا پڑا تھا۔ کئی ماہ لگے تھے تابندہ کو سنبھلنے میں تنہا عورت وہ بھی تابندہ جیسی خوب صورت ہو تو بھلا معاشرہ کب جینے دیتا ہے؟ چند ماہ میرے ساتھ رہیں اور پھر اس نے خود ہی کہا کہ اسے حویلی میں رہنے دیں۔ ہماری اپنی ذمہ داریاں تھیں' بچے تھے' تابندہ حویلی چلی گئی تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دکھ بھی کم پڑنے لگا۔ کبھی اس نے براہ راست اپنے ماضی کے بارے میں نہیں بتایا۔ شروع شروع میں اس کے شوہر کے بارے میں پوچھتے کہ وہ کون تھا کیا تھا؟ ان سوالوں پر رو پڑتی تھی' ہمیں تو شروع میں یہ بھی نہیں پتا چلا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا فوت ہو گیا پھر سنبھلنے کے بعد تابندہ نے خود ہی بتایا کہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں' ایک شوہر کا آسرا تھا اب وہ بھی نہیں رہا۔ شروع شروع میں وہ چند نام لیتی تھی حمزہ اور شانزہ پھر اس نے یہ نام لینا بھی چھوڑ دیئے' نجانے کون تھے؟ اب تو وہ بہت بدل گئی ہے' ایک پردہ دار اور دین دار عورت بن گئی ہے۔"

"جس طرح ہمارے دلوں میں یہ سب جاننے کی جستجو پیدا ہوئی ہے یقیناً شہوار کے دل میں بھی ہوتی ہوگی۔ اپنے والدین اپنے رشتہ داروں کے بارے میں تو ہر طرح سے ہر کوئی کانشس رہتا ہے' ہو سکتا ہے اس کا دل بھی کرتا ہو اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے کو' ان کے پاس جانے کو۔" صبا نے خیال آرائی کی۔

"ہاں فطری سی بات ہے مگر شہوار ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی ہے' اپنی ماں کی مجبوریاں اور مسائل سمجھتی ہے' جس عمر میں بچے

بحث کرتے ہیں' ضدیں منواتے ہیں' کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں اس عمر میں بھی وہ بہت سمجھدار اور پڑھائی کی طرف متوجہ رہی تھی۔ کبھی اوٹ پٹانگ حرکت میں شامل نہیں ہوئی' کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے نیک سمجھی ہوئی بچی ہے خاندان میں یا باہر کہیں سے بھی بہو لاتی مگر شہوار نہ ہوتی۔ عادلہ کے بعد تو دل ڈر گیا ہے' ماشاء اللہ لائبہ نے کسر پوری کر دی ہے مگر مصطفیٰ جس مزاج اور طبیعت کا مالک ہے تو مجھے شہوار ہی مناسب لگی۔ سچ کہوں تو میں نے شہوار سے زیادہ اپنے خاندان اپنے بیٹے کی خوشیوں اور اولاد کا سوچا ہے۔ آگے ان کی قسمت۔"

"بے فکر رہیں' بہت اچھی اور پرفیکٹ جوڑی ہے' ان شاء اللہ دونوں ایک ساتھ بہت خوش بھی رہیں گے۔" لائبہ بھابی نے مسکرا کر مہر النساء بیگم کو حوصلہ دیا۔

"شہوار کو دیکھو صبا! کہاں ہے؟ مجھے تو فکر لگ گئی ہے عادلہ کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کیا کہہ دے؟ اس کی ذرا سی دل آزاری ہو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر ان گزرے دو تین دنوں نے بچی کو بیمار کر کے نڈھال کر ڈالا ہے' اسی لیے تو تم لوگوں کو آنے کا کہا تھا کہ اس کے پاس اٹھو بیٹھو دل بہلاؤ کہ اسے اکیلے پن اور تنہائی کا احساس نہ ہو۔"

"اپنے کمرے میں ہی تھی' میں دیکھتی ہوں۔" صبا اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

"شہوار......" شہوار چادر سر تک تانے لیٹی ہوئی تھی۔

"سو گئی ہو؟" اس نے پوچھا ایک دو منٹ کھڑی رہی اور پھر کوئی جواب نہ پا کر اسے ڈسٹرب کیے بغیر دوبارہ باہر نکل آئی یہ دیکھے بغیر کہ وہ چادر سر تک تانے سب سے آنسو چھپانے کو عادلہ کی باتوں کا ماتم کرتے رونے کا شغل فرما رہی ہے یا سونے کا۔



وہ کافی تھکے ہارے انداز میں گھر میں داخل ہوئی تھی سامنے ہی امی جی صحن میں چارپائی پر بیٹھیں سبزی بنا رہی تھیں' بھابی بھی پاس ہی تھیں' فائزہ ان کی گود میں تھی۔

"السلام علیکم!" ثریا بیگم نے سر اٹھا کر اپنی بیٹی کو دیکھا۔ جو آج کچھ زیادہ ہی تھکی ماندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"وعلیکم السلام!" رابعہ ماں کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

"کیا بنا انٹرویو کا؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے منہ کے خاصے بُرے بُرے زاویے بنائے۔

"وہی جو پچھلے تمام انٹرویوز کا بنتا آیا ہے' کیا فائدہ اتنا پڑھنے کا' جب پڑھ رہے تھے تو اساتذہ حضرات سبز باغ دکھاتے تھے ایم سی ایس نہ ہوا کوئی جادو کی چھڑی ہو گیا۔ رزلٹ ہاتھ میں آتے ہی جسے ہلایا نوکری حاضر جناب! اب تین چار ماہ سے جوتیاں چٹخا رہی ہوں تو اپنے ملک میں بے روزگاری کا پتا چل رہا ہے۔" وہ تو خاصی بھری بیٹھی تھی' ایک دم شروع ہو گئی۔ ماں جی مسکرا دیں تو بھابی بھی ہنس دیں۔

"تو تمہیں ضرورت بھی کیا ہے نوکری کی آرام سے گھر بیٹھو بلکہ میں تو تمہارے بھائی کو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ بس کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر تمہیں اپنے گھر کا کریں۔"

"اُف...... پھر وہی باتیں۔" رابعہ نے غصے سے ماں کو دیکھا۔

"آپ کو صاف الفاظ میں کہہ رہی ہوں کہ دو تین سال تک اس سلسلے میں سوچیے گا بھی نہیں' ہاں اس کے بعد دیکھوں گی۔" رابعہ کا وہی مخصوص منہ پھٹ انداز تھا۔ ماں جی نے غصے سے دیکھا۔

"بوڑھا نہیں کرنا تمہیں بٹھا کر' آج کل لوگ ڈگریاں دیکھ کر انگلیوں پر سال گنتے ہیں اور دو سال مزید گزرے تو پھر کوئی مناسب رشتہ بھی نہیں ملنے والا۔"

"تو نہ ملے؟" رابعہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے' امی کو بے پناہ غصہ آیا مگر بھابی کے اشارہ کرنے پر چپ ہو گئیں۔

"کھانا کھاؤ گی؟" بھابی فائزہ کو سنبھالتے کھڑی ہو گئیں اور ساتھ میں پوچھا بھی۔

"ہاں کھاؤں گی مگر چینج کرنے کے بعد۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ لباس بدل کر بالوں کو کیچر میں جکڑتے منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلی تو امی کے پاس صحن میں فیضان ماموں بھی بیٹھے دکھائی دیے۔

''السلام علیکم ماموں!'' وہ اسی طرف چلی آئی۔
وعلیکم السلام!'' انہوں نے شفقت بھری نگاہ سے رابعہ کو دیکھا۔
''کیا بنا انٹرویو کا؟'' وہ صبح ان کے ساتھ ہی انٹرویو کے لیے گھر سے نکلی تھی ماموں کو بجلی اور گیس کے بل جمع کروانے تھے چند ایک دو اور کام بھی تھے اسے متعلقہ جگہ چھوڑ کر خود وہ چلے گئے تھے اور یقیناً اب لوٹے تھے۔
''قورمہ......'' ماموں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی برآمدے سے کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب رکھ کر بیٹھ گئی' ماموں اس کے جواب پر ہنس دیئے۔
''پھر تو کافی مزے دار بنا ہوگا؟'' ماموں کی برجستگی پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
''تو اور کیا......'' وہ کون سا کسی سے کم تھی فوراً جواب حاضر تھا امی نے گھورا۔
انہیں یوں بات بے بات پٹر پٹر زبان چلاتی لڑکیاں انتہائی زہر لگتی تھیں۔
''اب بنتی نہ ہو خود بھی جا کر کھانا کھاؤ اور ماموں کے لیے بھی لاؤ۔'' امی کے کہنے پر منہ بنا کر اٹھنے لگی تو بھابی کو ٹرے میں کھانا لاتے دیکھ کر واپس بیٹھ گئی۔ بھابی نے کھانا ماموں کے سامنے بھی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔ ماموں ہاتھ منہ دھو آئے تو دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔
''ہاتھ پر ہاتھ دھرے مت بیٹھ جانا' میں باہر سے کچھ اخبار لے کر آیا ہوں' ان میں مختلف جگہوں پر کچھ ایڈز ہیں وہ دیکھ لو جو مناسب لگے دات کو بیٹھ کر ڈسکس کرلیں گے ملک میں بے روزگاری کا یہی عالم ہے ہمت کرتی رہنا کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں نوکری مل ہی جائے گی۔ تمہارا گریڈ بھی اچھا ہے تھوڑا وقت لگے گا مگر سیٹل ہوجاؤ گی۔'' کھانا کھانے کے بعد ماموں نے کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔
''فیضان بھائی! اسے ایسی شہہ مت دیں میں تو کہتی ہوں کہ اچھا سا رشتہ دیکھ کر چلتا کریں آئے سہیل کا فون اس سے بھی بات کرتی ہوں' پہلے پڑھائی کا مسئلہ تھا تو میں چپ رہی اب یہ نوکری ووکری کے چکر چھوڑے آرام سے اگلے گھر کی تیاریاں کرلے۔'' ماموں بھانجی کی باتیں سن کر امی جی نے فوراً تنبیہی بیان جاری کردیا۔
''ماموں جی۔'' ماں کی بات پر اس نے فوراً ماموں کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔
''بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے آپا! سہیل سے بھی کہہ لیں میں بھی جاننے والوں کو کسی اچھے سے رشتے کے متعلق کہہ دوں گا مگر جب تک کوئی سلسلہ نہیں شروع ہوتا' رابعہ فارغ گھر بیٹھنے کی بجائے جاب کرے تو ذہن بھی بٹا رہے گا اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔'' ماموں کے سیاسی بیان پر رابعہ نے منہ بنایا۔
''میں نے نہیں کرنی اگلے تین چار سال تک شادی' پہلے جاب کروں گی جو پڑھا ہے اس کو عملی زندگی میں اپلائی کروں گی اور پھر شادی کا سوچوں گی۔'' کھانا کھالیا تھا سو وہ برتن ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی' امی نے اس کو ماموں کے سامنے یوں صاف بدلحاظ جواب پر خاصے کڑے تیوروں سے دیکھا۔
''دیکھ لیا فیضان! دن بدن اتنی بدلحاظ ہوتی جارہی ہے' ادھر شادی کی بات کروں ادھر پٹاخ سے جواب حاضر۔'' امی جی کا غصہ ایک دم سوا نیزے پر جا پہنچا تھا۔
''جانے دیں آپا! بچی ہے آپ رشتہ دیکھیں' یہی مناسب عمر ہوتی ہے بچیوں کو اپنے گھر بار کا کردینے والی۔ وقت پر اپنے گھر کی ہوجائیں تو ٹینشن ختم ہوجاتی ہے۔ ابھی بچی ہے جاب کرنے کی ضد ہے کرنے دیں' چند ماہ عملی زندگی میں لوگوں کا سامنا کرے گی تو خود سمجھ جائے گی کہ کس قدر مشکل ہے باہر کی دنیا۔ جہاں تک شادی کی بات ہے جہاں آپ نے رشتہ کردیا ہونی تو وہیں ہے نا۔ ویسے رابعہ کی پھوپی بھی اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہی تھیں اس بارے میں کیا سوچا پھر۔'' فیضان ماموں نے ہمیشہ والے تحمل اور اطمینان سے کہا تو ثریا بیگم کا غصہ کم ہوگیا۔
''مجھے نہیں پسند وہ خاندان' لڑکا پڑھا لکھا ہوتا تو میں سوچتی بھی؟ صرف ایف اے پاس ہے' اکلوتا ہے تو کیا کروں باپ کی کپڑے کی چھوٹی سی دکان ہے۔ جس کی آمدنی صرف اتنی ہے کہ جب بھی ملاقات ہو نند صاحبہ تنگی کا رونا روتی نظر آتی ہیں۔ اب رابعہ نے ایم سی ایس کرلیا ہے تو انہیں بھی مجھ سے رشتہ داری یاد آ گئی ہے' اتنی سی تھی رابعہ جب اس کا باپ مرا تھا' دونوں بچیوں کو لے کر آپ اور ابا جی کے پاس آنا پڑا' کبھی سسرال میں سے کسی نے پلٹ کر خبر تک نہ لی اور برسوں بعد ملنا ملانا ہوا بھی تو سارے جہاں

کے آوارہ کاہل اور کام چور بیٹے کا رشتہ مانگنے چلی آئیں۔ جہاں میں نے سہیل کا غیروں میں ڈھونڈ ڈھانڈ کر کرلیا تھا اب بھی کہیں باہر ہی دیکھ لوں گی۔'' امی جی کے جواب پر فیضان ماموں محض سر ہلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
''اچھا فیصلہ ہے مجھے بھی وہ فیملی پسند نہیں۔ میرے کچھ جاننے والے ہیں اور پھر اسٹوڈنٹس بھی آتے رہتے ہیں میں دھیان رکھوں گا اگر کوئی لڑکا پسند آتا ہے تو بات چلاتا ہوں۔'' فیضان ماموں کی بات پر امی جی ایک دم خاموش ہوگئیں۔
''ضرور...... میں چاہتی ہوں کہ سہیل کے بعد اب رابعہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں' ابا جی کے بعد تو اب ہر وقت ہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نجانے کب باری آجائے۔'' ثریا بیگم کی بات پر ماموں مسکرا دیئے۔
''اللہ بہتر کرے گا' میں کوشش کروں گا۔'' وہ تسلی دے کر اپنی مخصوص بیٹھک کی طرف بڑھ گئے جہاں تین بجے کے بعد ان کے طالب علم ان سے پڑھنے آجاتے تھے تو پھر وہ رات آٹھ نو بجے کے بعد ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے۔

❁......❁......❁

عادلہ اور اس کی والدہ کی روانگی کے بعد وہ باقی سارا وقت کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ عائشہ اور صبا کئی بار اس کے کمرے میں جھانک چکی تھیں مگر وہ ہر بار سوتی ہی بنی رہی اور مغرب کے بعد وہ کمرے سے نکلی بھی تو سبھی کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ شہوار نے شکر ادا کیا کہ خوامخواہ کی جرح سے بچ گئی۔
وہ کچن میں جانے کی بجائے ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی' اس دوران تینوں مرد بھی گھر میں آچکے تھے' مصطفی نے فون کرکے آج لیٹ آنے کا بتایا تھا۔ رات کے کھانے پر بھی وہ خاموش رہی' صبا اور عائشہ نے ہی اسے چند ایک بار مخاطب کیا تو اس نے جواب دے دیا' مجموعی طور پر وہ خلاف معمول خاموش ہی رہی تھی۔
کھانے کے بعد کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ وہ اپنے اور مصطفی کے ساتھ طے پائے جانے والے رشتہ پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتی تھی۔ بڑوں کا جو بھی فیصلہ تھا مگر عادلہ اور اس کی ماں کی آج کی آمد اور گفتگو کے بعد وہ اس رشتے کے متعلق مزید غیر مطمئن ہوچکی تھی۔ جس طرح عادلہ اور اس کی ماں نے سب کے سامنے ایاز والے معاملے کو اس کی ذات سے جوڑتے اسے مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی تھی شہوار کو لگ رہا تھا کہ عادلہ نے اسے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے جہاں سے اب وہ کبھی نکل نہ پائے گی۔ بے شک مہر النساء بیگم' عائشہ' صبا اور لائبہ بھابی نے اس کی ذات کا دفاع کیا تھا مگر شہوار کو لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ہی نگاہوں سے گرگئی ہے۔ یہ تو شکر تھا کہ معاملہ فی الحال بڑوں کی پہنچ سے دور تھا اگر گھر کے مردوں خصوصاً مصطفی کو پتا چل گیا تو وہ جیتے جی مرجائے گی۔ آج اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ شہوار سکندر علی کو لگ رہا تھا کہ اس دن کینٹین کے احاطے میں سہی جانے والی ذلت اس گھر کی چار دیواری میں اٹھائی جانے والی ذلت کا ایک فیصد بھی نہ تھی۔ اصل ذلت تو آج دیکھی تھی۔ اس کے لیے بے نام ونشان ہونے کا طعنہ کیسا اذیت ناک تھا۔ کیسا ذلت آمیز تھا' عادلہ کے الفاظ اس کا نخوت بھرا انداز' شہوار کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں اتھاہ گہرائیوں میں جاگرے اور کبھی دنیا کے سامنے نہ آئے۔ عادلہ اور اس کی ماں کے جانے کے بعد وہ بہت شدت سے روئی تھی مگر اب سوچ سوچ کر دماغ بالکل ماؤف ہوچکا تھا' بے قراری تھی کہ حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ اذیت سے ٹیرس کی ریلنگ کی دیوار سے کمر ٹکا کر ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گئی۔ اب وہ روئے دھوئے جذباتی ہوئے بغیر اس سارے مسئلے کا حل سوچنا چاہتی تھی یوں کہ مصطفی کے ساتھ طے پایا جانے والا یہ نیا رشتہ بھی ختم ہوجائے اور ایاز والا معاملہ بھی سلجھ جائے۔ اپنی کنپٹیوں کو سہلاتے وہ اس معاملے پر سوچ رہی تھی کہ اس کے ہاتھ میں دبے موبائل نے بپ دینا شروع کردی' اس نے بیزاری سے اسکرین کی طرف دیکھا وہاں تابندہ بی کا نمبر تھا آج سارا دن کئی بار کالز آئی تھیں مگر اس نے ایک بار بھی ریسیو نہیں کی تھی اور اب پھر ان کی کال تھی۔ شہوار چند پل لب بھینچے اسکرین کو گھورتی رہی پھر کچھ سوچ کر ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔
''السلام علیکم!'' اس کا سنجیدہ انداز تھا۔
''وعلیکم السلام!'' دوسری طرف تابندہ بی کا پُرجوش انداز تھا۔
''کیسی ہو؟'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہوں..... آپ سنائیں۔''

''اللہ کا بڑا کرم ہے آج میں نے کئی بار کالز کیں مگر تم نے ریسیو ہی نہیں کیں؟ کیا ابھی تک ماں سے ناراض ہو؟'' انہوں نے پوچھا تو شہوار خاموش ہی رہی۔

''شہوار بیٹا! ایسا کب تک چلے گا؟'' اس کی خاموشی پر انہوں نے رنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر سے ایک دم تلملاہٹ جاگ اٹھی۔

''آپ نے جو کرنا تھا کرلیا؟ اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ میرے انکار کے باوجود آپ نے اس رشتے کے لیے ہامی بھرلی بلکہ مزید اقدامات بھی طے پالیے گئے اور مجھے خبر تک ہونے نہ دی؟ میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں آپ کو اس سے کیا غرض' بس آپ کی خواہش تو پوری ہورہی ہے نا۔'' وہ خاصی تلخی سے بات کررہی تھی اس کے اندر کی ساری تلخی اس کی زبان کی نوک میں در آئی تھی۔

''شہوار بیٹا! ماں سے اتنی بدگمانی؟'' دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ردعمل پر ششدر رہ گئیں۔ شہوار ناراض ہے خوش نہیں مگر اس حد تک بدگمان ہوجائے گی انہیں توقع نہ تھی۔

''میں بدگمان نہیں ہوں بٹ! آپ نے مجھے جسٹی فائی نہیں کیا' میرے کسی اعتراض کسی انکار کو اہمیت نہ دی اور ادھر میں کن کن حالات کو فیس کررہی ہوں آپ کو کیا خبر؟ آپ کے لیے یہ خاندان اہم ہوگا مگر میرے لیے میرا کردار میری انا اور میری عزت نفس بہت ویلیو رکھتی ہے' میں محض ایک رشتے کے عوض ذلت نہیں اٹھانا چاہتی۔'' تابندہ بی کے الفاظ پر وہ زودرنج ہوتے کہہ رہی تھی۔

''تم جذباتی ہوتے ہوئے صرف تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی ہو جب کہ میں نے بہت عرصہ سوچنے کے بعد یہ انتہائی فیصلہ کیا ہے' کیا تمہیں اپنی ماں اس کی زبان پر کوئی اعتبار نہیں یا پھر اب اپنی ماں کے فیصلے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو بھی جھٹلانے پر کمربستہ ہوں۔'' شہوار کے اس قدر جذباتی پن نے تابندہ بی کو حقیقی دکھ سے دوچار کیا تو بہت دکھ و غصے سے بولیں۔

''امی جی پلیز..... میں آپ کے وجود یا آپ کی زبان کو کیونکر جھٹلاؤں گی مگر میری برداشت میری ذات کے لیے یہ فیصلہ بہت زیادہ تلخ ہے آپ اگر یہاں کی صورت حال جان لیں تو خود نظر ثانی کرنے کا سوچ لیں' میرا آپ کے سوا اس دنیا میں اور کون ہے؟ دنیاوی رشتے ناطے سب ایک طرف مگر آپ کا وجود ایک طرف.....'' ماں کے غصے و دکھ سے لبریز الفاظ پر وہ خود بھی ازحد آزردہ ہوگئی تھی۔ اتنی دور بیٹھی ماں کو اپنے الفاظ سے اذیت دینا اس کا مقصد نہ تھا مگر وہ خود اس وقت جس اذیت کا شکار تھی ان کو اس کے متعلق کیسے بتاتی؟

''تم جذباتی ہورہی ہو' میں نے سب سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے میری جان! تمہیں جو بھی خدشات ہیں وہ سب وقتی ہیں میں اس گھرانے کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں نے تم سے کیا سب سے اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں شہوار کہ تم کسی عام خاندان یا عام باپ کی اولاد ہو۔ تم جس شخص کی اولاد ہو وہ کوئی عام شخص نہ تھا' مجھے ابھی کانٹوں پر مت گھسیٹو وقت و حالات سب تمہارے سامنے واضح کردیں گے کہ میرا فیصلہ کتنا درست تھا میں صرف تمہاری اور بہت سے لوگوں کی بقا کے لیے خاموش ہوں' میری جان ورنہ میں تمہیں بتاتی کہ تمہاری ماں اور باپ کوئی عام انسان نہ تھے نہ مالی نہ نسبتی لحاظ سے۔'' شہوار کے الفاظ نے انہیں اس حد تک آزردہ کردیا کہ وہ شدت سے رودیں' شہوار کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔

''امی جی پلیز..... اسی لیے آج تک میں نے آپ سے کوئی سوال نہیں کیا' میں نے بچپن سے لے کر آج تک جب بھی اپنا ماضی جاننا چاہا آپ کا یہی ردعمل رہا آج بھی میں اپنی زبان سی لیتی ہوں مگر آپ کو کیا بتاؤں میں ادھر کس اذیت کا شکار ہوں' میرے کردار' میری ذات پر مصطفیٰ کو پھنسانے کے الزامات لگائے جارہے ہیں کہ میں کم نسب و کم حیثیت ہوں' بے نام و نشان وجود ہوں۔ آپ تو زبان سی کر بیٹھ گئی ہیں' ادھر آ کر دیکھیں میں کیا کیا الفاظ سہہ رہی ہوں' روز ایک نئی اذیت کا عذاب جھیلتی ہوں' روز لفظوں کے نشتروں سے گھائل کی جاتی ہوں۔ میں مصطفیٰ اور اس خاندان کی شرافت' محبت و احسانات کو نہیں بھلا رہی مگر امی جی یہاں ان لوگوں سے ہٹ کر اور لوگ بھی آباد ہیں' جو قدم بہ قدم پر مجھے میری حیثیت اور اوقات یاد دلانے کو کمربستہ رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی جانب سے آخر کب تک آنکھیں اور کان بند رکھوں؟'' ماں کی اذیت ان کا پھوٹ پھوٹ کر رونا' اس کے اندر ایسے شگاف ڈال گیا تھا کہ ایک دم دکھ اور غم کی گہری لپیٹ میں آ گئی۔

''ابھی تم مجھ سے کچھ مت پوچھو؟ جس دن مجھے کوئی رستہ مل گیا میں خود ساری دنیا کو بتادوں گی کہ میں کون ہوں؟ تمہارا باپ کون تھا؟ ابھی وقت کا انتظار کرلو کچھ دیر صبر کی اذیت سہنا ہوگی۔ میرے زندگی کے بہت سے تارے ٹوٹ کر کہیں گم ہوگئے ہیں' ابھی تو انہیں تلاش کرنا ہے۔ جب کوئی نشان مل گیا خود سب کو بتادوں گی' ابھی اپنی ماں کو اذیت کی اس گہری برزخ میں مت دھکیلو۔ میں نے بڑی مشکل سے زندگی کی ان سانسوں کو سنبھالے رکھا ہے۔ ایک آس ہے جو مرنے نہیں دیتی' ایک امید ہے جو زندہ رکھے ہوئے ہے' کیا ماں کو ابھی سے ماردینے کا ارادہ ہے تمہارا۔'' تابندہ بی کا آج سارا ضبط شہوار کے جذباتی پن نے کچل ڈالا تھا' وہ چاہ کر بھی خود کو نہ سنبھال پارہی تھیں۔ تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر نجانے کس انداز پر اثر کیا کہ وہ ایک دم رودی۔

''اللہ گواہ ہے' میرا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں ہے آپ کچھ نہیں جانتیں یہاں میں کیا کچھ سہہ چکی ہوں؟ مجھے کیا صورت حال درپیش ہے؟ میرے الفاظ نے آپ کو دکھی کیا ہے' مجھے معاف کردیں۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی مگر خود کو بھی نہیں سنبھال پارہی کہ اپنی کردار کشی نے مجھے جذباتی بناڈالا ہے' مجھے سمجھ نہیں آرہی اسی لیے آپ سے بکواس کر ڈالی۔''

''مجھے چند دن اپنے پاس بلوالیں' ادھر رہی تو پاگل ہوجاؤں گی۔ امی جی پلیز کچھ عرصے کے لیے اس رشتے والی بات کو رہنے دیں' میری تعلیم مکمل طور پر متاثر ہوچکی ہے اگر آپ نے مجھے اتنی فیور نہ دی تو میں آپ کو سچ کہہ رہی ہوں میں پھر مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ پاؤں گی' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آجاؤں گی۔'' دوسری طرف تابندہ بی ایک دم سن ہوگئی تھیں۔ تو کیا حالات بہت خراب تھے مگر مصطفیٰ سے بات ہورہی تھی بھابی بیگم سے بھی رابطہ رہتا تھا کسی نے بھی ذکر نہ کیا تھا۔

''میں کئی دن سے کالج نہیں جارہی اگر یہی سلسلہ رہا تو میں سب کچھ چھوڑ دوں گی۔ آپ نے میری ذہنی صلاحیتوں کا بڑا غلط اندازہ لگایا ہے امی جان میں یہ سب نہیں سہہ پارہی۔ میں آپ کے فیصلے کو نہیں جھٹلاتی مگر یہاں کے حالات میری برداشت سے بہت زیادہ ابتر ہیں۔ یہ سلسلہ جہاں ہے ادھر ہی رہنے دیں یا پھر مجھے آکر یہاں سے لے جائیں' پلیز.....'' وہ ازحد ملتجی ہوئی۔

''ٹھیک ہے میں کچھ سوچتی ہوں۔'' تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر گویا آکسیجن کا سا کام کیا اور وہ یک دم پرجوش ہوگئی۔

''شکریہ امی جی! میرے الفاظ نے اگر آپ کو ہرٹ کیا ہے تو اس کے لیے معاف کردیں۔ میرا مقصد آپ کے فیصلے کو جھٹلانا نہ تھا بس میں آپ کے فیصلے کو حد سے زیادہ حساسیت میں جا کر سوچ رہی ہوں اور قبول نہیں کر پارہی' اسی لیے بہت تلخ ہوگئی۔'' اپنے الفاظ کی تلخی کا اسے خود بھی اندازہ تھا' اس لیے معافی مانگنے میں اس نے ایک پل نہ لگایا۔

''جو ہوا اسے جانے دو' تم کل سے کالج جاؤ' میں کچھ سوچ کر پھر کال کروں گی۔ تم پہلے ہی بیماری سے اٹھی ہو' زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ بھی تمہاری رضامندی کے بغیر طے نہیں کروں گی۔'' شہوار نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔ اتنے دنوں کی اذیت تھی اسے لگا کہ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی ہے اور مصطفیٰ شاہزیب سے کل ہونے والی ساری تکرار اور مصطفیٰ کے الفاظ نے جو اذیت دی تھی اسے لگا کہ تابندہ بی کے الفاظ نے کچھ حد تک اس اذیت کا ازالہ کردیا ہے۔

''آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے۔'' مصطفیٰ کے خیال سے اسے کچھ یاد آیا تو اس نے فوراً کہا۔

''وہ کیا.....؟''

''ہمارے درمیان جو بھی بات طے ہوئی ہے یہ ہمارے درمیان ہی رہنے دیں میں نہیں سمجھتی کہ ہماری گفتگو کے متعلق جاننے کا حق مصطفیٰ یا کسی اور فرد کو ہے۔'' شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی ایک دم چونکی تھیں۔

''کیا مصطفیٰ سے تمہاری اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے؟''

''جی! کل تفصیلی بات ہوچکی ہے۔'' اس کے بتانے پر تابندہ بی ایک دم پریشان ہوگئیں۔

''اور تم نے اس سے سب کچھ کہہ دیا؟'' وہ غصے سے پوچھ رہی تھیں۔

''جی.....''

''میرے اللہ.....'' وہ گم صم سی ہوگئیں۔

''تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا؟'' وہ ازحد دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

''اور جو آپ نے انہیں میرے متعلق تمام بریفنگ دے رکھی تھی وہ کیا تھا؟ میں اس رشتے سے ناخوش ہوں آپ سے ناراض ہوں' اماں آپ سے بات نہیں کررہی اس سب کا مصطفیٰ کو الہام نہیں ہوا تھا آپ نے اسے بتایا تھا تو وہ وقتاً فوقتاً بہانے بہانے سے

استفسار کرتا رہتا تھا کل موصوف سے آخرکار رہا نہ گیا تو ڈائریکٹ بات کرلی۔ مجھے اس کے ساتھ ساتھ آپ پر بھی بے حد غصہ تھا وہ تو شکر ہے کہ اس سے گفتگو کے دوران میں نے صرف اپنے احساسات کا اظہار کیا ورنہ تو دل چاہ رہا تھا کہ سیدھا جا کر آنٹی جی کے پاس صاف انکار کردوں۔ کل مصطفیٰ سے گفتگو کے بعد مجھے بہت غصہ آیا تھا آپ پر بھی اور اس پر بھی۔" شہوار کے صاف الفاظ پر وہ خاموش ہوگئیں۔

"امید کرتی ہوں کہ مصطفیٰ سے آپ ہماری یہ گفتگو ڈسکس نہیں کریں گی اور نہ ہی بار بار کال کر کے اس سے آپ رابطہ کریں گی۔ ہمارے درمیان جو بھی معاملہ طے ہوگا ڈائریکٹ ہوگا۔ بغیر کسی تیسرے کی مداخلت کے ہمارے معاملات صرف ہمارے ہیں۔ مصطفیٰ شاہزیب علی کی مداخلت میں قطعی گوارا نہیں کروں گی۔ اس کے باوجود اگر اس سے کہہ سن کر آپ میری ذات کو اس کی نظروں میں ہلکا کرنا چاہتی ہیں تو اور بات ہے۔ بہرحال مصطفیٰ کے پروپوزل سے میں انکاری ہوں یہ صاف واضح اور اٹل بات ہے۔" شہوار نے صاف الفاظ میں دل کے جذبات آشکار کردیئے۔

"ٹھیک ہے اب جو بھی معاملہ طے ہوگا یہ ہمارے درمیان ہی ہوگا۔ مصطفیٰ کو بھی میں نے صرف اس لیے انوالو کیا تھا کہ وہ تمہارا خیال رکھے مجھے پتا چلا کہ کالج لے جانے کی ذمہ داری اس نے خود لی تھی میں سمجھتی تھی کہ بھائی نے مصطفیٰ کی رضامندی سے ہی تمہارا پروپوزل دیا تھا تو یقیناً مصطفیٰ کی تمہارے بارے میں مثبت رائے ہی ہوگی ایسے میں اگر وہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا تو مجھ سے بہتر وہ تمہارے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرسکے گا۔ میرا مقصد اور کوئی نہ تھا محض یہ تھا کہ وہ تمہیں قائل کرے۔"

"مگر افسوس وہ اپنی تمام تر قابلیت کے باوجود مجھے قائل نہ کرپائے؟" شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی خاموش ہی رہیں۔

"یہ طے ہے کہ اب آپ مصطفیٰ کو اس معاملے میں انوالو نہیں کریں گی آپ میری ماں ہی نہیں دوست بھی ہیں۔ میں نے اپنے دل کی ہر اچھی بُری بات آپ سے ہی کہی ہے۔ صرف اس لیے کہ کبھی بھی آپ میری ذات کو کسی کی بھی نگاہوں میں ہلکا نہ پڑنے دیں بہرحال جو بھی ہوا وہ ایک طرف مگر مزید ہمارے کسی بھی معاملے سے مصطفیٰ کو دور ہی رکھیے گا۔"

"ٹھیک۔" تابندہ بی فوراً اس کی بات مان گئیں۔

"میرا کہا سنا معاف کیجیے گا اپنا بہت خیال رکھیے گا میں آپ کے فیصلے کی منتظر رہوں گی۔ آپ کا کافی وقت لیا اب اجازت چاہوں گی۔"

"تم بھی اپنا خیال رکھنا اپنی تعلیم کی طرف توجہ دو اپنی اولاد کو ڈاکٹر بنانے کی خواہش تمہارے باپ کی تھی میں نہیں چاہتی کہ تم اپنی تعلیم کو خیرباد کہہ دو۔ میں جلد ہی کوئی حتمی فیصلہ کر کے تمہیں آگاہ کردوں گی پریشان نہیں ہونا اور ٹینشن بالکل نہیں لینا جو بھی ہوگا ان شاءاللہ بہتر ہی ہوگا۔"

"جی...... ان شاءاللہ!" اس نے بھی فوراً سر ہلایا۔

"اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" موبائل بند ہونے پر وہ ایک دم ہلکی پھلکی سی ہوگئی تھی۔ عادلہ اور اس کی ماں کی آمد کے بعد وہ جس تکلیف اور اذیت کا شکار رہی تھی اب لگا اس اذیت کے شکنجے سے نجات مل گئی ہے وہ بہت سکون اور اطمینان سے نیچے کی طرف جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

❀......❀......❀

شاہزیب صاحب اور ان کی بیگم دونوں اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ مہرالنساء بیگم نے آج عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد کی وجہ سمیت تمام گفتگو ان کے گوش گزار کردی تھی۔ باقی لوگوں کی طرح شاہزیب صاحب بھی ساری بات سن کر از حد برہم ہوئے۔

"عجیب بددماغ لڑکی ہے یہ عادلہ بھی بچی سے نفرت کی یہ نئی راہ نکالی اس نے۔ کیا اس کے خاندان کی حرکتوں سے ہم بے خبر ہیں؟ ہم تو ایک دفعہ ہی لاعلمی میں مارے گئے تھے اب بار بار عادلہ بھی بہن کا اور اب بھائی کا رشتہ لا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہے اور وہ ہے کس خوش فہمی میں؟ ہم شہوار کی بات مصطفیٰ سے طے کرچکے ہیں وہ بے خبر تو نہیں اور جھوٹے الزام وہ اس پر لگائے جو اس کے بھائی کی حقیقت سے بے خبر ہو۔" تمام صورت حال سن کر شاہزیب صاحب خاصے گرم ہوئے۔

"شہوار کو بھی پتا ہے اس ساری صورت حال کا یا نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں! وہ بے خبر ہی ہے۔"

"اچھی بات ہے خوامخواہ بچی کو تکلیف ہوتی۔ یہ تو سیدھی سادی کردار کشی کرنے والی بات ہوئی۔ میں سوچتا ہوں اس کا بھی کوئی حل...... کل پرسوں میرا گاؤں جانے کا ارادہ بن رہا ہے اسی سلسلے میں تابندہ اور بابا صاحب سے بات کر کے کوئی حتمی فیصلہ کرتا ہوں اب تابندہ نے ہاں تو کہہ دی ہے مزید معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔"

"میں تو سوچ رہی ہوں کہ اس آنے والے جمعہ کو نکاح نہ رکھ لیں گھر کی بات ہے زیادہ شور شرابا نہیں کرتے سادگی سے نکاح کردیتے ہیں۔ رخصتی تو تب ہی ہوگی جب شہوار کی تعلیم مکمل ہوجائے گی مصطفیٰ بھی شہوار کے دوران تعلیم شادی کے حق میں نہیں ہے۔"

"مشورہ تو اچھا ہے ویسے بھی اصل فیصلہ تو تابندہ اور بابا صاحب سے صلاح مشورے کے بعد ہی ہوگا۔"

"عائشہ اور صبا آئی ہوئی ہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے جلدی کرلیجیے گا نکاح منگنی جو بھی تقریب ہو تیاری تو کرنا ہی ہوگی۔ میری تو رائے ہے کہ جتنی جلدی یہ تقریب ہوجائے درست ہے عادلہ جیسے بدطبیعت لوگوں کے منہ بند ہوجائیں گے اور لوگوں کو بھی رشتہ طے ہوجانے کا پتا چل جائے گا۔"

"چلو دیکھتے ہیں کل تو فری نہیں ہوں پرسوں کا پروگرام بنا تا ہوں گاؤں جانے کا۔ اصل فیصلہ تو وہاں جا کر ان لوگوں کی رائے کے بعد ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تابندہ نے ہاں تو کردی ہے میں آج کل میں کوئی تیاری کرلوں پھر؟ کپڑے زیورات تو چاہیے ہوں گے نا؟"

"یہ آپ لوگوں کا شعبہ ہے جو مناسب سمجھیں کریں رقم چاہیے تو بینک سے نکلوا لیجیے گا۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" مہرالنساء بیگم ایک دم مطمئن ہوگئی تھیں۔

"اور یہ عادلہ کا کیا پروگرام ہے کافی دن ہوگئے ہیں اسے میکے گئے ہوئے پوچھا نہیں کہ کب واپسی ہوگی؟" انہوں نے دوسرا موضوع چھیڑا۔

"نہیں! میں نے نہیں پوچھا آپ کو بتایا ہے نا کہ اس کی بہن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا دوسرا عباس سے ہی ایک دو بار فون پر بات ہوئی ہے اس کی۔ عباس سے ہر بار ایک ہی بات کرتی ہے کہ علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے تو وہ آئے گی ورنہ نہیں۔"

"یہ لڑکی مسئلے کو خوامخواہ الجھا رہی ہے اور عباس کی کیا رائے ہے؟"

"وہ تو سرے سے عادلہ کو واپس لانے پر راضی ہی نہیں ایک دو بار میری بات ہوئی ہے کہتا ہے کہ وہ تنگ آچکا ہے اس عورت سے اب وہ اس کے ساتھ مزید گزارہ نہیں کرسکتا۔" مہرالنساء بیگم نے اصل بات گوش گزار کی تو وہ خاصی دیر تک گم صم رہے۔ بہرحال ان کے خاندان میں ایسا انتہائی فیصلہ آج تک کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ حالات جیسے بھی ہوتے تھے نبھاہ کیا جاتا تھا مگر یہاں صورت حال ہی مختلف تھی لڑکی رہنے پر راضی نہ تھی اور لڑکا رکھنے پر۔ وہ عباس کو مجبور کرلیتے مگر اب بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ان کے سامنے آرہی تھیں خصوصاً آفاق کی ذات سے عادلہ کی بے پروائی اور اجنبیت انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہی تھی جو عورت بچوں کے حق میں ہی نہ ہو اور بمشکل اگر بچہ پیدا ہوا تو بھی اس کی کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ تھی ایسی عورت شمع محفل تو بن سکتی ہے مگر گرہستن نہیں۔"

"یہ سب عباس کا ہی کیا دھرا ہے پسند کی شادی کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے ہم نے تو بس لڑکی دیکھی تھی اور رشتہ طے کردیا اس وقت ان کا سارا حسب ونسب دیکھتے ماں باپ کا کردار اخلاق ہر چیز پرکھتے ہم نے بھی محض مالی اسٹیٹس دیکھا اور فوراً رضامندی دے کر دونوں کی شادی کروا ڈالی۔ غلطی ہماری بھی ہے جو بھگت رہے ہیں یہ میری زندگی کی سب سے سنگین غلطی ہے وہ لڑکی اس قابل ہی نہ تھی کہ ہمارے خاندان میں داخل ہوتی بہرحال جو ہوگیا سو ہوگیا آخر کب تک وہ ماں باپ کے گھر رہے گی علیحدہ کر بھی دو تو بھی یہی حالات رہیں گے اور عباس کا مسئلہ برقرار رہے گا۔ ہم نے شادی اس لیے کی تھی کہ ہماری نسل آگے بڑھے وہ عورت کسی طور پر تعاون کرنے پر آمادہ ہی نہیں تو کیا کرسکتے ہیں۔ وہ ماں باپ کے گھر جا کر رہنا چاہتی ہے تو رہنے دیں آخر کب تک اس کا باپ اسے اپنے گھر بٹھائے رکھے گا۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر اس نے عباس سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر علیحدہ گھر نہیں تو پھر علیحدگی ہوگی بلکہ مجھے تو لگتا ہے وہ یہ

سب حرکتیں صرف اور صرف عباس سے علیحدگی کے لیے کر رہی ہے۔ دراصل عباس نے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ عادلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت عباس سے ملی تھی مگر پھر عباس سے اس کے فوائد پورے نہیں ہوئے تو اب پینترا بدل رہی ہے۔ وہ کئی بار جائیداد کی تقسیم کی بات کر چکی ہے بلکہ اپنے نام کئی طرح کی اشیاء لکھوانا چاہتی ہے۔ علیحدہ گھر میں وہ ڈیفنس والی نئی خریدی کوٹھی مانگ رہی ہے۔ جو اس کے نام کی جائے۔"

"وہ کوٹھی تو خریدی ہی میں نے مصطفیٰ کے نام سے تھی' کیا وہ جانتی نہیں؟"

"سب جانتی ہے اسی لیے تو کاشفہ کا رشتہ لے کر آئی تھی ہمارے انکار پر ہی تو وہ اب کھل کر سامنے آ رہی ہے۔"

"صد افسوس...... ایسی عورت ہمارے نصیب میں تھی یہ بھی ہماری آزمائش ہے۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اگر اس نے علیحدگی کا مطالبہ زبانی کلامی کی بجائے باقاعدہ کیا تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔ ہم بھی گرے پڑے خاندان کے نہیں ہیں۔ ہمارے خاندانی اخلاق و کردار کے بارے میں ایک عالم جانتا ہے۔ عبدالقیوم جیسے لوگ ہوتے ہیں نو دولتیے...... ایسے لوگوں کو جب بھی دولت ملتی ہے کپڑوں سے باہر نکلنے کی کرتے ہیں۔ عباس کو سمجھایا کریں پریشان نہ ہوا کرے نہ دیکھ لیں گے ہم بھی اس مسئلے کو۔" اپنی طرف سے بات مکمل کر کے انہوں نے سائیڈ پر رکھی کتاب تھام لی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے مہرالنساء بیگم ان کی مزاج آشنا تھیں اسی لیے مزید کوئی بات چھیڑے خود بھی اٹھ گئی تھیں۔



رات کے کھانے کے بعد وہ تینوں خواتین لاؤنج میں بیٹھیں شادی کی تیاریوں کو ڈسکس کر رہی تھیں ضیاء صاحب کو بلڈ پریشر کی شکایت تھی وہ جلدی اٹھ گئے تھے اس وقت وہ کمرے میں آرام کر رہے تھے' وقار صاحب کوئی نیوز چینل لگائے مصروف تھے اور وہ تینوں شادی کے سلسلے میں ہونے والی تیاریوں میں۔

"یہ ولید اور احسن ابھی تک گھر نہیں لوٹے؟" چیزوں کی لسٹ بناتی انا نے سر اٹھا کر ماما کو دیکھا جو روشی سے پوچھ رہی تھیں۔

"کوئی کام ہوگا؟" اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"کوئی کام نہیں دونوں کسی دوست کے پاس رک گئے تھے۔" روشی نے بتایا تو وہ چونکی۔

"کون سا دوست؟" اس کا لہجہ خود بخود سرد ہوا۔

آج صبح ولید کے رویے کی وجہ سے اس کا مزاج خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا جس طرح ولید کی توجہ حاصل ہوئی تھی وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اور سارا دن بہت خوش رہی تھی اور اسی خوشی میں آج اس نے ولید اور احسن کے لیٹ ہونے پر توجہ نہ دی تھی پھر یہ بھی خیال تھا کہ ولید احسن کو لے کر اس لڑکی کو دیکھنے اسپتال تو جانے سے رہا۔ مگر اب روشانے کی زبان سے کسی دوست کا نام سن کر وہ چونک گئی۔

"پتا نہیں ولید بھائی نے کال کر کے بس یہی اطلاع دی تھی کہ وہ اور احسن کسی دوست کے پاس جا رہے ہیں کس دوست کے پاس یہ نہیں بتایا۔" روشانے نے سرسری انداز میں بتایا تو انا نے ایک دم غصے سے نوٹ بک اور قلم ٹیبل پر رکھے۔

"تمہارا بھائی پاکستان آتے ہی کچھ زیادہ ہی دوستیاں نہیں نبھانے لگا ہے۔" اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا روشی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مطلب؟" اس نے پوچھا انا سر جھٹک گئی جب کہ ماما کہنے لگیں۔

"تمہیں کیوں غصہ آ رہا ہے؟ مرد ذات ہیں سو دوست اور جاننے والے ہوتے ہیں۔ خواتین کی طرح گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر بیٹھے رہنے سے تو رہے۔ ہو سکتا ہے احسن کا ہی کوئی دوست ہو جس کے پاس گئے ہوں دونوں۔" ماما کے کہنے پر وہ بظاہر خاموش رہی' روشی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی تو اسے خود پر کنٹرول کرنا پڑا۔ دوبارہ نوٹ بک اور قلم تھام کر لسٹ بنانے میں لگ گئی۔ ماما اسے مختلف چیزوں کے نام بتا رہی تھیں جو وہ لکھتی جا رہی تھیں مگر اندر سینے میں جوار بھاٹے کا سا سماں تھا۔ ذہن مختلف سمتوں کی طرف ایک دم گامزن ہو گیا تھا۔

کون سا دوست ہوگا...... کیا وہی لڑکی ہوگی؟ کتنی خوب صورت حسین اور دلکش تھی وہ لڑکی؟ بے ہوشی میں بھی کیا قیامت ڈھا رہی تھی اور دوسری میزبان لڑکی بھی کچھ کم نہ تھی۔ ماما اسے پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں مگر اس کی توجہ کسی اور ہی طرف تھی۔

"یہ کیا لکھ رہی ہو؟" ماما اسے کئی بار آواز دے چکی تھیں مگر اسے متوجہ نہ پا کر آخر کار روشی کو ہی اس کی طرف دھیان دینا پڑا اور نوٹ بک دیکھ کر چیخی۔

"کیا ہوا؟" انا نے بھی گھبرا کر نوٹ بک دیکھی اور زبان دانتوں تلے دبالی۔ اپنی رو میں نجانے وہ کیا بیل بوٹے بناتی چلی گئی تھی۔

"ساری لسٹ کا ستیاناس کر دیا ہے اتنا ہی پینٹنگ کا شوق ہو رہا تھا تو علیحدہ صفحہ لے لیتی۔" روشی لسٹ دیکھ کر خفا ہو رہی تھی انا ایک دم ہنس دی۔

"سوری! بس پتا ہی نہیں چلا۔"

"دھیان کدھر ہے تمہارا؟" روشی نے گھورا ماما بھی صفحہ دیکھ کر ہنس دیں۔

"آج کل پھوپو آپ کی بیٹی کا دھیان کچھ زیادہ ہی اِدھر اُدھر نہیں رہنے لگا؟"

"نہیں جی! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں خوامخواہ پر کا کوا مت بناؤ۔" روشنی کے ہاتھ سے نوٹ بک واپس لے کر اس نے کہا تو وہ بغور دیکھنے لگی انا کو الجھن ہونے لگی۔

"کیا ہے؟" روشی کی نگاہوں کو وہ ایک پل سے زیادہ برداشت نہ کر سکی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اچھی بھلی لڑکی جب لکھتے لکھتے بیل بوٹے بنانے لگے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟" روشی کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"وہ صرف تمہارا سر ہی ہو سکتا ہے۔" اس کے سر پر نوٹ بک کھینچ کر مارتے اس نے چڑ کر کہا تو روشی ہنس دی۔

"ماما ہیں کی شادی ہے سارے انتظامات کی لسٹ بھی اس سے بنوائیں' میں نے یوں ہی بیل بوٹے بنائے ہیں یہ ہر صفحے پر احسن احسن لکھتی پھرے گی۔" اپنی طرف سے انا نے فوراً بدلہ چکایا تو روشی ایک دم جھینپ گئی۔

"خوامخواہ......" ماما بھی اسے شرماتے دیکھ کر ہنس دیں۔

"خوامخواہ کیوں......" انا نے اپنی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" روشی شرما کر رہ گئی تو انا کھلکھلا کر ہنس دی' ماما نے ایک تھپڑ اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

"شرم کرو' بہن کو تنگ کر رہی ہو' تمہارے پاپا پاس ہی ہیں' سن لیں گے۔"

"میں کافی بنانے جا رہی ہوں' کوئی پیئے گا؟" ماما کے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' ماما نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"توبہ کرو' ابھی چائے پی ہے اب کافی...... تم پی پی کر تھکتی نہیں۔"

"رہنے دیں پھوپو! اسے کون سا اثر ہوتا ہے' ساری ساری رات جاگنے کی لت لگ گئی ہے اسے اور کیا؟" روشانے کی بات کو نظر انداز کرتے وہ کچن کی طرف آ گئی۔ وہ کافی بنا رہی تھی جب باہر گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ چونک اٹھی۔ ولید کی گاڑی کا ہارن تھا یعنی موصوف کی گاڑی ٹھیک ہو چکی ہے اور آج اپنی گاڑی میں ہی احسن بھائی کے ہمراہ کہیں گئے تھے۔

"مگر ولید گیا کہاں تھا؟" وہ پھر الجھن کا شکار ہونے لگی۔ کافی بنانا ترک کر کے وہ کچن کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ ولید کی گاڑی پورٹیکو میں جا رکی تو دونوں گاڑی سے نکل کر اب اندر آ رہے تھے۔ احسن بھائی نے ولید سے نجانے کیا کہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ ولید بے انتہا خوش لگ رہا تھا وہ دونوں یونہی ہنستے اندر کی طرف چلے آئے۔ انا کے دل میں عجیب سی کیفیت اتر آئی۔ وہ لب بھینچ گئی زور سے کھڑکی بند کر کے دوبارہ اپنی کافی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اب لاؤنج سے پُر زور آوازیں بلند ہو رہی تھیں مگر وہ کان بند کیے لب بھینچے کافی کی طرف متوجہ رہی۔ بڑے سائز کا مگ کافی سے بھر کر وہ اندر جانے کی بجائے راہداری سے ہوتے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یہ لوگ کدھر گئے ہوں گے؟" کافی پیتے اس کی ذہنی رو پھر بھٹکنے لگی۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیوں ہر چھوٹی چھوٹی بات کو میں یوں بُری طرح اپنے ذہن پر سوار کرنے لگی ہوں۔ میری طرف سے دونوں جہاں مرضی جائیں' میری بلا سے؟" کافی پیتے وہ خود سے ہی ناراض ہو گئی۔ ایک دم اس کا جی ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تو خالی مگ ٹیبل پر پٹخ کر وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

"خاموشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں"

سارے کمرے میں یہ دلکش آواز گونج اٹھی۔ تکیے پر سر رکھ کر وہ خاموشی سے سننے لگی۔ دل یونہی بھر بھر آنے لگا۔ دل چاہا کہ خوب روئے اور جی بھر کر روئے۔

"تجھ کو کیا معلوم اے جانِ جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں"

آنکھوں سے یونہی پانی بہنے لگا تو دل کی دنیا طوفانوں کی زد پر آ گئی۔

"حکم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مانگیے
اٹھ گئے دستِ دعا لب پر دعا کچھ بھی نہیں"

خوب صورت آواز کا تاثر اتنا بھرپور تھا کہ اس کے اندر کی ساری دنیا میں جل تھل ہو گئی۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

غزل گو کی آواز کا تاثر تھا یا غزل کے بولوں کی تاثیر تھی کہ وہ ایک دم چونکی تھی۔ لفظ سیدھے دل میں اتر گئے اس نے یہ شعر ریوائنڈ کیا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

اور پھر کئی بار مسلسل ریوائنڈ کرتے وہ بار بار یہی شعر سننے لگی۔ دل کا اضطراب اشکوں میں بہہ نکلا اب صرف بے نام سی کسک باقی رہ گئی تھی تین چار بار مسلسل سننے کے بعد اس نے جب پانچویں بار یہ شعر ریوائنڈ کیا تو کوئی کمرے کی دہلیز پر آ ٹھہرا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

"ایسا کیا ہے اس شعر میں جو بار بار سنا جا رہا ہے؟" وہ جو آنکھیں بند کیے تکیے میں منہ چھپائے صرف شعر کے ان بولوں میں غرق تھی ایک دم چونک گئی۔ تکیے سے منہ نکالنے سے پہلے اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا اور پھر سر اٹھا کر دیکھا وہ دروازے کی دہلیز پر ایستادہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ انا نے ایک دم اٹھ کر پلیئر بند کر کے سر پر دوپٹا جمایا۔

"آپ کب آئے؟" بستر سے اتر کر پوچھا۔ انا کو لگا جیسے کوئی شہنشاہ کسی غریب کی کٹیا میں چلا آیا ہو۔ وہ جب سے پاکستان آیا تھا یہ دوسری بار تھا کہ وہ اس کے کمرے میں آیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کرے؟

"جب محترمہ کوئی پانچویں بار یہ شعر سن رہی تھیں۔" انا نے نظر جھکا لی۔ وہ اندر تو آ گیا تھا مگر بیٹھنے کی بجائے یونہی کھڑا رہا اور انا کو بغور دیکھتا رہا۔

"کیا بات ہوئی ہے جو تم روئی ہو؟" اگلے ہی لمحے اس نے پوچھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر اسے مکمل توجہ سے اپنا پوسٹ مارٹم کرتے پا کر فوراً سر جھکا گئی۔

"نہ..... نہ..... نہیں تو....."

"پھر مجھے کیوں لگا کہ جیسے تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ یہ روئی روئی سی ہیں؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے بالکل سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"وہم ہے آپ کا....." وہ نظریں چرا کر رخ پلٹ گئی مگر نجانے ولید کو کیا ہوا ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اگلے ہی پل اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"اگر وہم ہے میرا تو پھر نظریں کیوں چرا رہی ہو؟" ولید کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں اس کا سبک نرم خو ہاتھ تھا۔ انا کو لگا اس کی جان نکل کر بس ہاتھ میں آ گئی ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ششدر رہ گئی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر ولید کی گرفت مضبوط تھی۔

"کیا بات ہے کسی نے کچھ کہا ہے۔" وہ ہاتھ چھوڑنے کی بجائے اسی طرح مضبوطی سے تھامے بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

ولید کے ملبوس سے اٹھتی قیمتی کلون کی مہک انا کے اعصاب پر بوجھ بن رہی تھی نجانے وہ کس سے مل کر آیا تھا۔

"کیا اس حلیے میں اس لڑکی کے پاس گیا تھا؟" اس سوال نے اس کی اعصاب کو برف بنا ڈالا۔

"اگر کوئی بات ہے بھی تو آپ کو کیوں بتاؤں..... کون ہوتے ہیں آپ مجھ سے پوچھنے والے.....؟" کسی انجانے احساس سے انا وقار کو لگا اس کے اعصاب چیخ اٹھے ہوں۔ وہ ٹوٹ کر بکھری ہو نہایت بدتمیزی اور غصے سے کہتے دوسرے ہاتھ سے اس نے ولید کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کی مگر ولید نے اس کی بدتمیزی پر اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"تم میری کزن ہو جانتی ہو کتنی بدتمیزی سے تم مخاطب ہو۔"

"ہاں..... ہوں مخاطب میں رو دوں یا ہنسوں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟" وہ پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے مخاطب ہوئی۔

"انا....." ولید نے غصے سے ٹوکا۔ کوئی جذبہ کوئی احساس اندر ہی اندر سے سلگا رہا تھا اور اب یہ آگ باہر نکل رہی تھی۔

"میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی چلے جائیں یہاں سے....." وہ دہاڑی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" وہ دھیمی آواز میں دہاڑا تو انا نے پوری طاقت لگا کر اپنا دایاں ہاتھ چھڑا لیا۔

"میری ذات سے آپ کا کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے باز پرس کرنے والے؟" انا کا گستاخانہ لہجہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔

"شٹ اپ!" ولید نے آج تک اسے اس روپ میں نہیں دیکھا تھا ایک دم غصے سے دہاڑا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئی۔

"آپ کہاں آتے ہیں کہاں جاتے ہیں کس سے ملتے ہیں کبھی میں نے پوچھا ہے؟ اس لیے میری ذات میں انٹرفیئر مت کیا کریں ہر وقت کی باز پرس..... چھوڑیں میرا ہاتھ خبردار آپ نے مجھ سے اس طرح بات کی تو؟" ولید کے غصے نے اس کے اعصاب پر بری انداز میں اثر کیا تھا۔ بہت بدتمیزی سے اس نے ولید کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر ولید کو جانے کیا ہوا تھا ایک دم نہایت غصے سے ہاتھ اٹھا اور اس سے پہلے کہ انا یا وہ خود ہی کچھ سمجھتا اس کا ہاتھ انا کے رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

"ولی....." وہ ششدر رہ گئی ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی یوں لگا رخسار کو کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔

"بے وقوف..... پاگل....." ایک دم غصے سے اس کو دھکیلا تو وہ منہ کے بل بستر پر جا گری۔ آج تک اس کو تو روشی نے بھی کبھی بدتمیزی سے نہیں پکارا تھا اور انا..... ولید نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی جو منہ کے بل بستر پر گری سسک رہی تھی۔ وہ بہت کم اس قدر شدید غصے سے دوچار ہوتا تھا انا کی بدتمیزی نے اسے پل میں نہ صرف غصے سے دوچار کرتے ہائپر ہو جانے پر مجبور کیا تھا بلکہ اگلے ہی پل اس کے الفاظ نے مشتعل ہو کر ہاتھ اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ لڑکی جسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا اس وقت اس کے نرم و نازک رخسار پر ولید کی انگلیوں کے نشان چسپاں تھے اور وہ شدت سے سسک رہی تھی۔

"تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے کوئی مروت یا ہمدردی برتے۔" بہت زہریلے لہجے میں کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح منہ کے بل بستر پر گری سسکتی رہی۔ یہ سارا عمل چند پل میں ہوا تھا وہ کمرے میں آیا تھا تو وہ جی اٹھی تھی اور اس پر نگاہ پڑی تو لگا کہ وہ ساری زندگی ہار گئی ہو اور اب کچھ بھی نہیں بچا تھا کچھ بھی نہیں۔ ایسا کیونکر ہوا؟ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر جوں جوں سوچ رہی تھی لگ رہا تھا کہ بس دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

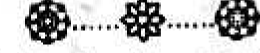
اذیت تھی کہ حد نہیں..... وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی..... دل اس عجیب سانحے پر ماتم کناں رہا۔

رخسار کی جلن لہو رنگ رلاتی رہی اور دل الگ واویلا کرتا رہا۔ اپنے جذبات کی شدت سے وہ خود ہی ہار رہی تھی۔ کچھ وقت سرکا تو بستر سے اتر کر پہلے دروازہ لاک کیا اور پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا رخسار دیکھا۔ دائیں رخسار پر انگلیوں کے نشان بہت واضح تھے۔ سرخ جلد سوج رہی تھی۔ انگلیوں نے رخسار کو چھوا تو لگا کہ دہکتے کوئلوں کو چھو لیا ہو آنکھیں پھر جل تھل ہو گئیں۔ وہ دوبارہ بستر پر آ گئی ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا وہ جسے کبھی اس کے ماں باپ نے بھی پھولوں سے نہ چھوا تھا جس کا پھولوں سے بڑھ کر خیال رکھا گیا تھا ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا وہ شخص جس کے سامنے وہ اپنا تن من دھن سب کچھ ہار بیٹھی تھی اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا کیوں.....؟

وہ جوں جوں سوچ رہی تھی دماغ الجھ رہا تھا اور پھر بہت ہار کر تکیے پر سر گرا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ نیند تو شاید اب آنکھوں میں مر کر بھی نہ آتی مگر اذیت سے مر جانے کی خواہش بڑی شدید اور زور آور تھی۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

تیز آواز کی بازگشت کانوں میں ٹکرائی تو سسکتے ہوئے انا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کاش وہ کسی کے سامنے اپنے دل کا درد کہہ سکتی۔ تکیے میں منہ چھپا کر یوں سسکی کہ جیسے پھر کبھی گریہ نصیب نہیں ہونا ہو۔



رات تابندہ بی سے بات کر لینے کا اعزاز تھا کہ صبح اس کا موڈ خاصا بہتر تھا۔ فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد باتھ لے کر وہ کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ مصطفیٰ نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ وہ چند دن کالج نہیں جائے گی جب تک وہ خود نہیں کہے گا مگر پرسوں مصطفیٰ سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس کے الفاظ نے اسے اس کی جانب سے خاصا دلبرداشتہ کر دیا تھا سو دوسری طرف مصطفیٰ کا اس دن کے بعد سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن مصطفیٰ کو جو بھی ری ایکشن تھا وہ سب ایک طرف مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے مصطفیٰ شاہزیب علی کی ذات سے کوئی احسان نہیں لینا۔ اپنی ذات کو خود ہی سنبھالنا ہے۔ جو ذلت ایاز کی وجہ سے بھرے کالج کے سامنے اٹھانا پڑی تھی اس کے بعد کالج فیلوز سے سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی مگر کب تک منہ چھپا کر بیٹھ سکتی تھی اور رات جس طرح تابندہ بی نے اسے کالج جانے کا کہا تھا وہ اب مزید ڈر کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ جب یہ طے تھا کہ اسے کل بھی لوگوں کو فیس کرنا ہے تو پھر آج کیوں نہیں سو ہمت کر کے مصطفیٰ کی ہدایت کو نظر انداز کیے وہ اب تیار ہو رہی تھی۔

لباس بدل کر بال بنانے سے پہلے اس نے سوچا کہ انا سے فون پر بات کرلے کہ وہ بھی آج جا رہی ہے یا نہیں، موبائل لے کر وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

"السلام علیکم!" چند ایک بیلز کے بعد انا کی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟ طبیعت بہتر ہوئی؟" انا کی آواز کافی بھاری بھاری لگ رہی تھی، کچھ تھکی تھکی سی۔

"میں اب ٹھیک ہوں، تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں، بس ہلکا سا گلہ خراب ہے شاید فلو کی شکایت ہو رہی ہے۔"

"میں نے اس لیے کال کی تھی کہ میں آج کالج جا رہی ہوں پھر سوچا کہ تم سے بھی کنفرم کرلوں کہ تم بھی جا رہی ہو یا نہیں۔" شہوار نے پوچھا۔

"اچھا...... ارادہ تو میرا آج چھٹی مارنے کا تھا، چلو تم آ رہی ہو تو میں بھی آ ہی جاتی ہوں، کتنے دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"او کے پھر اللہ حافظ کالج میں ملتے ہیں۔" انا نے کہا۔

"او کے، اللہ حافظ۔" کال بند کر کے موبائل بیگ میں رکھا اور بال بنانے لگی پھر اس کے بعد اپنی فائل اور کتابیں سمیٹیں۔ اس دن کے بعد سے اس نے دوبارہ کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ہر چیز بکھری پڑی تھی، چیزیں سمیٹنے کے بعد اپنے کمرے کی چیزیں ترتیب سے رکھیں، بستر کی چادر درست کرنے کے بعد چادر اوڑھ کر بیگ اور فائل لے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کل صبح وہ مصطفیٰ کے آفس جانے کے بعد کمرے سے نکلی تھی رات وہ لیٹ آیا تھا، مگر اب اسے کھانے کی ٹیبل پر سب کے درمیان دیکھ نظر انداز کر گئی تھی۔

"السلام علیکم!" سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ مصطفیٰ اسے یوں کالج کے لیے تیار دیکھ کر چونکا تھا۔

"وعلیکم السلام! آج کالج جا رہی ہو؟" ماں جی نے پوچھا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"چلو اچھی بات ہے چھٹیاں بھی تو خاصی کر لی ہیں۔"

"جی! حرج تو خاصا ہو گیا ہے مگر اطمینان ہے کہ کور کرلوں گی۔" بغیر مصطفیٰ کو دیکھے وہ اپنے ناشتے کی طرف متوجہ تھی، ٹیبل پر اس

وقت چاروں مرد حضرات کے علاوہ چاروں خواتین بھی تھیں۔

"تمہیں چند دن اور ریسٹ کر لینا چاہیے تھا، ابھی اتنی جلدی بھی کیا تھی؟" مصطفیٰ اسے یوں اطمینان سے ناشتہ کرتے دیکھ کر رہ نہ پایا تو بول پڑا۔ شہوار نے محض گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ناشتہ کرنے لگی یوں جیسے اسے اس کے کسی سوال و جواب سے کوئی غرض نہیں۔ شہوار کے رویے پر مصطفیٰ کو ایک دم شدید توہین کا احساس ہوا۔ باقی وقت وہ خاموش ہی رہا۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گیا۔ شہوار نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور سب کو سلام کر کے اپنی چیزیں سنبھالتی باہر نکل آئی۔

"رخشندہ! ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے۔" پچھلے دنوں وہ مصطفیٰ کے ساتھ ہی جاتی تھی۔ اس لیے اب ڈرائیور نے گاڑی نہیں نکالی تھی وہ جی اچھا کہتی وہاں سے جانے لگی تو مصطفیٰ بھی وہیں آ گیا۔

"تم جاؤ رخشندہ ڈرائیور کو رہنے دو۔" وہ شاید اس کی آواز سن چکا تھا۔ رخشندہ واپس اندر چلی گئی۔

"میں نے جب تمہیں منع کیا تھا کہ ابھی فی الحال چند دن تم کالج نہیں جاؤ تو آج جانے کی ایسی کون سی خاص ضرورت پڑ گئی؟" مصطفیٰ کا لہجہ خاصا سلگتا ہوا تھا۔

"میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں۔" وہ اس سے زیادہ تلخ لہجے میں جوابدہ ہوئی۔ مصطفیٰ اسے چند پل گھورے گیا۔

"تم کالج نہیں جا رہیں۔" کچھ توقف کے بعد اس نے حکم صادر کیا تو وہ بھنا اٹھی۔

"میں بلاوجہ چھٹیاں کرنے کی قطعی کوئی ضرورت محسوس نہیں کر رہی میں اب خود بہتر فیل کر رہی ہوں۔"

"مگر جب تک ایاز والا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کالج جانا چاہیے۔"

"میرا اپنی فرینڈز سے مسلسل رابطہ رہا ہے وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آج کل کالج نہیں آ رہا اب اس کی وجہ سے خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کرنے سے تو رہی۔" اپنے مزاج کی تلخی پر وہ قطعی قابو نہ کر پا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت خاصے بدلحاظ گستاخ اور منہ پھٹ تیور لیے کھڑی تھی۔ اس وقت اس سے الجھنا محض ایک طویل بحث کے نتیجے کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ شہوار کے تیور واضح بتا رہے تھے کہ وہ اب اس کے کہنے پر رکنے والی نہیں۔

"او کے، میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ آگے بڑھا۔

"اس عزت افزائی کے لیے شکریہ آپ زحمت نہ کریں میں ڈرائیور کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" شہوار کے الفاظ پر وہ پلٹا، نہایت غصے سے اسے دیکھا۔ وہ صاف الفاظ میں اس کے ساتھ جانے سے انکاری تھی اس سے زیادہ شدید توہین اس کی اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اس کی بجائے شوفر کے ساتھ جانے کو ترجیح دے رہی تھی۔

"میں گاڑی نکال رہا ہوں، اگر سارے گھر والوں کے سامنے اپنا تماشا بنوانا مقصود ہے تو شوق سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دے سکتی ہو۔ مگر یہ طے ہے کہ کالج تم صرف میرے ساتھ ہی جاؤ گی یا پھر نہیں جاؤ گی اور تمہارا تو ویسے بھی خاصا حرج ہو چکا ہے مزید چھٹیاں تم افورڈ بھی نہیں کر سکتیں۔ کیا خیال ہے پھر ڈرائیور کو کہوں کہ تمہارے لیے گاڑی نکالے؟" شہوار کا جی چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی موٹی ساری کتابیں اس شخص کے چہرے پر دے مارے مگر وہ ضبط سے سرخ چہرہ لیے خاموش رہی تو مصطفیٰ اس کی خاموشی کو ہاں کا عندیہ سمجھ کر بڑے مسرور انداز میں گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی لا کر فرنٹ ڈور کھولا تو وہ دل پر جبر کرتی گاڑی کی طرف چلی آئی مگر فرنٹ ڈور کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے پچھلے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا۔

"میں پیچھے بیٹھوں گی دروازہ کھولیں۔" بہت غصے سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"سوری بھئی! پچھلے دونوں دروازوں کے لاک خراب ہیں۔" شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"تو یہ کیوں ٹھیک ہے اس کو بھی خراب کروا لیتے۔" وہ غصے سے ایک دم آؤٹ ہوئی جب کہ مصطفیٰ نے اس کے الفاظ پر ایک دم قہقہہ لگایا تھا۔

"اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں اگر اسی طرح کھڑی رہیں تو خاصی لیٹ ہو جاؤ گی۔" شہوار کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی مگر وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔

"پچھلا دروازہ کھولیں۔" مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ اسی طرح بے لچک انداز لیے کھڑی تھی۔

"اگر تمہارا قیامت تک اسی طرح کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو شوق سے کھڑی رہو مگر یہ طے ہے کہ جب میرے ساتھ ہی جانا ہے تو اسی سیٹ پر بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارا شوفر نہیں ہوں مائنڈ اٹ۔" شہوار نے نہایت برہمی سے اسے دیکھا وہ چڑانے والے انداز میں کندھے اچکا گیا تو شہوار کا جی چاہا کہ ہر چیز پر لعنت بھیجے اور واپس اندر چلی جائے مگر وہ جانتی تھی کہ یہ شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ آج کالج نہ جائے اور وہ خود اس شخص کی وجہ سے اپنا جانا ملتوی نہیں کرسکتی تھی ناچار اسے اگلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا مگر اندر بیٹھنے کے بعد اس نے جس قدر زور سے دروازہ بند کیا تھا کوئی چھوٹی موٹی گاڑی ہوتی تو ہل کر رہ جاتی، مصطفیٰ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ مصطفیٰ مزید اسے کچھ کہے بغیر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ شہوار کا موڈ بے حد خراب تھا۔ وہ اندر سے یکسر انجان باہر کی طرف منہ کیے بیٹھی رہی۔ گاڑی روڈ پر آئی تو مصطفیٰ کی رفتار بہت دھیمی رکھتے ہوئے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شہوار نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر باہر دیکھنے لگی۔

"وعلیکم السلام!" کال ملانے کے بعد وہ کسی سے مخاطب تھا۔

"آن ڈیوٹی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"اوکے ڈن! میں میڈیکل کالج کی طرف جارہا ہوں آپ بھی اسی طرف آجائیں۔" وہ نجانے کس سے کہہ رہا تھا اور کیوں کہہ رہا تھا چاہتے ہوئے بھی وہ سننے پر مجبور تھی۔

"بس یوں ہی سمجھ لیں آج سے پھر ڈیوٹی اسٹارٹ۔" نجانے وہ کس ڈیوٹی کی بات کررہا تھا اس نے پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے پر بڑے دلکش انداز میں مسکرادیا۔ شہوار کنفیوز ہوتی دوبارہ گردن پھیر گئی۔

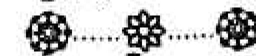
"اوکے پھر آجائیں میں انتظار کرلوں گا۔" بات مکمل کرکے چند اختتامی الفاظ ادا کرنے کے بعد مصطفیٰ نے کال بند کرکے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ پرسوں ہونے والی تلخ کلامی کے بعد دونوں کی اب ملاقات ہوئی تھی اور جس طرح شہوار کا اس کے ساتھ رویہ تھا وہ اس کے جذبات احساسات کے متعلق باخوبی اندازہ لگا سکتا تھا اس وقت بھی وہ یکسر انجان قطع تعلقی کا تاثر دیتی بالکل کٹی ہوئی تھی۔

"ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے شہوار ہمارا سامنا تو کئی بار ہوگا پھر ایسا کب تک چلے گا؟" نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے مخاطب ہوا تو شہوار نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ناراضی یا دشمنی کی بنیاد میں نے نہیں رکھی جب آپ میری ذات کو یوں ڈیفائن کریں گے تو لازمی بات ہے میں آپ کو پتھر کے جواب میں پھول نہیں ماروں گی۔" شہوار کی تلخی ہنوز تھی۔

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ رشتہ طے پاجانا ہمارے بڑوں کا باہمی فیصلہ تھا جو باہمی رضامندی سے طے پایا گیا۔ ماں جی نے مجھ سے میری رضامندی چاہی تمہارے اندر کوئی ایسی خامی نظر نہ آئی کہ میں انکار کرتا سو ہامی بھرلی۔ اب تمہارے کیا احساسات و جذبات تھے مجھے خبر نہ تھی؟ بہر حال پرسوں ہمارے درمیان جو بھی گفتگو رہی وہ ایک طرف ہمارا رشتہ طے پاتا ہے یا نہیں وہ سب ثانوی باتیں ہیں مگر اس کالج اور ایاز والے معاملے میں میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس لیے اپنی بچکانہ ضد اور انا کو فراموش کرکے تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا اور مجھے برداشت کرنا ہوگا۔ یہ طے ہے کہ تم کالج میرے ساتھ ہی جاؤ گی ہوسکتا ہے واپسی پر بھی میں خود ہی پک کرنے آؤں کہ میں ایاز جیسے لوگوں کو غیر اہم سمجھ کر کوئی رسک لینے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن کو کبھی اور کسی بھی حال میں کمزور سمجھنا یہ میرا نظریہ نہیں ہے۔ تمہیں یہ پسند آئے یا نہیں وہ سب ایک طرف مگر یہ طے ہے کہ تمہیں مجھے اس سلسلے میں برداشت کرنا ہی ہوگا۔" وہ نہایت اطمینان سے بول رہا تھا شہوار لب بھینچے سنتی رہی۔

"اس لیے اعتراض کا ہر پہلو بے بنیاد ہے امید ہے آئندہ تم اس بچکانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کروگی۔" بہت سنجیدگی سے کہتے مصطفیٰ نے گاڑی کی رفتار کچھ بڑھائی اور باقی سارا رستہ دونوں کے درمیان ایک محسوس کی جانے والی خاموشی حائل رہی۔



وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی۔ رو رو کر حالت خراب کر ڈالی تھی سو کالج جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر صبح صبح شہوار کی کال نے پروگرام بدل ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ کمرے میں پڑے کڑھنے کی بجائے کالج چلی جائے تو بہتر ہے کم از کم تکلیف دہ اذیت سے تو نجات مل جائے گی۔ لباس بدل کر وہ جیسے ہی آئینے کے سامنے آئی تو اپنی شکل دیکھ کر پھر رونا آنے لگا۔ انگلیوں کے نشان کی سرخی

دائیں رخسار پر ابھی بھی واضح تھی البتہ سوجن ختم ہوگئی تھی آنکھیں گریہ زاری سے الگ زبانِ حال بیان کررہی تھیں آواز کا بھاری پن علیحدہ حصہ تھا اب اگر ایسی حالت میں گھر میں رہتی تو کس کس کو وضاحتیں دیتیں؟ ماما اور روشانے دونوں نے تو پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ پوچھ پوچھ کر بے حال کردینا تھا اس نے سوچا خاموشی سے تیار ہوکر بغیر ناشتا کیے یا کسی کا سامنا کیے کالج کے لیے روانہ ہوجائے تو بہتر ہے واپسی پر حالت سنبھل چکی ہوگی۔ وہ خاموشی سے تیار ہوئی آنکھوں کی سرخی ختم ہونے سے تو رہی البتہ رخسار کے نشان ختم کرنے کو اس نے کولڈ کریم یوز کی تھی مگر چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق کوئی فائدہ نہیں ہوا خاموشی سے اپنی چیزیں اور کتابیں لے کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

کچن سے اٹیچ ڈائننگ ہال سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں وہ ادھر جانے کی بجائے لاؤنج سے ہوتی وہاں سے نکلنے والی تھی کہ ماما کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔

"السلام علیکم!"

"اٹھ گئی تم؟" انہوں نے پوچھا تو وہ محض سر ہلاگئی۔

"باہر کدھر جارہی ہو؟ ناشتا کرلو کل بھی ناشتا کیے بغیر چل دی تھی۔" اسے باہر نکلتے دیکھ کر ماما نے ٹوکا تو اسے ناچار رکنا پڑا۔

"فی الحال بھوک نہیں اور ٹائم بھی نہیں کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" نہایت بیزاری سے جواب دیا تو ماما ایک دم متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے گلے کو کیا ہوا ہے؟" اس کی آواز نے آخر کار راز فاش کرہی دیا۔

"کچھ نہیں ہوا اور پلیز بار بار ٹوک کر میرا ٹائم ویسٹ مت کریں جب ایک بار میں نے کہہ دیا کہ مجھے ناشتا نہیں کرنا تو پھر نہیں کرنا۔" ماما جس طرح متوجہ ہوئی تھیں اور بغور دیکھ رہی تھیں اسے ایک دم شدید طیش نے آلیا تھا۔ نہایت اکتاہٹ و بے زاری سے کہا تو وہ حیران ہوئیں۔

"انا کیا پرابلم ہے؟ یہ کس لہجے میں بات کررہی ہو؟" ایک دم قریب ہوکر نہایت تشویش سے انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"سوری! بس موڈ نہیں ہورہا۔" خود پر قابو پاکر اس نے نظریں چرائیں۔

"تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے روئی ہو کیا؟" سرخ آنکھیں اور سوجے پپوٹے پہلی نگاہ سے ہی سامنے والے کو متوجہ کرلینے کو کافی تھے وہ بھلا کیونکر چھپ سکتی تھی اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"کچھ نہیں ہوا؟ بس وائرل انفیکشن ہوگیا ہے شاید..... شاید فلو۔" اس نے ماں سے نظریں چرائیں۔

"اور یہ رخسار سرخ کیوں ہے؟" انا کا دل دھک سے رہ گیا وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ماما رخسار پر ہاتھ رکھ کر دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا؟ شاید سوتے میں کوئی چیز چبھ گئی ہوگی۔" ماما نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

"اگر اتنا شدید فلو ہے تو کالج مت جاؤ۔" ماما اسی طرح ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں وہ محض نفی میں سر ہلاگئی۔

"شہوار کی طبیعت خراب تھی تو آج کئی دن بعد دوبارہ کالج آرہی ہے اب میں نے بھی چھٹی کرلی تو اکیلی پریشان ہوگی۔" ماما نے محض سر ہلادیا۔

"ایسے کالج مت جاؤ چلو شاباش تھوڑا سا ہی ناشتا کرلو اتنی خراب طبیعت ہو تو خاک پڑھائی ہوگی۔ آؤ شاباش!" انہوں نے بازو پکڑ کر ڈائننگ روم کی طرف پیش قدمی کی تو وہ سب سے خصوصاً ولید سے سامنے کے خوف سے لرز اٹھی۔

"نہیں ماما! پلیز اس وقت کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ قسم سے بھوک نہیں پر اس جب جی چاہا میں کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" ماما نے پھر اسے بغور دیکھا۔

"رخسار پر کچھ لگا ہے دیکھو کیسے سارا گال سرخ ہورہا ہے۔" انہوں نے خاصی تشویش سے رخسار پر انگلی پھیری تو ہلکی سی ٹیس محسوس ہوئی جسے انا دبا کر محض سر ہلاگئی۔

"میں جاؤں اب؟" اسے ڈر تھا کہ کوئی اور ادھر نہ آنکلے۔ انہوں نے ہاتھ چھوڑا تو وہ سلام کرکے فوراً وہاں سے نکل آئی۔ منصور خان باہر کھڑی دونوں گاڑیوں کو رگڑ رگڑ کر کپڑا مار کر چمکا رہا تھا۔ ساتھ ہی ولید کی گاڑی کھڑی تھی۔

"منصور خان گاڑی نکالو۔" قریب آکر کہا تو وہ فوراً مودب ہوا۔

"ابھی نکالتا ہوں جی۔" ابھی منصور خان گاڑی نکال رہا تھا کہ اندر سے ولید اور احسن ایک ساتھ آتے دکھائی دیئے۔ ولید کو دیکھ کر انا کو اپنا آپ سلگتا محسوس ہوا۔ وہ رخ پلٹ گئی دونوں نزدیک آئے تو بھی وہ بے تاثر انداز میں کھڑی رہی۔

"تم نے ناشتا نہیں کیا انا!" احسن اس کے قریب رکا جب کہ ولید رکے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ انا نے چادر کا پلو دائیں رخسار پر کرلیا۔

"بس یونہی موڈ نہیں ہورہا۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" احسن کو تشویش ہوئی انا کے اندر ایک سرد پن سا جاگا۔ یہ سب جس شخص کی وجہ سے ہوا وہ یوں لاتعلق اور انجان ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ انا کو اپنی آنکھوں میں مرچیں سی چبھتی محسوس ہوئی۔

"جی...... "منصور خان گاڑی نکال چکا تھا۔ اب دروازہ کھولے اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔

"اور تمہاری آنکھوں کو......؟" احسن بھائی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے انا سہم سی گئی۔

"کچھ نہیں بس فلو کی شکایت ہورہی ہے تو ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔" نہایت آہستگی سے کہا اور کن اکھیوں سے ولید کو دیکھا وہ بھی اپنی گاڑی نکال رہا تھا۔

"تو ضرورت کیا ہے اس خراب حالت میں کالج جانے کی۔" احسن کی آواز بلند تھی انا نے لب بھینچ لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ ولید کچھ سنے۔

"میں چلتی ہوں دیر ہورہی ہے۔" احسن کی بات کو نظر انداز کیے وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اچانک نگاہ ولید کی طرف اٹھی تو ٹھٹک گئی وہ اسی طرح بے تاثر نگاہ لیے دیکھ رہا تھا۔ نگاہ سے نگاہ چار ہوئی تو وہ لاتعلق بن گیا۔ انا کے اندر شدید طوفان نے کروٹ بدلی تو وہ خود کو سنبھالتی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی جب کہ احسن بھی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گیٹ سے نکلی تھیں۔

"منصور خان! گاڑی تیز چلاؤ۔" دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں جب کہ وہ ولید کی نگاہوں سے ایکدم اوجھل ہوجانا چاہتی تھی۔ ایکدم بالکل کہیں غائب۔

"جی بی بی......!" منصور خان نے رفتار تیز کرلی اور چند منٹ بعد ان کی گاڑی دوسری گاڑی سے جدا ہوگئی تھی۔ انا نے بے دم سا ہوکر سیٹ کی پشت سے کمر ٹکا کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا مگر آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر چادر کے پلو میں جذب ہوئے تو اندازہ ہوا کہ اندر کی طغیانی پر اب قابو پانا اتنا بھی آسان نہیں۔



شہوار کالج آئی تو سب سے پہلا تصادم ہی ہاشم اور اس کے ساتھیوں سے ہوا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟"

"اللہ کا بڑا کرم ہے سنا تھا آپ کی طبیعت کافی خراب رہی ہے گزشتہ دنوں۔" وہ مزید استفسار کررہا تھا اس نے محض سر ہلا دیا۔

"آپ کالج نہیں آرہی تھیں تو سارے کالج کو خاصی تشویش لاحق ہورہی تھی۔ خدانخواستہ چند اسٹوڈنٹس کو یہ بھی ڈر تھا کہ آپ کالج چھوڑ چکی ہیں۔" ہاشم کے ساتھی نے مسکرا کر کہا۔

"بس طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آپارہی تھی۔"

"آپ ہماری بہنوں کی طرح ہیں بے فکر ہوکر آئیں ایاز جیسے لوگوں کی قطعی کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ اس دن کے ہنگامے کے بعد یہاں ہر کوئی محتاط ہوگیا ہے خصوصاً اساتذہ میڈیکل اسٹاف اور چیئرمین صاحب بذاتِ خود اس معاملے کو ہینڈل کررہے ہیں تو بے فکر ہوکر کالج آئیں۔ رہ گیا ایاز میں نے کچھ ساتھی اس کی نگرانی پر چھوڑ رکھے ہیں قوی امکان تو یہی ہے کہ وہ اب کالج چھوڑ چکا ہے مگر یہ طے ہے کہ جس دن بھی کالج آیا دھر لیا جائے گا۔ نہ چیئرمین صاحب اسے چھوڑیں گے اور نہ ہی ہم لوگ۔ آپ کے متعلق کوئی سنگین کارروائی اوّل تو کرنے کی جرأت نہیں کرے گا اگر کرے گا بھی تو یہاں بہت سے لوگ ہیں جو اس کی راہ میں حائل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ویلکم بیک! آپ کو دوبارہ کالج میں دیکھ کر ہمیں دلی خوشی ہوئی ہے۔" ہاشم نے خاصے سلجھے ہوئے انداز میں اسے خوش آمدید کہتے سمجھایا تو وہ بھی مسکرادی۔

"شکریہ آپ سب کا۔ خصوصاً اس معاملے میں خصوصی تعاون کا۔"

"ناٹ مینشن...... میں پہلے ہی واضح کرچکا ہوں کہ آپ میری بہنوں کی طرح ہیں کوئی بھی مسئلہ ہو آپ ڈائریکٹ کہہ سکتی ہیں آلویز ویلکم!"

"جی شکریہ۔" وہ لوگ چند ایک باتوں کے بعد رخصت ہوئے تو وہ چند اور ساتھیوں سے سلام دعا کرتی حال احوال بتاتی ایک طرف آ بیٹھی۔ انا کو آ جانا چاہیے تھا مگر لیٹ تھی وہ ابھی ایک دومنٹ بیٹھی تھی اس کی کالج فیلوز فائنل کی آنسہ اس کی دوست صائقہ اور نجمہ چلی آئی۔ وہی لاسٹ ڈے والی گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تبھی اسے گیٹ سے انا داخل ہوتی دکھائی دی تو کچھ ریلیکس ہوئی۔ انا کو ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تو وہ سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔

"السلام علیکم! کیسی ہو؟" دونوں پُرجوش انداز میں بغل گیر ہوئی۔

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ٹھاک۔" انا سے جدا ہوکر بغور اسے دیکھا۔

"تمہیں بخار ہے؟" انا کے جسم کا ٹمپریچر محسوس کرتے وہ پریشان ہوئی۔

"ہاں بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ انا کو لیے ایک طرف آ بیٹھی۔

"کیا ہوا جو اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔"

"بس یونہی۔" انا نے ٹشو سے اپنی سرخ ناک رگڑ کر مزید سرخ کی۔ دونوں نسبتاً ایک پُرسکون گوشے میں آ بیٹھیں تھیں۔

"اور سناؤ کیسے گزرے یہ دن؟" انا نے شہوار کو بغور دیکھا۔

"بخار کی حالت میں کیسے گزرتے ہیں بھلا؟" انا ہنس دی۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں تم سناؤ روشانے اور احسن بھائی کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟"

"اچھی خاصی ہوگئی ہیں کچھ باقی ہیں۔ خواتین کی تو وہی گھریلو شاپنگ ہی ہوتی ہیں۔ باہر کے سب کام مردوں کے سپرد ہیں۔"

"السلام علیکم! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" دونوں باتوں میں مگن تھیں جب آواز پر چونک کر دیکھا۔ چند دن پہلے کینٹین میں متعارف ہونے والی لڑکی کھڑی تھی کشف مرتضیٰ نام تھا اس لڑکی کا۔

"جی ضرور۔" شہوار نے ہی اجازت دی انا تو خاموش ہی رہی۔ وہ بیٹھ گئی تو دونوں نے بغور دیکھا۔

"آج آپ بہت دن بعد کالج آئی ہیں آپ کے بارے میں سنا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب دیکھا تو سوچا خیریت دریافت کرلوں۔" وہ کہہ رہی تھی شہوار مسکرادی۔

"جی شکریہ! میں اب بہتر ہوں۔" اس نے اخلاق نبھایا۔

"آپ بھی تو کافی دن بعد دکھائی دے رہی ہیں اتنے دن آپ بھی کہیں نظر نہیں آئیں؟" ان کو یہ لڑکی کچھ خاص پسند نہ آئی تھی اس لیے شہوار کے برعکس اس کے ساتھ اس کا رویہ خاصا لیا دیا سا ہی رہتا تھا۔

"بس کہیں بزی تھی تو آف کرنا پڑا۔"

"شہوار کی غیر موجودگی میں آپ کو صرف دوبار ہی کالج میں دیکھا تھا وہ بھی ایاز گروپ کے لوگوں کے ساتھ۔ میں سمجھی کہ آپ ان کے گروپ ممبر ہیں۔" انا کے الفاظ پر شہوار نے بھی چونک کر اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ ایک پل کو ٹھٹکی پھر ہنس دی۔

"بس نیو کمر ہوں تو معلومات لینے رک گئی ہوں گی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا آپ نے شاید کبھی دیکھا ہو ورنہ میرا کسی کے گروپ سے کوئی تعلق نہیں۔" اس لڑکی کا انداز بڑا صاف اٹل اور مضبوط تھا۔ انا بھی کندھے اچکا گئی۔

"مان لیتے ہیں اگر تعلق نہیں تو ان لوگوں سے دور ہی رہیے گا ان کے گرو صاحب بے شک کالج سے غائب ہیں آج کل مگر اس گروپ کے سارے لڑکوں کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں۔" انا کا انداز سنجیدہ تھا۔ وہ لڑکی مسکرادی۔

"جی ضرور۔" وہ فوراً سر تسلیم خم کرگئی تو شہوار مسکرادی تبھی ہاشم اپنے کسی ساتھی کے ساتھ اسی جانب آتا دکھائی دیا۔

"ہاشم سے ملی تم؟" انانے پوچھا تو اس نے سر ہلادیا۔

"آپ ادھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی یارِ غار کے ہمراہ ہم سارے کالج میں ڈھونڈ آئے آپ کو۔" آتے ہی ہاشم نے شہوار کو دیکھ کر کہا۔

"خیریت......؟"

"جی خیریت ہی ہے۔ چیئر مین صاحب کالج آچکے ہیں اور آپ کی اطلاع اساتذہ کے ساتھ ساتھ چیئر مین صاحب کو بھی مل گئی ہے۔ ابھی سر اشفاق نے بلوایا ہے کہ آپ جہاں بھی ہیں ڈھونڈ کر چیئر مین صاحب کے آفس روانہ کروں سر بھی وہیں ملیں گے۔" ہاشم نے پیغام دیا تو وہ الجھ گئی۔

"مگر چیئر مین صاحب نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟"

"ہوسکتا ہے وہی اس دن والا معاملہ ہو۔ اس دن آپ طبیعت خراب ہونے پر گھر روانہ ہوگئی تھیں آپ کی غیر موجودگی میں ہماری اور ایاز لوگوں کی پیشی سارے اسٹاف کے ہمراہ چیئر مین صاحب کے سامنے ہوئی تھی چونکہ اس دن کے بعد آپ آج حاضر ہوئی ہیں تو آپ کو بلوایا جارہا ہے۔"

"میں اکیلی نہیں جاؤں گی تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ہاشم کے کہنے کے بعد اس نے انا کو دیکھا تو دونوں کھڑی ہوگئیں۔ وہ دونوں ہاشم کے ہمراہ ہی چیئر مین صاحب کے آفس آئیں مگر اندر وہ دونوں ہی آئی تھیں۔ چیئر مین صاحب کے ہمراہ چند اساتذہ بھی تھے جن میں سر اشفاق بھی تھے۔

"السلام علیکم سر!" دونوں ایک طرف رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

"سر! یہ شہوار سکندر علی ہیں۔" سر اشفاق نے چیئر مین صاحب سے اس کا تعارف کروایا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا اب آپ کی؟" انہوں نے شہوار سے پوچھا۔

"میں بہتر ہوں اب شکریہ!"

"آپ شاہزیب علی کی بھتیجی ہیں مجھے قطعی علم نہ تھا وہ تو کل مصطفیٰ شاہزیب خود آیا اور اس نے کمپلین کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جس بچی کی بات کررہا ہے وہ آپ ہیں۔" سر بتا رہے تھے اور شہوار نے خاصی حیرت سے انہیں دیکھا تو کیا مصطفیٰ ادھر آیا تھا۔

"ایاز فی الحال کالج نہیں آرہا اس کے بارے میں خبر ملی ہے کہ وہ کالج چھوڑ چکا ہے تاہم ابھی کنفرم اطلاع نہیں۔ ہم نے اس کے والدین کو لیٹر ایشو کردیا ہے کہ وہ آج کل میں کالج حاضر ہو دوسری صورت میں اس کو کالج سے نکال دیا جائے گا۔ مجھے بہت افسوس ہے بیٹا کہ کالج کی حدود میں ایسا سنگین واقعہ پیش آیا۔ آپ شاہزیب علی کی بھتیجی ہیں تو میرے لیے اپنی بیٹی جیسی ہیں کوئی بھی پرابلم ہو کوئی بھی مسئلہ ہو یہ اساتذہ آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے کہیں اگر ان سے ڈسکس نہیں کرنا تو ڈائریکٹ کسی بھی وقت میرے پاس آجائیں۔ میں نے ان اساتذہ کی ذمہ داری لگادی ہے کہ کالج کی حدود میں داخل ہوتے ہی یہ گرلز کی سیکیورٹی کا خصوصی بندوبست اور خیال رکھیں گے یہ صرف آپ کا معاملہ ہی نہیں میری کوشش ہوگی کہ اس کالج میں آنے والی ہر بچی کو سیکیورٹی اور تحفظ حاصل ہو۔" سر بہت سنجیدگی اور بردبار انداز میں کہہ رہے تھے۔

"شکریہ سر!" اس خصوصی تعاون سے وہ ازحد متاثر ہوئی۔ کچھ دیر تک وہ مزید اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے شہوار کو خصوصی عزت افزائی دیتے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل سے آگاہ کرتے رہے اور کچھ دیر بعد جب وہ انا کے ہمراہ وہاں سے نکلی تو خاصی مطمئن تھی۔

"واہ بھئی واہ...... یہ مصطفیٰ شاہزیب والا کیا قصہ ہے بھئی۔" باہر آتے ہی انا ایک دم اس کے سر ہوگئی تو وہ جھینپ گئی۔

"کچھ خاص قصہ نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"ہاں تو مصطفیٰ شاہزیب علی صاحب کے فرشتوں نے انہیں بتایا ہوگا کہ یہاں ایاز والے معرکے کے متعلق جو موصوف چیئر مین صاحب تک کمپلین لے کر پہنچ گئے تھے۔" اس نے طنزیہ کہا تو شہوار کی ایک دم ہنسی نکل گئی۔

"بکومت! اس دن میری طبیعت خاصی خراب تھی بخار کی حالت میں نجانے کیا بکواس کرتی رہی اور بدقسمتی سے مصطفیٰ نے سن لیا پھر بعد میں ساری تفصیل اگلوا کر ہی دم لیا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ یہاں بھی کمپلین کرکے جاچکا ہے۔" وہ انا کو ساری تفصیل بتائی تو

ثمن فاطمہ

تمام آنچل اسٹاف اور آنچل قارئین کو السلام علیکم! میرا نام ثمن فاطمہ ہے میں ضلع گجرات سے تعلق رکھتی ہوں میں 25 اکتوبر 12 ربیع الاول کی صبح پیدا ہوئی۔ میرا اسٹار اسکارپیو ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں میری ایک بہن اور تین بھائی ہیں۔ جن میں میرا نمبر تیسرا ہے بڑے بھائی وقاص جو دبئی میں ہوتے ہیں اور چھوٹے بھائی دونوں زیرِ تعلیم ہیں۔ میری چھوٹی بہن کا نام نیلم ہے جو تھرڈ ائیر کی طالبہ ہے۔ میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے پڑھ رہی ہوں میں نے آنچل 2006ء میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ رنگوں میں مجھے سارے رنگ پسند ہیں اور کھانے میں مجھے بریانی اور چکن بہت پسند ہے۔ کھانا پکانا مجھے بالکل پسند نہیں اور گرمیوں میں تو بالکل نہیں۔ پسندیدہ ایکٹر شاہ رخ خان شاہد کپور اکشے کمار۔ پسندیدہ فی میل ایکٹریس کرینہ کترینہ ایشوریہ۔ پسندیدہ کزن اور دوست فضاء بینا عائشہ ثمین اور نایاب سائرہ عطیہ وغیرہ ہیں۔ آنچل رائٹرز میں مجھے سمیرا شریف طور نازیہ کنول نازی نایاب جیلانی نبیلہ عزیز میری موسٹ فیورٹ ہیں۔ میری پسندیدہ شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آخری پیغام یہ ہے جو دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوشی سے نوازتا ہے بشرطیکہ سچے دل کے ساتھ اسی امید کے ساتھ اجازت کہ آپ کو میرا تعارف اچھا لگا ہوگا دعاؤں میں یاد رکھیے گا آپ کی دعاؤں کی منتظر خدا حافظ۔

اور بہت کچھ بتانا پڑتا پہلے ہی وہ انا کو عادلہ بھابی کی نفرت کا سبب بتا کر پچھتا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انا اسے مصطفیٰ کے حوالے سے چھیڑے اب بھی اس نے اصل صورت حال بتانے کی بجائے چند الفاظ میں قصہ سمیٹنا چاہا تھا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے موصوف اعلیٰ عہدے پر ہی فائز نہیں بلکہ اچھی خاصی قابلیت کے بھی مالک ہیں جو فوراً ایکشن لیتے ہوئے چیئر مین صاحب تک رسائی حاصل کرلی۔" انا متاثر ہوئی تھی شہوار چپ ہی رہی۔

"مصطفیٰ شاہزیب علی نام سن کر مجھے ایک اور شخص بھی یاد آنے لگا ہے۔ امریکہ میں ہمارے اپارٹمنٹ کے ساتھ فلیٹ ہوتا تھا احسن ولید بھائی کا دوست ہوتا تھا چند لڑکوں کے ساتھ مل کر رہتا تھا پھر ہم لوگ پاکستان آگئے تو دوبارہ کبھی ملاقات ہی نہ ہو پائی آج کل وہ بھی پاکستان میں اپنی فیملی کے پاس ہوتا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جانتی مگر نام کی مماثلت ضرور ہے۔" دونوں آپس میں گفتگو کرتے آگے بڑھ آئی تھیں چونکہ مصطفیٰ کے متعلق شہوار کم ہی کسی سے بات چیت کرتی تھی اب بھی انا کے جواب میں کچھ نہ کہا۔

"ویسے پرسنالٹی کے لحاظ سے کیسا ہے یہ شخص؟" وہ دونوں واپس پہلی والی جگہ پر آبیٹھی تھیں۔ شہوار نے سنجیدگی سے انا کو دیکھا۔

"تمہارے کزن ولید اور احسن بھائی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔" شہوار نے کہا۔

"رئیلی......"

"واقعی مگر موصوف تو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں وہاں کیسے سلیکٹ ہوگئے اگر نارمل پرسنالٹی کے ہی ملک ہیں تو۔"

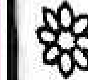
"خیر اتنی نارمل پرسنالٹی بھی نہیں احسن بھائی خاصے گورے چٹے ہیں اور اسمارٹ بھی ہیں اور ولید صاحب کو بھی ہم دیکھ چکی ہوں وہ جس قسم کی شخصیت کے مالک ہیں اس کے مقابل مصطفیٰ کے نمبر تھوڑے سے کم ہوجاتے ہیں۔ قد کاٹھ برابر ہے بس کمپلیکشن سے موصوف ولید بھائی سے مات کھاجاتے ہیں۔" انا بس دیکھ کر رہ گئی۔ ولید مردوں میں کھڑا ایک دم نمایاں ہوجاتا تھا۔ اس کی پرسنالٹی کی خوبی تھی یا خامی مگر عرصے بعد جب پہلی بار پاکستان آنے پر اسے دیکھا تو وہ خود ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ اس نے کئی مرد دیکھے تھے یکتا سے حسین مگر ولید کی شخصیت کا وقار رکھ رکھاؤ شائستہ اور مہذب انداز و اطوار خاص طور پر شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والی شخصیت کے ہوتے ہوئے مزید ڈریسنگ کا خصوصی انتخابات اس کی شخصیت کو چار چاند لگادیتا تھا ایسے میں وہ کئی مردوں میں گھرا ہونے کے باوجود کئی خواتین کی توجہ حاصل کرنے کی خصوصی صلاحیت رکھتا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ نہایت ذہین آور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی شخصیت کا یہ سحر یہ مقناطیسیت ایسی تھی کہ وہ خود کیا ہر کوئی برملا اعتراف کرتا تھا جیسا کہ اب شہوار کررہی تھی۔

"تمہیں ولید پرسنالٹی وائز کیسا لگا؟" وہ ایک دم مصطفیٰ کو بھول کر ولید کا ذکر چھیڑ بیٹھی۔

"ماشاء اللہ بہت زبردست اور پاورفل پرسنالٹی کے مالک ہیں وہ۔" شہوار نے ایمان داری سے تجزیہ کیا تو انا لب سی گئی۔ گزری

شب ایک دم ذہن کے دریچے پر دستک دینے لگی تو اس نے لب بھینچ لیے۔
"ماشاءاللہ روشانے بھی بہت پیاری ہیں مگر اس کو دیکھنے کے بعد مجھے مسلسل یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں کہیں پہلے بھی اس ہستی سے مل چکی ہوں' کہیں دیکھ چکی ہوں یہ چہرہ مجھے بڑا آشنا سا لگا۔ روشی اور ولید بھائی دونوں میں کافی مشابہت ہے کیا تمہارے ماموں جان بھی ولید جیسی شاندار شخصیت کے مالک ہیں؟" شہوار نے پوچھا۔
"نہیں! ماموں میرے عام نارمل شخصیت کے حامل ہیں۔ ولی اور روشی دونوں ہی کچھ بہت خاص حسن رکھتے ہیں' ماما کے بقول دونوں اپنی ماما پر گئے ہیں نا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں کی والدہ بھی بہت حسین وجمیل خاتون تھیں۔"
"اچھا......" شہوار کو ایک دم اس قصے سے دلچسپی پیدا ہوئی۔
"تمہاری ممانی کا کیا نام تھا؟" اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔
"لالہ رخ۔" انا نے بتایا۔
"زبردست......" شہوار نے ایک دم سراہا۔
"جس ہستی کا نام اس قدر خوب صورت ہو وہ یقیناً خود بھی بہت خاص ہوں گی۔"
"ہوسکتا ہے۔"
"تم نے اپنی ممانی دیکھی ہیں؟"
"نہیں! ولی اور روشی کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں اور گھر میں کسی کے پاس ان کی تصویر بھی نہیں۔ ماما بتاتی ہیں کہ تب تصویروں کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔"
"کیا ہوا تھا انہیں؟" یونہی سوال در سوال کا سلسلہ چل نکلا تو پوچھا۔
"پتا نہیں' ماما زیادہ تفصیل میں اس قصے کو نہیں بیان کرتی شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"روشی کی عمر تقریباً کتنی تھی؟"
"ماما بیان کرتی ہیں کہ روشی سال ڈیڑھ سال کی تھی جب اس کی ماما کی ڈیتھ ہوگئی تھی تب ہم لوگ اپنی فیملی سمیت باہر شفٹ ہوچکے تھے اور ماموں جو باہر سے ہی یہاں آئے تھے ہمیں لے جانے کے لیے ان کا ارادہ ہمارے جانے کے بعد اپنی فیملی کو لے کر وہاں جانے کا تھا' جب ممانی کا انتقال ہوا۔ پھر ماموں بچوں کو لے کر ہمارے پاس آ گئے' ماما نے ہی ولی اور روشی کو پالا' ہم لوگ اکٹھے ہی پلے بڑھے پھر کچھ عرصے بعد ہم پاکستان آ گئے تو ماموں ادھر ہی رہے' یہ لوگ اب شفٹ ہوئے ہیں۔"
"انٹرسٹنگ۔"
"لگتا ہے آج ہم نے صرف باتیں ہی کرنی ہیں' کوئی کلاس لینے کا ارادہ نہیں۔" اچانک انا کو یاد آیا تو ہنس کر کہا۔
"پہلے ہی خاصا حرج ہوچکا ہے' اب سوچ رہی ہوں کہ سنجیدگی کے ساتھ اسٹڈی کی طرف توجہ دوں۔" شہوار نے بھی فوراً سنجیدہ ہوکر کہا۔
"چلو پھر کلاس اٹینڈ کرلیتے ہیں اس وقت تو سر زاہد کی کلاس ہو رہی ہوگی۔" انا کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہوئی تو شہوار بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)





قسط نمبر 8

اداس شامیں، اجاڑ رستے کبھی بلائیں تو لوٹ آنا
کسی کی آنکھ میں رتجگوں کے عذاب آئیں تو لوٹ آنا
میری وہ باتیں تو جن پہ بے اختیار ہنستا تھا کھلکھلا کر
بچھڑنے والے میری وہ باتیں تجھے کبھی رُلائیں تو لوٹ آنا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عادلہ اور اس کی والدہ ایاز کا پرپوزل شہوار کے لیے لے کر آتی ہیں جس پر ماں جی، صبا اور عائشہ ششدر رہ جاتی ہیں۔ ماں جی عادلہ کو مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کی بابت علم کے باوجود رشتہ لانے پر باز پرس کرتی ہیں جس پر بیگم عبدالقیوم شہوار کی ذات کے پرخچے اڑا دیتی ہیں جس پر مہرالنساء بیگم سیخ پا ہو جاتی ہیں جب کہ دروازے کے پاس کھڑی شہوار ان کی باتیں سن کے روتے ہوئے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ تابندہ بی شہوار کی طبیعت پوچھنے کے لیے فون کرتی ہیں جس پر شہوار مصطفیٰ اور اس کے رشتے سمیت اپنی پہچان کے حوالے سے شدید ردعمل کا اظہار کرتی ہے جس پر تابندہ بی ششدر رہ جاتی ہیں جب کہ دوسری طرف مہرالنساء بیگم شاہ زیب صاحب سے عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد کا ذکر کرتی ہیں اور ساتھ مصطفیٰ اور شہوار کے جلد نکاح پر زور دیتی ہیں۔ انا اپنی دلی حالت سے بے خبر غزل سننے میں مگن ہوتی ہے جب ہی ولید بنا اجازت کمرے میں آ جاتا ہے اور اس کے رونے سے متعلق استفسار کرتا ہے جس پر انا شدید سرد مہری کا مظاہرہ کرتی ہے نتیجتاً ولید کا ہاتھ انا کے گال پر اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے اور وہ ساکت رہ جاتی ہے۔ کافی چھٹیوں کے بعد شہوار کالج جانے کی تیاری کرتی ہے کالج میں ہاشم اور اس کے ساتھی شہوار کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ انا سے ملنے کے بعد شہوار کا موڈ کافی خوش گوار ہو جاتا ہے جب ہی اچانک کشف مرتضیٰ بھی ان کے پاس چلی آتی ہے۔ چیئرمین شہوار کو بلوا کر اس سے معذرت کرتے ہوئے ایاز والے معاملے میں اپنے تعاون کی مکمل یقین دہانی کراتے ہیں جس پر شہوار ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ ادھر اُدھر کی رسمی گفتگو کے دوران شہوار انا سے روشی کی فیملی کے متعلق استفسار کرتی ہے انا کے جواب پر شہوار کافی دلچسپی کا اظہار کرتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

❀……❀……❀

وہ اپنے آفس میں تھا جب ہی صبا کی کال آئی کہ تابندہ بی آج دوپہر میں حویلی کے ملازم بخشو اور ملازمہ تاج کے ہمراہ آئی ہیں، اس قدر اچانک آمد پر وہ چونکا۔ اس نے صبا سے آنے کی وجہ بھی پوچھی تھی مگر وہ خود بھی لاعلم تھی اسے کیا مطمئن کرتی؟ شہوار کالج میں تھی وہ پرسوں والے رویے کے بعد اس سے ناراض بھی تھا مگر شہوار کو قطعی پروا نہ تھی بلکہ آج صبح جس طرح کا اس کا رویہ تھا اس کی جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو فوراً سے پیشتر اپنا نمبر پرامنٹ لوز کر جاتا مگر وہ یہ سوچ کر سہہ گیا تھا کہ وہ پرسوں والے رویے کے بعد محض اب اس کی ضد میں جان بوجھ کر ایسا رویہ اپنا رہی ہے۔ جس طرح ایاز کی طرف سے حالات تھے وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ایک طرف بھی نہیں ہو سکتا تھا اور بہرحال اس نے پوری ایمانداری سے اس کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے وقت دیکھا شہوار کے کالج سے آف ہونے والا تھا صبح اس نے خود آنے کا کہا تھا۔ اب تابندہ بی کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے سوچا کہ شہوار کو لیتے ہوئے گھر جائے تاکہ پتا تو چلے کہ بوا کی آمد کس مقصد کے تحت ہوئی ہے یا پھر شہوار نے انہیں بلوایا ہے۔ فرض کرو اگر بلوایا بھی ہے تو کیوں؟

اس نے امجد خان کو بلوا کر اپنی غیر موجودگی میں سب معاملات کو ہینڈل کرنے کی تلقین کی اور آفس کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ شہوار کو پک کرنے چلا آیا۔ اس وقت کالج آف ہونے کا وقت تھا۔ وہ وقت پر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے دس پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا کہ شاید وہ خود ہی باہر آ جائے۔ وہ نہیں آئی تو اس نے موبائل نکال کر اس کا نمبر ملایا۔ چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

"ہیلو۔" شہوار کی آواز سنائی دی انداز یوں تھا گویا مجبوراً کال ریسیو کرنا پڑی ہو۔

"میں گیٹ پر ویٹ کر رہا ہوں، جلدی باہر آؤ۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر آپ کیوں آئے ہیں ڈرائیور کہاں ہے؟" اس نے جرح کی۔

"صبح میں نے تمہیں کہا تھا نہ کہ میں پک کروں گا؟ آفس سے اٹھ کر آیا ہوں میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے جلدی باہر آؤ۔" مصطفیٰ نے طنز اور تحکم سے کہا۔ تو وہ اس انداز پر سلگ اٹھی۔

"مجھ پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں نہ صبح میں نے آپ کو ساتھ چلنے کو کہا تھا اور نہ ہی اب باؤنڈ کیا ہے۔" دوسری طرف سے خاصا تلخ جواب ملا تھا۔

"تم آتی ہو یا میں اندر آؤں؟" اس کی تلخی پر مصطفیٰ کا بھی پارہ ایک دم ہائی ہوا۔ جواباً غصے سے موبائل بند کر دیا۔

مصطفیٰ نے غصے سے موبائل کو گھورا مگر یہ بچت رہی کہ اگلے تین چار منٹ کے انتظار کے بعد شہوار کی شکل گیٹ پر دکھائی دی تو اس نے اطمینان بھرا سانس لیا۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ صبح کی طرح اس وقت اس نے کوئی بحث و تکرار نہ کی تھی شاید کالج کے باہر رش کی وجہ سے برداشت کر گئی ہو۔

"کیسا گزرا آج کا دن؟" مصطفیٰ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

شہوار نے ایک ناراض سی نگاہ ڈالی اگر صبح وہ ایاز والے قصے کے بارے میں وضاحت نہ کر چکا ہوتا تو قطعی جواب نہ دیتی۔

"ٹھیک گزرا۔" بڑا روٹھا انداز تھا۔

"ایاز اور اس کے ساتھی آئے تھے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے سرسری سی نگاہ شہوار پر بھی ڈالی۔

"وہ نظر نہیں آئے۔" اس نے مختصر کہا مصطفیٰ نے پھر دیکھا وہ اس کے بجائے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"اور کوئی خاص بات؟" اس کی ایک ہی ٹون پر مصطفیٰ نے گھورا مگر وہ متوجہ کب تھی جو توجہ دیتی۔

"چیئرمین صاحب نے اپنے آفس میں بلوایا تھا چند اساتذہ کی موجودگی میں۔"

شہوار نے "خاص بات" کی وضاحت کر دی۔ مصطفیٰ نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اب بھی متوجہ نہ تھی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے رفتار آہستہ کی۔

"آپ کے کالج آنے اور کمپلین کرنے کے بارے میں بتایا تھا۔" اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔ شہوار کے انداز نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تو پھر مزید کیا بات ہوئی؟" شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا مصطفیٰ کی ہنسی زہر لگی اس وقت۔

"یہ آپ چیئرمین صاحب سے دوبارہ آ کر پوچھ لیں۔" مصطفیٰ نے دیکھا وہ خفگی سے جواب دے کر کھڑکی کی طرف منہ موڑ گئی تھی۔ اس نے اپنی ہنسی نچلا ہونٹ دانت تلے دبا کر روکی۔

"ہاں میں بھی سوچ رہا ہوں کہ ہر دوسرے دن چیئرمین صاحب کے پاس چکر ضرور لگا لیا کروں۔" شہوار نے خاصی بے چارگی سے دیکھا مصطفیٰ نے بھی اسی وقت دیکھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی وہ سلگ اٹھی۔

"کیا خیال ہے پھر؟" وہ پوری جان سے سلگی۔

یہ شخص جان بوجھ کر اسے ستانے کو کہہ رہا تھا وہ لب بھینچ کر باہر دیکھنے لگی کچھ لمحے اسی طرح خاموشی سے سرکنے لگے۔

"تم نے آج کل میں تابندہ بوا سے کوئی بات کی تھی؟" اس نے فوری چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔ تو کیا امی جان نے اسے کال کر کے سب بتا دیا جس سے منع بھی کیا تھا۔

"مطلب؟" وہ سلگ اٹھی۔ انداز یوں تھا گویا اندرون خانہ چنگاریاں سی بھڑک اٹھی ہوں۔

"مطلب تو تم ہی بہتر سمجھتی ہو گی، تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس وقت تابندہ بوا شہر آ چکی ہیں۔" مصطفیٰ کی اطلاع پر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"امی شہر آئی ہوئی ہیں، کب؟" اس اطلاع پر وہ یکدم حیران رہ گئی تھی۔ اس کی حیرانگی اتنی نیچرل تھی کہ مصطفیٰ نے بغور دیکھا یعنی وہ تابندہ بی کی آمد سے بے خبر تھی۔

"لاسٹ اطلاع تو مجھے یہی موصول ہوئی تھی، ابھی ملا نہیں ویسے کنفرم اطلاع ہے یہ ضرور کہہ سکتا ہوں۔" شہوار ایک دم پرجوش ہو اٹھی۔

"تو آپ اتنے لیٹ کیوں آئے تھے لینے امی آئی کب تھیں اور مجھے اب کیوں بتا رہے ہیں فوراً اطلاع نہیں دے سکتے تھے۔"

"محترمہ میں وقت پر ہی لینے آیا تھا آپ ہی لیٹ کالج سے باہر نکلی اور آج دوپہر میں ہی بوا جی آ گئی ہیں۔" شہوار نے ایک دم سر ہلا دیا وہ ایک دم فراموش کر گئی کہ وہ اس سے کس قدر خفا ہے۔

"رات بوا جی سے اس کی بات ہوئی تھی مگر تب انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس سے بات کرنے کے بعد انہوں نے آنے کا پروگرام بنایا تھا مگر وہ آ گئی کیوں ہیں؟ وہ تو انتہائی ضرورت کے باوجود بہت کم شہر آتی تھیں حتیٰ کہ شادیوں میں بھی وہ نہیں آتی تھیں اس بار کیونکر انہوں نے چکر لگا لیا تھا وہ ایک دم الجھ گئی تھی۔

"امی کس کے ساتھ آئی ہیں؟" کچھ توقف کے بعد اس نے مصطفیٰ کو دیکھا اب کے انداز پر سوچ تھا۔

"صبا نے کال کی تھی بقول اس کے بخشو اور ملازمہ تاج کے ہمراہ۔" مصطفیٰ کے جواب پر اس نے سر ہلا دیا مگر اندر سے جیسے پکڑ دھکڑ سی شروع ہو گئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ فوراً اڑ کر ماں کے پاس پہنچ جائے۔

"پرسوں جو ہمارے درمیان بات چیت ہوئی تھی تم نے اس کا تذکرہ کہیں بوا جی سے تو نہیں کر دیا؟" مصطفیٰ کو جو بات کھٹک رہی تھی اس نے آخر کار پوچھ ہی لی شہوار براہ راست اس سوال پر ایک لمحے کو ٹپٹائی۔

"اگر کر بھی دیا ہو تو؟" چند پل خاموش رہنے کے بعد اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں اتنا کم عقل نہیں سمجھتا تھا۔" مصطفیٰ کو تاسف نے آ گھیرا۔

"وہ میری ماں ہیں اور میری ان سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔" مصطفیٰ کے انداز نے اسے پھر سلگا دیا تھا۔ ایک دم بے مروتی سے بولا۔

"یہ تو اور بھی شدید افسوس کی بات ہے کہ تم ان کی بیٹی ہو کر انہیں اذیت دینے سے باز نہیں آ رہی۔" مصطفیٰ کا لہجہ نہ صرف سلگتا ہوا تھا بلکہ اچھا خاصا طنزیہ بھی تھا وہ تو جیسے ایک دم آگ بگولا ہو گئی۔

"میں آپ کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے آپ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔" مصطفیٰ کے طنز نے اسے مزید دو آتشہ کر دیا تھا بغیر کسی لحاظ و مروت کے اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا۔

مصطفیٰ نے اسے چند پل دیکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر گاڑی کی رفتار ایک دم تیز کر دی وہ خود بھی اس سے براہ راست اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چند منٹ بعد ہی گھر کے گیٹ پر تھے۔ شہوار نے بڑی بے تابی سے گیٹ کھلنے، گاڑی اندر جانے کا انتظار کیا جیسے ہی گاڑی رکی وہ مصطفیٰ کے باہر نکلنے کا انتظار کیے بغیر ایک دم دروازہ کھول کر تیز تیز قدم اٹھاتے اندر کی طرف بھاگی۔

"کیا ہوا تمہارے پیچھے کون لگا ہوا ہے جو محترمہ یوں بھاگی آ رہی ہیں؟" عائشہ نے اسے دروازے میں ہی روک لیا وہ ایک دم جھینپ سی گئی۔ بھاگنے سے سانس اتھل پتھل ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

"کس کے ساتھ آ رہی ہو ڈرائیور تو گھر پر ہی ہے؟" عائشہ نے اسے بغور دیکھا اس کا سانس تیز تیز چلنے سے پھولا ہوا تھا اور چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

"مصطفیٰ لینے آیا تھا۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"ہیں۔" عائشہ چونکی۔

"اوہ......ہو......!" عائشہ نے ایک دم شرارت سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"تبھی کہوں یہ سانس کیوں چڑھی ہوئی ہے اور محترمہ یوں بھاگی کیوں آ رہی ہیں؟" عائشہ کی شرارت پر وہ ایک دم بلش ہو گئی۔

"شٹ اپ۔"

"ہمیں شٹ اپ کروانے سے کیا ہوگا؟" ہمارے سامنے تو محترمہ شرم کی پوٹلی بنی پھرتی ہیں اور پیچھے یہ عیش ہو رہے ہیں۔ میری کنفرم اطلاع کے مطابق آج کل محترمہ جا بھی میرے خوبرو ڈیسنٹ بھائی کے ساتھ رہی ہیں بھی کہوں یہ ایک دم "پانچ سال سے پہلے شادی نہیں کروں گا" کا نعرہ لگانے والے میرے مصطفیٰ بھائی ایک دم ڈائریکٹ نکاح تک کیسے آ گئے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ صرف دال میں کچھ کالا ہے مگر یہاں تو مجھے ساری ہانڈی ہی کالی نظر آ رہی ہے۔" عائشہ کو موقع ہاتھ لگا اور یہ شہوار کی بدقسمتی تھی کہ اس کا پہلا سامنا ہی اس سے ہو گیا تھا اب بری پھنسی تھی خاصی بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"تمہارا بس دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"ہمیں کیا پہلجھڑی مصطفیٰ بھائی نے گاڑی میں چھوڑ دی کہ محترمہ سرپٹ بندوق سے نکلی گولی کی طرح بھاگی آ رہی تھیں۔ خیر تھی نا کہیں میرے سنگدل مزاج برادر نے کوئی رومینٹک قسم کا ڈائیلاگ تو نہیں مار دیا؟" ادھر بھی عائشہ تھی شہوار کا چہرہ شرم و خجالت سے ایک دم سرخ ہوا۔

"تم اگر چپ نہیں ہوئی تو میں یہ کتاب تمہارے سر پر ماروں گی۔" اس نے عائشہ کے یوں نان اسٹاپ بولنے پر کتاب اٹھا کر دھمکی دی۔

"ہاں ہاں ہم کون سا ایسی دھمکیوں سے ڈرنے والے ہیں۔" عائشہ پر خاک اثر ہونا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مصطفیٰ بھی پیچھے آ گیا اور جس طرح شہوار موٹی سی میڈیکل کی کتاب ہاتھ میں پکڑے عائشہ کو مارنے کی دھمکی دے رہی تھی تاثر یہی تھا کہ وہ مارنے کو بالکل تیار کھڑی ہے۔ مصطفیٰ کی آواز پر شہوار نے جھینپ کر ہاتھ نیچے کیا۔

"آپ کی یہ ہونے والی نصف بہتر ابھی سے روایتی بھابی کا کردار ادا کرنے کی پریکٹس کر رہی ہیں اور میں مظلوم نند دیکھ نہیں رہے کتاب مار رہی ہیں محترمہ مجھے۔" عائشہ بھائی کو دیکھ کر فوراً دوبدو بولی انداز بہت شرارتی تھی مصطفیٰ بھی پزل ہو گیا تھا۔

"کوئی نہیں......خوامخواہ......میں کب مار رہی ہوں؟" مصطفیٰ اس کے عقب سے ہوتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔ عائشہ کے الفاظ پر جھنجلا کر اس نے تردید کی۔

"ہاں پریکٹس تو کر رہی ہو نا؟" شہوار بری طرح پھنسی تھی ایک دم لب بھینچ لیے مصطفیٰ کے سامنے غصہ آنے لگا۔

"کیوں بے چاری کو تنگ کر رہی ہو۔" مصطفیٰ نے اس کے تاثرات کو سمجھتے بہن کو ٹوکا۔

"اوئے ہوئے ابھی سے ہونے والی نصف بہتر کی فیور؟" اس نے آنکھیں مٹکائیں۔

"بکواس۔" عائشہ کے الفاظ پر وہ بھی ٹپٹا گیا جبکہ عائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ویسے یہ خوب صورت جوڑی آج اس وقت ایک ساتھ اکٹھی گھر پر کیسے نظر آ رہی ہے۔" وہ شرارت کرنے سے بھلا کہاں باز آنے والی تھی اور بدقسمتی سے اس وقت دونوں ایک ساتھ اس کے ہاتھ لگے تھے۔

"اس کا دماغ خراب ہے تم جاؤ۔" بہن کو جواب دینے کے بجائے مصطفیٰ نے اسے کہا تو وہ ایک پل بھی وہاں رکے بغیر فوراً اندر کی طرف بھاگی۔

"دیکھیں یہ آپ زیادتی کر رہے ہیں اسے بھگا رہے ہیں۔" پیچھے عائشہ دہائی دے رہی تھی۔

"امی کہاں ہیں۔" رستے میں رخشندہ ملی تو اسے اپنی کتابیں فائل اور بیگ تھماتے پوچھا۔

"ٹی وی والے کمرے میں سبھی بیٹھے ہیں جی۔" وہ فوراً ادھر آئی تھی امی وہاں بھابی صبا اور ماں کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم!" سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ امی کی طرف بڑھی اور وہ بھی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں وہ ایک دم بڑی گرم جوشی سے ان سے بغلگیر ہوئی۔ انہوں نے بھی بڑی محبت اور شفقت سے خود سے لپٹا لیا۔ چند پل اسے سینے سے لگائے اس کے وجود کو محسوس کرتی رہیں اور پھر خود سے جدا کر کے چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پیشانی چوم لی تو شہوار کی اس قدر محبت پر آنکھیں نم ہو گئیں۔

"کیسی ہیں آپ اور اس طرح بغیر اطلاع کے اچانک کیسے آ گئیں؟" جس سوال نے دل میں کھلبلی مچا رکھی تھی فوراً لبوں پر آیا۔

"سکون سے آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" مہر النساء بیگم نے اس کی اس قدر بے صبری پر ہنس کر کہا تو وہ جھینپتے ہوئے تابندہ بوا کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"بس اچانک پروگرام بنا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو سوچا تمہیں دیکھ آؤں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا مگر شہوار کی تسلی نہ ہوئی تاہم مزید کوئی سوال نہ کیا۔ وہ علیحدگی میں ماں سے پوچھنے کا ارادہ باندھ کر ریلیکس ہو گئی۔ تبھی مصطفیٰ بھی عائشہ کے ہمراہ ادھر ہی چلا آیا۔

"السلام علیکم بوا جی کیسی ہیں آپ؟" قریب آ کر سلام کرتے وہ جھکا تو بوا جی نے نہایت شفقت و محبت سے اس کے سر اور کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

"وعلیکم السلام ماشاء اللہ جیتے رہو۔ میں ٹھیک ہوں تم سناؤ خیریت سے ہو نا؟"

"جی بالکل ٹھیک ٹھاک بس آپ کی دعائیں ہیں۔" مسکرا کر کہتے وہ ماں جی کے پاس آ بیٹھا۔

"آج تم جلدی آ گئے خیر تھی نا؟" ماں جی نے بیٹے کو دیکھا جس نے سر ہلا دیا۔

"اور شہوار بیٹے تم کس کے ساتھ آئی ہو؟ ڈرائیور تو ابھی تک گھر میں ہی ہے اکیلی آئی ہو کیا؟" بیٹے کے بعد انہوں نے شہوار سے پوچھا۔

"شہوار میرے ساتھ آئی ہے۔ مجھے میڈیکل کالج کی طرف کسی کام سے جانا تھا واپسی پر وہاں سے گزرا تو آف ٹائم ہو گیا تھا سو میں نے شہوار کو پک کر لیا۔" شہوار کے بولنے سے پہلے ہی مصطفیٰ نے جواب دیا تو شہوار اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا یا ماں کو ٹال رہا تھا وہ

اندازہ نہ لگا پائی۔

”اور سناؤ مصطفیٰ بیٹا! جاب کیسی چل رہی ہے تمہاری؟“ بوا جی کے پوچھنے پر وہ ان سے باتوں میں لگ گیا۔

”میں چینج کر کے آتی ہوں۔“ چند منٹ ماں کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ چینج کر کے لوٹی تو وہاں سبھی گفتگو میں مصروف تھے۔

”لو شہوار بھی آ گئی! کب کی تابندہ آئی بیٹھی ہے سوائے چائے پانی کے کھانا نہیں کھایا کہ شہوار آئے گی تو ساتھ کھائیں گے۔ رخشندہ اور لائبہ نے کھانا لگا دیا ہے۔ مصطفیٰ اب تم لنچ کر کے ہی واپس جانا۔“ اس کے اندر داخل ہوتے ہی ماں جی نے فوراً کہا مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔ اور شہوار ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی اس کا ارادہ تھا کہ چینج کرتے ہی وہ امی جان کو لے کر اپنے کمرے میں آئے گی اور پھر ان سے اس اچانک اور ہنگامی آمد کی وجہ تو ضرور دریافت کرے گی مگر لگتا تھا کہ اب اتنی جلدی اس کے دل کی یہ خواہش پوری ہونے والی نہ تھی۔

❀...... ❀...... ❀

پرسوں ماں اور بہن سے بات کرنے کے بعد وہ کچھ ریلیکس ہو گیا تھا شام میں وہ چند دوستوں کے ساتھ پکنک کے لیے آؤٹ آف سٹی چلا گیا دوسرے دن صبح واپس آتے ہی کمرا بند کر کے سو گیا تھا اب نیند مکمل کر کے جب کمرے سے نکلا تو عادلہ کو لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے پایا وہ اپنے ناخنوں کو کیوٹکس سے رنگ رہی تھی۔

”ہو گئی نیند پوری؟“ عادلہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”ہیلو کاشفہ کیسی ہے..... اسپتال کا کوئی چکر لگا؟“ سر ہلا کر وہ بھی صوفے پر ٹک گیا۔

”پہلے سے کافی بہتر ہے۔“ عادلہ نے سرسری سا بتایا۔

”ماما اس وقت کہاں ہیں؟“

”اسپتال میں ہی ہیں کاشی کے پاس۔“

”تمہیں ایک کام کہا تھا‘ کیا یا ابھی نہیں؟“ اِدھر اُدھر کی مزید ایک دو باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

”گئے تھے کل ہم......!“ عادلہ نے نخوت سے بتایا۔

”تو پھر......!“ وہ ایک دم متوجہ ہوا۔

”تم ان لوگوں کے جواب سے بے خبر تو نہیں۔“ عادلہ نے طنز سے ابرو اچکا کر کہا تو اس کے تیور تن گئے۔

”یعنی انکار......؟“ اس کے اعصاب ایک دم کشیدہ ہو گئے۔

”اوہ کم آن برادر اب ایسی بھی حور پری نہیں ہے وہ لڑکی‘ حسین ہے تو کیا ذرا بھی مینرز نہیں ہیں اس میں۔ ہماری سوسائٹی میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود ہے‘ جو ہماری ایک ہاں کی منتظر ہو گی۔“ ایاز کے تیوروں سے ایک دم تاسف کا شکار ہوتے اس نے کہا۔

”بات حسن کی نہیں ہے۔ وہ لڑکی میری ضد بن چکی ہے اب ہزاروں لوگوں کے سامنے میں نے جو ذلت اٹھائی تھی اس کا جب تک بدلہ نہیں لوں گا تب تک چین نہیں ملے گا۔“ وہ غصے سے پھنکارا تو عادلہ نے بغور دیکھا۔

”اصل معاملہ کیا ہے ذرا مجھے بھی تو پتا چلے؟“

”معاملہ نارمل سا ہی ہے‘ کالج میں سامنا ہونے پر میں نے ذرا سی چھیڑ چھاڑ کیا کر دی موصوفہ نے کتاب کھینچ ماری مجھے بھی غصہ آ گیا منہ سے چند گالیاں نکل گئیں درمیان میں کالج کا ایک اور اسٹرونگ گروپ آ گیا۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہوا تو بات اساتذہ اور چیئرمین تک پہنچ گئی محترمہ تو طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے گھر روانہ ہو گئیں اور ہماری دونوں گروپس کی میٹنگ کافی لمبی چلی اس دن یار دوستوں کے سامنے خاصی ذلت اور سبکی کا سامنا کرنا پڑا اور اب تو گویا سینے میں ہر وقت ایک آگ سی دہک رہی ہے اور جب تک بدلہ نہیں لے لیتا چین نہیں پڑے گا۔“

”اوہ آئی سی اس لیے تم نے کالج چھوڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔“ عادلہ نے ساری بات سن کر دلچسپی سے پوچھا۔

”ہاں بس میں بھی اب میڈیکل کالج کی اس بور روٹین سے اکتا گیا ہوں۔ میں تو بس یار دوستوں کے اکسانے پر وہاں داخلہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا پاکٹ بھری ہو تو انجوائے منٹ کا سامان ہر جگہ مہیا ہو جاتا ہے نو ٹینشن۔“

”شہوار کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے میں تو محض کاشفہ والے پرپوزل کے انکار کا بدلہ چکانے گئی تھی۔ اچھی خاصی اوقات یاد دلا کر آئی۔ دونوں ماں جی صاحبہ کو ایسی نیک پروین بی بی مصطفیٰ جیسے لوگوں کو ہی سوٹ کرتی ہیں۔ رہ گئی ذلت اور بے عزتی کی بات تو گولی مارو اپنی کلاس میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود ہے انجوائے یور لائف۔“

”تم ایسی بھی بات نہیں...... شہوار جیسی لڑکی بھولنے والی چیز نہیں ہے۔“

”ویسے کہہ کیا رہے تھے وہ لوگ؟“ اس نے پوچھا تو عادلہ نے کل ہونے والی مکمل بات سیاق و سباق کے ساتھ ایاز کو بتا دی۔

”تو وہ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کے ہاں نکاح کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔“

”کہہ سکتے ہو؟“ عادلہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

”میرا تو مشورہ ہے گولی مارو اس لڑکی کو محض ان لوگوں کو ٹینشن دینے اور کاشفہ والی انسلٹ کا بدلہ لینے میں چلی گئی تھی ورنہ شہوار جیسی لڑکیاں ہمارا اسٹینڈرڈ نہیں ہیں۔ میں اچھا خاصا سنا کر آئی ہوں شہوار کی اوقات اور حیثیت آئینے کی طرح صاف کر آئی ہوں۔“ عادلہ نے نخوت سے جتایا تو وہ تلخی سے ہنسا۔

”خیر ایاز عبدالقیوم اتنی جلدی اپنی انسلٹ نہیں بھولتا اور وہ لڑکی بھولنے والی چیز بھی نہیں......!“

”تو پھر کیا کرو گے؟“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو عادلہ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

”بڑے نیک خیالات ہیں کبھی فرصت سے بتاؤں گا مائی ڈیئر سسٹر اس وقت چند دوستوں سے ملنے جانا ہے اور ہاں اپنے سسرال میں یہ پیغام پہنچا دینا کہ ایاز عبدالقیوم اگر کسی چیز کو حاصل کرنا چاہے اور وہ اسے کسی وجہ سے نہ مل سکے تو وہ اس چیز کو توڑ دیتا ہے مگر کسی اور کے لیے بھی چھوڑتا نہیں۔“ وہ کافی زہریلے اور سلگتے لہجے میں کہتے وہاں سے چلا گیا اور عادلہ کندھے اچکا کر دوبارہ اپنی کیوٹکس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

❀...... ❀...... ❀

گزشتہ ساری رات کارت جگا اور گریہ زاری تو تھی ہی مگر شہوار کے سامنے کالج میں سارا وقت خود کو مکمل طور پر حاضر اور بحال رکھنے کے چکر میں گھر آنے تک انا کو لگا اس کے جسم کی حرارت ایک دم بڑھ گئی ہے۔ جسمانی ٹوٹ پھوٹ تھی یا ذہنی اثرات خاصے تکلیف دہ تھے گھر آتے ہی بغیر لنچ کیے سختی سے کسی کو بھی اسے ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ کر کمرا لاک کر کے وہ لیٹی تو کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی کہ جب دروازہ زور زور سے پیٹے جانے کی آواز پر آنکھ کھلی۔ کسلمندی سے اطراف میں دیکھا مگر اندھیرے کی گہری تہہ میں کچھ بھائی نہ دیا یونہی لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ آن کیا تو کمرا روشن ہو گیا۔

”انا دروازہ کھولو نا......!“ روشانے کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھی۔

نجانے کیا وقت ہوا تھا۔ بستر سے اتر کر پہلے لائٹ آن کی پھر وال کلاک دیکھا تو چونک گئی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ اتنی دیر کمرہ نشیں رہی تھی اسے حیرت ہوئی۔ بالوں کو سمیٹتے اس نے دروازہ ان لاک کیا تو روشی کی صورت دکھائی دی۔

”کیا بات ہے؟ میں کافی دیر سے دروازہ پیٹ رہی تھی جب سے آئی ہو کمرا بند کر کے پڑی ہو؟“ روشی کو خاصی تشویش ہو رہی تھی انا نے جواب دینے کے بجائے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹ کر کیچر کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں جو اسے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا نظر آیا۔

”کبھی کبھی مجھے تم پر بہت حیرت ہوتی ہے ایک دم اتنی موڈی ہو جاتی ہو اور بالکل اجنبی بن جاتی ہو۔“ ڈریسنگ سے کیچر اٹھا کر بالوں میں لگاتے اس نے پلٹ کر روشی کا شکوہ سنا اس کی سنجیدگی ہنوز تھی۔

خیریت پوچھنے کے بجائے صرف روشی کو دیکھا۔

”سب باہر تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“ اس کی خاموشی پر اس نے مزید کہا وہ بغیر جواب دیے واش روم میں گھس گئی۔

”آخر تمہیں کیا ہوا ہے؟ صبح بھی نظر نہ آئیں اور آتے ہی کمرا بند کر کے ایسی غائب ہوئی کہ اب نظر آ رہی ہو۔“ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو روشی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ بغیر کچھ بولے ٹاول سے چہرا صاف کرتے صوفے پر پڑا اپنا دوپٹا اٹھا کر پلٹی۔

”مجھے کچھ نہیں ہوا بس کچھ تھکن ہو گئی تھی اور نیند میں پتا ہی نہیں چلا کہ اتنی رات ہو گئی ہے۔“ بے پروائی سے جواب دیا تو روشی نے بغور دیکھا۔

”تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟ تم روئی ہو......!“ خاصی تشویش سے اس کی آنکھوں کے سوجے پپوٹوں کو دیکھتے روشی نے پوچھا۔

”نہیں‘ ساری رات نیند نہیں آئی اوپر سے کالج کی خواری آنکھیں جل رہی تھیں اور شاید اس لیے کوئی انفیکشن ہو گیا ہوگا۔“ روشی سے نگاہیں چرا کر جواب دیا۔

”نیند کیوں نہیں آئی تھی؟“

”یار اب پرانا مرض بنتا جا رہا ہے پھر کسی وقت ڈسکس کر لیں گے چلو باہر چلتے ہیں۔“ خاصی بے پروائی سے کہہ کر اس نے باہر کی طرف قدم بڑھانے تو روشی نے ایک دم اس کا ہاتھ تھاما۔

''انا کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے تم ایک پہیلی ہو کوئی راز کوئی اسرار چھپا ہوا ہے تمہارے اندر۔ رت جگے یوں ہی کسی کا نصیب نہیں بن جاتے کوئی پریشانی ہے کوئی مسئلہ ہے تو ہم سے کہو۔ یہ رشتے ناتے آخر کس مرض کی دوا ہوتے ہیں۔'' روشی نے جھنجلا کر کہا۔ انا روشی کی بات پر یکدم کھلکھلا کر ہنس دی۔

''یار تمہیں خوامخواہ تشویش لاحق ہو رہی ہے۔ رئیلی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''انا تمہیں بخار ہے نا؟'' روشی کو انا کے گرم ہاتھ نے چونکا دیا۔

''نہیں بس ہلکی سی حرارت فیل ہو رہی ہے۔ سیریس بات نہیں یار ڈونٹ وری۔ چلو باہر چلتے ہیں۔'' روشی کی تشویش کو اس نے چٹکیوں میں اڑاتے روشی کے ہاتھ پکڑے اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت لاؤنج میں سبھی تھے وہ دونوں ادھر ہی چلی آئیں۔

''السلام علیکم!'' سبھی نے اسے دیکھا احسن کے ساتھ کسی فائل پر تبادلہ خیال کرتے ولید نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ سارا دن بعد نظر آئی تھی صبح بھی دکھائی دی تھی مگر جس طرح آدھا چہرہ چادر میں چھپائے کھڑی تھی وہ صاف رخ سے دیکھ نہیں پایا تھا اور اس وقت بھی وہ روشی کے پہلو میں تھی۔

''وعلیکم اسلام! اٹھ گئی تم، تمہیں ڈسٹرب نہ کرنے کے سخت قسم کے آرڈر تھے ورنہ میں کئی بار تمہارے کمرے کے دروازے پر جا کر واپس آیا ہوں۔ ایسی بھی کیا تھکن کل رات کے بعد اب شکل دکھا رہی ہو۔'' ماموں جان کا شکوہ حاضر تھا وہ ہنس دی۔

''بس آنکھ لگ گئی تھی۔'' مسکرا کر کہا۔

''بخار ہے محترمہ کو۔'' اس کے ہنسنے پر روشی نے جل کر کہا تو وہ مسکرا کر ماما کے پہلو میں جا بیٹھی۔

''ہائے کیا واقعی انا بخار ہو گیا ہے؟'' ماما کو بھی ایک دم تشویش ہوئی فوراً ہاتھ پکڑ کر نبض چیک کی۔

''یونہی کہہ رہی ہے۔ بس ہلکی پھلکی سی حرارت فیل ہو رہی ہے اور تو کچھ بھی نہیں۔'' وہ بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی پاپا نے بھی اسے دیکھا جو ماما کے دوسری طرف براجمان تھے۔

''ڈاکٹر ہو کر حرارت کو اس طرح لے رہی ہو؟''

''کچھ خاص حرارت بھی نہیں اب، وہ تو تھکن تھی اور پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنکھ لگی تو اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں ورنہ میں ٹھیک ہوں۔'' سب کو اپنی طرف یوں دیکھتے پا کر اس نے ہنس کر کہا تو ولید خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''تم نے صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا گھر آ کر لنچ بھی گول کر دیا۔ ڈنر پر بھی کئی بار صغراں تمہارے دروازے پر جا کر دستک دے کر آئی تو تم اٹھی ہی نہیں۔ اب بھی روشی باز نہیں آئی تو اٹھا کر لائی ہے۔'' ماما نے کہا تو وہ کچھ نہ بولی۔

''پہلے کھانا کھا لو ایک تو حرارت اوپر سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں پڑھے لکھوں کو پڑھانا کچھ زیب نہیں دیتا۔ خود ڈاکٹر ہو کر ایسی بے پروائیاں......!'' احسن بھائی نے بھی ڈپٹا تو اس نے منہ بنایا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں کالج میں چائے پی تھی۔'' فوراً زبان سے نکلا۔

''آفرین ہے، رات سے اب تک اسی ایک چائے کے کپ پر گزارا کیا ہوا ہے محترمہ نے۔'' ماما نے ایک دم گھورا تو اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

''جاؤ پہلے کھانا کھاؤ پھر ادھر آ کر بیٹھنا۔ روشی بہن کو کھانا دو۔'' ماموں نے روشی کو کہا تو اس نے بھی فوراً اٹھنے میں ہی عافیت سمجھی۔

''یہ ہنسوں کا جوڑا آج گھر میں وقت پر کیوں کر پایا جا رہا ہے۔'' کھانا کھاتے اس نے روشی کو دیکھا جو سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں، کن کا ذکر کر رہی ہو؟'' چائے بناتے پلٹ کر پوچھا۔

''اپنے اور تمہارے بھائی صاحبان کا؟'' اس نے طنز سے کہا تو روشی ہنس دی۔

''تمہارا بھی کوئی حال نہیں میں سمجھی پتا نہیں یہ ہنسوں کا جوڑا کس کو کہہ رہی ہو۔''

''کل رات دونوں غائب تھے پچھلے تین چار دنوں سے تمہارے بھائی صاحب غائب رہتے ہیں۔ آج کل دونوں اکٹھے ہر جگہ جانے آنے لگے ہیں تو مجھے ہنسوں کا جوڑا کی مثال ان کے لیے فٹ لگی۔'' انا کے اس بیان پر روشی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ہنسوں کا جوڑا......بہت خوب......!''

''بخار میں تمہارے تشبیہاتی جملوں میں کافی جدت آ گئی ہے ویل ڈن۔'' انا کلس کر رہ گئی۔

''ہاں بس تمہارے ہنسنے کی کسر رہ گئی تھی۔''

"رات دونوں کافی لیٹ آئے تھے پھوپو اور انکل سے دونوں کو ڈانٹ پڑی تھی دراصل پچھلے دنوں جس دن ولی بھائی خاصے لیٹ ہوگئے تھے ہم سب سوگئے تھے صرف تم ہی جاگ رہی تھی جس دن ولی بھائی ایک ڈیڑھ بجے آئے تھے پھوپو کو چوکیدار سے علم ہوگیا تھا کہ ولی بھائی آج کل لیٹ آرہے ہیں۔ انہوں نے انکل سے شکایت کردی اور رات جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو تم شاید کچن میں یا اپنے روم میں تھی پھوپا جان نے خاصی اچھی کلاس لے ڈالی تھی ان دونوں کی۔ بلکہ رات گئے کی تمام ضروری کارروائیوں پر سنگین قسم کی پابندی بھی عائد کردی گئی ہے۔" روشی نے تفصیل سے بتایا تو کھانا کھاتے وہ چونک گئی۔

"ریئلی۔" جواباً روشی نے سر ہلا دیا۔

"پہلے تو تمہارے بھائی صاحب اکیلے ہی غائب ہوتے تھے رات میں یہ دونوں ہی تھے بتایا نہیں کس قسم کا ہنگامی دورہ تھا یہ؟" گلاس لبوں سے لگانے سے پہلے انا نے پوچھا۔ انداز بظاہر سرسری سا ہی تھا۔

"مصطفیٰ بھائی کو تو تم جانتی ہی ہوں گی جو امریکا میں ہمارے نیبر تھے؟" چائے کپ میں ڈالتے روشی نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"ہاں بہت اچھی طرح۔"

"وہ بھی اسی شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ فرسٹ ٹائم ولید بھائی اکیلے ہی مصطفیٰ سے ملنے گئے تھے رات پھر مصطفیٰ نے ولی بھائی اور احسن دونوں کو کھانے پر بلوایا تھا کسی ہوٹل میں میٹنگ تھی بس وہیں لیٹ ہوگئے۔"

"چھن...... چھن......!" پانی پیتے انا کو نہ صرف اچھو لگا بلکہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل پر گرا اور وہاں سے پھسلتے چکنے فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہوگیا۔

"اوہ یہ تھی یعنی اس کی رات والی مصروفیت؟"

"اور وہ خود کیا سمجھی تھی۔" انا کے دل پر بوجھ آ گرا۔ تاسف نے چہار جانب سے آ گھیرا۔ اسے لگا کہ وہ اب اپنی ہی نظروں سے گر گئی ہے۔ وہ اب کبھی ولید کے سامنے اعتماد سے نہیں ٹھہر سکے گی۔

"کیا ہوا؟" گلاس گرنے پر روشی نے پلٹ کر دیکھا جو اچھو لگنے سے منہ پر ہاتھ رکھے کھانس رہی تھی۔

"اچھو لگ گیا کیا؟" وہ فوراً چائے چھوڑ چھاڑ انا کے پاس چلی آئی کندھے پر ہاتھ رکھ کر نہایت تشویش سے انا کو دیکھا۔ کھانستے ہوئے اس کی آنکھوں سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔

"اتنی جلدی کیا تھی؟" بہتی آنکھوں سے انا فرش پر بکھرے کانچ دیکھ رہی تھی۔ کیا اعتماد اور بھروسہ بھی کانچ کے اس گلاس کی طرح ہوتے ہیں؟ اک ذرا سی ٹھیس لگی اور گر کر چکنا چور ہو جانے والے؟ اس کے اندر آگ سی دہکنے لگی تو وہ روشانے کے ہاتھ ہٹا کر کھڑی ہوگئی۔

"کھانا تو کھالو انا؟" ابھی تو انا نے تھوڑا سا ہی کھانا کھایا تھا روشانے اسے کھڑا دیکھ کر کہنے لگی۔ اس نے روشانے کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں بس جی بھر گیا......!" ایک دم کچن میں گھٹن اور حبس کا احساس بڑھ گیا تو وہ اپنی ہی سوچ سے گھبرا کر کچن کے فرش پر بیٹھ کر بکھرے کانچ اٹھانے لگی۔

"یہ کیا کرنے لگی ہو رہنے دو میں صغراں کو کہتی ہوں وہ اٹھا دے گی۔" روشانے نے اسے منع کیا۔

"تو کیا ہوا؟ گلاس ٹوٹا بھی تو مجھ سے ہی ہے۔ اب کانچ اٹھانے میں کیا حرج ہے۔" روشانے نے خاموشی سے اسے دیکھا وہ ایک ایک کر کے کانچ بائیں ہاتھ پر جمع کررہی تھی۔

"رہنے دو ہاتھ میں کانچ لگ جائے گا۔ تم اس میں ڈالو۔" ٹیبل سے پلیٹ اٹھا کر انا کو تھمائی تو اس نے خاموشی سے کانچ پلیٹ میں ڈال دیے۔

کانچ سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھیں گاہے بگاہے بھیگتی رہیں۔ روشانے کے انکشاف نے اسے احساس جرم کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کانچ ڈسٹ بن میں ڈالے اور ہاتھ دھو کر کچن سے نکلنے لگی تو روشانے نے روکا۔

"کافی بنا دوں۔" اس کے سنجیدہ موڈ پر روشانے نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"موڈ نہیں ہو رہا میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ کوئی بھی بلائے میں دروازہ نہیں کھولوں گی اس لیے سب کو کہہ دینا کہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" بہت سنجیدگی اور آزردگی سے کہتے وہ بغیر روشانے کا جواب سنے سختی سے منع کرتے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرا لاک کر تمام لائٹس آف اور ٹیبل لیمپ روشن کر کے وہ بستر پر آ گری۔

"یہ کیا ہوگیا مجھ سے؟"

"یہ میں نے کیا کردیا؟" اسے پھر سے رونا آنے لگا۔ رخسار پر انگلیوں کی جلن مزید بڑھ گئی۔

"یہ پیار رقابت وجلن کے احساس نے میری ساری صلاحیتیں زائل کر ڈالی تھی کہ میں پاگل ہوگئی تھی۔ اور وہ کیا سوچتا ہوگا۔" وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہونے لگی۔

"میں ایسی کیوں ہوتی جارہی ہوں؟ اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی کہ اچانک اس شخص کی آمد نے اندرون خانہ آگ لگادی ہے۔ دل ہے کہ اب اختیار ہی میں نہیں...... کیوں؟" تکیے پر سر رکھ کر وہ سسک اٹھی۔

"ولید ضیاء میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" پہلے ہی نہ جانے کیسے بہلی تھی اور اب پھر سے آگ لگادی ہے کہنے کو عام سی بات مگر کیسے اپنا ذہن نارمل کروں؟ کیوں اسے دیکھ کر میں نظر انداز نہیں کر پاتی؟ کیوں اسے دیکھ کر اپنا آپ بھولنے لگتی ہوں؟ راتیں عذاب بن گئی ہیں۔ بستر پر کانٹے اگ آئے ہیں۔" وہ سسک اٹھی۔

"اور وہ لڑکی تھی بھی کتنی خوب صورت؟ چلو مان بھی لوں کہ رات اس کے پاس نہیں گیا تھا مگر باقی راتوں میں تو جاتا ہی رہا ہے اور کوئی کیا جانے یہ واقعی ایکسیڈنٹ تھا یا کوئی اور تعلق؟" وہ الجھ الجھ کر ہارنے لگی تو بستر پر اٹھ بیٹھی۔ رقابت وجلن نے پھر منفی سوچ میں پھنسا دیا اندر تو آگ دہک ہی رہی تھی کسی پل قرار نہ تھا۔

"ولید ضیاء احمد عام سے انسان ہی تو ہو بس اضافی خوبی یہ ہے کہ اپنے باپ کے برعکس خوب صورت شاندار شخصیت وکردار کے حامل ہو اور کیا میں اتنی سطحی ہوں کہ تمہاری اس مردانہ خوب صورتی نے مجھے گھائل کر ڈالا؟" اپنے تصور میں وہ ولید ضیاء کے سراپے سے ہم کلام ہوئی تو ایک دم تھی سی رگ رگ میں بھر گئی۔

"نہیں...... انا وقار احمد بھی سطحی سوچ وکردار کی حامل نہ تھی۔ برسوں بعد ملے تو وہ پہلی نگاہ کے تاثر نے چاروں شانے چت کر ڈالا۔ ورنہ انا وقار احمد یوں لمحوں میں اپنی ہستی بھول جانے والی تو نہ تھی۔" وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسک رہی تھی۔

"کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا؟ جب سے آئے ہو نیندیں حرام ہوگئی ہیں میری۔ دن رات آگ کی بھٹی میں جلتی ہوں ولید ضیاء احمد رات میری غلطی تھی مگر کیا تم اتنے ہی بے حس اور کم فہم ہو کہ ایک لڑکی تمہارے سامنے پوری جان سے سلگ رہی ہے مر رہی ہے اور تمہیں ادراک تک نہیں ہو رہا۔ تمہیں ترس نہیں آرہا اور لاعلمی کی یہ حد ہے کہ خود ہی آکر پوچھتے ہو کہ کیوں روتی ہوں؟" اس نے تکیہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ جی چاہا کہ کمرے کی ہر شے تہس نہس کر ڈالے وہ ولید ضیاء سے بہت ناراض تھی اور یہ ناراضی مزید آگ بننے لگی۔

"ایک تھپڑ نے کل ساری رات رلایا ہے مجھے پھر بھی میں بھول جاتی ہوں مگر ان راتوں کا حساب کیونکر چکاؤ گے ولید ضیاء احمد بہت قرض ہیں تم پر ایک تھپڑ مار کر تم سمجھتے ہو کہ تم نے میرے اندر اٹھنے والے احساسات کا گلہ گھونٹ دیا ہے تو خام خیالی ہے تمہاری یہ آگ تو عمر بھر جھلسنے والی ہے ایک تھپڑ تو کچھ بھی نہیں۔" بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ خاموشی سے اندھیرے میں گھورنے لگی۔

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم میرے اندر ہونے والی ان تبدیلیوں سے بے خبر ہو۔ تم ایک ذہین اور ہوشیار انسان ہو امریکا جیسے معاشرے میں طویل وقت گزارا ہے تم نے۔ تم لاجک کے بغیر بات نہیں کرتے اور تمہاری نالج کی یہ حد ہے کہ ایک لڑکی تم سے بدتمیزی کرتی ہے تو تم تھپڑ مار کر خاموش کروا دیتے ہو کیوں؟"

"ہاں رات میں غلط تھی میرا رویہ غلط تھا مگر ولید ضیا میں کیسے مان لوں کہ تم بے خبر ہو کیونکر......! تمہارا یہ خوب صورت مردانہ قد کاٹھ فولادی وجود تمہاری جادو اثر آنکھیں مستحکم چال اپنے کردار واخلاق کی حفاظت ولید ضیاء سچ بتاؤں تو میری جیسی لڑکی اگر ہار بھی جاتی ہے تو کیا غلط کرتی ہے ایک تھپڑ مار کر خاموش کروا دینا کیا حکمت ہے اس میں؟" وہ سسک رہی تھی۔

لیکن ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلتے وہ پھر سے تکیے میں منہ چھپا کر گم صم ہوگئی تھی۔

❀......❀......❀

باقی سارا وقت اس نے پتا نہیں کیسے گزارا۔ سارا وقت تابندہ بی دوسروں کے ساتھ ہی مصروف رہیں۔ رات گھر کے تمام مرد حضرات لوٹ آئے تو پھر گاؤں کے معاملات پر گفت وشنید کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ شہوار صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

رات بارہ بجے کے قریب تابندہ بی اس کے کمرے میں آئیں تو وہ بڑے حوصلے سے بیٹھی ان کا انتظار کررہی تھی۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟" اسے منتظر پا کر انہوں نے مسکرا کر کہا تو شہوار نے بس غصے سے دیکھا۔

"بڑی جلدی خیال آگیا میرا؟"

"ناراض ہوگئی ہو؟" مسکرا کر کہتے وہ اس کے قریب ہی بستر پر بیٹھ گئیں۔

"دوپہر میں آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لیے شہر آئی ہیں مگر آپ تو ایک منٹ کے لیے بھی مجھ سے نہیں ملیں غصہ نہ آئے تو کیا کروں؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تو تابندہ بی نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کرلیا اور بڑی محبت اور نرمی سے پیشانی چومی۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے لگی ہو تم ایسی تو کبھی بھی نہ تھیں۔ تم تو بہت صابر شاکر اور گم صم رہنے والی تھیں۔ غصہ اور ناراضی کے الفاظ تو کبھی تمہاری ذات کا حصہ ہی نہ تھے اب کیا ہوتا جارہا ہے تمہیں میری جان؟ تمہارے اندر روز بروز اس قدر رنجیدگی اور تلخی بھرتی جارہی ہے کہ کبھی کبھی میں سوچنے لگتی ہوں کہ تم وہی پرانی شہوار ہو یا پھر بدل گئی ہو۔" ماں کے الفاظ پر شہوار ایک دم شرمندہ سی ہوگئی۔

"ایسی بات نہیں بس کبھی کبھار ہائپر ہونے لگتی ہوں مگر میں بدلی تو نہیں۔" تابندہ بی نے بغور بیٹی کو دیکھا۔

شکل وصورت، ناک نقشہ ہر چیز اتنی پیاری تھی کہ انہیں ایک دم شدت سے کسی کی یاد آئی تو بے اختیار اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا۔ شہوار اس والہانہ پن پر ست کر رہ گئی۔

"اس قدر ہنگامی دورے کی کوئی خاص وجہ؟ رات ہی آپ سے کافی دیر بات ہوئی تھی تب تو آپ نے اپنے آنے کا قطعی ذکر نہ کیا تھا؟" کچھ دیر بعد شہوار نے پوچھا تو انہوں نے بغور شہوار کو دیکھا۔

"رات تمہاری گفتگو نے مجھے بہت پریشان کردیا تھا بہت سوچا تو یہی حل نکلا کہ تم سے یہاں آ کر روبرو بات کروں سچ کہوں شہوار مجھے قطعی امید نہ تھی کہ تم یوں شدت سے اس رشتے سے انکار کرکے بدگمانی کی حد کردو گی۔ میں تمہاری ماں ہوں تمہاری پرورش کی ہے تمہارے ہر رنگ سے باخبر ہوں تمہارے اندر جو بھی تبدیلیاں رونما ہوئی میرے سامنے تھیں مگر رات جس طرح دھمکی آمیز انداز میں بات کرکے تم نے کہا کہ اگر میں نے اس رشتے پر نظر ثانی نہ کی تو تم اپنی تعلیم کو خیرباد کہتے گاؤں آ جاؤ گی تو مجھے تمہارے اس طرز گفتگو اور انداز نے ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور پھر سوچا کہ پہلی فرصت میں ہی تم سے ملوں تم کیونکر انکاری ہو تمام وجوہات کا خود یہاں آ کر جائزہ لوں۔" تابندہ بی نے سنجیدگی سے ساری صورتحال واضح کرڈالی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"میں نے جان بوجھ کر انکار نہیں کیا وجوہات بہت سولڈ اور مضبوط ہیں میں اب بھی وہی سب کہوں گی جو رات یا اس سے پہلے انکار کرتے وقت کہہ چکی ہوں۔ یہ ایک بے جوڑ اور قطعی ان سوٹ ایبل تعلق ہے۔ ہمارا اور ان لوگوں کا کہیں بھی اور کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ امی یہ حقیقت روز اول سے روشن ہے کہ ہم ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق خونی یا نسبی نہیں رکھتے تو یہ لوگ ہم سے کسی قسم کی تعلق داری بھی نہیں رکھ سکتے۔"

"مگر بابا صاحب بھابی جان بھائی صاحب اور دیگر لوگوں میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔" تابندہ بی نے کہا۔

"مگر مجھے اعتراض ہے اور رہے گا۔" شہوار نے تلخی سے کہا۔

"میں ان اعتراضات کو نہیں مانتی۔"

"تو پھر امی جی یہ طے ہے کہ میں ادھر نہیں رہوں گی۔" شہوار کا انداز دوٹوک تھا۔

"مصطفیٰ بہت پیارا اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے بیٹا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"میں ان موصوف کی اچھائی، سلجھے اور پیارے پن سے انکاری نہیں ہوں مگر میرا انکار ہنوز ہے۔"

"وجہ جانے بغیر تو میں بھی انکار نہیں کروں گی۔" شہوار کے انداز پر انہیں بھی غصہ آ گیا۔

"آپ عادلہ بھابی کی فیملی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں مگر میں سب کچھ سہہ کر بھی اذیت نہیں جھیل سکتی۔ آپ کو نہیں پتا میں کس طرح اس گھر میں رہ کر کن کن انداز میں اس عورت اور اس کے متعلقین کو برداشت کررہی ہوں۔" تابندہ بی نے بغور دیکھا۔ شہوار کے چہرے پر کربناک سے تاثرات رقم تھے۔

"میں چند بار ہی عادلہ سے ملی ہوں مگر بھابی اکثر فون کرکے اس کے متعلق بتاتی رہی ہیں اب آج کل کوئی نئی بات ہوئی ہے تو بھی بتادو۔ اتنا تو مجھے پتا ہے کہ عادلہ نے اپنی بہن کا رشتہ دیا تھا مگر ادھر سے انکار ہونے پر وہ ناراض بھی آج کل وہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کررہی ہے۔ شاید اس بات کو ایشو بنارہی ہے کہ مصطفیٰ اور تمہارا رشتہ طے ہورہا ہے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"آپ کے لیے شاید اتنی سی بات ہو مگر میرے لیے بہت اہم ہے۔ عادلہ بھابی اسی حد تک رہتیں تو میں برداشت کرلیتی کہ میں انکار کے باوجود آپ سے ناراضی کا اظہار کرکے خاموش تھی کہ شاید آپ لوگوں کا فیصلہ درست ہی ہو مگر اب نہیں کل عادلہ بھابی اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے بھائی کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔" اس نے اصل بات کہہ ڈالی تو تابندہ بی حیرت سے گم صم رہ گئیں۔

"پھر؟" کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"امی جی! یہ صورتحال میرے لیے بہت اذیت ناک ہے۔ میری برداشت سے بہت بڑھ کر ہے انہوں نے جس طرح اپنے بھائی کو لے

گر میرے کردار اور میرے حسب ونسب پر کیچڑ اچھالا کوئی اور لڑکی ہوتی تو شرم سے مرجاتی۔ امی میرے باپ میرے خون تک کو پوائنٹ آؤٹ کیا گیا۔ کیا میں واقعی نسبی لحاظ سے اس قدر حقیر ہوں کہ آپ کو حقیقت بتاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے؟ کیا لوگ جو میری ذات اور آپ کے حوالے سے مشکوک ہیں تو کیا وہ سب سچ ہے بولیں نا، جواب دیں نا؟" اس نے اذیت وتکلیف سے کہتے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تو تابندہ بی حیرت سے گنگ، بے حس وحرکت اپنی جگہ ساکت رہ گئیں۔

"بتائیں نا میرے وجود کی حقیقت؟ مجھے بس اپنی نظروں میں سرخرو ہونے کا جواز دیں۔ میں نہ ضدی ہوں نہ بے حیا، بے شرم اور نہ ہی گستاخ، بے ادب۔ بس میں لوگوں کے سوالوں کے سامنے اب مزید نہیں ٹھہر سکتی۔ ان لوگوں کی محبت وخلوص پر کوئی شک نہیں۔ مصطفیٰ کے اخلاق وکردار اچھائی سے میں انکاری نہیں مگر جب میں اپنی ذات سے خود ہی بے خبر ہوں تو کیونکر لوگوں کے سوالوں کا سامنا کرسکتی ہوں۔ میں آپ کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی اس لیے ہمیشہ چپ کی بکل ماری رہی اب بھی میں چپ چاپ سب کچھ سہہ لوں گی۔ یا آپ مجھے حقیقت بتادیں اگر یہ ممکن نہیں تو پھر اس رشتے سے انکار کرڈالیں پلیز۔ پھر میں کبھی آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ مگر یہ طے ہے کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔" آنکھوں میں نمی لیے اس نے ماں کو دیکھا وہ گم صم سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"امی جی۔" اس نے ان کو متوجہ کرنے کو ان کے ہاتھ تھامے تو وہ چونک گئیں۔ تابندہ بی کے ہاتھ خطرناک حد تک سرد ہورہے تھے ان کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ وہ بہت نڈھال اور خستہ حال دکھائی دینے لگی تھیں۔ صرف ایک پل میں۔

"امی جان......!" اس نے ایک دم گھبرا کر ان کے ہاتھوں کو ہلایا تو انہوں نے بےدم ہوتے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"امی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" انہیں آنکھیں بند کرتے دیکھ کر چیخی وہ ایک دم متوحش ہوگئی تھی۔

"اپنی ماں کو اس امتحان میں مت ڈالو مجھ سے وہ مت پوچھو جس میں خسارہ ہی خسارہ اور نقصان ہی نقصان ہے تمہاری ماں کے پاس تمہارے ہر سوال کا جواب ہے مگر ابھی کوئی رستہ نہیں واپسی کا ابھی کوئی نشان کوئی منزل نہیں مل رہی۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو تمہیں اب بھی شادی کے لیے مجبور نہیں کروں گی میں، اگر اعتبار کرسکتی ہوں تو سن لو تم بے نام ونشان نہیں ہو۔ سکندر علی کون تھا اور کہاں سے تعلق رکھتا تھا؟ ایک بڑی لمبی کہانی ہے اور ابھی اس کہانی سے پردہ اٹھانے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی تو بہت کچھ سہنا باقی ہے۔ جھیلنا باقی ہے کیسے بتادوں کہ تم کون ہو؟" بہت دھیمے الفاظ میں وہ کہہ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور گہرا سیال مادہ ان کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ شہوار کے اندر پشیمانی کا گہرا احساس ابھرا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنے سوال وجواب کے سلسلے میں ان کی حالت ناقابل برداشت تھی۔

"ایم سوری امی جان! مجھے معاف کردیں میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر چوما تو بھی انہوں نے پلکیں وا نہ کیں۔

"امی جان آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" نبض چیک کرتے پیشانی چھوتے اس کا تشویش سے برا حال تھا۔

"ہاں اب ٹھیک ہوں بس آرام کروں گی۔" وہ نیم دراز ہوگئیں تو شہوار نے فوراً تکیہ درست کرکے ان کو کمبل اوڑھا دیا۔

"آپ تو میری زندگی کا اثاثہ ہیں زندہ رہنے کی بنیاد مگر تجسس تو انسانی فطرت کا حصہ ہے نا؟ امی جان۔" ماں کی آنکھوں سے ابھی بھی خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے شہوار کے اندر احساس جرم نے کروٹ بدلی۔

"ایم سوری۔" ان کے کندھے پر پیشانی ٹکاتے وہ خود بھی سسک اٹھی۔

"میرے اندر ابھرتے تجسس پر پل نہ باندھے گئے تو کسی دن میرے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے گی۔"

"سوجاؤ شہوار تمہارا مسئلہ میں سمجھ رہی ہوں۔ تم پر کوئی دباؤ، کوئی زبردستی نہیں۔ تمہاری ماں بڑی بدنصیب عورت ہے بڑے پیارے اور خوب صورت رشتے تھے جن کو چھوڑ دیا، صبر کرلیا۔ قسمت نے سب کچھ دے کر چھین لیا میں نے صبر وشکر کیا اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ تم کہو گی تو ان رشتوں کو بھی چھوڑ دوں گی تمہاری خاطر بہت کچھ چھوڑ دیا اور اب پھر تمہاری خاطر چھوڑ دوں گی۔" وہ رو رہی تھیں۔ ان کا ہر آنسو شہوار کو اپنے دل پر گرتا محسوس ہوا۔

"امی جان پلیز۔" وہ شدت سے رو دی۔

"اپنی جڑ کی تلاش کا حق تو ہر انسان کو ہے نا؟"

"تم بھی لیٹ جاؤ آرام کرو میری نوعمری آبلہ پائی میں گزر گئی ہے تم سے کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں۔"

پتھر کے خدا، پتھر کے صنم، پتھر کے ہی انسان پائے ہیں
تم شہر محبت کہتے ہو، ہم جان بچا کر آئے ہیں

انہوں نے بڑی اذیت میں شعر پڑھا تو شہوار ساکت سی رہ گئی۔ اف یہ کرب یہ اذیت یہ کون سی کہانی تھی؟

وہ بھلا کیا حالات رہے ہوں گے جن سے اس کی ماں گزری ہوگی اور پھر اذیت و کرب کا یہ جانگسل عالم کہ اس نے جب بھی یہ قصہ چھیڑنا چاہا تھا تابندہ بی کا یہی حال رہا تھا۔ وہ ماں کی آ زردگی دیکھ کر مزید کوئی سوال نہ کرسکی تھی۔

کچھ نہ کہہ سکی بس خاموشی و آ ہستگی سے ان کے ہاتھ تھام کر بہت محبت و خلوص سے دبانے لگی کہ انکار ایک طرف مگر ان سے محبت سے کبھی انکار نہ تھا۔ وہ اس کی ماں تھیں اور رویوں اور فیصلوں میں لاکھ اختلافات سہی مگر تابندہ بی کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا حقیقی اور سچا خون کا رشتہ نہ تھا۔ بس یہی رشتہ اس کی زندگی کی اساس تھا۔ اور یہ رشتہ اس کی زندگی کی بنیاد تھا۔

اور ان کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھی' کچھ بھی نہیں وہ بے اختیار جھک کر ان کی پیشانی چومنے لگی۔



وہ کافی عجلت بھرے انداز میں کمرے سے نکلی تھی۔

''بھابی پلیز جلدی سے ناشتا تو دے دیں۔'' گھڑی باندھتے وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

''کیوں آج کہاں کی تیاری ہے؟'' ثریا بیگم نے اسے یوں نک سک تیار دیکھ کر پوچھا۔

''ایک جگہ انٹرویو کے لیے جانا ہے۔'' بھابی چھوٹے سے کچن میں چولہے کے سامنے کھڑی دودھ ابال رہی تھیں ناشتا سبھی کر چکے تھے دس بج رہے تھے ایک تو وہ لیٹ اٹھی دوسرا انٹرویو کے لیے نکلنا تھا فوراً نہانے اور تیار ہونے میں وہ دیگر لوگوں کے معمول سے خاصی لیٹ ناشتا کرنے آئی تھی۔

''ایک تو تمہارے یہ چکر ختم نہیں ہورہے چھوٹی موٹی نوکری تمہاری ناک کے نیچے بیٹھتی نہیں' نجانے کہاں کی مہارانی ہو جو ہزاروں کے خواب دیکھتی ہو یہاں تو بڑی بڑی ڈگریاں ہاتھ میں لیے لوگ پھر رہے ہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے کالج سے نکلے اور چلی ہے لاکھوں کمانے روزنئی چخ چخ...... میں کہتی ہوں آرام سے گھر نہیں بیٹھ سکتی۔ اتنا پڑھ لیا ہے کافی نہیں۔'' رابعہ نے گہرا سانس لیا آج کل امی کی طرف سے اسے اسی قسم کی گفتگو سننے کو مل رہی تھی۔ وہ تو خیر ماموں بھابی اور بھیا کی سپورٹ حاصل تھی جو روز اک نئی مہم کی تلاش میں نکل جاتی ورنہ امی سے کچھ بعید بھی نا تھا کہ اسے سختی سے گھر میں بٹھا لیتیں۔

''لو تم صحن میں آرام سے بیٹھ کر ناشتا کرلو۔'' امی کے الفاظ پر بھابی نے فوراً اسے ناشتے کی ٹرے دی تو وہ فوراً صحن میں آ بیٹھی اور ناشتا کرنے لگی۔

''آج کس جگہ جارہی ہو؟'' امی کچن سے نکل کر اس کے پاس آ ئیں۔

''علی انٹر پرائز کے نام سے کوئی فرم ہے' کمپیوٹر سیکشن کے لیے انہیں فی میل اسسٹنٹ کی تلاش ہے میری دوست ہادیہ کو تو آپ جانتی ہیں نا چند دن پہلے اس کے چچا کے ریفرنس سے وہاں جاب لگی ہے اسی نے رات کو کال کر کے اپلائی کرنے اور انٹرویو دینے کا کہا ہے کہہ رہی تھی کہ مزید ایک فی میل اسسٹنٹ کی سیٹ خالی ہے ہوسکتا ہے چانس مل جائے۔ اچھا اور ہینڈسم پیکج ہے دعا کریں یہاں کام بن جائے۔'' ناشتا کرتے اس نے کہا تو ثریا بیگم نے سر جھٹکا انہیں لڑکی ذات کا سر سے گھر سے نکلنا ہی پسند نہ تھا جاب کرنا تو دور کی بات تھی۔

''تم ادھر نزدیک ہی کوئی اسکول و کالج کیوں نہیں دیکھ لیتیں؟'' انہوں نے مشورہ دیا آفسز وغیرہ کے کاموں سے ان کو ویسے ہی چڑ تھی۔

''اسکول و کالجز میرے جیسے لوگوں کا اسٹینڈرڈ نہیں ہے میں چند ہزار نہیں بلکہ ہزاروں کمانا چاہتی ہوں۔ کیا فائدہ اتنا پیسہ لگا کر ایم سی ایس کی ڈگری لینے کا اگر وہی کولہو کے بیل کی طرح سارا دن بک بک اور چخ چخ کر کے گزار کر مہینے کے آخر میں چند ہزار لیکر گزارا کرتے رہو۔'' اس نے فوراً صفا چٹ جواب دیا۔ اس کے دوٹوک جواب پر ثریا بیگم کا پارہ ایک دم ہائی ہوگیا۔

''تم تو دنیا میں انوکھی پیدا ہوئی ہونا۔ انسان کو اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے۔ اللہ بخشے میرے اباجی کو ایک عام سے گاؤں کے مولوی اور حکیم بھی تھے سارا گاؤں ان کی عزت کرتا تھا گھر میں ہی باجی نے جو تعلیم دی وہی ساری زندگی کا زیور ٹھہری۔ قسمت سے جو شخص ملا وہ بھی ایک عام درجے کا ماسٹر تھا پرائمری اسکول کے بچوں کو الف سے انار اور ب سے بکری کے قاعدے پڑھاتا تھا ایک ہمارے خاندان میں تم نرالی پیدا ہوئی ہو ایم سی ایس کی ڈگری کیا لے لی ہے کسی کو کچھ گردانتی ہی نہیں اور ایک تمہارا بھائی ہے دو دھا بر بیٹھا بس سر ہلا کر کہہ دیتا ہے کہ امی جی جانے دیں ابھی بچی ہے۔ میں کہتی ہوں چوبیسویں سن میں پہنچ گئی ہو ابھی بھی بچی ہو۔'' رابعہ نے ایک دم سنجیدگی سے ماں کو دیکھا ان کا مزاج ایسا ہی تھا ایک دم ہائی ہوجانے والا۔

''ساری دنیا کی لڑکیاں نوکریاں کرتی ہیں میری سوچ انوکھی نہیں ہے۔''

ابی تو وہ اپنی اوقات نہیں بھولتیں۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتی ہیں۔ مہارانی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ بازار جاؤ تو تین چار ہزار سے کوئی نیچے نہیں خریدنا ہاں بھلے پانچ چھ سو کا عام کاٹن کا سوٹ خرید کر پہن لے تمہاری بلا سے۔ اور شاہانہ مزاج کا یہ عالم ہے کہ جناب نوکری بھی چاہ دس والی مانگتی ہیں۔''

''امی پلیز کبھی تو کوئی موقع جانے دیا کریں۔ روز جب بھی کہیں جانے کے لیے نکلتی ہوں آپ کا روزانہ یہیں رویہ ہوتا ہے اور باہر جا کر بھی نری خواری نصیب ہوتی ہے۔ نجانے وہ کونسا دن ہوگا جب آپ خوش ہو کر مجھے رخصت کریں گی اور میرے نصیب میں بھی کوئی معقول نوکری ہوگی۔'' ماں کے انداز پر وہ بھی ایک دم غصے سے اٹھی اور کمرے میں چلی آئی۔

''خواب میں نے کیا ڈانگ (ڈنڈا) ماردی ہے اسے جو ناشتا چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' بھابی بھی کچن سے نکل آ ئی تھیں۔ نند اور بھاوج کا بہت سلوک تھا ناشتا جوں کا توں پڑے دیکھ کر انہیں دکھ ہوا۔

''آپ بھی تو حد کرتی ہیں نا ہر وقت بے چاری کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ اب اس کا مزاج شاہانہ ہے خواب اونچے ہیں اور نوکری وہ اپنے لیول کی تلاش کررہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے آج کے دور کا ٹرینڈ ہے ہر کوئی اپنے فوائد محفوظ رکھتا ہے اور ان کی تلاش کے لیے کوشاں ہیں۔'' بھابی امی سے کہہ کر اس کے کمرے میں گھسیں تو وہ اپنی چادر اوڑھ کر فائل اور بیگ لے کر تیار تھی۔

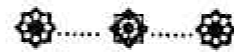
''امی کی باتوں پر غصہ مت کیا کرو وہ پرانے مزاج کی خاتون ہیں بس اندر سے خوفزدہ رہتی ہیں۔'' اسے منہ سوجائے کھڑا دیکھ کر بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''دعا کریں اس جگہ بات بن جائے ورنہ پھر کہیں اور ٹرائی کروں گی تو امی کو مزید غصہ آئے گا۔'' بھابی نے سر ہلا کر اس کا کندھا تھپکا تو وہ ان کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آ ئی۔

''ناشتا مکمل کر کے جانا بھوکے پیٹ گھر سے نکلنا بھی بدشگونی ہوتی ہے۔ رزق کی تلاش میں نکل رہی ہو پیٹ بھرا ہوگا تو آ گے بھی امید ہوگی۔'' ان کا غصہ بس اسی حد تک تھا بھابی ہنس دیں تو وہ بس سر ہلا کر نفی میں گردن ہلا گئی۔

''جب کھانے لگی تھی تب تو ایک آ نکھ نہیں بھائی تھی میں اب بھی رہنے دیں جہاں جارہی ہوں کچھ نہ کچھ لے کر پیٹ پوجا کرہی لوں گی۔'' عجلت سے کہتے چادر سنبھالتی وہ گھر سے نکل گئی تو امی نے بھابی کو دیکھا۔

''دیکھا کتنی بدلحاظ ہوتی جارہی ہے۔ میں سچ کہتی ہوں یہ تم لوگوں اور سب سے زیادہ فیضان کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ لو بتاؤ میں نے کیا کہہ دیا تھا اب بھوکے پیٹ نکل گئی ہے اور سارا دن بھوکی رہے گی۔'' وہ تاسف سے کہہ رہی تھیں بھابی ہنسی دباتیں کچن میں چلی گئیں جہاں دودھ ابلنے ہی والا تھا کہ انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر چولہا بند کیا۔



وہ آج خلاف معمول آفس سے کچھ جلدی ہی اٹھ گیا تھا دل و دماغ میں اک بوجھ سا تھا۔ شاید اسی لیے کہیں دل نہیں لگ رہا تھا ابھی بارہ بجے تھے مگر وہ اسد کر احسن کو انفارم کر کے آفس سے نکل آیا۔ کل بھی سارا دن وہ کچھ خاص نہیں کر پایا تھا اور آج بھی ضمیر پر ایک بوجھ تھا۔

''تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے کوئی مروت یا ہمدردی برتے۔'' زہریلے انداز میں کہے گئے اپنے الفاظ ہی دل کا چین وسکون غارت کیے ہوئے تھے۔

''اُف۔'' آنسوؤں سے بھری آنکھوں کی بے یقینی بھولنے سے بھی نہیں بھلائی جارہی تھی۔ کل صبح وہ اس کو لان میں دکھائی دی تھی اور اس کو دیکھنے کے بعد جس طرح سے اس نے رخ بدلا تھا۔ بظاہر ولید نے کوئی ری ایکشن تو نہیں کیا تھا مگر اندر ہی اندر پشیمان ضرور ہوگیا تھا۔ بالکل غیر ارادی و اضطراری انداز میں اٹھ جانے والا ہاتھ اب گہرے ملال سے دوچار کرتا جارہا تھا انا نے بدتمیزی کی تھی وہ تو مرد تھا عقل و برداشت اس کی فطرت کا حصہ تھا ان لمحوں میں کیوں صبر و برداشت کے دامن کو نہ تھامے رکھا کیوں ایک دم ہائپر ہوتے ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔

اگر غصہ بھی آیا تھا تو اس کا مسئلہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ پیار سے محبت خلوص سے اس کے رونے کی وجہ جاننے کی جستجو کرنی چاہیے تھی۔ بھلا یہ کہاں کی مردانگی تھی کی ایک دم ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ایک کمزور و بے بس پہلے ہی کسی غم سے نڈھال لڑکی پر ہاتھ اٹھا بیٹھا سو وہ کر ملال جاگ رہے تھے۔ رات کا منظر نگاہوں میں جم سا گیا تھا۔ اسے بخار تھا کل سارا دن اور پھر رات ڈنر میں بھی دکھائی نہ دی اور جب رات گئے روشی کے ساتھ دکھائی بھی دی تو کس قدر قطع تعلقی کا مظاہرہ کرتے اس کی موجودگی کو یکسر غیر اہم قرار دے گئی تھی۔ اگر وہ کوشش کرتی تو رات والی صورتحال کلیئر ہوسکتی تھی وہ معذرت کرلیتا تو بات نارمل ہوجاتی اور اندر ہی اندر وہ دل میں تہیہ کررہا تھا کہ وہ جیسے کھانا کھا کر فارغ ہوگی وہ بہانے سے اسے ایک طرف لے جا کر معذرت کرلے گا اور یہ طے کرکے وہ مطمئن بھی ہوگیا تھا مگر وہ کھانا کھانے کے بعد پھر

سے اپنے کمرے میں جاکر بند ہوگئی تھی اور روشی کے بقول "اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔" صبح وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی اور خود بہت خواہش کے باوجود دوبارہ اس کے کمرے میں نہیں جاسکا تھا کہ گزشتہ رات کی غلطی وہ دوبارہ دوہرانا نہیں چاہتا۔

نجانے وہ کس موڈ میں ہو اور اسے دیکھتے ہی کس انداز میں پیش آئے۔ بہرحال ایک جگہ وہ غلط تھا کہ وہ گزشتہ رات بغیر اجازت کے اس کے کمرے میں گھسنے کی غلطی کرچکا تھا اور پھر بعد میں جان بوجھ کر کسی کی ذات میں انٹرفیئر ہونے کا خمیازہ بھی بھگت لیا تھا۔

اسے آج آفس جلدی آنا تھا سو صبح ہی گھر سے نکل آیا اب یہ بھی کنفرم نہیں تھا کہ وہ کالج بھی گئی ہے یا نہیں۔ بلا مقصد ہی مختلف سڑکوں پر گاڑی گھماتے وہ اکتا گیا تو ایک سڑک کراس کرکے اس نے بلا ارادہ ہی گاڑی روکی۔ یونہی سر اٹھا کر اطراف میں دیکھا تو چونکا وہ اس وقت جس اسپتال کے سامنے تھا وہاں وہ گزشتہ دنوں کئی چکر لگا چکا تھا سوائے کل والے دن کے اور اس وقت خود کو یہاں دیکھ کر چونکا تھا۔

"اف یہ میں کہاں آ گیا؟" اسپتال کی بلڈنگ دیکھ کر ایک پل کو ولید ضیاء شدید کوفت سے دوچار ہوا بلکہ اندر ہی اندر جزبز بھی ہوا۔

"چلیں ادھر آ ہی نکلے ہیں تو لگے ہاتھوں مریضہ کی عیادت ہی کرچلیں۔" یہ سوچ کر اس نے اگنیشن سے چابی کھینچی۔ کچھ پل بعد وہ روم کے دروازے پر ناک کررہا تھا۔

"یس، کم ان۔" اجازت ملنے پر وہ اندر چلا آیا۔

"السلام علیکم!" کمرے میں مریضہ کے علاوہ اس کی والدہ تھیں۔

"وعلیکم السلام!" بیگم عبدالقیوم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کیسی ہیں یہ اب؟" ولید صوفے پر بیٹھ گیا تھا وہ جب سے اس لڑکی کو اسپتال لے کر آیا تھا آج پہلا موقع تھا کہ وہ لڑکی اسے حواس میں دکھائی دی تھی۔

تکیوں کے سہارے وہ نیم دراز تھی۔ زرد چہرہ مگر خوابیدہ حسن ایک پل کو وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"اتنا مکمل حسن۔"

"یہ اب پہلے سے بہتر ہے۔" لڑکی بھی اسے دیکھ ہی تھی جبکہ اس کی والدہ نے جواب دیا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" کاشفہ نے آہستگی سے اپنی ماں سے پوچھا۔

"یہ ولید صاحب ہیں انہی کی گاڑی سے تمہاری گاڑی ٹکرائی تھی اور پھر بعد میں یہی تمہیں اسپتال لے کر آئے تھے اور ہمیں اطلاع دی تھی۔" ماں نے تفصیلی بتایا تو اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے ولید کو دیکھا۔

"تھینکس ولید صاحب۔" وہ ولید کی حقیقتاً مشکور ہوئی تھی وہ آج پہلی بار ہوش میں اپنے محسن کو دیکھ رہی تھی ورنہ یہ شخص جب بھی آتا تھا وہ سوئی ہوئی تھی۔

"ناٹ مینشن۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو میں انسانیت کے ناطے اس کی بھی مدد کرتا۔ یہ میرا اخلاقی فرض تھا۔" ولید نے بھی مسکرا کر کہا تو کاشفہ حقیقتاً ازحد متاثر ہوئی اس نے اب کی بار بغور اس نہایت وجیہہ اور شاندار مرد کو دیکھا۔

"یہ تو بیٹا تمہارا ہم پر احسان ہے ورنہ آج کے دور میں کون اتنی انسانیت رکھتا ہے۔" کاشفہ کی ماں نے لگاوٹ سے کہا۔

"اور جس طرح تم مسلسل چکر لگا رہے ہو عیادت کو آتے ہو محسوس ہوتا ہے کسی بہت ہی نیک ہاتھوں نے پرورش کی ہے ورنہ ایسا اخلاقیات کے مظاہرے اب بھلا کون نبھاتا ہے۔" کاشفہ کی والدہ پہلے دن سے ہی اس نہایت وجیہہ اور شاندار لڑکے کی وجاہت سے متاثر ہوگئی تھیں اور جب بھی ان کی موجودگی میں ولید نے چکر لگایا تھا ان کا ولید کے ساتھ خصوصی سلوک ہوتا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کب تک مکمل ریکوری ممکن ہے؟" ولید نے اپنی تعریفوں سے ایک دم گھبرا کر موضوع بدلا۔

"زخم ابھی ٹھیک سے مندمل نہیں ہوا ہے۔ یہ ساری رات درد سے کراہتی رہتی ہے۔ ڈاکٹرز کو ڈر ہے کہ زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ جیسے ہی زخم قدرے بہتر ہوئے یہاں سے چیک آؤٹ کردیں گے۔ باقی ٹریٹمنٹ تو گھر میں بھی ہوتا رہے گا۔"

"ہوں۔" ولید نے محض سر ہلا دیا۔

کاشفہ مسلسل اس خوبرو اور ڈیسنٹ شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی نہ صرف ڈریسنگ لاجواب تھی بلکہ ظاہری شخصیت کے ساتھ ساتھ بات کرنے کا خصوصی انداز رکھ رکھاؤ اور سلجھا پن بھی بڑا دلکش تھا۔ بس چند ایک بار کی اچٹتی نگاہوں کے بعد ولید نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی اس کی مکمل توجہ اس کی ماں کی طرف تھی۔ ورنہ اپنی خوب صورتی اور دلکشی سے وہ خود بھی بخوبی آگاہ تھی کہ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے والا اس کو بار بار دیکھنے کو ضرور مچل اٹھتا تھا جبکہ یہ شخص ایک بار کے بعد نگاہ ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

"کیا لو گے، کچھ منگواؤں؟" چند ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد ماں نے پوچھا تو وہ سلیقے سے معذرت کرگیا۔

"نو تھینکس، اپنے آفس سے اٹھ کر آیا ہوں بلکہ اب تو اجازت دیں آفس میں اور بھی بہت سے ضروری امور توجہ طلب ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کاشفہ کی آنکھوں میں ایک دم اضطراب چھلکا۔

"بیٹھیں نا۔" ولید نے اس نہایت حسین لڑکی کو دیکھا اور دھیرے سے رسمی انداز میں مسکرا دیا۔

"نو تھینکس میم، مجھے واقعی آفس میں ضروری کام ہیں۔"

"پھر کب آئیں گے۔" ولید نے چونک کر دیکھا وہ بڑی بے قراری سے جواب کی منتظر تھی۔

"دیکھیے پھر کب فرصت ملتی ہے؟ پلیز گیٹ ویل سون۔" اس نے رسماً کہا تو لڑکی لب دبا گئی۔

"او کے میم ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔" وہ دونوں کو کہتا وہاں سے نکلا تھا۔

"اف لڑکی ہے یا کوئی مورت۔" اپنی گاڑی تک پہنچنے تک اس کے ذہن پر یہی بات سوار تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی جو اسے اندر ہی اندر کلک کررہی تھی۔ پتا نہیں محسوسات کس نوعیت کے تھے مگر خیال دیرپا تھا۔

"انا ٹھیک ہی کہتی ہے یہ لڑکی واقعی بلا کی خوب صورت ہے۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ولید کو ایک دم انا یاد آئی تو اور بھی بہت کچھ یاد آیا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور اپنا ایک دم ہائپر ہوکر ہاتھ اٹھانا۔

"احمق، سلی گرل نجانے کیا کرتی پھر رہی ہے۔ لگتا ہے اب اس سے دوٹوک بات کرنا ہی ہوگی۔ اب پتا چلانا ہی ہوگا کہ کیوں ایسا بی ہیو کررہی ہے۔ کیا پرابلم ہے؟" انا کے تصور سے اور بھی بہت کچھ یاد آنے لگا تو ساتھ میں تکلیف دہ احساس بھی دل میں کروٹ لینے لگا کہ اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور کتنی بے یقینی سے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اتنی شدید ناراض ہے کہ اپنی شکل دکھانے کی بھی روادار نہیں۔" ولید کے اندر ملال بڑھنے لگا تو اس نے فوراً گاڑی کی رفتار تیز کردی مگر اندرونی اضطراب میں قطعی کمی واقع نہ ہوئی۔

"پہلے مجھے انا سے بات کرنا ہوگی اگر وہ پہلے کی طرح پھر ٹال گئی تو پھر روشانے سے ڈسکس کروں گا آخر پتا تو چلے محترمہ کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ ایسا بی ہیو کیوں کررہی ہے؟ اگر کوئی ریزن بھی ہے تو لوجک تو نظر آئے۔" ایک لائحہ عمل تیار کرنے کے بعد اس نے خود کو قدرے ریلیکس محسوس کیا اور گاڑی کی رفتار مزید بڑھاتے کیسٹ پلیئر آن کرلیا۔



وہ اپنے آفس میں مختلف فائلز کھولے مصروف تھا جب دروازے پر ناک ہوئی۔

"یس کم ان۔" فاروقی صاحب اندر داخل ہوئے تو عباس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"السلام علیکم سر۔"

"وعلیکم السلام خیریت؟" انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے عباس نے فائل ایک طرف ہٹادی۔

"سر آپ کے سیکشن کے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کے لیے جو سیٹ خالی تھی اس کے لیے چند امیدوار کو کال کیا تھا انٹرویو سیکشن میں شاہزیب صاحب بھی موجود تھے یہ امیدواروں کی لسٹ ہے اور ہر امیدوار کی لسٹ کے ساتھ ان کے کوائف بھی درج ہیں اور سلیکشن کمیٹی کا یہ رزلٹ ہے چونکہ یہ آپ کے سیکشن کے لیے ویکنسی ہے تو سر شاہزیب کا کہنا تھا کہ سلیکٹیو پرسن سے آپ خود بھی ایک بار مل لیں۔" فاروقی صاحب نے عباس کے سامنے ایک فائل رکھ دی اور ساتھ ہی سلیکٹیو پرسن کی رزلٹ شیٹ اور کوائف کی فائل بھی عباس نے چند پل تمام پیپرز کو بغور دیکھا پھر فاروقی صاحب کو۔

"بٹ میں نے بابا جان سے صاف اور واضح لفظوں میں کہا تھا کہ مجھے ایک ایکسپیرینسڈ پرسن چاہیے یہ سلیکٹیو خاتون تو خود فریش ایم بی اے ہیں اب ان کو پہلے سکھاؤں گا یا کام کرواؤں گا۔" عباس فائل دیکھ کر قدرے برہم ہوا۔

"یس سر میں نے سر سے بات کی تھی مگر ان کا پوائنٹ آف ویو آپ سے قدرے چینج ہے ان کا کہنا ہے کہ یوتھ فریش اور شارپ مائنڈ کی مالک ہوتی ہے ان کی صلاحیتوں کو ابھی استعمال نہیں کیا گیا اس لیے نیو اسٹاف کو سلیکٹ کرتے ہوئے خیال کیا جائے کہ وہ فریش اور جوان اور انرجیٹک ہوں اس امیدوار کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار ہے۔ بی ایس سی تک اسکالرشپ ہولڈر رہی ہیں یہ خاتون اور ایم بی اے میں بھی بہت شاندار پرسنٹیج ہے اور انٹرویو کے دوران میں سب سے زیادہ کانفیڈنٹ اور زبردست پرفارمنس انہی کی رہی ہے۔ پچھلے دنوں سر سجاد صاحب کے سیکشن کے لیے جو خاتون اپائنٹ ہوئی ہیں وہ بھی فریش اور ینگ ہیں۔ یہ دونوں خواتین ایک ہی اداروں کی فارغ التحصیل ہیں ایک

جیسا اکیڈمک ریکارڈ ہے۔ مس ہادیہ کی اب تک کی پرفارمنس بہت زبردست ہے یہ مس بھی انہی کے ریفرنس سے آئی ہیں۔" فاروقی صاحب نے تفصیلی اور تعریفی بیان جاری کیا تو عباس نے اکتا کر فائل ایک طرف کردی۔

"باباجان مطمئن ہیں ان خاتون سے؟" اس نے پوچھا۔

"یس سر۔" عباس کی سنجیدگی پر فاروقی صاحب نے فوراً سر ہلایا۔

"او کے بلوائیں ان خاتون کو۔ سلیکشن تو آپ لوگ کر ہی چکے ہیں اب بھی آپ ہی بات کیجیے گا میں بس چیک کروں گا۔" عباس نے انٹر کام فاروقی صاحب کی طرف بڑھایا تو انہوں نے فوراً متعلقہ لائن پر کال ملائی۔

"عباس صاحب کے سیکشن کے لیے جو خاتون سلیکٹ ہوئی ہیں ان کو اندر بھیج دیں۔" فاروقی صاحب نے پیغام منتقل کرکے انٹر کام رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی ساتھ ہی نسوانی آواز آئی۔

"مے آئی کم ان سر۔" براؤن چادر سلیقے سے اوڑھے وہ لڑکی دہلیز پر کھڑی تھی۔ عباس نے بے زاری سے دیکھا ایسی ڈرپوک سی لڑکی کئی گز چادر اردگرد پھیلائے اس کے ڈیپارٹمنٹ کے لیے سلیکٹ ہوئی تھی لڑکی کو دیکھ کر عباس کا کوفت سے برا حال ہوا۔

"کم ان۔" اس نے رکھائی سے کہا تو لڑکی اندر بڑھ آئی۔

"تشریف رکھیے۔" فاروقی صاحب نے عباس صاحب کے تیور دیکھتے خود ہی لڑکی کو سیٹ کی آفر کی وہ دائیں طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"تھینکس۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" عباس نے سابقہ موڈ میں ہی پوچھا۔

"رابعہ نواز۔ بٹ سر میری سی وی میں میرے متعلق تمام معلومات درج ہیں۔" نام بتا کر اس نے بڑے سلیقے اور اعتماد سے عباس کے سامنے رکھی اپنی فائل کی طرف نگاہ کرتے ہوئے کہا تو عباس کی بھنویں تن گئیں۔

"جی دیکھ چکا ہوں آپ کی سی وی میں آپ کے متعلق آپ کی زبانی کوائف سننا چاہتا ہوں۔" عباس نے اب کے ناراضی سے کہا۔

"ایم سی ایس کیا ہے حال ہی میں میں نے یہاں نیوا پائنٹی مس نادیہ کے ریفرنس سے آئی ہوں میٹرک ایف اے میں اسکالرشپ ہولڈر رہی ہوں۔ بی سی ایس میں کارکردگی اکیڈمک لحاظ سے بظاہر شاندار ہے۔ ہاں ایکسپیرئنس کے لحاظ سے فی الحال میں زیرو ہوں۔ یہ میرا کسی بھی فرم کے لیے جاب کا فرسٹ ایکسپیرئنس ہوگا۔" وہ بہت ہی اعتماد اور وقار سے وہ بول رہی تھی۔ عباس بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر وہ خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔ پہلی نگاہ کا تاثر جو بھی تھا مگر لڑکی دقیانوسی نہیں تھی اور نا ہی آؤٹ آف فیشن تھی ہاں بڑی سی چادر اردگرد ضرور لپیٹے ہوئے تھی۔

"آپ خود ہی بتا رہی ہیں کہ آپ کا یہ جاب کا فرسٹ ایکسپیرئنس ہے جبکہ ہماری فرسٹ ریکوائرمنٹ ایکسپیرئنسڈ پرسن ہی تھا جبکہ آپ بالکل فریش ایم سی ایس ہیں۔ کیا خیال ہے آپ ہماری فرم کی ریکوائرمنٹ پر پورا اتر سکیں گی؟" عباس نے براہ راست لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"سر میں دعویٰ نہیں کرتی وقت و حالات انسان کی قابلیت کا فیصلہ کرتے ہیں آپ آزما کر دیکھ لیں۔" وہی پُراعتماد لہجہ تھا وہ ذرا بھی کنفیوژ نہ ہوئی تھی براہ راست عباس صاحب کو دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

"میں اکیڈمک ریکارڈ سے متاثر نہیں ہوتا مجھے انسان کی صلاحیتیں متاثر کرتی ہیں۔ جبکہ آپ میں ہماری ڈیمانڈ کے مطابق صرف کوالیفکیشن ہے تجربہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کی سلیکشن کمیٹی میں تبھی بد دماغ سر پھرے انسان موجود نہیں تھے۔ اگر میرا سلیکشن کیا گیا ہے تو فرم کے رولز اینڈ ریگولیشن کو مدنظر رکھ کر ہی کیا گیا ہوگا۔" عباس کے سوالوں پر اس نے قدرے چڑ کر کہا تو فاروقی صاحب نے اس جواب پر ایک دم ٹھٹکا کر عباس صاحب کو دیکھا جس کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے تھے۔

"کتنی اسٹریٹ فارورڈ لڑکی تھی یہ۔"

"اس قدر کانفیڈنس آپ کے حق میں نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے آئی تھنک ابھی آپ کو اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو نہیں کیا گیا۔" عباس نے بھی قدرے برہمی سے باور کرایا تو وہ لڑکی مسکرادی یعنی وارننگ دی گئی تھی۔

"یہی تو آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں سر کہ ابھی جب اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو نہیں کیا گیا تو پھر صاف اور واضح الفاظ میں کہیں کہ محترمہ آپ اس دھمکی کے اہل نہیں کیونکہ آپ کے پاس تجربہ نہیں۔ جبکہ آپ کی سلیکشن کمیٹی مجھے سلیکٹ کرچکی ہے اس کے باوجود یہ انٹرویو کا دوبارہ سلسلہ مجھے سمجھ

نہیں آرہا؟" اس لڑکی کا اعتماد جوں کا توں تھا۔

اب کے فاروقی صاحب نے اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا جبکہ عباس اس لڑکی سے ایسے جواب کی توقع نہیں کررہا تھا ایک دم حیرت زدہ رہ گیا۔ کتنی بدتمیز ہے یہ لڑکی۔

"آپ اوور کانفیڈنٹ ہی نہیں بلکہ اچھی خاصی گستاخ بھی ہیں۔" فاروقی صاحب کو مسکراہٹ روکتے عباس نے دیکھ لیا تھا اس کا ٹمپرامنٹ ایک دم لوز ہوا۔ اپنے سینئر ورکر کے سامنے ایسی بے عزتی؟ عباس جھنجلا ہی گیا تھا۔

"تھینکس فار دی کمپلیمنٹس، بٹ میرے لیے اب کیا حکم ہے؟ میں جاؤں، کیونکہ آپ کی توقعات پر میری سی وی پورا نہیں اتر رہی سو پلیز مجھے میری فائل واپس کردیں تاکہ میں جاسکوں۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ میں سلیکٹ ہونے کے بعد دوبارہ انٹرویو کے پراسس سے گزروں۔" عباس کے الفاظ پر وہ لڑکی فوراً کھڑی ہوگئی تھی اور بغیر کسی لحاظ مروت کے اس نے کہا تو دونوں حضرات حیرت زدہ رہ گئے۔

باباجان کو اس میں ایسا کیا نظر آگیا جو سلیکٹ کرلیا۔ کیونکہ کسی بھی شعبے سے متعلق سلیکشن وہ خود کرتے تھے اب کے اگر وہ اس لڑکی کو جانے دیتا تو یقیناً باباجان سے سخت ناراضی کا سامنا بھی ہوسکتا تھا جبکہ یہ لڑکی اسے انتہائی بدتمیز لگی تھی۔

"فاروقی صاحب آپ ان محترمہ کو باباجان کے پاس لے جائیں ان کا سلیکشن انہی کے انڈر ہوا ہے یہاں جو کارروائی وقوع پذیر ہوئی وہ بھی بتادیں۔ میرے پاس آپ آئندہ ایسے پاگل لوگوں کے کیس لے کر مت آیئے گا۔ اب یہ بابا کا ہیڈک ہے وہ رکھتے ہیں یا رفیوز کرتے ہیں میری بلا سے۔" عباس نے غصے سے دونوں فائلز اٹھا کر فاروقی صاحب کو تھمادیں اور ساتھ ایک سخت غصیلی نگاہ رابعہ پر بھی ڈالی۔ اس ایک نگاہ سے وہ جیسے جل بھن ہی گئی تھی۔

"آپ ہیں کس خوش فہمی میں؟ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ادھر جاب کرنے کا۔ ایسے بدتمیز، پاگل ال مینرڈ لوگوں کے ساتھ میں کام کروں گی مائی فٹ، بھلے جاب میرا شوق ہے مگر مجبوری نہیں، ایک چھوڑ ایسی دس جابز تیار ہیں میرے لیے سنبھال کر رکھیں اپنی جاب۔" فاروقی صاحب کے ہاتھ سے اپنی فائل کھینچ کر تن فن کرتی وہ وہاں سے نکل گئی۔

"ارے میم سنیے تو، پلیز رکیے۔" بے چارے ساٹھ سالہ فاروقی صاحب اس کے پیچھے بھاگے جو طوفانی رفتار سے آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔



مہرالنساء بیگم کو بتا کرکے وہ آج پہلی بار بازار آئی تھیں۔ عرصہ بعد باہر کی دنیا دیکھی تو دل میں بہت سی بھولی بسری یادیں تازہ ہونے لگیں۔

"محبت اور وفا کی دولت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوتی۔ احساس زندہ ہوں تو کائنات حسین تر ہوجاتی ہے اور اگر احساس مر جائے تو پھر محبت بھی اس مردہ زمین کو پھر سے شاداب نہیں کرسکتی۔ وفا تو اضافی خصوصیت ہے نا جیسے مردہ زمین کو پھر سے آباد کرنے کے لیے محنت کے ساتھ ساتھ کھاد بیج وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔" برسوں قبل کسی کے کہے الفاظ انہیں اپنے دل و دماغ میں گونجتے محسوس ہوئے تو آنکھیں نمی سے اٹ گئیں۔

"آہ کاش......!" دل سے ایک ہوک اٹھی تو دل انجانی راہوں پر چلنے کو اکسانے لگا۔ تابندہ بی نے بڑی بے دلی سے کچھ اشیاء خریدیں اور پھر ڈرائیور کو اشیاء دے کر جانے کا کہا تو وہ حیران ہوا۔

"مگر آپ اس طرح اکیلی کیسے آئیں گی۔" تابندہ بی یہاں کے راستوں سے انجان بازاروں سے بے خبر خاتون تھیں ڈرائیور کی پریشانی لازمی تھی۔

"مجھے کچھ اور بھی خریدنا ہے۔ تم جاؤ اور ہاں مہرالنساء اور گھر میں دیگر لوگوں سے کہنا کہ پریشان نہیں ہوں میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گی میں کوئی رکشہ یا ٹیکسی لے لوں گی اس وقت تو لائبہ نے اپنے بھائی کے ہاں جانا ہے اور گھر میں کوئی گاڑی بھی نہیں مجھے کچھ دیر ہوجائے گی وہ خوامخواہ انتظار کریں گی تم جاؤ۔" تابندہ بی کے دوٹوک انداز پر ڈرائیور سر ہلا کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔

ڈرائیور کے رخصت ہونے کے بعد انہوں نے اردگرد دیکھا۔ یوں لگا برسوں بعد باہر کی دنیا میں پھر سے قدم رکھا ہو۔ بہت کچھ بدل چکا تھا اور بھی بہت کچھ تبدیلی کے مراحل میں تھا۔ انہوں نے ایک دکان سے کچھ پھل وغیرہ لیے۔

ذہن و دل میں کچھ بھی واضح نہ تھا بس آج خود بخود غیر ضروری امور سر انجام پا رہے تھے۔ تابندہ بی نے ایک رکشے والے کو روکا جگہ اور کرائے کا معاملہ طے کرکے بیٹھ گئیں۔ جوں جوں رکشا آگے بڑھ رہا تھا ان کے دل و دماغ میں کئی خیالات گردش کرتے چلے جارہے تھے۔

"اف سکندر! مجھے قطعی اندازہ نہ تھا کہ اوپر سے اس قدر آدم بیزار خواتین سے الرجک دکھنے والا مرد اندر سے اس قدر رومینٹک بھی

ہوسکتا ہے۔"

"جس کے نصیب میں تم جیسی حسین خوبصورت دل نواز خاتون ہوں وہ تو خود بخود زندہ دل ہونے لگتا ہے نا۔" برجستہ جواب پر کسی کی کھلکھلاتی ہنسی تابندہ بی کے اعصاب کو عجیب پژمردگی کا احساس بخش گئی۔

"یقین نہیں آتا یہ وہی حضرت صاحب مخاطب ہیں جن کے پیچھے میں دیوانہ وار بھاگی ہوں مگر اس ہرجائی نے کبھی قدر نہ جانی۔" کھلکھلاتی ہنسی تھمی تو کسی کے الفاظ نے پھر تابندہ بی کو اپنے سحر میں جکڑا۔

"چلیں اب تو ہم آپ ہی کو اپنا سب کچھ مان بیٹھے ہیں پھر تو پچھلے گلے شکوے تو بے معنی ہوگئے نا آپ کو دل کی مہارانی ہی نہیں بنایا بلکہ گھر کی ملکہ بھی بنادیا ہے۔" بھاری لب و لہجے میں کہا تو تابندہ بی کو اپنی پلکیں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

"نوازش ہے آپ کی مہاراج۔" شوخ لب و لہجے نے عجیب سی دلگرفتگی سے دوچار کردیا تھا۔

"لیں بیگم صاحبہ آپ کا گھر آگیا۔" وہ نجانے کن خیالوں میں غرق تھیں جب رکشے والے کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوئیں۔ انجان علاقہ اور جگہ دیکھ کر وہ الجھیں۔ انہوں نے یہاں تو نہیں آنا تھا۔

"تمہیں جس جگہ کا کہا تھا وہیں لے کر آئے ہونا؟" باہر نکل کر اردگرد دیکھتے وہ مطلوبہ مکان نہ پاکر پریشان ہوگئی تھیں۔

"جی بیگم صاحبہ جس جگہ کا کہا تھا وہیں لے کر آیا ہوں کس مکان میں جانا ہے وہ یہاں سے پوچھ لیتے ہیں۔" تابندہ بی نے چند قدم آگے بڑھائے اردگرد دیکھا۔ برسوں پہلے وہ یہاں آئی تھیں۔ تب یہاں آبادی نہ ہونے کے برابر تھی چند ایک گھر تھے اس محلے میں اور اب دونوں اطراف خوب صورت جدید اسٹائل کے گھر آباد تھے۔ ہر گھر کے سامنے ایک خوب صورت باغیچہ تھا۔ انہوں نے اطراف میں دیکھا تو چونک گئیں بائیں طرف دائیں والی سائیڈ پر ایک گھر ابھی بھی خاصی پرانی طرز کا آباد تھا جو جدید اسٹائلش انداز میں تعمیر شدہ گھروں میں یوں لگ رہا تھا گویا کوئی کھنڈر آباد ہے۔

"بی بی ملا گھر کہ نہیں؟" انہیں اردگرد دیکھتے رکشے والا بھی ان کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"اس گھر کے سامنے آجاؤ۔" رکشے والے کو کہتے وہ اس کھنڈر گھر کی طرف بڑھ گئیں۔

گھر اسی پرانی طرز پر تعمیر تھا سڑک نئی تعمیر کی گئی تھی جس کی وجہ سے گھر سڑک کے مقابلے کافی نیچے ہوگیا تھا اور بالائی منزل کافی خستہ حال تھی یقیناً بارش کے دنوں میں سڑک کا پانی گھر کے اندر ضرور گھس جایا کرتا ہوگا۔ گھر کے سامنے آکر تابندہ بی نے گھر کو دیکھا۔ برسوں بعد گھر کو دیکھا تو لگا برسوں پہلے کا ماضی نگاہوں کے سامنے آٹھہرا ہو۔

"سکندر میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آئی ہوں۔ اللہ کا واسطہ ہے مجھے پناہ چاہیے۔ اگر میں یہاں نہ آتی تو پھر کہاں جاتی۔ اس بھری دنیا میں مجھے لگا کہ صرف آپ ہی وہ شخص ہیں جو مجھے پناہ دے سکتے ہیں۔" ایک ڈری سہمی حالات کی ستائی آواز نے ذہن کے دریچے پر دستک دی تو اور بھی کئی آوازوں کی بازگشت ہونے لگی۔

"چلو بیگم صاحبہ گھر تو آپ کو مل گیا ہے نا اب مجھے کرایہ دیں میں چلتا ہوں۔" رکشے والا بھی ادھر آ گیا تھا۔ تابندہ بی نے اندرون خانہ ہونے والے شور و غل کو ذہن سے جھٹکتے رکشے والے کو دیکھا۔ وہ تیس پینتیس سال کا آدمی تھا۔ مگر محنت و مزدوری نے اس کی صحت پر کافی اثر ڈالا تھا شاید حالات نے اس کو سخت جان بنا ڈالا تھا جو لہجہ بھی سخت ہوگیا تھا۔

"ہاں اسی گھر میں آنا تھا مگر تم جانا نہیں یہ پیسے رکھ لو کچھ کھا پی بھی لو اتنی دیر میں جب تک میں فارغ ہوکر آتی ہوں۔" انہوں نے اپنا بیگ کھولا۔

"پر بی بی میں اتنی دیر تک انتظار کیوں کروں نجانے آپ کب فارغ ہوتی ہو مجھے کوئی اور سواری مل جائے گی اتنی دیر میں۔" رکشے والا کا انداز پروفیشنل تھا۔ انہوں نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں تمہارے انتظار کرنے میں جو وقت لگے گا اس کی بھی اجرت دوں گی کچھ وقت لگے گا مجھے فارغ ہونے میں پتا نہیں کہیں آنا ہو یا نہیں ہوسکتا تمہیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ بہرحال تم انتظار کرو یہ پیسے رکھو میں آتی ہوں۔" بیگ سے ہزار کا نوٹ نکال کر رکشے والے کو تھمایا تو اس نے حیرت سے تابندہ بی کو دیکھا۔

"پر میرا کرایہ تو صرف ڈیڑھ سو بنتا ہے۔"

"رکھ لو کچھ کھا پی بھی لو میں کچھ دیر میں آجاتی ہوں واپسی کا کرایہ سمجھ لینا۔" تابندہ بی نے اسے نوٹ تھما کر آگے قدم بڑھا دیے تھے۔

❀......❀......❀

ولید اسپتال سے نکلنے کے بعد آفس جانے کے بجائے گھر چلا آیا۔

"روشانے کہاں ہے؟" لاؤنج میں آیا تو صغراں سے سامنا ہوا۔

"وہ تو انابی بی کے کمرے میں ہیں۔" انا کے نام پر وہ چونکا۔

"کہیں تو بلوادوں۔" صغراں مزید پوچھ رہی تھی۔

"انا گھر پر ہے کیا؟" اس کا انداز پرسوچ تھا۔

"جی صاحب۔

صبح ان کو کافی تیز بخار تھا تو بڑی بیگم صاحبہ نے انہیں کالج جانے سے منع کردیا تھا۔"

"اوہ......" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ پلٹا۔

"آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟"

"نہیں رہنے دو۔" صغراں کو منع کرکے وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ پچھلی غلطی یاد تھی سو اب کی بار دروازے پر صرف دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"آجاؤ صغراں۔" روشانے کی آواز آئی ولید نے قدم اندر رکھا تو دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ انا بستر پر بیٹھی ہوئی تھی دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ٹھوڑی گھٹنوں پر ٹکائے ولید کو دیکھ کر حیران ہوتی فوراً سیدھی ہوئی جبکہ روشی اس کے بستر پر نیم دراز تھی۔ وہ بھی اٹھ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم......!" ولید نے سلام کیا تو انا نے حیران ہوتے سائیڈ پر پڑا اپنا دوپٹا اٹھا کر سر پر ڈالا۔

"وعلیکم السلام آپ اس وقت؟" روشی نے ہی پوچھا تو وہ مسکرادیا۔

"بس کسی کام سے گھر آیا تو صغراں سے پتا چلا کہ تم ادھر ہو۔"

"ہوں۔ بس یہ انا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی رات سے بس کمرے میں ہی بند ہے۔ پھوپو بھی پریشان ہو رہی تھیں۔ اب بھی کال کرکے پوچھا ہے کہ اس نے کچھ کھایا پیا ہے یا کمرے میں ہی بند ہے۔ بابا بھی ادھر ہی تھے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔"

"کیا ہوا ہے محترمہ کو؟" ولید نے براہ راست انا کو دیکھا تو وہ بغیر کوئی تاثر دیے اپنے ہاتھوں کو دیکھے گئی انداز بڑا لاتعلقی لیے ہوئے تھا ولید کو شدت سے اس کی لاتعلقی محسوس ہوئی۔

"بخار ہے۔" روشی نے ہی بتایا۔

"یہ بخار کس سلسلے کا ہے؟" وہ اسی طرح دروازے کے پاس کھڑا تھا روشی ولید کے سوال پر ہنس دی۔

"سنا بھی کبھی آپ نے...... بھلا بخار کا بھی کوئی سلسلہ ہوتا ہے۔" انا ہنوز خاموش تھی۔ اگر وہ خاموش تھی تو کیوں؟ ولید کو اس کے انداز نے عجیب سی تکلیف سے دوچار کیا۔ اگر وہ اپنے رویے پر پشیمان تھا تو کیا انا کو اپنے رویے پر غور کرنے کا حق نہ تھا؟ کیا اسے پشیمانی نہ تھی؟

ٹھیک ہے اس نے ہاتھ اٹھانے کی غلطی کی تھی مگر انا کا اپنا رویہ ہی اس غلطی کا سبب بنا تھا جبکہ وہ سب کچھ فراموش کیے صرف اپنی غلطی کی تلافی اور معذرت کے لیے یہاں تک دوبارہ آگیا مگر انا کا انداز ہنوز وہی تھا۔ وہ بھلا ایسا کیوں کررہی تھی؟ ولید کے اندر اس سوال نے ایک ہلچل سی مچادی تھی۔

"آخر ایسی کیا وجہ تھی کہ ایک دم اس لڑکی کا رویہ بدل جاتا تھا؟" پرسوچ نظروں سے انا کی طرف دیکھا۔

"ولی بھائی بیٹھیں نا؟" روشی نے آفر کی تو روشی کے قریب ہی بستر پر آ بیٹھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" ولید نے براہ راست انا کو مخاطب کیا تو اس نے ایک پل کو نگاہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

اس ایک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا؟ شکوہ، اضطراب، ناراضی، پشیمانی، تکلیف و اذیت اور بھی نجانے کیا کچھ تھا۔ وہ بس دیکھتا ہی رہا۔ کیسی سحر طراز آنکھیں تھیں انا وقار احمد کی۔ وہ حیرت زدہ تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ پھر مہر بہ لب ہوئی تھی۔ روشی نے دونوں کو بغور دیکھا۔ انا تو چپ چاپ تھی ہی مگر آج ولید بھی خلاف معمول خاموش دکھائی دیے۔

"آپ انا کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ رات بھی صرف دس منٹ کے لیے نکلی تھی کمرے سے پھر گھس گئی تھی صبح سے اب تک نہ کچھ کھایا ہے اور نہ ہی ڈاکٹر کے پاس جارہی ہے حتیٰ کہ بابا جان نے بھی کتنی بار اس کو کہا وہ ان کے ساتھ کسی ڈاکٹر کے پاس چلے۔" روشی انا کے

رویے سے پریشان تھی سو بھائی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

”پڑھے لکھوں کو پڑھانا شاید اسی لیے کہا جاتا ہے۔ ماشاءاللہ یہ خود سمجھدار ہیں۔ ڈاکٹر بن رہی ہیں حفظان صحت کے اصولوں سے باخبر تو ہیں ہی نا اپنی بیماری میں کیا کرنا چاہیے بے خبر تو نہیں ہے خوامخواہ تم اس کے ساتھ الجھ رہی ہو۔ ٹھیک ہو جائے گی۔“ انا کے رویے پر کچھ الجھ کر خاصی تلخی سے کہا تو انا نے بس ایک پل کو نگاہ ڈالی۔ ولید آنکھوں میں تاسف وملال لیے دیکھ رہا تھا۔ انا پھر بھی مہر بہ لب رہی۔

”انا کیا پرابلم ہے یار کچھ تو بولو جب سے تمہارے کمرے میں آئی ہوں ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو بخار ہے وہ تو پتا چل رہا ہے ڈاکٹر کے پاس نہیں چلنا تو نہ سہی کچھ کھا پی تو لو۔“ اب کے روشی نے بھی کچھ بگڑ کر کہا۔

”میں ٹھیک ہوں۔ بخار بھی اتر چکا ہے۔ ڈونٹ وری بھوک نہیں جب بھوک ہوگی میرا گھر ہے خود ہی کچن میں چلی جاؤں گی۔“ روشا نے کے جواب میں بہت سکون سے کہا تو ولید اٹھ کھڑا ہوا۔ روشی بھی اس کے صاف الفاظ پر خاموش ہوگئی تھی۔

”آپ کھانا کھائیں گے؟“ روشی اسے کھڑا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”ہوں بھوک لگی ہے۔ تم بابا کو بھی بلواؤ اور کھانا لگواؤ میں چینج کر کے آتا ہوں۔“ ایک اچٹتی نظر انا کے سابقہ انداز پر ڈال کر وہ کمرے سے نکل آیا۔

روشی نے کھانا لگوا دیا تھا۔ ولید بابا اور روشا نے تینوں ہی گھر پر تھے سو مل کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر بابا کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا روشی کو کرنے کے سو کام تھے سو وہ اٹھ گئی تھی۔ بابا کبھی کبھار ہی آفس جاتے تھے یونہی وقت گزارنے دو تین دن سے ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا تو وہ گھر پر ہی آرام کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بابا کے پاس سے اٹھا تو ذہن میں ابھی بھی انا کا رویہ تھا۔ اس کا ارادہ اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر لیٹنے کا تھا جب صغراں تیزی سے اسی کی طرف چلی آئی۔

”صاحب جی آپ کو انا بی بی کا پتا ہے وہ کہاں ہیں؟“ صغراں کے پوچھنے پر وہ چونکا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ ابھی کھانا کھانے سے پہلے تو وہ اپنے کمرے میں تھی۔

”یہ ان کا موبائل ان کے کمرے میں کافی دیر سے بج رہا ہے۔“ صغراں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اسے دکھایا تو ولید نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اس سے لے لیا۔

”ادھر ہی کہیں ہوگی پھوپو یا احسن کے کمرے میں یا پھر کہیں باہر لان میں ہوگی۔“ اس کا موبائل ایک دفعہ پھر بجنے لگا تو صغراں سے لے کر موبائل کو دیکھا۔ اسکرین پر ”شہوار“ کے نام کے حروف جگمگا رہے تھے۔

”تم جاؤ میں خود دیکھتا ہوں۔“ اسے جانے کا کہہ کر خود پھوپو کے کمرے کی طرف بڑھتے اس نے ساتھ میں لیس کا بٹن بھی پش کر کے موبائل کان سے لگالیا۔

”السلام علیکم!“

وعلیکم السلام!“ دوسری طرف شہوار مردانہ آواز سن کر چپ ہوگئی تھی۔

”ہیلو۔“ خاموشی پر ولید نے کہا۔

”انا سے بات ہوسکتی ہے۔“ ولید کے جواب میں اس نے کہا۔

”ان دنوں تو انا بی بی ہمارے ہاتھ نہیں آرہی ہیں آپ سے کیا بات کروائیں؟“ پھوپو کے کمرے میں داخل ہو کر اطراف میں دیکھا وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

”آپ کون؟“ ولید کے جواب میں شہوار نے پوچھا۔

”میں ولید عرض کر رہا ہوں انا کا ماموں زاد۔“ پھوپو کے کمرے سے باہر آ کر اب وہ احسن کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”اوہ کیسے ہیں آپ؟“ شہوار نے پوچھا۔

”اللہ کا بڑا کرم ہے۔“

”صبح انا کا فون آیا تھا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ کالج نہیں جا رہی۔ میری بھی امی گاؤں سے آئی ہوئی ہیں تو میں نے بھی آج چھٹی کی تھی اب وقت ملا تو سوچا کہ اس کی خیریت پوچھ لوں ویسے وہ ہے کہاں...... خود کیوں بات نہیں کر رہی؟“

”وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی سو مجھے کال پک کرنا پڑی ڈھونڈنے میں لگا ہوا ہوں شاید آج کی تاریخ میں محترمہ مل ہی جائیں۔“ احسن کے کمرے میں داخل ہوتے ولید نے مسکرا کر کہا تو شہوار بھی ہلکا سا ہنس دی۔

”روشی کیسی ہے؟“ شہوار نے پوچھا۔

”بالکل اسے دن اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں محترمہ۔“ احسن کے کمرے میں بھی نہ پا کر ولید کچھ الجھا تھا۔

”انا ملی کہ نہیں؟“ شہوار کی کون سی ولید سے بے تکلفی تھی بس انا کی وجہ سے تھوڑا بہت تعارف تھا مجبوراً بات کرنا پڑ رہی تھی اب انا کو غیر حاضر پا کر مروت برت رہی تھی۔

”نہیں ابھی تک تو اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا آپ شہوار سسٹر ایسا کریں کہ کچھ دیر بعد کال کر لیجیے گا تب تک موبائل محترمہ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔“

”نہیں میں نے بس انا کی خیریت پوچھنی تھی کل بھی سارا دن کالج میں بہت ڈل اور سست رہی تھی بخار بھی تھا آج شاید زیادہ ہوگیا ہے ورنہ وہ عام روٹین میں چھٹی کرنے والی لڑکی تو نہیں۔ خیر وہ جب بھی فارغ ہو تو اسے کہیے گا کہ وہ مجھے کال بیک کر لے یا پھر شام کو میں خود کال کروں گی۔“

”جی بہتر اور کوئی حکم......؟“ ولید اب دیگر کمروں میں چیک کرنے اور وہاں بھی نہ پا کر باہر آ رہا تھا۔

”نہیں بس یہی کہنا تھا نائس ٹو میٹ یو اینڈ اللہ حافظ۔“ شہوار نے اخلاق نبھایا۔

”جی اللہ حافظ۔“ کال بند کر کے وہ تیزی سے باہر صحن میں آیا۔ اطراف میں دیکھا تو بائیں طرف دیکھ کر رک گیا۔ انا لان کے ایک گوشے میں درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر غصے کا ابال اٹھا مگر وہ پی گیا۔ بہر حال ایک زیادتی وہ کر چکا تھا اور اب مزید بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

”تم ادھر بیٹھی ہوئی ہو یہاں صغراں اور میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتے رہے ہیں۔“ ولید نے اس کی قریب آ کر کہا تو انا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا بات ہے کمرے سے اٹھ کر کیوں چلی آئیں؟“ وہ اس طرح مخاطب تھا گویا پرسوں رات دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ انا کے اندر پھر سے جوار بھاٹے کا سا سماں پیدا ہونے لگا۔

”تمہاری دوست کا فون تھا۔“ اسے اس طرح خاموش پا کر اس کے قریب ہی درخت کے سائے میں گھاس پر بیٹھتے ہوئے ولید نے کہا اور ساتھ ہی موبائل بھی اس کی طرف بڑھایا۔ اب کی بار وہ حقیقتاً چونکی۔

”کون...... شہوار......؟“ اس کی چپ ایک دم ٹوٹی تھی فوراً موبائل لے کر کال میموری چیک کرتے پوچھا۔

”کس نے کال ریسیو کی تھی؟“ میموری چیک کرنے کے بعد سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

”میں نے...... تمہاری خیریت دریافت کر رہی تھیں۔“

”اور......؟“ اس نے مزید استفسار کیا تھا۔

”شام کو کال کرنے کا کہہ رہی تھیں ساتھ میں کال بیک کرنے کا بھی پیغام تھا۔“

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“ کچھ توقف کے بعد ولید نے پوچھا۔

”بہتر ہوں۔“ دو لفظی جواب میں کام نمٹا کر وہ اٹھنے لگی تو ولید نے ایک دم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا۔

”بیٹھو ناں کچھ کہنا ہے۔“ انا نے ولید کی اس حرکت پر از حد حیرانگی سے اسے دیکھا تو ولید نے ایک دم اپنا ہاتھ واپس ہٹاتے ہوئے وضاحت کی۔

”مجھے تم سے معذرت کرنی ہے پرسوں رات نجانے ایک دم میں کیسے ہائپر ہو گیا تھا۔ ایم سوری یار۔ میں ایک پل بھی چین سے نہیں بیٹھ سکا۔ غلط فہمی سب ایک طرف مگر مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا یہ میری غلطی ہے۔ رئیلی ایم سوری۔ ان دونوں راتیں ایک پل بھی نہیں سو سکا۔ اپنے بی ہیو پر شدید پشیمان ہوں اور بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔“ انا حیرت سے گم سم رہ گئی تھی ولید اس سے معذرت کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا بس یہ خیال تھا کہ ولید اس سے اس لیے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ پرسوں رات خراب موڈ کی وجہ جان سکے اسی لیے وہ اس سے اجتناب برت رہی تھی مگر اب جس طرح ولید معذرت کر رہا تھا انا کو لگا دل میں موجود سب گلے شکوے ختم ہونے لگے ہوں۔ سارا ملال بس معذرت کے لفظوں کو سن کر ڈھلنے لگے تھے۔

”مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو ٹ یار اس سارے قصے میں میرا بھی کوئی قصور نہیں۔ تمہارا اپنا رویہ بھی تو کتنا بدتمیزانہ تھا۔ میں نے تو کبھی تمہاری کسی بات پر ضبط کا دامن نہیں چھوڑا۔ نجانے پرسوں رات ایسا کیوں ہوا؟ مجھے تم پر غصہ بھی آیا تم گزشتہ دنوں جس طرح کا رویہ اپنائے ہوئے تھیں ایک دم پرسکون اور اگلے ہی پل بالکل انجان اور اجنبی انداز مجھے تمہارے اس رویے نے بھی ہرٹ کیا تھا۔ بہر حال میں غلطی پر تھا اور اپنی

غلطی پر میں ایکسیوز کرتا ہوں اگر تم قبول کرلو تو پلیز۔" ولید کا انداز بڑا ملتجیانہ تھا۔ انا تصور میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی تھی ولید اس سے معذرت کرے گا۔

"اٹس او کے۔" ولید کے رویے پر وہ خود ہی شرمندہ ہوتے وہیں ڈھے گئی۔

"آپ کا بھی تو کوئی قصور نہیں شاید میں ہی غلط تھی۔" اس کے اندر ملال گھلنے لگے۔ اپنی جذباتیت اپنی کم فہمی پر۔

"میں نے بھی تو آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی کی تھی نا؟" اسے اب اپنی غلطی بھی یاد آنے لگی اور وجہ غلطی سے اضطراب رگ و پے میں سرائیت کرنے لگا۔

"ہاں غلطی...... تو میری بھی ہے نا مجھے خوامخواہ کسی کی ذاتیات میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ خواہ وہ ہمارا کوئی کتنا ہی قریبی ساتھی کیوں نہ ہو اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ تھی کہ میں بغیر اجازت تمہارے کمرے میں داخل ہوا تھا۔" ولید اپنی ایک اور غلطی قبول کررہا تھا جس پر انا کی گرفت بھی نہ تھی۔ جو انا وقار کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔

"میں نے بھلا ایسا کب کہا تھا؟" ولید کے الفاظ پر اسے رونا آنے لگا۔ وہ ولید کے تھپڑ مارنے پر خفا ضرور تھی مگر وہ معافی مانگے گا ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا بس وہ تو یہ چاہتی تھی کہ وہ بس اسے محسوس کرے۔ اس کی فیلنگز کو سمجھے۔ بن کہے اس کے جذبات کا ادراک حاصل کرے مگر محبوب کو جھکانا اس کی لغت میں کہیں نہ تھا۔ وہ تو ہمیشہ اس شخص کو خود سے بہت بلند ہمیشہ اونچے مقام پر براجمان دیکھنا چاہتی تھی۔

"آپ معافی مانگ کر مجھے سخت تکلیف پہنچارہے ہیں۔ پلیز ایسا مت کریں۔" وہ اپنے جذبوں سے ہار کر ایک دم رودی۔

اس شخص کے سامنے خود کو سنبھالے رکھنا اب اس کے لیے بہت مشکل کام ہوتا جارہا تھا۔

"انا ہم آپس میں کزنز ہیں۔ بھلے عمروں کا فرق سہی ہم نے علیحدہ علیحدہ ماحول میں ایک طویل وقت گزارا ہے۔ پھر بھی بابا نے ہماری جو تربیت کی اس کی جڑیں آج بھی مضبوط ہیں۔ میں روایتی مرد نہیں ہوں تم اپنے دل کا بوجھ کہہ سکتی ہو مجھ سے نہیں تو روشانے سے ڈسکس کرسکتی ہو۔ کیا پرابلم ہے وجہ تو بتا سکتی ہو نا؟" انا کے پھر یوں شدت سے رونے پر ولید کو شدید تکلیف ہونے لگی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے بہت اپنائیت سے کہا تو وہ جہاں تھی وہیں ساکت ہوگئی۔

وہ بھلا اس شخص کو کیا بتاتی؟ اس کے دل پر کیا بوجھ تھا کیونکر ڈسکس کرسکتی تھی؟ روشانے تو ایک طرف ابھی تک تو وہ ٹھیک سے اپنی ذات کے سامنے بھی اپنی ہار کا اعلان نہیں کرپا رہی تھی۔

"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اس کے سر پر ولید کے ہاتھ کا بوجھ جوں کا توں تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو ولید نے ہاتھ ہٹا لیا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا جو بخار اور اب رونے سے پھر سرخ ہورہی تھیں۔

"کسی عمارت کو بغیر بنیاد کے کھڑے نہیں دیکھا کبھی...... تمہیں واقعی پرابلم نہیں مجھے لاجک دو آئی سوئیر میں پھر کبھی تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔" ولید کا انداز دوٹوک تھا اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ اور بس ایک لحظہ کو اس بھرپور دلکش مرد کو دیکھا۔

دل چاہا کہ چیخ چیخ کر کہے کہ ہاں مجھے پرابلم ہے اور اس پرابلم کی سب سے بڑی ریزن تم خود ہو مگر وہ لب سی گئی کہ وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔

"میرے پاس آپ کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں؟" نہایت اضطراب اور دکھ سے کہہ کر وہ اٹھنے لگی تو ولید نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایسے تو کبھی نہیں جانے دوں گا میں اب...... تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ جس دن سے میں پاکستان آیا ہوں سوائے چند ایک دن کے علاوہ میں نے ہر بار تمہاری یہی کیفیت محسوس کی ہے کیا بھروسہ نہیں مجھ پر یا اعتماد نہیں؟ اگر تم مجھ سے ڈسکس نہیں کروگی تو رئیلی میں پھوپو اور احسن سے تمہارے اس رویے کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔"

"آپ ہر بات لاجک کے ساتھ قبول کرتے ہیں اگر کسی انسان کے پاس لاجک ہی نہ ہو میں بہت پرسکون اور اطمینان بھری زندگی گزار رہی تھی۔ آپ کو پتا ہے جب میں امریکا میں آپ لوگوں کے ساتھ رہتی تھی اور جب ماما پاپا نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے کتنا شور مچایا تھا میں یہاں نہیں آرہی تھی۔ مگر زبردستی لائی گئی تھی وہ تو بچپن تھا مگر مجھے بہلنے میں کئی سال لگ گئے تھے اور اب میں نے خود کو اس ماحول یہاں کے رہن سہن میں ڈھال لیا تھا میں مطمئن تھی مگر اب لگتا ہے سارا اطمینان رخصت ہوگیا ہے ایسا کیوں ہوا ہے مجھے نہیں پتا بس مجھ سے کچھ مت پوچھیں اور جب میرے پاس کسی کے سوال کا جواب نہیں تو بار بار سوال دوہرا کر مجھے تکلیف مت دیں۔ یوں سمجھ لیں بہت سے معاملات بغیر لوجک اور ریزنز کے بھی ہوتے ہیں۔" انا کے لہجے میں عجیب سا دکھ ہلکورے کھارہا تھا ولید نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

اس کی خوبصورتی دکھ واذیت کی لپیٹ میں زردی کی ردا اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کا خوب صورت چہرہ ماند تھا۔ گویا چاند زرد پڑ گیا تھا۔

"انا کوئی تو وجہ ہوتی ہے نا؟ ایسے کیسے مان لوں کہ تم......!" وہ بہت دلسانیت سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز ولید......!" وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ انا نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر سختی سے اسے ٹوک دیا۔

"آپ میرے ماموں زاد ہیں۔ میں آپ کی دل کی گہرائیوں سے عزت کرتی ہوں۔ اگر آپ کو مجھے یوں اذیت دے کر کوئی روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے تو ضرور پوچھیے میں روکوں گی نہیں۔ مگر یہ آخری بار اور حتمی الفاظ میں کہہ رہی ہوں میں بہت سے معاملات میں بہت شدت پسند ہوں۔ انتہائی حد تک جذباتی آئندہ اگر آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں صاف کہہ رہی ہوں میں آپ سے بات کرنا آپ کے سامنے آنا تک چھوڑ دوں گی۔ اگر آپ کو لگے کہ یہ شاید ناممکن ہے تو میرے لیے یہ سب ممکن ہے۔ اس کو ایک کزن ہونے کے ناطے ایک ریکوئسٹ سمجھ لیں۔ پلیز میں جو بھی ہوں جیسی بھی ہوں اسی حالت میں قبول کرلیں اگر نہیں کرسکتے تو مجھے ایک غیر ضروری چیز سمجھ کر نظر انداز کردیں پلیز، مجھے کوئی دکھ نہیں، کوئی پرابلم نہیں۔" ولید انا کے لب ولہجے اور الفاظ پر گنگ سا رہ گیا۔

"انا؟"

"کسی کو بڑے دکھوں سے بچانے کے لیے میں اگر چھوٹا دکھ سہہ لوں گی تو کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں ایک دو دن میں نارمل ہوجاؤں گی۔" اس نے مجروح ہنسی ہنستے ہوئے کہا تو ولید نے لب بھینچ لیے اور انا نے آہستگی سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا۔

"میں جانتی ہوں میرے الفاظ آپ کو دکھی کررہے ہیں مگر میں مجبور ہوں پلیز اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالیں یونہی سمجھ لیں ادھر کوئی ریزن نہیں اگر ریزن ہے تو کوئی سولڈ لوجک نہیں ہے اگر کسی دن مجھے لوجک مل گئی تو آپ کے پوچھے بغیر آپ کے سامنے اپنے دل کا درد آشکار کروں گی مگر ولید بعض درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں آشکار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ محسوس کرنے والی نگاہ خود محسوس کرتی ہے۔ سو میری طرف زیادہ توجہ بھی مت دیں یوں سمجھ لیں کسی کی کوئی کل سیدھی ہوتی ہے میری کوئی بھی نہیں۔" ہلکا سا مسکرا کر وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو بھی ولید کافی دیر تک اس جگہ بیٹھا رہا۔ انا کے الفاظ میں چھپے مفہوم اور دکھ کو تلاش کرتا رہا۔

❁......❁......❁

وہ سو کر اٹھی تو کافی وقت بیت چکا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ آج اس نے تابندہ بی کی وجہ سے چھٹی کرلی تھی وہ لاؤنج میں آئی تو مہر النساء بیگم عصر کی نماز کے بعد کے وظائف میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر انہوں نے ہاتھ میں تھامی تسبیح ایک طرف رکھ دی۔

"امی جان آگئی ہیں؟" انہیں نہ پاکر مہر النساء بیگم کو دیکھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں آئیں میں خود بھی انتظار کررہی ہوں۔" مہر النساء بیگم نے کہا۔ وہ آج بازار گئی تھیں انہیں شاید کچھ خریدنا تھا اس نے ان کے ساتھ جانا چاہا تھا مگر انہوں نے منع کردیا تھا اور پھر کچھ گھنٹے ڈیڑھ بعد ڈرائیور واپس آگیا تھا۔ انہوں نے اسے واپس بھیج دیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ لائبہ بھابی کو ان کے میکے لے جائے وہ کچھ شاپنگ کے بعد خود ہی آجائیں گی۔ اس کے بعد کچھ دیر اس نے ان کا انتظار کیا تھا پھر انا کی طبیعت دریافت کرنے کو اسے کال کی مگر اس سے بھی بات نہ ہوسکی تو وہ کمرے میں آگئی اس کا خیال تھا اب تک تابندہ بی واپس آچکی ہوں گی اب تو انہیں گھر سے نکلے ہوئے بھی کئی گھنٹے ہوچکے تھے۔ مہر النساء بیگم کا جواب سن کر وہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔

"اب تو کافی دیر ہوچکی ہے۔ ڈرائیور کو بھی بھیج دیا تھا۔ اب تو شام ہونے والی ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ سوچ کر پریشان ہورہی ہوں ایسی بھی کیا خاص چیز خریدنا تھی جو ابھی تک خریدی نہیں جارہی۔"

"انہیں تو یہاں کا کچھ خاص پتا بھی نہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کہیں راستہ بھول گئی ہوں۔" شہوار کو ایک دم طرح طرح کے اوہام ستانے لگے تھے۔

"اللہ خیر کرے ساتھ خیریت کے گھر لائے۔" مہر النساء بیگم نے کہا تو وہ ایک دم اضطراب لیے باہر نکل آئی۔

سہ پہر بھی اب رخصت ہورہی تھی مغرب میں ڈوبتے سورج کی لالی گہرے اورنج رنگ میں ڈھل چکی تھی۔ کچھ دیر بعد سورج مکمل طور پر غروب ہوجاتا تھا اور پھر شام کا اندھیرا ہر سو پھیل جاتا تھا۔

شہوار ادھر ادھر چکر لگانے کا کوئی فائدہ نہیں اندر آکر بیٹھو۔ آجاتی ہیں بوا جی وہ بچی نہیں جو راستہ بھول جائیں۔ خدانخواستہ بھول بھی جائیں تو گھر کا ایڈریس انہیں یاد ہی ہوگا۔" اسے یہاں سے وہاں پیدل مارچ کرتے دیکھ کر عائشہ باہر آکر کہنے لگی تو وہ گم صم انداز لیے اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ آئی۔

"حوصلہ رکھو بیٹا آجائیں گی وہ۔" مہر النساء بیگم نے اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی انہوں نے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے کہا۔

"ڈرائیور کو فون کرکے کہو جلدی گھر آئے اس سے پتا چلے کہ اس نے تابندہ کو کہاں چھوڑا تھا۔ دوپہر بارہ بجے وہ گھر سے نکلی تھی اب شام

ہونے کو ہے کوئی پتا نہیں اور اس کے پاس تو موبائل بھی نہیں ہوتا کہ بندہ کال کرکے ہی پوچھ لے۔" ماں جی نے صبا کو کہا تو وہ فوراً اٹھ گئی۔ ڈرائیور کو کال کرکے تابندہ بی کے متعلق استفسار کیا تو اس نے وہی بتایا جو گھر آ کر کہہ چکا تھا۔ چند مزید باتیں پوچھ کر صبا نے کال بند کردی۔

"تابندہ بوا نے خود اسے گھر چلے آنے کا کہا تھا۔ ڈرائیور بتا رہا ہے کہ انہوں نے لائبہ بھائی کو ان کے بھائی کے ہاں چھوڑنے کا کہہ کر ڈرائیور کو گھر بھیج دیا تھا اور جو کچھ انہوں نے خریدا تھا ڈرائیور کے ہاتھ گھر بھیج دیا تھا جو اس نے آ کر شہوار کو سامان دے دیا تھا۔ اس کے بعد کی صورت حال وہ کہتا ہے کہ اس کے علم میں نہیں ہے۔"

"تم دونوں بہنیں کھانے وغیرہ کا انتظام دیکھو آج لائبہ بھی نہیں' کچن میں رخشندہ اکیلی لگی ہوگی۔ شہوار بیٹا فکر نہیں کرتے آجاتی ہے ابھی۔" دونوں بیٹیوں کو کہہ کر اس کو بھی تسلی دی تو وہ محض سر ہلا گئی۔ کچھ دیر گزری تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مصطفیٰ کو فون کرو اب تو بہت دیر ہو رہی ہے اللہ خیر کرے لائبہ بھی ابھی تک نہیں پہنچی۔ ڈرائیور بھی ایک ہی ہے اب ہر جگہ اسی کو لے کر جانا ہوتا ہے کیا پتا تھا کہ تابندہ لوٹنے میں اتنی دیر کردے گی۔ اب تو دل میں وہم سے آنے لگے ہیں۔" اسے بے قراری سے کھڑے ہوتے دیکھ کر مہرالنساء بیگم نے کہا تو اس نے بھی ان کے مشورے کو فوراً قبول کرنے کا قصد کیا۔

مغرب کی اذانیں ہونے والی تھیں کچھ دیر میں گھر کے مرد آنے والے تھے ایسے میں تابندہ کی غیر موجودگی سب کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس نے ایک پل کی بھی تاخیر کیے بغیر فوراً مصطفیٰ کا ذاتی نمبر ملایا۔

"السلام علیکم۔" مصطفیٰ کی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام۔ میں شہوار بات کررہی ہوں۔" اس نے کہا۔ دوسری طرف وہ حیرت سے چونکا تھا۔

"اوہ زہے نصیب آج تو وی آئی پیز قسم کے لوگ ہمیں یاد کررہے ہیں۔ اللہ خیر کرے یہ آج ہماری قسمت کیسے جاگ گئی ہے؟" مصطفیٰ تین چار دن کی لاتعلقی کے بعد شہوار کی کال پر ایک دم ایکسائیٹڈ ہوا تھا شہوار نے جھینپ کر گھبرا کر ماں جی کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"یہ ماں جی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے مصطفیٰ کے خوش فہمیوں کے آگے پل باندھے۔

"اوہ' تبھی میں کہوں ہمیں یوں اچانک کیسے یاد کرلیا ہماری ہونے والی نصف بہتر نے۔" مصطفیٰ کا گویا اسے پوری طرح ستانے کا موڈ تھا۔

"شٹ اپ۔" اس کے الفاظ پر شپٹا کر کہا تو دوسری طرف مردانہ قہقہہ نہایت جاندار تھا۔

"ہونے والی بیگم کو اردو لغت میں نصف بہتر ہی کہتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ ویسے اگر تمہاری لغت میں اس کے کوئی اور معنی نکلتے ہیں تو وہ بتادو ہم وہ کہہ لیا کریں گے۔"

"میں اس وقت بہت پریشان ہوں' کوئی اور وقت ہوتا تو آپ کے اس سوال کا بہت اچھا سا جواب دیتی یہ لیں آنٹی جی سے بات کریں۔" غصے جھنجلاہٹ پریشانی اور اضطراب سے کہتے اس نے ساتھ ہی ریسیور ماں جی کو تھما دیا۔

مہرالنساء بیگم نے ریسیور تھام کر سلام دعا کے بعد تابندہ بی کی غیر موجودگی کی داستان سنائی تو دوسری طرف مصطفیٰ بھی پریشان ہوگیا۔

"میں ابھی پتا کرتا ہوں آپ فکر مند نہ ہوں۔ انشاء اللہ وہ آجاتی ہیں ابھی۔"

"ڈرائیور بھی ابھی تک لائبہ کو لے کر واپس نہیں لوٹا تم خود پتا کرو تابندہ کا' شہوار تو بہت پریشان ہورہی ہے۔ تمہیں خصوصی طور پر اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تم دوسروں کی نسبت جلدی پتا چلا لوگے رابطہ میں رہنا اس دوران اگر تابندہ گھر لوٹ آئی تو اطلاع کردوں گی۔" انہوں نے چند مزید ہدایات کے ساتھ کال بند کردی تھی۔

اسی دوران مغرب کی اذان ہونے لگی تو شہوار گھبرا کر ماں کی سلامتی کی دعا مانگتے فوراً اٹھ کر وضو کرنے چل دی تھی۔

(انشاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

قسط نمبر 9

نغمے آزردہ و رنجود ہوئے جاتے ہیں
آپ کیوں ہم سے بہت دور ہوئے جاتے ہیں
چارہ گر کچھ تو کہو کوئی تدبیر کرو
دل کے چھالے میرے نا سور ہوئے جاتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی شہوار کے فون سے پریشان ہوجاتی ہیں اور اگلے دن وہ بغیر بتائے شہر چلی آتی ہیں۔ مصطفیٰ ان کی آمد پر متجسس ہوجاتا ہے تو دوسری طرف شہوار بھی ماں سے ان کی آمد کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر سب لوگوں کی موجودگی میں موقع نہیں ملتا۔ ایاز عادلہ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا وہ لوگ شاہزیب کے ہاں گئیں یا نہیں جواباً عادلہ وہاں پیش آنے والی ساری صورتحال بتادیتی ہے اور ساتھ میں ایاز سے شہوار سے متعلق اس قدر شدید جذباتیت کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ کینٹین میں پیش آنے والا سارا قصہ سناتا ہے اور آخر میں عادلہ کے سمجھانے کے باوجود شہوار سے متعلق کسی سنگین قسم کی کارروائی کی پیش گوئی کرتا ہے۔ انا ولید کے رویے کی وجہ سے شدید ڈسٹرب ہوجاتی ہے اور اگلے دن اس کو بخار ہوجاتا ہے۔ روشانے اسے زبردستی کمرے سے نکالتی ہے اور کھانا کھاتے گفتگو کے دوران اسے بتاتی ہے کہ گزشتہ رات ولید اور احسن اپنے دوست مصطفیٰ سے ملنے گئے تھے تو انا حقیقت جان کر اور بھی جذباتیت کا شکار ہوجاتی ہے۔ اسے اپنے رویے اور غلط سوچ پر شدید رنج آگھیرتا ہے۔ شہوار رات سونے سے پہلے ماں سے اس اچانک آمد کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ اس کی رات والی گفتگو کو موضوع بناتی ہیں جواباً شہوار عادلہ کی آمد والا قصہ سنادیتی ہے اور آخر میں دوٹوک الفاظ میں مصطفیٰ سے رشتے سے انکار کردیتی ہے اور ساتھ ہی اپنے باپ کی اصلیت جاننے کی کوشش کرتی ہے تو تابندہ بی اس ذکر پر ایک دم نڈھال ہوکر گم صم ہوجاتی ہیں تو شہوار کو احساس جرم آگھیرتا ہے۔ رابعہ انٹرویو کے لیے جانے سے پہلے بھابی سے ناشتا مانگتی ہے تو ثریا بیگم اسے جاب کرنے پر سخت سست سناتی ہیں تو جواباً وہ بغیر ناشتا کیے ہی گھر سے نکل جاتی ہے۔ جس کا ثریا بیگم کو دکھ ہوتا ہے۔ ولید انا پر ہاتھ اٹھانے کے بعد شدید گلٹ کا شکار ہوجاتا ہے وہ اسپتال کاشفہ کو دیکھنے جاتا ہے اور پہلی بار کاشفہ کو حواس میں دیکھ کر اس کا غیر معمولی حسن دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے دوسری طرف کاشفہ بھی ولید کی شخصیت کے سحر کے آگے مسحور ہوجاتی ہے تو ولید فوراً وہاں سے نکل آتا ہے کوئی احساس ہوتا ہے جو اسے وہاں ٹھہرنے نہیں دیتا انا کے رویے کو سوچ سوچ کر وہ شدید الجھن کا شکار ہوجاتا ہے اور گھر آکر اسے جب انا سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو اپنے تھپڑ مارنے والی بات پر معذرت کرتا ہے تو انا بھی اپنے رویے پر شرمندگی کا اظہار کرتی ہے اور جب ولید انا سے اس کے رویے کی وجہ پوچھتا ہے تو انا دوٹوک الفاظ میں اسے باور کروادیتی ہے کہ آئندہ وہ اس سے اس موضوع پر بات نہیں کرے گا ورنہ وہ ولید سے ملنا اور بات چیت تک ترک کردے گی ولید اس شدید ری ایکشن پر حیران رہ جاتا ہے۔ عباس کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے رابعہ سلیکٹ ہوتی ہے اور عباس جب رابعہ سے انٹرویو کرتا ہے تو دونوں میں تلخ کلامی ہوجاتی ہے جواباً رابعہ غصے سے اپنی سی وی لے کر وہاں سے نکل آتی ہے۔ تابندہ بی شاپنگ کے لیے آتی ہیں تو ڈرائیور کو گھر واپس بھیج دیتی ہیں اور خود رکشہ لے کر کسی سے ملنے آتی ہیں اس دوران انہیں ماضی کے بہت سے واقعات یاد آتے ہیں۔ تابندہ بی شاپنگ سے واپس نہیں آتیں تو شہوار بہت پریشان ہوجاتی ہے۔ مہر النساء بیگم صبا اور عائشہ بھی فکرمند ہوجاتی ہیں تبھی مہر النساء بیگم شہوار کو مصطفیٰ کو کال کرکے تابندہ بی کا پتا کرنے کا کہتی ہیں تو شہوار مصطفیٰ کا نمبر ملاتی ہے اور اس کی جملے بازی پر کوفت سے دوچار ہوتے مہر النساء کو ریسیور تھمادیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

❁......❁......❁

انہیں واپسی میں کافی زیادہ تاخیر ہوگئی تھی۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا اور جب احساس ہوا تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں گھر کے مکین سے اجازت لے کر وہ فوراً وہاں سے نکل آئی تھیں مگر رستے میں رکشہ خراب ہونے سے کچھ وقت لگ گیا تھا اس بے چارے نے اتنا انتظار کیا تھا تو جواباً اب وہ خود بھی کچھ دیر انتظار کرسکتی تھیں۔

"میاں روک دو بس آگے میں چلی جاؤں گی۔" انہوں نے گھر سے کچھ فاصلے پر رکشہ رکوالیا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی انہیں رکشے سے اترتے دیکھے۔ رکشے والے نے رکشہ روک دیا تھا وہ اپنی چادر سنبھالتے اتر آئی تھیں۔ رکشے والے کے جانے کے بعد انہوں نے گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے مغرب کی اذان ہوچکی تھی ہر طرف شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا گھر والے ان کی طرف سے یقیناً پریشان ہوں گے انہوں نے تیزی سے گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

تبھی گھر سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی نے ان کے پاس ہارن دیا تو وہ سائیڈ پر ہوگئیں گاڑی آگے بڑھ گئی مگر تھوڑی ہی دور جاکر رک گئی۔ تابندہ بی بھی گاڑی پہچان کر ایک پل کو رکی تھیں مگر پھر مصطفیٰ شاہزیب کے نکلنے سے پہلے خود ہی تیزی سے قریب آگئی۔

"السلام علیکم آپ کہاں تھیں اور پیدل کیوں آرہی ہیں؟" مصطفیٰ ماں کے فون کے فوراً بعد گھر آرہا تھا اور اب تابندہ بی کو یوں راہ چلتے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... یونہی بس ادھر ہی تھی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان کے لیے وا کردیا۔

"آپ بیٹھیں میں گھر ہی جارہا ہوں۔" تابندہ بی خاموشی سے بیٹھ گئی تھیں۔

"آپ تھیں کہاں؟ سب لوگ گھر میں پریشان ہورہے تھے۔ ابھی ماں جی کی کال آئی تو میں گھر آرہا تھا۔ خیریت تھی نا ڈرائیور بھی آپ کے ہمراہ نہیں تھا۔" گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے تابندہ کو بغور دیکھا وہ چادر کے پلو میں منہ چھپائے ہوئے تھیں وہ ہرگز ان کو نہ پہچانتا اگرچہ ایک بار ہی مخصوص چادر میں حویلی آتے جاتے انہیں نہ دیکھ چکا ہوتا۔ اس نے شک میں گاڑی روکی تھی مگر جب تابندہ بوا خود ہی پاس آکر ٹھہریں تو اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

"نہیں یونہی بازار کے لیے نکلی تو رستہ بھول گئی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی بمشکل بازار کے ہجوم سے نکلی تو رکشہ والے نے خوار کرڈالا۔" تابندہ بی کا انداز پراعتماد تھا۔ مصطفیٰ نے تعجب سے انہیں دیکھا اگر چادر کے پلو میں ان کا چہرہ چھپا نہ ہوتا تو وہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا کہ ان کے بیان میں کس حد تک سچائی ہے۔

"اتنے گھنٹے کوئی رستہ بھول کر بازار کے ہجوم میں خوار نہیں ہوتا۔" مگر وہ ان سے کہہ نہیں سکا تھا لیکن الجھ ضرور گیا تھا۔

"آپ شاپنگ کرنے نکلی تھیں تو آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"زیادہ شاپنگ ہی نہیں کی جو خریدا تھا ڈرائیور کے ہاتھ بھجوادیا تھا۔" گھر آچکا تھا مصطفیٰ نے ہارن دیا تو چوکیدار نے باہر نکل کر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔

"بہرحال آپ کو اکیلے بازار نہیں جانا چاہیے تھا اگر گئی بھی تھیں تو ڈرائیور کو گھر نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" گاڑی اندر لاکر کھڑی کرتے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس غلطی ہوگئی کئی سال بعد باہر نکلی تھی اندازہ ہی نہیں تھا کہ باہر کی دنیا اتنی بدل چکی ہے۔" ان کے لہجے میں گزرے وقت کا ملال اور گہرا تاسف تھا۔

گاڑی رکنے پر شہوار بڑی تیزی سے باہر آئی تھی۔ وہ تابندہ کی شدت سے منتظر تھی تابندہ بی باہر نکلیں تو وہ فوراً بھاگ کر ان کے پاس آئی۔

"اماں آپ اتنی دیر تک کہاں تھیں میں اتنی پریشان ہوگئی تھی مجھے تو اب طرح طرح کے اوہام ستارہے تھے۔" نماز پڑھ کر اٹھی تھی اور اسی حالت میں گاڑی کی آواز سن کر باہر بھاگی تھی۔ قبولیت کی گھڑی تھی جو مصطفیٰ کے ساتھ تابندہ بی کو دیکھ کر ایک دم روہانسی ہوگئی تھی آواز میں ایک دم نمی سی رچ بس گئی تھی۔

"میں ادھر ہی تھی اللہ خیر کرے میں بچی تھوڑی ہوں جو تم پریشان ہوگئی تھی۔" بازو کے حصار میں لے کر شہوار کو دلاسا دیا تو مصطفیٰ بھی دوسری طرف سے نکل کر قریب آگیا۔

"اماں آپ کبھی کہیں گئی بھی تو نہیں پہلی بار بازار گئی تھیں ڈرائیور کو واپس بھی بھیج دیا اور تھیں بھی اکیلیں۔" اس نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ماں سے کہا۔

"پھوپو جی تھکی ہوئی ہیں ان کو رستہ دو اور باقی کے گلے شکوے تم اندر جاکر بھی کرسکتی ہو۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے بگڑے

تیوروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو اس سے کیا میری امی ہیں؟" خاصہ غصیلا انداز تھا تابندہ بوا نے تعجب سے اسے دیکھا۔ کتنا بچکانہ انداز تھا مصطفیٰ ہنس دیا۔

"بری بات بڑا ہے تم سے ایسے بات نہیں کرتے۔ تمیز ادب آداب بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" انہوں نے فوراً بیٹی کو ٹوکا تو مصطفیٰ کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آ ٹھہری جبکہ شہوار سلگ اٹھی۔

ماں کا ہاتھ پکڑے اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتے وہ اندر کی طرف چلی آئی تھی۔ وہاں سبھی پریشان تھے سبھی کی زبانوں پر وہی سوال تھے اور ان کا وہی جواب جو مصطفیٰ کو دے چکی تھیں۔

"اگر ایسی بات تھی تو کسی پی سی او سے کال کر لیتیں۔ نمبر تو یاد ہوگا نا۔" عائشہ نے تفصیل سن کر کہا۔

"بس خیال ہی نہیں رہا پھر عرصہ بعد باہر نکلی تھی۔ گھومتی رہی دیکھتی رہی سچ پوچھو تو میں نے خود ہی گھر فون نہیں کیا تھا میں کچھ دیر باہر کی دنیا کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی تھی پھر رکشہ والے کا رکشہ خراب ہوگیا تو کچھ وقت ادھر لگ گیا۔" مہر النساء بیگم اور مصطفیٰ دونوں نے بغور تابندہ بی کو دیکھا۔ ان کے لہجے اور چہرے پر عجیب سا تضاد تھا مگر الفاظ سچے لگ رہے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ بھولی نہیں تھیں بلکہ رستے کو جان بوجھ کر بھلا گئی تھیں۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"ہاں ایسا ہی کہہ لو۔" انہوں نے گویا بات ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

"اگر ایسی بات تھی تو ڈرائیور کو ہمراہ رکھ لیتیں۔ وہ زیادہ آسانی کے ساتھ آپ کو راستوں کی نشاندہی کروا دیتا۔" مصطفیٰ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اب کی بار تابندہ بی نے مسکرانے کی بجائے چونک کر اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کا انداز کھوجتا ہوا تھا۔

"سارا دن کچھ کھایا پیا بھی کہ یونہی گھومتی ہی رہیں۔" شہوار کو ماں کی فکر تھی مصطفیٰ کے سوالوں کو نظر انداز کرتے پوچھا۔

"ہاں بھوک تو واقعی بہت لگی ہوئی ہے تھکن بھی ہوگئی ہے تم پہلے مجھے پانی پلاؤ کھانا ابھی نہیں کھاؤں گی جب سب کھائیں گے تو کھا لوں گی۔"

"میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ فوراً پلٹی۔

"میں بھی پانی پیوں گا۔" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے جاتے جاتے بس سر گھما کر ایک نظر ڈالی وہ متوجہ تھا ذرا سا مسکرا دیا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ وہ ٹرے میں دو گلاس رکھ کر لائی تھی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ایک گلاس تابندہ بی کو تھما دیا مصطفیٰ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ خود ہی گلاس تھام کر پانی پینے لگا۔ اس لڑکی سے اسے ایسی ہی امید تھی۔

"تمہارے ابو اور بھائی بھی آنے والے ہیں کھانے کا کیا ارادہ ہے؟" مہر النساء بیگم نے عائشہ کو دیکھا۔

"کھانا تیار ہی ہے ٹیبل لگواؤں اتنی دیر میں باقی لوگ بھی آ جائیں گے؟"

"پانچ دس منٹ انتظار کر لو اور لائبہ کو بھی فون کرو کہ کب پہنچ رہی ہے؟"

"جی اچھا۔" عائشہ سر ہلا کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

"تابندہ تم کچھ دیر آرام کر لو۔ میرا خیال ہے پہلے کھانا کھا لو باقی لوگ تو بعد میں کھا ہی لیں گے تم تھکی ہوئی ہو تمہیں لیٹنا چاہیے۔"

"کھانا تو سبھی کے ساتھ ہی کھاؤں گی تھکن تو واقعی ہے لیٹوں گی ضرور۔"

"شہوار تم ماں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ کھانا لگتا ہے تو میں صبا کو بھیج دوں گی۔" شہوار سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"میں تو اتنی پریشان ہوگئی تھی اگر آپ کچھ دیر اور نہ آتیں تو میں کسی کو لے کر آپ کو ڈھونڈنے نکل جاتی۔" تابندہ بی نے بستر پر دراز ہوتے اپنی بیٹی کو بغور دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی ابھی بھی درج تھی۔

"مصطفیٰ نے آپ کو کہاں سے ڈھونڈ لیا ابھی تو مغرب کے وقت ان سے فون پر بات ہوئی تھی ابھی نماز پڑھی ہی تھی کہ آپ کو لے کر فوراً گھر بھی آ گئے تھے۔"

"میں مصطفیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ اکیلی ہی گھر آئی تھی یہ تو باہر سے مصطفیٰ نے مجھے گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔"

"اچھا۔" ماں کے جواب پر اسے حیرت ہوئی۔

"میں تو کیا سب یہی سمجھ رہے تھے کہ آپ مصطفیٰ کے ساتھ آئی ہیں۔"

"میں نے ذکر تو کیا تھا کہ میں رکشہ میں سوار تھی رستے میں رکشہ خراب ہوا تو لیٹ ہوگئی۔"

"اوہ......" شہوار کا جی چاہا کہ اپنی عقل پر ماتم کرے۔

"امی اگر تھکن ہو رہی ہے تو میں ٹانگیں دبا دوں؟" اس نے ماں کی ٹانگوں پر ہاتھ رکھا۔

"تم پریشان مت ہو اب خیر ایسی بھی تھکن نہیں۔ تم بس لائٹ بند کر دو میں کچھ دیر یونہی لیٹوں گی۔" انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھتے کہا تو وہ فوراً سر ہلا گئی۔

لائٹ اور دروازہ بند کر کے وہ پلٹی تو مصطفیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکی مصطفیٰ بھی اپنے کمرے کی طرف جاتا رک گیا تھا۔

"لیٹ گئیں بوا جی؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"جی۔" اس نے لیے دیے انداز میں جواب دے کر نکلنا چاہا۔

"رکو شہوار۔" وہ پلٹی سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"انہوں نے کچھ بتایا کہ وہ کہاں تھیں۔" وہ پوچھ رہا تھا انداز پر سوچ تھا۔

"انہوں نے سب کے سامنے بتایا تو تھا اب ان سے بار بار کیا پوچھتی میں؟" اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔

"میرے کمرے میں آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے انداز پر مصطفیٰ نے بھی تیکھے پن سے کہا۔

"کیوں؟ جو بھی کہنا ہے ادھر ہی کہہ لیں۔" مصطفیٰ کا تحکم بھرا انداز خاصا برا لگا تھا خصوصاً "میرے کمرے میں آؤ" کا آرڈر نامہ۔

"راہداری میں کھڑے ہو کر بات کرنا مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔ اگر تھوڑی بہت عقل ہے تو میرے کمرے میں آ جانا مجھے تابندہ بوا کے متعلق بات کرنی ہے۔" وہ سابقہ تحکم آمیز انداز میں کہتے وہاں سے چلا گیا تو شہوار نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"کمرے میں آؤ خوامخواہ ہی...... بڑے آئے کہیں کے رعب جمانے والے۔" مصطفیٰ کا انداز اسے غصے سے دوچار کر گیا تھا مگر جس طرح وہ تابندہ بوا کا نام لے کر گیا تھا وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔

"امی جی کے متعلق کیا بات کرنا ہوگی جو کمرے میں بلوا رہے ہیں۔" اگلے ہی پل الجھ گئی تھی۔

"کیا کروں؟ جاؤں کہ نہیں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"اگر کوئی الٹی سیدھی بات کر دی موصوف نے تو؟ آج کل تو جناب ویسے بھی بلا سوچے سمجھے بولنے لگ گئے ہیں مغرب کے وقت کی بکواس کون سا کم تھی اب نجانے کیا کہنا ہے؟" وہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"خیر میں کون سا لحاظ کروں گی کوئی الٹا سیدھا بولنے کی جرأت کی تو میں بھی صاف جواب دوں گی۔ اس سلسلے میں اب کمپرومائز تو کرنا ہی نہیں ویسے امی کے متعلق ایسا کیا کہنا ہے جو کمرے میں بلوا کر ہی کہا جا سکتا ہے۔" چند پل سوچنے کے بعد اس نے کمرے میں جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"کیس کم ان۔" دروازے پر دستک دی تو مصطفیٰ نے اجازت دی۔

محتاط نظروں سے پہلے کمرے میں جھانکا مصطفیٰ الماری سے کپڑے نکال کر پلٹا رہا تھا اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"آ جائیں آپ کا ہی انتظار کر رہا ہوں بیٹھیں۔" وہ آہستگی سے اندر آئی۔ مصطفیٰ نے کپڑے بستر پر رکھ کر اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں بیٹھنے نہیں آئی آپ نے جو بات کہنی ہے وہ کہیں۔" اس نے خاصے تیکھے لب و لہجے میں کہا مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔ اچھے خاصے سلجھے لب و لہجے کی مالک لڑکی اب ایک دم کیسی کڑوی کسیلی ہوگئی تھی۔ یہ اس دن اس سے بات کرنے کا اعجاز تھا اب پتا نہیں کوئی محاذ کھولنے پر نجانے کیا ری ایکشن ہوتا ہے۔

"تم نے بوا جی سے پوچھا نہیں کہ وہ اتنی دیر تک ڈرائیور کو بھیجنے کے بعد کہاں رہیں؟" مصطفیٰ نے بات کا آغاز کیا۔

"انہوں نے بتایا تو تھا کہ وہ رستہ بھول گئی تھیں چلیں فرض کریں وہ رستہ نہیں بھی بھولی تھیں تو بھی وہ بتا چکی ہیں کہ وہ ارد گرد کے علاقے میں گھومتی رہی تھیں۔" شہوار نے الجھ کر جواب دیا۔

"مگر ان کے رستہ بھولنے یا گھومنے کے بعد کی تھکن تو ان کے جسمانی خدوخال میں کہیں دکھائی نہیں دی۔ ہاں البتہ ذہنی پراگندگی اور انتشار کا شکار ضرور لگ رہی ہیں۔" مصطفیٰ کا انداز بہت سنجیدہ تھا شہوار نے چونک کر دیکھا۔

"آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔" اس کا انداز جرح کرنے والا تھا۔

"مگر کیا سائیکاٹری ڈیپارٹمنٹ میں موجود بندے سے ایسا سوال کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟" شہوار نے مصطفیٰ کی برجستگی پر گھور کر دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''مطلب کیا ہے آپ کا؟'' اس نے خاصی الجھن میں گھر کر کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ وہ اتنی دیر رستہ نہیں بھولی تھیں بلکہ کہیں گئی ہوئی تھیں؟ کہاں' یہ تو وہ ہی بتائیں گی مجھے وہ گھر سے ذرا فاصلے پر ملی تھیں تو میں نے گاڑی میں بٹھالیا تھا۔

''میں نہیں مانتی۔'' اس نے فوراً انکار کر دیا۔

''مجھے حیرت ہوتی ہے عقلی لحاظ سے تم میں کچھ خاص کوالٹی ہے نہیں تم میڈیکل کے فورتھ ائیر میں کیسے پہنچ گئیں؟'' مصطفیٰ کے الفاظ اسے سلگا دینے کو کافی تھے۔

''شٹ اپ۔'' مصطفیٰ ہنس دیا تو وہ مزید جل بھن گئی۔

''فرض کریں اگر امی کچھ چھپا بھی رہی ہیں یا وہ کہیں گئی ہیں تو اس جرح کا مقصد؟''

''اس کا مطلب ہے وہ تمہیں بتا کر گئی تھیں۔'' شہوار کا جی چاہا کہ کوئی چیز اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ کتنا بدتمیز تھا یہ شخص سیدھے سادھے لفظوں میں اسے موردِ الزام ٹھہرا رہا تھا۔

''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں آپ کے ساتھ فضول اور بے معنی باتوں میں ضائع کروں۔'' غصے سے کہہ کر وہ واپس پلٹی تو مصطفیٰ نے ایک دم سامنے آ کر راستہ روکا۔

''ایک منٹ پلیز۔'' اگر وہ بروقت قدم نہ ہٹا لیتی تو اس سے ضرور ٹکرا جاتی۔

''اف...... کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' وہ ایک دم غصہ سے کھول اٹھی۔ خفت و شرمندگی نے الگ خجالت سے دوچار کر دیا۔

''ایم سوری۔'' مصطفیٰ کو بھی صورتحال کا احساس ہوا تو چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ شہوار نے بگڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

''اب کیا مسئلہ ہے؟''

''میں نے صرف یہ جاننے کے لیے تمہیں بلوایا ہے کہ بواجی کو تم نے شہر کیوں بلوایا ہے؟'' مصطفیٰ نے ایک نیا کھاتہ کھولا۔

''میں نے ان کو نہیں بلوایا وہ خود آئی ہیں۔'' شہوار کا انداز زچ ہو جانے والا تھا۔

''اس ہنگامی دورے کی کوئی خاص وجہ؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے سنجیدگی پوچھ رہا تھا۔

''مجھے تو نہیں بتائی کوئی وجہ انہوں نے خود ہی پوچھ لیں۔ ویسے بھی ہر روز فون پر ان سے کئی کئی بار رابطے تو رکھے جاتے تھے۔'' اس نے غصے سے جتایا تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

''اوہ...... تو تم میرے اور بواجی کے اس طرح رابطہ رکھنے پر جیلس ہو رہی ہو۔''

''واٹ نان سینس...... کم عقل نہیں ہوں۔'' مصطفیٰ کے سلگانے پر فوراً سلگ کر گویا ہوئی۔

''آپ ان سے رابطے رکھیں یا فون کریں میری بلا سے میں کیوں جیلس ہونے لگی۔'' غصے سے مصطفیٰ کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے ہمارے رشتے سے متعلق تمہارے جو اعتراضات تھے وہ ختم ہو گئے ہیں۔'' شہوار کا جی اب حقیقت میں چاہنے لگا کہ وہ کوئی چیز اٹھا کر مصطفیٰ کے سر پر ضرور دے مارے۔

''خوش فہمی ہے جناب کی۔'' نخوت سے ناک سکیڑی۔

''اگر خوش فہمی بھی ہے تو حقیقت بتا کر ختم کر سکتی ہو کہ تم نے ان کو یہاں اچانک کیوں بلوایا ہے اور اب آج سارا دن وہ کہاں تھیں؟ میں مان ہی نہیں سکتا کہ تمہیں علم نہ ہو وہ آج سارا دن گھر سے غائب رہیں ڈرائیور کو بھی گھر بھیج دیا۔ بالکل اکیلے اتنے گھنٹے وہ کہیں رستہ بھولے رہیں' امپاسبل اور تم نے یہ ساری داستان امیر حمزہ سن کر کوئی ری ایکشن نہ دیا حیرت ہے یا تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ سارا دن کہاں رہیں یا پھر تم کو ان کی غیر حاضری کی وجوہات کا علم تھا۔''

''شٹ اپ...... دماغ خراب ہے۔ بس آپ کا پتا نہیں کس پاگل نے آپ کو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بھرتی کر لیا تھا۔ غلط رخ پر غلط انداز میں تفتیش و تحقیق مائی گاڈ۔'' مصطفیٰ کے اس قدر بے بنیاد الزامات پر وہ کلس کر رہ گئی۔

''میں نے ان کی بات کو اس لیے سچ مان لیا ہے کہ میری امی اول تو جھوٹ نہیں بولتیں اگر کچھ ہے بھی تو مصلحتاً اس بات کو چھپایا ہوگا اور رہی یہ بات کہ وہ اچانک یہاں کیوں آئیں تو براہ مہربانی یہ سوال ان سے ہی کیجیے گا۔ مجھے واقعی ان کی آمد کی اصل وجہ کا نہیں پتا۔ مگر جس طرح آپ بال کی کھال اتار رہے ہیں اس سے یہ ضرور شو ہو رہا ہے کہ انہوں نے آپ کو بتا کر اور آپ کے مشورے سے ہی یہاں آنے کا ارادہ کیا ہوگا۔''

"دیکھو اب تم زیادتی کر رہی ہو۔" مصطفیٰ نے اسے فوراً ٹوکا۔

"ہاں اور یہ جو اتنی دیر سے مجھے اپنے کمرے میں بلوا کر بے مقصد بے بنیاد الزامات کی بھرمار کیے جا رہے تھے وہ تو گویا لفظوں سے پھول جھاڑ رہے تھے۔" اس نے فوراً حساب برابر کیا۔ مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا جبکہ وہ مزید کلس گئی۔

"امی یہاں کیوں آئی ہیں اور کیا وجہ ہے ان سے دریافت کریں وہ آج کہاں گئی تھیں یہ بھی پوچھے مگر پلیز مجھے یوں جرح کے کٹہرے میں آئندہ کھڑا مت کیجیے گا۔" مصطفیٰ کی باتوں پر وہ خاصی اکتا گئی تھی۔ تنخی سے کہہ کر ایک خشمگیں نگاہ ڈال کر وہ سائیڈ سے ہو کر باہر نکلی تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر اسے کمرے سے نکلنے کا رستہ دیا۔

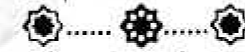
یہ لڑکی ہر گزرتے دن کے ساتھ زندگی کا ایک لازمی حصہ لگنے لگی تھی آج کل جس طرح تیکھا بدمزاج انداز اپنائے ہوئے تھی مصطفیٰ کو ایسے میں اسے چھیڑنا اس کی خفت اور خفگی سے حظ اٹھانے میں خاصا مزہ آ رہا تھا اور اس سارے معاملے کو خاصا انجوائے کر رہا تھا اور جس طرح وہ بدلحاظ انداز میں آج کل جوابی کارروائی کر رہی تھی مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ اندرون دل کسی ایسے ہی جیون ساتھی کی شدید طلب تھی جو وقت اور حالات نے پوری کر ڈالی۔

"ہم بھی دیکھتے ہیں شہوار سکندر علی آپ آخر کب تک ہم سے یوں دامن بچائیں گی آخر کب تک یوں پہلو بر تیں گی ہم سے یوں دور دور رہیں گی۔"

کب تک رہو گے آخر......؟

یوں دور دور ہم سے
ملنا پڑے گا آخر......
ایک دن ضرور ہم سے
دامن بچانے والے
یہ بے رخی ہے کیسی؟
کہہ دو اگر ہوا ہے
کوئی قصور ہم سے
ہم چھوڑ دیں گے تم سے
یوں بات چیت کرنا
تم پوچھتے پھرو گے
اپنا قصور ہم سے
ہم چھین لیں گے تم سے
یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے
اپنا غرور ہم سے......!

مصطفیٰ شاہزیب علی یہ شوخ سی دھن گنگناتے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔



"گناہ کا وجود کسی ماورائی طاقت کا مرہون منت نہیں ہوتا بلکہ اس کی پیداوار انسان کی اپنی نفسانی خواہشات ہوتی ہیں آسمانوں سے فرشتے غلطیاں کرنے نہیں اترتے بلکہ انسان اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے پر سوار سرکش نفس کو اتنی ڈھیل دے دیتا ہے کہ گناہ ثواب کی باتیں اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وہ نفس کے سرکش گھوڑے پر سوار اس قدر اپنی خواہشات کی تکمیل میں غرق رہتا ہے کہ اسے پتا ہی نہیں چلتا ہے کہ اس کے گناہوں کی فصل کیسی بار آور ہو گئی اور جب گناہ کا عمل سرزد ہو جاتا ہے تو تلافی کا وقت گزر جاتا ہے اور پھر انسان کا ضمیر کچوکے لگانے کے لیے اس کے نفس کے اندر لاشعوری کھڑکیاں کھول دیتا ہے جو مسلسل کچوکے لگانے کا عمل سر انجام دیے جاتی ہیں اور یہ لاشعوری دروازے کس کس طرح انسان کے اندر تبدیلیوں کا محرک بنتے ہیں یہ صرف وہی انسان جانتا ہے جس پر بیتتی ہے اور گناہ کے بعد توبہ کا عمل کفارے کی ایک قسم بھی بن جاتا ہے بعض اوقات توبہ کا عمل فوراً گناہ کے بعد وقوع پذیر ہو تو توبہ قبول ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں مگر جب وقت گزر جائے گناہ سرزد کیے زمانے بیت جائیں تو پھر توبہ کا عمل بھی طویل سے طویل تر ہو جاتا ہے۔ بس ایک موہوم سی امید ہوتی ہے جو توبہ کا در کھٹکھٹائے چلے جانے پر مجبور رکھتی ہے۔"

نماز کے بعد ہاتھ اٹھے ہوئے تھے مگر لب سے کوئی دعا جاری نہ ہو رہی تھی بس آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی برسات جاری تھی جو دونوں ہاتھوں کو بھگوئے جا رہی تھی۔

"یااللہ تو میرے گناہوں کو جانتا ہے بخش دے......بس الٰہی بخش دے......!" اور ذہن کے کسی نہاں خانے سے بس آوازیں اٹھ رہی تھیں مگر لفظ ہونٹوں تک آنے پر راضی ہی نا تھے آوازوں کا ایک لامحدود اور لامتناہی سلسلہ تھا اور سوچ ایسی لامحدود تھی کہ خیالات پر کوئی گرفت نہ تھی۔

"الٰہی بخش دے سالوں گزر گئے روتے گڑگڑاتے بس الٰہی بخش دے۔" ان کی باریش ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی نحیف و نزار وجود ہچکولے کھا رہا تھا اور یہ رات ان کے لیے بہت بھاری تھی۔ آج رات بھی انہوں نے خواب دیکھا تھا اور اس کے بعد کا عمل احساس گناہ کے بعد توبہ کا عمل تھا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ جائے نماز بچھائے رب کے حضور اپنے گناہوں پر مغفرت کی دعا کے طالب تھے مگر مغفرت نہیں مل رہی تھی۔

"یااللہ تلافی کی کوئی صورت تو نکال کہ میں اپنے گناہوں کا ازالہ کر پاؤں وہ زندہ ہوتا تو کوئی امید ہوتی۔ اس کے پاؤں میں جا گرتا روتا گڑگڑاتا اس کے بیوی بچے ہوتے تو ان کے سامنے ہاتھ جوڑتا الٰہی اب کس کے سامنے معافی کی درخواست کروں کیوں مجھ بدنصیب کو چین نہیں ملتا اب الٰہی گناہ کیا تھا اور سدباب کی کوشش بھی تو کی تھی۔ نفس کی خواہشات کے آگے مجبور ہوا تھا تو احساس گناہ ہونے پر فوراً پلٹ بھی تو آیا تھا پھر توبہ کا یہ سلسلہ اتنا طویل کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الٰہی بخش دے معاف کر دے......ان بوڑھی ہڈیوں میں اب دم نہیں تو جانتا ہے نجانے کب قضا آ جائے الٰہی معاف کر دے بخش دے......بخش دے......!"

وہ ہچکیوں میں اس قدر شدت سے روئے کہ کمزوری کی وجہ سے ایک طرف ڈھے گئے تھے۔

"بابا صاحب۔" بخشو جو کل تابندہ کو چھوڑنے کے بعد رات تک واپس آ گیا تھا وہ فوراً کمرے میں بھاگا آیا تھا آج پھر بابا صاحب نے خواب دیکھا تھا آج پھر ان کی حالت شدید نوعیت کی خراب ہو چکی تھی ہمیشہ کی طرح وضو کر کے انہوں نے جائے نماز سنبھال لی تھی جوں جوں ان کی دعا اور ہچکیوں کی آواز طویل اور بلند تر ہوتی جا رہی تھی بخشو پریشان ہوتا جا رہا تھا کہ آج خواب کے بعد والی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی جا رہی تھی۔

"بابا صاحب۔" اس نے جائے نماز پر گرے بابا صاحب کو سیدھا کیا۔

بابا صاحب بے ہوش ہو چکے تھے۔ اس نے ان کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ حویلی میں اس وقت ملازمین کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا تابندہ بی کل کی شہر گئی ہوئی تھیں وہ بہت کم شہر جاتی تھیں اس بار شاید برسوں بعد گئی تھیں وہ حویلی میں ہوتی تھیں تو ایک ڈھارس سی رہتی تھی۔ اب وہ نہیں تھیں اور بابا صاحب کی یہ حالت دیکھ کر بخشو کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔ اس نے پانی کے چھینٹے بابا صاحب کے چہرے پر مارے چند حربے استعمال کیے مگر بابا صاحب کی بے ہوشی نہیں ختم ہو رہی تھی۔ وہ سرونٹ کوارٹر میں جا کر چوکیدار کو بلا لایا۔ دونوں مل کر بابا صاحب کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ان کی کوششیں رنگ لائیں اور بابا صاحب نے آنکھیں کھولیں مگر وہ حواس میں ابھی بھی نہیں تھے ان کی غنودگی ابھی بھی برقرار تھی ان کی یہ حالت خاصی تشویشناک تھی۔

"کیا کریں اب؟" بخشو نے چوکیدار کو دیکھا۔

"میری تو صلاح ہے کہ شہر فون کر دو بابا صاحب کی طبیعت تو خاصی خراب لگ رہی ہے۔ اللہ جانے کیا معاملہ ہو قضا آنے میں کب دیر لگتی ہے؟ یہ نہ ہو کہ بابا صاحب کی آل اولاد اطلاع نہ کرنے پر ہم پر غصہ کریں؟" چوکیدار سلیم خان نے کہا تو بخشو سوچ میں پڑ گیا۔ بابا صاحب ضعیف ضرور تھے مگر اب ایسی بھی حالت نہ تھی کہ ایک دم قضا آ جاتی مگر قدرت کے کاموں کا بھلا کس کو پتا چلتا ہے۔ شاید سلیم خان درست ہی کہتا ہو۔

"تم ایسا کرو کسی کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلواؤ تب تک میں شہر فون کرتا ہوں۔" بخشو ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور سلیم خان کسی کو ڈاکٹر کو بلوانے کا کہہ آیا۔

❁......❁......❁

وہ آج لیلیٰ زبیری کے ہمراہ کلب میں موجود تھا۔ لیلیٰ زبیری آج پہلی ملاقات کے برعکس کچھ ریزروی تھی مگر پہلے دن کے برعکس آج

آخری حد تک دل کش اور حسین لگ رہی تھی۔

"بہت انتظار کروایا تم نے؟" اس وقت ٹیبل پر وہ دونوں ہی تھے شہزاد کے ذریعے متعارف ہونے والی یہ لڑکی ایاز کو خاصی پسند آئی تھی مگر یہ اس سے ملنے والی تمام لڑکیوں کے الٹ خاصی موڈی تھی۔

"کیا کروں ایک کام تھوڑی ہے ہمیں زندگی میں اور بھی بہت سے کام ہیں جو غور طلب ہیں۔ ملاقات کرنے کی فرصت ہی کہاں مل رہی تھی اگر شہزاد کی بار بار کال نہ آ رہی ہوتیں تو چند دن مزید وقت نہ نکال پاتی میں۔ بڑی مشکل سے وقت نکالا ہے میں نے۔" ایک ادا سے اپنی کلائی میں پڑے بریسلیٹ کو گھماتے اس نے کہا تو ایاز اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھے گیا۔ یہ لڑکی اسے شہوار سکندر علی کی طرح کچھ الگ ہی لگی۔

"تمہاری فیملی کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟" ایاز نے کسی سوچ میں الجھ کر پوچھا۔

"کیا میں نے تم سے تمہاری فیملی کا بیک گراؤنڈ پوچھا؟" لڑکی اسے لاجواب کر گئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

"تم جیسی لڑکیوں کا صرف ایک ہی بیک گراؤنڈ ہوتا ہے۔" اس کا جی چاہا کہ وہ کہہ دے مگر نئی نئی دوستی تھی نجانے پھر دوبارہ ملنے کا چانس بھی ہو پاتا یا نہیں۔ جبکہ اسے یہ لڑکی بہت پسند آئی تھی۔

"تمہارے متعلق دو باتیں سنی تھیں دونوں ہی سچ نکلیں۔" لڑکی کے جواب میں اس نے مسکرا کر کہا۔

"کون کون سی باتیں۔"

"یہ کہ تم حسین ہی نہیں بہت ذہین بھی ہو۔" لیلیٰ زبیری اس تعریف پر مسکرا دی۔

"اگر یہ تعریف ہے تو تھینکس اگر طنز ہے تو میں اس کو تعریفی کمپلیمنٹ ہی کہوں گی۔ ویسے جانتے ہو جب حسن اور ذہانت یکجا ہوں تو اکثر مقابل کی سدھ بدھ ختم ہو جاتی ہے۔" وہ لڑکی بولنے کے فن سے آگاہ تھی وہ کھل کر ہنس دیا۔

دیکھا تجھے تو بڑھ گئیں اس دل کی دھڑکنیں
کیا تیرا دل بھی زور سے دھڑکا ہے سچ بتا

ایاز نے بڑے انداز میں شعر پڑھا۔

بہت ناز ہے تجھ کو تیری اس نگاہِ الفت پر
مگر ہم وہ نہیں پیارے جو نگاہیں چار کرتے ہیں

لیلیٰ زبیری کی برجستگی سوا تھی وہ ایک دم متحیر سا دیکھے گیا۔

"زبردست اس کا مطلب ہے کہ تمہیں شعر و شاعری سے بھی شغف ہے۔" وہ ہنس دی۔

"نہیں جناب یہ ہمارا انٹرسٹ نہیں یہ تو یونہی فی البدیہہ زبان سے پھسل گیا۔"

"بہت خوب۔" ایاز نے سراہا۔

"لگتا ہے تمہارے ہاں مہمانوں کی تواضع کا کوئی سلسلہ نہیں' بھوکا مارو گے مجھے کیا؟" لیلیٰ زبیری نے ایک ادا سے اپنے کھلے لمبے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے کہا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"نہیں...... نہیں ابھی منگواتا ہوں' تم مینیو سلیکٹ کرو۔" ایاز نے فوراً مینیو کارڈ اسے پکڑا دیا۔

"تھینکس۔" اس نے مینیو کارڈ تھاما۔

ایاز نے ویٹر کو بلوایا تو لیلیٰ نے مینیو لکھوا دیا۔ کھانا لگنے تک دونوں کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا اور کھانے کے بعد دونوں پارکنگ میں چلے آئے۔

"تم اپنے گروپ کے باقی تینوں لڑکوں سے ہٹ کر لگے تھے۔ یو نو مجھے آج کل کے چھچھورے ٹائپ لڑکوں سے شدید نفرت ہے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور یہ ملاقات بھی زبردست رہی۔ میں میل اینڈ فی میل کی روایتی قسم کی دوستی کے بہت خلاف ہوں۔ تم عام لڑکوں کی طرح نہیں ہو۔" ایاز کے ساتھ چہل قدمی کرتے لیلیٰ زبیری نے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"ویسے تمہیں کس قسم کی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"تم جیسی خوب صورت، ذہین اور اسٹریٹ فارورڈ۔" لیلیٰ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"انٹرسٹنگ۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی دوستی چلے گی۔" کھلکھلا کر ہنستے اس نے اپنا ہاتھ ایاز کی طرف بڑھایا تو ایاز نے فوراً کسی قیمتی شے کی طرح تھام لیا۔

"کیوں نہیں۔" لیلیٰ زبیری نے تو اسے پہلی ملاقات ہی میں اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ایک بھرپور قسم کی پلاننگ کرنے لگا تھا۔ اگر یہ لڑکی ٹریک پر آ جائے تو اس سے وہ خوب فوائد حاصل کر سکتا تھا۔

حسن' جوانی' خوب صورتی اور ذہانت ہر چیز اس وجود میں یکجا تھی۔ وہ نزاکت کا مجسمہ تھی تو بولنے کے فن میں بھی لاجواب تھی۔ ایسی لڑکیوں کو تو پھنسانے کے لیے اس کی سوسائٹی کے لڑکے جال بچھاتے تھے اور یہ تتلی خود بخود اس کے جال میں پھنسنے کے لیے تیار تھی۔ بس اس پر بہت صبر اور برداشت سے محنت کرنا تھی۔

"اوکے اب میں چلتی ہوں نیکسٹ ملاقات فون پر ڈیسائیڈ کریں گے۔" اگلے ہی پل اپنا ہاتھ کھینچ کر وہ اپنا بیگ اپنے کاندھے پر سیٹ کر رہی تھی۔ اب کے اس کا بالکل روایتی انداز تھا۔

"اوکے ایز یو وِش۔" اپنی پلاننگ کے مطابق ایاز نے فوراً جی حضوری والا حربہ آزمایا' ورنہ وہ اتنی جلدی ہاتھ آئی نعمت کو کبھی جانے نہیں دیتا۔

"سو نائس یو آر سو سویٹ' اوکے گڈ بائے۔" وہ اسے ہاتھ ہلا کر گڈ بائے کہتے اپنی پارکنگ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ آئی تھی۔



تابندہ بوا کی آنکھ کھلی تو پھر دوبارہ آنکھ نہ لگی ابھی تو رات کے بارہ ہی بجے تھے شہوار سو گئی تھی اس پر کمبل درست کرتے وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔ رات کے پہر وہ بہت کم سوتی تھیں اب تو یہ برسوں سے معمول بن گیا تھا۔ رات کی اولین گھڑیوں میں چند پل سو لیا تو سو لیا ورنہ عمر بھر سے یہ رت جگے نصیب بن گئے تھے اور باقی ماندہ رات کوئلوں پر سلگتے گزر جاتی تھی اب تو ایک عرصہ سے معمول بنا لیا تھا کہ جیسے ہی آنکھ کھلی جائے نماز بچھا کر اللہ سے ربط جوڑ لیا کرتی تھیں۔ شاید اسی لیے وہ شہر بہت کم آیا کرتی تھیں۔ اب تو ایک عرصے بعد یہاں آئی تھیں مگر لگتا تھا کہ ماضی پلٹ آیا ہے۔ وہ لاؤنج میں آئیں تو چونک گئیں وہاں مہرالنساء اور شاہزیب صاحب موجود تھے۔

"السلام علیکم آپ لوگ جاگ رہے ہیں۔" قریب آ کر استفسار کیا۔

"ہاں یونہی باتیں کرتے کرتے روزانہ اس وقت تک جاگنا معمول بن گیا ہے۔" وہ مہرالنساء کے پاس آ بیٹھیں۔

"باقی سب سو گئے؟"

"ہاں کمروں میں تو چلے گئے ہیں۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں۔"

"بس یہی مصطفیٰ اور شہوار والے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔" مہرالنساء نے کہا تو وہ سر جھکا گئیں۔

"آپ کل یہاں نہ آ جاتیں تو آج میرا پروگرام گاؤں جانے کا تھا۔ مصطفیٰ اور شہوار کے نکاح یا منگنی وغیرہ کے سلسلے میں فائنل کرنا تھا۔" شاہزیب صاحب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہمارا تو یہی فائنل ہے کہ منگنی وغیرہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ڈائریکٹ نکاح ہی کریں۔" مہرالنساء بیگم نے کہا۔

"اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو شہوار پڑھ رہی ہے میڈیکل کی تعلیم مکمل ہو جائے تو پھر دیکھ لیں گے۔"

"بھئی ہمیں شہوار کی تعلیم مکمل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر اتنی دیر تک اس رشتے کو نہیں لٹکا سکتے۔ مصطفیٰ بھی دوران تعلیم شادی کے حق میں نہیں مگر نکاح تو طے ہے نا۔ مصطفیٰ کو نکاح پر کوئی اعتراض نہیں۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو انہوں نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا۔ یعنی یہ مکمل طور پر رضا مند تھے اور شہوار...... ان کے دل سے اک ہوک اٹھی۔

"عائشہ اور صبا بھی اسی سلسلے میں آئی ہوئی ہیں نکاح کا فیصلہ ہمارا آپس میں طے ہے بس یہ گاؤں سے ہو آئیں تو ایک دو دن بعد کوئی تقریب رکھ لیتے ہیں ہم لوگ۔" مہرالنساء بیگم بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

تابندہ بی نے بہت خاموشی سے دونوں میاں بیوی کو دیکھا۔ ان کے جگمگاتے چہروں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ کس قدر خوش اور مطمئن ہیں اور کبھی یہی اطمینان شہوار کا روشن مستقبل دیکھ کر ان کے اپنے دل میں بھی اترا تھا اور اب شہوار کے دوٹوک انکار نے اندرون دل سب چراغ گل کر دیے تھے۔

"کیا بات ہے آپ خاموش کیوں ہیں...... کوئی مسئلہ ہے؟" شاہزیب صاحب کو تابندہ بوا کی خاموشی قدرے غیر معمولی سی لگی۔

"جی خیریت ہی ہے، بس ایک مسئلہ تھا شہوار فی الحال کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں چاہ رہی۔" انہوں نے چھپے لفظوں میں بات کی تو دونوں میاں بیوی چونکے۔

"آپ کی شہوار بیٹی سے بات ہوئی کیا؟" شاہزیب صاحب نے پوچھا۔

"جی...... بہت تفصیلی ہر پہلو سے بات ہوئی ہے وہ دراصل عادلہ اور دیگر لوگوں کے رویوں سے ہرٹ ہوئی ہے اسی لیے فی الحال انکاری ہے۔" انہوں نے بغیر مزید بات کھولتے دھیمے لفظوں میں اصل بات کی طرف نشاندہی کرنا چاہی۔

"اوہ...... کیا کہتی ہے شہوار؟" شاہزیب صاحب کا سنجیدہ انداز تھا۔

"عادلہ اور دیگر لوگوں کی باتوں سے اس کے ذہن میں ایک بات بیٹھ چکی ہے کہ ہمارا اور آپ لوگوں کا کوئی جوڑ نہیں مصطفیٰ کو بہت اچھے اور اعلیٰ خاندان کے رشتے مل سکتے ہیں۔"

"واٹ نان سینس۔" شاہزیب صاحب ایک دم تلخ ہوئے۔

"یہ انکار وہ صرف عادلہ اور اس کی فیملی کی وجہ سے کر رہی ہے کیا؟" انہوں نے بغور تابندہ بوا کو دیکھا۔

"اسے اور بھی بہت سارے اعتراضات ہیں۔" دونوں میاں بیوی نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کس قسم کے اعتراضات ہیں؟" شاہزیب کا انداز انتہائی سنجیدہ تھا۔

"سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہم دونوں یہاں کیوں ہیں۔ کم عمری میں اس نے کبھی مجھے پریشان نہیں کیا مگر اب ہر وقت اس کے لبوں پر یہی سوال رہتے ہیں کہ اس کا باپ کون تھا؟ ہم اپنے خاندان میں کیوں نہیں رہے؟ ہم یہاں کیوں رہ رہے ہیں؟ مالی اور نسبی لحاظ سے بھی ہم آپ لوگوں کے ہم پلہ نہیں تو پھر یہ رشتہ کیسے جڑ سکتا ہے؟ وغیرہ...... وغیرہ اسی قسم کے اعتراضات ہیں اسے۔"

"اوہ......" شاہزیب صاحب نے بغور تابندہ بوا کو دیکھا۔

"تو پھر آپ نے اس کے اعتراضات دور کرنے کو اصل حقائق بتانے کی کوشش نہیں کی کیا؟"

"اصل حقائق......" اک تلخ سی مسکراہٹ تابندہ بوا کے ہونٹوں پر آ ٹھہری۔

"اس عمر میں بچے متجسس ہو جاتے ہیں، شہوار ایک سمجھدار بچی ہے اگر ایسا ری ایکٹ کر رہی ہے تو یقیناً عادلہ یا کسی اور واقعہ نے اس کی شخصیت کو متاثر کیا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ان سب باتوں کو بہت سنجیدگی سے لیا جائے بہر حال میں شہوار سے بات کروں گا۔ اس سلسلے میں سمجھانے کی کوشش کروں گا محض عادلہ کی وجہ سے اس طرح انکار کر دینا کوئی عقلمندی والی بات نہیں۔ اس صورت میں کہ جب ہم نے تمام رشتہ داروں کو مصطفیٰ اور شہوار کی بات طے ہو جانے کی اطلاع بھی دے دی ہے عباس نے عادلہ کو منتخب کر لیا ورنہ ہماری مرضی تو شروع سے ہی شہوار کو اپنی بیٹی بنانے کی تھی۔"

"نہیں آپ شہوار سے بات مت کیجیے گا میں خود ہی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔" انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ سر ہلا گئے۔

"او کے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ شہوار بیٹی کی مصطفیٰ کے متعلق کیا رائے ہے ان اعتراضات سے ہٹ کر وہ کیا کہتی ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"وہ سمجھتی ہے مصطفیٰ اس سے ہر لحاظ سے ایک اعلیٰ شخصیت کا حامل انسان ہے۔ اخلاق و کردار ہی بنیاد نہیں بلکہ وہ نسبی و مالی حوالوں کے لحاظ سے بھی مصطفیٰ کو خود سے بہت اونچا محسوس کرتی ہے۔ تمام اعتراضات ایک طرف وہ مصطفیٰ کی شخصیت سے انکاری نہیں بس جب بات مصطفیٰ سے ہٹ کر ہو تو وہ انکار کر جاتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ مصطفیٰ کو ایک سے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کی لڑکی مل سکتی ہے۔" تابندہ بوا نے بہت سوچ سوچ کر شہوار کے خیالات کا اظہار کیا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

شاہزیب علی صاحب نے کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تینوں نفوس نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" شاہزیب صاحب نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور تھام اٹھا لیا۔

"السلام علیکم! میں حویلی سے بخشو بات کر رہا ہوں۔"

"وعلیکم السلام...... خیریت؟" شاہزیب صاحب نے گھڑی دیکھی ایک بجا رہی تھی۔

"جی صاحب! بابا صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے ہم نے گاؤں کے ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔"

"کیا......" وہ ایک دم پریشانی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مجھے تفصیل بتاؤ۔" دوسری طرف بخشو انہیں ساری تفصیل بتانے لگا۔

''اوہ......ڈاکٹر کیا کہتا ہے؟'' دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''وہ چیک کر رہا ہے بابا صاحب کو ہوش تو آ گیا تھا مگر پھر بھی ان کے حواس بحال نہیں ہو رہے ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ ابھی تو پریشانی والی کوئی بات نہیں اگر کسی اچھے اسپتال اور ڈاکٹر سے چیک اپ نہ کروایا گیا تو ان کے حواس پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ ذہنی لحاظ سے ٹھیک نہیں تھے صاحب۔ بے ہوشی سے پہلے انہیں جو خواب آیا تھا اس سے ان کی حالت خراب ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ مسلسل بے ہوش ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، ہم لوگ آتے ہیں۔ تم ان کا بس خیال رکھو۔ ڈاکٹر کو جانے نہیں دینا۔ کوئی بھی اطلاع ہو تو میرے موبائل پر فون کرنا۔ او کے اللہ حافظ۔'' انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

''کیا ہوا؟ کون بیمار ہے؟'' مہر النساء بیگم نے پوچھا۔

''بابا صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہے وہی خوابوں کا سلسلہ مگر اس بار کچھ زیادہ ہی شاک میں چلے گئے ہیں۔ حواس بحال نہیں لوٹ رہے۔''

''اللہ رحیم کرے۔'' مہر النساء بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تو تابندہ بوا بھی ایک دم پریشان ہو گئیں۔

''پھر......''

''ہم ابھی اور اسی وقت گاؤں کے لیے نکل رہے ہیں۔ وہاں جا کر صورت حال کا اندازہ لگا کر ہی کوئی حتمی فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ان کو اسپتال ایڈمٹ کروانے کی ضرورت پڑی تو پھر ہم ان کو ادھر ہی لیں آ ئیں گے؟'' وہ عجلت میں پروگرام ترتیب دیتے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے گے۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ ویسے بھی میرا کل گاؤں واپس جانے کا پروگرام تھا۔'' تابندہ بوا کے الفاظ پر وہ محض سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو مہر النساء بیگم بھی ان کے پیچھے چل دیں تابندہ بوا بھی شہوار کے کمرے میں چلی آئیں۔

شہوار سو رہی تھی انہوں نے لائٹ آن کی اور اپنا بیگ الماری سے نکالا۔ اس وقت تیار کیا ہونا تھا بس بیگ سے چادر نکال کر خود پر لپیٹ لی۔ کل جس گھر میں وہ گئی تھیں وہاں سے وہ چند چیزیں لے کر آئی تھیں جو ان کے ہینڈ بیگ میں احتیاط سے رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شہوار پر نگاہ ڈالتے اپنا ہینڈ بیگ اپنے سفری بیگ میں رکھ لیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلیں تو شہوار لائٹ آن ہونے کی وجہ سے جاگ چکی تھی۔

''کیا ہوا......آپ کہیں جا رہی ہیں؟'' انہیں چادر لیے دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

''ہاں گاؤں جا رہے ہیں میں اور بھائی صاحب، بابا صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' سلیپر اتار کر اپنا جوتا پہنتے انہوں نے بتایا تو وہ چونک گئی۔

''کیا ہوا بابا صاحب کو؟''

''بڑھاپا تو خود ایک بیماری ہے اوپر سے وہی خوابوں کا سلسلہ۔ بخشو کا فون آیا تھا عام حالت میں بخشو فون نہیں کرنے والا بھائی صاحب جا رہے تھے مجھے بھی تو کل جانا تھا سوچا کہ ابھی چلی جاؤں۔'' شہوار پریشانی سے بستر سے نکل آئی۔

''کیا زیادہ سیریس کنڈیشن ہے؟'' وہ ایک دم فکر مند ہو گئی تھی۔

''پتا نہیں۔''

''اگر ایسی حالت ہے تو میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟'' انہوں نے حیران ہو کر بیٹی کو دیکھا۔

''اس وقت؟ تمہاری پڑھائی کا حرج ہوگا۔''

''بابا صاحب سے زیادہ پڑھائی اہم نہیں ہے ویسے بھی پچھلے کئی دنوں سے میں چھٹیاں کر رہی ہوں چند دن مزید سہی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اب بھائی صاحب کا پتا نہیں کہ وہ ساتھ لے کر جائیں یا نہیں۔''

''کچھ نہیں کہیں گے وہ، میں اپنا فرسٹ ایڈ باکس ساتھ لے جاتی ہوں۔ یوں سمجھ لیں بابا صاحب کی تیمارداری میں ہی کروں گی۔'' تابندہ بوا پہلے ہی پریشان تھیں۔ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

''میں فٹافٹ تیار ہوتی ہوں پھر؟'' اس نے ایک دم بھاگم بھاگ اپنا بیگ تیار کیا، چند کتابیں، روزمرہ کی چند اشیاء اور کپڑے بیگ میں ٹھونسی تھیں۔ بیگ تیار کرنے کے بعد وہ ایک جوڑا لے کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

وہ چینج کر کے نکلی تو مہر النساء آنٹی تابندہ کو بلانے آئی تھیں اسے تیار دیکھ کر چونکیں۔

''تم بھی جا رہی ہو کیا؟''

''جی......'' اس نے سر ہلا دیا۔

''ابھی بابا صاحب کی حالت کے بارے میں کنفرم نہیں، ہوسکتا ہے انہیں شہر ہی کسی اسپتال میں لے آئیں۔ ویسے شاہزیب نے زبیری صاحب کو کال کر دی ہے رستے میں انہیں پک کر لیں گے۔ تم ٹھہر کر صورت حال دیکھ کر جاتی تو بہتر تھا۔'' شہوار نے ماں کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا کرے اب؟

''اب تو تیار ہو گئی ہے ساتھ ہی چلی چلے ویسے بھی بابا صاحب بھی اس کو کافی دنوں سے یاد کر رہے تھے اسے دیکھ کر کچھ بہتر ہوں گے۔'' انہوں نے ہاں کا عندیہ دے دیا تھا۔

''ٹھیک ہے شاہزیب انتظار کر رہے ہیں۔ میں صبح کسی لڑکے کو لے کر آؤں گی۔ اللہ خیر کرے تب تک ہوسکتا ہے بابا صاحب کی طبیعت بہتر ہو جائے۔''

''ان شاء اللہ۔'' وہ دونوں مہر النساء کے ہمراہ باہر آئی تھیں انکل گاڑی کے پاس کھڑے ان کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ تابندہ کے ہمراہ شہوار کو بھی دیکھ کر ٹھٹکے۔

''شہوار بیٹی بھی جا رہی ہیں کیا؟''

''جی۔'' انہوں نے مزید سوال و جواب کیے بغیر دونوں کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

❁......❁......❁

صبوحی بیگم کی آنکھ کھلی تو پھر نیند نہ آئی وہ یونہی دروازے کھڑکیاں چیک کرنے باہر نکل آئیں۔ انا کے کمرے کے پاس سے گزرتے ٹھٹک گئیں۔ کمرے کی لائٹ روشن تھی۔

''ایک تو یہ لڑکی ہر وقت جاگتی ملے گی، پتا نہیں سوتی کب ہے؟ نجانے دن بدن کیا ہوتا جا رہا ہے؟ اتنی موڈی تو کبھی نہ تھی۔'' لائٹ روشن دیکھ کر وہ جھنجلا گئی تھیں۔

آج کل روشانے سے انا کے ساری ساری رات جاگنے کی اطلاع مل رہی تھیں۔ کل بخار تھا مگر رات کچھ بہتر تھی۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر کافی دیر تک باتیں بھی کرتی رہی تھی۔ انہوں نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو کھلتا ہی چلا گیا۔ انا دریچے میں کھڑی باہر اندھیرے میں نجانے کیا کھوج رہی تھی۔ پہلی نگاہ ڈالنے پر یہی احساس ہوتا تھا کہ کمرے کے دریچے میں ایک نہایت افسردہ اضمحلال و پژمردہ وجود کا پورٹریٹ کھڑا ہے۔

''انا......'' انہوں نے گھبرا کر پکارا تو انا نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''آپ......اس وقت؟'' ماں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے، ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' انہوں نے قریب آ کر پوچھا تو وہ محض مسکرا دی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''یونہی بس نیند نہیں آ رہی تھی۔'' انہوں نے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا اور خود بھی ساتھ ہی ٹک گئیں۔

''نیند نہیں آنے کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی نا؟''

''شاید......'' انا کا انداز ایسا تھا کہ صبوحی بیگم کے دل کو کسی نے چھوا۔

''کوئی پرابلم ہے انا؟'' انا نے بڑی بے چارگی سے ماں کو دیکھا۔

اس کا وجود آگ کی بھٹی بنا ہوا تھا مگر وہ کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔ اپنے جذبات، احساسات پر کسی بھی طرح کا کوئی اختیار نہیں رہا تھا مگر لب خاموش تھے۔ اور کبھی کبھار یوں لگتا تھا کہ ایک ان دیکھی آگ میں جھلتے چیخ چیخ کر رو دے گی۔ خود پر ضبط بالکل کھو دے گی اختیار ختم ہو جائے گا۔ وہ ہزار چاہنے کے باوجود خود کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔ ولید ضیاء نے اس سے معافی مانگ لی تھی معذرت کر لی تھی مگر دل تھا کہ پھر بھی اختیار میں نہیں آ رہا تھا۔

''ماما...... میں کچھ دن کے لیے یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔ اس گھر سے یہاں کے مکینوں سے...... بہت دور...... ماما ہمارا کوئی رشتہ دار تو ہوگا نا۔ ہم کبھی کسی کے پاس گئے ہی نہیں، صرف ماموں کے علاوہ کسی اور تعلق کا ہمیں پتا ہی نہیں...... کیوں...... کیا ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟'' یونہی بات کرتے کرتے کچھ خیال آنے پر ماں کو دیکھا۔ صبوحی بیگم کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد ہوا تھا۔

”تمہیں یہ اچانک رشتہ داروں کا خیال کیسے آ گیا؟“ انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا۔

”پہلے ہم پاکستان سے باہر تھے مگر جب سے پاکستان آئے ہیں کوئی رشتہ دار ملنے ہی نہیں آتا اور نہ ہی ہم کسی کے پاس جاتے ہیں اگر کبھی کسی کے متعلق پوچھا تو آپ ہمیں ٹال گئیں۔ تجسس تو فطرت کا حصہ ہے نا۔ ہمارے بھی تو کوئی رشتہ دار ہوں گے آپ کے بھائی ضیاء ماموں ہیں تو ہمارے پاپا کے بھی کوئی بہن بھائی ہوں گے نا؟“ انا کہہ رہی تھی صبوحی بیگم لب دانتوں تلے دبا گئیں۔

”تمہارے پاپا اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور ہم آپس میں کزنز تھے تمہیں بتا تو چکی ہوں یہ رشتہ داری۔“ انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا تو انا نے ماں کو بغور دیکھا۔

”اور آپ کے باقی رشتہ دار مثلاً خالہ ماموں، چچا، پھوپی، پاپا کے بھی یہی رشتہ دار......؟“

”انا ہم لوگ اپنے باقی رشتے داروں کے مقابل مالی لحاظ سے بہت کم درجے پر تھے۔ میری والدہ اور وقار کی امی دونوں سگی بہنیں تھیں اس طرح ہمارے باپ بھی سگے بھائی تھے ہمارے والدین نے اپنی زندگی میں بہت جدوجہد کی ہمیں پڑھایا لکھایا۔ میری کم عمری میں ہی اماں ابا انتقال کر گئے تھے وقار کے والدین نے ہی ہمیں پالا پوس کر بڑا کیا سب رشتہ دار بڑے بڑے شہروں میں اونچے اونچے عہدوں پر تھے کسی نے ہم سے کبھی ملنا گوارا نہ کیا اور پھر ضیاء بھائی کسی نہ کسی طرح امریکا چلے گئے تو حالات بدلنے لگے وقار بھی سیٹل ہونے لگے پھر ضیاء بھائی نے ہم سب کو باہر بلوانے کی کوششیں کیں اس وقت ہماری زندگی میں تم اور احسن تھے جبکہ ضیاء کے پاس روشانے اور ولید تھیں وہاں بھجوا کر وہ اپنی فیملی کو لے جانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ جب ان کی بیگم کا انتقال ہوگیا پھر وہ بچوں کو لے کر امریکا چلے آئے اور ایک طویل عرصہ ہم نے وہاں گزارا حالات بدلنے لگے۔ پھر ہم نے یہاں آ کر اپنے کاروبار کا آغاز کیا اللہ نے مدد کی اور کاروبار ترقی کرتا چلا گیا۔ سچ کہوں تو یہ سب ضیاء بھائی کی محنت اور کمائی کا نتیجہ ہے آج جو کچھ بھی ہے اللہ کی عنایت کے بعد انہی کی کوشش و عمل کا نتیجہ ہے۔“ انہوں نے بہت رسانیت سے انا کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے محبت و شفقت سے وہی سب کچھ دہرایا جو وہ انا کے سامنے پہلے بھی کئی بار دہرا چکی تھیں۔

”اور ممانی کا انتقال کیسے ہوا تھا؟“ انا کو اس موضوع سے ہمیشہ سے دلچسپی تھی۔ ایک دم پھر متجسس ہوئی۔

”روشانے کی پیدائش کے بعد وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ ضیاء بھائی باہر ہوتے تھے ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صحت یاب ہوجائیں اور ضیاء بھائی بھی اس لیے پاکستان آئے تھے کہ وہ ان کو باہر لے جائیں تاکہ اچھے ڈاکٹرز کی نگرانی میں ان کا علاج ہو۔ مگر جیسے ہی ہم روانہ ہوئے ان کی ڈیتھ ہوگئی۔“

”ان کی کوئی تصویر کوئی نشانی تو ہوگی نا آپ کے پاس؟“ صبوحی بیگم نے بہت ضبط سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس سلسلے میں وہ انا کے سوالوں سے عاجز آ جاتی تھیں مگر اس کی تسلی و تشفی نہیں ہو پاتی تھی۔

”نہیں اس دور میں لوگ کم ہی تصاویر بنواتے تھے وہ خود بہت مذہبی تھیں تصاویر نہیں بنواتی تھیں۔“ انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ انا ایک دم ان کی گود میں سر رکھ کر دراز ہوگئی۔

”اور ممانی کے میکے والے؟ ولی اور روشانے سے ان لوگوں نے کبھی ملنے کی کوشش نہیں کی کیا؟“ یہ وہ سوال تھا جس پر آ کر ان کا ٹمپرامنٹ ہمیشہ لوز ہوجاتا تھا۔

”انا کیا پرابلم ہے بیٹا...... کبھی کبھار تم اس سلسلے میں بہت زیادہ انوالو ہوجاتی ہو ولید اور روشانے بھی تو کتنے سمجھدار ہیں کبھی انہوں نے اس قسم کے سوالات کیے ہیں کبھی دیکھا ہے انہیں اس سلسلے میں بلاوجہ متجسس ہوتے ہوئے؟“ ان کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی تھی انا نے ماما کو بغور دیکھا۔

”یا تو ان دونوں کی بہت اچھی طرح برین واشنگ ہوچکی ہے یا پھر انہیں اپنے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر مجھے یہ سوال تنگ کرتے ہیں میں ان کے بارے میں ضرور پوچھوں گی۔“ انا نے بھی تیزی سے کہا تو صبوحی بیگم ضبط سے انا کو دیکھے گئیں۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم اس سلسلے میں جھوٹ بول رہے ہیں؟“

”نہیں مگر لاجک یہ ہے کہ اگر ایک بار ہی کوئی ایسا جواب دیا جائے جس سے آئندہ سوالوں کا سلسلہ بند ہوجائے تو کیا حرج ہے؟“ ایک تو انا اور اس کی دلیلیں انہوں نے اپنے اوپر بہت ضبط کیا۔

”ضیاء بھائی اور ان کی بیگم کی لو میرج تھی۔ ان کی بیگم اپنی فیملی سے نہیں ملتی تھیں ہوگئی تمہاری تسلی یا کچھ اور بھی جاننا ہے۔“

”واؤ...... امیزنگ۔“ انا ایک دم اٹھ بیٹھی تھی۔

”ریلی......“ اسے یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ صبوحی بیگم نے نگاہ چرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

”ہوں ولید کی والدہ کی فیملی نے ان سے بائیکاٹ کرلیا تھا شادی کے بعد دونوں طرف کبھی ملنا ملانا ہی نہ ہوا اور ان کی ڈیتھ کی اطلاع پر بھی ان لوگوں نے کوئی رابطہ نہ کیا تو ضیاء بھائی بچوں کو لے کر امریکا چلے آئے اور اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود کبھی کسی نے پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ مرنے والی کی کوئی اولاد بھی ہے یا نہیں۔“

”انٹرسٹنگ۔“

”ولی اور روشانے تو اس کے متعلق جانتے ہوں گے یا نہیں؟“ اس نے ماں سے پوچھا۔

”وہ دونوں بہت سمجھدار بچے ہیں۔ ضیاء بھائی کو کبھی خوامخواہ پریشان نہیں کیا انہوں نے یقیناً جانتے ہی ہوں گے اور تم ان سے کوئی الٹا سیدھا سوال مت کرنے بیٹھ جانا۔ بہرحال اپنے والدین کے ماضی کے بارے میں ہر کوئی ازحد حساس ہوتا ہے اور یہ دونوں بھی ہیں تم نے کبھی دیکھا ہے ان دونوں کو بلاوجہ سوال و جواب کرتے؟“ انہوں نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں نا...... اس لیے کہ وہ خود بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے اس لیے تم ان سے کچھ پوچھ کر انہیں اذیت مت دینے بیٹھ جانا۔“ انا فوراً سمجھ کر سر ہلا گئی۔

”ماما ان کی والدہ کا نام لالہ رخ تھا نا؟ وہ اپنے نام کی طرح خود بھی بہت خوب صورت ہوں گی جبھی ولی اور روشانے دونوں خوب صورت ہیں اور ماموں کو وہ کہاں ملی تھیں؟“

”انا اسی لیے میں اس ذکر کو نہیں چھیڑتی تھیں۔ مرنے والی تو مر گئی اب اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟ تم ہر وقت گڑے مردے اکھاڑنے مت بیٹھ جایا کرو پلیز تمہیں کوئی اور کام نہیں کیا؟“ انا نے لب بھینچ کر کن انکھیوں سے ماں کو دیکھا ان کا چہرہ نجانے غصے سے سرخ تھا یا ضبط سے اس کو تاسف ہوا۔ یقیناً ماما کو بھاوج کی موت کا دکھ ہوتا ہوگا۔

”آپ کو تو وہ بہت پسند ہوں گی؟“ اب کی بار صبوحی بیگم خاموش رہیں۔

”اوکے اب نہیں پوچھتی۔ ناراض تو مت ہوا کریں۔“ اس نے فوراً کہا تو صبوحی بیگم نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سونے کی کوشش کرو۔ دیکھو یہ اتنی سی شکل نکل آئی ہے راتوں کو مت جاگا کرو۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”سونا اپنے بس میں بھلا کہاں ہوتا ہے؟ اگر نیند اپنے بس میں ہو تو میں نیند کی گولیوں کا سارا پیکٹ ایک ہی بار پھانک لوں۔“ اس نے اگلے ہی پل بے حسی سے کہا تو صبوحی بیگم ششدر رہ گئی۔

”تم ٹرینکولائزر یوز کرتی ہو کیا؟“

”نہیں ابھی تو نہیں یوز کر رہی مگر جس طرح نیند نہیں آتی دل کرتا ہے ایک ہی بار پورا پیکٹ پھانک کر ابدی نیند سو جاؤں۔“ انا کے لہجے میں کچھ ایسی بے بسی تھی کہ صبوحی بیگم دہل کر رہ گئیں۔

”شٹ اپ انا۔“ انا خاموشی سے سر جھکا گئی۔

”خبردار آئندہ ایسی دل دہلا دینے والی بات کی تو۔“ انہوں نے ڈانٹا۔

”خود ڈاکٹر ہو کر ایسی دلدوز باتیں کر رہی ہو۔“ انہوں نے تاسف سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”تو پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں ساری رات بستر پر لیٹ کر کروٹیں بدلتی ہوں اور نیند نہیں آتی کیا کروں؟“ دوائیں استعمال نہیں کر رہی کہ عادی نہ ہوجاؤں۔ ایسے میں آپ سب کے سوال مجھے مزید اکتاہٹ سے دوچار کرتے ہیں۔“ نہایت چڑچڑے پن سے انا نے کہا تو صبوحی بیگم کو انا میں تیزی سے وقوع پذیر ان تبدیلیوں کا پہلی بار شدت سے ادراک ہوا۔

”ڈاکٹر کے پاس میرے ساتھ چلنا۔“ انہوں نے حل بتایا۔

”مجھے نہیں جانا کسی ڈاکٹر کے پاس۔“ اس نے جل کر کہا۔

”ڈاکٹر کے پاس میرے اس مرض کا علاج نہیں ہے۔ رہنے دیں خوامخواہ وقت ضائع کریں گی۔“

”تو پھر کس کے پاس ہے؟“ انا نے ماں کو دیکھا اور پھر ان کی گود میں سر رکھ کر دراز ہوگئی۔

”پتا نہیں۔“ اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ صبوحی بیگم بغور اس کا چہرہ دیکھتے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھیں۔

”احسن کی شادی کی تیاریاں کافی حد تک ہوگئی ہیں۔ تم اس سلسلے میں آج کل کوئی انٹرسٹ نہیں لے رہی۔ روشی بے چاری اکیلی ہی لگی رہتی ہے۔ تم اس کے ساتھ بیٹھا کرو ذہن بٹے گا۔ مصروفیت ملے گی تو نیند بھی آئے گی نا۔ ورنہ روشی سمجھے گی کہ تم نجانے کیوں اس کے

ساتھ ہاتھ نہیں بٹا رہی۔" انہوں نے اس کا ذہن بٹانے کی کوشش کی۔ وہ محض سر ہلا گئی۔

"اسٹڈی کیسی چل رہی ہے۔" انہوں نے موضوع بدلا۔

"ٹھیک......" اکتاہٹ سے جواب دیا۔

"تم چھٹیاں بھی تو کرنے لگ گئی ہو دھیان سے اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" انہوں نے مزید ہدایت دی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"جی اچھا اور کچھ۔"

"اب تم نہ ہی کچھ بولو گی اور نہ کچھ سوچو گی بس آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو میں تمہارے پاس ہی ہوں۔" اس کے بالوں میں بہت محبت سے انگلیاں پھیرتے دوسرے ہاتھ میں ہاتھ تھام کر بوسہ دیتے انہوں نے محبت و شفقت سے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

❁......❁......❁

وہ لوگ ابھی رستے میں ہی تھے کہ بخشو نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ بابا کی بے ہوشی طویل ہو جانے پر وہ لوگ ان کو قریبی اسپتال لے گئے تھے جو گاؤں سے باہر سرکاری سطح پر واقع تھا۔ شاہزیب صاحب مزید پریشان ہو گئے تھے۔

یہ لوگ سیدھا اسپتال پہنچے۔ زبیری صاحب کو انکل نے رستے سے پک کیا تھا وہ ان کے ساتھ ہی آئے تھے۔

"السلام علیکم صاحب۔" بخشو ان لوگوں کو دیکھتے ہی فوراً قریب آ گیا تھا۔

"کیسے ہیں بابا صاحب اور ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ ان کے دماغ کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔ ہم سے زیادہ تفصیل سے بات نہیں کی۔ ڈاکٹرز ادھر ہی ہیں ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" بخشو کی نشاندہی پر وہ ڈاکٹرز سے ملنے ایک کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گئے ان کے ہمراہ زبیری صاحب اور باقی افراد بھی تھے۔ ڈاکٹرز میں سے ایک دو سینئر ڈاکٹر موجود تھے باقی ورکنگ عملہ ہی تھا۔ ڈاکٹر صاحب انہیں بابا صاحب کے پاس لے آئے وہ بے ہوش ہی تھے۔ ڈرپ لگی ہوئی تھی وہ شاہزیب اور دیگر لوگوں کو بابا صاحب کی کنڈیشن بتانے لگے۔

"سیریس کنڈیشن نہیں ہے بس ان کے دماغ میں کھنچاؤ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ان کا دل و دماغ شدید صدمے کے زیر اثر ہے۔ مکمل طور پر ہوش آ جاتا ہے تو ٹھیک دوسری صورت میں آپ ان کو کہیں اور شفٹ کر سکتے ہیں۔" ڈاکٹرز نے بابا صاحب کی ساری کنڈیشن بتا کر آخر میں کہا تو شاہزیب صاحب نے زبیری صاحب کو دیکھا۔

"ابھی تو یہ انڈر آبزرویشن ہیں تھوڑی سی امپرومنٹ ہوتی ہے تو دیکھتے ہیں کیا کرتے ہیں۔ اہم چیز یہ ہے کہ ان کو ہوش آ جائے۔ جس طرح کی صورت حال بتائی جا رہی ہے اس سے اندازہ تو نہیں ہو رہا کہ ان کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ خوابوں کا سلسلہ جو کچھ بھی تھا ایک عرصے سے یہ سلسلہ چل رہا تھا پھر آج اچانک اس شدید کنڈیشن میں چلے جانا سوچنے کی بات ہے اصل ریزن کیا ہو سکتی ہے۔"

"پتا نہیں بابا صاحب کچھ ذکر بھی تو نہیں کرتے میں نے کئی بار کوشش کی کہ کسی سائیکالوجسٹ سے سیشن کروا لیں ایک بار کے بعد دوبارہ جانے کا نام ہی نہ لیا۔ ان کے دل و دماغ میں گناہ کے احساس کی ایک ایسی گرہ بندھ گئی ہے جو کھلنے میں ہی نہیں آ رہی۔" شاہزیب صاحب کا تفکر و پریشانی سے برا حال تھا شہوار نے فوراً آگے بڑھ کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آپ فکر نہیں کریں ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے آپ ادھر بیٹھیں، ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں اگر ہم مطمئن نہیں ہوں گے تو بابا صاحب کو شہر لے جائیں گے۔ فی الحال تو ان کے ہوش میں آنے تک ہمیں انتظار کرنا ہو گا نا۔" شہوار ان کا ہاتھ تھامے باہر لے آیا اور سائیڈ پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا۔ دوسری طرف تابندہ بی آ بیٹھی تھی۔

تابندہ بی شاہزیب صاحب سے تسلی و تشفی کی باتیں کرنے لگیں تو شہوار اٹھ کر بابا صاحب کے روم میں آ گئی زبیری صاحب کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ ایک نرس بھی کمرے میں تھی۔ وہ بھی بابا صاحب کے بستر کے پاس کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ بابا صاحب سے متعلق اسے بہت سے واقعات یاد آنے لگے تو ایک محبت بھری نگاہ اس نے بابا صاحب کے باریش چہرے پر ڈالی۔

"مجھے نہیں پتا باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے؟ مگر آپ کے وجود میں ہمیشہ مجھے ایک باپ کی محبت ملی آپ نے جس طرح میرے وجود کا خیال رکھا میری ماں کے سر پر دست شفقت رکھا آپ کے اس سلوک نے مجھے خرید لیا۔ میرے خیالات میرے اعتراضات ایک طرف مگر آپ کا ہر حکم ایک طرف۔ آپ کا وجود ہمارے لیے ایک گھنی چھاؤں ہے ہم ماں بیٹی لوگوں کی ہزار ہا باتوں کا سامنا کرتی تھیں مگر آپ نے جس طرح ہمیں اس حویلی کے حقیقی مکینوں کا مان دیا لوگوں کی سب زبانیں بند ہو گئیں۔ آپ نے ہمیں ایک گھر

زندگی دی۔ آپ کی اولاد نے ہمیں جو مان اور محبت دی اس کا بدلہ تو شاید میں ساری زندگی نہ چکا سکوں۔ کاش میں آپ کے دکھوں کو بھری زندگی... میں جان سکتی کہ آپ کو آنے والے خوابوں کے اس سلسلے کے پیچھے کیا وجہ ہے تو سچ کہتی ہوں میں اپنی ساری توانائیاں آپ کی جان کے اس دکھ کو ختم کرنے میں لگا دیتی۔" وہ بہت محبت بھری نگاہ سے انہیں دیکھتی رہی اور نجانے کیا کچھ سوچتی رہی۔

❁......❁......❁

وہ جاگنگ کر کے واپس گھر لوٹا تھا صحن میں پہنچ کر رک گیا۔ انا سرخ لباس میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر رک گئی تھی۔

"السلام علیکم!" انا نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام آج صبح صبح کیسے دکھائی دے رہی ہو۔" جب سے پاکستان لوٹا تھا روزانہ جاگنگ کرنے جاتا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ انا کو مارننگ واک کرتے دیکھ رہا تھا۔

"بس ساری رات آنکھ ہی نہیں لگی پھر سوچا کہ نماز پڑھ کر کیا لیٹوں واک ہی کر لوں۔" انا کے جواب پر ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا تو پہلی نگاہ میں یہ لڑکی بہت خوش گوار سر سبز و شاداب گلاب کی مانند کھلی کھلی تر و تازہ لگی تھی اور اب ہر گزرتے دن کے ساتھ عجیب ذرا پژمردہ اور سست ہوتی جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ کوئی غم اسے اندر ہی اندر گھول رہا تھا۔

"اچھی سوچ ہے روزانہ واک کیا کرو صحت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔" انا مسکرا دی اور پھر واک کرنے لگی تو ولید اندر جانے کی بجائے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"اب طبیعت کیسی ہے کچھ افاقہ ہوا؟"

"جی...... بہتر ہوں......!" ولید نے بغور اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔ کل وہ اس سے معذرت کر چکا تھا اپنے رویے کی معافی بھی مانگ چکا تھا مگر اندر ہی اندر اب بھی ایک گلٹ تھا جو ختم ہی نہیں ہو پا رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ انا اب بھی اس سے خفا ہے لاشعوری طور پر وہ چند قدم پیچھے رہ گیا تھا انا نے آگے بڑھ کر پلٹ کر دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے وہ عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی اور اب ولید کو رکتے دیکھ کر فوراً ٹھٹکی تھی۔

"کچھ نہیں، میں یہ پھول دیکھ رہا تھا بہت پیارے لگ رہے ہیں۔" ولید نے سامنے گلابوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا تو انا نے مسکرا کر پھولوں کو دیکھا۔ سرخ سفید اور گلابی کلر کے گلاب کے پھولوں کی ادھ کھلی کلیاں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔

"ہاں مگر ماما پھول توڑنے پر بہت خفا ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ پھولوں سے محبت کی جائے اور ان سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کو توڑا نہ جائے۔ شروع شروع میں میں نے چند ایک بار پھول توڑ لیے تھے تو بہت خفا ہوئی تھیں۔ یہ ہمارا چھوٹا سا باغیچہ ماما کی کوششوں کے مرہون منت ہے۔" اطراف میں گھوم کر وضاحت کی تو ولید مسکراتا پھولوں کے جھنڈ کے قریب آ ٹھہرا۔

"روز یہ شاخ کے ساتھ جڑے مرجھا جاتے ہیں اور ان کو قدر دانی کی ایک نگاہ بھی میسر نہیں آتی یہ بھی تو زیادتی ہے نا۔" ولید نے جھک کر گلابی پھول توڑ لیا۔

"ولی...... ماما بہت خفا ہوں گی۔" اس نے اسے باور کروانا چاہا۔ "آپ کو نہیں پتا ماما پھولوں کے معاملے میں کس قدر ٹچی ہیں۔" اس نے مزید بتایا۔

"کچھ نہیں کہیں گی۔" ولید نے اس کی ہدایتوں کو نظر انداز کرتے ایک ایک کر کے تمام ادھ کھلی کلیوں کو توڑ لیا۔ وہ خاموشی سے قریب کھڑی اسے پھول توڑتے دیکھ رہی تھی۔ پھول توڑنے کے بعد ولید نے بہت احتیاط سے پھولوں کی ٹہنیوں سے اضافی کانٹے توڑے اور پھر تمام پھولوں کو ایک گلدستے کی صورت میں ترتیب دے کر ایک اضافی ٹہنی کی مدد سے گلدستے کو باندھ دیا تھا۔ اس سارے عمل کے دوران انا بس خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سارا عمل سر انجام دیتے دس پندرہ منٹ تو ضرور لگے ہوں گے۔ اب ادھ کھلی کلیوں کا ایک خوب صورت گلدستہ تیار تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" ولید نے گلدستہ اسے دکھاتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔ آج بڑے دنوں بعد وہ یوں دل سے کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ بڑی معطر اور تر و تازہ سی جھرنوں جیسی ہنسی۔

"بہت ہی پیارا...... اینڈ بہت ہی خوب صورت ماما کی ڈانٹ سننے کے لیے بھی تیار رہیے گا۔" وہ متوقع ڈانٹ سے خوف دلا رہی تھی۔ ولید نے بہت خوش گوار انداز میں اس کو یوں دل سے ہنستے دیکھا۔ یوں لگا گویا اطراف میں گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔ دل میں جو کثافت جمی ہوئی تھی یوں لگا وہ دھلنے لگی ہے۔ وہ جو اس کی ناراضی کو لے کر پریشان تھا اس کی یوں صاف و شفاف دلکش ہنسی کے جلترنگ

سن کرایک دم پرامید سا ہونے لگا۔

"تمہیں پسند آیا؟" ولید نے بہت محبت سے پوچھا وہ فوراً سر ہلا گئی۔

ولید کو اس وقت بڑی اٹریکٹیو اور اپنی اپنی سی لگی۔

"بہت نائس لگ رہا ہے نا۔" اس نے گلدستہ تھامنے کو ہاتھ بڑھایا تو ولید نے گلدستہ پیچھے کرلیا۔

"ہوں...... ہوں ایسے نہیں۔" اس نے چونک کر ولید کو دیکھا وہ مسکراتا بڑا دلکش لگ رہا تھا۔ انا کو اپنا دل ایک دم دھڑکتا محسوس ہوا اس نے ہاتھ ہٹا کر نگاہیں جھکالیں۔ آج اس شخص کو بھلا کیا ہوا تھا۔ اس قدر توجہ پر بھلا کیونکر آمادہ ہوگیا تھا؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

"یہ تمہارے لیے...... میری طرف سے اس مارننگ واک کا ایک خوب صورت سا گفٹ اس امید کے ساتھ کہ تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔" وہ جو پلٹنے کا سوچ رہی تھی ایک دم حیرت سے ولید کو دیکھنے لگی۔ ولید ادھ کھلی کلیوں کا یہ چھوٹا سا گلدستہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے دلکش انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ولید......!" وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

ولید نے یہ گلدستہ بطور خاص صرف اس کے لیے بنایا تھا۔ کیسا خوش کن خیال تھا اسے لگا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگی ہو۔ کیسا جذبوں کو بے لگام کردینے والا انداز تھا۔

"یہ میرے لیے......؟" وہ بے یقین تھی۔ ولید نے مسکرا کر سر ہلایا تو بھی وہ لینے میں تامل برت گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے ہٹالیا۔

"ہاں تمہارے لیے......!" ولید نے اسی کے انداز میں کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے گلدستہ تھام لیا۔ اسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہو۔ اس نے پھولوں کو اور پھر بے یقینی سے ولید کو دیکھا۔

"میری طرف سے تم بہت ہرٹ ہوئی ہو بس یہ یقین چاہتا ہوں کہ تم اب مجھ سے خفا نہیں ہو تمہیں نہیں پتا یہ دو دن میں نے اذیت کے عالم میں گزارے ہیں۔ اپنے رویے پر میں خود بھی از حد نادم رہا ہوں۔" وہ مزید کہہ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ آج اس کی زندگی میں اک نئی صبح طلوع ہوئی ہے۔ اک نیا موڑ آیا ہے۔

اگر وہ اذیت میں گرفتار رہی تھی تو پریشان وہ بھی تھا۔ پرسکون وہ بھی نہ تھا۔ اگر وہ بخار کی اذیت میں مبتلا رہی تھی تو اس اذیت کو ولید نے بھی پل پل محسوس کیا تھا۔ کیسا روح کو معطر کردینے والا احساس تھا۔ انا کو لگا کہ ولید ضیاء نے اس کی مردہ روح کو اس چھوٹے سے تحفے کے مول پھر سے سیراب کردیا ہے۔

"تھینکس...... تھینکس آ لاٹ ولید۔" پھولوں کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھتے اس نے بہت محبت سے کہا۔ ولید مسکرا کر اس کا روشن کھلا کھلا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کیا کوئی پھولوں کا ایک چھوٹا سا تحفہ پا کر یوں بھی کھل جاتا ہے؟" وہ حیرت زدہ تھا۔ کچھ پل قبل وہ کتنی پژمردہ اور نڈھال لگ رہی تھی اور اب ایک چھوٹا سا تحفہ پا کر وہ کیسے کھل اٹھی تھی۔ ولید کے اندر ایک احساس نے کروٹ بدلی تو اس نے بغور انا وقار کو دیکھا جو پھولوں کو بڑی نرمی اور محبت سے تھامے ہوئے تھی یوں جیسے بہت قیمتی شے ہو۔

"میرے لیے یہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت اور یادگار تحفہ ہے...... تھینکس اگین۔" انا مزید کہہ رہی تھی۔ "میں آپ سے قطعی خفا نہیں ہوں، میں آپ سے کبھی خفا ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے ٹینشن فری ہوجائیں۔"

"کیوں......؟" اس کے الفاظ پر ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اتنی خصوصی رعایت مجھے کیوں مل رہی ہے۔ ناراض ہونے والی بات پر ناراض تو ہوا ہی جاتا ہے نا۔" انا ہنس دی۔

"آپ کو تو اور بھی بہت سے معاملات میں خصوصی رعایت دے جاتی ہیں کبھی ان پر بھی غور کرلیا کریں۔" بظاہر ہنس کر کہا تھا مگر اس میں جذبات کا رچاؤ گھل مل گیا تھا۔ ولید الجھ گیا۔

"مثلاً۔" انا گلدستہ لیے اندر کی طرف قدم بڑھانے لگی تو ولید بھی ہم قدم ہوگیا۔

"ہم اپنے منہ سے کیوں وضاحت کریں پرکھنے والی نگاہ تو آسمان کی وسعتوں میں چھپے راز بھی آشکار کرلیتی ہے۔ حیرت ہے آپ لاجک کی بات کرتے ہیں اور عام سی لڑکی کی سوچ تک رسائی حاصل نہیں کرپائے۔"

"انا...... کیا مسئلہ ہے؟" انا کے الفاظ پر اس نے ایک دم اس کا راستہ روکا تو انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"صبح صبح آپ کے اس تحفے نے میرا موڈ ایک دم بڑا خوش گوار کردیا ہے۔ اگر آپ نہیں چاہتے کہ میں اپنے سابقہ موڈ میں واپس جاؤں تو پھر اپنے سوال و جواب کا یہ سلسلہ یہیں بند کردیں۔ سچ کہتی ہوں اول تو میں آپ سے کبھی خفا ہوں گی نہیں اور اگر کبھی ہوگئی تو پھر بھی ہزار بار منانے پر بھی راضی نہیں ہوں گی۔ اسے دھمکی سمجھ لیں یا کچھ بھی۔"

"لو خواہ مخواہ کوئی ریزن ہوگا تو خفا ہوگی بغیر لاجک کے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔" انا ولید کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"دیکھ لیجیے ابھی میں نے یہ لاجک کی ہی بات دہرائی تھی اور اب پھر آپ لاجک کو ہی پوائنٹ آؤٹ کررہے ہیں۔" ولید بھی انا کی برجستگی پر مسکرا دیا۔

درحقیقت اسے صبح صبح کا انا کا یہ دلکش روپ بہت خوشگوار احساسات سے دوچار کرگیا تھا۔ کوئی چیز بہت دھیمے سروں میں دل کے دروازوں کو دستک کررہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کئی دن بعد کھل کر دل سے خوش ہوا ہے آج۔

"میں کوشش کروں گا کہ اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا موقع آئے کہ تم مجھ سے خفا ہوجاؤ۔" ولید کے لیے یہ لمحے بڑے خوشگوار تھے سو اس نے دل سے کہا۔

"دیکھ لیں دعوے تو آپ بہت بڑے بڑے کررہے ہیں آپ بھول رہے ہیں کہ میں موڈی لڑکی ہوں اور اپنے موڈز کے تابع رہتی ہوں بہت چھوٹی بات پر بہت جلد خفا بھی ہوجاتی ہوں۔" اس نے اپنی طرف سے ولید کو ڈرانا چاہا۔

"نہ بابا نہ تمہاری ایک ہی خفگی کافی ہے۔ وہ جھیل لی بہت ہے آئندہ مجھ پر ایسا ظلم مت کرنا۔" ولید بھی گزرے دنوں کا کرب بھلانے کی کوشش میں خوش ہوتے کہہ رہا تھا۔

"او کے آئندہ خیال رکھوں گی۔" اس نے فوراً سر تسلیم خم کیا تھا۔

انا بھی گزرے دنوں کی اذیت بھلاتے ان لمحوں کو دل سے محسوس کرنا چاہ رہی تھی آج ولید کا کچھ مختلف روپ دیکھنے کو مل رہا تھا تو وہ اس روپ کو نگاہوں میں محفوظ رکھنا چاہتی تھی سو فوراً سر ہلا گئی۔

"تو اس کا مطلب ہے آج سے پہلی والی دوستی ہوگئی پھر؟" وہ اسے چھیڑ رہا تھا وہ ہنس دی۔

"دوستی تو بس دوستی ہوتی ہے اور یہ "کچی پکی" دوستی کیا ہوئی بھلا؟"

"کچی دوستی بھی دوستی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ یہ منافقت کی راہ پر گامزن دوستی ہوتی ہے اور پکی دوستی وہ دوستی ہوتی ہے جس میں ہزار ہا اختلافات آئیں عناد برپا ہوں دوستی دوستی ہی رہتی ہے۔ تعلق ختم نہیں ہوتے۔ ناراضی ضرور ہوتی ہے مگر بغض عناد اور نفرت کا اس میں وجود نہیں رہتا۔" ولید نے مسکرا کر وضاحت کی تو وہ دلچسپی سے ولید کو دیکھے گئی۔ جاگنگ سوٹ میں ملبوس وہ خاصا اٹریکٹیو لگ رہا تھا۔

"امیزنگ......" ولید کے الفاظ پر اس نے مسکرا کر کہا تو ولید کورنش بجالیا۔

"شکریہ...... ذرہ نوازی ہے آپ کی۔"

"پتا ہے ولی ساری رات آنکھوں میں بتاتے مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ اس رات کی صبح اس قدر خوب صورت اور دلکش ہوگی آپ کا یہ تحفہ بہت خوب صورت ہے اور میں کوشش کروں گی کہ اس کو سنبھال کر رکھو۔ اس خوب صورت تحفے کے لیے ایک دفعہ پھر شکریہ۔" پھولوں کو اپنے رخساروں سے چھوتے اس نے اس قدر محبت سے کہا تو ولید اسے بغور دیکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"انا ہر ایک کے معاملے میں اس قدر حساس نہی اور موڈی تھی یا پھر یہ خصوصی رعایت وہ صرف اس کے ساتھ ہی برت رہی تھی۔" اک خیال نے بڑی شدت سے اس کے اندر سے سر ابھارا تھا۔

"میں چلتی ہوں، کالج جانے کے لیے تیار ہونا ہے۔ آپ نے بھی تو آفس جانا ہوگا۔" ولید جو اسے بغور دیکھ رہا تھا انا نے اس کی نگاہوں کو محسوس کرتے جھجک کر وہاں سے نکلنا چاہا۔

ولید نے خاموشی سے سر ہلا کر اسے جانے دیا اور وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھ آئی تو ولید کئی ثانیے اپنے ہی کسی خیال میں الجھا کھڑا رہا اور پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا کہ اس کے اندر جس خیال نے سر ابھارا تھا اس پر دل و دماغ کی گرفت مضبوط نہیں ہو پائی تھی۔



دوپہر میں وہ چند گھنٹوں کے لیے تابندہ بی کے ساتھ حویلی گئی تھی مغرب کی نماز کے بعد وہ بخش دین عرف بخشو کے ساتھ واپس آئی تھی تابندہ بوا حویلی میں ہی ٹھہر گئی تھیں۔ یہاں آ کر اسے بابا صاحب کی طبیعت کی بحالی کی خبر ملی تو ایک دم خوش ہوگئی۔ بابا صاحب دوپہر

میں حواس میں لوٹے تھے اور کچھ دیر حواس میں رہے تھے۔ شاہزیب انکل سے بات چیت بھی کی تھی شہوار کے لیے یہ خبر خوشگوار تھی۔ شاہزیب انکل جب سے آئے تھے اسپتال میں ہی تھے ان کے ساتھ زبیری انکل بھی وہیں تھے۔ شہوار کے پرزور اصرار پر وہ حویلی جاکر آرام کرنے پرآمادہ ہوگئے تھے۔ چونکہ اردگرد کے تمام علاقے میں بابا صاحب اور ان کی آل واولاد کو لوگ اچھی طرح جانتے تھے سو اسپتال میں بابا صاحب اور ان کے متعلقین کو خصوصی توجہ ورعایت دی جارہی تھی۔ یہ اسپتال سرکاری سطح پر تھا اور اردگرد کے کئی گاؤں اس اسپتال کو لگتے تھے باقی سرکاری کلینک کی نسبت اس اسپتال میں ادویات کے ساتھ ساتھ تمام ضروری سہولیات موجود تھیں۔ ڈاکٹرز بھی اگرچہ بہت تعداد میں نہ تھے مگر جو چند ایک تھے وہ قابل اور لائق تھے زبیری انکل ان ڈاکٹرز اور اسپتال کی کارکردگی سے مطمئن تھے سو ابھی تک شاہزیب صاحب بابا صاحب کو یہاں سے کہیں اور شفٹ کرنے والے ارادے پر عمل نہیں کرپائے تھے۔ بابا صاحب ٹرینکولائزر کے زیر اثر اس وقت سو رہے تھے۔

وہ ان کے بستر کے قریب رکھی کرسی پرآ بیٹھی۔ یونہی اِدھر اُدھر سوچتے اسے انا کا خیال آیا تو سوچا کہ اسے میسج ہی کردے انا آج کالج گئی تھی اور وہ وہاں جاکر اسے نہ پاکر اس نے کال کی تھی جواباً اس نے بابا صاحب کی طبیعت اور اپنے یہاں آنے کا بتادیا تھا تو اس نے تاکید کی تھی کہ وہ اسے بابا صاحب کی طبیعت جیسے ہی سنبھلے میسج ضرور کردے۔

"بابا صاحب اب پہلے سے کافی بہتر ہیں انہیں ہوش آ گیا ہے۔ اس وقت ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہیں۔ میں ان کے پاس ہوں وہ ڈسٹرب نہ ہوں اس لیے کال نہیں کررہی۔" اس نے یہ الفاظ ٹائپ کرکے انا کے نمبر پر میسج سینڈ کردیا تھا۔

"چلو اچھی بات ہے اور اپنا خیال رکھنا۔" جواباً انا کا ٹیکسٹ فوراً ملا تھا۔ شہوار مسکرادی اور موبائل ہاتھ میں لیے بابا صاحب کو دیکھنے گئی۔

اسپتال میں ایک محسوس کن خاموشی تھی یہ کوئی شہر کا اسپتال تو تھا نہیں جہاں رات کے وقت بھی دن کا سماں رہتا۔ یہاں شام ہوتے ہی اندھیرا پھیلنے کے بعد ایک محسوس کن خاموشی چھاجاتی تھی۔ شہوار گزشتہ رات یہاں اکیلی نہیں آئی تھی سو کچھ محسوس نہ کرپائی تھی۔ اس وقت ڈاکٹرز بھی نہیں تھے نرس بھی غائب تھی شہوار کو یہ خاموشی کچھ زیادہ ہی شدت سے محسوس ہونے لگی۔

"اف...... کیسا ڈراؤنا ماحول ہورہا ہے۔" بھلے کوئی چور ڈاکو اندر گھس آئے دیکھو کسی کو پروا ہی نہیں کہ یہاں مریض اکیلا ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے کم از کم نرس کو تو چاہیے تھا کہ وہ یہاں روم میں چکر لگا جاتی۔" اردگرد کے ماحول سے پریشان ہوتے وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگی۔ تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا تھا یا پھر اس کا لاشعوری خوف تھا۔ وہ ڈر کر سیدھی ہوئی۔

"ک...... ک...... کون......؟" اس نے گھبرا کر دروازے کو دیکھا وہ اسی طرح نیم وا تھا جس طرح پہلے تھا۔ شہوار خوفزدہ نظروں سے دروازے کو گھورے گئی۔ اس کے اندر اتنی سکت نہ رہی کہ اٹھ کر جاتی اور جاکر دروازہ لاک کردیتی۔

"لو جی مجھ جیسا بھی کوئی بہادر ہوگا۔ حویلی سے امی نے کہا بھی تھا کہ عظمت یا تاج کو لے آؤں مگر تب خیال نہ آیا اور اب خوفزدہ ہورہی ہوں۔ مجھ جیسے مستقبل کے ڈاکٹروں کا یہ حال ہے نجانے مستقبل میں کیا کیا کارنامے سرانجام دوں گی۔" اس نے اپنے ہی خوف پر غصے میں آ کر خود کو ہی لتاڑنے کی کوشش کی۔

"چلو آج کی رات یہ تو ثابت ہورہا ہے کہ میں کس قدر بہادر ہوں۔" اپنے خوف کو بھگانے کے لیے اس نے حویلی سے ساتھ لائی میڈیکل کی ایک کتاب کھول لی تھی۔

مگر چونکہ لاشعوری طور پر وہ خوفزدہ ہوچکی تھی سو کتاب کی ورق گردانی کرتے وہ گاہے بگاہے نیم وا دروازے کو بھی دیکھے جارہی تھی۔ وہ پوری طرح اپنی توجہ کتاب کی طرف مبذول کیے ہوئے تھی جب ایک بار پھر دروازے پر کھٹکا ہوا وہ چونک گئی یوں لگا دروازے کے دوسری طرف کوئی ہے۔ اس نے اب بولنے کی بجائے خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھا۔ مگر کوئی اندر نہیں آیا تو وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی اردگرد دیکھا کوئی چیز نہ ملی صرف شیشے کا گلاس تھا اس نے ٹیبل سے وہی تھام لیا آہستگی سے وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی اوٹ میں ہوکر اس نے باہر کی سن گن لینا چاہی مگر صورتحال واضح نہ ہوپائی بس قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی یوں لگ رہا تھا کہ کوئی روم کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"کیا کروں اگر ڈاکٹر یا نرس ہوتی تو اتنا پراسرار انداز نہ ہوتا۔ وہ لوگ سیدھا روم میں آتے۔" جوں جوں قدموں کی آواز نزدیک آرہی تھی شہوار کو اپنے اوسان خطا ہوتے محسوس ہورہے تھے۔

"چلو جو بھی ہوگا دیکھ لوں گی۔ اگر کوئی چور ڈاکو ہوا تو اتنی آسانی سے تو قابو نہیں آنے والی۔" اس نے دل میں ارادہ باندھا۔ اب کے قدموں کی چاپ بالکل دروازے کے پاس آرکی تھی۔ شہوار نے اپنا گلاس والا ہاتھ ایک دم اٹھالیا تھا۔ تبھی دروازہ کھول کر کوئی

اندر داخل ہوا تھا شہوار جو دروازے کی اوٹ میں تھی اس نے بنا دیکھے سوچے سمجھے گلاس کھینچ کر آنے والے کے سر پردے مارا اور یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ آنے والا بھی کچھ سمجھ نہ پایا تھا۔

ٹھاہ...... کی آواز کے ساتھ گلاس مقابل کے سر پر لگ کر فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہوا تھا اور آنے والے نے فوراً اپنا سر تھاما تھا۔

"اوہ...... یو ایڈیٹ۔" مقابل اس حملے کی توقع نہیں رکھتا تھا سو اس نے شیر کی پھرتی سے پلٹ کر حملہ آور کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنے بازو میں جکڑا تھا۔

شہوار کی چیخ بے ساختہ تھی اور پھر شہوار تو جانی پہچانی آواز سن کر ہی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آپ......!" آنے والے کے چہرے پر نگاہ پڑی تو لگا کہ بس زمین پھٹے اور اس میں سما جائے کی کسر رہ گئی ہے۔ اس قدر شرمندگی وخجالت۔

"تم......؟" مقابل بھی اسے دیکھ کر چونکا تھا۔

شہوار اپنے مقابل مصطفیٰ شاہزیب علی کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ رات کے اس پہر کوئی اور نہیں مصطفیٰ شاہزیب علی اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"واٹ نان سینس۔" وہ اگلے ہی پل برہم ہوا تھا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔" گلاس لگنے سے مصطفیٰ کے سر سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی تھی مصطفیٰ نے اسے اپنے بازو کے حصار سے نکالا تو وہ خفت وشرمندگی سے سر جھکا گئی۔

وہ تو شکر تھا کہ بابا صاحب ٹرینکولائزر کے زیر اثر تھے ورنہ وہ اٹھ جاتے تو مزید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا اور شور کی آواز سن کر ابھی تک کوئی ادھر نہیں آیا تھا۔

"آپ ادھر اسٹیچو بنی کھڑی کیا کررہی ہیں؟ یہ سب کیا ہے؟" وہ برہمی سے کہتے اس سے فاصلے پر ہٹ کر اس کرسی پر جا بیٹھا تھا جہاں وہ کچھ دیر قبل بیٹھی ہوئی تھی اور اپنی جیب سے رومال نکال کر سر کے متاثرہ حصے پر رکھ رہا تھا۔

"میں سمجھی کہ کوئی چور یا ڈاکو ہوگا۔" شرمندگی وخجالت سے جو برا حال تھا وہ ایک طرف بس رونے کی کسر رہ گئی تھی اوپر سے مصطفیٰ کا انداز۔ وہ سر جھکائے مجرموں کی مانند کھڑی تھی۔

"ماشاء اللہ کیا ذہانت ہے آپ کی؟" اس نے طنزیہ نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک گھورا۔ وہ مزید شرمندہ ہوگئی۔

"محترمہ چور ڈاکوؤں کے لیے یہ چھوٹے موٹے گلاس کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ ویسے آپ کو یہ خیال میرا مطلب ہے کہ شک کیونکر ہوا کہ اس دروازے سے چور یا ڈاکو ہی داخل ہوں گے۔" شہوار نے اس کے اس طنزیہ الفاظ پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کافی دیر سے دروازے کے باہر کھٹکا محسوس ہورہا تھا ادھر کوئی ڈاکٹر و نرس نہیں آیا تھا۔ میں سمجھی کہ کبھی اپنے راؤنڈ میں ہوں گے اور جب بار بار شک ہوا تو میں ڈر گئی تھی۔" وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے قدرے فاصلے پر کھڑے یہ کہہ گئی۔ مصطفیٰ جو اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کا انداز بیاں اور اسٹائل دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ تو شکر تھا کہ شہوار سر جھکائے ہوئے تھی ورنہ اسے مسکراتے دیکھ کر ضرور کھولتی۔

"آپ کی بلیڈنگ ہورہی ہے ایم سوری میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اور مجھے بھلا کیا پتا تھا کہ آپ ہیں؟" وہ اب دروازے سے ہٹ کر نزدیک آ گئی تھی مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ تشویش بھری نظروں سے اس کے سر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ کو پتا ہوتا کہ یہ میں ہوں تو کیا آپ پھولوں کے ہار لے کر میرے استقبال کے لیے کھڑی ہوجاتیں۔" مصطفیٰ کے جملے پر اس نے ناراضی بھری نگاہ ڈالی۔

"یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان تو ہوگا نا...... اف پتا نہیں کیسا کٹ لگا ہے جو بلیڈنگ رک ہی نہیں رہی۔" مصطفیٰ کا سفید رومال خون سے رنگین ہورہا تھا۔

گلاس کا کانچ کسی خاص زاویے سے لگا تھا جو فوراً زخم بنا گیا تھا۔

"میں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آئی تھی مگر وہ تو دوپہر میں حویلی لے گئی تھی۔" مصطفیٰ کے ہاتھ میں رنگین رومال دیکھ کر اس کے اندر احساس ندامت بڑھنے لگا۔ ٹیبل پر روئی پڑی ہوئی تھی۔ وہ روئی اٹھا کر مصطفیٰ کے پاس چلی آئی۔

"دکھائیں۔" مصطفیٰ نے ہاتھ ہٹا دیا تھا وہ خاموشی سے گھنے سیاہ بالوں کو ہٹاتے زخم کا معائنہ کرنے لگی۔ زخم اتنا گہرا بھی نہیں تھا بہرحال کٹ لگ گیا تھا اور بلیڈنگ بھی ہورہی تھی سو تشویش بہرحال تھی۔

"میں باہر سے ڈریسنگ کا سامان لے کر آتی ہوں اتنی دیر میں آپ یہ روئی ایسے ہی دبا کر رکھیں۔"

"باہر کوئی چور ڈاکو بھی ہوسکتا ہے؟" مصطفیٰ کی رگ شرارت پھڑکی تو اس نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں ہر طرح کے حالات سے نبٹنا جانتی ہوں۔ بے فکر رہیں اتنی کمزور نہیں ہوں۔" کچھ دیر قبل وہ کمزور ثابت ہوئی تھی سو اب کچھ چڑ کر کہتے وہ باہر نکل آئی۔ ڈاکٹر کے روم کا اسے پتا تھا نرس سے بھی اس کی سلام دعا ہو چکی تھی بابا صاحب خاص مریض کی حیثیت سے ایڈمٹ تھے سو ان لوگوں کو عملہ خصوصی پروٹوکول دے رہا تھا اس نے ڈاکٹر کے روم میں آ کر ڈریسنگ کا سامان مانگا تو نرس نے اسے فرسٹ ایڈ باکس کٹ لا تھمائی۔

"کچھ اور بھی چاہیے؟" نرس نے پوچھا۔

"نہیں ٹھیک ہے۔" متعلقہ تمام اشیاء دیکھ کر اس نے انکار کر دیا۔

"ویسے کرنا کیا ہے ان چیزوں کا؟ اگر ہیلپ کی ضرورت ہو تو میں آ جاؤں۔"

"نہیں میں کرلوں گی۔" رکھائی سے انکار کرتے وہ واپس کمرے میں آ گئی اور مصطفیٰ اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے سزا سنا کر چلی گئی ہو اتنی سخت سزا تو وہ بھی نہیں تھی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہونے والی جو اسکول ٹیچر دیا کرتی تھیں میرا بازو دکھنے لگا ہے اسی طرح رکھے رکھے۔" مصطفیٰ اسے دیکھ کر پھر شروع ہوا تھا اس نے بغیر جواب دیے تمام سامان ٹیبل پر رکھ کر روئی اور ڈیٹول کی شیشی اٹھالی۔

"ہاتھ نیچے کرلیں۔" قریب آ کر کہا تو مصطفیٰ نے فوراً ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ شہوار نے خون آلود روئی پکڑ کر ڈسٹ بن میں ڈالی۔

وہ خاموشی سے مصطفیٰ کے سر کے زخم کو ڈیٹول سے صاف کرنے لگی۔ زخم واقعی گہرا نہیں تھا۔ عام سا کٹ تھا بس یہ تھا کہ بلیڈنگ ہونے پر وہ فکر مند ہو گئی تھی۔ زخم صاف کر کے اس نے ڈریسنگ کر دی تھی اور اس سارے عمل کے دوران اگر وہ خاموش رہی تھی تو مصطفیٰ نے بھی جملے بازی سے احتراز برتا تھا۔

"نارمل کٹ لگا ہے ایک ہی دن میں زخم مندمل ہو جائے گا۔ وہ باتھ روم ہے آپ جا کر ہاتھ دھولیں۔" ڈریسنگ کرنے کے بعد اس نے تمام چیزیں سمیٹ کر باکس میں ڈالیں۔

مصطفیٰ باتھ روم میں گھسا تو وہ باکس اٹھا کر نرس کو واپس تھما آئی۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ دروازہ بار بار ہل رہا تھا وہ انجانے اوہام کا شکار ہو گئی تھی۔ نجانے مصطفیٰ بھی کیا سوچتا ہوگا۔ اسے اپنی عقل پر افسوس ہوا۔ اندرونی طور پر شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ فوری طور پر کمرے میں جانے کے بجائے پانچ دس منٹ بعد کمرے میں واپس آئی تو مصطفیٰ اس کا منتظر تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟"

"نرس کو فرسٹ ایڈ کٹ دینے گئی تھی۔" وہ کہہ کر بابا صاحب کی ٹیبل کے پاس آ ٹھہری اور دوائیوں والی شیشیاں اِدھر اُدھر کرنے لگی اور پھر خیال آنے پر فوراً دروازے کے پاس بکھرے کانچ سمیٹنے لگی۔

"بابا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

"پہلے سے بہتر ہیں۔" ایک ایک کرکے کانچ سمیٹتے اس کی تمام تر توجہ اس چیز پر تھی کہ کوئی کانچ انگلیوں کو زخم نہ لگا دے۔

"رہنے دو۔ خوامخواہ ہاتھ میں زخمی کرلو گی باہر سے وارڈ بوائے کو کہتا ہوں وہ کسی سوئیپر کو کہہ کر یا خود ہی صاف کردے گا۔" مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

"رہنے دیں ہوگئے ہیں۔" باریک چھوٹے چھوٹے کانچ کے ٹکڑے موجود تھے۔ بڑے بڑے تمام ٹکڑے ڈسٹ بن میں ڈال کر ٹیبل سے روئی کا ایک ٹکڑا لے کر تمام چھوٹے ذرات اس سے سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈالنے کے بعد وہ اٹھی اور ہاتھ دھو کر واپس آئی تو مصطفیٰ اس کی کتاب ہاتھ میں لیے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ساری رات ادھر ہی ٹھہریں گے۔" مصطفیٰ کا پرسکون مطمئن انداز دیکھ کر الجھی۔

"آپ کب آئے تھے؟" وہ بات جو آتے ہی پوچھنا چاہیے تھی اب پوچھ رہی تھی۔

"آیا تو میں رات کے دس بجے کے بعد ہی ہوں۔ دراصل ماں جی کو یہاں آنا تھا اور ان کو میں ہی لے کر آیا ہوں۔ رستے میں بابا جان سے بابا صاحب کی کنڈیشن امپرومنٹ کی خبر مل گئی تھی سوچا کہ ماں جی کو حویلی ہی چھوڑ دوں وہ کل صبح اطمینان سے یہاں آ جائیں گی۔ ہم سیدھا حویلی گئے وہاں جا کر پتا چلا کہ اسپتال میں اس وقت تم اکیلی ہو۔ سو بابا جان کی ہدایت پر مجھے آنا پڑا۔ مگر یہاں آ کر کمرے میں داخل ہوتے ہی جو عزت افزائی ہوئی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک بار پھر شرم سے سرخ پڑ گئی۔

فوری طور پر تو کچھ پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کیا ہوا ہے مگر اب جوں جوں ذہن گزشتہ واقعات کو دہرا رہا تھا بہت سی باتیں جزئیات کے ساتھ یاد آ رہی تھیں۔ مصطفیٰ کا کمرے میں داخل ہونا۔ اس کا بلا سوچے سمجھے گلاس کا دے مارنا اور مصطفیٰ کو جوابی حملے کے لیے حملہ آور کو فوراً دبوچ لینا۔ اور اس کے بعد کی صورت حال کس قدر شرمندگی کا باعث بن گئی تھی۔

"گھر میں باقی سب لوگ ٹھیک ہیں؟" گزشتہ واقعہ کے اثر سے نکلنے کو اس نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ شاید باقی لوگ کل صبح یا پھر بابا صاحب کی طبیعت بحال ہوئی تو پرسوں چکر لگالیں گے۔" وہ سر ہلا کر خاموشی ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اب مزید کیا بات کرے..... کمرے میں ایک دوسرا بیڈ بھی تھا جو مریض کے تیماردار کے لیے تھا۔ مصطفیٰ نے کرسی پر قبضہ جما لیا تھا سو وہ آہستگی سے اٹھ کر بستر پر آ بیٹھی۔

"اگر تم لیٹنا چاہو تو آرام سے سو سکتی ہو۔ میں ادھر ہی ہوں رات یہیں ٹھہروں گا۔" اس نے رات ٹھہرنے کا بتایا تو وہ ٹھٹکی۔ مصطفیٰ کے الفاظ پر اسے دیکھا وہ ابھی بھی اس کی کتاب لیے ورق گردانی کر رہا تھا۔

"آپ گھر سے آئے ہیں یا اپنے آفس سے؟" وہ چونکہ رات گئے حویلی پہنچے تھے تو اس نے یونہی پوچھا۔

"آیا تو میں گھر سے ہی ہوں لیکن ڈیوٹی نبھا کر مغرب سے کچھ پہلے فارغ ہو کر ماں جی کو لے کر اب ادھر پہنچا ہوں۔"

"کھانا وغیرہ اگر آپ کو بھوک ہے تو.....!" مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھی اسے دیکھ کر نگاہ پھیر گئی۔

"نہیں..... حویلی میں بوا جی نے خاصی مہمان نوازی کر ڈالی تھی۔"

"ویسے تمہیں اس وقت اکیلے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ کسی ملازمہ کو ہی ساتھ لے آتیں۔" کتاب کے اوراق پلٹتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"سارے دن کی روٹین سے آپ تھکے ہوئے ہوں گے پھر ڈرائیونگ کر کے اتنی دور یہاں پہنچنا۔ اگر آپ کچھ دیر ریسٹ کرنا چاہیں تو ادھر آ جائیں۔ ویسے بھی میں دن میں حویلی جا کر کچھ گھنٹے ریسٹ کر آئی ہوں اور مجھے اس وقت خاص نیند بھی نہیں آ رہی۔" اس کی موجودگی میں اسے نیند تو کبھی نہیں آنی تھی ہاں اگر وہ سو جاتا تو وہ آرام سے اپنی بک اسٹڈی کرتی رہتی سو وہ اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو فوراً زبان پر لے آئی تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں فزیکلی میں اتنا ویک نہیں ہوں کہ یوں فوراً تھکن کا شکار ہو جاؤں۔ ہاں تمہیں اگر میرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں لگ رہا اور بہانے سے اٹھانا چاہ رہی ہو تو اور بات ہے۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو شہوار نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"توبہ..... ! کتنا ہوشیار اور برائٹ مائنڈڈ انسان ہے یہ کیسے فوراً دوسروں کی سوچ تک کو پڑھ لیتا ہے۔"

"میں کیوں بہانے سے اٹھانے لگی میں نے تو آپ کی تھکن کے احساس سے کہا تھا۔ میری بات مناسب نہیں لگ رہی تو نہ سہی کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔" خاصی ناراضی سے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا اور اس کی ہنسی شہوار کو مزید بھنا گئی۔

"نہیں خیر زبردستی واقعی نہیں ہے۔ اب آپ محترمہ میری تھکن کا اتنا احساس کر رہی ہیں تو اب میرا حق بھی بنتا ہے کہ میں بھی آپ کی فیلنگز کا احساس کروں۔ پھر آ جائیں ادھر۔" مصطفیٰ نے ہنسی روک کر کہا تو شہوار کا جی چاہا کہ کوئی گلاس پھر اس کے ہاتھ میں ہو تو اب کی بار دل خوش کرنے کی حد تک تو ضرور اس کا سر پھوڑ دے۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے مصطفیٰ شاہ زیب علی کو گھورا تو وہ مسکراتا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اس طرح گھورنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تھوڑی دیر قبل آپ کی بہادری کا تحفہ میرے سر کی زینت بن چکا ہے۔ ابھی وہی ٹیسیں برقرار ہیں۔ کوئی نئی چوٹ افورڈ نہیں کر سکتا میں اس وقت۔" اس کی نظروں کے تیوروں سے گھبرانے کی ایکٹنگ کرتے مصطفیٰ نے پھر مسکرا کر کہا تو وہ غصے سے پاؤں پٹختے بستر سے اتر آئی تھی۔

"اب اتنا شدید زخم بھی نہیں تھا وہ ایک عام سا کٹ کیا لگ گیا ہے فسانہ ہی بنا ڈالا ہے خوامخواہ کا۔" جھنجلا کر غصے سے کہتے وہ کرسی پر جا بیٹھی۔

"محترمہ محبوب کے ہاتھوں سے اگر پھول بھی مارا جائے تو وہ بھی تکلیف دیتا ہے یہ تو پھر گلاس تھا وہ بھی شیشے کا اور زخم چھوٹا ہو یا موٹا بہرحال خون تو بہا ہے اس بات کی آپ چشم دید گواہ بھی ہیں۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا نہایت شرارتی انداز میں جملے بازی کی تو وہ کلس کر رہ گئی اور سر جھٹک کر رخ موڑا۔

"مردوں کے لیے اتنا ذرا سا خون بہہ جانا کون سا بہت بڑی بات ہے۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "ویسے تو فزیکلی ویک نہ

ہونے کے کچھ دیر قبل دعوے فرما رہے تھے۔"

"خون تو بہر حال خون ہوتا ہے نا؟ وہ سنا نہیں آنکھ کے بدلے آنکھ‘ کان کے بدلے کان اور خون کے بدلے خون واجب ہے۔" شرارتی مسکراہٹ ہونٹوں پر روکے شہوار کے بگڑے تیوروں کو دیکھتے حظ لینے والے انداز میں کہا تو وہ جھنجلا گئی اور براہ راست مصطفیٰ شاہزیب علی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں آپ‘ مجھ سے؟ بس ہوگئی ایک غلطی‘ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ محترم اندر قدم رنجہ فرما رہے ہیں؟" اس نے بہت جل کر کہا تھا وہ ہنس دیا۔

"نہیں چاہ تو میں کچھ نہیں رہا۔ بہر حال آپ ٹینشن نہ لیں میری تھکن کا احساس کرنے کا شکریہ۔ آپ اگر مناسب سمجھیں اور ڈر محسوس کریں تو دروازہ احتیاطاً بند کرلیں ورنہ جو آپ محترمہ کو مناسب لگے کرلیں۔ آپ کی فیلنگز کا احساس ہو رہا ہے ورنہ حویلی سے ہی ارادہ کر کے نکلے تھے کہ آپ محترمہ کی خاطر ہم رت جگا منالیں گے۔ مگر آپ اچھے میزبان کی طرح ہمیں آرام پہنچانا چاہ رہی ہیں تو موسٹ ویلکم۔" وہ اپنے سابقہ شرارتی موڈ میں کہتے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔ شہوار نے اس کے لفظوں پر غصے سے اسے دیکھتے رخ بدلا۔

"ہونہہ...... پتا نہیں خود کو کون سی اعلیٰ وارفع شے سمجھ رکھا ہے جناب نے۔" خاصا جھنجلا کر اس نے سوچا۔

"آپ کی تھکن کا احساس کرتی ہے میری جوتی‘ نان سینس ایک جملہ کیا بول دیا موصوف خوش فہمیوں کی اڑان ہی بھرنے لگ گئے ہیں۔" نہایت تلخی سے سوچتے کتاب اٹھا کر کھول لی تھی مگر اچانک نگاہ دروازے پر پڑی تو چونک گئی۔

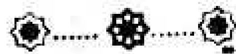
"کیا واقعی میرا وہم تھا یا پھر ہوا کی وجہ سے دروازہ ہل رہا تھا۔ اب تو یہ شخص بھی موجود ہے اللہ خیر کرے اس کی موجودگی میں کوئی حماقت سر انجام نہ پا جائے ورنہ تو پورا افسانہ بنا ڈالنا ہے اس نے اور بعد میں جب بھی موقع ملے گا مزے لینے کو ریکارڈ لگانے لگ جایا کرے گا۔" نیم وا دروازے کو گھورتے اس نے مزید سوچا اور کن انکھیوں سے دوسرے بیڈ کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف سے کروٹ بدلے رخ دیوار کی طرف کیے آنکھوں پر بازو رکھ چکا تھا۔

"شکر ہے ورنہ تو ساری رات عجیب ٹینشن میں گزرتی۔ ذرا یہ شخص سو لے تو میں دروازہ بھی بند کرلوں گی ورنہ تو موصوف خوش فہمیوں کے سب سے اونچے آسمان پر جا بیٹھیں گے کہ میں نے ان کی بات مان کر دروازہ بند کیا ہے یہ اور بات ہے کہ سابقہ تجربہ کے بعد اب کسی اور کا سر پھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی میں۔" اپنی اوٹ پٹانگ باتوں پر وہ خود ہی مسکرا دی اور حیرت ہوئی۔

"کیا واقعی میں نے اس شخص کا سر پھوڑا ہے؟" اپنے سابقہ کارنامے پر حیرت ہونے لگی تو پلٹ کر دیکھا۔ مصطفیٰ کے سر پر اپنے ہی ہاتھوں کی جانے والی ڈریسنگ ابھی بھی دکھائی دے رہی تھی۔

اور کتنا کول ہے یہ شخص۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک تھپڑ تو ضرور میرے اس کارنامے پر میرے منہ پر جڑ دیتا۔ بہر حال میں نے کون سا جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ اس نے خود کو مارجن دیا اور پھر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔ اور کچھ دیر اسی طرح اوٹ پٹانگ سوچیں سوچتے کچھ وقت گزرا تو اس نے اٹھ کر آہستگی سے دروازہ بند کیا اور پھر واپس اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔

"چلو اب یہ کوئی آ نہ جائے والی ٹینشن تو ختم ہوئی۔ ویسے اگر مصطفیٰ کی بجائے کوئی ڈاکٹر‘ نرس یا وارڈ بوائے ہی ہوتا تو اس وقت تک پورے اسپتال میں میرا کارنامہ مشہور ہو چکا ہوتا۔" مصطفیٰ کی طرف پھر دیکھا وہ اسی سابقہ انداز میں دراز تھا پھر شہوار نے اپنے موبائل پر وقت دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت مصطفیٰ کی موجودگی میں کسی بھی قسم کا کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا بلکہ مصطفیٰ ہی کی آمد کے بعد تو وہ ایک قسم کے تحفظ کے احساس سے دوچار ہوئی تھی۔ اب تو بس ذہن میں یہی خیال تھا کہ اگر مصطفیٰ سویا بھی رہے گا تو اسے کوئی آ نہ جائے والی ٹینشن نہ ہوگی اور اگر کوئی آ بھی جاتا ہے تو کم از کم مصطفیٰ تو تھا نا۔ سوئے ہوئے مصطفیٰ کی طرف ایک تشکر بھری نگاہ ڈالتے شہوار نے اپنی کتاب کھول لی تھی۔



صبح فجر کی اذان ہو رہی تھی جب مصطفیٰ کی آنکھ کھلی تھی۔ اسپتال کے روم کی لائٹ روشن ہونے کی وجہ سے وہ فوراً صورتحال کا اندازہ لگاتے اٹھ بیٹھا تھا۔

"اوہ اتنی دیر سو لیا میں۔" وہ جو رات شہوار کو ستانے کی غرض سے بستر پر لیٹا تھا یہ سچ تھا کہ کل سارا دن آفس‘ گھر اور یہاں کی بھاگ دوڑ میں خاصی تھکن ہوگئی تھی ایسے میں شہوار کی آفر سے فوراً فائدہ اٹھایا تھا اب اپنے سونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ بستر سے اتر کر وہ بابا صاحب کے بستر کے قریب آیا تو شہوار دونوں ٹانگیں اوپر کیے کرسی پر بیٹھی ہی سو رہی تھی۔ اس کی میڈیکل کی کتاب اس کے سینے پر ہی اوندھی پڑی

تھی۔ وہ خاصی بے آرام حالت میں سوئی ہوئی تھی۔ ایک نظر اس پر ڈالتے مصطفیٰ واش روم میں گھس گیا پھر منہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو بھی [illegible] سابقہ انداز میں ہی ملیں۔

"شہوار۔" اس نے پکارا مگر وہ خاصی گہری نیند میں تھی۔

"شہوار۔" اس نے اب کے قریب جا کر پکارا حفظ ماتقدم کے طور پر اسے ہاتھ لگانے سے احتراز ہی برتا کہ رات والی بہادری [illegible] ابھی اس کے سر پر موجود تھا۔

"شہوار۔" اس نے پھر پکارا تو اس نے نیند سے مندھی آنکھیں نیم وا کر کے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"ہوں۔"

"اٹھ کر بستر پر چلی جاؤ میں اب ادھر بیٹھ جاؤں گا۔" مصطفیٰ کی آواز پہچان کر اس نے فوراً پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ قریب کھڑا کہہ رہا تھا وہ فوراً ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

"اذان ہو رہی ہے میں اب ادھر ہی ہوں تم بستر پر جا کر لیٹ جاؤ۔" اس سے چند قدم پیچھے ہٹ کر مصطفیٰ نے کہا تو وہ [illegible] نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ رات کے تین بجے تک وہ جاگتی رہی تھی پھر پتا نہیں کب آنکھ لگی تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" گردن ایک طرف ڈھلکنے اور ایک ہی زاویے پر اتنی دیر سے رہنے پر اب فوراً سیدھی کرنے پر درد محسوس ہوا تو گردن پر ہاتھ رکھ کر اس نے انکار کر دیا۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا نیند سے اٹی آنکھیں اس وقت بڑی عجیب سی لگیں۔ مقابل کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں وہ سر جھٹک گیا۔

"مرضی ہے تمہاری۔" وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ لاک دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر پلٹ کر شہوار کی طرف دیکھا وہ اس کے بجائے بابا صاحب کی طرف دیکھتے اپنی گردن دبا رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے۔ ویسے تو محترمہ ہر وقت طرم خان بنی پھرتی ہیں اور خوف کا یہ عالم ہے دروازہ لاک کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔" چیختی [illegible] وہ باہر نکل گیا تھا۔

رات تو بیت ہی گئی تھی مصطفیٰ کے باہر جانے پر ایک گونہ سکون محسوس کرتے کتاب ٹیبل پر رکھ کر اپنی گردن دباتے وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ اذان ہو رہی تھی۔ اس نے وضو کیا کل رات حویلی سے آتے ہوئے وہ جائے نماز لے آئی تھی۔ اذان ختم ہوئی تو جائے نماز بچھا کر نماز ادا کرنے لگی۔ نماز ادا کر کے جائے نماز تہہ کر کے بستر پر آ کر بیٹھی تو بھی مصطفیٰ واپس نہیں آیا تھا۔

"نجانے کہاں رہ گیا ہے یہ شخص؟" لاشعوری طور پر مصطفیٰ کی منتظر تھی۔ گردن ابھی بھی دکھ رہی تھی ہلکا ہلکا دباتے وہ بستر پر دراز ہو گئی اور سر تکیے پر رکھ لیا۔ ایک دھیمی سی کلون کی مہک نے اطراف سے گھیرا تو الجھی۔ مصطفیٰ کا انتظار کرتے کبھی بابا صاحب کو دیکھتے چند لمحے مزید سر کے تو آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

"کتنا بے پروا ہے یہ شخص پتا بھی ہے کہ میں کمرے میں اکیلی ہوں پھر بھی باہر نکل گیا۔" نیند میں جانے سے پہلے مصطفیٰ کے متعلق یہ آخری خیال تھا جو آیا تھا۔ اور پھر اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب تک سوتی رہی تھی آنکھ کھلی تو اسپتال کے کمرے کا منظر دیکھ کر چونکی۔

بابا صاحب جاگ رہے تھے ماں جی انہیں کوئی چیز کھلا رہی تھیں۔ ان کے بائیں طرف شاہزیب صاحب اور مصطفیٰ موجود تھے جبکہ دائیں طرف ماں جی کے ہمراہ تابندہ بی تھیں جو کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماں جی بابا صاحب کے بستر پر جبکہ باقی دونوں حضرات کھڑے تھے اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو دن کے دس بجا رہا تھا۔

"اف کیا میں اتنی دیر سوتی رہی ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی اور ٹھٹک گئی وہ تو یونہی لیٹ گئی تھی پھر یہ اسپتال کی سفید چادر اس کے وجود پر کس نے ڈال دی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔ چادر ہٹا کر وہ بستر سے اتری تو اس کے اٹھنے پر سبھی نے اسے دیکھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام اٹھ گئی تم؟ مصطفیٰ کو بھیجا بھی تھا پھر بھی تم ساری رات جاگتی رہی۔ اس کو اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ یہ بستر پر لیٹ کر سو رہے۔" ماں جی نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ ہنس کر ان کے قریب آئی انہوں نے اس کے جھکنے پر اس کے سر پر پیار کیا تھا۔

"جیتی رہو۔"

"میں آتی ہوں۔" ماں جی سے پرے ہو کر وہ جلدی سے باتھ روم میں چلی آئی تھی منہ ہاتھ دھو کر بال ہاتھوں سے سنوار کر چادر درست انداز میں سر پر جما کر واپس آئی تو مصطفیٰ اور شاہزیب صاحب اب بستر پر بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ ابھی اٹھی تھی دونوں کے درمیان

کوئی گفتگو ہو رہی تھی مگر آواز دھیمی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے بابا صاحب آپ کی؟" بائیں طرف وہ بابا صاحب کے پاس بستر پر آ بیٹھی تھی۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں اب تو۔" ان کا انداز دھیما تھا جس کا مطلب تھا ابھی انہیں بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"آپ پریشان نہیں ہوں ان شاء اللہ ایک دو دن میں آپ مکمل طور پر ری کور کر لیں گے پھر ہم آپ کو واپس حویلی لے چلیں گے۔" اس نے ان کے ضعیف ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو وہ محض سر ہلا گئے۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں مجھے واپس جا کر ایک میٹنگ بھی اٹینڈ کرنی ہے۔" شہوار نے پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ اپنے ماں باپ سے مخاطب تھا یقیناً وہ شہر جانے کی بات کر رہا تھا۔

"ہاں مگر جاتے وقت حویلی سے زبیری صاحب کو ضرور ساتھ لے جانا ان کے اپنے بھی بہت ضروری کام ہیں جو وہ ہماری خاطر چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اب تو بابا صاحب کافی بہتر ہیں اور اس اسپتال کے ڈاکٹرز بھی خاصے لائق ہیں۔" شاہزیب صاحب نے مصطفیٰ سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

"مصطفیٰ شہوار کو بھی ساتھ لیتے جانا۔ بابا صاحب کی حالت کا سن کر اچانک آنا پڑ گیا تھا اس نے ساتھ چلنے کو کہا تو میں نے انکار نہیں کیا تھا اب بابا صاحب بہتر ہیں تو اس کے رکنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ خوامخواہ اسٹڈی کا حرج ہوگا۔" تابندہ نے مصطفیٰ سے کہا تو شہوار نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ اس کا ابھی واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"جس جس نے بھی جانا ہے ایک دفعہ ہی بتا دیں مجھے واپس جا کر بہت اہم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔" مصطفیٰ کا احسان جتاتا انداز اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ماں کو۔

"میں ابھی واپس نہیں جا رہی۔" اس نے تابندہ بی کو اطلاع دی۔

"بچوں والی باتیں مت کرو۔ ابھی تو مصطفیٰ جا رہا ہے اس کے بعد یہاں اتنا کوئی فارغ نہیں بیٹھا جو تمہیں لانے لے جانے میں لگا رہے۔" تابندہ کا انداز دو ٹوک تھا۔

"میں بخشو کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے نخوت سے ناک سکیڑی مصطفیٰ کے علاوہ باقی سب بھی ان دونوں ماں بیٹی کی مکالمہ بازی سن رہے تھے تابندہ نے اسے کچھ سخت کہنے سے احتراز برتا اور اس کے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"ادھر آؤ میری بات سنو۔" ہاتھ پکڑ کر وہ اسے باہر لے آئی تھیں۔

"تم مصطفیٰ کے ساتھ واپس جا رہی ہو۔ کل رات میں تمہاری خواہش کا احترام کرتے تمہیں اپنے ساتھ یہاں لے آئی تھی اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ چپ چاپ واپس جاؤ اور تم نے رات مصطفیٰ کے سر پر گلاس کھینچ مارا تھا کیا؟ اس بے چارے کے سر پر کتنا بڑا زخم ہو گیا ہے اور تمہیں احساس تک نہیں۔" شہوار تو منہ کھولے ماں کے الفاظ سن رہی تھی۔

"آپ کو یہ کس نے بتایا؟" وہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ مصطفیٰ نے سب کے سامنے ذکر کیا ہو یا اس کا نام لیا ہو۔

"مصطفیٰ نے ہی بتایا ہے کہ تم نے ڈر کر چور سمجھ کر گلاس مارا تھا وہ تو مصطفیٰ نکلا اور بچت ہو گئی۔ ورنہ کوئی اور انسان ہوتا تو کتنی شرمندگی ہوتی۔ تم کو تو میں خاصی سمجھدار اور میچور لڑکی سمجھ رہی تھی اور دن بدن نجانے کیا حرکتیں سر انجام دے رہی ہو۔" ماں کے الفاظ پر شہوار ضبط سے دانت پر دانت جما کر رہ گئی۔ مصطفیٰ سب کو یہ بتائے گا اسے یہ امید نہ تھی۔ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"وہ تو شکر ہے کہ مصطفیٰ نے صرف مجھے ہی تمہاری یہ کارگزاری بتائی ہے بھابی اور بھائی صاحب کے سامنے ٹال گیا تھا۔ اگر سب کو پتا چلتا تو کتنی شرمندگی ہوتی کیسی بچکانہ حرکت کی تم نے۔" شہوار کا ٹمپرامنٹ ضبط کی انتہائی حالت پر تھا۔

"اب چپ چاپ واپس جاؤ۔ مصطفیٰ حویلی زبیری کو لینے جا رہا ہے تم اس کے ساتھ ہی حویلی جاؤ اپنا بیگ لے کر واپس جاؤ۔" امی کا انداز فیصلہ کن تھا شہوار کے اندر مصطفیٰ کے حوالے سے اس بدظنی پر چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔

"میں نہیں جا رہی اس شخص کے ساتھ کہیں بھی اگر آپ نے مجھے زبردستی بھیجنا چاہا تو پھر یاد رکھیے گا کہ دوسرے لوگ تو ایک طرف میں آپ سے بھی کبھی کلام نہیں کروں گی۔" مصطفیٰ کی حرکت نے اسے اتنا دکھی کیا تھا کہ ایک دم ماں سے انتہائی بدلحاظی سے کہہ کر اندر جانے کے بجائے ایک طرف بھاگ کر نکل گئی تھی اور تابندہ بی نے سر تھام لیا تھا۔

"کیا ہوا؟ شہوار پھر جا رہی ہے کیا؟" عقب سے مصطفیٰ کی آواز سنائی دی تو تابندہ نے ایک گونہ سکون کا سانس لیا اور پھر نفی

میں سرہلادیا۔

"نہیں۔"

"وہ راضی نہیں ہو رہی جانے کو اب بھی ناراض ہو کر غصے سے باہر کی طرف نکل گئی ہے۔ پتا نہیں کیوں دن بدن اتنی چڑچڑی ہوتی جا رہی ہے اچھی خاصی سمجھدار ہوتی تھی اب تو ذرا ذرا سی بات پر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگتی ہے۔ تم دیکھو ذرا یہ کہاں نکل گئی۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے تابندہ بوا کو دیکھا وہ خاصی متفکر اور پریشان تھیں۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے کس طرف گئی ہے وہ؟" تابندہ بوا نے باہر کی سمت جاتے رستے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ان کو تسلی دیتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس طرف چلا آیا۔ اسپتال کی عمارت تو چھوٹی سی ہی تھی تاہم اس کا صحن بہت کشادہ اور وسیع تھا۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی گھاس اگی ہوئی تھی۔

عمارت سے باہر نکل کر صحن کے اطراف نگاہ ڈالی تو محترمہ لان میں ایک طرف گھاس پر بیٹھی دکھائی دیں۔ اس کی طرف شہوار کی پشت تھی۔ وہ گہرا سانس کھینچتا تیزی سے اس کی طرف چلا آیا۔ وہ قریب آیا تو پتا چلا کہ محترمہ گھٹنوں میں سر دیے سوں سوں کر رہی ہیں۔

"اب کیا ہوا ہے...... ادھر کیوں آ بیٹھی ہو؟" قدرے فاصلے پر کھڑے اس نے کہا تو شہوار نے بہت غصے سے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔ وہ نزدیک ہوتا تو یقیناً کوئی چیز اٹھا کر دے مارتی۔

"آپ انتہائی بدتمیز، ال مینرڈ اور واہیات انسان ہیں۔" اپنی سرخ آنکھوں کو مزید سرخ کرتے اس نے انتہائی بدلحاظی سے کہا تو وہ ٹھٹکا۔

"میرے متعلق یہ نادر فرمودات کس لیے بھئی؟"

"میں نے گلاس مارا تھا چلیں غلطی سے مار دیا۔ کیا ضروری تھا کہ امی جی کو بھی بتا دیتے۔" اس کا انداز واقعی بڑا بدلحاظ تھا۔ اسے جس چیز کا بہت زیادہ دکھ ہو رہا تھا سب سے پہلے وہی کہا تو مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا۔ یعنی محترمہ کی گوشمالی ہو چکی تھی۔

"تو اس میں آنکھیں سرخ کرنے والی کیا بات ہے۔ تم نے گلاس مارا میرا سر زخمی کیا اب بواجی کو بھی ان کی دختر نیک اختر کے شاندار کارنامے کا علم تو ضرور ہونا چاہیے تاکہ انہیں بھی پتا چلے کہ ان کی بیٹی کتنی بہادر ہیں اور آئندہ تمہیں کہیں اکیلے بھیجنے پر احتیاط سے کام لیں۔" مصطفیٰ کا انداز نارمل تھا شہوار نے مزید کچھ بھی کہنا اپنی انسلٹ کروانے کے مترادف سمجھا سو وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔

وہ بہت سوچ سمجھ کر اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ یہ شخص اس کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ کیا کبھی دونوں کے درمیان سلام دعا سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی اور اب اس دن کی تفصیلی گفتگو اور رشتے سے متعلق صاف انکار کے بعد وہ جس طرح اس کے ضبط کو آزما رہا تھا۔ اسے مصطفیٰ شاہزیب علی سے ہزاروں شکایات پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ تو کیا وہ اپنے انکار کی توہین کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ سب کر رہا تھا۔ شہوار کا ذہن الجھا۔

"اب کیا خیال ہے مجھے دیر ہو رہی ہے واپس بھی جانا ہے۔" اسے اسی طرح سختی سے لب بھینچے بیٹھے دیکھ کر مصطفیٰ نے ٹوکا تو وہ اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈالتے ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کو آپ کی بواجی نے جو بھی آرڈر دیا ہے وہ ایک طرف سچ کہتی ہوں اگر آپ نے مجھ سے یہ دوبارہ واپسی والی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اگر آپ کو اپنی بواجی کے کچھ زیادہ ہی درد اٹھ رہے ہیں تو اپنی بواجی کو ہی ساتھ لے جائیں مگر مجھے نہیں۔"

"واٹ نان سینس......!" اس کے اس انداز پر مصطفیٰ نے بھی برہمی سے کہا مگر وہ وہاں رکتی تو جواب دیتی بغیر اس کی طرف دیکھے پلٹ کر واپس اسپتال کی عمارت میں گھس گئی تھی۔

"واٹ آ سلی گرل۔" وہ غصے سے اس کے ری ایکشن کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



قسط نمبر 10

عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہارِ حسن دکھا گئے
مرے دل کو داغ لگا گئے یہ نیا شگوفہ کھلا گئے
مرے پاس آتے تھے دم بدم وہ جدا نہ ہوتے تھے ایک دم
یہ دکھایا چرخ نے کیا ستم کہ مجھی سے آنکھیں چرا گئے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی شاپنگ سے واپس آتی ہیں انہیں گھر کے قریب مصطفیٰ مل جاتا ہے تو وہ اسی کے ساتھ گھر آتی ہیں اور سب کو یہی بتاتی ہیں کہ وہ رستہ بھول گئی تھیں۔ مصطفیٰ ان کے بیان پر مشکوک ہوجاتا ہے جبکہ شہوار نظر انداز کرجاتی ہے۔ مصطفیٰ شہوار کے طرزِ عمل سے یہ سمجھتا ہے کہ شہوار تابندہ بی کے شہر آنے اور اس طرح سارا دن غائب رہنے کے بارے میں سب جانتی ہے اور جب اپنے انہی خیالات کا اظہار شہوار کے سامنے کرتا ہے تو دونوں کے درمیان پھر خاصی تلخ کلامی ہوجاتی ہے۔ بابا صاحب کو پھر خواب آتا ہے اور اس بار ان کی حالت شدید خراب ہوجاتی ہے اور ان کی مسلسل بے ہوشی سے ملازم بھی پریشان ہوجاتے ہیں۔ ایاز کی لیلیٰ زبیری سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ مکمل طور پر لیلیٰ زبیری کے سحر میں جکڑ جاتا ہے تو دوسری طرف لیلیٰ زبیری بھی اس سے متاثر ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ تابندہ بوا شاہ زیب صاحب اور مہر النساء بیگم سے شہوار کی مصطفیٰ سے رشتے کے بارے میں غیر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں اور ساتھ ہی شہوار کے تمام اعتراضات کا بھی ذکر کرتی ہیں جس پر دونوں میاں بیوی حیران ہوتے ہیں تب گاؤں سے ملازم کی کال آجاتی ہے وہ انہیں بابا صاحب کی خراب حالت کی اطلاع دیتا ہے تو شاہ زیب تابندہ بوا اور شہوار گاؤں جانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ صوفی بیگم رات کے وقت انا کے کمرے میں آتی ہیں اور اسے جاگتے پاکر پریشان ہوتی ہیں انا ان سے رشتہ داروں کا ذکر کرتی ہے تو صوفی بیگم کا رنگ زرد ہوجاتا ہے تب وہ انا کے اصرار پر انا کو اپنے رشتہ داروں سے نہ ملنے کی وجہ بتاتی ہیں اور ساتھ میں ولید کی والدہ کے متعلق بھی بتاتی ہیں کہ ولید کی والدہ اور ضیاء صاحب کی لو میرج ہوتی ہے جس کی وجہ سے ولید کی والدہ کے تمام رشتے داران سے بائیکاٹ کرلیتے ہیں۔ بابا صاحب کو ملازم خراب طبیعت کے باعث قریبی اسپتال لے آتے ہیں اور ایڈمٹ کروادیتے ہیں۔ ولید جاگنگ سے واپسی پر انا کو واک کرتے دیکھتا ہے تو گزشتہ رویہ یاد آنے پر اندر ہی اندر پشیمان ہوتا ہے تبھی وہ اسے گلاب کی کلیوں کا گلدستہ اپنے ہاتھ سے بنا کر دیتا ہے تو انا اس تحفے کی وصولیابی پر ایک دم خوش ہوجاتی ہے اور اسے خوش دیکھ کر ولید کو اپنے اندر خوش گوار سے احساسات پیدا ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ بابا صاحب کی طبیعت بحال ہونے لگتی ہے اگلی رات شہوار ان کے پاس رکتی ہے کہ اچانک اپنے کمرے کے باہر کھٹکے پر پریشان ہوکر مختلف اوہام کا شکار ہوجاتی ہے۔ اسی کیفیت میں وہ کمرے میں داخل ہونے والے وجود کو سر پر شیشے کا گلاس دے مارتی ہے اور جب آنے والے کو دیکھتی ہے تو شرمندہ ہوجاتی ہے۔

کمرے میں داخل ہونے والا وجود مصطفیٰ شاہ زیب علی کا ہوتا ہے تبھی وہ مصطفیٰ کے سر کی ڈریسنگ کرتی ہے۔ مصطفیٰ اپنی والدہ کو لے کر بابا صاحب کی عیادت کے لیے آتا ہے دونوں وہ رات بابا صاحب کے کمرے میں گزارتے ہیں۔ اگلی صبح شہوار بیدار ہوتی ہے تو تابندہ بوا مصطفیٰ کو شہوار کو بھی اپنے ساتھ شہر واپس لے جانے کا کہتی ہیں جس پر شہوار جانے سے انکار کردیتی ہے۔ مصطفیٰ تابندہ بوا سے شہوار کا گلاس مارنے کا تذکرہ کرچکا ہوتا ہے جس پر وہ شہوار کو ڈانٹتی ہیں تو ایک بار پھر شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان تلخ کلامی ہوجاتی ہے جس پر شہوار مصطفیٰ کے ساتھ جانے سے صاف انکار کردیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁☆❁☆❁

دو دن بعد بابا صاحب کی طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹرز نے انہیں اوکے کردیا تھا اور یہ لوگ انہیں واپس حویلی لے آئے تھے۔ شہوار زیادہ تر بابا صاحب کے پاس ہاسپٹل میں ہی رہی تھی اس کے ساتھ مہر النساء آنٹی یا پھر شاہ زیب انکل ہی زیادہ تر رکے تھے۔ جبکہ تابندہ بوا ایک دو چکر کے بعد دوبارہ ہاسپٹل کا چکر نہ لگا سکی تھیں کہ بابا صاحب کی عیادت کرنے والے ہاسپٹل اور حویلی دونوں کے چکر لگا رہے تھے اور ان کو تابندہ بوا ہی ہینڈل کررہی تھیں۔ بابا صاحب کی دونوں بیٹیاں زینب بی اور زہرہ بی آئی ہوئی تھیں جبکہ حسن علی انکل متواتر فون کررہے تھے اور یہی حال نواز علی انکل کا بھی تھا' جبکہ شاہ زیب صاحب تو مکمل طور پر بابا صاحب کے پاس موجود تھے' اپنے تمام کام اور ضروری امور نظر انداز کیے اس وقت صرف بابا صاحب کی توجہ دیے ہوئے تھے۔

بابا صاحب کو حویلی شفٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا' وہ سارا دن ان کے پاس ہی رہتی تھی گاہے بگاہے ان کا بی پی چیک کرتی' ان کے کھانے پینے کا سارا کام وہ خود ہی کررہی تھی۔ اس دوران اس نے شدت سے محسوس کیا تھا کہ تابندہ بی اس سے شدید خفا ہیں اگرچہ انہوں نے اپنے قول وفعل سے اس کا براہ راست شہوار کو احساس نہیں دلایا تھا مگر جس طرح دوبارہ انہوں نے اس سے شہر جانے کی کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ کسی بھی سلسلے میں کوئی استفسار نہیں کیا تھا تو شہوار کے دل میں یقین ہوتا جارہا تھا کہ تابندہ بی اس سے شدید خفا ہیں مگر بابا صاحب کی طرف وہ سارا وقت اس قدر مصروف رہتی تھیں کہ خود سے ماں کے پاس جا کر ان کی ناراضی ختم کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ رات کے دس بجے بابا صاحب جلدی میڈیسن لے کر سو گئے تھے وہ ان کو ایک نظر دیکھتے ماں کو ڈھونڈنے ہال کمرے کی طرف آئی تو وہاں دونوں پھپھی جان تابندہ بی اور مہر النساء چاروں خواتین عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں' شہوار ایک گہرا سانس لیتی ہال سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی' عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو مہر النساء تھیں۔

انہیں دیکھ کر وہ فوراً دروازے سے ایک طرف ہوئی۔

"آ ئیے۔"

"نماز پڑھ رہی تھیں؟" وہ اندر آ گئی تھیں۔

"جی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"صبح ہم واپس جارہے تھے۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ بابا صاحب کی حالت قدرے بہتر ہے۔ ڈاکٹر تو دن رات چکر لگا رہا ہے۔ شاہ زیب بھی سب کام چھوڑے اِدھر رکے ہوئے ہیں۔ ان کی وہاں کل ایک اہم میٹنگ ہے۔ وہ صبح جارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تمہیں بھی کہہ دوں تیار رہنا۔ صبح صبح فجر کے قریب نکلیں گے تو وقت پر پہنچ جائیں گے۔ تمہارا پہلے ہی کالج کا خاصا حرج ہوچکا ہے اگر تم بھی کالج جانا چاہو تو چلی جانا پھر۔" انہوں نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی تو وہ فوراً سر ہلا گئی۔

"جی ٹھیک ہے میں تیار رہوں گی۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"جیتی رہو..... ان تین چار دنوں میں تم نے جس طرح بابا صاحب کا خیال رکھا ہے شاہ زیب اس بات سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اللہ تمہیں اپنی تعلیم میں کامیاب وکامران کرے۔ دل خوش کردیا تم نے تو۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے مزید کہا تو وہ مسکرا دی۔

"یہ کوئی احسان نہیں' میں بھی تو اس حویلی کی ایک فرد ہوں۔ ان کی دیکھ بھال میرا بھی فرض ہے۔" اس کے الفاظ میں اس قدر سچائی تھی بابا صاحب کے لیے محبت تھی کہ مہر النساء بیگم ایک دم متاثر ہوئیں۔

"جیتی رہو..... اللہ تمہیں خوش رکھے..... آباد رکھے..... صبح جلدی نکلنا ہے چلتی ہوں۔ زینب اور زہرہ دونوں اِدھر ہی ہیں اب تابندہ اکیلی پر ذمہ داری نہ ہوگی۔ تم بھی سوجاؤ صبح جلدی اٹھنا ہوگا۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تاکید کرتے وہ چلی گئیں تو شہوار گہرا سانس لیتے جائے نماز تہہ کرکے بستر پہ آ بیٹھی۔

"امی نے نماز پڑھ لی ہوگی۔ جانے سے پہلے ان سے مل تو لوں' صبح شاید وقت ملے کہ نہیں۔" ابھی وہ ارادہ کر کے اٹھی ہی تھی کہ سرہانے پڑا موبائل بج اٹھا۔

اس نے اسکرین دیکھی تو انا کی کال تھی۔

"السلام علیکم......" مسکرا کر اس نے کال پک کی تھی۔

"وعلیکم السلام...... کتنی بے وفا لڑکی ہو...... حویلی جا کر ایسے بیٹھ ہی گئی ہو...... تمہارے بغیر کالج کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ کب آ رہی ہو واپس؟" انا تو اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ شہوار ہنس دی۔

"صبح فجر کے قریب گاؤں سے نکلنے کا پروگرام ہے اگر وقت پر شہر پہنچ گئے تو انشاء اللہ کل کالج میں ملاقات ہوگی۔" اس نے اس کی تسلی کرائی۔

"تھینک گاڈ...... اور تمہارے بابا صاحب کا کیا حال ہے؟" اسے اب خیال آیا تھا پوچھنے کا۔ تب وہ ہنس دی۔

"اللہ کا شکر ہے وہ اب بہتر ہیں۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے اب کل کالج میں بات ہوگی۔ ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اس نے موبائل رکھا تو پھر بج اٹھا' اس نے جھنجلا کر موبائل کو دیکھا۔

"اف...... اب کون ہے؟" اس نے جھنجلا کر موبائل اٹھایا وہاں مصطفیٰ کا نام دیکھ کر وہ چونکی۔ مصطفیٰ ان تین دنوں میں پہلی بار اسے کال کر رہا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ ان حضرت کو اب اس وقت کیا کام آن پڑا ہے؟ اس نے متجسس ہوتے کال پک کی۔

"السلام علیکم۔" اس کا مخصوص انداز تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"واپسی کب تک متوقع ہے؟" اس نے اگلا سوال کیا۔ شہوار کو بڑا ناگوار گزرا۔

"آپ سے مطلب؟" اس نے رکھائی سے کہا۔

"آپ شاید بھول رہی ہیں محترمہ کہ مستقبل قریب میں آپ کے سارے مطلب اب میری ذات سے ہی ہوں گے۔" دوسری طرف بڑے آرام سے اسے سلگایا گیا تھا۔

"بڑی شدید خوش فہمی میں مبتلا ہیں محترم......" اس نے حقیقتاً خاصا سلگ کر کہا تو وہ ہنس دیا۔

"یہ تو آپ کے لیے خاصی خوش آئند بات ہونی چاہیے کہ میں خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ کسی غلط فہمی میں نہیں۔" دوسری طرف سے خاصے ریلیکس انداز میں کہا گیا تھا۔

"میں ایسی بے مقصد باتوں پر خوش نہیں ہوتی۔ مطلب کی بات کریں کہ کال کیوں کی ہے؟" اس نے فوراً سنجیدگی سے ٹوکا۔

"محترمہ میں نے سب سے پہلے حال احوال دریافت کرنے کے بعد مطلب کی بات ہی تو کی تھی اور اس پر بھی آپ جناب نے "آپ سے مطلب" کہہ کر ڈائریکٹ اٹیک کر ڈالا تھا۔" دوسری طرف سے خاصے جتائے انداز میں کہا گیا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"آ جاؤں گی واپس جب میرا دل کرے گا۔" کچھ توقف کے بعد اس نے اپنے سابقہ موڈ میں ہی جواب دیا۔

"اور آپ کا یہ دل کب کرے گا؟"

"کیا اپنا ہر شیڈول آپ سے ڈسکس کرنا بہت ضروری ہے؟" اس نے اسی بے لچک انداز میں کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ شاہزیب گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"خیر ضروری تو نہیں مگر ڈسکس کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔"

"گھر میں باقی لوگ کیسے ہیں؟" اس نے بات بدلی۔ وہ اس سے مزید اپنے کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جب آپ کا دل کرے گا اور آپ آئیں گی تب آ کر خود ہی دیکھ لیجیے گا......" مصطفیٰ نے اس کے بات پلٹنے پر خاصا برا منایا تھا' بڑے فطری انداز میں شہوار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ امڈی تھی۔ (یعنی یہ شخص اس کی باتوں پر برا بھی مان سکتا ہے)

"اچھا مشورہ ہے عمل کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔" وہ کونسا لحاظ کرنے والی تھی مسکراہٹ دانتوں تلے دبا کر روکتے اس نے اسے مزید سلگایا۔

"اف......" وہ اچھا خاصا جھنجلایا۔

"ابھی میری ماں جی سے بات ہوئی ہے بابا جان اور ماں جی دونوں کا صبح واپس آنے کا پروگرام ہے۔ تمہاری پڑھائی متاثر ہو رہی ہے' میرے ساتھ آنے میں تمہیں اعتراض تھا مگر ان دونوں کے ساتھ آنے میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔" مصطفیٰ کے تیکھے الفاظ پر شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اپنی اسٹڈی کے بارے میں' میں آپ سے زیادہ کانشس ہوں۔ سوڈنٹ وری۔" شہوار کا انداز بڑا دھیما تھا دوسری طرف وہ ایک پل کو چپ رہ گیا تھا۔ یعنی اس لڑکی سے کچھ بھی کہنا سننا فضول تھا۔

"اوکے ایز یو وش...... گڈ بائے...... اینڈ اللہ حافظ۔" اگلے ہی پل وہ مزید ایک بھی لفظ کہے بغیر کال بند کر گیا تو شہوار نے حیرت سے موبائل کو دیکھا۔

اسے مصطفیٰ کے اتنی جلدی کال بند کر دینے کی امید نہ تھی۔

ذہن لاشعوری طور پر مصطفیٰ شاہزیب کی ہی طرف ہونے لگا تو وہ سر کو جھٹکتے موبائل ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلے الماری سے بیگ نکال کر صبح کی پیکنگ کی اور پھر کچھ سوچتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ تابندہ بی کے پاس کچھ دیر گزارنے کا تھا۔

وہ تابندہ بی کے کمرے میں آئی تو وہاں پہلے ہی سے مہر النساء آنٹی اور شاہ زیب انکل موجود تھے۔ اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکے۔ وہ تینوں شاید کوئی خاص بات کر رہے تھے اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔

"تم سوئی نہیں بیٹا!" مہر النساء بیگم نے ہی مسکرا کر پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے اندر بڑھ آئی۔

"بس سونے لگی تھی...... صبح آپ لوگوں کے ساتھ واپس جانا ہے تو سوچا آج کی رات امی کے ساتھ گزار لوں پھر نجانے کتنے دنوں بعد ملنا ہو۔" وہ تابندہ بی کے پاس ہی بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔

تابندہ بی نے سنجیدگی سے بنی کا چہرہ دیکھا۔ وہ مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اچھی بات ہے چلیں ہم بھی چلتے ہیں۔ صبح جلدی نکلنا ہے ابھی سوئیں گے تو اٹھیں گے۔" مہر النساء آنٹی نے انکل سے کہا تو وہ سر ہلاتے اللہ حافظ کہتے وہاں سے نکل گئے تھے۔

"دروازہ بند کر دوں اور لائٹ بھی آف کر دوں نا؟" ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر ماں کا چہرہ دیکھا۔ تابندہ بی نے اسی سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

شہوار نے دروازہ لاک کر کے لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کر دیا تھا۔ اب کمرے میں ہلکی ہلکی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تابندہ بی بستر پر دراز ہوئیں تو وہ بھی ان کے ساتھ آ لیٹی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" بہت لاڈ سے ان کے گرد بازو لپیٹتے اس نے ہلکی سبز روشنی میں ماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہی پچھلے تین چار دن والا سنجیدہ انداز تھا۔ شہوار کے دل کو کچھ ہوا۔

"پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے؟"

"تمہارا وہم ہوگا۔" وہ اسی طرح دراز تھیں۔ اس کو دیکھنے کی بجائے انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"وہم ایک دن ہوتا ہے یا دو دن ہوتا ہے...... اب چار دن ہو رہے ہیں۔ اس وہم کا شکار ہوئے ہوئے۔ مجھے پتا ہے آپ

مجھ سے مصطفیٰ کے ساتھ نہ جانے پر ناراض ہیں۔" اب کی بار تابندہ بوا نے آنکھیں کھول کر ساتھ لیٹی بیٹی کو دیکھا۔

"میں ناراض نہیں ہوں مجھے تمہارے رویے پر دکھ ہوا تھا اور اس دکھ کی وجہ یہ تھی کہ تمہیں اب اپنی ماں پر اعتماد نہیں رہا..... اب تم بڑی ہوگئی ہو۔ تم جو کبھی میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات تک نہ کرتی تھیں اب تمہیں میرے فیصلوں پر اعتراض رہنے لگا ہے۔ میری رائے کو تم نظر انداز کرنے لگی ہو۔ تمہارے اس رویے نے مجھے دکھی کیا ہے شہوار کہ تمہیں اب اپنی ماں پر اعتماد اور اعتبار نہیں رہا۔ تم جس طرح اپنے باپ کے خاندان کی اصلیت جاننے کو بے تابی دکھا رہی ہو اس کا تو یہی مطلب ہے کہ تم تمہیں میری کسی بات کا کوئی یقین نہیں......" ان کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ گہرے دکھ کا غماز۔ شہوار تو ساکت رہ گئی۔

"نہیں...... امی جان...... نہیں بالکل نہیں...... میں آپ پر بداعتمادی ظاہر نہیں کررہی۔ اگر آپ حکم دیں گی تو میں آج بھی آپ کے ہر فیصلے پر ایک فرمانبردار بیٹی کی طرح ری ایکٹ کروں گی...... آپ میری زندگی کا کل اثاثہ و سرمایہ ہیں آپ ہیں تو میں زندہ ہوں۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو زندہ رہنے کا مقصد ملتا ہے۔ میں نے محض اس خیال سے مصطفیٰ کے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا کہ جس طرح اس رشتے سے متعلق مصطفیٰ کے سامنے صاف اور واضح الفاظ میں انکار کرچکی ہوں اب اس کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے ضرور شرمندگی ہوتی۔ بہر حال وہ ایک اچھا اور قابل انسان ہے مجھے اس شخص کی اچھائی سے انکار نہیں مگر میں خود اپنی ہی نظروں میں مزید نہیں گرنا چاہتی کہ مصطفیٰ اور میرے درمیان اس ٹاپک پر بہت صاف واضح اور تفصیلی بات ہوچکی ہے اور گفتگو کے دوران ہمارے درمیان شدید تلخ کلامی بھی ہوچکی ہے۔ اس کے بعد اب بار بار مصطفیٰ شاہزیب کے ساتھ سفر کرنا میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔" ماں کی باتوں پر اس نے فوراً اپنے دل کی تمام کیفیت کہہ ڈالی تو تابندہ بی نے بہت سنجیدگی سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس کے خوبصورت چہرے میں کسی کا عکس جھلملانے لگا تو انہوں نے بڑی ہمت سے آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

"میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں شہوار! میرے سامنے ابھی بہت سے امور ہیں جو حل طلب ہیں بیٹا! میں نے اگر مصطفیٰ کا انتخاب کیا تھا تو بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک قابل انسان ہے۔ اس گھر کی پناہ میں نے یوں بلا مقصد اختیار نہیں کی تھی اور اب اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی اگر ان لوگوں کے ساتھ رشتہ داری بنانا چاہ رہی ہوں تو بھی یہ بلا مقصد نہیں۔ شہوار تم کسی عام خاندان کی لڑکی نہیں ہو بیٹا......! مصطفیٰ سے تم کسی طرح بھی کم نہیں ہو۔" انہوں نے رندھی آواز میں اسے سمجھانا چاہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"امی جان میں آپ سے پرامس کرتی ہوں کہ ہمارے درمیان میرے والد اور ان کے خاندان یا آپ کے خاندانی پس منظر کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی بس میں مصطفیٰ کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں بنانا چاہتی۔ پہلے وجہ جو بھی تھی مگر اب جب سے عادلہ بھابی نے اپنے بھائی کے لیے آ کر جو کیچڑ مصطفیٰ اور میرے حوالے سے میرے کردار پر اچھالا ہے اب وہ کیچڑ مجھے جینے نہیں دیتا۔ امی وہ عورت مجھے گندہ خون ہونے کے دن رات طعنے دیتی تھی اور میں چپ چاپ سہتی تھی مگر اب بات کردار کی ہے اور میرا کردار اتنا کمزور نہیں ہے کہ میں مصطفیٰ جیسے لڑکوں کو پھنساتی پھروں۔ یہ میں نہیں کہہ رہی یہ عادلہ بھابی اور ان کی فیملی کہتی ہے اور جس طرح ان کا بھائی میرے رستے میں آ کر میری ذات پر کیچڑ اچھالتا تھا اس کی بدکرداری اور آوارگی کو سہتے سہتے کبھی مجھے لگتا تھا کہ میں کسی بھی لمحے اپنی جان لے لوں گی۔ امی میری ذات میری تکلیف کا شاید آپ اندازہ نہ کرسکیں کہ عادلہ بھابی اور ان کا یہ بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ میں آپ کے سامنے کبھی ایک لفظ نہ کہتی مگر مصطفیٰ والے واقعے کو لے کر آپ جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں اگر یہی صورت حال رہی تو پھر آپ ایک بات طے کرلیجیے گا کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حویلی آ جاؤں گی۔" ماں کے سامنے سب کہتے وہ شدت سے سسک اٹھی۔

"شہوار......" یہ حقائق تو خود تابندہ بی کے لیے بہت حیران کن' تکلیف دہ اور اذیت ناک بھی تھے۔

"یہ سب کیا ہے بیٹا......؟ تفصیل سے بتاؤ مجھے؟" انہوں نے ایکدم تمام خفگی و سردمہری ایک طرف ڈالتے اسے بازو کے حصار میں لے کر پوچھا۔

"مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھیں...... میں ابھی تک اس شہر میں ہوں تو محض آپ کے لیے ورنہ جس طرح اس شخص نے مجھ پر زندگی کے دروازے تنگ کرنے کی کوشش کی تھی بخدا میں کب کی سب چھوڑ چھاڑ آپ کے پاس آ چکی ہوتی۔" تابندہ بی گم صم سی بیٹی کی شکل دیکھے گئیں۔

"امی یہ لوگ محض ہماری کم حیثیتی اور مشکوک بیک گراؤنڈ کو بنیاد بنا کر ہمیں لوٹ کا مال سمجھ کر ہتھیانا چاہتے ہیں۔ ہمیں اذیت دینا اور حظ اٹھانا چاہتے ہیں۔" شہوار کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک گم صم رہی تھیں۔

"ادھر شہر میں کسی اور کو بھی عادلہ کے بھائی کی ان حرکتوں کا علم ہے؟" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا لیکن وہ خاموش رہی۔

"تم کب سے یہ سب سہہ رہی ہو؟" اس سے جواب نہ پا کر انہوں نے مزید پوچھا۔

"جب سے عباس بھائی سے عادلہ بھابی کی شادی ہوئی ہے۔ ان کا بھائی میڈیکل کالج میں ہی ہوتا ہے۔" اس نے مزید انکشاف کیا تو کتنے لمحوں تک تو تابندہ بی بول ہی نہ سکیں۔

"خاندان اور کردار کے لحاظ سے ان کا گھرانہ کیسا ہے؟" انہوں نے کچھ سوچتے پوچھا کہ کبھی براہ راست عادلہ کی فیملی سے ان کی ملاقات نہ ہو پائی تھی۔ ہاں عادلہ سے ضرور ملتی رہی تھیں۔

"امی وہ شخص بہت بدکردار ہے اخلاقی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس کو انسان کہنا ہی انسانیت کی توہین ہے اور انسان کا انفرادی کردار ہی اس کے پورے گھرانے کا عکاس ہوتا ہے۔ عادلہ بھابی آپ کے سامنے ہیں اور ان کا یہ بھائی انسانیت کے نام پر ایک دھبہ ہے۔" شہوار کا انداز اور لب ولہجہ انتہائی زہریلا ہوگیا تھا۔ تابندہ بی نہایت گم صم انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی یہ حساس سی بیٹی اتنے عرصے سے یہ سب سہہ رہی تھی۔ ان کے اندر آگ سی جلنے لگی تھی۔ جس لڑکی کی خاطر انہوں نے ساری زندگی گمنامی کی حالت میں گزار دی تھی آج ان کی شہوار حالات کے سرد و گرم کا شکار ہورہی تھی' یہ سب جھیل رہی تھی۔ اس بچی کی خاطر انہوں نے اس حویلی کی چار دیواری کی پناہ قبول کی تھی اور آج ان کی یہ بچی ان کے تمام لائحہ عمل کے باوجود حالات کا شکار ہورہی تھی۔ شہوار کے دن بدن بدلتے رویوں کے پیچھے یہ وجوہات تھیں۔ ان کا دل دکھنے لگا۔ انہوں نے بہت محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں جکڑ لیا۔

"کیا اب بھی وہ شخص میڈیکل کالج میں ہوتا ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"نہیں آج کل نہیں آ رہا...... پتا نہیں وہ کالج چھوڑ چکا ہے یا نہیں مگر امی ایک بدکردار شخص کے شر سے انسان آخر کب تک اور کتنا خود کو بچا سکتا ہے۔ مجھے کالج جاتے ہوئے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ وہ شخص اس قدر بدنام شہرت کا حامل ہے کہ اس سے کوئی بھلائی کی امید نہیں کرسکتا۔"

"تم تو آج کل مصطفیٰ کی ساتھ ہی کالج جارہی ہونا؟" انہوں نے شہوار کی بات پر چونک کر پوچھا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیا اتنے دن بیمار رہنے کے پیچھے بھی اس شخص کا کوئی ہاتھ تھا؟" انہوں نے مزید پوچھا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"اچھا میں بھائی صاحب سے اس معاملے کو ڈسکس کرتی ہوں۔ وہ ضرور کوئی حل نکالیں گے۔" انہوں نے اس کو تسلی دینا چاہی تو اس نے ایکدم نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں...... امی پلیز کسی کو مزید کچھ مت بتایئے گا۔ اگر میں نے کسی سے اس معاملے کو ڈسکس ہی کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرچکی ہوتی۔ امی اگر اس خاندان میں سے کسی بھی فرد کو علم ہوا تو یقین جانیے میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔ یہ میرے لیے عزت اور موت کا معاملہ ہے اور میں کسی کی نگاہوں کے سامنے ذلت نہیں سہنا چاہتی۔"

"مگر شہوار اس مسئلے کا کوئی حل بھی تو نکالنا ہوگا نا۔ اگر وہ شخص کوئی سنگین حرکت کرنے پر اتر آیا تو؟ جبکہ جس طرح تم بتا رہی ہو کہ عادلہ اور اس کی ماں رشتہ بھی لے کر آئی تھیں' بھائی لوگوں سے میری ابھی اس سلسلے میں بات نہیں ہو پائی۔ چند ایک بار باتوں باتوں میں میں نے کرینا بھی چاہا ہے مگر لگتا ہے کہ وہ مجھ سے اس ٹاپک کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتے۔ بہر حال اگر وہ شخص اس قدر بدکردار اور آوارہ انسان ہے تو اس سے ہر قسم کی حرکت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ایسے حالات میں کسی مضبوط انسان کا ہمارے ساتھ ضرور ہونا چاہیے کہ کل کلاں کو وہ لوگ اس شخص کی کسی سنگین حرکت پر کوئی ایکشن تو ضرور لے سکیں گے نا۔"

"میں نے مصطفیٰ سے بات کی تھی۔" اس نے نگاہیں چراتے ماں کو بتایا تو تابندہ بی اسے کئی ثانیے بے یقینی سے دیکھے گئیں۔

"واقعی...... کب کی تھی؟" کچھ سنبھل کر انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا جو بدستور نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔

"لاسٹ ٹائم جب ہم ماں جی اور مصطفیٰ کے ساتھ حویلی آئے تھے۔ تب ابھی رشتے والی بات آپ نے مجھ سے نہیں کی تھی۔ میں نے سوچا کہ مصطفیٰ اچھی پوسٹ پر ہے یقیناً وہ اس شخص کے سلسلے میں کوئی اقدام ضرور کرے گا پھر جب آپ نے مجھ سے اگلے دن رشتے کی بات کی تو مجھے افسوس ہونے لگا کہ مجھے مصطفیٰ سے یہ مسئلہ ڈسکس نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نجانے وہ کیا سمجھا ہوگا؟ مگر یہ سچ ہے کہ اس سے ذکر کرنے سے پہلے تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ بڑوں میں ہم دونوں کا رشتہ طے کرنے کی پلاننگ طے پاچکی ہے۔" شہوار نے دھیرے دھیرے تمام ماجرا کہہ سنایا۔

تابندہ بی کے لبوں پر اس قدر ٹینشن کے باوجود ایک پرسکون سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔ شہوار ابھی بھی نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔ ایک طرف وہ اس رشتے سے انکاری تھی تو دوسری طرف وہ مصطفیٰ سے مدد لینے پر مجبور تھی اور یہ مجبوری ہی تھی جو اسے ماں سے سب کہہ دینے پر مجبور کررہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اس کے بعد ہی مصطفیٰ نے تمہیں کالج لانے لے جانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی؟" انہوں نے تمام صورتحال کا جائزہ لیتے اندازہ لگایا۔

"جی۔"

"اس سب کے باوجود تم مصطفیٰ کے لیے انکار کررہی ہو؟" انہوں نے شکوہ کیا اس نے نگاہ اٹھا کر ماں کے پرسکون چہرے کو دیکھا۔

"مجھے مصطفیٰ کی اچھائی اور خلوص نیت سے کبھی انکار نہیں مگر امی اپنی ذات اور خودداری کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔ ای یہ سب ایک طرف مگر میرے کردار اور خاندانی پس منظر پر کوئی انگلی اٹھائے یہ سب سہنے کی ہمت نہیں ہے۔ یہ ساری صورتحال آپ سے ڈسکس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے صرف یہ تعاون چاہتی ہوں کہ جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی مجھے اس پروپوزل کے جھنجٹ میں مت ڈالیں۔ انکل لوگوں کو جیسے بھی مطمئن کریں مگر اب مجھ سے اس سلسلے میں بات مت کریں۔" شہوار کا انداز دوٹوک تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" تابندہ بی نے ایک گہری سانس لی۔

"آپ شہر کیوں گئی تھیں؟" شہوار کو اچانک مصطفیٰ کی جرح کا انداز یاد آیا تو ماں کا چہرہ دیکھا۔

سبز ہلکی روشنی میں کچھ واضح نہ ہوسکا سوائے سنجیدگی کے۔

"بتایا تو تھا کہ تمہاری اس رات کی ٹیلی فونک گفتگو کے بعد مجھے لگا کہ تم سے خود جا کر مل لوں...... تم شاید مجھے مس کررہی ہو۔ تمہاری بیماری اور ذہنی کنڈیشن کا اندازہ تھا سو اسی لیے ایک دو دن کے لیے خود آنا پڑا۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔

"اور اس دن جب آپ شاپنگ کے لیے گئی تھیں تو کہاں رک گئی تھیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ یاد تھے سو ماں سے پوچھنا ضروری سمجھا۔

"کہیں بھی نہیں...... عرصے بعد شہر کی گہما گہمی والی زندگی کا جائزہ لیا تو کچھ پل کے لیے باہر کی دنیا میں گھومنے کو دل چاہا...... بس اسی چکر میں رستہ بھول گئی تھی اور پھر جب رکشہ لیا تو اس کا رکشہ خراب ہوگیا۔" تابندہ بی کا انداز سادہ اور پراعتماد تھا۔ شہوار انہیں دیکھے گئی۔

(تو پھر مصطفیٰ کو امی کی باتوں پر یقین کیوں نہیں آیا تھا؟) وہ الجھی۔

"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" تابندہ بی نے اس کی نگاہوں کے ارتکاز پر مسکرا کر پوچھا وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں...... بس ویسے ہی...... کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ ہمارا بھی اپنا گھر ہو...... اپنی چھت اور اپنے گھر کی چار دیواری ہو...... یہ لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اتنی اپنائیت اور خلوص...... عادلہ بھابی کے احساس دلانے سے پہلے تک میں بہت مطمئن تھی کبھی اپنے گھر اور خاندان کا خیال اس قدر شدت اختیار نہیں کرپایا تھا مگر اب دل چاہتا ہے کہ اپنا گھر ہو...... اپنے خاندان کا حوالہ ہو...... اور جب سے عادلہ بھابی کا بھائی عذاب بن کر سامنے آیا ہے تو دل شدت سے چاہنے لگا ہے کہ کاش میرا بھی کوئی بھائی ہوتا' کڑیل جوان' مضبوط بھائی جس کی چھاؤں میں ہم دونوں کو کسی عادلہ بھابی جیسی عورت کی طعنہ زنی نہ سہنا پڑتی' ایسا بھائی جو میرے درد کو سمجھ سکتا جو اس آوارہ بدمعاش انسان کا منہ توڑ سکتا اور جب عائشہ اور صبا کو اپنے بھائیوں کے ساتھ وقت گزارتے دیکھتی ہوں تو دل سے اپنی اس محرومی پر ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔"

"شہوار بس کرو بیٹا...... یہ کیسی محرومی والی باتیں کررہی ہو آج؟" اس کے لہجے میں عجیب سا سوز تھا کہ تابندہ بی نے ایکدم گھبرا کر اسے ٹوک دیا تھا۔

"تمہیں اچانک ایسے خیالات کیونکر سوجھنے لگے ہیں؟" وہ حیران تھیں جبکہ شہوار خاموش۔

"اچھا اب ایک لفظ بھی نہیں کہنا مزید...... صبح تم نے جلدی نکلنا ہے اب سونے کی کوشش کرو...... مجھے بھی سارے دن کی مصروفیت سے اب شدید تھکن ہورہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ......" انہوں نے سنجیدگی سے کہتے اسے ٹوکا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ (دل اور انہونی خواہشوں پر بھلا کب اختیار ہوتا ہے۔) کاش وہ ماں کو بتا سکتی۔ اس کے دل میں صرف یہ ایک محرومی نہ تھی کئی محرومیاں تھیں مگر نجانے آج کیسے ایک محرومی کا ذکر زبان سے نکل آیا تھا مگر اب تابندہ بی کا انداز دیکھ کر چپ ہوگئی تھی۔

"سو جاؤ...... پریشان نہیں ہوتے...... انشاءاللہ اللہ بہتر کرے گا۔ مصطفیٰ ایک اچھا سلجھا ہوا اور سمجھدار انسان ہے۔ اگر اس کے علم میں اس شخص کی تمام حرکتیں ہیں تو وہ یقیناً کوئی بہتر قدم ہی اٹھائے گا۔ بےفکر ہوکر مصطفیٰ پر بھروسہ کرو وہ انشاءاللہ تمام معاملے کو حل کرلے گا۔" اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتے انہوں نے کہا تو شہوار محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"سو جاؤ اب......" انہوں نے اسے کہتے خود بھی آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ بھی گہرا سانس لے کر آنکھیں موند گئی۔



وہ انا کے کمرے سے نکلی تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ساتھ والے کمرے کی لائٹ دیکھ کر ٹھٹکی۔

"یہ انا کو تو نہ سونے کی بیماری ہے یہ ولی بھائی آج کیوں جاگ رہے ہیں؟" رات کا ایک بج رہا تھا وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے ولی کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ذرا سا دھکیلا تو کھلتا چلا گیا۔

"آپ جاگ رہے ہیں؟" ولید اپنے بستر پر ٹانگوں پر لیپ ٹاپ رکھے مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر متوجہ ہوا تو روشانے نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ نیم وا دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہے اس حالت میں بیٹھا بیٹھا سو رہا ہوں کیا؟" ولی نے مسکرا کر جواباً کہا تو وہ ہنس دی۔

"بائی دا وے تم کیوں جاگ رہی ہو؟" ولی نے لیپ ٹاپ کی طرف دوبارہ نگاہ کرتے سوال کیا تو وہ اندر بڑھ آئی۔

"انا کے ساتھ دماغ کھپا رہی تھی؟"

"کیوں کیا ہوا انا کو؟" ایکدم چونک کر بہن کو دیکھا جو اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ تین چار دن پہلے تک انا سے رابطہ رہا تھا، اب تو صورتحال نارمل تھی۔ پھر اب کیا ہوا؟

"پتا نہیں کیا پرابلم ہے اس کے ساتھ...... نہ کچھ ڈسکس کرتی ہے اور نہ ہی کسی کو بولنے دیتی ہے۔ پھپھو بھی خاصی پریشان ہورہی ہیں۔ دو تین دن پہلے پھپھو سے اس نے نیند نہ آنے اور ٹرینکولائزر یوز کرنے کی بات کی تھی تب سے وہ شدید پریشان ہیں اور بار بار مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں جو اس کے نزدیک ہوں پتا کروں کہ اسے کیا پریشانی ہے۔ نیند کیوں نہیں آتی اسے؟ مگر میں جب بھی اس بات کا تذکرہ کرتی ہوں اس کا ری ایکشن بڑا عجیب سا ہو جاتا ہے۔ بڑے بدلحاظ اور تمسخرانہ انداز میں کہتی ہے کہ اس کے سونے جاگنے سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اسے کوئی پرابلم نہیں خوامخواہ اس کا دماغ نہ کھایا جائے......" وہ شاید اچھا خاصا دماغ انا سے کھپا کر آئی تھی اور ولید کو دیکھ کر فوراً شروع ہوگئی تھی۔

ولید جو پہلے ہی اس ساری صورتحال کو روشانے کے ساتھ ڈسکس کرنے کا سوچ رہا تھا اب روشانے کی تمام بات سن کر فوراً سنجیدہ ہوا لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتے اس نے پرسوچ انداز میں ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟“

”پتا نہیں بٹ آئی تھنک وہ کچھ ڈسٹرب ہے۔“ روشانے نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

”کوئی خاص ریزن؟“ اس نے اسے کریدا...... وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

”یہی تو پرابلم ہے کہ وہ اپنی کوئی بھی فیلنگز ہم سے شیئر نہیں کرتی۔ کمرا بند ہو کر رہ گئی ہے۔ یا کالج کی روٹین برقرار ہے...... ان تین چار دنوں میں بہت چپ سی رہنے لگی ہے۔ پہلے تو پھر بھی کالج سے آنے کے بعد مجھ سے بول لیا کرتی تھی مگر آج کل وہ بھی ناپید ہے۔“

”تمہارے خیال میں کیا ریزن ہوسکتی ہے؟ ویسے آج کل تو وہ مجھے نارمل کنڈیشن میں ہی لگ رہی تھی۔ ہاں موڈی ہے اور موڈ نہ ہو تو بدتمیزی بھی خاصی کر جاتی ہے۔“

”آئی ڈونٹ نو...... پھپھو کہتی ہیں وہ شروع سے ہی لاڈلی تھی جب تک وہ ہمارے ساتھ باہر رہی تھی ایسی ہی تھی مگر تب بچپن کا دور تھا سو زیادہ فیل نہیں ہوا مگر پاکستان آنے کے بعد شروع میں تو اس نے ہر پل، ہر لمحے ہم لوگوں کو مس کیا پھر وہ اپنی اسٹڈی میں بزی ہوگئی تو اس کی جذباتیت کچھ حد تک کم ہوگئی مگر اس سے اس کی ذات میں یہ تبدیلی آئی کہ وہ ایک دم بہت جلد ہائپر ہو جاتی ہے، چھوٹی سی چھوٹی ایکدم بچی ہو جاتی ہے۔ انکل، پھپھو اور احسن سب کی اسے بھرپور محبت اور توجہ ملی ہے مگر اس کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں وہ ختم نہیں ہو پائیں۔ عجیب موڈی اور حساس لڑکی ہے، کبھی کبھار تو پھپھو بھی اس کے موڈ کا اندازہ نہیں لگا پاتیں کہ اگر وہ پریشان ہے، خفا ہے تو کیوں ہے؟“

”ہوں......“ ولید نے تفکر بھرا گہرا سانس لیا۔

”آج کل اس کے خراب موڈ کی کوئی خاص وجہ؟“ جبکہ وہ تو خود اس سے اپنے رویے کی بدصورتی پر ایکسکیوز کر چکا تھا۔ پھر اب کیا وجہ تھی؟

”مجھے تو کوئی وجہ سمجھ نہیں آ رہی......“ روشانے نے نفی میں سر ہلایا۔

”کہیں وہ کسی میں انوالو تو نہیں......؟“ جو بات اسے چند دن سے کھٹک رہی تھی اب لبوں پر آ گئی تو روشانے نے حیرت سے بھائی کو دیکھا۔

”آپ کو یہ اندازہ کیونکر ہوا؟“

”وہ ینگ ہے، کوالیفائیڈ اینڈ خوبصورت ہے...... سوسائٹی میں موو کرتی ہے...... کو ایجوکیشن میں پڑھ رہی ہے، ہر طرح کا امکان ممکن ہے۔“ ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

”یس بی...... بٹ مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کچھ ہے...... اگر کہیں انوالو ہوتی تو ذکر کرتی...... سرسری سا ہی...... مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ایسا معاملہ بھی ہوگا...... فرض کریں اگر ہو بھی تو انا بہت میچورڈ اور سمجھدار لڑکی ہے وہ کسی ایسے معاملے میں اپنی فیملی کے ساتھ اس طرح ری ایکٹ نہیں کرے گی۔ جس طرح وہ آج کل ری ایکٹ کر رہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی سچویشن ہے۔“

”تو؟“ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ روشانے خاموش رہی۔

”آپ کی انا کے متعلق کیا رائے ہے؟“ کچھ توقف کے بعد روشانے نے پوچھا تو ولید اس کی بات کا مطلب سمجھتے ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

”ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو میں اِدھر آیا ہوں...... عرصے بعد اپنوں سے مل رہا ہوں، اب اتنی جلدی کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے تو رہا؟ ویسے بھی تمہاری شادی کا سلسلہ چل رہا ہے پہلے یہ تو اختتام پذیر ہو جائے۔“ ولید نے ٹالنا چاہا۔

”یہ سلسلہ میری شادی کے ساتھ مشروط نہیں تھا۔ یہ علیحدہ فیصلہ تھا جو پھپھو اور بابا کے درمیان طے پایا تھا...... بابا کو بہت جلدی ہے، ان کے دل کی خواہش سے [illegible] بے خبر نہیں ہیں مگر وہ پھپھو کی رائے کو اولیت دے رہے ہیں۔ آپ کو وقت دے رہے ہیں۔“ روشانے نے سنجیدگی سے بھائی کو کہا۔

”کیا انا کو اس سارے سلسلے کی خبر ہے؟“ ولید نے پوچھا۔

”آئی تھنک نہیں...... اگر اسے خبر ہوتی تو وہ ضرور کوئی ری ایکشن شو کرتی کم از کم مجھ سے ڈسکس تو ضرور کرتی۔“ روشانے کا انداز پُرسوچ تھا۔

”آج کل انا کا جو رویہ ہے میں بہت الجھ گیا ہوں۔ کبھی وہ بہت اپنی اپنی لگتی ہے اور کبھی وہ ایکدم بالکل روڈ، اجنبی اور پرائی بن جاتی ہے اور اس کا رویہ آخری حد تک گستاخانہ اور بدتمیزانہ ہو جاتا ہے۔“ ولید کا انداز ایسا تھا کہ روشانے ایکدم ہنس دی۔

”اب ایسی بھی بات نہیں...... تین دن پہلے فجر کی نماز کے بعد انا واک کرنے لان میں گئی تھی تبھی آپ بھی وہیں آ نکلے تھے۔ اس وقت انا جس طرح آپ کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اسے آبزرو کرنے میں اتنا وقت لینا چاہیے۔ ویسے انا نے آپ کا دیا گیا پھولوں کا گلدستہ مجھے دکھایا تھا، آپ کی طرف سے پھول پا کر وہ بہت خوش لگ رہی تھی اور پھول تھے بھی بہت پیارے......“ روشانے ایکدم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی تھی۔ ولید نے اسے گھورا۔

”اس سارے قصے میں پھولوں کا کیا ذکر بھلا؟“

”یہ تو آپ کو ہی پتا ہوگا نا؟ مجھے ویسے آپ پر خاصی حیرت ہوئی تھی...... کہاں لڑکیوں کے معاملے میں ایکدم آدم بیزار رہنے والے ولی بھائی اب ایکدم پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہے تھے۔ وہ بھی انا وقار احمد صاحبہ کو......“ اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔

”شٹ اپ۔“ روشانے کھلکھلا کر ہنس دی۔

”ویسے اگر دل میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں بابا اور پھپھو تک آپ کی رائے پہنچا سکتی ہوں۔ ویسے سچ کہوں بابا کی خواہش میری بھی دلی خواہش ہے مگر ہم پھر بھی آپ کو وقت دے رہے ہیں۔ آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں۔“

”کوئی فیصلہ نہیں کیا میں نے...... میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ بے کار میں ضائع کرتا پھروں...... بھاگو یہاں سے۔“ ولید نے اس کی شرارت پر اسے گھورتے اپنا لیپ ٹاپ دوبارہ اٹھا کر اپنی آنکھوں کی سامنے کر لیا تھا۔

”اف اس کو تو ایک طرف ہٹا دیں۔ آپ کے پاس کونسا وقت ہوتا ہے یہاں آتے ہی آفس کی بھاگ دوڑ شروع کر دی ہے میں تو آپ سے تفصیلی بات کرنے کو ترس گئی ہوں۔ آج اگر چانس ملا ہے تو اس کو ایک طرف رکھ کر پہلے میری بات سن لیں۔“

”اگر اسی طرح کی بے سروپا باتیں کرنی ہیں تو سوری۔“ ولید نے صاف ہری جھنڈی لہرائی۔

”ہاں جیسے سارے ملک کی مشینری آپ کے اندر ہی تو کام کر رہی ہے نا؟“ روشانے نے جل کر کہا تو وہ ہنس دیا۔

”پھر بھی بتائیں نا انا پیاری ہے نا؟“ اس کے ہنسنے پر روشانے کو حوصلہ ملا تو اس نے پوچھا۔

”مجھے تو وہ بہت پیاری لگتی ہے۔“

”مادام! میں حسن صورت کی بجائے حسن سیرت کا قائل ہوں۔“ ولید نے چڑایا۔

”ہاں ٹھیک ہے پھر میں بابا سے کہتی ہوں کہ کوئی کالی، بدصورت آنکھ کی اندھی کان کی بہری اور جسم کی معذور دیکھ لیتے ہیں......“ ولید کے چڑانے پر وہ جل بھن گئی تھی۔

”یار! انا وقار احمد ہماری بہت پیاری اور خوبصورت کزن ہے، جو حد سے زیادہ حساس اور کچھ حد تک موڈی بھی ہے، بدتمیزی تو اس کی علیحدہ صفت ہے۔ میچورڈ، سنجیدہ مزاج اور سلجھی لڑکی ہے مگر اس سب کے باوجود میرے نزدیک وہ میری پھوپی زاد ہے۔ اینڈ تھنک سو یار!“ روشانے کے جل بھن جانے پر ولید نے رسانیت سے کہا تو روشانے فوراً بے تاب ہوئی۔

”جب آپ اس کی اتنی کوالٹیز کے بارے میں جان چکے ہیں تو کوئی حتمی فیصلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟“

”واقعی کوئی حرج نہیں مگر میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی میرے کیریئر کا آغاز ہے۔ میں باہر وہاں کی جاب، ہر چیز چھوڑ کر آیا ہوں ابھی مجھے اپنے آپ کو اسٹیبلش کرنا ہے اس کے بعد زندگی کی باقی ترجیحات ہوں گی۔“ اب کے ولید نے سنجیدگی کے ساتھ اپنا موقف واضح کیا۔

”یہ سب تو چلتا رہتا ہے نا۔ بعض فیصلے وقت پر ہی بجتے ہیں اور وقت گزر جائے تو صرف پچھتاوے باقی رہتے ہیں۔ انا

اگرچہ ہماری کزن ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک لڑکی بھی ہے پھپھو سے کئی بار سرسری بات چیت ہوئی ہے وہ انا کے سلسلے میں انتظار نہیں کریں گی جیسے ہی کوئی اچھا پرپوزل آتا ہے وہ اسے رخصت کردیں گی پھپھو کے بقول ایجوکیشن تو شادی کے بعد بھی مکمل کی جاسکتی ہے؟“ روشانے نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے بغیر کسی تاثر کے بہن کو دیکھا۔

”تم خوامخواہ الجھ رہی ہو...... جو بھی ہوگا دیکھ لیں گے۔ ظاہر ہے پھپھو ماں ہیں اور ہر کوئی اپنی بیٹی کے لیے اچھا سوچتا ہے۔ رہ گئی پرپوزل والی بات ابھی کوئی اچھا پرپوزل منظرِ عام پر آیا نہیں‘ جب آئے گا تو دیکھیں گے۔“ ولید کا انداز بے پروا تھا۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ کیا پتا کب کیا معاملہ طے پاجائے؟ تو کیا بہتر نہیں کہ وقت پر بہتر فیصلہ کرلیں۔ اب تک تو فیصلہ ہوجانا چاہیے تھا کہ ہم بہرحال باہر سے ایک فیصلہ طے کرکے ہی پاکستان آئے تھے۔“ روشانے کا انداز خاصا سنجیدہ تھا ولید نے اسے بغور دیکھا۔

”تو کیا تمہاری اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات ہوئی ہے۔ بابا یا کسی اور سے......؟“

”بابا سے تو تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن یہ موضوع زیر بحث رہتا ہے مگر آج کل انا کے رویے کی وجہ سے جس طرح پھپھو پریشان ہیں تو مجھے لگ رہا ہے کہ وہ اب سنجیدگی کے ساتھ انا کے لیے کوئی اچھا پرپوزل دیکھنے کا سوچ رہی ہیں۔“ روشانے نے بتایا۔

”اوہ...... آئی سی......“

”بھائی پلیز! اس معاملے کو سنجیدگی سے لیں۔“ روشانے اس سلسلے میں خاصی بے تاب تھی وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی حتمی فیصلہ ہوجائے۔

”اچھا دیکھیں گے تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“ ولید نے اسے ٹالنا چاہا۔ روشانے نے فوراً برا مانا۔

”اچھا بتائیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو آپ کو حتمی فیصلہ کرنے سے منع کررہی ہے۔“ روشانے بھائی کے مزاج کے رنگوں سے آشنا تھی سو اس کے یوں ٹالنے پر برا مان کر کہا۔

”دیکھو روشانے یہ زندگی محض ایک دو گھنٹوں کا پلے نہیں کہ میں ایک دم فیصلہ کرلوں‘ باہر کی لائف جیسی بھی گزاری مگر بابا کی تربیت ہمارے ہم قدم رہی اور شاید یہی وجہ تھی کہ کہیں اِدھر اُدھر تانکا جھانکی کی نوبت ہی نہ آئی اور پھر سب سے بڑھ کر بابا جان کی یہ نصیحت مجھے یاد رہی کہ یہاں جتنی بھی آزادانہ زندگی گزار لو مگر لائف پارٹنر کا فیصلہ ان کی پسند کا ہوگا اور یہ نصیحت ہر لمحے یاد رکھی۔ ہاں انا کے متعلق بابا نے ایک آپشن دیا تھا اور کہا تھا اگر میں بہتر سمجھوں تو وہ پاکستان جاکر بات فائنل کرسکتے ہیں اور پاکستان آکر انا کو دیکھ کر اچھا بھی لگا مگر جیسے جیسے اس کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا تو اس کی شخصیت کی بہت سی باتیں سامنے آئیں۔ ٹھیک ہے وہ میچور ہے مگر میں نے جس طرح کی لائف گزاری ہے تو میرا لائف پارٹنر کے متعلق امیج کچھ اور تھا۔ اور پھر کئی بار جب انا کو بے حد ڈسٹرب دیکھا تو ذہن میں کئی بار خیال آیا کہ کہیں یہ لڑکی کہیں اور انوالو تو نہیں اور ہم انجانے میں اس کے ساتھ زیادتی نہ کر بیٹھیں؟ مگر یہ ایک پوائنٹ ہے جس پر آکر میں ڈبل مائنڈڈ ہوجاتا ہوں۔“ ولید نے کچھ توقف کیا تو روشانے چونکی مگر کہا کچھ نہیں۔

”کئی بار جی چاہا براہ راست انا سے بات کروں مگر نجانے وہ کس طرح ری ایکٹ کرے؟ میں نے اس سے اس کا پرابلم جاننے کی کوشش بھی کی مگر چند بار تو وہ مجھے صاف ٹال گئی اور لاسٹ ٹائم اس کا رویہ میرے ساتھ اس قدر روڈ اور بدتمیزانہ تھا کہ میرا دماغ بالکل گھوم گیا اور ایسے میں اچانک لاشعوری طور پر میرا ہاتھ اس پر اٹھ گیا تھا اور بعد میں مجھے شدید شرمندگی و ندامت نے آگھیرا۔“ ولید نے نقل کرتایا۔

”کیا......“ روشانے جو بہت توجہ سے سن رہی تھی بھائی کے آخری الفاظ پر ششدر رہ گئی۔

”میرے رویے کا نتیجہ اگلے دن انا کی خراب طبیعت کی صورت میں سامنے تھا اور میں اپنی جذباتی کیفیت پر بہت گلٹی فیل کررہا تھا۔“ ولید نے سنجیدگی سے مزید بتایا۔

"اوہ.....انا کے بخار کی اصل وجہ یہ تھی.....'' روشانے کے لیے یہ انکشاف تھا۔

"اف.....یہ تو انا کے ساتھ آپ نے بہت زیادتی کی.....اور انا بھی کتنی گم صم ہوگئی تھی.....اوہ.....وری بیڈ پچویشن ... کیا ری ایکشن ہے انا کا؟'' روشانے نے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"اس کے بعد میں نے انا سے معذرت کرلی تھی مگر جب اس کے موڈ کی وجہ جاننا چاہی تو وہ پھر ٹال گئی اور اسی بات پر آ ... میں ٹھٹک جاتا ہوں اور لگتا ہے کہ کہیں کوئی ہے جو انا کے رستے میں ہے اور اسی پوائنٹ پر آ کر میں فیصلہ نہیں کر پاتا.....بہرحال وہ پھولوں کا گلدستہ دینے کا بھی یہی مقصد تھا کہ میں انا سے اپنے رویے کا ازالہ کرنا چاہتا تھا اور انا کو پھول دینے کے بعد ... محسوس ہوا تھا کہ انا میرے اس عمل سے بہت خوش ہوئی ہے۔ اس کے چہرے کے وہ تاثرات' خوشی کا وہ انوکھا پن' میں ... چاہتے ہوئے بھی بھلا نہیں پا رہا.....'' دونوں بہن بھائی آپس میں بہت فرینک تھے۔ ولید نے بہن کے سامنے سار ... صورت حال واضح کر ڈالی تھی اپنی تمام فیلنگز سمیت۔

"اوہ.....آئی سی.....'' روشانے کے لیے یہ ساری تفصیل خاصی دلچسپ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دل میں انا کے لیے اچھی خاصی گنجائش موجود ہے۔'' ولید کے آخری الفاظ پر روشانے نے ایک دم گرفت مضبوط کی تھی۔ ولید ہنس دیا۔

"خیر اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کہا.....کچھ فیلنگز وقتی بھی ہوتی ہیں۔''

"اور یہی فیلنگز بعض اوقات دل میں ہمیشہ کے لیے گھر بھی کر جاتی ہیں اور آپ تسلیم بھی کر چکے ہیں کہ آپ انا کے چہرے کا وہ تاثر خوشی کا وہ خاص احساس چاہ کر بھی نہیں بھلا پا رہے ہیں۔'' روشانے نے فوراً بھائی کے الفاظ پر گرفت سخت کی تو ولید نے اسے گھورا۔

"اپنی یہ وکالت کی مہارت مجھ پر آزمانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں خاصا پریکٹیکل اور لوجیکل اپروچ کا حامل انسان ہوں۔ چھوٹی موٹی فیلنگز اتنی جلدی مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتیں.....'' روشانے جواباً کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اس کو کہتے ہیں کہ چور کی داڑھی میں تنکا۔ ویسے میں بھی سوچ رہی تھی کہ انا کے روم کے اتنے چکر موصوف کیوں لگا رہے ہیں؟'' وہ اب بھائی کو چھیڑ رہی تھی۔

"ویسے انا کو تھپڑ مار کر اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے آپ نے.....'' اس نے کہا۔

"شٹ اپ.....'' ولید نے پیار بھری خفگی سے بہن کو ٹوکا۔

"جو بھی ہوا ایک دم اچانک ہوا تھا اور میں خود بھی شرمندہ ہوں۔''

"ویسے جس پوائنٹ کا ذکر آپ کر رہے ہیں اس کا رخ تھوڑا سا چینج کرنے میں کوئی حرج نہیں.....مرکز فوکس تھوڑا اپنی طرف کرلیں۔ شاید حتمی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوجائے۔'' وہ اب سنجیدگی سے بھائی کو کہہ رہی تھی۔

"اوکے لیو دس ٹاپک۔ تمہیں نیند نہیں آرہی یا آج رتجگے کا ارادہ ہے؟'' ولید نے بات ختم کرنا چاہی تو وہ ... سانس لے کر رہ گئی۔

"اوکے آپ نے صبح آفس بھی جانا ہے آپ کا خاصا وقت لے لیا.....سچی آج آپ سے بات کرکے دل و دماغ ... موجود اس کشمکش کو ایک فیصلہ کن موڑ ملا ہے۔ ان شاء اللہ مجھے یقین ہے کہ اگر چند بار مزید آپ کے ساتھ ڈسکشن کیا تو یہ ... بہت جلد ہوجائے گا۔'' بستر سے اٹھتے اس نے بھائی کو چھیڑا تو وہ ہنس دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم مزید بھی میرا دماغ کھانے آؤ گی؟''

"تصحیح کرلیں.....دماغ کھانے نہیں بلکہ درست فیصلہ کروانے۔ آپ مجھے اپنا قانونی اور مشاورتی مشیر سمجھ لیں۔'' وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ ہنس کر بھائی کو کہا۔

"ہاں تمہاری ساری وکالت تو مجھ پر ہی آزمائی جائے گی؟'' ولید نے مصنوعی بے چارگی سے چھیڑا۔

"آف کورس.....آپ ٹھہرے لوجیکل اپروچ کے حامل انسان اور لوجک کو مشاورتی مشیر ہی اپنی مشاورتی ضرور ...

آنچل

رنگ و نور کی دنیا میں لہرایا جب زر تار آنچل
بہتر سے بہتر ہی پایا ہم نے تو ہر بار آنچل
پرچے اور ماہنامے سارے ہم کنگھال بیٹھے
کرو یقین ان سب میں ہم کو لگتا ہے سردار آنچل
ادب جہاں بھی ہو ادب زیست ہمیں سکھلائے
لیکن ایک نفاست سے چمکاتا ہے کردار آنچل
میرے مولا! اس کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھ
اور بڑھادے شان اس کی کچھ اور ذرا سنوار آنچل

زیڈ جبین عمر.....مانسہرہ

حتمی اور فیصلہ کن اپروچ میں بدلتا ہے۔'' ولید اس کی برجستگی پر ایکدم ہنس دیا۔

"تمہاری لوجیکانہ دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تم مستقبل کی بہت اچھی وکیل ثابت ہوگی.....اوکے آئندہ تمہارے مشاورتی مشوروں سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں مگر اس وقت سخت نیند آرہی ہے یہ پروگرام کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھنے کی جرات کرسکتے ہیں کیا مادام.....؟''

"اوکے مائی لارڈ.....آپ نیند انجوائے کریں.....شب بخیر.....اینڈ اللہ حافظ۔'' وہ فوراً ولید کی بات مان کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"اللہ حافظ۔'' ولید اسے مسکراتی نگاہوں سے باہر جاتے دیکھ رہا۔

❁☆❁❁☆❁

گاؤں سے یہ لوگ وقت پر ہی روانہ ہوئے تھے مگر گھر آتے ہوئے ٹریفک کی وجہ سے تینوں لیٹ ہوگئے تھے۔ ان لوگوں کے گھر پہنچنے تک ۹ بج چکے تھے۔ سبھی لوگ اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہوچکے تھے۔

گھر آتے ہی شاہ زیب صاحب اور شہوار دونوں تیار ہو ... تھے شاہ زیب صاحب شہوار کو کالج اتارنے کے بعد خود ڈرائیور کے ساتھ اپنے آفس آگئے تھے۔ آج شاہ زیب صاحب چار دن بعد آفس کے کام دیکھ رہے تھے۔ سو گیارہ بجے تک وہ خاصے مصروف رہے تھے۔ پھر انہیں ذرا فراغت ملی تو عباس کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے انہیں نیو اپائنٹ کی گئی لڑکی کا خیال آیا۔

"عباس کے سیکشن کے لیے جو لڑکی اپائنٹ کی تھی وہ کیسی کارکردگی شو کررہی ہے۔'' انہوں نے اپنے سامنے بیٹھے فاروقی صاحب کو دیکھا جو ان کے نہ صرف سیکریٹری کے امور سرانجام دیتے تھے بلکہ باقی تمام شعبوں میں بھی وہ اوور آل منتظم اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔

"سر وہ تو اس دن ویسے ہی چلی گئی تھیں.....'' اس دن فاروقی صاحب کو شاہزیب صاحب سے یہ معاملہ ڈسکس کرنا یاد نہیں رہا تھا اس کے بعد وہ اب آفس آئے تھے۔

"کیا مطلب.....؟'' وہ چونکے۔

"عباس صاحب کو ان کے ناتجربہ کار ہونے پر اعتراض تھا۔ ان سے بات چیت کے دوران انہوں نے چند ایسے سوالات کیے تھے کہ وہ لڑکی ایکدم برامان کر اپنی فائل لے کر میرے روکنے کے باوجود وہاں سے چلی گئی تھی۔''

"مائی گاڈ.....عباس کو آپ نے بتایا نہیں تھا کہ میں اس لڑکی کو اپائنٹ کرچکا ہوں۔'' شاہزیب صاحب ایک دم خفا ہوئے۔

"سر میں نے بتایا تھا مگر وہاں صورت حال ہی ایسی ہوگئی تھی کہ وہ لڑکی میرے روکنے کے باوجود چلی گئی تھی۔''

''وہ ایک کوالیفائیڈ اور ذہین لڑکی تھی۔ ناتجربہ کار تھی مگر فریش امیدوار تھی...... ایسے لوگ کسی بھی کمپنی کے لیے بڑا پازیٹو رول ادا کرتے ہیں۔ اس لڑکی کا اکیڈمک ریکارڈ ایک طرف مگر جو پوٹینشل میں نے اس میں انٹرویو کے دوران محسوس کی تھی وہ اسے ایک بہت زبردست ورکر ثابت کرسکتی تھی اور عباس کو کیا پتا نہیں کہ میں یوتھ کو ہمیشہ آگے رکھتا ہوں۔ آج اگر ہم یوتھ کو موقع نہیں دیں گے تو وہ ایکسپرینسڈ پرسن کیسے بنیں گے۔'' شاہ زیب صاحب خاصے خفا ہو رہے تھے فاروقی صاحب بالکل خاموش تھے۔

''بلائیں عباس کو......'' انہوں نے غصے سے کہا تو فاروقی صاحب نے فوراً انٹرکام تھاما تھا۔

''سر آپ کو شاہ زیب صاحب اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔'' اس نے اطلاع دے کر انٹرکام رکھا تو شاہ زیب خاموشی سے عباس کا ویٹ کرنے لگے۔ پانچ منٹ بعد عباس ان کے روم میں تھا۔

''خیریت...... باباجان......'' سلام دعا کے بعد باپ کا سنجیدہ چہرا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

''آپ کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے جو لڑکی سلیکٹ کی تھی اس کا کیا کیا آپ نے؟'' شاہ زیب صاحب بہت سنجیدگی سے مخاطب تھے۔ عباس نے پہلے باپ اور پھر فاروقی صاحب کو دیکھا۔

''وہ تو اسی دن چلی گئی تھی۔''

''ہاں پتا چل چکا ہے کہ وہ چلی گئی تھی مگر میں ریزن پوچھ رہا ہوں۔'' انہوں نے خاصی خفگی سے پوچھا۔

''وہ ایک ناتجربہ کار لڑکی تھی' ابھی چند ماہ ہوئے تھے ایم سی ایس کیے۔ بے شک سی وی شاندار تھی مگر ہماری کمپنی کی فرسٹ ڈیمانڈ ایکسپرینسڈ پرسن تھی۔ سو میں نے جب اس لڑکی سے اس کے تجربے کے حوالے سے بات کی تو وہ برا مان گئی اچھی خاصی بد دماغ لڑکی تھی نہ مینرز کا خیال کیا اور نہ ہی ایٹی ٹیوڈز کا فاروقی صاحب سے سی وی فائل چھینی اور ان کے روکنے کے باوجود چلی گئی۔''

''یہ مجھے بھی پتا تھا کہ وہ ناتجربہ کار لڑکی ہے...... وہ فرسٹ ٹائم کسی بھی آفیشل ورک کے لیے جاب کر رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور تمہیں کس احمق نے کہا تھا کہ اس پوسٹ کے لیے مجھے ایکسپرینسڈ پرسن چاہیے تھا۔ اس لڑکی کی ٹائپنگ اسپیڈ اچھی خاصی تھی میں نے پانچ منٹ اسے دیئے تھے پریکٹیکل ورک کے لیے اور اس نے ان پانچ منٹ میں میری سوچ سے بڑھ کر رزلٹ دیا تھا۔ وہ بے شک ناتجربہ کار تھی مگر اس کے اندر کوالٹی تھی کام کرنے کی۔ چند ایک دن اگر اسے ٹریننگ دی جاتی تو وہ بہت جلد ہماری ڈیمانڈ کے مطابق کام کرنے لگتی۔ حد ہوتی ہے عباس تمہیں کم از کم مجھ سے مشورہ تو کر لینا چاہیے تھا اور رہ گئی بات مینرز اور ایٹی ٹیوڈ کی تو اس لڑکی کا جاب کا پہلا موقع تھا۔ بہت سے لوگوں کا ایسا رویہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً کسی کی چھوٹی سی بات پر فوراً برا مان لیتے ہیں۔ مگر ان کو اپنے لیول پر ہمیں خود ہی چلانا پڑتا ہے۔ وہ کوئی کم فہم ناسمجھ بچی نہ تھی کہ ہمیں پریشانی اٹھانا پڑتی...... وہ بہت جلد سیکھ جانے والی لڑکی تھی۔'' شاہ زیب صاحب کا انداز بڑا برہم اور ناراضی لیے ہوئے تھا۔

''اوکے...... میں مان لیتا ہوں مگر بات تو پھر وہی ہوگی نا کہ ایسے لوگوں کو پہلے سب کچھ سکھائیں اور پھر کام کروائیں۔'' باپ کے ناراض لہجے پر اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''اب تو جیسے تمہارے سارے کام ہو رہے ہیں نا...... کم عقلی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ان تین چار دنوں میں اس بچی کی اچھی خاصی ٹریننگ ہو چکی ہوتی تھی۔'' انہوں نے بیٹے کے الفاظ پر خاصی ناراضی سے کہا۔ فاروقی صاحب کے سامنے ایسی گوشمالی پر عباس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''فاروقی صاحب آپ کے پاس اس بچی کا کوئی کنٹیکٹ نمبر تو ہوگا نا؟''

''نہیں وہ جاتے وقت اپنی سی وی ساتھ لے گئی تھیں۔'' فاروقی صاحب نے سہولت سے کہا۔

''اوہ کسی ریفرنس سے آئی تھیں یا خود ہی باقی امیدواروں کی طرح آئی تھیں؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''وہ سجاد صاحب کے سیکشن کی مس ہادیہ کے ریفرنس سے آئی تھیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ مس ہادیہ کے پاس اس بچی کا کوئی کنٹیکٹ نمبر ہوگا۔ ایسا کریں مس ہادیہ کو بلوائیں......'' انہوں نے

عباس کو مزید کچھ بھی کہنے کی بجائے فاروقی صاحب سے بات کی۔

''جی سر۔'' فاروقی صاحب نے انٹرکام اٹھا کر متعلقہ سیکشن پر رابطہ کیا۔

''مس ہادیہ آپ کے پاس اس دن جو لڑکی عباس صاحب کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے آئی تھیں ان کا کوئی کنٹیکٹ نمبر ہے؟'' فاروقی صاحب ہی ہادیہ سے بات کر رہے تھے۔ باقی دونوں بس دیکھ رہے تھے۔

''اوکے آپ وہ کنٹیکٹ نمبر لے کر شاہ زیب صاحب کے آفس میں آجائیں۔ ہری اپ۔''

''السلام علیکم سر!'' دو تین منٹ بعد وہ شاہ زیب صاحب کے آفس میں تھی۔

''وعلیکم السلام! آئیں بیٹھیں......'' شاہ زیب صاحب نے کہا تو وہ سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ ہادیہ نے اپنے سیل میں سے نمبر نکال کر فاروقی صاحب کو سیل تھما دیا۔

''آپ ایسا کریں ابھی اس نمبر کو نوٹ کریں اور اس بچی کو کال کریں میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔ اب روز روز میں نئے نئے اشتہارات دیتا پھروں اور بے کار میں لوگوں کا انٹرویو کرتے' لوگوں کے ساتھ ساتھ اپنا بھی وقت ضائع کرتا پھروں۔ مجھے اپنے انتخاب پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ ابھی کال کریں میں دیکھتا ہوں وہ کیا کہتی ہیں۔'' شاہ زیب صاحب نے کہا تو فاروقی صاحب نے فوراً سر ہلاتے ٹیبل پر رکھے ٹیلی فونز کے کئی سیٹ میں سے ایک اپنی طرف کھسکا لیا۔ اب ہادیہ کے سیل سے نمبر دیکھتے ٹیلی فون سے ڈائل کر رہے تھے۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف رابطہ ہو چکا تھا۔

''وعلیکم السلام! جی مس رابعہ سے بات ہو سکتی ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی بات کر رہی ہوں...... آپ کون؟'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''میڈم میں علی انٹرپرائزز سے بات کر رہا ہوں' پچھلے دنوں آپ کی سلیکشن ہماری کمپنی میں ہوئی تھی......'' فاروقی صاحب نے حوالہ دیا تو دوسری طرف وہ لڑکی فوراً برافروختہ ہوئی۔

''میں اس سلیکشن پر لات مار کر آئی تھی...... اور اس کھڑوس انسان کو صاف جتا کر آئی تھی کہ میں کوئی گئی گزری لڑکی نہیں ہوں اور اب کیا مصیبت آپڑی ہے جو رابطہ کیا جا رہا ہے۔'' وہ لڑکی بغیر کسی لحاظ و مروت کے بولی تھی گویا کوئی ایکدم توپ داغ دیتا ہے۔

فاروقی صاحب نے ایک دم خفت کا شکار ہوتے ریسیور کان سے ہٹایا۔ عباس صاحب واقعی غلط نہ تھے اس لڑکی کو واقعی مینرز نہیں تھے۔

''یہ کمپنی کے اونر شاہ زیب صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے فوراً اپنی جان چھڑائی۔ اب شاہ زیب صاحب بات کر رہے تھے۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں بیٹا آپ؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں مخاطب تھے۔

''میں ٹھیک ہوں سر......'' اب کے دوسری طرف موجود رابعہ شاہ زیب صاحب کے انداز پر کچھ الجھ کر دھیمی ہوئی تھی۔

''بات یہ ہے بیٹا کہ میں پچھلے دنوں بزی رہا...... آپ کی تو سلیکشن ہو گئی تھی پھر آفس کیوں نہیں آ رہیں؟''

''سر سلیکشن ہونے اور اپائنٹ لیٹر ایشو ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' دوسری طرف سے رابعہ نے خاصے جتاتے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

لہجے میں اچھا خاصا تیکھا پن تھا۔ شاید اسی بات کو عباس مینرز نہیں آتے وغیرہ کا نام دے رہا تھا۔ یقیناً اسی لب و لہجے میں اس نے عباس سے بھی بات کی ہوگی اور عباس کی نیچر کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وہ ایسے لہجوں پر فوراً غصے میں آ جایا کرتا تھا۔

''اوکے...... میرے علم میں یہ چیز نہ تھی...... آپ ایسا کریں کہ آج ہی آفس آجائیں۔ آپ کو آج ہی لیٹر ایشو کر دیا جائے گا...... آپ چند دن میرے انڈر کام کریں گی یوں سمجھ لیں ایک طرح سے ٹریننگ ہوگی اور جب آپ سارے کام سیکھ لیں گی تو میں آپ کو آپ کے سیکشن میں شفٹ کر دوں گا۔ ٹھیک ہے بیٹا۔'' اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر انہوں نے اپنی بات کہی

تو دوسری طرف رابعہ خاموش ہوگئی تھی۔

"مگر سر مجھے تو کوئی تجربہ نہیں اور جن کے آفس کے لیے میری سلیکشن ہوئی ہے ان کو اعتراض ہی میرے ناتجربہ کار ہونے پر تھا۔" کچھ توقف کے بعد رابعہ نے کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

"دیکھیں بیٹا! شروع میں تو کسی کو بھی تجربہ نہیں ہوتا...... ہر انسان کہیں نہ کہیں سے کام کا آغاز کر کے ہی تجربہ حاصل کرتا ہے آپ فریش اور Energetic خاتون ہیں آپ میں ابھی کام کرنے کی لگن اور ول پاور ہے اور میں فریش لوگوں کو بہت اہمیت دیتا ہوں پھر امید کروں کہ آپ آج ہی آفس حاضر ہو رہی ہیں۔"

"اوکے سر! میں آتی ہوں۔ میں کافی دور رہتی ہوں مجھے آفس پہنچنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا۔" شاہ زیب صاحب کے حوصلہ افزا انداز پر وہ لڑکی فوراً مان گئی تھی اور اس کے مان جانے پر شاہ زیب صاحب نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"اوکے...... ہم ویٹ کریں گے......" انہوں نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

"فاروقی صاحب آپ اس بچی کا اپائنٹمنٹ لیٹر ابھی ٹائپ کروائیں اور جیسے ہی وہ بچی آفس پہنچے میرے پاس لے آئیے گا......" ان کے الفاظ پر عباس کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا تھا۔

"جی سر......" فاروقی صاحب فوراً اٹھ گئے تھے ان کے ساتھ انہوں نے ہادیہ کو بھی جانے کا کہا تو عباس اور وہ آفس میں رہ گئے تھے۔

"اس لڑکی سے بات کر کے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ اس کا بی ہیو گزشتہ ملاقات میں تمہارے ساتھ کیسا رہا ہوگا...... مگر بیٹا جی یہی تو بزنس کا نام ہے۔ یہاں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور وہ لڑکی ہمارے آفس کی ایک معمولی ورکر ہوگی سو آپ ٹل مت کریں۔ رہ گئی بات تجربے کی تو جب تک وہ ٹرینڈ نہیں ہو جاتی میرے انڈر کام کرے گی۔" عباس کے چہرے کے زاویوں سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے ان کا اس لڑکی سے رابطہ کرنا اچھا نہیں لگا۔ اسے مسکرا کر انہوں نے ریلیکس کرنا چاہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ جیسے اپنے جذبات پر قابو پانا چاہ رہا ہو۔

"نہیں میں فیل نہیں کرتا...... یہ سب بزنس کا حصہ ہے۔ خیر اب وہ آ رہی ہیں تو مجھے اسے برداشت بھی کرنا ہوگا۔ مگر میرا ٹمپرامنٹ آپ جتنا مضبوط نہیں ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گا کہ نیکسٹ ٹائم آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔" وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑکی پہلی ہی ملاقات میں اس کے والد صاحب کو شدید متاثر کر گئی ہے اب وہ کچھ بھی اس کے خلاف بولتا تو بابا جان کو شکایت کا موقع فراہم کرنے والا حال تھا۔ سو اس نے فوراً ہار مان لی تھی۔ اور شاہ زیب اس کی بات پر مسکرا دیئے تھے۔



شہوار کو صبح شاہ زیب صاحب کالج چھوڑ گئے تھے۔ سارا دن اس کا کالج میں بہت مصروف گزرا تھا۔ پہلے بیماری کی وجہ سے اور اب بابا صاحب کی وجہ سے اس نے جو چھٹیاں کی تھیں اس کا اچھا خاصا حرج ہو چکا تھا۔ واپسی پر انا کا پروگرام روشانے کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانے کا تھا۔ کالج آف ہوتے ہی روشانے انا کو پک کرنے آ گئی تھی۔ روشانے کے ساتھ شہوار کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ شہوار کا ڈرائیور لیٹ تھا اس نے کال کر کے پتا کرنا چاہا تو انا نے منع کر دیا ان کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ ہی ان کی گاڑی میں سوار ہو گئی تھی۔ انا اور شہوار نے پہلے اسے ڈراپ کرنا تھا پھر شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ گھر تک کا سارا وقت روشانے کے ساتھ شہوار کا مختلف باتوں میں ہی گزر گیا تھا۔ پہلی ملاقات اس کی بخار کی حالت میں ہوئی تھی مگر اب یوں نارمل حالت میں روشانے سے مل کر شہوار کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ایک انجانی سی اپنائیت بھرے احساس نے شہوار کو پھر سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ سارا راستہ انا کی بجائے روشی کے ساتھ ہی بزی رہی تھی۔ مختلف باتیں، پاکستان کی، اسٹڈی کی، شادی کی تیاریوں اور بھی کئی طرح کی باتیں ہوتی رہیں، گھر آیا تو شہوار نے اترنے سے پہلے دونوں کو پرزور اصرار سے اندر آنے کی دعوت دی۔

"اس طرح اچھا نہیں لگتا یوں دروازے تک آ کر چلے جانا...... ماں جی کو علم ہوا تو وہ بہت خفا ہوں گی۔" اس کی دعوت پر انکار کر دیا گیا۔

"بھئی ہم کوئی باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ تو ادھر آئے نہیں...... پر اس رہا پھر کسی دن باقاعدہ چکر لگائیں گے۔ اب تو شاپنگ کے لیے جانا ہے۔" انا نے پھر منع کر دیا۔

"ماں جی بہت خفا ہوں گی مجھ پر......" اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا تو دونوں ہنس دیں۔

"کوئی بات نہیں ہماری طرف سے معذرت کر لینا۔ تمہارے سامنے ہی تو ہے پہلے ماما کے بوتیک جائیں گے وہاں سے انہیں ساتھ لیں گے پھر کہیں اور چکر لگائیں گے، تین تو ہمیں بج گئے ہیں۔" انا نے پھر سہولت سے منع کر دیا۔

"اوکے مگر نیکسٹ ٹائم کوئی ریلیف نہیں دوں گی۔"

"محترمہ آپ بھول رہی ہیں کہ ہم آپ کے ہاں پہلے بھی چکر لگا چکی ہیں۔ اب تمہاری باری ہے۔" روشانے دونوں دوستوں کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"روشانے کی شادی پر ضرور آؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کارڈ دینے آؤں گی پھر بیٹھیں گے ابھی خدمت کرو۔"

"اوکے میم......! ویسے روشانے آپ سے یہ دوسری ملاقات ہے مگر آپ کو دیکھ کر آپ سے مل کر ایک روحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔"

"شکریہ۔" شہوار کی اس قدر محبت پر روشانے نے اس کے دونوں ہاتھ دبائے تھے۔ وہ ان دونوں کو اللہ حافظ کہتے اندر چلی آئی تو لاؤنج میں ماں جی سمیت لائبہ بھابی، صبا اور عائشہ تینوں موجود تھیں۔ وہ اندر جانے کی بجائے پہلے اپنے کمرے میں گئی تھی۔ چینج کر کے منہ ہاتھ دھو کر وہ لاؤنج میں چلی آئی۔

"السلام علیکم!" اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... تم کس کے ساتھ آئی ہو؟ ڈرائیور تو گھر پر ہی ہے۔" مہر النساء بیگم اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی تھیں۔

"انا اور روشانے کو شاپنگ کے لیے جاتے ہوئے اِدھر سے گزرنا تھا، وہی ڈراپ کر کے گئی ہیں۔" ماں جی کے پاس بیٹھتے اس نے جواب دیا تھا۔

"اچھا...... ان کو اندر کیوں نہیں بلوایا۔" ماں جی نے فوراً کہا۔

"میں نے تو بہت اصرار کیا مگر دونوں مانی ہی نہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ وہ لیٹ ہو جائیں گی پھر کبھی سہی۔"

"کھانے میں کیا ہے، بہت بھوک لگی ہے۔ صبح بھی بھاگ دوڑ میں کچھ نہیں کھایا۔ کالج میں بھی سارا دن اتنی بھاگ دوڑ میں مصروف گزرا ہے کہ کچھ کھایا پیا ہی نہیں گیا۔" کچن میں جانے سے پہلے اس نے لائبہ بھابی کو دیکھا۔

"کچھ خاص نہیں بنایا...... بس صبح کا جو کچھ بھی تھا ابھی کھا پی کر فارغ ہوئے ہیں۔ رات ڈنر باہر کرنے کا پروگرام ہے...... اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو میں کچھ بنا دیتی ہوں۔" بھابی نے مسکرا کر شیڈول بتاتے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

"رہنے دیں...... فریج میں کچھ نہ کچھ فریز ہوگا ہی میں خود لے لیتی ہوں۔ ویسے یہ رات ڈنر کس خوشی میں ہے اور سب جا رہے ہیں کیا؟" اس کے سوال پر تینوں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔ شہوار نے تعجب سے سب کو دیکھا اور پھر ماں جی کو۔ ان کے لبوں پر بھی ویسی ہی مسکراہٹ تھی۔

"یہ ڈنر کس خوشی میں ہے یہ تمہارے لیے سرپرائز ہے اور ہم سب جا رہے ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد دونوں سمیت، بس ماں جی اور بابا جان کے سوائے۔ جس میں تم بھی شامل ہو...... اس لیے شاندار طریقے سے ریڈی ہونا ہے مغرب تک سب کو ریڈی ہونے کا الٹی میٹم مل چکا ہے۔" عائشہ نے ہنستے ہوئے بتایا تو وہ الجھی۔

"مگر یہ الٹی میٹم دیا کس نے ہے؟"

"اسی نے جو ڈنر کرائے گا۔" صبا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر ڈنر کون کرا رہا ہے؟"

"وہی جس نے الٹی میٹم دیا ہے۔" لائبہ بھابی کا انداز چھیڑنے والا تھا وہ ہنس دی۔

"بھئی یہ سرپرائز ہے اور یہ سرپرائز ہوٹل جا کر ہی کھلے گا۔ سوڈونٹ وری اور یاد رہے، بہت زبردست انداز میں تیار ہیں ہے۔" عائشہ نے یاددہانی کروائی تو وہ محض سر ہلا کر کچن میں چلی آئی۔ فریج میں کوفتوں کا سالن موجود تھا۔ اس نے وہاں موجود ایک رخشندہ کو روٹی بنانے کا کہا اور خود سالن نکال کر گرم کرنے لگی۔

کھانا کھاتے ہوئے بھی رات کا سرپرائزنگ ڈنر ذہن پر طاری رہا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ واپس اپنے روم میں آ گئی جب رات بھی تابندہ بی کے ساتھ باتیں کرتے اور باقی رات سوچتے گزر گئی تھی اور پھر باقی سارا دن کی بھاگ دوڑ اور اب وہ کچھ ریسٹ کرنا چاہتی تھی۔

عصر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ سو لے گی تو فریش ہو جائے گی اور پھر جب سب پر جائیں گے تو وہ بھی ریڈی ہو جائے گی۔

اس نے کونسا خاص ریڈی ہونا تھا بس لباس ہی تو بدلنا تھا۔ ہار سنگھار تو وہ پہلے بھی نہیں کرتی تھی۔

وہ بہت گہری نیند سوئی تھی۔ گزشتہ راتوں کا رتجگا تھا یا سارے دن کی تھکن مگر اس وقت نیند بہت بھرپور آئی تھی۔ آنکھ ایک زور زور سے دروازہ پیٹے جانے کی آواز پر کھلی تھی۔

"اف...... اس وقت کون آ گیا؟" کمرے میں ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ دراوزہ لاک کر کے سوئی تھی اس کے ذہن میں یہی تھا کہ گہری رات ہے اور اس وقت پتا نہیں کون آ گیا ہے؟ اس نے اپنے سرہانے پڑا موبائل اٹھا کر دیکھا تو چونکی۔ شام کا وقت تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت گزر رہا تھا ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

موبائل ایک طرف پھینک کر بغیر اپنے حلیے کی طرف دھیان دیئے مسلسل بجتے دروازے کے پاس آ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

"اف...... کیا مصیبت ہے...... دروازہ توڑنے کا ارادہ ہے کیا؟" وہ اپنی رو میں بولی تھی مگر سامنے مصطفیٰ شاہ زیب کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی۔

"میڈم جس طرح سب آپ کے روم کے دروازے پر آ کر طبع آزمائی کر چکے ہیں ایسے عالم میں بس دروازہ توڑ دینے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔" مصطفیٰ نے کہتے ایک نگاہ شہوار پر ڈالی تو نگاہ ٹھہر کر رہ گئی۔ نیند سے بھری آنکھیں سوئے جاگے حواس کی آنکھیں بڑی دلنشین اور قاتل سی لگ رہی تھیں۔ مصطفیٰ گویا کر وہ خود بھی سٹپٹا کر فوراً پلٹی تھی۔ پہلے اس نے سرہانے پڑا دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلایا اور پھر بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتی پلٹی۔

"اگر رات تم صاف لفظوں میں ماں جی اور بابا کے ساتھ آنے کا بتا دیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا تمہیں......؟" وہ مزید کہہ رہا تھا شہوار نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر مغرب کا وقت تنگ پڑتے دیکھ کر اسے جواب دینے کی بجائے واش روم میں جا گھسی۔ وضو کر کے واپس روم میں آئی تو مصطفیٰ جا چکا تھا۔ اس نے آرام سے مغرب کی نماز ادا کی ابھی دعا مانگ رہی تھی کہ عائشہ اور صبا نک سک سے تیار اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"کتنی غلط بات ہے شہوار کہ تمہیں کہا بھی تھا کہ مغرب تک ریڈی رہنا پھر بھی تم لیٹ ہو گئیں......" عائشہ نے آتے ہی کہا تو وہ دعا ختم کرتے منہ پر ہاتھ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"جانا کہاں ہے؟ اور یہ سب ڈنر وغیرہ کس خاص ہستی کی طرف سے ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں ہو رہا ہے؟"

"بھئی یہ تو خاص سرپرائز ہے اور پہلے سرپرائز بیان کر دینے کی بات وعدہ خلافی ہوگی۔ جو ہم سیکنڈ پارٹی سے فائنل کر چکے ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد بھائی دونوں بھی تیار ہو چکے ہیں مصطفیٰ بھائی بھی ابھی آفس سے لوٹے ہیں وہ خود بھی تیار ہو رہے ہیں تم بھی اب فٹافٹ تیاری کرو...... مزید ضائع کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" مصطفیٰ کا نام سن کر وہ چونکی پہلے جی چاہا کہ انکار کر دے مگر پھر خوامخواہ بچکانہ حرکت کرنے والی بات تھی سو خاموش رہی۔ الماری سے لباس دیکھنے لگی اور ایک سادہ پنک کلر کا لباس نکالا تو عائشہ کپڑے دیکھ کر فوراً بول اٹھی۔

"خبردار! ایسا بے ڈھنگا لباس پہن کر جانے کا سوچنا بھی نہیں۔ ادھر ہٹو میں خود دیکھتی ہوں کوئی خاص لباس......" عائشہ

اس کے ہاتھ سے لباس لے کر واپس الماری میں لٹکاتے اب خود لباس دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ اور پھر اس نے ہلکا پھلکا فینسی ایمبرائڈری سے سجا سیاہ سوٹ باہر نکالا تو شہوار سوٹ دیکھ کر فوراً بول اٹھی۔

"ہم کسی فینسی ڈریس شو یا شادی میں نہیں جا رہے جو ایسا سوٹ پہن کر جاؤں۔ ہم پبلک پوائنٹ پر جا رہے ہیں۔ ایسی جگہوں پر ایسا سوٹ پہن کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی میں۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تو عائشہ نے گھورا۔

"ابھی تم پر اتنا بڑھاپا نہیں طاری ہوا جتنی تم ایجڈ (بڑی بی) بننے کی کوشش کرتی ہو۔ اپنی ایج کے مطابق حرکتیں کرنا بھی نارملٹی ہوتی ہے اور جو ایسا نہیں کرتا یا تو وہ سو کالڈ ریبل ہوتا ہے یا پھر یہاں سے کھسکا ہوا ہوتا ہے۔" عائشہ نے اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر گھماتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ چپ ہوگئی۔

ان لوگوں سے بحث کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ سو اس نے ہار مان لی۔ کپڑے پریس ہی تھے اس نے بغیر ایک لفظ بھی کہے عائشہ سے لے کر باتھ روم کا رخ کیا تھا۔ چینج کر کے لوٹی تو صبا اس کے بال سنوارنے لگی جبکہ عائشہ اس کے ناں...... ناں کرنے کے باوجود بھی اس کے فریش چمکتے چہرے پر اپنی مرضی کے مطابق کچھ لیپا پوتی کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس زبردستی پر شہوار کے چہرے پر واضح ناراضی تھی مگر دونوں بہنوں کو پرواہ نہ تھی۔

"ادھر دیکھو بد دماغ لڑکی اک ذرا سے چینج سے کتنی پیاری لگنے لگی ہو۔ سادگی اچھی بات ہے مگر کبھی کبھار چینج اپنے دل کو بھی اچھا لگتا ہے اور جب اللہ نے اتنی پیاری صورت یہ حسین بال دیئے ہوں تو بننے سنورنے میں کوئی حرج نہیں۔" اس کے ناراضی سے بھرپور چہرے کو آئینے کے سامنے کرتے عائشہ نے کہا تو اس نے محض ایک پل کو خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ بہت کم میک اپ یوز کرتی تھی شاید فنکشنز وغیرہ میں ہی اور اب ایک ڈنر کے لیے اس قدر اہتمام سے تیار ہونا اسے بڑا عجیب سا لگا؟ عائشہ نے ہی اس کے جیولری باکس میں سے سوٹ کے ہم رنگ آویزے نکال کر اس کے کانوں میں سجا دیے تھے اور گلے میں گولڈ کا ایک چھوٹا سا نفیس سا لاکٹ تھا جو تابندہ بی کا تھا مگر اب برسوں سے شہوار کے گلے کی زینت بنا رہتا تھا۔

بقول تابندہ بی کے یہ لاکٹ ان کے والدین کی نشانی تھا اور یہ گفٹ اب شہوار کے گلے کا حصہ تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" عائشہ نے بہت محبت سے کہتے اس کا رخسار چوما تو شہوار گل و گلنار ہوتے حیا سے سمٹ سی گئی تھی۔

وہ دونوں بھی اچھی خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھیں مگر شہوار کو اپنی تیاری پر کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے شہوار نے اپنا بیگ موبائل اور چادر ضرور لی تھی۔ سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ بے شک اس کے گلے میں تھا مگر گھر سے باہر وہ چادر کے بغیر نہیں نکلتی تھی۔ اب بھی اس نے چادر اطراف میں پھیلا لی تھی۔ باہر آنے پر ماں جی اور لائبہ بھابی نے بھی اسے خوب سراہا تھا کہ وہ مزید جھینپ گئی تھی۔ مصطفیٰ تیار ہو کر وہاں آیا تو سب میں کھڑی کنفیوز جھینپی جھینپی سی شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ وہ ہر وقت گھر کی چار دیواری میں بھی اس قدر سادہ حلیے میں ہر وقت بڑی سی چادر اطراف میں پھیلائے رکھتی تھی کہ کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ سج سنور کر اتنی پیاری بھی لگتی ہوگی۔ لائبہ، سجاد، عائشہ اور عباس وغیرہ کی شادیوں میں وہ اہتمام سے تیار ہوئی تھی مگر اس دوران دل و دماغ میں ایسا کوئی خاص جذبہ تھا بھی نہیں کہ وہ توجہ دیتا اور اب ذرا سی جھینپنے پر لگ رہا تھا کہ یہ لڑکی اپنے اندر ایک خاص شعلہ جوالہ حسن محفوظ رکھتی ہے۔ جو دیکھنے والی نگاہ کو چاروں شانے چت کر دینے والی صلاحیت تو ضرور ہی رکھتا تھا کہ اس جیسا فولادی اعصاب کا مالک انسان جسے باہر کی رنگینیاں کبھی اٹریکٹ نہیں کر سکی تھیں ایک بالکل سادہ مشرقی حسن کے آگے خود کو کمزور محسوس کرنے لگا تھا۔ اس وقت شہوار کا حسن اس کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا۔

"ہوں...... ہوں......" اس کی محویت پر لائبہ بھابی نے شرارت سے کھنکار کر احساس دلایا تو وہ جھینپتا ہوا ہنس دیا۔ پھر اطراف میں دیکھا باقی کوئی متوجہ نہ تھا سوائے بھابی کے۔

"کیوں بھابی کوئی پرابلم......؟" اس نے اپنی جھینپ مٹانے کو پوچھا...... اس کی آواز پر شہوار نے غیر محسوس انداز میں اس کی طرف سے رخ بدلا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"ہم تو کب کے ریڈی ہیں...... یہ تو تم دونوں نے ہی دیر کروائی ہے۔" سجاد بھائی نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"جانے کا کیا پروگرام ہے۔ کون کس کی ساتھ جائے گا......؟" عائشہ نے پوچھا۔

"بھئی میں تو اپنی بیگم کے ساتھ جاؤں گا اور ہمارے ساتھ صبا ہوگی باقی تم لوگ خود ڈیسائڈ کرلو۔" سجاد بھائی نے پروگرام بتایا تو وہ فوراً سر ہلا گیا۔

"ٹھیک ہے ہم لوگ عباس بھائی کی گاڑی میں ہو جائیں گے۔ ماں جی آپ بھی چلتیں ناں......؟" مصطفیٰ نے ماں سے کہا۔

"نہیں بیٹا! باہر کا کھانا ہضم نہیں ہوتا اب...... تم لوگ جاؤ انجوائے کرو۔ مگر خیال رکھنا کہ وقت پر گھر لوٹ آنا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"جی۔" وہ سب لوگ ماں جی سے اجازت لے کر باہر نکل آئے تھے۔ صبا' لائبہ' آفاق اور سجاد بھائی پہلے اپنی گاڑی پر روانہ ہوئے تھے۔

عباس بھائی کی گاڑی میں شہوار' مصطفیٰ اور عائشہ موجود تھے۔ عباس گاڑی ڈرائیو کررہے تھے ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر مصطفیٰ تھا' جبکہ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھیں۔ گاڑی کے روڈ پر آتے ہی شہوار نے اندھیرا ہونے کے باوجود چادر اپنے چہرے پر کرلی تھی۔ سارا راستہ دونوں بھائی ہی آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ جن کے درمیان میں عائشہ بھی جملہ بازی کرتی رہی تاہم شہوار بالکل خاموش رہی تھی۔ گاڑی ایک شاندار ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں رکی وہاں سجاد بھائی اور باقی لوگ پہلے سے انتظار کررہے تھے۔

"ہال میں ٹیبل ریزرو کروائیں یا فیملی کیبن لے لیں؟" اندر آ کر مصطفیٰ نے لڑکیوں سے پوچھا اور خصوصاً شہوار کو دیکھ کر نگاہ پھیر گئی۔

"فیملی کیبن ہی لیں...... ہال میں آتے جاتے لوگوں کی موجودگی میں ایزی نہیں بیٹھا جائے گا۔" عائشہ نے کہا تو وہ ہر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سبھی فیملی کیبن میں موجود تھے۔

"اب تو اس چادر کو پیچھے کردو۔" عائشہ نے ٹوکا تو شہوار نے چادر چہرے سے سرکا دی۔

شہوار اور عائشہ ساتھ ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں لائبہ بھابی آفاق کو تھامے صبا کے ہمراہ تھیں جبکہ باقی مرد ایک سائیڈ پر براجمان تھے۔

"اب بتا بھی دیں یہ ڈنر کون دے رہا ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں......؟" اس نے آہستگی سے عائشہ کے کان میں کہا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے......؟" اس کے کھلکھلا کر ہنسنے پر سبھی متوجہ ہوئے تھے۔ شہوار کو بڑی سبکی کا احساس ہوا۔ اس کا چہرہ گل رنگ ہوا۔

"کچھ نہیں...... بس یہ شہوار پوچھ رہی ہے کہ یہ ڈنر کون دے رہا ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں؟ یہ تو وہی حال ہوا کہ

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عائشہ کی بات پر سبھی ہنسے تھے۔ خصوصاً مصطفیٰ نے بطور خاص شہوار کو دیکھا۔

"ویسے مصطفیٰ بھائی یہ تو زیادتی ہوئی نا...... یہ آپ دونوں کی طرف سے ہی پارٹی ہے اور آپ ہی دے رہے ہیں اعزاز بھی آپ کو ہی جاتا ہے پھر بھی بیچاری کو سرپرائز کے نام پر اب تک الجھائے رکھا...... بتا دیتے تو کیا تھا......؟" صبا نے بھی ہنس کر کہا تو شہوار نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو اس کے چہرے پر بڑی محظوظ کن مسکراہٹ تھی۔

"ہاں تو رات جب میں نے محترمہ کو کال کی تھی تب تو صاف کہہ دیا تھا کہ "آپ سے مطلب؟" بھئی جب ہم سے مطلب نہیں تو ہم بھی کیوں اعلان کرتے پھرتے۔" سب کے سامنے مصطفیٰ کا اس کی بات کا حوالہ دینے پر وہ سرخ ہی ہوئی وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

عمیرہ راؤ

ماہ دولت کو عمیرہ راؤ کہتے ہیں میں 2 نومبر کی روشن صبح کو سمندری میں پیدا ہوئی۔ ہم دو بھائی اور دو بہنیں ہیں بڑی آپی شہلا کی شادی ہوچکی ہے جن کی ایک پیاری سی بیٹی...... زینت ہے اس سے مجھے بہت جیلسی ہوتی ہے کیونکہ پہلے گھر کی میں لاڈلی تھی اس کے آتے ہی مجھے اب کوئی لفٹ ہی نہیں کراتا۔ مجھے کھانے میں بریانی پسند ہے' میرے فیورٹ کلر بلیک' پنک ہیں۔ ماہ دولت نے ایم اے انگلش اور ایم اے پولیٹیکل سائنس کیا ہے اور اب کالج میں لیکچرار ہوں۔ میرے موسٹ فیورٹ ٹیچر سر ذوالفقار ہیں۔ جب ٹائم ملتا ہے تو شاعری پڑھتی ہوں اور میوزک سنتی ہوں' میرے فیورٹ شاعر محسن نقوی اور وصی شاہ ہیں۔ مجھے گفٹ لینا اور دینا بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے خوشبو بہت اچھی لگتی ہے' میرے فیورٹ پرفیوم شیلز' بلولیڈی' رومینس ہیں۔ بہت جذباتی ہوں' ہر بات کی انتہا چاہتی ہوں ہر کسی سے مخلص ہو کر ملتی ہوں اس وجہ سے بہت دھوکے بھی کھائے ہیں۔ میری فرینڈز ہما' سعدیہ' سدرہ ہیں جو کہ بہت اچھی ہیں مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ ڈیئر آنچل فرینڈز میرا تعارف آپ کو کیسا لگا ضرور بتائیے گا' آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

"قصہ مختصر یہ ہے مائی ڈیئر کہ تمہاری اور مصطفیٰ کی بات طے ہو جانے پر ہم سب مصطفیٰ کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں کہ ایک شاندار ٹریٹ ہونی چاہیے۔ تین چار دن کے لیے تم گاؤں چلی گئی تو یہ پروگرام ڈی لے رہا تھا۔ رات بھی ہم نے مصطفیٰ کو گھیر رکھا تھا تو اس نے کہا کہ کل یعنی آج کا ڈنر پکا ہے مگر تمہارے بغیر ٹریٹ کا مزہ کیسے آتا تو مصطفیٰ نے تمہیں کال کی تھی تا کہ تمہارے آنے کا پروگرام پتا چلے مگر جواباً تم نے آپ سے مطلب؟ کہ کر جس قدر عزت افزائی سے نوازا تو محترم چپ چاپ رہ گئے وہ تو ماں جی سے بات کرکے کنفرم ہوگیا کہ تم بھی ساتھ ہی آرہی ہو اور صبح تمہارے آنے پر شکر کا سانس لیا۔ صبا نے کال کرکے مصطفیٰ کو تمہاری آمد کا بتا دیا تو ہم سب نے آج کے لیے ڈنر کی ٹائمنگ سیٹ کرلی اور اب اس وقت سب ڈنر پر موجود ہیں۔ چونکہ ڈنر بطور خاص تمہارے لیے تھا سو تمہیں سرپرائز دینا مقصود تھا۔" لائبہ نے بڑے مزے سے بتایا تو وہ عجیب سے جذبات میں گھر گئی۔

ایک بے پناہ خفگی سے لبریز نگاہ مصطفیٰ پر ڈال کر وہ لب بھینچ گئی۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس رشتے کے سخت خلاف ہے پھر بھی محض اسے اذیت دینے کو یہ حرکتیں کررہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر یہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔ سب کے سامنے وہ شدید خفت' شرمندگی وخجالت کے جذبات کا شکار ہو رہی تھی۔ اگر اسے علم ہوتا کہ یہ ڈنر کس خوشی میں دیا جارہا ہے تو وہ کبھی گھر سے نکلنے کی کوشش نہ کرتی۔ چونکہ یہ شخص یہ بات اچھی طرح جانتا تھا سو اسے لاعلم رکھا گیا تھا۔

"آئی ہوپ تم نے بھی اس سرپرائز کو انجوائے کیا ہوگا؟" سجاد بھائی کہہ رہے تھے۔ وہ بغیر کوئی تاثر دیئے سر جھکائے ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی رہی۔ انداز یوں تھا کہ اب اسے یہاں موجود کسی بھی انسان سے کوئی غرض نہیں۔ مصطفیٰ کے اس عمل سے اس کی عزت نفس اور ایگو شدید ہرٹ ہوئی تھی اور اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ اس کے چہرے سے صاف ہو رہا تھا۔ اس کے اس انداز پر سبھی نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"شہوار ڈونٹ بی سیریس...... اٹ از جسٹ آ جوک......" عباس بھائی نے متانت و سنجیدگی سے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

اب اس وقت وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ مصطفیٰ سے خوب الجھتی۔ وہ مصطفیٰ کے پروپوزل سے انکاری تھی یہ بات صرف تابندہ بی بی یا مصطفیٰ جانتے تھے۔ اب وہ اس طرح ری ایکٹ کرتی تو خود بخود اپنی انسلٹ کروانے والی بات تھی۔ خوامخواہ دوسروں کی خوشی بھی ملیامیٹ ہوتی۔ سب نے یہی سمجھا تھا کہ اس کے اندر اس سرپرائز کو انجوائے کرنے والی حس ہی نہیں جبکہ اصل بات تو کسی کے علم میں بھی نہ تھی۔ اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"مصطفیٰ بھائی کھانا منگوائیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔" شہوار کے چپ چاپ محض سر ہلا دینے پر عائشہ نے سب سے

پہلے سنبھلتے باقی لوگوں کو بھی بحال کیا تھا۔

"مینو تم لوگ سلیکٹ کرلو۔ میں آرڈر لکھوا دیتا ہوں۔" کن اکھیوں سے اردگرد دیکھتی شہوار کو دیکھتے مصطفی نے کہا تو وہ لوگ مینو کارڈ کی طرف متوجہ ہوگئے تھے جبکہ شہوار اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی تھی۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا لکھوا دیا تھا۔ شہوار کا سنجیدہ انداز تھا سو سب نے بھی چھیڑ خانی سے پرہیز کیا ورنہ عائشہ کی زبان تو ایسے موقعوں پر خوب چلتی ایک دو بار اس نے کچھ کہنا بھی چاہا تو عباس بھائی نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں منع کر دیا تھا۔

کھانا سرو ہوا تو سبھی کھانے لگے...... شہوار کا موڈ اندرونی طور پر اس قدر آف ہو چکا تھا کہ بس حد نہیں مگر دوسروں کے سوالوں سے بچنے کے لیے اس نے بھی اپنی پلیٹ فل کرلی تھی۔ مگر سلاد کے چند ٹکڑوں کے علاوہ ایک بھی حلق سے نہیں اتارا گیا تھا وہ یونہی پلیٹ میں چمچ چلاتی رہی۔ لائبہ کو آفاق مسلسل تنگ کر رہا تھا نہ بھابی خود کھا تھیں اور نہ ہی اسے کھلا پا رہی تھیں۔

"آفاق کو مجھے دے دیں میں کھلا دیتی ہوں۔" اب وہ خود تو کچھ کھا نہیں رہی تھی بے کار میں بیٹھنے کا فائدہ سبھی نے دیکھا۔ اس کی پلیٹ میں موجود چاول جوں کے توں تھے۔

"تم خود تو کچھ کھالو؟" عائشہ نے ٹوکا وہ سر جھٹک گئی۔

"کھالوں گی...... لائیں اسے مجھے دیں...... آرام سے آپ کھالیں......" خود ہی اٹھ کر ان کے پاس آ کر لائبہ کی گود سے آفاق کو لے لیا تھا آفاق کو اپنی گود میں بٹھا کر وہ اپنی پلیٹ میں موجود چاول اسے کھلانے لگی۔ مصطفی محض دیکھ کر رہ گیا۔

سویٹ ڈش میں کیک تھا۔ چاول کھلا کر وہ آفاق کو تھوڑا سا کیک لے کر کھلا رہی تھی جب آفاق نے ہاتھ مار کر پلیٹ اس کے ہاتھ سے گرادی تھی۔ پلیٹ اس کی گود میں گری تھی۔

"اف......" کیک کی ساری کریم اس کی قمیص کے دامن کو سفید کرتی چلی گئی تھی۔ کیک پر لگے چاکلیٹ نے بھی رنگ جمایا تھا۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا نا...... چھوٹے بچے تو ایسے ہی کرتے ہیں...... نہ خود کچھ کھایا ہے اور کپڑوں کا بھی ستیاناس ہوگیا ہے۔" عائشہ اور لائبہ دونوں کہنے لگی تھیں۔

"کوئی بات نہیں۔ میں صاف کر لیتی ہوں۔" آفاق کو کرسی پر بٹھا کر ٹشو لے کر اس نے قمیص صاف کرنا چاہی تھی مگر کریم اور چاکلیٹ اور اس پر لگے ایکسٹرا جیلی اور پائن ایپل نے مل کر دامن کا رنگ بدل دیا تھا۔

"رہنے دو...... اِدھر واش روم ہوں گے اِدھر چلتے ہیں۔ ٹشو کے ساتھ جتنا صاف کرنے کی کوشش کریں گے اتنا ہی کلر پھیلے گا اور کریم کی چکنائی علیحدہ ہوگی۔" مرد حضرات تو خاموش ہی تھے بھابی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتی بیگ لے کر ان کے ساتھ چل دی۔ بھابی نے آفاق کو بھی ہمراہ لے لیا تھا۔

"آپ لوگ کھانا کھائیں...... ہم ابھی آتے ہیں۔" بھابی نے کہا تو سب نے سر ہلا دیا۔ کیبن سے نکل کر باہر آئی تو ویٹر سے بھابی نے واش روم کا پوچھا۔ اس نے یونہی ہال میں نگاہ ڈالی تو چونک گئی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر جو شخص بیٹھا تھا اسے بے شک کئی دن بعد (کینٹین والے واقعے کے بعد) وہ اب دیکھ رہی تھی مگر اسے دیکھ کر شہوار کو لگا کہ اس کے اوسان خطا ہوگئے ہیں۔ وہ شخص بھی اسے دیکھ رہا تھا' چادر کے پلو میں چھپایا چہرہ وہ شاید نہ پہچانتا مگر لائبہ بھابی اور آفاق کو دیکھ کر پوری طرح شہوار کو پہچان گیا تھا۔ شہوار کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس کے چہرے پر انتہائی مکروہ مسکراہٹ دیکھ کر شہوار کے قدموں سے زمین کھسکنے لگی تھی۔ اس نے انتہائی لرز کر بھابی کا کندھا تھام کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔



رات کا کھانا تیار تھا۔ ثریا بیگم اور باقی سب نے تو جلدی کھالیا تھا مگر فیضان ماموں کے پاس کوئی مہمان آیا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ کھانا لیٹ کھا رہے تھے۔ ماموں کا مہمان ان کا کوئی اسٹوڈنٹ تھا وہ گیا تو رابعہ کھانا ٹرے میں رکھ کر ان کے کمرے کی بیٹھک میں چلی آئی۔

"کون آیا تھا ماموں......؟ وہ بستر پر بیٹھے ہوئے تھے' ہاتھ میں کوئی کتاب تھی ان کے آگے بستر پر ہی ٹرے رکھتے رابعہ نے پوچھا۔

"میرا بہت پرانا اسٹوڈنٹ تھا...... عرصے بعد پاکستان لوٹا تو ملنے چلا آیا۔ لندن میں وکالت کرتا ہے۔ بہت اچھے عہدے پر کام کر رہا ہے آج کل...... بڑا لائق فائق و ذہین بچہ تھا۔ وہاں سے بھی اکثر یاد کرتا رہتا تھا کسی نہ کسی بچے کے ہاتھ سلام بھیجتا تھا۔" کتاب ایک طرف رکھ کر انہوں نے ٹرے اپنے سامنے رکھی تھی۔

"ہاں آپ کے اسٹوڈنٹ بھی آپ کی ہی طرح خاصے ذہین ہوں گے۔" ان کے پاس ہی وہ بیٹھ گئی تھی۔

"تم آج کہاں گئی تھیں؟" انہوں نے کھانا کھاتے پوچھا۔

"ہادیہ نے پچھلے دنوں ایک کمپنی کا بتایا تھا وہاں انٹرویو دے کر آئی تو سلیکشن کرلی تھی' انہوں نے تبھی مالکان میں سے ایک شخص سے تھوڑی تلخ کلامی ہوگئی تھی میری' آج پھر ادھر سے ہی کال آئی تھی۔ وہ جوائن کرنے کو کہہ رہے تھے تو وہاں گئی تھی انہوں نے اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو کرتے فوراً جوائننگ لے لی تھی آج سے ہی انہوں نے ٹریننگ شروع کروا دی ہے۔" اس نے بڑے پرجوش انداز میں انہیں بتایا تو وہ مسکرائے۔

"یہ تو بڑی اچھی بات کہی تم نے...... مگر یہ تلخ کلامی کیوں ہوئی؟"

"بس باس کے بیٹے تھے...... بڑا ہی کھڑوس شخص تھا۔ میرے ناتجربہ کار ہونے پر اوبجیکشن کر رہا تھا جبکہ باپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس دن مجھے بھی غصہ آ گیا تو میں اپنی فائل واپس لے کر آ گئی۔" اس نے لاابالی پن سے اپنی کارگزاری بتائی۔

"یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی بیٹا!" انہوں نے تاسف سے بھانجی کو دیکھا۔

"جب ہم گھر سے رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں تو اپنا مزاج گھر چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ کتنی جگہوں پر تمہارے اسی مزاج کی وجہ سے بات نہیں بن سکی اور انسان کو ہر حال میں صورتحال دیکھ کر مزاج اپنانا پڑتا ہے۔ ہر وقت غصہ کھانے سے کام نہیں چلتا۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا تو وہ مسکرا دی۔

"میں جان بوجھ کر کب غصہ کرتی ہوں؟...... وہ تو بالکل اچانک ایک دم آ جاتا ہے۔" اس کے انداز پر وہ ہنس دیے۔

"تمہاری ماں کہتی ہے کہ تمہیں میں نے اور سہیل نے بگاڑا ہے۔"

"امی بھی خوامخواہ کہتی رہتی ہیں۔ بس غصہ آ جاتا ہے اور تو کہیں سے بھی میں بگڑی بچی نہیں ہوں۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"کس فرم میں جاب ملی ہے تمہیں؟"

"اچھی خاصی مشہور کمپنی ہے۔ شاید آپ نے نام بھی سنا ہو۔ "علی انٹر پرائزز" کھانا کھاتے کچھ پل کو رک کر انہوں نے بھانجی کو دیکھا۔ ان کا انداز ٹھٹکا ہوا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی کمپنی ہے۔ تمہیں یہاں جاب کیسے مل گئی؟" ان کے ٹھٹکنے کی وجہ شاید یہ حیرانگی ہی تھی وہ ہنس دی۔

"آپ کی یہ بھانجی آپ کی ذہین اسٹوڈنٹ بھی ہے۔ میرا اکیڈیمک ریکارڈ ہی مجھے یہاں جاب دلوانے کے لیے کافی تھا۔" اس نے اپنے فرضی کالر کھڑے کیے۔

"بتایا ہے ماموں وہاں کے باس شاہ زیب صاحب تو مجھ سے خاصے امپریس ہو چکے تھے اور پھر میرا پریکٹیکل ورک دیکھ کر تو فوراً او کے کر دیا۔ مگر ان کا وہ غصیلا بیٹا مجھے ذرا پسند نہیں آیا۔ ہادیہ بتا رہی تھی کہ عباس صاحب کی پسند کی شادی ہوئی تھی مگر ان کی بیگم ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی بلکہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کی ہے پتا ہے ہادیہ ان کی بیگم کے ریلیٹوز میں سے ہے تو ان کے فیملی کرائسز کا اچھی طرح علم ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی آج تمہارا پہلا دن تھا اور پہلے دن ہی تم نے عورتوں والی مخصوص عادت کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ تو بڑی بری بات ہے۔ مالکان کی ذاتی زندگی میں انٹرفیئر کرنے یا ڈسکس کرنے کا ملازمین کو قطعی کوئی حق حاصل نہیں۔" انہوں

نے فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"تو میں کونسا انٹرفیئر کر رہی ہوں وہ تو ہادیہ نے بتایا تو میں نے سن لیا۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"بعض عادتیں ترک کرنے سے ہی ترک کی جاتی ہیں۔ کوشش کرنا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو۔" انہوں نے تنبیہہ کی تو ا... نے فوراً سر ہلا دیا۔

"یہ جو شاہ زیب صاحب ہیں ان کے بھائی وغیرہ بھی اسی بزنس میں ہیں نا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"مجھے زیادہ ڈیٹیل میں نہیں پتا...... ہوسکتا ہے ہوں...... بہرحال ان کے بیٹے ان کے ساتھ برابر کے شیئرز ہولڈرز ہیں۔ یہ اچھی خاصی اسٹرونگ فیملی ہے۔ ہادیہ بتاتی ہے کہ پہلے شاہ زیب صاحب پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھے' اب چند سالوں سے وہ اس بزنس میں آئے ہیں۔ انہوں نے بڑی ینگ ایج میں ہی ڈی آئی جی کے عہدے سے ریٹائرمنٹ لے کر یہ بزنس شروع کرلیا تھا۔ بہت جلد ترقی کی ہے ان لوگوں نے۔ اب ان کی کمپنی کا ایک نام ہے۔"

"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ وہ کھانا ختم کرچکے تھے۔ انہوں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ٹرے سائیڈ پر کی۔

"بہرحال یہ اچھی کمپنی ہے۔ تمہیں یہاں کام کرکے بہت اچھا ایکسپرینس حاصل ہوگا۔" انہوں نے بھانجی کی حوصلہ افزائی کی۔

"چائے پئیں گے؟" خالی ٹرے اٹھاتے ہوئے رابعہ نے پوچھا۔

"ہوں...... لے آؤ......" انہوں نے دوبارہ کتاب اٹھاتے کہا تو وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد انہوں نے بڑے سنجیدہ انداز میں کتاب کی طرف دیکھا۔ مگر ذہن و دل میں اب ایک طوفان مچل رہا تھا۔ انہوں نے بڑی اذیت سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

"آہ......" ان کے لبوں سے ایک آہ خارج ہوئی تو کئی چہرے ذہن کی اسکرین پر واضح ہوتے اور بگڑتے چلے گئے تھے۔

✿☆✿☆✿

ایاز عبدالقیوم کی مکروہ ہنسی دیکھتے اس کا پورا وجود ہل گیا تھا اس نے فوراً بھابی کا کندھا تھاما تھا۔

"کیا ہوا......؟" وہ صورتحال سے بے خبر تھیں اس کے یوں تھامنے پر حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں یہاں سے جلدی چلیں۔" اس کے ساتھ کوئی دوسرا لڑکا بھی تھا۔ وہ اس سے کچھ کہتے جلدی سے اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان تک آتا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"ہاں...... یہاں چلو......" انہوں نے ایاز کو نہیں دیکھا تھا وہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا' جبکہ وہ بھابی کا بازو تھامے تیزی سے اس طرف بڑھی تھی جہاں ویٹر نے واش روم ہونے کی نشاندہی کی تھی۔

ایاز فوراً ان کے پیچھے نہیں آیا تھا وہ ان کی طرف ضرور بڑھا تھا مگر اب ان کے پیچھے نہیں تھا۔ واش روم کی طرف آ کر شہوار نے سکون کا سانس لیا مگر جسم ابھی بھی لرز رہا تھا۔

"تم قمیص کا دامن واش کرلو میں ادھر ہی ہوں......" واش روم والا حصہ خالی تھا۔ یہ زنانہ واش روم تھا اور ادھر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ سر ہلاتی لرزتے ہاتھوں سے اپنا بیگ کھولنے لگی تھی۔ ہینڈ واش نکالتے اس کا موبائل گر گیا تھا جسے بھابی نے جھک کر تھام لیا تھا۔

"یہ بیگ مجھے تھماؤ تم دامن دھولو......" وہ سر ہلاتی بیسن کے آگے جا کھڑی ہوئی' ابھی اس نے نل کھولا ہی تھا کہ ایکدم ایاز عبدالقیوم اس زنانہ واش روم میں داخل ہوا تھا۔ بھابی بھی اسے دیکھ کر چونکی تھیں۔ اس وقت وہاں وہ دونوں ہی تھیں اور ایاز عبدالقیوم تھا کوئی اور وجود نہ تھا۔

شہوار کا رنگ ایکدم سفید ہوا تھا۔ بھابی نے ایاز کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے بھابی کو اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کروا دیا تھا۔

"تم...... تم یہاں کیوں......؟" بھابی نے تنبیہہ کے باوجود بولنا چاہا مگر ایاز نے ایکدم سختی سے انہیں دیوار کے ساتھ دھکیل دیا تھا۔

بھابی اس دھکیلے جانے پر ایکدم چیخ اٹھی تھیں آفاق علیحدہ رونے لگا تھا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔

"شٹ اپ...... میں نے کہا نا...... ایک لفظ بھی نہیں......" اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے نجانے کہاں سے پسٹل نکال لیا تھا اب اس کا رخ بھابی کی طرف تھا۔ شہوار کو لگا پسٹل دیکھ کر وہ ابھی گر جائے گی۔ یہی حال بھابی کا بھی تھا۔ ان کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوا تھا۔

"میرا آپ سے کوئی لینا دینا نہیں...... اصل لینا دینا تو آپ کی اس نام نہاد نند سے ہے...... جب تک چپ رہیں گی تب تک خیریت رہے گی۔ بڑے دنوں سے میں نے اس کے پیچھے بندے چھوڑے ہوئے تھے' مگر یہ ہاتھ ہی نہیں آئی تھی۔" اس نے بھابی کے ہاتھ سے آفاق کو چھین لیا تھا۔ اب پسٹل آفاق کی کنپٹی پر رکھے دونوں کو بالکل ساکت رہنے کے اشارے کر رہا تھا۔ وہ دونوں واقعی ساکت ہوگئی تھیں۔

"تم...... تم ایسا کیوں کر رہے ہو......؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے انہیں گھورا اور آگے بڑھ کر واش روم کا مین دروازہ لاک کردیا تھا۔ واش روم میں اندر چار پانچ ٹائیلیٹ تھے۔ یہ زنانہ حصہ تھا' مردانہ واش روم دوسری طرف تھا۔

"یہ سوال اپنی اس نند سے پوچھیے گا...... ویسے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے چند دن پہلے رشتہ بھیجا تھا۔" وہ آفاق کے رونے کی پروا کیے بغیر اسے لیے شہوار کی طرف بڑھ رہا تھا' بھابی نے ایک لمحے کو اس شخص کو دیکھا اور پھر ہاتھ میں دبے موبائل کو...... ایاز کی اب ان کی طرف سے پشت تھی۔

شہوار کا بیگ ان کے ہاتھ سے ایاز کے دھکا دینے پر گر گیا تھا مگر موبائل ہاتھ میں اسی طرح دبا رہا تھا۔

"اور تم کیا سمجھتی تھیں کہ پری کینٹین میں تماشا لگوا کر بیماری کا بہانہ کرکے تم غائب ہوجاؤ گی اور میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔ تو میڈم یہ تمہاری بھول ہے...... میں چاہوں تو دن دہاڑے مصطفیٰ جیسے لوگوں کی موجودگی کے باوجود تمہیں غائب کروانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔" شہوار کے پاس جا کر اس نے اس کو بازو سے تھام کر دیوار کے ساتھ دھکیل دیا تو اس کے ہاتھ سے ہینڈ واش چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ جواباً شہوار کی چیخ بڑی واضح تھی۔

بھابی نے ایاز کو دیکھا اور پھر واش روم کے بند دروازے کو۔ انہوں نے چادر کے پلو میں ہاتھ کرکے اندازے سے نمبر ڈائل کیا تھا اور پھر اسی طرح چادر میں ہی ہاتھ دیئے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔ یوں جیسے انہوں نے اپنے کان پر ہاتھ رکھا ہو۔ انہیں پتا تھا اس نمبر پر کال جاتے ہی فوراً پک کرلی جائے گی۔

انہوں نے اندازے سے تھوڑا تھوڑا واش روم کے مین دروازے کی طرف کھسکنا شروع کردیا تھا جبکہ وہ بدبخت ایاز آفاق کو بازو میں لیے ایک ہاتھ میں پسٹل لیے اب شہوار کو دھمکا رہا تھا۔

یہ کیا سلسلہ تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھیں مگر صورتحال کیا تھی وہ انہیں بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔

"ہیلو...... ہیلو...... شہوار......" دوسری طرف سے کال پک کرلی گئی تھی۔

"اب بولو تمہیں مجھ سے کون چھڑوانے آئے گا...... اب اٹھاؤ مجھ پر ہاتھ۔" ایاز عبدالقیوم نے کھینچ کر پسٹل والا ہاتھ شہوار کے چہرے پر مارا تھا وہ لہرا کر واش روم کے چکنے فرش پر گری تھی۔ وہ بھابی کو یکسر بھولے ہوئے تھا۔ یا شاید اسے گمان تھا یہ کمزور سی عورت آفاق کو اس کی گرفت میں دیکھ کر اب کچھ بھی نہیں کرپائے گی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے واش روم کے دروازے کی چٹخنی گرا دی تھی یوں کہ ایاز کو پتا ہی نہیں چل پایا تھا اور پھر واپس پہلی والی جگہ پر آ گئی تھیں۔

انہوں نے پھر موبائل ذرا سا رخ موڑ کر ترچھا کرتے کان سے لگایا تھا۔ دوسری طرف مختلف آوازیں آرہی تھیں۔ شہوار کہنے بولنے پر سب پریشان تھے۔ بار بار ہیلو ہیلو کی آوازیں آرہی تھیں۔

"پلیز مصطفیٰ...... ہیلپ می......" انہوں نے بہت آہستگی سے سرگوشی والے انداز میں کہا تھا یوں کہ انہیں اپنی آواز بھی مشکل سے سنائی دی تھی۔ ایاز کے اپنے شور میں ان کی آواز دب گئی تھی۔ وہ شہوار پر متواتر برس رہا تھا۔

"بھابی......" دوسری طرف شاید پہچان لیا گیا تھا۔

www.paksociety.com

''شہوار کہاں ہے...... یہ آوازیں کیسی آرہی ہیں......؟'' وہ پریشان ہوچکا تھا۔

''آپ کہاں ہیں......؟'' انتہائی بےتابی سے پوچھ رہا تھا۔

''واش روم میں...... زنانہ......'' چادر کے اندر سے ہی انہوں نے کان کے ساتھ موبائل لگائے رکھے کہا تھا۔

ایاز عبدالقیوم نے اب شہوار کے اوپر سے چادر کھینچ کر ایک طرف اچھال دی تھی۔

بھابی کی توجہ موبائل سے ہٹ گئی تھی...... ان کی اپنی چیخ بڑی واضح تھی۔

''بھابی......!'' شہوار نے انہیں مدد کے لیے پکارا تو بھابی نے ایک دم ہاتھ نیچے کرتے آگے بڑھنا چاہا مگر چیخ کر پلٹا تھا۔

''خبردار! ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو؟'' انتہائی غصے کی حالت میں غراتے اس نے اب کے پسٹل بھابی کی طرف تان لیا تھا۔

''میں اسے یہاں سے لے کر ابھی نکلوں گا...... اور اس بچے کو باہر ڈال جاؤں گا اگر کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی گولی چلادوں گا۔ یہ بھی ماری جائے گی اور یہ بھی......'' اس نے آفاق اور شہوار دونوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''چلو...... اٹھو...... نکلو باہر...... مگر خیال سے اگر کسی کو شک بھی ہوا تو گولی چلادوں گا'' ایاز کا انداز ہیجانی تھا۔

اب کے پسٹل کا رخ شہوار کی طرف کرتے وہ کہہ رہا تھا۔ شہوار اٹھتے ہوئے سسکی۔ بھابی نے رحم بھری نظروں سے ایاز کو دیکھا مگر وہاں انسان کب تھا؟ وہ تو رہزن تھا۔ اگر آفاق اس شخص کے بازو میں نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اس شخص کی بات پر عمل نہ کرتی۔ اس وقت اسے خود سے زیادہ آفاق اور بھابی کی پرواہ ہورہی تھی۔ اس کی وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف ہو اسے گوارا نہ تھا۔ چپ چاپ اس کی بات مان رہی تھی۔

''تم آفاق اور بھابی کو کچھ مت کہنا...... تم جیسا کہو گے میں کروں گی......'' شہوار کہہ رہی تھی۔

بھابی نے اپنی مٹھی میں دبا موبائل سامنے کیا تو کال ابھی بھی جارہی تھی۔ یقیناً دوسری طرف موجود مصطفیٰ یہاں کی گفتگو سن رہا تھا یا پتا نہیں سن بھی رہا تھا کہ نہیں آواز تو خاصی بلند تھی۔

''جب تک تم شرافت کا ثبوت دو گی یہ انگلی ٹریگر نہیں دبائے گی اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی ہوشیاری دکھائی تو میں لحاظ نہیں کروں گا......'' وہ کہہ رہا تھا۔

''آگے چلو...... میں نہیں چاہتا کہ کسی کو شک تک ہو......؟'' اس نے کہا تو شہوار نے بےبسی سے آفاق کو دیکھا جو مسلسل رو رہا تھا وہ آگے بڑھی تو ایاز اس کے پہلو میں اس طرح اس کے نہایت قریب پسٹل والا ہاتھ بغل میں ڈالے چلنے لگا تھا کہ دیکھنے والے کو ذرا بھی فیل نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص پسٹل کی نوک پر اسے لے جارہا ہے۔

وہ دونوں دروازے کے قریب بڑھ رہے تھے۔ بھابی نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔ پتا نہیں مصطفیٰ اور باقی لوگ کیوں نہیں پہنچے تھے؟ جبکہ دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ پتا نہیں وہ صورتحال بھی سمجھ پائے تھے کہ نہیں؟

''دروازہ کھولو......'' دروازے کے قریب جاکر وہ دہاڑا تھا۔ ''چیخنی کراؤ......'' مگر شہوار نے جیسے ہی دروازے پر ہاتھ رکھا کھلتا چلا گیا تھا' وہ چونکا اس نے تو دروازہ لاک کیا تھا۔ اس نے بھابی کو دیکھا وہ خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹیں۔

وہ پورے کا پورا بھابی کی طرف پلٹا تھا۔ وہ فوراً سچویشن سمجھا تھا۔

''تم نے دروزہ کھولا تھا۔'' وہ بھابی کو دیکھ کر غرایا تھا۔ اس کے پسٹل کا رخ اب شہوار کی بجائے بھابی کی طرف تھا تبھی سے عباس بھائی' سجاد اور مصطفیٰ نے تیزی سے ایک ہی جست میں شہوار کو باہر دھکیلتے ایاز کو دبوچ لیا تھا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک کہ وہ سنبھل بھی نہ پایا تھا آفاق اس کے بازو سے پھسل کر چکنے فرش پر گرا تھا۔

اس کی انگلی نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا تو کئی شعلے فضا میں بلند ہوئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

تحلیل کر کے شدت احساسِ رنگ میں
بن جائے گر تو ایک ہی تصویر ہے بہت
بیٹھا رہا وہ پاس تو میں سوچتی رہی
خاموشیوں کی اپنی بھی تاثیر ہے بہت

گزشتہ قسط کا خلاصہ

باباصاحب کی طبیعت سنبھلی تو وہ حویلی شفٹ ہوگئے۔شہوار تابندہ بوا کے پاس رات ٹھہری تو اس نے گفتگو کے دوران بابا سے متعلق تمام واقعات انہیں کہہ سنائے۔شہوار نے تابندہ بوا کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر اس سب کے باوجود اسے مصطفیٰ کے ساتھ رشتے کے لیے مجبور کیا گیا تو وہ شہر چھوڑ کر حویلی آجائے گی۔

روشانے اور ولید کے درمیان انا کے دن بدن بدلتے موڈ کو لے کر تفصیلی بات ہوتی ہے۔جس کے دوران روشانے ولید کے متعلق ایک حتمی فیصلہ کرلینے کی رائے دیتی ہے اور ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتی ہے۔شاہزیب صاحب' باباصاحب کی طبیعت سنبھلنے کے بعد شہوار اور مہرالنساء کو لے کر واپس آجاتے ہیں۔وہ چند دن بعد اپنے آفس آتے ہیں تو انہیں فاروقی صاحب سے رابعہ اور عباس کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کی اطلاع ملتی ہے وہ عباس کو بلوا کر اسے ڈانٹتے ہیں اور ساتھ ہی رابعہ کا نمبر ہادیہ سے لے کر اس سے رابطہ قائم کر کے اسے آج ہی آفس جوائن کرنے کو کہتے ہیں۔شہوار کالج سے لوٹتی ہے تو لائبہ اور صبا اسے رات ڈنر پر چلنے کا کہتی ہیں۔یہ سرپرائز ڈنر ہوتا ہے۔شہوار عائشہ اور صبا کی زبردستی پر تیار ہوجاتی ہے۔مصطفیٰ اسے یوں روٹین سے ہٹ کر سجا سنورا دیکھ کر خوشگوار تاثر کا شکار ہوتا ہے۔ہوٹل جا کر شہوار کو علم ہوتا ہے کہ یہ ڈنر مصطفیٰ اور اس کی طرف سے دونوں کا رشتہ طے پاجانے کی خوشی میں سب کو دیا جارہا ہے۔شہوار ایک دم شدید کوفت کا شکار ہوتی ہے۔تبھی آفاق کو کھانا کھلاتے اس کے کپڑوں پر کیک گر جاتا ہے۔لائبہ اسے واش روم میں چل کر دامن دھونے کا کہتی ہیں۔ہادیہ فیضان ماموں کو اپنی جاب کا بتاتی ہے اور فیضان صاحب سے عباس کے گھریلو تنازع کا بھی ذکر کرتی ہے۔جس پر وہ دوسروں کے معاملات سے دور رہنے کا کہتے ہیں۔تبھی فیضان صاحب شاہزیب صاحب اور ان کے باقی بھائیوں کے بارے میں بھی استفسار کرتے ہیں۔شہوار واش روم کی طرف جاتے ہوئے ہوٹل کے ہال میں ایاز کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے۔ایاز بھی اسے دیکھ کر پہچان جاتا ہے۔وہ گھبرا کر بھابی کو لے کر فوراً زنانہ واش روم میں آجاتی ہے تبھی ایاز بھی وہاں آجاتا ہے اور دروازہ لاک کردیتا ہے بھابی سے آفاق کو چھین کر شہوار اور بھابی کو ہراساں کرتا ہے۔ایاز پسٹل والا ہاتھ شہوار کے منہ پر مارتا ہے اور اسے دیوار کی طرف دھکا دیتا ہے۔بھابی کے ہاتھ میں شہوار کا موبائل ہوتا ہے جس سے وہ مصطفیٰ کے نمبر پر کال کرتی ہیں۔اس دوران ایاز آفاق کو یرغمال بنا کر بھابی کو ہراساں کرکے شہوار کو پسٹل کی زد پر باہر لے جانے والا ہوتا ہے کہ اچانک وہاں مصطفیٰ' عباس اور سجاد دھاوا بول دیتے ہیں۔ایاز اشتعال میں آ کر ایک دم گولیاں چلا دیتا ہے۔

اب آگے پڑھیے



پسٹل سے کئی شعلے نکلے تھے لائبہ نے چیخ کر اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا لیا تھا۔شہوار باہر زمین پر گر کر سسک اٹھی تھی۔باہر سے کئی چیخیں بلند ہوئی تھیں جن میں عائشہ اور صبا کی واضح تھی۔مصطفیٰ اور عباس' ایاز پر پل پڑے تھے۔مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ سے پسٹل چھین لیا تھا۔سجاد بھائی نے ایک دم آگے بڑھ کر چہرہ منہ میں چھپائے اپنی بیوی کو دیکھا۔

کائنات اشفاق

السلام علیکم! آنچل کی پوری ٹیم کو اپنی طرف سے دعائیں پیش کرتی ہوں۔میری بہت خواہش تھی کہ آنچل میں اپنا تعارف کرواؤں۔آنچل کے ساتھ رشتہ تین سال پرانا ہے لیکن لکھنے کا آج موقع ملا ہے اب میں اپنا تعارف کرواتی ہوں' میرا نام کائنات ہے خوشاب شہر سے تعلق رکھتی ہوں' ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔میں 23 جون کو پیدا ہوئی' رنگوں میں لال اور گلابی رنگ بہت پسند ہے۔کھانے میں چاول بہت پسند ہیں' پینے میں پیپسی اور سویٹ ڈش میں کھیر بہت پسند ہے۔سردیوں میں آئس کریم کھانا بہت اچھا لگتا ہے۔لباس میں شلوار قمیص کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔پاکستانی ڈرامے بہت اچھے لگتے ہیں۔فیورٹ چینل ہم ٹی وی ہے' ڈرامہ ''ہم سفر'' بہت پسند ہے۔میری پسندیدہ رائٹر فرحت اشتیاق ہیں' کرکٹ سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔پسندیدہ کھلاڑی شاہد آفریدی اور محمد حفیظ ہیں۔میرا اسٹار کینسر ہے' مجھے دوسروں کی مدد کرنا اچھا لگتا ہے۔فارغ وقت میں میوزک سننا اچھا لگتا ہے۔بارش ہر موسم کی بہت اچھی لگتی ہے' شاعری سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے۔میری بہت زیادہ دوستیں ہیں کس کس کا نام لوں' آمنہ' شفقت' ثناء' اقراء' اقصیٰ فیصل' عائشہ' حمیرا۔ہم سب بہت اچھی فرینڈز ہیں۔میں ایل ایل بی کرنا چاہتی ہوں' میری خواہش ہے کہ میں اپنی ساری فیملی کے ساتھ حج ادا کروں' مجھے گیلی مٹی کی خوشبو بہت اچھی لگتی ہے۔میں اپنے گھر میں سب کی لاڈلی ہوں' میرے پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں بھی ان سے بہت پیار کرتی ہوں' مجھے اپنی ٹیچرز میں ٹیچر سبین' ٹیچر عاصمہ بہت زیادہ اچھی لگتی تھیں' مجھے اپنی نانی اماں کے ہاتھ کا بنا کھانا بہت پسند ہے۔پرفیوم میں Every One اور باڈی اسپرے میں Do It بہت پسند ہے۔جیولری میں کانچ کی چوڑیاں اور رنگز بہت پسند ہیں۔پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے جس کو پڑھ کر بہت زیادہ سکون ملتا ہے۔تعارف خاصا لمبا ہوگیا ہے' آخر میں اپنی تمام کزنز کے نام لینا چاہوں گی ماہین' زینب' ملائکہ' سلیمان' عمر یہ سب اپنے نام پڑھ کر بہت خوش ہوں گے' اب آپ کو زیادہ بور نہیں کروں گی' اللہ تعالیٰ آنچل کو بہت زیادہ ترقی دے' آمین' اللہ حافظ۔

''لائبہ'' سب کو یہی لگا تھا کہ پسٹل سے نکلنے والی گولیاں بھابی کو لگی ہیں۔مگر سجاد بھائی کے پکارنے پر خوفزدہ بھابی فوراً سیدھا ہوتے ان کے ساتھ لپٹ گئی تھیں۔گولیاں بس ہوائی فائر تھے شکر تھا کہ کسی کو لگی نہ تھیں۔

''ریلیکس۔'' سجاد بھائی نے عباس اور مصطفیٰ کی ٹھوکروں کی زد پر آئے وجود کو دیکھا۔پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔اب وہ بے بس انسان تھا۔جس کی ساری بہادری صرف ایک پسٹل تک ہی تھی۔اب وہ بری طرح پٹ رہا تھا۔عائشہ نے گری ہوئی شہوار کو سیدھا کیا تو صبا نے فوراً آگے بڑھ کر زمین پر گرے آفاق کو تھام لیا۔گرنے سے آفاق کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔صبا نے اپنی چادر کا پلو اس کے سر پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔

شور کی آواز سن کر ہوٹل کی انتظامیہ اور گارڈ بھی آگئے تھے۔اس دوران عباس بھائی اور مصطفیٰ' ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا چکے تھے۔اب ہوٹل کا عملہ ایاز کو قابو میں کر رہا تھا۔مصطفیٰ اور عباس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ہوٹل کے عملے نے بمشکل دونوں کو قابو کیا اور ان کو ایاز سے دور ہٹایا تھا۔مصطفیٰ نے بھابی کو دیکھا وہ بھائی کے حصار میں سسک رہی تھی۔پھر آفاق کی حالت دیکھی تو اس کے اندر پھر طیش ابل پڑا۔اس نے ایک دفعہ پھر ایاز کو مکوں کی زد پر رکھ لیا۔

''پلیز کول ڈاؤن' ہمیں دیکھنے دیں کیا صورت حال ہے؟'' ہوٹل کا منیجر آگے بڑھا تھا۔عباس بھائی نے انتہائی طیش سے اسے دیکھا۔

''آپ خاک کریں گے کچھ' یہ سیکیورٹی ہے آپ کے ہوٹل کی۔کہیں بھی' کسی بھی وقت کوئی بھی بدمعاش اسلحے کے زور پر اندر گھس کر کسی کو بھی ہراساں کرنے کی جرأت کرے اور آپ کو علم تک نہ ہو۔'' آفاق کا خون آلود سر دیکھ کر اور شہوار کو گرنے سے جو چوٹیں آئی تھیں ان کو دیکھ کر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایاز کو مار ہی ڈالیں۔

''آئی ایم سوری' باہر کیا ہوتا ہے ہر طرف کیمرے فٹ ہیں' ہمیں خبر رہتی ہے صرف واش روم میں کیمرے فٹ نہیں ہیں۔سو ہمیں کچھ خبر نہیں ہوئی۔'' منیجر معذرت کر رہا تھا۔

مصطفیٰ فون نکال کر اب کسی کو کال کر رہا تھا۔وہ اب تک اس معاملے کو ٹالے ہوئے تھا مگر اب ایاز کی اس حرکت کے بعد وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔عائشہ شہوار کو سنبھالے ہوئے تھی جبکہ ہوٹل کا عملہ ایاز کو لے کر ایک کمرے کی طرف چلا آیا۔آفاق کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔مصطفیٰ نے عباس بھائی کو فوراً اسے اسپتال لے جانے کو کہا تو صبا آفاق کو لیے ان کے ساتھ فوراً

نکل گئی تھی۔ سجاد بھائی نے واش روم کے فرش سے شہوار کی چادر اٹھا کر اسے تھمائی تھی جسے عائشہ نے اس کے گرد لپیٹ دیا تو کا بیگ ہینڈ واش اٹھا کر انہوں نے بیگ تھام لیا تھا۔ عائشہ اسے اور سجاد لائبہ کو سنبھالے ہوئے تھے جو اس ناگہانی مصیبت پر بھی حواس باختہ تھیں۔ وہ انہیں لے کر منیجر کے روم میں آ گئے تھے۔

"اگر آپ کہیں تو ہم پولیس کو کال کردیتے ہیں وہ ابھی پہنچ جائے گی۔ ایسے کرمنل کو اب ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔" مصطفیٰ پر مختلف جگہوں پر رابطہ کررہا تھا اس کا انداز دیکھتے منیجر نے کہا تو مصطفیٰ نے بغیر اسے ایک لفظ کہے اپنی جیب سے اپنا سیکورٹی نکال کر اس کے سامنے کیا تو منیجر ایک دم مودب ہوگیا۔

"کسی کو بھی یہاں اس وقت بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہینڈل کرلوں گا۔ میں بھی اب ایسے کرمنل کو آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کریں پلیز۔" مصطفیٰ نے ان کی مار پیٹ سے موئے ہوئے ایاز پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی جو سیکیورٹی فورس کی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔

"اور اگر آپ لوگوں کو کوئی مسئلہ ہے تو مجھے ابھی بتادیں۔ میں خود اس معاملے کو ہینڈل کروں گا۔" اس نے منیجر کو دیکھا۔

"آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کیجئے گا۔ آپ لوگوں سے ہمیں بس یہی تعاون درکار ہے۔"

"نو سر، ہم ہر طرح کی خدمت کے لیے تیار ہیں بس اتنی سی گزارش ہے کہ ہمارے ہوٹل کی بدنامی نہ ہو۔ یہ شہر کا سب سے مہنگا اور اعلیٰ سطح کا ہوٹل ہے اگر ایک دفعہ اس کے متعلق کوئی خبر باہر نکل گئی تو ہماری ساکھ کو بہت نقصان پہنچے گا۔ ہمارے مخالفین ہماری ساکھ خراب کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آپ نے جو بھی معاملہ طے کرنا ہے ہوٹل کے اندر ہی طے کرلیں۔" منیجر کا انداز خوشامدی تھا۔ مصطفیٰ نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا اور ایک لفظ بھی کہے بغیر اس طرف چلا آیا جہاں سجاد بھائی اور عائشہ، لائبہ، شہوار کے ساتھ موجود تھے۔ عائشہ شہوار کو زبردستی جوس پلا رہی تھی جو ہوٹل کی انتظامیہ نے فراہم کیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جبکہ سجاد بھائی اور لائبہ تمام صورت حال کو ڈسکس کررہے تھے۔ بھابی کے ہاتھوں میں ابھی بھی شہوار کا موبائل موجود تھا۔ مصطفیٰ نے لائبہ اور سجاد کو شہوار سے قدرے فاصلے پر لا کر پوچھا۔

"آپ دونوں میں سے کسی کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔" شہوار کے آنسوؤں سے مصطفیٰ کے اندر ایک بڑی تکلیف دہ اذیت اتری تھی۔ اس نے بھابی سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ نے پھر شہوار کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے کے بائیں طرف گہرا نیلا زخم تھا۔

"مجھے تو کچھ نہیں ہوا اس بدبخت نے شہوار کو بڑی زور سے زمین پر دھکا دیا تھا اور پھر جب آپ تینوں اندر داخل ہوئے تو آپ تینوں نے اسے باہر دھکیلا تھا اسے چوٹیں لگی ہیں مگر بتا نہیں رہی اور اس نے پسٹل سے شہوار کے منہ پر زوردار ضرب لگائی تھی۔ اتنا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔"

"یہ سب کیسے ہوا؟ مجھے تفصیلاً بتائیں۔" شہوار تو سر جھکائے اب بھی نہ بولنے والے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے پوچھنے کا ابھی وہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔ گاہے بگاہے اس کی طرف دیکھتے اس کے روانی سے بہتے آنسوؤں پر شدید تکلیف محسوس کرتے لب دانتوں تلے دبائے وہ بھابی کی بتائی تمام باتیں سن رہا تھا۔ جو مکمل تفصیل سے بتا رہی تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ شخص اس وقت ادھر ہوگا۔" مصطفیٰ کا تاسف سے برا حال تھا۔ اسے رہ رہ کر گزرے لمحے یاد آرہے تھے۔ جب بھابی نے کال کی تھی اور...... اور......

اگر خدانخواستہ بھابی کے پاس موبائل نہ ہوتا تو پھر ان لوگوں کو کیسے علم ہوتا کہ یہاں کیا صورت حال رونما ہوئی تھی۔ جس طرح اس کے پاس پسٹل تھا اگر چلا دیتا تو...... اور اگر فائر بھابی کو لگ جاتا تو؟ اس سے آگے مصطفیٰ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

"ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص اس حد تک پہنچ جائے گا۔ اس دن عادلہ بھابی اس کا شہوار کے لیے پرپوزل لے کر آئی تھیں اور کچھ سنا کر گئیں ہم سب چپ ہوگئے اور آج اس شخص نے یہ حرکت کرڈالی۔" ان کی آواز بہت دھیمی تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شہوار ان کی یہ بات سنے۔ ویسے بھی ماں جی نے اس سے ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔ بھابی مزید کہہ رہی تھیں مصطفیٰ اور سجاد دونوں چونکے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" سجاد بھائی حیرت زدہ ہوئے۔

"کیا مطلب یہ پروپوزل والا کیا معاملہ ہے؟" مصطفیٰ نے بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔

"بندرہ پندرہ دن پہلے شہر آنے سے ایک دن پہلے عادلہ بھابی اپنی والدہ کے ہمراہ ماں جی کے پاس شہوار کے لیے ایاز کا پرپوزل لے کر آئی تھیں۔ اس دن وہ بہت کچھ سنا کر گئی تھیں۔ شہوار سے متعلق اتنی غلط باتیں کیں کہ حد نہیں۔ "گندہ خون" وغیرہ کے طعنے دیے۔ ایاز کے ساتھ شہوار کے کردار کو اٹیچ کرنے کی کوشش کی گئی۔ کیا بتاؤں اس دن بہت غلط انداز میں انہوں نے بہت کچھ کہا تھا۔" وہ اس قدر آہستہ آواز میں مخاطب تھیں کہ وہ دونوں بمشکل سن پا رہے تھے۔

"شہوار کو علم ہے؟" مصطفیٰ نے بھی بہت آہستگی سے پوچھا۔

"نہیں اس وقت میں صبا اور عائشہ ماں جی کے پاس تھیں۔ شہوار اپنے روم میں تھی۔ بھابی نے بہت بڑی زیادتی کی شہوار کے ساتھ۔ کہنے سننے کی آخری حد ہے۔ ماں جی نے بابا جان سے ذکر کیا تو انہوں نے لڑکوں سے ذکر کرنے سے منع کردیا تھا۔ خوامخواہ عباس بھائی تک بات پہنچتی تو ان کی اپنی زندگی متاثر ہوتی۔ بابا جان اس بات کو ایشو بنا کر بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے سو چپ کر گئے اور ماں جی نے ہمیں بھی شہوار سے ذکر کرنے سے سختی سے منع کردیا تھا۔" لائبہ بھابی بہت آہستگی سے سب بتا رہی تھیں ان سے تھوڑے فاصلے پر عائشہ بہت دھیمے انداز میں شہوار سے کچھ کہتے اس کے آنسو بھی ساتھ ساتھ صاف کررہی تھی مگر اس کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

جوں جوں مصطفیٰ کی اس کے چہرے کے نیل پر نگاہ پڑ رہی تھی اندر کہیں اذیت بڑھتی جارہی تھی۔

"حد ہوتی ہے اتنا کچھ ہوگیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔" مصطفیٰ دھیمے انداز میں خفا ہوا تو لائبہ نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر پرسکون کرنا چاہا۔

"مصطفیٰ پلیز...... آہستہ۔ اس بات سے متعلق شہوار کے سامنے کچھ بھی کہنے سننے سے پرہیز کرنا پلیز۔" مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

"اب اس شخص کا کیا کرنا ہے؟" سجاد پوچھ رہا تھا۔

"میں نے بابا صاحب کو کال کی ہے وہ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔ دراصل یہ معاملہ اگر شہوار کا ہوتا تو میں اس کو یہیں دفن کردیتا مگر اب بات بھابی اور آفاق کی بھی ہے۔ اس شخص نے شہوار کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی یرغمال بنانے کی کوشش کی ہے اور خاندانی عزت کے معاملے میں بابا جان بہت حساس ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا قدم اٹھاؤں کہ بعد میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ بہرحال اس شخص نے پسٹل کے زور پر بھابی اور آفاق کو یرغمال بناتے شہوار کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کا یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اتنی جلدی چھوڑوں گا نہیں۔" مصطفیٰ کا انداز بڑا طیش آمیز تھا۔

"کول ڈاؤن یار...... کول ڈاؤن۔" سجاد بھائی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

کچھ دیر میں بابا جان آ گئے اور دوسری طرف مصطفیٰ کا ماتحت امجد خان بھی اپنے ساتھیوں سمیت آ چکا تھا۔ بابا جان کو ساری صورت حال کا علم ہوا تو سخت حیرت کے عالم میں سب سنتے گئے۔ ایاز کی گزشتہ بہت سی حرکات تھیں جنہیں اب بابا جان سے چھپانا محض حماقت ہی تھی۔ وہ اب مزید کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا تھا۔ بابا جان نے یہ سب بہت تحمل سے سنا تھا۔

"اس شخص نے ہماری بچیوں پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس کا جرم تو ناقابل معافی ہے سزا تو ہم ضرور دیں گے مگر سوچ سمجھ کر، تم امجد خان کو کہو اس کو حوالات میں لے جائے۔ جتنے کیس اس پر ڈال سکتا ہے ڈال دے۔ پرانے نئے جو بھی کھاتے ہیں سب کھولے۔ میں نے بڑا عرصہ رشتہ داری کا لحاظ کرلیا اب نہیں، مگر امجد خان کو باور کروادو کہ ہماری بچیوں کا نام کہیں بھی نہیں آئے گا۔ یہ شخص کیوں گرفتار ہوا ہے یہ فائل امجد بنائے گا۔ سچے جھوٹے جو بھی گواہ ہیں وہ نکال لے گا اور ہاں اس ہوٹل کے عملے کو اس میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھو آج جو بھی ہوا اس کا کہیں کوئی وجود نہیں۔ یہ شخص کیوں گرفتار ہوا یہ کیس امجد خود تیار کرے گا وہ ایسے کرمنلز کو ہینڈل کرنے میں بہت قابل ہے۔ بچیوں کو اتنی دیر یہاں ٹھہرائے رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں چاہیے تھا کہ سجاد کے ساتھ ان تینوں کو گھر بھیج دیتے۔" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو مصطفیٰ فوراً سر ہلا گیا۔

"میں ابھی امجد خان کو بریف کردیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد میں گھر آجاؤں گا۔ آپ ان لوگوں کو لے کر چلے جائیں۔" بابا جان کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

سلوشن مصطفیٰ کی سوچ کے مطابق تھا۔ وہ اب اپنے جذبات پر قابو پاچکا تھا اور بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد ہوٹل کے عملے سے بات کرکے اس کیس کو غیر اہم گردانتے اس شخص کو چھوڑ دینے کی بات کرتے وہ انجم کے ہمراہ اسے لے کر اس شخص کی گاڑی نکلوا کر وہاں سے نکل آیا تھا آگے اسے ابھی بڑی لمبی چوڑی پلاننگ کرنی تھی۔

❁......☆☆......❁

آفاق اس سارے حادثے سے خاصا سہم گیا تھا۔ بچہ تھا اس کے سامنے فائر کیے گئے تھے اور ایاز کا وحشی انداز اور مضبوط گرفت نے اس معصوم کو سہما کر رکھ دیا تھا اور اوپر سے گرنے سے جو چوٹ لگی تھی اس سے خون اچھا خاصا بہا تھا اس سے بھی نڈھال ہوگیا تھا۔

عباس بھائی اور صبا آفاق کی مرہم پٹی کرواکر گھر آئے تو اتنی دیر میں بابا جان اور سب بھی آچکی تھیں۔ ماں جی جو ویسے بچوں کا انتظار کررہی تھیں اور پھر بابا جان ایک ضروری کام کا کہہ کر فوراً نکل گئے تھے اب ان کے ساتھ سب کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔ صورتحال سب کے سامنے تھی خصوصاً آفاق کی حالت اور شہوار کے چہرے پر پڑنے والے نیل دیکھ کر وہ دہل گئی تھیں۔ بابا جان نے رسانیت سے انہیں ساری صورتحال بتائی تو ششدر رہ گئیں۔

"میرے اللہ! اتنا کچھ ہوگیا میری بچیوں کے ساتھ اور اس ننھی سی جان کا بھلا کیا قصور تھا؟ اپنا خون تھا اس کا کوئی ایسا سنگ القلب ہوتا ہے اپنے بچے کا یہ حال کر ڈالا۔" وہ تو ایک دم آبدیدہ ہوگئی تھیں۔ دوائیوں کے زیر اثر نڈھال سے آفاق کو خوب چوم کر سینے سے لگایا۔

"دیکھو ذرا بھی انسانیت نہ تھی۔ منہ پر بھی کوئی مارتا ہے؟" اب کے انہوں نے شہوار کو بازو کے حصار میں لے لیا۔ اس کے بائیں رخسار پر پڑ جانے والا گہرا نیل انہیں سخت تکلیف دے رہا تھا۔ چہرہ اب سوجن کا شکار ہوچکا تھا۔

"ان لوگوں کا خاندان اتنا پچ اور گھٹیا ہوسکتا ہے آج اچھی طرح اندازہ ہورہا ہے۔ ماں جی اور بابا جان صرف آپ دونوں کے کہنے پر ابھی تک عادلہ جیسی عورت کو برداشت کررہا ہوں۔ بس یہ آخری بار تھا۔ اب میں کسی کی بھی بات نہیں مانوں گا۔ میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ یہ اب فائنل ہے۔" اس سارے عمل میں عباس بھائی کا طیش سے برا حال تھا۔

"آرام وسکون سے ادھر بیٹھو۔ عائشہ بھائی کو پانی پلاؤ۔ آج کی حرکت کے بعد میرا ذہن بہت متاثر ہوا ہے اس سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ شاید دونوں خاندانوں میں پھر سے ایک ہونے کے لیے شاید کہیں گنجائش نکل آئے مگر عادلہ تو ایک طرف اس کی فیملی تک اس حد تک گزر جائے گی ان بلیوایبل۔" انہوں نے بپھرے ہوئے بیٹے کو پاس بٹھا کر اس کا کندھا تھپتھپاتے اس کا طیش کم کرنا چاہا تو وہ لب بھینچ گیا۔ عائشہ نے فوراً پانی لاکر اسے دیا تو وہ چپ چاپ پی گیا۔

"اب ہم بھی ایک حتمی فیصلہ ضرور کریں گے۔ تم فکر مت کرو اب ہم خود اس مسئلے کو حل کریں گے۔ واقعی اب ایک فیصلہ ضرور ہوجانا چاہیے۔" بابا جان کا انداز فیصلہ کن تھا۔ عباس کی حالت جوں کی توں تھی۔

"آفاق کے بارے میں بھی تو کچھ سوچیں نا؟ اس سارے عمل میں سب سے زیادہ نقصان تو میرے بچے کا ہی ہوگا۔ اس عورت کو کیا پروا؟" ماں جی نے دونوں کی باتوں سے دہل کر کہا تو عباس نے خاصے خفا انداز میں کہا۔

"آفاق میرا بیٹا ہے اور ہمیشہ میرے پاس ہی رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آفاق کی خاطر بھی اب میں اس عورت کو دوبارہ اپنی زندگی میں برداشت نہیں کرسکتا اور یہ طے شدہ بات ہے۔"

"ہم بھی اب تک آفاق اور اس خاندان کی عزت کی خاطر ہی چپ تھے مگر جس طرح یہ لوگ ہمارے خاندان کی عزت سے کھیلیں ہیں۔ اب ہم بھی بتائیں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ہم کوئی بے حیثیت نو دولتیے انسان نہیں' شہوار بیٹا غم نہ کرو ابھی ہم زندہ ہیں اور ہمارے ہوتے ہوئے ہماری بچیوں کو کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھے یہ ہو نہیں سکتا؟ اس ناعاقبت اندیش انسان نے ہماری بیٹی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب اس کی سزا بھی بھگتے گا۔ اب اس کا باپ جتنا بھی پیسا ضائع کرلے ہم بھی تمام زور اس کو سزا دلوانے میں لگائیں گے۔" بابا جان کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔ ماں جی پریشان ہوکر دونوں کے چہرے دیکھنے لگیں۔

"یہ تو دشمنی ہوجائے گی۔ اس کے باپ سے بات کریں اس طرح الجھنے کا کوئی فائدہ؟" ماں جی ہمیشہ ایسے معاملات میں گھبرا جاتی تھیں۔ اب بھی پریشان ہوکر کہا۔

"نہیں جی نہیں۔ کچھ نہیں ہوگا ماں جی! ہم براہ راست اس کیس کو ہینڈل نہیں کریں گے۔ آپ بس دیکھیے گا مصطفیٰ کیسے اس شخص کو ذلیل کرتا ہے۔" سجاد بھائی نے ماں جی کو حوصلہ دینا چاہا۔

"اللہ خیر کرے مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔ مصطفیٰ کب یہاں کے طور طریقے سے باخبر ہے۔ ساری عمر باہر ہوسٹلوں میں گزار دی اس نے تو؟" ماں جی نے نیا نکتہ اٹھایا۔

"ماں جی آپ اس کی فکر مت کریں وہ ہم سے بلکہ بابا جان سے بھی زیادہ ان معاملات کو ہینڈل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بہت اچھا فائٹر ہے۔ کسی کو سبق سکھانے کے لیے اس کا بس ایک پنچ ہی کافی ہے۔ امریکا میں رہ کر ساری زندگی اس نے یہی کام تو کیا ہے وہاں کے مقابلوں میں حصہ لیتا تھا تو ہمیشہ اول آتا تھا۔ اس کی فکر مت کریں۔" سجاد نے مسکرا کر بھائی کی تعریفیں کرتے ماحول کو تھوڑا سا نارمل کرنا چاہا۔ مگر ماں جی کے چہرے کے تاثرات ہنوز تھے۔

"عائشہ بہن کو کمرے میں لے جاؤ اس کے چہرے پر کوئی مرہم لگاؤ۔ دیکھو کیسا گہرا نیل پڑگیا ہے۔ درد ہورہا ہے نا؟" ماں جی نے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کا چہرہ دیکھتے محبت سے پوچھا تو وہ بغیر کوئی تاثر دیے اسی طرح بیٹھی رہی۔ عائشہ اپنی بیٹی کو گھر پر ہی ماں جی کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ جواب سو رہی تھی۔ وہ بابا جان کے اشارہ کرنے پر شہوار کا بازو تھام کر اٹھاتے اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"بہت برا ہوا بچی کے ساتھ۔ دیکھا کیسے گم صم ہوکر رہ گئی ہے۔ پہلے ہی عادلہ کو لے کر خاصی پریشان تھی اب تو کسر ہی پوری ہوگئی ہے۔" شہوار کے جانے کے بعد ماں جی نے تاسف سے کہا۔

"اب ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو مزید نہیں لٹکانا چاہتے۔" تابندہ کی کال آئے تو ان سے بات کیجیے گا آج کل ہی کی کوئی تاریخ دیں نکاح کی۔ ہم جتنی جلدی ہو یہ نکاح کردینا چاہتے ہیں۔" بابا جان نے کہا تو ماں جی نے انہیں دیکھا۔

"اور جو بات شہوار کی مرضی کے متعلق تابندہ کہہ رہی تھیں اس کا بھی تو سوچیں کچھ؟" انہوں نے دھیمی آواز میں شوہر سے کہا۔ آواز صرف اتنی ہی تھی کہ باقی افراد تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

"ہم تابندہ اور شہوار سے خود ہی بات کرلیں گے۔ اب یہ اقدام ناگزیر ہوچکا ہے۔ جتنی جلدی ہوسکے اتنا ہی اچھا ہے۔ آپ تابندہ بی سے آج کے واقعے کا ذکر نہیں کریں گی اور شہوار کو بھی منع کردیجیے گا۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو مہر النساء بیگم خاموش ہوگئیں کہ ان کے ایسے انداز پر مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

"میں ذرا مصطفیٰ کو کال کرکے پتا کرلوں وہ کہاں ہے؟" اپنی بات ختم کرکے بابا جان کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو ماں جی اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چل آئیں۔

❁......☆☆......❁

"السلام علیکم!" آج اس کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی۔ سو تیار ہوکر جب ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو تقریباً تمام افراد ناشتا کرچکے تھے۔

"وعلیکم اسلام مجھے لگا تھا کہ تم آج کالج نہیں جارہی۔" ماما نے کہا تو وہ مسکرا کر روشانے کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"بس رات دیر سے آنکھ لگی تو صبح فجر کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی مگر اب لیٹ ہوگئی ہوں۔" ماما نے ٹیبل پر رکھے ناشتے کے تمام لوازمات انا کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنی طرف رکھ لیے۔

"حسن بھائی اور رولی چلے گئے ہیں کیا؟" ٹیبل پر دونوں کو نہ پاکر اس نے پوچھا جبکہ ماموں اور پاپا یہیں تھے اخبار دیکھ رہے تھے۔

"دونوں نے ناشتا کرلیا ہے اپنے اپنے روم میں ہیں۔" روشانے نے چائے پیتے جواب دیا۔

"دیکھو آج بھی کیسا دور آگیا ہے کہ اچھے گھرانوں کے لڑکے محض تھرل کے نام پر چوریاں ڈکیتیاں کرتے پائے جارہے ہیں۔" ماموں اخبار میں کوئی خبر پڑھ رہے تھے۔ اخبار بابا کے سامنے کرتے انہوں نے افسوسناک تبصرہ کیا۔

"ہاں پڑھ لی ہے میں نے یہ خبر' تقریباً تمام نیوز پیپرز میں ہی درج ہے یہ واردات' کیا کیا جائے۔ آج کل والدین اولاد کی تربیت پر دھیان کب دیتے ہیں؟ محض بچوں کے ہاتھ میں پیسا تھما کر بری الذمہ ہوجاتے ہیں۔" پاپا نے بھی اس خبر پر تبصرہ کیا تو

ناشتا کرتی انا نے توجہ دی۔

"کوئی خاص خبر ہے کیا؟" اس نے باپ کو دیکھا۔

"نہیں یہ تو عام روٹین کی خبر ہے۔ روز بروز ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔" پاپا کندھے اچکاتے اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ماموں بھی وہاں سے نکل گئے تھے۔

روشانے ناشتا کر چکی تھی اب وہ بھی نیوز پیپر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ انا کے ساتھ ہی براجمان تھی۔ سو ناشتا کرتے انا بھی گردن موڑ کر کوئی نہ کوئی ہیڈ لائن دیکھ رہی تھی۔

"ایک منٹ......!" ایک ہیڈ لائن پر نگاہ پڑتے ہی وہ فوراً چونکی تھی ہاتھ میں تھاما دودھ کا گلاس فوراً ٹیبل پر رکھتے اس نے روشانے کے ہاتھ سے اخبار لیا۔

"شہر کے مشہور مایہ ناز بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔" نیچے ہتھکڑیوں میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی۔ ہیڈ لائن ایسی تھی کہ انا کا ذہن فوراً اپنے کالج میں پائے جانے والے ایاز عبدالقیوم کی طرف گیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا تھا یہ تو سبھی جانتے تھے۔ اس کی جو شہرت اور ریپوٹیشن تھی ایسی غلط حرکات میں ملوث ہونا عام سی بات تھی۔ اب تصویر دیکھ کر کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ انا نے مزید تفصیل جاننے کے لیے متعلقہ خبر تفصیلاً پڑھنا شروع کر دی تھی۔

"رات بارہ بجے کے قریب ایاز عبدالقیوم نے اپنے ایک اور ساتھی کی مدد سے صدر تھانہ کی طرف جاتی شاہراہ پر اپنی گاڑی کے ہمراہ راستے سے گزرنے والی گاڑی کو زبردستی روکنے اور ڈکیتی کی واردات کرنے کی کوشش کی تو گاڑی کے مالک نے شور مچا دیا۔ جس پر دونوں لڑکوں نے مشتعل ہو کر مسٹر حیدر (گاڑی کا مالک) کی اچھی خاصی حالت خراب کر ڈالی۔ اسی دوران وہاں پولیس کی گشتی پارٹی کا گزر ہوا تو پولیس کو دیکھ کر ایاز کا ساتھی فرار ہو گیا جبکہ ایاز عبدالقیوم نے مشتعل ہو کر اندھا دھند پولیس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس کی زد میں پولیس کا ایک اہلکار آ گیا۔ ایاز عبدالقیوم کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں زخمی اہلکار اور مسٹر حیدر کو اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں ان دونوں کو ضروری ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے۔ اس وقت ملزم ایاز عبدالقیوم صدر تھانہ کے حوالات میں بند ہے۔ ملزم کے کئی اور وارداتوں میں ملوث ہونے کے شواہد مل چکے ہیں۔ جن میں موبائل چھیننا' تھرل کے نام پر چھوٹی موٹی وارداتیں کرنا' راہ جاتے لوگوں کو روک کر مال اسباب چھین لینا جیسی وارداتیں عام ہیں۔ ملزم کے متعلق مزید اطلاعات مل رہی ہیں۔ اس کیس کو شعبۂ پولیس کی نہایت تجربہ کار وایمان دار آفیسر امجد خان بطور خاص ہینڈل کر رہے ہیں۔"

اخبار میں اور بھی تفصیلات درج تھیں۔

"مائی گاڈ۔" تمام تر تفصیل پڑھ کر انا کا حیرت سے برا حال تھا۔

"کیا ہوا؟" ماما اور روشی دونوں نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً اخبار پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ابھی آتی ہوں۔" وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ اس کا انداز بڑا پرجوش تھا۔ اپنے بیگ سے موبائل نکال کر اس کا ارادہ اس خبر کو شہوار کے سے ڈسکس کرنے کا تھا۔

......☆☆☆......

عبدالقیوم صاحب اس وقت اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھے اپنے وکیل پر بڑی بری طرح برس رہے تھے۔

ان کے بائیں طرف صوفوں پر عادلہ اور ان کی بیگم بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبکہ اندر اپنے کمرے میں کل رات ڈسچارج ہو کر گھر آنے والی کاشفہ بھی اپنے باپ کو گرجتا برستا سن رہی تھی۔

"ہمت کیسے ہوئے ان اخبار والوں کو ابھی پتا کرو کس نے ان کو دی ہے یہ خبر۔ کسی طرح یہ خبر روکو۔" وہ غصے سے اپنے وکیل سے کہہ رہے تھے۔

"سر اب یہ ممکن نہیں۔ صبح کے تمام نیوز پیپرز میں یہ خبر ہے۔"

"...کون ہے اس سب کے پیچھے؟" انہوں نے مشتعل ہو کر پوچھا۔

"...تو پولیس ہی اس سارے کیس کو ڈیل کر رہی ہے۔ مزید اطلاعات نہیں مل رہیں۔"

"اور پولیس کو کون ہینڈل کر رہا ہے اور یہ امجد خان کے متعلق ابھی تمام ڈیٹیلز مہیا کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ ایسی ناہنجار اولاد ہے آئے دن میرے لیے یہ لڑکا نت نئے مسئلے کھڑے کیے رکھتا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے کالج سے نوٹس آیا کہ اس کے برے کردار اور مختلف سرگرمیوں کی بدولت کالج والوں نے اسے نکال دیا ہے اور اب یہ نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔" وہ اٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلتے خاصے برہم ہو رہے تھے۔

آج تک کسی پولیس والے کو ہمت نہیں ہوئی تھی کہ ان کے بیٹے کو حراست میں لے۔ یہ پہلا موقع تھا ان کا پریشان ہونا فطری بات تھی اور وہ اچھے خاصے گھبرا بھی گئے تھے۔ خود تو وہ جرم بھی ایسے کرتے تھے کہ آج تک ان کے خلاف کسی کے ہاتھ ایک ثبوت بھی نہیں لگا تھا اور اب ایاز کی وجہ سے وہ پھنس رہے تھے۔

"آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ آرام وسکون سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ معمولی ایشو ہے دے دلا کر ہینڈل کر لیں۔" عادلہ نے اس سچویشن میں بھی اپنے اس مخصوص پُراعتماد انداز میں کہا تو انہوں نے بیٹی کو گھورا۔

"تم لوگوں کا کیا بھگت رہا ہوں میں' کیا کمی آنے دی ہے میں نے اسے...... جتنی رقم چاہتا ہے بینک سے آئے دن نکلواتا رہا ہے اب ایسے لوگوں پر لاکھوں خرچ کرنا پڑیں گے کیا میں اسی لیے کما رہا ہوں کہ تم تینوں بہن بھائی دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہو۔" انہوں نے اچھی خاصی عادلہ کو سنا ڈالی تھیں وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"اور یہ اتنا معمولی ایشو بھی نہیں ہے۔ یہ اسپیشل پولیس ہیں جن کے ساتھ اس نے پنگا لیا ہے۔ اتنی جلدی دے دلا کر یہ کیس ختم نہیں ہونے والا۔"

"آپ ابھی چلیں میرے ساتھ اور امجد خان سے بات کریں میں بات کرتا ہوں کسی نہ کسی سے ایک دو گھنٹوں میں ایاز کو باہر نکلوانے کی کوشش کریں۔" عبدالقیوم صاحب اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اب وکیل صاحب سے کہہ رہے تھے۔

"جو بھی خرچہ ہوگا اس کی ٹینشن نہ لیں۔ یہ میری ریپوٹیشن کا سوال ہے۔ پتا نہیں کب اس لڑکے کو سمجھ آئے گی اور جو اہلکار زخمی ہوا ہے اس کا کیا حال ہے بچ تو گیا ہے نا؟" وہ اب وکیل سے پوچھ رہے تھے۔

"جی گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی اور جو گاڑی کا مالک تھا اس کے بارے میں ابھی کوئی کلیئر کٹ تفصیل نہیں مل رہی اور جو دوسرا ساتھی تھا اس کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا۔ آخری اطلاع یہی تھی کہ ایاز صاحب پر خاصا تشدد ہو رہا ہے۔" وکیل نے بتایا تو تینوں وجود ایک دم خاموش ہو کر رہ گئے۔ عادلہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ بیگم عبدالقیوم تو سسکیوں میں شدت سے روئیں۔

"ہائے میرا بچہ۔" اور عبدالقیوم صاحب کے چکر لگانے میں ایک دم شدت در آئی تھی۔

"آپ کی اتنی سورس ہے کسی سے بات کریں گھر بیٹھ کر اس طرح مسئلہ حل تو نہیں ہوگا۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہا۔

"اس کی جگہ خود جا کر تھانے بیٹھ جاؤں کیا؟" انہوں نے بیگم کو کھا جانے والے انداز میں جواب دیا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں وکیل صاحب' ایاز کا چند گھنٹوں میں حوالات سے باہر آنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ آج کے اخبارات کی خبر نے جو تہلکہ مچا دیا ہے میرا اسٹیٹس متاثر ہو کر رہ گیا ہے۔ چند ایک لوگوں سے ملتے ہیں وہ کر لیں گے اس مسئلے کو ہینڈل۔" انہوں نے خود پر قابو پاتے وکیل صاحب سے کہا تو انہوں نے فوراً سر ہلایا۔

"اور جیسے ہی ایاز باہر نکلتا ہے سب سے پہلے تو ان اخبار والوں کی خبر لینی ہے انہیں جرأت کیسے ہوئی میرے خلاف ایسی خبر شائع کرنے کی۔" وہ مزید کہتے وکیل صاحب کو اپنے ہمراہ لیے وہاں سے نکل گئے تو عادلہ نے مام کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ڈونٹ وری مام سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کو پتا تو ہے وہ ایسے تھرل کرتا رہتا ہے۔ چند گھنٹوں میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ ڈیڈ بس اس لیے پریشان ہو رہے ہیں کہ یہ خبر نیوز پیپرز میں آ گئی ہے ورنہ وہ پہلے بھی تو ایسے بڑے بڑے مسئلوں کو بہت جلد حل کر لیتے تھے۔ اب بھی حل کر لیں گے۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" عادلہ کی بات پر اس کی ماں نے محض سر ہلا کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

❀......☆☆......❀

وہ کل رات والے واقعے کے بعد بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ وہ بات جو وہ خود سے بھی چھپانا چاہتی تھی اب ہر کوئی اس کے بارے میں جان چکا تھا۔ شرمندگی و ندامت ایسی تھی کہ اس کی زبان بالکل گنگ ہوچکی تھی۔ وہ ساری رات اس قدر روئی کہ لگتا تھا کہ اب زندگی میں کسی اور سانحے کو رونے کے لیے آنسو نہیں بچے ہوں گے۔

وہ اس وقت بھی اپنے بستر پر لیٹی آنکھوں پر بازو رکھے سونے کا تاثر دیتی اپنے اندر اٹھتی ایک قیامت سے نبرد آزما تھی کہ اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا جو رات بھابی اس کے پاس رکھ گئی تھیں۔ رات بھابی نے ہی اسے بتایا تھا کہ کس طرح انہوں نے اس کے موبائل کے ذریعے مصطفیٰ کے نمبر پر کال کی تھی اور وہ لوگ اچانک وہاں نہیں آئے بلکہ صورتحال جان کر انہوں نے دروازے کے عقب میں رہ کر تمام پچویشن کا جائزہ لیتے ہوئے تمام تر دفاعی حکمت عملی کو سامنے رکھ کر بالکل اچانک اندر آنے کے بجائے باہر رہ کر ہی ایاز کے باہر آنے کا انتظار کیا تھا اور پھر جیسے ہی شہوار نے دروازہ کھولا تھا وہ تینوں شیر کی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔

ایاز جو پہلے ہی دروازہ ان لاک دیکھ کر بھابی کی طرف پلٹا تھا اور اس کی اس ایک لمحے کی بے خبری نے ہی تینوں کو موقع فراہم کیا تھا کہ وہ اسے اپنے شکنجے میں کس لیں۔ گزشتہ شب گزری واردات ایک دفعہ پھر اس کی آنکھوں کی اسکرین پر فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے بہت اکتا کر موبائل اٹھا کر دیکھا تو انا کا نام دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"السلام علیکم!" اس نے کال پک کرلی تھی۔

"وعلیکم السلام!"

"کیسی ہو؟" انا پوچھ رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ......؟"

"کالج آرہی ہو؟" انا نے مزید پوچھا۔

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا جس سے ہاں یا ناں کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔

"تم نے آج کا نیوز پیپر دیکھا۔ بڑی فنٹاسٹک قسم کی خبر ہے۔" وہ جو پہلے ہی الجھی ہوئی تھی انا کے الفاظ پر ایک دم چونک کر ٹھٹک گئی۔ تو کیا اس کی ذلت کی داستان اب ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔

"ایاز عبدالقیوم کے متعلق خبر ہے۔" وہ مزید کہہ رہی تھی۔ شہوار کو لگا کہ وہ بس ابھی اپنے حواس کھودے گی۔

"کہ......کہ......کیسی خبر؟" شہوار کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"اوہ......اس کا مطلب ہے تم نے آج پیپر نہیں دیکھا۔ ایسا کرو تم پیپر دیکھ لو۔ میں کالج کے لیے نکل رہی ہوں۔ باقی ڈسکشن وہاں جا کر ہوگی اوکے سی یو۔" اس نے کال بند کی اور شہوار کو لگا کہ بس اس کی سانس بند ہونے کی کسر باقی ہے۔

رات بابا جان نے کہا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہوجائے گا اور اب انا کی کال کے بعد اسے لگا کہ وہ بس مرجانے والی ہے۔ اس کی ذلت و تباہی کی داستان اب ساری دنیا کے سامنے تھی۔ ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو رخشندہ راہداری سے گزرتی دکھائی دی۔

"رخشندہ۔" اس نے پکارا۔

"جی بی بی۔" وہ فوراً حاضر ہوئی۔

"سب لوگ کدھر ہیں۔" شہوار نے پوچھا۔

"صاحب لوگ تو کاموں پر نکل گئے ہیں اور باقی لوگ ابھی ناشتا کررہے ہیں۔"

"تم باہر سے کوئی اخبار لادو آج کا۔" وہ اسے کہہ کر واپس اپنے بستر پر آ بیٹھی تھی۔ وہ رات سے کمرے میں بند تھی ابھی تک اسی لباس اور چادر میں تھی۔ رخشندہ کے بجائے اخبار عائشہ لے کر آئی تھی۔ اسے دیکھ کر شہوار کے اندر احساس ندامت بڑھ گیا۔ وہ اس سے نگاہیں چرا گئی تھی۔

عائشہ نے اسے اخبار تھمایا۔

"ناشتہ بھی کروگی یا ٹھہر کر؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ رات سے گم صم تھی اور ابھی چند جملے اس کی زبان سے سن کر وہ قدرے بہتر ہوئی تھی۔

"ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کچھ کھالو۔ میں لے آؤں ناشتا؟" اس نے پھر پوچھا۔

"نہیں جب طلب ہوگی میں خود جا کر کچھ لے لوں گی۔"

"اوکے۔" عائشہ اس کے پاس ہی بستر پر ٹک گئی تھی اور پھر اس کے ہاتھ سے اخبار کھول کر ایک اندرونی صفحے کو سامنے کرتے ہوئے اس پر انگلی رکھ کر شہوار کے سامنے کیا وہاں ایک خبر تھی۔

"یہ پڑھو۔"

"شہر کے مشہور مایہ ناز بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔" خبر ایسی تھی کہ وہ چونک گئی تھی ساتھ میں ہتھکڑی میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی اس نے فوراً باقی کی تفصیل پڑھنی شروع کردی تھی۔

وہ جوں جوں خبر پڑھ رہی تھی اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ تفصیلات کے ساتھ ساتھ جائے واردات کی تمام تر فوٹو گرافی بھی ساتھ تھی۔ ایک طرف گاڑی کے مالک کی اسٹریچر پر لیٹے تصویر تھی تو دوسری طرف جس اہلکار کو گولی لگی تھی وہ بھی دکھایا گیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" شہوار نے سر تھام لیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ پل بعد اس نے عائشہ کو دیکھا۔

کل ساری رات مصطفیٰ گھر سے غائب رہا تھا۔ شہوار ساری رات جاگتی رہی تھی۔ گیٹ پر ہونے والی ذرا سی آہٹ پر بھی وہ چونک جاتی تھی۔ صبح فجر کے قریب وہ گھر لوٹا تھا تو کیا وہ کل ساری رات اسی لیے غائب تھا۔

"بابا نے بھائی کو سختی سے منع کردیا تھا کہ اس کیس کو اس طرح ہینڈل کرنا ہے کہ کسی کو شبہ تک نہ ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟" عائشہ پرسکون تھی۔

"اور وہ ہوٹل کا عملہ اور انتظامیہ؟"

"ان سے بابا جان اور بھائی نے بات کرلی تھی۔ ویسے بھی وہ لوگ خود بھی بعد کے مسائل کا سامان کرنے سے اجتناب برت رہے تھے۔ سو وہ اس کیس میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔" عائشہ نے مزید بتایا۔

"اور جو گاڑی کا مالک تھا وہ کون ہے اور اس اہلکار کو کس نے گولی ماری ہے؟" شہوار کا دماغ یہ ساری صورتحال پڑھ کر اچھا خاصا الجھ گیا تھا۔

"پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایسے لوگ عام مل جاتے ہیں آفیسر کے لیے ایسی صورتحال کری ایٹ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ صدر تھانہ کے نزدیک واردات کوئی پاگل انسان ہی کرسکتا ہے۔ مگر چونکہ کیس بنانا مطلوب تھا سو اب اس کیس کی باقی کڑیوں کو ملانا ان لوگوں کا کام ہے۔ ایاز کے والد کوشش کریں گے کہ کیس بس لے دے کے ختم ہوجائے کیونکہ اس سے اس کی اپنی ساکھ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ جبکہ بابا اور دیگر لوگ اس کیس کو آخر تک الجھانے کے چکر میں ہیں۔ آخر ایاز کو بھی تو پتا چلے کہ کسی آفیسر کی بہو بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی لذت کیا ہوتی ہے؟" شہوار اس سارے عرصے میں پہلی بار پرسکون ہوئی تھی۔

"اور اگر کسی کو پتا چل گیا کہ یہ اصل میں صورتحال کچھ اور ہے تو......؟"

"کیسے پتا چلے گا......امپاسبل ہے یہ کہ کسی کو پتا چلے کہ کور اسٹوری کچھ اور ہے؟ ہاں ایاز جب اپنے والدین یا لوگوں کو بتائے گا تو بھی کسی کی زبان پر ہمارا نام نہیں آئے گا کیونکہ رات سے اس پر پہلے ہی کئی طرح کے کیسز بن چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں اس کا سابقہ ریکارڈ بھی کھولا جاچکا ہے اور بہت جلد اور بھی واقعات منظر عام پر آئیں گے۔ دیکھنا ان لوگوں کے مخالفین بھی ہمیں

مواد فراہم کریں گے اور ان سب معاملات کی صورت میں اس کا والد ایک نیا کیس کھولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ ہمارا وہ لے انکار کرے مگر اصل صورت حال کسی کے سامنے نہیں آئے گی۔ کیونکہ ہماری کور اسٹوری بہت جاندار ہے۔" عائشہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھی اور اس کا اطمینان اور سکون دیکھتے ہوئے شہوار کے اندر بھی ایک گہرا اطمینان اترتا چلا گیا تھا۔

بے شک اس کیس کی وجہ سے وہ پریشان تھی مگر اس کا دل پھر انجانے درد میں مبتلا ہو گیا۔ وہ بھلے دنیا کے سامنے ذلت اٹھانے سے بچ گئی تھی مگر اس خاندان کے سامنے تو اب کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔ کتنا بڑا قرض لاد دیا تھا ان لوگوں نے اس پر۔ صرف اسے بدنامی کے گہرے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا بلکہ اس قدر مضبوط پلاننگ کر کے اس کے گرد ایک مضبوط تحفظ کا جو حصار کھینچا تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب ان لوگوں کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی ہے۔ اتنا کچھ تو کوئی اپنا بھی نہیں کرتا جتنا یہ لوگ اس کے ساتھ کر رہے تھے۔ کاش وہ اپنی جان دے کر ان لوگوں کے اس عظیم احسان کا بدلہ چکا سکتی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی بھر آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔ ماں جی تمہارے اس طرح گم صم انداز پر بہت پریشان ہیں۔" اخبار ایک طرف رکھ کر عائشہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو اپنی پوروں سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھہرو میں ذرا منہ دھولوں۔" وہ واش روم میں چلی آئی۔ منہ ہاتھ دھوتے آئینے میں اپنی صورت دیکھتے وہ گنگ رہ گئی۔

چہرے کے بائیں طرف رخسار پر بہت بڑا گہرا نیل تھا اب زخم پر سوجن بڑھ گئی تھی۔ رات سے وہ اس قدر نڈھال تھی کہ ایک بار بھی آئینے میں خود کو نہ دیکھ پائی تھی زخم میں اٹھتے درد اور ٹیسوں کے باوجود اس کا دل آئینے میں اپنی صورت دیکھنے کو نہ کیا تھا۔ آنکھیں الگ گریہ زاری سے سوج کر سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"کیا میں اس صورت کے ساتھ سب کا سامنا کروں گی؟" اس کے دل سے درد کا ایک لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لب بھینچ کر دل سے آہستہ آہستہ چہرہ صاف کرتے باہر نکل آئی جہاں عائشہ اس کی منتظر تھی۔

"چلو۔" وہ اس کے ساتھ بڑے غیر محسوس انداز میں رخسار کے بائیں طرف چادر کا پلو کیے دروازہ کھول کر نکل رہی تھی جب راہداری سے گزرتا مصطفیٰ ان دونوں کو دیکھ کر رکا تھا۔ شہوار نے فوراً اس کی طرف سے رخ بدلا تھا۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا کرنے کی جرأت کر سکتی تھی مگر اس شخص کے سامنے آنے کی ہمت نہ تھی۔

مصطفیٰ نے پہلی نگاہ میں ہی اس کے یوں رخ بدلنے پر بغور دیکھا تھا۔

"کدھر جا رہی ہو؟" وہ عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

"شہوار نے ناشتا نہیں کیا تو اسی کو لینے آئی تھی۔" مصطفیٰ نے عائشہ کے جواب پر شہوار کو دیکھا وہ وہاں رکنے کے بجائے واپس کمرے میں جا کر کھڑکی کے پاس پشت کیے کھڑی ہو گئی تھی۔

"میری بلیو لائننگ والی شرٹ نہیں مل رہی کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا تم پلیز ذرا ڈھونڈ دو۔ مجھے آفس بھی جانا ہے۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔" وہ اپنی بہن سے کہہ رہا تھا۔

"ابھی......؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یس ابھی۔" مصطفیٰ کی نگاہ ابھی بھی شہوار پر تھی۔ عائشہ نے دونوں کو دیکھا اور سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

مصطفیٰ نے اسے یونہی کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھا تو قدم بڑھاتا دروازہ بھیڑتا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی آمد کو محسوس کر گئی تھی مگر پلٹ کر دیکھنے کی ہمت مفقود تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" وہ پوچھ رہا تھا اس کی آواز بہت نزدیک سے آئی تھی وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ مگر پلٹی نہیں تھی۔

"شہوار......" اس نے پکارا تو وہ مضبوطی سے کھڑکی کا پٹ تھامے کھڑی رہی وہ کبھی بھی اس قدر خراب صورت کے ساتھ اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اب تو ہمت ہی نہ تھی۔ مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ لرز سی گئی۔

"شہوار......ادھر دیکھو۔" اس کے لہجے میں سختی تھی مگر وہ اسی طرح جمی رہی تو مصطفیٰ کے اندر ایک شدید سی لہر اٹھی۔ ایک دم اس نے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ یہ اس قدر اچانک اقدام تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ سکی تھی۔

مصطفیٰ کے اس ردعمل کی توقع نہیں کر رہی تھی ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی مگر کھڑکی سے ٹکرا کر رہ گئی تھی۔ مصطفیٰ اس کے بالکل قریب تھا۔ اس نے بے اختیار چادر کے پلو پر ہاتھ رکھتے اپنے چہرے کو چھپانا چاہا تھا۔ مگر مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ ہٹاتے چادر کا پلو اس کے رخسار سے پیچھے کر دیا تھا وہ سہم کر اب مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کے رخسار کے زخم کو دیکھتے لب سختی سے بھینچ لیے تھے۔ اس کی انگلیوں نے اس کے زخم کو چھوا تھا۔ شدت ضبط سے اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

"بہت بڑی سزا جھیلے گا وہ اس ایک زخم کی۔" وہ پھنکارا۔

اس کے خاندان میں عورت کو بہت عزت و احترام سے رکھا جاتا تھا۔ بہت عزت دی جاتی تھی۔ یوں خیال رکھا جاتا تھا گویا کوئی نازک پھولوں کی کلی ہو۔ اسے یاد تھا کہ اس کے باپ یا بھائیوں میں سے کسی نے بھی اس کی ماں یا بہنوں کو اونچی آواز سے کبھی مخاطب نہ کیا تھا۔ ہمیشہ ادب اور احترام دیا تھا بڑا اسلجھا رویہ تھا۔ ان سب کے دلوں میں عورت ذات کے لیے ایک ایسا احترام بھر دیا تھا کہ اتنا عرصہ والدین سے اور ایک غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ نے اس تقدس کو پامال نہیں کیا تھا اور یہ لڑکی وہ تو اسے بڑی شدت سے اپنے اندر کہیں بہت زیادہ محسوس کرنے لگا تھا بھلا اس کی تکلیف کیسے سہہ جاتا؟ اس کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شہوار کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔ اس کے اندر ایک شدید تکلیف و اذیت سے بھری لہر اٹھی تھی۔ شہوار نے پلٹنا چاہا تو اس نے اس کا بازو تھام کر اس کو ایسا کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ مصطفیٰ کی گرفت میں بہت سختی تھی۔

"سی......!" وہ کراہ کر رہ گئی۔ اس نے ایک دم اپنے دوسرے ہاتھ سے مصطفیٰ کے ہاتھ کو ہٹاتے اپنے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ شہوار کے چہرے پر بڑے تکلیف دہ احساسات تھے۔

"کیا ہوا؟" مصطفیٰ نے فوراً اس کے چہرے پر رقم تکلیف پڑھی تھی اور پھر اس کی نگاہوں نے شہوار کے بازو تک سفر کیا تھا۔

"کیا ہوا ہے بازو کو؟" وہ اپنے اسی مخصوص لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ نفی میں سر ہلا کر پلٹی تھی مگر مصطفیٰ نے اسے کندھے سے تھام کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو تھام رہا تھا۔

"نہ......نہ......کچھ نہیں ہوا؟" وہ گھبرا گئی تھی مگر مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ کو نظر انداز کیے اس کا بازو پکڑ کر اس کے بازو کی آستین دوسرے ہاتھ سے الٹ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی اس کے بازو پر گرفت ایک دم سخت ہو گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی بازو نہ چھڑوا پائی تھی۔

"کہا ہے نا......کچھ نہیں ہوا۔" اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ ہٹاتے اس کی آستین اوپر چڑھا دی تھی۔ اب بازو سامنے تھا۔ کہنی سے اوپر بازو پر نہ صرف گہرے نیل تھے بلکہ کسی چیز سے رگڑ لگنے کی صورت میں وہاں خراشیں بھی تھیں اور جہاں جہاں گہری خراشیں تھیں وہاں سے اسکن اتر چکی تھی۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا تو وہ نگاہیں چرا کر ایک دم بازو چھڑوا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ کر اپنے بازو کو دیکھا۔

کل جب وہ شخص بھابی کو دھکا دے کر ان سے آفاق کو چھین کر اس کی طرف بڑھا تھا تو اس نے اس کے اس بازو کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑا تھا تب اسے لگا تھا کہ اس کا بازو مسل دیا گیا ہے اور پھر اس نے اس کو جب دیوار کی طرف دھکیلا تو اس کا یہی بازو دیوار سے بری طرح رگڑا تھا۔ تب وہ خوف کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ پائی تھی مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اس کے جسم سے بہت سے اندرونی و بیرونی درد جاگ اٹھے ہیں اور سب سے بڑا درد تو یوں سر عام ذلت اٹھانے کا تھا جس کی شاید کسی کے بھی پاس کوئی دوا نہ تھی کوئی مرہم نہ تھا۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں یہ کیسے ہوا ہے؟" وہ اب قدرے اونچی آواز اور خاصے غصے سے بولا تھا۔ اسے رہ رہ کر شہوار کی اس خاموشی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں خاموش تھی......بات کیوں نہیں کرتی؟ وہ مصطفیٰ کے یوں غصے سے لبریز اونچی آواز پر بے اختیار رو دی۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

مصطفیٰ نے چند پل شہوار کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ناقابل فہم غیض و غضب کے علاوہ شدید انتقامی جذبات بھی آ رہے تھے۔ شہوار یک دم خوف سے کانپ اٹھی۔ مصطفیٰ کے تاثرات بڑے پتھریلے تھے۔ مصطفیٰ کے چہرے پر صاف لکھا تھا وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا وہ اس کے ساتھ ضرور کچھ بہت برا کرے گا۔

"اس نے بہت برا کیا...... بہت برا...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ بہت غیض بھرے انداز میں کہہ کر پلٹا تو شہوار ایک دم پریشان ہوگئی۔

"مصطفیٰ......!" وہ اب اپنی وجہ سے اس خاندان کو مزید مسئلوں میں نہیں الجھانا چاہتی تھی۔ فوراً بھاگ کر اس کے سامنے آئی اور ایک دم اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

"آپ کچھ نہیں کریں گے۔" وہ بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ مصطفیٰ اس کی پروا کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

"مصطفیٰ پلیز۔" وہ دروازہ کھول رہا تھا جب وہ پھر اس کے سامنے آ کر نہ صرف تیزی سے دروازہ بند کر گئی تھی بلکہ بہت جلدی میں اس نے لاک کا بٹن بھی دبا دیا تھا۔

"شہوار وہ اب تک محض اس لیے بچا ہوا تھا کہ مجھے نہ صرف اس خاندان کی عزت کا پاس تھا بلکہ تمہارے جذبات و احساسات کی بھی فکر تھی۔ آئی سویئر اس نے تم پر ہاتھ اٹھا کر بہت برا کیا ہے۔ میں اس کی جان لے لوں گا۔ اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔" وہ شدید غیض و غضب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ شہوار اس کا ہیجانی انداز دیکھ کر لرز اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں واضح انتقام کی جھلک تھی یوں جیسے وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔

"مصطفیٰ پلیز۔" شہوار کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح ہینڈل کرے کہ اس کے یہ انتقامی جذبات سرد پڑ جائیں وہ نارمل ہو جائے۔

مصطفیٰ نے اسے یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر بہت غصے سے ہاتھ دیوار پر مارا تھا۔ شہوار مزید سہم گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک غصیلی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی مگر اسے خوف سے لرزتے دیکھ کر وہ ساکت ہوا اور پھر بغیر سوچے سمجھے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کر لیا تھا۔

"اس انسان کے لیے اتنا رحم جو نہیں جانتا کہ انسانیت کیا ہے؟" وہ کہہ رہا تھا شہوار تو پہلے ہی اس کے تیوروں سے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔

"تو پھر کیا کروں میں...... بولیں کیا کروں؟" اس کے الفاظ پر سسکتے ہوئے وہ بغیر سوچے سمجھے مصطفیٰ کے کندھے پر سر رکھ کر شدت سے رو دی تھی۔ "میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو کچھ ہو۔" مصطفیٰ اس کے اس ری ایکشن پر ساکت کھڑا اس کے ہچکولے کھاتے وجود کو دیکھے گیا وہ ابھی تک کل رات والے لباس اور چادر میں ملبوس تھی۔ مگر اس وقت اس کا وجود بری طرح ٹوٹا ہوا تھا۔ کل جب اس کی نگاہ اس کے سجے سنورے سراپا پر پڑی تھی تو کیسے اس کا حسین جہاں سوز سراپا مصطفیٰ کے دل میں طغیانی سی مچا گیا تھا۔ جذبات میں ایک شدید تلاطم سا برپا ہوا تھا۔ جذبوں نے کیسے کیسے رنگوں سے انگڑائیاں لی تھیں۔ یوں کہ وہ دل و نگاہ کی تمام گہرائیوں تک معطر ہو گیا تھا مگر اب......

وہ اسی لباس و چادر میں تھی مگر اس کا وجود کیسے شکست خوردہ لگ رہا تھا...... وہ بالکل نڈھال خوفزدہ تھی۔ کب اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کا یہ بے نیازی والا انداز ختم کرتے ہوئے اس کا سارا غرور چھین کر اس کے ادائے بے نیازی کو ختم کر دے گا کیا پتا تھا کہ اس کی ذات پر شہوار کی جان بوجھ کر بے نیاز دکھانے والی یہ ادا کس قدر جچتی تھی اور اب وہ کیسے زخمی حالت میں بے بس ہو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا تو وہ چونکی تھی۔ وہ اتنی دیر سے مصطفیٰ کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ مصطفیٰ کا کندھا اس کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"اوہ...... خدایا وہ یہ کیا کر رہی تھی۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹی اور بغیر مصطفیٰ کی طرف دیکھے اپنے بستر پر جا کر گر سی گئی تھی۔ وہ اب شاید زندگی بھر مصطفیٰ سے آنکھیں نہ ملا پاتی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اس کو دیکھا اور پھر مزید ایک لفظ کہے دروازہ ان لاک کرتا وہاں سے نکل گیا۔

❀......☆☆......❀

وہ کالج آئی اور شہوار کو نہ پا کر حیران ہوئی اس کو کال کی تو پتا چلا کہ وہ آج کالج نہیں آئے گی۔ اناکو اس کی اس چھٹی پر حیرت ہوئی صبح جب بات ہوئی تھی تو اس نے ذکر تو نہیں کیا تھا زیادہ تفصیلاً بات تو نہ ہوسکی مگر وہ الجھ ضرور گئی تھی کہ کہاں ہمیشہ ریگولر رہنے والی لڑکی اب ایک دم اپنی ایجوکیشن سے غافل ہوتی یوں ڈھیر ساری چھٹیاں اوپر تلے کر رہی تھی۔ پچھلے دنوں چھٹیوں کی وجہ بنتی تھی مگر آج بغیر کچھ بتائے ہی اس نے چھٹی کر لی تھی۔ اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ اسے تفصیلی کال کرے گی۔ ویسے بھی ایاز والے معاملے پر ابھی اس نے اس کے ری ایکشن کا بھی جائزہ لینا تھا۔ چار بجے وہ گھر واپس آئی تو لاؤنج میں روشانے کے ساتھ ولید کو دیکھ کر چونکی وہ آج کل بے وقت اکثر گھر ہی میں پایا جانے لگا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ روشانے کے پاس ہی آ بیٹھی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں بہن بھائی نے جواب دیا۔ انا نے دیکھا وہ دونوں کوئی کارڈ تھامے دیکھ رہے تھے۔

"شادی کا کارڈ پرنٹ ہو کر آ گیا ہے کیا؟" اس نے روشانے کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔

"ہوں ابھی لے کر آیا ہوں...... ڈیزائن دیکھو کیسا ہے؟" ولید نے کہا تو اس نے سادہ مگر خوب صورت کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"بہت پیارا اور ڈیسنٹ ڈیزائن ہے۔" اس نے سراہا۔

"بھلا ڈیسنٹ کیوں نہیں ہوتا آفٹر آل میں نے سلیکٹ کیا ہے۔" ولید نے اپنے کالر کھڑے کیے تو وہ مسکرا دی اور بغور ولید کو دیکھا وہ گھر آنے کے بعد شاید لباس بدل چکا تھا۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصے ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے اب چند گھنٹے وہ اسی جگہ بہت سکون سے گزارنے والا تھا۔

"ویل ڈن...... چوائس اچھی ہے۔" اس نے کارڈ واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ ولید نے اسے دیکھا پچھلے دنوں کے برعکس وہ دن سے اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہو چکا تھا۔ اب وہ پھر سے سب میں اٹھنے بیٹھنے لگی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو انجوائے کرنے لگی تھی۔

"کھانا کھاؤ گی؟" روشانے نے پوچھا تو وہ سر ہلا گئی۔

"ہاں مگر پہلے چینج کر لوں تم صغراں کو کہو کھانا نکالے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔ بلکہ ادھر ہی لے آئے۔" اپنا بیگ اور بکس لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تو ولید نے باہر جانے تک اسے دیکھا تھا۔

"آج انا کا رویہ خاصا خوشگوار لگ رہا ہے؟" اس نے بہن کو بتایا۔

"ہوں کل سے بلکہ ایک دو دن سے وہ پھر پہلے والی روٹین پر آ گئی ہے۔"

"تم نے بات کی پوچھا خراب موڈ کا ریزن؟" ولید نے سوال کیا۔

"نہیں بس موقع ہی نہیں ملا پھر انا کا موڈ بھی بحال ہو رہا تھا تو میں نے خوامخواہ بات چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔" روشانے جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید نے سر ہلا کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔ پانچ منٹ بعد انا چینج کر کے آئی تو روشانے اس کا کھانا بھی ادھر ہی لے آئی تھی۔

کھانا کھاتے وہ روشانے سے مختلف باتیں کرتی رہی تھی۔ ٹی وی دیکھتا ولید گاہے بگاہے اس کے وجود پر نگاہ ڈال لیتا تھا۔ انا کا اس رات والا رویہ ولید کے لیے ابھی بھی ایک معمہ بنا ہوا تھا۔

"آج تو موڈ بڑا فریش ہے...... خیریت ہے؟" وہ روشانے کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسی تھی اور ولید جس کی توجہ اس کی طرف تھی اس نے پلٹ کر چھیڑا۔

"آپ کو دیکھ لینے کا اعزاز ہے۔" اس نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی تھی۔ لہجے میں کھنک تھی دونوں بہن بھائی مسکرا دیے۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" ولید نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے فریش موڈ کو برقرار رکھنے کے لیے مجھے اب چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ رہنا پڑا کرے گا۔"

ولید نے اس کے چمکتے روشن چہرے کو خوشگوار حیرت و تبسم سے دیکھتے مسکرا کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"میں نے بھلا ایسا کب کہا ہے؟"

"مجھے تو ایسا ہی لگا کہ تم نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی ہو۔" اپنی طرف سے ولید مذاق میں کہہ رہا تھا مگر انا کا پورا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔

تو کیا وہ اس کے دل تک رسائی حاصل کر رہا تھا یا کر چکا تھا۔ انا نے حیران ہو کر ولید کو دیکھا۔

"حیرت ہے مجھے کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ آپ دل کی باتوں کو بھی جان لیتے ہیں۔" ولید اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"محترمہ میں دل کی باتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دل کی بات کو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" روشا نے دونوں کی باتوں پر مسکرا کر برتن ٹرے میں رکھتے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

"تو پھر میرے دل کے بارے میں کیا جان پائے ہیں عزت مآب ولید ضیا صاحب۔" وہ کشن گود میں رکھ کر بڑے ریلیکس موڈ میں مخاطب ہوئی تھی۔

"یہی کہ دل کہیں الجھا ہوا ہے۔" ولید کا انداز خاصا شرارتی تھا۔

"ویسے مجھے دل کے حوالے سے ایک شعر یاد آ رہا ہے۔"

دل تو کہتا ہے کہ شاید ہے افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے نادان جاناں

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ ولید کے الفاظ پر بری طرح جھینپی تھی۔

"تو پھر کیسی بات ہے؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ اس نے شاید اسی لیے بات چھیڑی تھی۔

دل میں تعبیریں تھیں اپنی آنکھ میں مانگے کے خواب
خود کو ہی دھوکا دیا خود سے شرارت کی گئی

انا نے دھیرے سے شعر پڑھا تو وہ ایک دم متاثر ہوا۔

"زبردست۔" اس کا مطلب ہے میڈیکل پڑھنے والے اپنے اردو ادب سے اتنے بھی بے خبر نہیں۔" اس نے خوب سراہا تو وہ مسکرا دی۔

"جب ساری عمر باہر گزار کر آنے والے لوگ ہم سے شاعری کی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں تو کیا ہم جو دن رات پڑھتے اور بولتے ہی اردو ہیں اگر اردو زبان میں جواب دے لیں تو کیا مضائقہ ہے۔" انا نے دھیرے سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

"بہت خوب بٹ ڈیئر کزن یہ تھوڑا بہت ذوق بابا کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ بابا نے ساری زندگی دو ہی تو کام کیے ہیں جاب کے بعد ایک ہماری تربیت اور دوسرا اردو ادب کا مطالعہ۔ پاکستان سے دور رہتے ہوئے بھی انہوں نے ہمیشہ پاکستانی لٹریچر خصوصاً اردو لٹریچر کو اپنے گھر میں زندہ رکھا ہے۔ بابا کو شاعر حضرات' نقاد' مصنفین سے بہت لگاؤ تھا۔ ایسے میں ہمیں بھی تھوڑا بہت انٹرسٹ ہو گیا تھا۔" ولید نے تفصیلاً بتایا تو وہ دلچسپی سے اسے سنے گئی۔

"ہاں آپ کے اور ماموں کے رومز میں سے اکثر غزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"ہوں...... بابا غزلوں کے بہت شوقین ہیں وہاں بھی وہ بس پاکستانی غزل گو گائیکوں کی اچھی سی ڈیز اور البم اکٹھے کرتے رہتے تھے۔"

"آپ لوگوں کو کبھی خیال نہیں آیا کہ آپ لوگ اپنے ننھیال والوں سے ملیں؟" ماما نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ ان بہن بھائی سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی مگر اب اچانک اس کے منہ سے نکلا تو ولید نے بہت تعجب اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟" وہ پوچھ رہا تھا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

"یونہی...... بس ویسے ہی۔" ولید کے سنجیدہ انداز پر وہ بھی کنفیوژ ہو گئی تھی۔

"آئندہ ہم سے یہ سوال مت کرنا' رشتے وہی مضبوط' اہم اور پائیدار ہوتے ہیں جو خود آگے بڑھ کر اپنے ہونے کا احساس دیں اور جس رشتے کو ہم نے دیکھا نہیں محسوس تک نہیں کیا اس پر بات بھی کیوں کریں؟" ولید کا انداز بہت دوٹوک تھا۔ انا کو لگا کہ اس نے یہ سوال کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"آئم سوری۔"

"اٹس اوکے۔" وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ولید کا انداز ایک دم سنجیدہ اور لاتعلقی والا ہو گیا تھا۔ انا اسے کن انکھیوں سے دیکھتے خود پر خفا ہو رہی تھی خوامخواہ اس نے ایسا سوال کر کے اسے خفا کر ڈالا تھا۔ کتنے دنوں بعد تو وہ اس سے یوں دوستوں کی طرح بات کر رہا تھا اور وہ خود اپنی ذات کے حصار سے نکل کر اس کی کمپنی کو انجوائے کر رہی تھی۔ انا کو شدید تاسف نے آ لیا۔

"ولی......" انگلیاں چٹخاتے اس نے پکارا۔

"ہوں......" بغیر اسے دیکھے وہ بولا۔

"ناراض ہو گئے ہیں کیا؟" انتہائی خوفزدہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کے انداز پر خود ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا اسے تعجب ہوا۔

"نہیں' اس میں بھلا خفا ہونے والی کونسی بات تھی جو تم سے ناراض ہوتا۔ بس جب بھی کوئی ہم سے ایسا سوال کرتا ہے تو مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔ ہم نے صرف ایک رشتہ ہی اپنے اردگرد دیکھا ہے اپنے بابا کا۔ ماں کیا ہوتی ہے ہمیں نہیں پتا۔ بابا نے ہمیں ماں باپ بن کر پالا۔ دونوں کے فرائض پورے کیے۔ ہمارے دلوں میں کسی اور محبت یا رشتے کے متعلق کبھی کوئی فیلنگ ہی نہیں پیدا ہوئی ہاں تم لوگوں کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ محبت' خلوص' انسیت کا ایک انمٹ رشتہ ہے۔ بابا اور تم لوگوں کے ہوتے ہوئے ہمیں کبھی کسی اور رشتے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی تو پھر ملنے یا نہ ملنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔" ولید کا انداز اب کے بڑا اپنائیت آمیز تھا۔ وہ مسکرا دی۔

اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اب کبھی بھی ماما یا کسی دوسرے انسان سے یہ سوال نہیں کرے گی۔ یہ ذکر ولید کو اچھا نہیں لگا تھا۔ اب اس نے یہ بات کبھی اپنے دل و دماغ میں بھی نہیں لانی تھی۔ جو بات ولید کو نہیں پسند تھی وہ اس بات کو اب زندگی بھر نہیں دہرائے گی اس نے یہ طے کر لیا تھا۔

"آج آپ جلدی کیوں آ گئے تھے؟" اس نے بات پلٹی۔

"شادی کے لیے کچھ شاپنگ کا ارادہ تھا احسن کے ساتھ مگر وہ عین وقت پر دغا دے گیا کسی سے بہت ضروری ملنا پڑ گیا تھا۔ اب اکیلے جا کر کیا کرتا؟ سو پرنٹنگ ہاؤس سے شادی کارڈ لیے اور گھر چلا آیا۔"

"آپ اکیلے چلے جاتے؟" اس نے کہا۔

"اکیلے جانے میں کوئی حرج نہیں مگر ابھی تک پاکستان آ کر ایک بار بھی جینٹس کی شاپنگ کا موقع نہیں ملا۔ مجھے تو مارکیٹ کا ہی اندازہ نہیں کہ کون سی ورائٹی مارکیٹ میں ان ہے۔ اچھی گارمنٹس کہاں دستیاب ہیں؟" وہ ہنس دی۔

"تو اس میں مسئلہ کیا تھا روشی کو لے جاتے ساتھ۔ ان چند دنوں میں شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اسے ہر جگہ کا علم ہو چکا ہے۔ کون سی ورائٹی کہاں دستیاب ہے۔"

"ہوں...... آئیڈیا تو اچھا ہے۔ چلو آج اگر جلدی آ گیا ہوں تو تھوڑا بہت یہ کام بھی کر لیتے ہیں کیا خیال ہے چلو گی؟ تم تو اس شہر کی رہنے والی ہو تمہیں تو ساری مارکیٹ اور مالز کا علم ہو گا نا؟"

"میں...... اس وقت؟"

"کوئی حرج نہیں کافی ٹائم ہے ہمارے پاس دراصل احسن کو گفٹ دینے کے لیے کچھ خاص خریدنا تھا۔ تم تو اس کی بہن ہو تمہیں اس کی ہر طرح کی پسند و ناپسند اور چوائس کا علم ہو گا۔ روشی سے پوچھ لو اگر چلنا ہے تو فوراً ریڈی ہو جاؤ میں بھی چینج کر لیتا ہوں۔" ولید نے ریموٹ ایک طرف رکھتے فوراً پروگرام بنایا تھا۔

"اوکے میں روشی سے کہتی ہوں۔" وہ فوراً رضامند ہو گئی تھی۔



شاہزیب صاحب آفس سے لوٹے تو کافی پریشان لگ رہے تھے اور گھر آتے ہی سیدھا اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تو مہ النساء بیگم کے دل کو شدید تشویش نے آ گھیرا۔ وہ فوراً کمرے میں پہنچیں تو دیکھا شاہزیب صاحب بغیر لباس بدلے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے پریشان لگ رہے ہیں؟" انہوں نے شوہر کے قریب بیٹھتے پوچھا۔

"بس رات والے واقعہ نے ہی الجھا رکھا ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔

"کوئی پریشانی ہوگئی ہے پھر سے کیا۔ وہ تو حوالات میں بند تھا نا؟"

"وہ تو سب ٹھیک ہے اس کا باپ اور وکیل بڑی کوششیں کر رہے ہیں چھڑوانے کی امجد خان کے پاس کئی چکر لگا چکا ہے وہ شخص مگر مجھے اصل تشویش مصطفیٰ کی طرف سے لاحق ہو رہی ہے۔" انہوں نے قدرے دسانیت سے بتایا تو وہ چونکیں۔

"کیا ہوا ہے مصطفیٰ کو؟"

"مصطفیٰ کو کچھ نہیں ہوا رات تو وہ اچھا خاصا کنٹرول میں تھا صبح بھی ملاقات ہوئی تھی ٹھیک ہی تھا مگر اب تو اس پر صرف جنون سوار ہے کہ وہ اس شخص کو جان سے مار دے گا۔ کسی بھی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اچھا...... اب کیا مسئلہ ہوا ہے؟" وہ شوہر کی باتیں سن کر اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھیں۔

"آپ کو پتا تو ہے وہ کتنا تحمل مزاج ہے مگر جب کوئی بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تو پھر چین سے تب بیٹھے گا جب تک پوری نہیں کر لے گا؟ رات میری ہدایات کی وجہ سے چپ رہا تھا مگر آج جب واپس آفس کی طرف گیا تو وہ سیدھا امجد خان کے پاس حوالات میں پہنچا تھا۔ وہاں جاتے ہی اس نے اس لڑکے ایاز کی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالی تھی۔ آپ کو بتایا تو ہے کہ اچھا خاصا فائٹر ہے وہ اس معاملے میں اس کے چند وار ہی مقابل کو ادھ موا کر دینے کو کافی ہیں۔ وہ تو خیر ہوئی کہ امجد خان اور ساتھیوں نے زبردستی اسے وہاں سے نکال دیا تھا مگر جس طرح کے مصطفیٰ کے تیور تھے مجھے نہیں لگتا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر وہ اس لڑکے کو زندہ چھوڑے گا۔ امجد خان نے پریشان ہو کر مجھے کال کی تھی تو مجھے وہاں فوراً جانا پڑا۔ بڑی مشکل سے مصطفیٰ کو قابو کیا...... مگر اس کا جوش کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہا۔" انہوں نے تاسف سے سب بتایا۔

"اچھا خاصا اس لڑکے پر تشدد کیا ہے اگر اس کے باپ تک بات پہنچ گئی تو ایشو بن سکتا ہے ٹھیک ہے وہ ہمارے قبضے میں ہے مگر ہم بھی یہ سب قانون وقاعدے کے تحت کر رہے ہیں تو اب مصطفیٰ کو بھی خود پر کنٹرول کرنا ہوگا۔ مگر اس کے ذہن میں میرے بہت سمجھانے پر بھی یہ نکتہ فٹ نہیں ہو پا رہا۔"

"میرے اللہ...... اب وہ کدھر ہے؟"

"پتا نہیں مجھ سے بھی خفا ہو کر کہیں نکل گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے خاندان کی خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ جرم ناقابل معافی ہے وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میرے سمجھانے کے باوجود بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔" وہ مصطفیٰ کو لے کر خاصے پریشان لگ رہے تھے۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اسے رات میں ہی گھر واپس بھیج دیتا اور خود ہی سارا معاملہ ہینڈل کرتا یہ شروع سے ہی اس قدر جنونی رہا ہے جو بات ذہن میں بیٹھ گئی وہیں بیٹھ گئی۔ اسے ہوسٹلوں میں اسی لیے تو رکھا تھا کہ اس کی طبیعت کا یہ جنونی پن ختم ہو مگر وہاں جا کر بھی نجانے کیا کچھ کرنے لگ گیا تھا پریشان ہو کر پھر میں نے بلیک بیلٹ فائٹنگ کی ٹریننگ میں لگا دیا۔ یہ جنون تو کم ہوا مگر باہر جا کر بھی یہی کچھ کرتا رہا ہے ہمیں کیا پتا تھا اتنا بڑا فائٹر بن جائے گا۔ پاکستان آتے ہی اس نے کہا کہ وہ یہ جاب کرنا چاہتا ہے اس کا اس چیز میں انٹرسٹ ہے میں نے بھی ہامی بھر لی۔ اس کا شوق دیکھتے اس کی تربیت کروائی۔ امتحان دلوایا اتنا عرصہ نارمل ہی رہا ہے۔ اب ایک دم پھر وہی جنونی پن میں تو پریشان ہوگیا ہوں۔" وہ واقعی خاصے پریشان تھے۔

"آپ کے پاس تابندہ کی کوئی کال آئی؟" انہوں نے بیگم کو دیکھا۔

"نہیں میرے پاس تو نہیں آئی شہوار کا ہمیں پتا نہیں۔"

"اور شہوار کا کیا حال ہے؟ کوئی بات چیت کر رہی ہے کہ نہیں یا ابھی تک کمرے ہی میں بند ہے۔"

"ہاں آپ لوگوں کے جانے کے بعد ناشتا کرنے نکلی تھی۔ رات والی حالت تو نہیں مگر پھر بھی ایک شدید صدمے سے گزری ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی۔"

"ہوں...... اور اس کے چہرے کا زخم؟"

"عائشہ کو مسلسل اس کے ساتھ ہی لگایا ہوا ہے میں نے آتے جاتے مرہم لگا رہی ہے نیل قدرے کم ہوئے ہیں۔ اب جو جلد کے اندر زخم ہوا ہے وہ تو آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہوگا نا۔"

"مصطفیٰ کی جو کنڈیشن ہے میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے اب تابندہ سے بات کرتے ہیں مصطفیٰ کا شہوار کی طرف رجحان میں اچھا خاصا محسوس کر رہا ہوں وہ اس قصے میں اس قدر جذباتی شہوار کی ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تابندہ سے بات کر کے نکاح تو ہو جائے مصطفیٰ کی توجہ بھی بٹے گی اور اس کا جوش بھی کم پڑ جائے گا۔ مصطفیٰ کے لیے شہوار جیسی لڑکی کا انتخاب کیا ہی اس لیے تھا کہ مصطفیٰ کو اس جیسی لڑکی ہی ہینڈل کر سکتی ہے۔ وہ ٹھنڈے سبھاؤ اور مزاج والی لڑکی ہے۔" وہ مصطفیٰ والے واقعے کو لے کر خاصے پنجی ہو رہے تھے انہوں نے تفکر سے سر ہلا دیا۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ شہوار بھی تو راضی ہو؟ اس دن تابندہ نے آپ کو بتایا تو تھا۔"

"شہوار کو راضی کرنا اتنا بڑا مسئلہ نہیں وہ میں خود دیکھ لوں گا۔ اس کے اعتراضات عام نوعیت کے ہیں۔ ان کو ہینڈل کرنا مشکل نہیں۔"

"آپ مجھے یہ فون دیں میں ابھی تابندہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" شاہزیب صاحب کا انداز حتمی تھا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا سیٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

"ہیلو۔" انہوں نے کال ملائی تو دوسری طرف کوئی ملازمہ تھی۔

"میں شاہزیب بات کر رہا ہوں تابندہ بی کو بلواؤ۔" انہوں نے حکم دیا۔

"السلام علیکم صاحب جی ابھی بلواتی ہوں۔" وہ فوراً ریسیور رکھ کر چلی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی تابندہ لائن پر تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟" انہوں نے پوچھا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے آپ سنائیں۔"

"ہم بھی سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بابا صاحب کیسے ہیں...... اب طبیعت کیسی ہے ان کی؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"طبیعت تو خاصی سنبھل گئی ہے۔ ڈاکٹر دن میں کئی بار چکر لگاتا ہے۔ پھر ہم سب توجہ بھی دے رہے ہیں۔ اب تو وہ خود کمرے سے نکل کر حویلی میں گھوم پھر لیتے ہیں۔"

"ویل ڈن...... بہت اچھی امپرومنٹ ہے۔ زینب آپا اور زہرہ موجود ہیں یا چلی گئی ہیں؟"

"زینب آپا تو کل شام میں رخصت ہوگئی تھیں زہرہ ابھی موجود ہیں۔"

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے ذرا توجہ سے میری بات سنیے گا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف وہ الجھیں۔

"جی کہیے میں سن رہی ہوں۔"

"اس رات جب بابا صاحب کی خراب طبیعت کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی تو ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے اور آپ ہمیں شہوار کے راضی نہ ہونے کی وجہ بتا رہی تھیں؟" انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"جی۔" وہ سنبھل گئیں۔ وہ پتا نہیں مزید کیا کہنا چاہتے تھے۔

"مزید اس موضوع پر پھر ہماری بات نہ ہو سکی تھی۔ مگر اب میں آپ سے دونوں کے نکاح کی تاریخ مانگ رہا ہوں۔ اسی ہفتے کی کوئی تاریخ دے دیں۔ بابا صاحب سے بھی صلاح مشورہ کر لیں بلکہ میں خود ان کو کال کر کے پوچھ لیتا ہوں۔ آپ بتائیں آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے ایک دم عجلت میں سب کہا تو وہ حیران رہ گئیں۔

"اتنی جلدی مگر یہ کیسے ممکن ہے اور شہوار وہ تو سرے سے راضی ہی نہیں......!"

”بچے اس ایج میں ایسے ذہنی کرائسز سے گزرتے رہتے ہیں۔ شہوار سے میں خود بات کرلوں گا۔ کیا آپ کو ہم پر‘ ہمارے خاندان پر یا مصطفیٰ پر کوئی شبہ ہے؟“ وہ پوچھ رہے تھے دوسری طرف سے تابندہ بی فوراً کہا تھی۔

”نہیں‘ مصطفیٰ تو بہت اچھا لڑکا ہے شہوار کا نصیب بنے میری بھی شدید خواہش ہے مگر شہوار بھی میری ایک ہی بیٹی ہے اس کی مرضی کے بغیر کیسے کچھ کرسکتی ہوں۔ کسی کو پرکھنے کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے میں نے برسوں آپ لوگوں کے ساتھ گزارو یے ہیں پھر بھی شبہ والی گنجائش نکل آئے؟ ناممکن سی بات ہے مجھے آپ لوگوں پر اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسہ ہے۔“

”تو پھر بالکل بے فکر ہوجایئے۔ شہوار کے ری ایکشن کو ذہن پر مت لیں۔ وہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔ میں خود بات کرلوں گا۔ ہر ایک کو میں نے مصطفیٰ اور شہوار کے رشتہ طے ہوجانے کی خبر دے دی ہے۔ خاندان میں ہر کوئی باخبر ہے ایسے میں ہم پیچھے ہٹیں گے تو بہت سے سوال اٹھیں گے۔ یہ ہماری زبان اور ہماری آن کی بات ہے۔ پھر بتائیں نکاح کی کون سی تاریخ درست رہے گی۔“ ان کا اس قدر حتمی اور قطعی دوٹوک انداز تھا کہ تابندہ بی ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ شہوار کیسی ہے؟ آج اور کل سارا دن مجھے وقت ہی نہیں ملا کہ اسے کال کرتی۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ وہ پوچھ رہی تھیں۔

”جی بالکل ٹھیک ہے آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے آپ جب تک یہ سارا پروسس فائنل نہیں ہوجاتا شہوار سے بات نہیں کریں گی۔ وہ بچی ہے اس معاملے میں خاصی جذباتی ہے میں خود ہی ہینڈل کرلوں گا۔“

”جی ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

”اوکے..... پھر شہوار سے بات کرکے اور پھر بابا صاحب سے فائنل بات کرکے میں آپ کو اگیزیکٹ ڈیٹ بتا دیتا ہوں یا پھر آپ تاریخ فائنل کردیں۔“

”جی ٹھیک ہے آپ ہی فائنل کرلیں۔“ انہوں نے ہامی بھری۔

”اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“

انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو مہرالنساء بیگم نے فوراً کہا۔

”تابندہ مان گئی؟“

”جی..... آپ ایسا کریں میرے ساتھ ابھی شہوار کے پاس چلیں۔ میں اب اس معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔ جتنی جلدی فائنل ہو بہتر ہے۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں شہوار کے روم میں آئے تو وہ بالکل اکیلی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری بیٹا۔“ دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔

”جی ٹھیک ہوں۔“ وہ ابھی بھی چادر چہرے پر لیے ہوئے تھی ہاں البتہ وہ لباس بدل چکی تھی۔

”ہمیں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔“ شاہزیب صاحب نے کہا تو شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”جی کہیے۔“

”آپ ہمیں کیا حیثیت دیتی ہیں؟“ انہوں نے پوچھا تو وہ الجھی۔ نجانے وہ ایسا سوال کیوں پوچھ رہے تھے۔

”آپ کی میں بہت عزت کرتی ہوں۔ زندگی کے ہر میدان میں بابا صاحب کے بعد آپ نے جس طرح ایک باپ کی طرح میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے میرا خیال کیا ہے مجھے ہمیشہ ایک تحفظ کا احساس دلایا ہے آپ کی ذات میرے لیے بہت اہم ہے۔“ اس نے دل میں موجود جذبات کہہ دیے تو وہ مسکرا دیے۔

”مجھے آپ کے جذبات کے اظہار پر بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے میں مجھے کس قدر اختیار حاصل ہے آپ مجھے یہ بتائیں۔“ بہت شفقت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ حقیقتاً چونکی۔

”اس سوال کا کیا پس منظر ہوسکتا ہے؟“ وہ اندر ہی اندر الجھی۔

”آپ جو بھی حکم کریں میں آپ کی ہر بات مانوں گی مگر اس سوال کا مطلب؟“ شاہزیب صاحب نے اپنی بیگم کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں اب اگلی بات آپ کریں۔

”کل جو بھی واقعہ ہوا اس سے ہمیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے اسی ہفتے آپ اور مصطفیٰ کے نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔“

”جی.....!“ مہرالنساء بیگم نے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

”تابندہ نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ اپنے خاندانی مسئلے کو لے کر خاصی جذباتی ہورہی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ آپ مصطفیٰ کے ساتھ اس رشتے پر ابھی بالکل راضی نہیں ہیں ہم آپ کے جذبات کو اہمیت دیتے ہیں مگر شہوار بیٹا اس واقعے کی روشنی میں ہمارا یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ اس لیے ہم آپ سے یہ بات کرنے آئے تھے امید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہوگا۔“ شاہزیب صاحب کا دوٹوک اور فیصلہ کن انداز دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

وہ جو سرے سے اس رشتے پر ہی راضی نہ تھی ان کا فیصلہ سن کر گم صم ہوگئی۔ بھلا اتنی عجلت میں یہ سب کیسے ہوسکتا ہے؟

”ہمارے لیے ان حالات میں آپ کے تحفظ کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت ضروری تھا۔ ایاز جیسے لوگوں کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ بس یہ حفاظتی اقدام سمجھ لیں آپ۔“ وہ مزید کہہ رہے تھے۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے میں تو.....!“ اس نے گھبرا کر مزید کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”خاندانی لحاظ سے بعض فیصلے بہت اہم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم فیصلہ کرتے ہوئے کسی کا مالی و نسبی معیار ضرور دیکھتے ہیں مصطفیٰ ہمارا سب سے لاڈلا اور پیارا بیٹا ہے اس کے لیے ہماری چوائس بھی سب سے اعلیٰ تھی۔ میں نے زندگی میں ہمیشہ اسے سب سے اعلیٰ معیار زندگی مہیا کرنے کی کوشش کی ہے تعلیم ہو شوق ہو لباس ہو یا رہن سہن ہر چیز اس کو بہت اعلیٰ سطح کی مہیا کی ہے تو پھر اس کا لائف پارٹنر ایک عام درجے کا انسان بھلا کیونکر ہوسکتا تھا؟ سو آپ میرا انتخاب ٹھہریں۔ آپ اپنے والدین کے متعلق سوال کرتی ہیں تو ایک سوال کا مجھے بھی جواب دیں کیا آپ کو اپنے والد کے آئی ڈی کارڈ پر کوئی شک ہے؟“ وہ پوچھ رہے تھے اور وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

ہاں اپنے والد کی شناخت کے لیے اس کے پاس اپنی ذات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف آئی ڈی کارڈ ہی تو تھا۔ وہ آئی ڈی کارڈ جو اس کی ماں کے پاس اس کے والد کی ذات کے متعلق واحد ثبوت تھا۔

”تو پھر کس چیز پر آپ کو اعتراض ہے؟“ وہ پوچھ رہے تھے وہ گم صم ہوگئی تھی۔ اس کے اندر سوالات کی ایک بوچھاڑ تھی۔ اگر اس کی ذات کو تسلیم کرلیے جانے کے لیے ایک آئی ڈی کارڈ کافی تھا تو پھر دنیا کے بتائے ہوئے باقی مالی معیارات کہاں تھے؟ ان کو یہ لوگ کیوں نہیں دیکھ رہے تھے؟ وہ اگر قدم قدم پر ذلت سہہ رہی تھی تو کیوں؟ ایاز جیسا بدباطن آوارہ بدمعاش اس کے پیچھے لگا تھا تو کیوں؟ کوئی بھی کہانی بغیر وجہ کے جنم نہیں لیتی تو اس کہانی میں اس کا کردار کیا تھا؟ عادلہ جیسی خواتین اسے کم حیثیت‘ گندہ خون ہونے کے طعنے کیوں دیتی تھیں؟ کوئی وجہ تو تھی نا اس سارے سیٹ اپ کے پیچھے کچھ تو تھا؟ اگر وہ ایک آئی ڈی کارڈ کی محتاج تھی تو اس کی ماں باقی کی کہانی کیوں چھپائے ہوئے تھیں۔ آخر کیوں..... اور یہ لوگ اس سے رشتہ جوڑنے پر اتنے بضد کیوں تھے؟ اس کو یہ سارے اعتراضات تھے مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ بالکل گم صم اور گونگی بن گئی۔

”آپ مجھے اپنے والد کی جگہ سمجھتی ہیں۔ تو کیا ایک والد اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ کرسکتا ہے؟“ وہ پوچھ رہے تھے شہوار کو لگا کہ اس کے لبوں پر تالا لگ گیا ہے اس نے بے انتہا اذیت سے انہیں دیکھا وہ چاہ کر بھی انہیں کہہ نہ سکی کہ.....

”اگر یہ فیصلہ ہوگیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی ذات کا سارا مان‘ سارا غرور‘ سارا فخر کھو دے گی اور پھر وہ کبھی بھی اس خاندان کے کسی بھی فرد کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کرسکے گی۔ کسی کے بھی سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔“ یہ کیسی زندگی تھی وہ چاہ کر بھی فیصلے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ اپنی ذات کو یہیں کہیں ختم کرے دفن کر ڈالے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ مگر یہ سب اتنا آسان کب تھا؟ وہ تو ہمیشہ سے جانتی تھی کہ اگر بات ان بڑوں تک پہنچی تو وہ ان لوگوں کی محبتوں کے قرض تلے دب جائے گی ان کے احسانات کے بدلے ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے گی اور اب اس کے اندر ایک طوفان بلاخیز

اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر لفظ گونگے ہوگئے۔

"تمہارا بیٹا! پھر میں سمجھوں کہ آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں؟" وہ مزید کہہ رہے تھے وہ لب دانتوں تلے دبائے ایک دم شدت سے رودی تو مہر النساء بیگم نے اسے بہت تڑپ کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"بیٹا..... دل میں کوئی خیال مت لانا۔ یوں سمجھو تو تمہاری اور مصطفیٰ کی حفاظت کے لیے یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ تمہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے فیصلے کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے گا۔" اسے شدت سے روتے دیکھ کر ان کے دل کو بھی تکلیف ہوئی تھی مگر خود کو نارمل رکھتے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کے رونے میں مزید شدت در آئی۔

"میں زبردستی نہیں کررہا مگر یوں سمجھو بعض فیصلوں کو وقت پر کرلینا بہت ناگزیر ہوجاتا ہے۔" وہ مزید کہہ رہے تھے۔

"اور یہ فیصلہ بھی انہی ناگزیر فیصلوں میں سے ایک ہے۔" وہ اس کا سر تھپتھپا کر کھڑے ہوگئے تھے۔

وہ باہر نکلے تو مہر النساء بیگم کے سینے پر سر رکھے وہ شدت سے رودی۔

❀......☆☆......❀

وہ تینوں شاپنگ کرتے ہوئے کافی خوشگوار موڈ میں تھے۔ اِدھر سے اُدھر پھرتے مالز میں گھومتے ولید نے کافی کچھ خرید لیا تھا۔

"آپ لوگ ادھر دیکھ لیں میں نے ادھر کچھ چیزیں دیکھنی ہیں بابا کے لیے لے لوں۔" روشی ولی اور انا کو کہتے دوسری طرف چلی گئی تھی۔

"تم بھی کچھ لے لو انسان شاپنگ کے لیے آئے اور خالی ہاتھ جائے ناممکن سی بات ہے۔" اسے اپنے ساتھ یونہی گھومتے دیکھ کر ولید نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں..... آل ریڈی ہی ماما' بھائی' پاپا اتنا کچھ لاکر دیتے رہتے ہیں کہ میری الماری منہ تک بھری پڑی ہے۔ ماما کی بوتیک میں جو بھی نیا اسٹائل آتا ہے وہ سب سے پہلے میرے لیے لے آتی ہیں۔ ایسے کئی سوٹ ہیں جن کو میں نے آج تک ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر ان کے ساتھ میچنگ جیولری' جوتے باقی اشیاء وغیرہ گنجائش ہی نہیں رہتی اب تو کسی نئی چیز کے لیے۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"چلو میری جیب سے ہی کچھ لے لو پھر کہو گی کہ مطلبی انسان ہوں اپنی شاپنگ کرلی تمہیں ایک چیز بھی نہیں لے کردی۔" وہ کہہ رہا تھا انا نے جواباً کچھ کہنا چاہا کہ ولید کا موبائل بجنے لگا۔

"ایک منٹ یہ پکڑو ذرا۔" وہ خالی ہاتھ تھی ولید نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اسے تھمائے اور موبائل نکال کر کان سے لگایا۔

"وعلیکم السلام کیا حال چال ہیں؟" وہ خاصے پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز پر چونک کر انا نے اسے دیکھا۔

وہ انا کو اپنی طرف دیکھتے پاکر مسکرا کر ابھی آنے کا اشارہ کرتے چند قدم فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ کسی سے ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت اس قدر سحر طراز تھی اوپر سے اس کی گفتگو کا دلنشیں انداز وہ دنیا کی ہر چیز بھلائے بس اسے دیکھے جارہی تھی۔

"یہ کس سے اس قدر مسکرا کر بات کررہا ہے؟" کال کافی طویل ہوتی جارہی تھی۔ انا کے اندر کھدبدی ہونے لگی۔

"کیا دوسری طرف کوئی لڑکی ہے؟" اس احساس نے گویا اس کے وجود میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ پھر وہاں ایک پل بھی نہیں رکی تھی قدم خود بخود ولید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

"اوکے پھر کچھ دیر بعد ڈنر پر ملاقات کرتے ہیں۔" اسے اپنے پاس آتے دیکھ کر ولید کہہ رہا تھا۔

"ڈونٹ وری..... نہیں..... اس وقت تو بزی ہوں۔ روشی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا تھا۔" وہ مزید کہہ رہا تھا وہ ولید کے پاس آرکی تھی۔

"اوکے..... لیٹ سی یو آن ڈنر..... ڈن۔" نجانے کون تھا یا تھی۔ وہ بس ولید کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی احساس بڑا تکلیف دہ اور اذیت بخش تھا۔

"اوہ..... ہوں..... پھر ملتے ہیں نا اوکے۔" اپنی طرف انا کو متوجہ دیکھ کر اس نے چند اختتامی جملے کہتے کال بند کردی تھی۔

"کس کی کال تھی؟" وہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی تھی۔

تم نے کچھ بھی نہیں لیا یار' کچھ لے لو۔" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔ انا کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔

"مجھے کچھ نہیں لینا۔" اسے لگا اس کا وجود ایک دم برف کی سل میں ڈھل گیا ہے۔ وہ سختی سے کہتی پلٹی تھی۔ اسے ولید کا نظر انداز کرنا بہت برا لگا تھا۔ وہ اس شخص کے لیے کیا سے کیا ہورہی تھی اور اس شخص کو پرواہ نہیں تھی۔ کیسے بے پروائی سے اس کا سوال ٹال گیا تھا۔ ایک وجود آپ کے لیے مرجائے اور ہمیں ذرا بھی فیلنگز بھی چھو کر نہ گزریں۔ یہ کیسا تکلیف دہ احساس تھا۔ وہ سلگ اٹھی۔

"بھئی تمہارا گفٹ ابھی تک مجھ پر ڈیو ہے وطن واپسی پر سب کے لیے کچھ نہ کچھ لایا تھا سوائے تمہارے کہ مجھے تمہاری چوائس کا علم نہ تھا۔ موقع اچھا ہے۔ لگے ہاتھوں لے لو کچھ۔" وہ اس کے ساتھ قدم ملاتا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"گفٹ وہی اچھا لگتا ہے جو وقت پر دیا جائے اور جو چیز وقت گزر جانے کے بعد ملے وہ یا تو بوجھ ہوتی ہیں یا پھر قرض اور میں نے آپ سے کبھی کسی گفٹ کا تقاضا تو نہیں کیا؟ گفٹ تو دل کی تمام تر آمادگی' رضامندی اور خوشی سے دیے جاتے ہیں جبکہ بوجھ اور قرض تو کسی ناخوشگوار احساس کی طرح کندھوں سے اتارے جاتے ہیں۔" اس کا انداز اتنا سنجیدہ اور دوٹوک تھا کہ ولید نے نہایت چونک کر اسے دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں بڑا سلگتا سا احساس تھا۔

"مطلب؟" ولید نے اپنی خوب صورت دل کش آنکھیں انا کے چہرے پر ٹکائیں تو وہ بے چینی سے سر جھکا گئی۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ کہہ کر چلنے لگی تو ولید بھی ہمقدم ہوا۔

"یہ تمہارے موڈ کو ایک دم کیا ہوا ہے..... یہ اتنی سنجیدہ کیوں ہورہی ہو؟" وہ متفکر ہوتے پوچھ رہا تھا۔ انا اب بھی بالکل چپ رہی۔ ولید نے بغور اس کا انداز نوٹ کیا۔

وہ تیکھے تیور لیے چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری کیے خفا اور روڈ تاثرات سمیت بالکل گزرے دنوں والے موڈ میں واپس جاتی محسوس ہوئی تھی اس سے جبکہ آج دوپہر تک بلکہ کچھ دیر پہلے تک تو وہ بالکل نارمل اور فریش تھی اور اب.....؟ ایک دم اچانک ایسا کیا ہوا تھا کہ ولید کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور انا کا موڈ بدل گیا تھا؟

"کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ درحقیقت انا کو دوبارہ پرانے موڈ میں جاتے دیکھ کر اسے سخت تکلیف ہوئی تھی۔

"زندگی میں حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کس بات کو جاننا چاہ رہے ہیں؟" انا کا انداز ایک دم خود اذیتی والا تھا۔ ولید نے بہت الجھ کر اس کی بات پر اسے دیکھا۔

"وہی بات جس سے تمہارا فریش موڈ ایک دم قنوطیت کی زد میں آتا جارہا ہے۔" انا نے سر اٹھا کر ولید کے چہرے کو دیکھا وہ واقعی کافی متفکر لگ رہا تھا۔

"آپ کو میری پروا ہے؟" اس نے بہت روڈلی انداز میں پوچھا تو وہ حیران ہوا۔

"انا.....!" اس نے ٹوکا تو وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی۔

"اوکے..... لیو دس ٹاپک آئی ایم فائن۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ہم سب کو تمہاری پروا ہے اور بہت زیادہ ہے۔ پھر بھی میں تمہاری اس بدلتی کیفیت کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا؟" وہ ولید کے سوال کو نظر انداز کیے تیز تیز چلنے لگی۔

ولید نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا۔ یہ اتنی خوش باش' فریش' تروتازہ لڑکی ایک دم اتنی روڈ کیسے ہوجاتی تھی یوں کہ پھر وہ سب احساسات کو پس پشت ڈال دیتی اور اپنی ذات میں گم ہوجاتی تھی۔ روشی بھی سامان لیے چلی آئی تو ولید نے پے منٹ کی اور پھر وہ تینوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ روشی فرنٹ سیٹ پر تھی جبکہ انا پچھلی سیٹ پر۔ روشی اس سے مسلسل باتیں کررہی تھی جبکہ وہ بس "ہوں..... ہاں" میں جواب دے رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ولید نے انا کے چہرے کو فوکس کرتے بیک ویو مرر سیٹ کیا تو بھی وہ بغیر توجہ دیے سر جھکائے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی اذیت ناک سوچیں تھیں۔ یوں جیسے وہ اپنی ذات کے کسی بہت بڑے طوفان سے نبرد آزما تھی۔

"بھائی مجھے جیولری شاپ پر تھوڑی دیر رکنا ہے، رستے میں جاتے ہوئے ادھر ضرور چلنا۔" روشی کہہ رہی تھی ولید نے

محض سر ہلایا۔

"انا شاید تھک گئی ہے؟" روشی نے اس کے ڈل انداز پر آہستگی سے بھائی سے کہا۔

"سے بی۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔ گاڑی روشی کی نشاندہی پر جیولری شاپ کے سامنے رکی تو انا چونکی۔

"ادھر کیوں روکی؟" وہ روشی سے پوچھ رہی تھی اس نے شاید روشی کی بات نہیں سنی تھی۔

"میں نے پھپو کے ساتھ پچھلی بار آنے پر بریسلیٹ کا آرڈر دیا تھا بس وہی پتا کرنا ہے اگر ریڈی ہے تو لے لوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"آؤ..... تم بھی دیکھ لینا اگر بن گیا ہے تو لے لیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی انا خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی تو ولید بھی گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے ان کے پیچھے چلا آیا۔ یہ اچھی بڑی جیولری شاپ تھی۔ شوکیسز اور ریکز میں رکھے جیولری باکر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ ولید انا اور روشی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں پر براجمان تھیں اور جیولران کی مطلوبہ چیز انہیں دکھا رہا تھا۔

"بھائی دیکھیں یہ بریسلیٹ بنوایا ہے۔" روشی نے بریسلیٹ ولید کو دکھایا تو اس نے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بہت پیارا ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"مگر آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا اس جیسا بالکل بھی نہیں اس کا ڈیزائن مجھے نہیں بھولتا۔ میں اس جیسا بنوانا چاہ رہی تھی۔ وہ بہت پیاری اور یونیک سی چیز تھی۔ میں نے اندازاً جیولر کو پیپر پر ڈیزائن بنا کر بتایا تھا مگر پھر بھی وہ چیز نہیں بن پائی۔" وہ اپنے بھائی کو کہہ رہی تھی انا جبکہ تو روشی کے پہلے جملے پر ہی اٹک گئی تھی۔

"آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا۔" یہ کیتھی کون تھی؟

"ہاں یاد آیا..... کیتھی کو وہ بریسلیٹ بہت پسند آیا تھا۔" ولید نے مسکرا کر کہا تو روشی ہنسی۔

"آہا..... پسند کیوں نہ آتا بریسلیٹ سے زیادہ تو گفٹ دینے والی کی شخصیت کا چارم تھا جس میں وہ پوری طرح جکڑی ہوئی تھی۔" روشی کے انداز میں شرارت تھی ولید بڑے محظوظ کن انداز میں مسکرایا تھا۔

"بکو مت.....!"

"کیتھی سے رابطہ رہتا ہے کیا؟" روشی مزید پوچھ رہی تھی اس کے انداز میں چھیڑنے والی شرارت تھی وہ ہنس دیا۔

"ہوں..... اکثر اس کی کال آ جاتی ہے۔" انا نے چونک کر ولید کو دیکھا۔ تو کیا تھوڑی دیر پہلے وہ اسی سے بات کر رہا تھا۔

"مگر لاسٹ میں ڈنر پر ملنے کا کوئی پروگرام طے ہوا تھا؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"یہ کیتھی کون تھی۔ کہاں کی رہنے والی تھی اور ولید سے کیا تعلق تھا اس کا۔"

"ہاں بھئی کال کیوں نہ کرے محترمہ آفٹر آل برسوں کا ساتھ تھا آپ لوگوں کا۔" روشی کہہ رہی تھی۔

انا کو لگا کہ اس ماحول میں وہ چند منٹ مزید رکی تو وہ ضبط کھو دے گی یا پھر اس کا موڈ بہت بری طرح ری ایکٹ کرے گا۔

"روشی..... چلیں.....!" وہ ایک دم اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اب اسے کسی چیز کی پروانہ تھی وہ صرف روشی کی طرف متوجہ تھی۔

"رکو تو..... کچھ پے منٹ کر چکی ہوں اس کے باقی ڈیوز پے کر دوں پھر چلتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی اسے ابھی تک انا کے بدلتے موڈ کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔

"تم پے منٹ کر کے آ جانا میں باہر جا رہی ہوں۔" وہ ولید کی نگاہیں مسلسل اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی سو اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ فوراً وہاں سے نکل آئی۔ ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" روشی کہہ رہی تھی۔

"چھوڑو اسے تم اپنا کام کرو۔" ولید کی آواز سنائی دی تو اسے اپنی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہوتی محسوس ہوئی۔

"یا اللہ..... کیوں ہوتی جا رہی ہوں میں اس قدر کچی؟" اس کے اندر ایک دم غبار اٹھا۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں مجھے اپنے موڈ اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ اس شخص کی طرف سے بے پروا کیوں نہیں ہو جاتی؟ زندگی میں بھلے کوئی بھی ہو مجھے کیا۔ ظاہر ہے وہ ایک عرصہ باہر کی دنیا میں گزار کر آیا ہے شاندار شخصیت کا مالک ہے کسی نہ کسی سے کمٹمنٹ تو ہوگی نا۔ یہ یکطرفہ احساسات بھی بعض اوقات کتنی اذیت دیتے ہیں۔ اچھا ہے نا یہ لوگ بے خبر ہیں کم از کم خود کو سنبھالنا تو آسان ہوگا۔"

گاڑی لاک تھی وہ بس اس کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ آنکھوں کی نمی کو پوروں سے چن لیا۔ شیشے کے پار ولید اور روشی ابھی بھی کھڑے تھے وہ مسلسل ولید ضیاء کو دیکھے گئی۔

"بعض اوقات یہ یکطرفہ جذبات کس قدر اذیت سے دوچار کرتے ہیں۔ بس ثابت ہوا کہ اگر اسی طرح اس بھنور میں الجھی رہی تو کسی روز بالکل پاگل ہو جاؤں گی اور مجھے یہ ذلت گوارا نہیں۔ ہاں اب خود کو سنبھالنا ہوگا۔ محبت شاید اسی اذیت کا نام ہے مگر کسی کی نظروں سے گرنا گوارا بھی تو نہیں۔ اب سنبھلنا ہوگا۔ ولید اب پریشان ہونے لگا ہے میرے رویوں سے۔ نجانے کیا کچھ سوچتا ہوگا میرے بارے میں۔ اس سے پہلے کہ بات بہت بڑھے انا بی بی ہوش کے ناخن لو۔" وہ دونوں بہن بھائی پے منٹ کر کے بریسلیٹ کا ڈبہ لیے باہر آ رہے تھے۔ اس نے رخ موڑتے آنکھوں میں موجود نمی پوروں سے صاف کی اور حتی المقدور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"بس یہ آخری بار اب اور نہیں۔" اس نے خود کو سمجھایا۔

"انا کیا بات ہے تم باہر کیوں آ گئی تھیں؟" روشی قریب آ کر کہہ رہی تھی وہ رخ اس کی طرف کرتے دھیرے سے مسکرا دی۔

"بس یونہی۔" ولید نے گاڑی ان لاک کرتے اس کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکراتی عجیب سے غم سے دوچار لگی یوں جیسے کوئی بہت زبردستی اپنی ذات پر جبر کرتے محض دوسروں کا دل رکھنے کے لیے مسکراتا ہے۔ بڑی اذیت ناک ہنسی تھی اس کی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ روشی گاہے بگاہے اس سے بات کر رہی تھی۔ اب کے انا ہوں ہاں کرنے کے بجائے مختصراً جواب دے رہی تھی یوں جیسے خود کو پہلے والے فیز سے نکالنا چاہ رہی ہو۔ ولید بیک ویو مرر سے اس کو گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا۔

گاڑی گھر کے گیٹ پر رکی تو چوکیدار نے گیٹ کھولنا چاہا تب ولید نے منع کر دیا۔

"کیوں..... اندر نہیں جانا کیا؟" روشی پوچھ رہی تھی۔

"نہیں مجھے ایک کام سے کہیں اور بھی جانا ہے۔" ولید کہہ رہا تھا۔ انا خاموشی سے اپنی طرف والا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"کدھر جانا ہے؟" روشی پوچھ رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے جواب میں کیا کہا تھا اور پھر روشی نے کیا کہا تھا وہ رکے بغیر تیزی سے گیٹ پار کرتے اندر چلی آئی تھی۔ ولید نے اس کے اندر داخل ہونے پر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

❁......☆☆......❁

ولید نے گاڑی روکی تو مصطفیٰ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم!" سیدھا ہو کر اس نے ولید سے ہاتھ ملایا۔

"وعلیکم السلام!"

"یہاں کہاں گھوم رہے تھے؟" ولید نے سرسری سا پوچھا۔

"بس یونہی موڈ ہو رہا تھا۔" مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔ ولید نے بغور دیکھا۔ اچھی طرح ڈریس اپ تھا مگر چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ تھے۔

"خیریت؟ آج آفس نہیں گئے تھے یا محکمے والوں نے نکال باہر کیا؟" مصطفیٰ نے بس ولید کو ایک نگاہ دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

"گاڑی چلاؤ میرا پوسٹ مارٹم بعد میں کر لینا۔" اسے اپنی طرف مسلسل مشکوک نگاہوں سے دیکھتے پا کر مصطفیٰ نے تنک کر کہا تو ولید ہنس دیا۔

"شیور۔" ولید نے فوراً گاڑی بڑھائی۔

"ویسے دریافت کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں کہ عزت مآب کا موڈ کیوں آف ہے۔" ولید نے گاڑی ڈرائیو کرتے شرارت سے پوچھا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرادیا۔

"نہیں خیر...... موڈ تو آف نہیں تھا۔"

"تو پھر اِدھر اُدھر کیوں گھوم رہے تھے اور گاڑی کدھر ہے تمہاری؟"

"گاڑی آج کچھ پرابلم کررہی تھی آفس میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں سے کوئی کانسٹیبل ورکشاپ لے گیا ہوگا گھر جانے کو فی الحال موڈ نہیں ہورہا تھا سوچا کہ تم سے ہی مل لیا جائے تو اِدھر آنکلا۔ سامنے موجود پارک میں کچھ وقت گزارا پھر تمہیں کال کرلی تو شاید روشی کے ساتھ شاپنگ میں بزی تھے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"ہوں...... آج ذرا جلدی آفس سے نکل آیا تھا۔" وہ مہارت سے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔

"کہاں چلیں؟" ولید نے ہی پوچھا۔

"جہاں بھی لے چلو۔ آج اس وقت خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"واؤ...... صدقے جاؤں...... ایک بہت بڑے پولیس آفیسر اور میرے رحم و کرم پر؟" ولید نے طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

"چلو کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلاؤ مگر ذہن نشین رہے کہ کھانا بہت ہلکا پھلکا ہو۔" مصطفیٰ نے ہنس کر کہا۔

"اپنے گھر ہی نہ لے چلوں؟ اس وقت ڈنر ٹائم ہے بابا بھی کئی بار کہہ چکے ہیں کہ تمہیں اپنے گھر انوائیٹ کروں باقاعدہ کسی دن لے کر آؤں۔ سبھی لوگ تمہیں دیکھ کر خوش ہوجائیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے دیکھا۔

"آئیڈیا برا نہیں مگر تمہاری فیملی کے لوگ مجھ بن بلائے مہمان کو دیکھ کر پریشان تو نہیں ہوں گے نا؟"

"میری فیملی کس نیچر اور مزاج کی ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ بابا تمہیں مجھ سے کم حیثیت نہیں دیتے۔ روشی تمہیں اس طرح عزت دیتی ہے جیسے وہ مجھے دیتی ہے۔ اس کے باوجود تم اس قسم کے محاورے بولو گے تو مجھے شدید دکھ ہوگا۔" ولید کا انداز ناراضی والا ہوا تو مصطفیٰ مسکرادیا۔

"میرا کہنے کا مطلب تھا کہ تم لوگ اپنی پھپھو کی فیملی کے ساتھ رہتے ہو ٹھیک ہے دس سال پہلے تک میری ان سب سے اچھی خاصی بے تکلفی تھی تب میں نیا نیا امریکا سیٹل ہوا تھا مگر اس کے بعد یہ لوگ پاکستان آگئے پھر کبھی ملنا ملانا ہی نہ ہوا۔ اب ہر ایک پرانی باتوں یا حوالوں کو یاد رکھے ضروری بھی تو نہیں۔"

"اُف...... کتنے کنزرویٹو ہوتے جارہے ہو تم؟ مجھے لگتا ہے یہ دو سال تم نے جو اپنے فیوڈل سسٹم میں گزارے ہیں یہ انہی کا اثر ہورہا ہے تمہارے ذہن پر۔ بالکل خالص جاگیرداروں والا ایٹی ٹیوڈ ہوتا جارہا ہے تمہارا۔" ولید نے خاصا جل کر کہا تو مصطفیٰ کا قہقہہ خاصا جاندار تھا۔

"پھپھو کی ساری فیملی بہت اچھی ہے۔ تم چلو تو سہی تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ لوگ کس قدر مخلص، بے لوث اور محبت کرنے والے ہیں۔" ولید اس کے قہقہے کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔

"ہوں...... کچھ کچھ اندازہ ہورہا ہے؟" مصطفیٰ نے خاصی شرارت سے دیکھا۔

"مطلب......؟" اس کی شرارت ایسی تھی کہ ولید نے گھورا۔

"تم جیسا ویل آف، شاندار ڈیشنگ پرسنالٹی والا بھتیجا تمہاری پھپھو کو کہیں اور سے بھلا کہاں ملنے والا ہے۔" مصطفیٰ نے شرارت سے لب دانت تلے دبا کر کہا تو ولید نے غصے سے دیکھا۔

"ساری عمر باہر گزار کر بھی خالص ٹیپیکل پاکستانی تھنکنگ نہیں بدلی تمہاری۔" مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"کہتے ہیں جہاں کی مٹی ہو وہ کہیں بھی چلی جائے کسی بھی رنگ میں رنگ جائے مگر اپنی خوشبو برقرار رکھتی ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹ کروانے پر اس کی اصل شناخت فوراً واضح ہوجاتی ہے۔" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"ویسے تمہاری پھپھو کی دختر نیک اختر تو بہت پیاری اور خوب صورت بچی تھی تب؟" ولید اس کی شرارت سمجھ رہا تھا اس لیے

شمع ریاض

السلام علیکم! میرا نام شمع ریاض ہے میرا تعلق تونسہ شریف کے ایک گاؤں بستی بزدار سے ہے۔ میٹرک تک تعلیم ہے اور آنچل دو سال سے ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں 2 بھائی مجھ سے بڑے اور میں تیسرے نمبر پر ہوں اور ایک بہن اور بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ امی ایک گھریلو خاتون ہیں ابو بلوچستان میں ملازمت کرتے ہیں اور میں اپنی امی سے بہت پیار کرتی ہوں۔ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے پر اپنے بھائیوں سے بہت ڈرتی ہوں ان کو تو میرا آنچل پڑھنا بھی زیادہ پسند نہیں خیر کوئی بات نہیں آنچل تو ویسے ہی میرے دکھوں کا بہت اچھا ساتھی ہے۔ مجھے آنچل کے تمام رائٹرز بہت پسند ہیں سب آنچل میں لکھنے والے بہت اچھا لکھتے ہیں۔ میرا پسندیدہ رنگ نیلا اور سبز ہے اور کھانے میں گوشت اور کسٹرڈ پسند ہے میں اپنی بہن سے بہت پیار کرتی ہوں جی چاہتا ہے اس کی ہر بات ہر خواہش پوری کروں لیکن وہ مجھ سے لڑتی بہت ہے پھر بھی وہ میری جان ہے۔ میں دوسروں کا ہر راز رکھ لیتی ہوں لیکن میرے ساتھ کوئی بھی مخلص نہیں، پتا نہیں کیا ہے میرے ساتھ یا پھر قسمت ہی ایسی ہے۔ میں نے عمیرہ احمد کا ناول "پیر کامل" کوئی بار پڑھا ہے جس سے مذہب سے لگاؤ بڑھ جاتا ہے۔ میں بہت تنہائی پسند ہوں آخر میں سب بہنوں سے ایک بات کہوں گی کہ میرے لیے دعا کریں کہ میں بھی دوسروں کی طرح خوش رہ سکوں اور میری امی کے لیے بھی تاکہ خدا تعالیٰ ان کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

ہنس دیا۔

"وہ اب بھی ماشاء اللہ بہت پیاری خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی ضدی، موڈی اور نخریلی بھی واقع ہوئی ہے اور اہم بات یہ کہ وہ اب بچی نہیں رہی۔"

"اس کا مطلب ہے خاصی بگڑی ہوئی ہستی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں خیر وہ بگڑی ہوئی تو نہیں ہے۔" ولید نے فوراً تصحیح کی۔ "بس یہ انکل، احسن اور پھپھو کے لاڈ پیار نے اچھے خاصے اثرات چھوڑے ہیں۔ آج کل میں صرف اس کی طبیعت کے بدلتے رنگوں کو ہی آبزرو کررہا ہوں۔" ولید اس وقت اپنے گھر کے روڈ پر تھا۔

"تو پھر کیا امپرومنٹ رہی؟" ولید کے کہنے پر مصطفیٰ نے آنکھوں میں خاصی شرارت لیے پوچھا۔

"فی الحال تو تشخیص جاری ہے کوئی حتمی نتائج سامنے نہیں آرہے۔" ولید نے بھی اس کی شرارت میں انوالو ہوتے کہا۔

"اور احسن کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟" مصطفیٰ نے موضوع بدلا۔

"تقریباً فائنل ہے ہر چیز۔" اپنے گھر کے سامنے گاڑی کھڑی کرتے ہارن دیتے ہوئے کہا۔

"گھر تو ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔" ولید نے گیٹ کھلنے پر گاڑی پاتھ وے پر لاکر روکی تو مصطفیٰ نے بہت توصیفی نظروں سے دیکھتے کہا۔

"خیر تمہارے جاگیرانہ ٹھاٹ باٹھ کے سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں۔" دونوں گاڑی سے نکل آئے تھے۔ ولید کے طنز پر مصطفیٰ نے گھورا۔

"خیر ٹھاٹ باٹھ میں تم بھی مجھ سے کسی طور کم نہیں ہو۔"

"نہیں یار مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تم ٹھہرے ٹھیک ٹھاک جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منہ سے نکلی ہر بات ان کی فیوڈل سسٹم سے بی لانگ کرنے والے والدین فوراً پوری کرتے ہیں ہم جیسے لوگ تھوڑی ہو تم۔ ہم لوگ جس کے والدین ساری عمر مسلسل جدوجہد کرتے یہ چھوٹا سا گھر اور اپنا ذاتی کاروبار بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔" ولید کی آنکھوں میں بے پناہ شرارت تھی مصطفیٰ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بہت بری بات ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ پاکستان آتے ہی تم اس قسم کے گھٹیا لیول کے کمپلیکسز کا شکار ہونے لگو گے...... شیم آن یو۔" ولید کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''کیا کریں آپ ٹھہرے لینڈ لارڈ۔ ڈیفنس میں کئی ایکڑ پر پھیلی شاندار کوٹھی کے مالک استعمال کے لیے ذاتی لینڈ کروزر، برانڈ کے ملبوسات پہننے والے انسان جب ہمیں شیم آن یو کہتے ہیں تو کچھ جچتے نہیں۔'' ولید کی نوک جھونک برابر جاری تھی، مصطفیٰ نے خاصی برہم اور خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

''یہی کچھ خیالات میرے بھی تمہارے بارے میں ہیں۔ امریکا جیسے ملک میں زبردست بینک بیلنس، اعلیٰ برانڈ کی گارمنٹس، امپورٹڈ پرفیومز اور کاسمیٹکس یوز کرنے والا جس کے استعمال میں اعلیٰ قسم کی کرولا ہو وہ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر اپنی غربت کے احساس میں مبتلا ہو کسی دن اپنی انہی باتوں سے تم بری طرح پٹ جاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ میرا ایک ہاتھ ہی تمہاری طبیعت سیٹ کرنے کے لیے کافی ہوگا۔'' مصطفیٰ نے دھمکی دی۔

''اوہ میں تو بھول گیا تھا کہ میں امریکا کے ایک مایہ ناز فائٹر سے بات کررہا ہوں۔ اوف یار معاف کردو تم نے ڈرایا اور میں ڈر گیا۔'' ولید نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو مصطفیٰ نے واقعی کھینچ کر اس کے کندھے پر ایک ہاتھ مارا تھا۔ ولید کراہ کر رہ گیا۔ ''بڑے ظالم ہو تم۔'' مصطفیٰ ولید کی ہمراہی میں سیدھا لاؤنج کی طرف آیا تھا۔ وہاں انکل اور بابا احسن سمیت موجود تھے۔

''السلام علیکم!'' مصطفیٰ نے اندر داخل ہوتے سلام کیا تو تینوں افراد نے چونک کر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو پہچان کر خوشی کے احساس سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''وعلیکم السلام۔''

''وعلیکم السلام زہے نصیب خوش آمدید۔'' احسن نے شرارت سے کہا تو وہ انکل اور ضیاء صاحب سے بغل گیر ہونے کے بعد اس کے گلے لگ گیا۔

''آج جاگیردار صاحب نے ہمارے غریب خانے پر آنے کی زحمت کیسے گوارا کرلی۔'' احسن نے شرارت سے کہا تو اس نے بہت چڑ کر ولید کو دیکھا وہ ہنس دیا۔

''جاگیردار'' لفظ مصطفیٰ کی چڑ تھا۔ وہاں امریکا میں بھی وہ اسے اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ مصطفیٰ جب کئی سال پہلے پہلی بار امریکا میں ان کے پڑوس میں آ کر آباد ہوا تھا تو اس نے سب سے اپنے گھرانے کا تعارف جاگیردار گھرانہ کہہ کر کروایا تھا۔ اپنے فیوڈل سسٹم اور دولت و پیسے کی فراوانی کے سبب وہ وہاں بڑے عیش سے زندگی گزار تا رہا تھا ہر قسم کی فکر غم اور ٹینشن سے آزاد وہاں موجود دوستوں میں خاص مقبول ہو گیا تھا۔ خصوصاً ان کی فیملی کے ساتھ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح رہتا تھا۔ اکثر وہ احسن اور ولید کے ساتھ ساری ساری رات ان کے گھر میں گزار دیتا تھا پھر احسن وغیرہ تو پاکستان آ گئے مگر ولید کے ساتھ اس کا ریلیشن اسی طرح برقرار رہا تھا اور آج ایک عرصے بعد یہ لوگ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

انکل اور ضیاء صاحب اس سے اس کی جاب اور فیملی کے بارے میں سوال کررہے تھے۔ آنٹی اور روشی کچن میں تھیں دونوں فوراً لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

آنٹی کے ذہن میں مصطفیٰ کے مٹے مٹے نقوش تھے ان کو مصطفیٰ بہت پسند آیا تھا بلکہ دس سال پہلے تو وہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ اب ایک بھرپور توانا مضبوط خدوخال کے مالک مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ خاصی متاثر ہوئی تھیں۔

صبوحی بیگم کچن میں واپس جانے کے بجائے اس کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ روشی جو کہ ڈنر کی تیاری کروا رہی تھی فوراً مصطفیٰ کے لیے جوس لے آئی تھی۔ دو سال بعد مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ اس کی اچھی خاصی بے تکلفی رہی تھی مگر اس سب کے باوجود اس نے مصطفیٰ کو ولید کی ہی طرح ٹریٹ کیا تھا اور مصطفیٰ کریکٹر وائز اس قدر اچھا تھا کہ کبھی اس نے بھی روشانے کے اعتماد کو توڑنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ہمیشہ چھوٹی بہن کی طرح نہ صرف اس کی عزت کی تھی بلکہ اکثر بھائیوں والے کام کے ساتھ ولید کی غیر موجودگی میں اس کے کئی کام کر دیا کرتا تھا۔ خصوصاً ایجوکیشن کے دوران ولید اپنی جاب اور تعلیم میں جس طرح بزی ہوتا تھا تو تب مصطفیٰ ہی ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ روشانے کے کلاس فیلوز اسے روشانے کا باڈی گارڈ کہا کرتے تھے۔ روشانے کو اچھی طرح یاد تھا کہ یونیورسٹی کے فرسٹ ایئر میں اس کے پیچھے ایک امریکن بوائے لگ گیا تھا اچھا خاصا خراب کریکٹر کا مالک وہ لڑکا اس کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر پڑا تھا کہ ایک لمحہ ایسا آیا تھا کہ روشانے نے یونیورسٹی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور ولید بھائی سے کچھ بیان کرنے کی ہمت نہ تھی۔ انہی دنوں مصطفیٰ کے ساتھ آتے جاتے اسی لڑکے سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی تب مصطفیٰ اس کا پرابلم اس کے بن کہے ہی سمجھ گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفیٰ نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی اور اگلے دن اسے خبر ملی کہ اس شخص کو کسی نے (راہ چلتے کسی چور نے) اس بری طرح زدوکوب کیا تھا کہ حد نہیں۔ اس شخص کے پاؤں کی ہڈی ایسی جگہ سے فریکچر ہوئی تھی جسے اب کسی بھی آپریشن کے ذریعے جوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے بعد اس شخص نے نہ صرف یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دیا تھا بلکہ وہ ایسا غائب ہوا تھا کہ پھر کبھی روشانے نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

مصطفیٰ نے کبھی براہ راست اس سے بات نہیں کی تھی مگر اس کے بعد خود بخود اس کو اندازہ ہوتا چلا گیا کہ وہ شخص کیوں غائب ہوا تھا؟ وہ مصطفیٰ کی حد سے زیادہ مشکور ہوگئی تھی۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو اس نے کبھی ولید اور بابا سے ڈسکس نہیں کی تھی مگر اس کے بعد اس کے دل میں مصطفیٰ کی عزت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ دو سال پہلے مصطفیٰ پاکستان لوٹ آیا تھا مگر ان لوگوں سے اس کا رابطہ جوں کا توں برقرار تھا اور آج عرصہ بعد وہ اس کو یوں سامنے دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

مصطفیٰ سب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ انا اپنے کمرے میں بند تھی عجیب موڈی لڑکی تھی جب سے شاپنگ سے واپس آئی تھی کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ ڈنر کا ٹائم تھا تقریباً ہر چیز ریڈی ہی تھی۔ روشی نے فوراً صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سجائی تھی۔ انا کو اگر کسی نے زحمت نہیں دی تھی تو انا نے بھی باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ نکل کر دیکھ ہی لے کہ باہر کون آیا ہے؟ روشانے نے فوراً ٹیبل سیٹ کی تھی اور لاؤنج میں صغراں کو کھانا لگ جانے کی اطلاع دے کر بھیجا تھا۔ کچھ توقف کے بعد سبھی لوگ کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔

''انا نہیں آئی؟'' روشی بھی ٹیبل آ بیٹھی تو ماما نے پوچھا۔

''میں نے صغراں کو بھیجا تو ہے کہ اسے بلا لائے۔''

''مصطفیٰ بیٹا! آپ کھانا شروع کرو۔'' مصطفیٰ کی میزبانی کرنے کو سبھی پیش پیش تھے۔ ماما نے ڈشز اٹھا کر اس کے سامنے رکھیں۔

''آپ تکلف مت کریں پلیز، میں لے لوں گا......!'' سبھی جس طرح اسے پروٹوکول دے رہے تھے وہ شرمندہ ہو رہا تھا اور اس کی شرمندگی پر ولید کو ہنسی آ رہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب صغراں منہ بسورتی چلی آئی۔

''کیا ہوا انا نہیں آئی؟'' روشی نے اس کی رونی صورت دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں......انا بی بی نے بہت ڈانٹا ہے کہہ رہی ہیں کہ خبردار اب کسی نے انہیں کھانے پر بلایا تو؟'' صغراں نے من و عن انا کا بیان دہرایا تو ماما کا مصطفیٰ کے سامنے شرمندگی سے برا حال ہوا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ جاؤ اسے جا کر کہو کہ فوراً کھانے کی ٹیبل پر آئے۔'' مہمان کے سامنے شدید سبکی محسوس کرتے صبوحی بیگم نے صغراں کو کہا۔

''وہ کہتی ہیں کہ اگر میں نے دوبارہ اپنی منحوس شکل دکھائی تو وہ میرا سر توڑ دیں گی۔'' صغراں نے منہ پھاڑ کر کہا تو ولید کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ماما نے صغراں کو گھورا۔

''اسے بتایا نہیں کہ مہمان آئے ہیں۔ کم از کم باہر آ کر مل ہی لے۔'' انہوں نے صغراں کو کہا اب کے آواز ذرا دھیمی تھی کہ مہمان نہ سن لے۔

''میں نے کہا تھا کہ باہر مہمان آئے ہیں تو کہنے لگیں میں کیا کروں باہر جا کر سر پر اٹھا لوں مہمانوں کو باہر اتنے لوگ ہیں تو تواضع کرنے والے۔'' وہ صغراں ہی کیا جو بیان کو اِدھر سے اُدھر کردے ماما نے تو دھیمے سے کہا تھا مگر اس نے اسپیکر پر اعلان کر دیا تھا۔ ماما کا جی چاہا کہ اس کی صاف گوئی پر اپنا سر پیٹ لیں۔

''کم عقل۔'' ماما نے اب کے واضح گھورا۔

''میں بہت پریشان رہنے لگی ہوں اس لڑکی سے۔ بڑے ہو کر لوگوں کو عقل آتی ہے اس کی جو تھی وہ بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔''

مہمان کے سامنے انہیں شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

"رہنے دو مت فورس کرو ابھی کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہوگا جب ہوگا آ کر کھالے گی۔ صغراں تم جا کر اپنا کام کرو۔" ماما خود اٹھ کر جانے لگیں تو ماموں نے منع کر دیا تو وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"تمہاری تشخیصی رپورٹ پر انا للہ پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے۔ ویسے حیرت ہو رہی ہے خاصی سے بھی زیادہ موڈی ہیں یہ خاتون تو؟" مصطفیٰ نے ولید کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا تو وہ جو اتنا کے اب کی بار خراب موڈ ہونے کی وجہ پر غور کر رہا تھا چونکا۔

"اور لگ رہا ہے خاصی بدلحاظ بھی ہیں۔" ولید نے بس سر ہلا دیا وہ اور کیا کہتا بھلا۔

کھانے کی ٹیبل پر سب موجود تھے وہ اس سے زیادہ اتفاق رائے کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مصطفیٰ اس کے انداز پر ہنس دیا۔

"میرے ذہن میں ابھی بھی وہ ہر وقت دو پونیاں بنا کر رہنے والی چھوٹی سی بچی کا عکس ہے۔ اب تو اشتیاق ہو رہا ہے دیکھنے کو۔" مصطفیٰ نے کھانا کھاتے آہستگی سے کہا تو ولید نے گھورا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ دو پونیاں بنانے والی بچی نہ صرف خاصی بڑی ہوگئی ہے بلکہ خاصی بدلحاظ بھی ہوچکی ہے سو ان محترمہ سے ملنے کی خواہش دل میں ہی دبائے رکھیں تو آپ کی صحت کے لیے کافی بہتر ہوگا۔" ولید نے گھور کر کہا تو وہ شرارت سے مسکرایا۔

"کیا کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔" انداز بڑا معصوم تھا۔

"کاریڈور کے دائیں طرف پہلا کمرا ان محترمہ کا ہی ہے تجربہ شرط ہے۔ خیریت مطلوب نہیں تو کھانا کھانے کے بعد ادھر پہنچا دوں گا۔" مصطفیٰ کو ولید کو ستانے میں مزا آ رہا تھا ایک دم ہنس دیا۔ احسن جو ولید کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا کھانا کھاتے متوجہ ہوگیا۔

"یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟"

"خواتین والا ڈیپارٹمنٹ ابھی ہم نے نہیں سنبھالا۔ سو آرام سے کھانا کھاؤ۔" ولید نے احسن کی مداخلت پر چڑ کر کہا تو مصطفیٰ کی ہنسی دو آتشہ ہوگئی۔

"بہت خوب۔" مصطفیٰ نے سراہا۔

"سائنس نے کئی معاملات میں اچھی خاصی ترقی کر لی ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید وہاں سے خواتین چغلیاں کرنے والا کوئی پرزہ فٹ کروا کر وطن واپس لوٹے ہو تم دونوں۔" احسن کون سا کم تھا فوراً برجستگی سے کہا تو وہاں ٹیبل پر موجود سبھی افراد مسکرا دیے۔

"یہ خوب کہی تم نے تو۔" ضیاء ماموں سب سے زیادہ محظوظ ہوئے تھے۔

"اب تم خواتین کے ساتھ دن رات ڈیلنگ کرتے خواتین والی خصوصیات اپنا رہے ہو تو اب ہم سب کو اپنا جیسا تو مت سمجھو۔" ولید نے فوراً حساب چکایا تو وہ فوراً خجل ہوگیا آج کل احسن کی خواتین سے زیادہ ڈیلنگ ہو رہی تھی سو ہنس دیا۔

"بھئی یہ تو ہمارا کاروبار ہے۔" احسن نے کہا۔

"چغلیاں کرنے کا؟" روشی جو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔ سب نے زبردست قہقہہ لگایا۔ احسن روشی کی اس مداخلت پر اسے گھورنے لگا وہ مسکراہٹ دباتی فوراً سر جھکا گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

قسط نمبر 13

عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی عیدالاضحی

ذرا سی دیر کو آئے تھے خواب آنکھوں میں
پھر اس کے بعد مسلسل عذاب آنکھوں میں
وہ جس کے نام کی نسبت سے روشن تھا وجود
کھٹک رہا ہے وہ ہی آفتاب آنکھوں میں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز کے فائر کرتے ہی مصطفیٰ اس ساری صورت حال پر شدید اشتعال کا شکار ہوتا ہے۔ وہ ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا دیتا ہے۔ تبھی ہوٹل کی انتظامیہ کے درمیان میں آ جانے سے مصطفیٰ، شاہزیب صاحب اور امجد خان کو بلوا لیتا ہے۔ شاہزیب تمام صورت حال جاننے کے بعد مصطفیٰ سے ایاز کو امجد خان کے حوالے کردینے کا کہتے ہیں۔ شہوار اس واقعے سے شدید صدمے کا شکار ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف عباس بھائی اور دیگر لوگ بھی عادلہ بھابی اور ایاز لوگوں کی وجہ سے سخت اذیت برداشت کرتے ہیں۔ انا ناشتے کی ٹیبل پر اخبار کا مطالعہ کرتے ایک خبر دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ فوراً شہوار کو کال کرکے ایاز کے متعلق خبر کے بارے میں بتاتی ہے تو شہوار سمجھتی ہے کہ رات ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر ہے۔ ایاز رات کے کسی پہر گاڑی چھیننے کی کوشش کرتا ہے جس پر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ یہ خبر اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ عبدالقیوم اور ان کی فیملی اس خبر کو لے کر خاصے پریشان ہوتے ہیں اور عبدالقیوم صاحب اپنے وکیل سے ایاز کو باہر نکلوانے کی تدابیر کے متعلق بات چیت کرتے ہیں۔ عائشہ شہوار کو اخبار لا دیتی ہے اور شہوار خبر پڑھ کر حیران ہوتی ہے تو عائشہ اسے بتاتی ہے کہ ایسا صرف خاندان کی عزت کے لیے کیا گیا ہے تاکہ اصل واردات کو سامنے لائے بغیر ایاز کو اس کے جرم کی سزا دی جاسکے۔ تب ہی شہوار کچھ مطمئن ہوتی ہے اور کمرے سے باہر ناشتا کرنے کے لیے نکلنے لگتی ہے تو مصطفیٰ کو دیکھ کر رک جاتی ہے مصطفیٰ بھی اس کے چہرے کے زخم کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے اور پھر شہوار کے پاس آ کر اس کے زخموں کو بغور دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایاز کو یکدم ختم کردینے کی تحریک برپا ہوجاتی ہے شہوار اس کے تیوروں سے گھبرا کر شدت سے رو پڑتی ہے اور اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ جس پر وہ غصے سے اس کے کمرے سے نکل جاتا ہے۔ انا، ولید اور روشانے کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلتی ہے۔ وہاں ولید کو کسی کی کال آتی ہے تو وہ مشکوک ہوجاتی ہے اور پھر جیولری شاپ پر روشانے کے منہ سے کسی کیتھی کا نام سن کر الجھ جاتی ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتی ہے جبکہ ولید اس کے رویے پر چونک کر حیران ہوتا ہے۔ ولید کو کسی سے ملنا ہوتا ہے وہ فوراً وہاں چلا جاتا ہے۔ شاہزیب صاحب مصطفیٰ کی طرف سے پریشان ہوجاتے ہیں۔ مصطفیٰ ایاز کو اچھا خاصا زدوکوب کرتا ہے۔ شاہزیب صاحب اس سارے واقعے کو مدنظر رکھتے شہوار اور مصطفیٰ کے فوری نکاح کا فیصلہ کرتے ہیں اور حویلی فون کرکے تابندہ بوا سے بھی ڈسکس کرتے ہیں اور اس کے بعد شہوار کو اپنے فیصلے کا بتا دیتے ہیں جبکہ شہوار ان کے سامنے بالکل گم صم رہ جاتی ہے۔ وہ چاہنے کے باوجود انکار نہیں کر پاتی۔ ولید مصطفیٰ سے ملنے آتا ہے اور مصطفیٰ کو لے کر گھر آتا ہے۔ راستے میں مصطفیٰ ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتا ہے۔ گھر آ کر بھی سب مصطفیٰ کو خاص پروٹوکول دیتے ہیں۔ کھانے کی ٹیبل پر انا کھانا کھانے سے انکار کردیتی ہے اور کمرے سے باہر نہیں آتی۔ صبوحی بیگم مصطفیٰ کے سامنے انا کے اس انکار پر شدید سبکی محسوس کرتی ہیں۔ جبکہ مصطفیٰ ولید کو چھیڑتے ہوئے محظوظ ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ انا اس سارے عرصے میں ایک بار بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مصطفیٰ رات گیارہ بجے بھرپور خوشگوار وقت گزار کر اٹھا تو ولید اسے ڈراپ کرنے کو ساتھ ہولیا۔ احسن بھی خوشگوار موڈ میں تھا سو وہ بھی ولید کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔ مصطفیٰ نے منع بھی کیا کہ وہ باہر جا کر کوئی کنوینس لے لے گا مگر ولید اور احسن نے ایک نہ چلنے دی تھی۔ وہ لوگ اسے اس کے آفس ڈراپ کرکے گئے تھے یہاں سے اسے اپنی گاڑی لے کر واپس گھر جانا تھا اس کی غیر حاضری میں اس کی گاڑی کی ریپیئرنگ کا کام بھی تقریباً فائنل ہوچکا تھا۔ مصطفیٰ کو چھوڑنے کے بعد ولید گھر واپس پہنچا تو کچن کے پاس سے گزرتے ٹھٹکا۔ احسن سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ ادھر آ گیا۔

محترمہ انا صاحبہ کھانا کھا رہی تھیں۔ اس کے ایک طرف روشی خاصے خراب تیور لیے موجود تھی مگر انا بغیر توجہ دیے صرف کھانے کی طرف متوجہ تھی۔

"کسی دن تم اپنی انہی حرکتوں سے میرے ہاتھوں ضائع ہوجاؤں گی۔" روشی کہہ رہی تھی۔

"ہیلو موڈی گرل!" ولید دروازے کے پاس رکا تو اس نے کھانا کھاتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اندر چلا آیا۔

"تمہارا تو کھانا نا کھانے کا پروگرام تھا نا؟" وہ اس کے دوسری طرف کرسی پر آ بیٹھا۔

"تب مجھے بھوک نہیں تھی اب بھوک لگ رہی ہے تو کھانا کھا رہی ہوں۔" اس نے تیکھے لب و لہجے میں کہتے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔

"اور تمہیں کیا ہوا ہے، تم کیوں ایسے بیٹھی ہوئی ہو؟" اس نے اپنی بہن کو مخاطب کیا۔

"اس کے دماغ کی خرابی ڈھونڈ رہی ہوں مگر یہ کوئی سرا پکڑائے تو سہی۔" روشی بھری بیٹھی تھی۔ سو خراب موڈ میں ہی جواب دیا مگر انا نے کوئی توجہ نہ دی۔

"میرا دماغ الحمدللہ بالکل فٹ فاٹ اور اے ون ہے اور آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ کھانا مکمل کرچکی تھی برتن اٹھا کر سنک میں رکھتے اس نے کہا۔

"ہاں آج کل جس طرح کے تمہیں دن رات دورے پڑ رہے ہیں اس سے فٹنس کا صاف پتا چل رہا ہے۔" روشی نے خاصا جل کر کہا تھا ولید ہنس دیا جبکہ انا پرسکون تھی۔ اس نے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔

"کافی پئیں گے؟" اس نے اپنے کھانے والے برتن دھو کر ہاتھ ٹاول سے خشک کرنے کے بعد پوچھا۔ روشی نے گھور کر دیکھا جبکہ ولید نے مسکرا کر۔

"ہاں پلا دو۔" ولید نے کہا تو اس نے کیبنٹ سے کافی والا ڈبہ نکالا۔

"پتا نہیں مصطفیٰ بھائی بے چارے کیا سوچتے ہوں گے اور یہ کتنی بے حس، پتھر دل لڑکی ہے ذرا بھی اپنے غلط رویے کا احساس نہیں اسے۔" روشی نے گھورتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ آپ لوگوں کے مہمان تھے آئے اور چلے گئے۔ میرا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا کہ ان سے ملنا لازمی شرط ہوتی۔ بس میرا موڈ نہیں تھا ملنے کا سو باہر نہیں آئی۔" اپنے صاف دوٹوک انداز میں اس نے کہا اور پھر کیتلی کی طرف

متوجہ ہوگئی۔

"فارمیلٹی بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟" روشی نے خاصے غصے سے کہا مگر وہ سر جھٹک گئی۔

"میں نہیں مانتی کسی فارمیلٹی وغیرہ کو جب دل ہی نہ چاہ رہا ہو تو۔"

"ویسے تمہارے اس اچانک موڈ کو کیا ہوا تھا؟" ولید نے بھی اس بحث میں حصہ لیا۔

"فار گاڈ سیک ولی! پلیز آپ تو اس بحث میں مت کودیں۔ اس وکیل صاحبہ کو بھگت رہی ہوں کافی نہیں کیا؟" کافی پھینٹتے اس نے کافی اکتا کر کہا تو ولید ہنس دیا جبکہ روشی نے منہ پھلا لیا۔

"تم سے تو ہمدردی ہی فضول ہے۔" وہ پاؤں پٹختے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واقعی تمہاری اس ہمدردی سے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ اب کافی پی کر تھوڑا سا سکون ملے گا۔" اب کی بار انا نے کچھ شرارت سے کہا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم میں بھی فضول میں تم سے سر کھپانے بیٹھ گئی تھی۔" وہ ایک دم برا مان کر فوراً واک آؤٹ کر گئی۔

"ناراض ہوگئیں ہیں محترمہ!" ولید کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

"تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔ وہ کیا میں بھی سنجیدگی سے تم سے ناراض ہونے کا سوچ رہا ہوں۔" ولید نے اطلاع دی تو کافی پھینٹتا اس کا ہاتھ ٹھٹکا۔

"کیوں بھئی؟"

"اف...... یہ بے خبری اور اس پر یہ اندازِ بے خبری؟" ولید کے الفاظ پر وہ یکدم ٹپٹا گئی تھی۔ ولید کا انداز بڑا بھرپور تھا۔

"اب کیا ہوا ہے؟"

ہم کو ان سے ہے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ولید کے خوب صورت انداز پر انا کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

"آج مصطفیٰ آیا تھا بے چارہ کافی دیر تک بیٹھا رہا مگر اس کی قسمت میں ابھی تم سے شرف ملاقات نہیں لکھا۔ تم ضدی ہو...... موڈی بھی ہو مگر آج اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بہت ہی نہیں کافی زیادہ بدلحاظ بھی ہو۔" ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔ انا نے گہرا سانس لیا۔

"اپنی ان خوبیوں کے متعلق میں اچھی طرح باخبر ہوں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔" وہ واقعی ڈھیٹ تھی یا اب بن رہی تھی ولید نے گھورا۔

"موڈ کیوں آف ہوا تھا؟" اس نے اب کی بار سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"میرے موڈ پر مت جائیے۔ اب تو پاکستان آ کر آپ کو میرے موڈز اور رویوں سے سمجھوتا کرنے کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" پھینٹی ہوئی کافی میں اس نے گرم ابلتا ہوا پانی انڈیل دی۔

"بعض اوقات انسان عادی نہیں ہو پاتا۔ وہ چیز جس کا وجود ہو اور محسوس بھی ہو اس کے متعلق متجسس ہو جانا انسانی فطرت ہے۔ موڈز کی تبدیلی بلاوجہ تو کبھی نہیں ہوتی اور انسانی سائیکلوجی کی بیس پر دیکھا جائے تو اندرون خانہ کہیں ایک گہرا راز تو ضرور مدفن ہوتا ہے۔" انا نے بھاپ اڑاتی کافی کا مگ ولید کے سامنے رکھا اور خاصی خفگی سے اسے دیکھا۔

"اس ٹاپک پر اس وقت میں قطعی بحث کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں مصطفیٰ صاحب سے نہ ملنے پر شرمندہ ہوں۔ آپ

سے ایکسیوز کرتی ہوں۔ صغراں نے یہ بتایا تھا کہ مہمان آئے ہیں۔ اس نے قطعی وضاحت نہیں کی تھی کہ ان آنے والے مہمانوں کی لسٹ میں کیا نام آتا ہے اگر ذرا بھی علم ہو جاتا تو آئی سویئر میں انتہائی خراب موڈ ہونے کے باوجود حاضر ہوتی اور ان سے شرف ملاقات حاصل کرتی۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ غلط فہمی اور لاعلمی میں ہوا ہے تو دل و جان سے آپ کے حضور معافی کی درخواست پیش کرتی ہوں اگر آپ قبول کرلیں تو عین نوازش ہوگی۔" ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان لیے بے پروائی سے دوپٹا کندھے پر ڈالے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کہتی وہ اب اپنے لیے کافی نکال رہی تھی۔

ولید نے اسے بغور دیکھا تو ایک پل کو ٹھٹکا۔ وہ حسین تھی۔ اپنے آپ کو مینٹین رکھنے کے فن سے آگاہ تھی۔ اس کے وجود میں ایسی دلکشیاں پنہاں تھیں کہ نگاہ ایک پل کو ٹھہر کر جم سی جاتی تھی۔ مگر اس کے حسن میں اس وقت عجیب سی تابناکیاں جلوہ گر تھیں۔ اس کا وجود اس سے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا اور ولید کو لگا کہ وہ مسحور ہو رہا ہے۔

"بہرحال مصطفیٰ نے تمہارے رویے کو بہت فیل کیا تھا۔" دھیمے سے ولید نے کہا۔ اس کے لہجے میں آنچ سی سلگنے لگی تھی۔

"میں نیکسٹ ٹائم ان سے معذرت کرلوں گی۔" اس نے رسانیت سے کہا اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"پھر بھی یہ پل میں تولہ پل میں ماشہ موڈ کی کوئی ریزن تو ہوگی نا؟" کافی کا سپ لیتے ولید نے پوچھا اس نے نگاہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں ولید کو ایک عجیب سا سلگتا احساس کروٹیں لیتا محسوس ہوا تھا اس سمے۔

"کیا کریں گے جان کر؟" ولید نے کڑوی کسیلی کافی اندر اتاری اور اسے دیکھا۔

"ہوسکتا ہے مجھے کوئی فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔" ولید نے مبہم سے انداز میں کہا تو وہ چونکی۔ ولید کا انداز عام نہ تھا وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ وہ سنبھلی۔

"کیسا فیصلہ؟" اس کی آواز لرزی تھی۔

"یہی کہ تمہارا دماغ کس حد تک کھسکا ہوا ہے؟" ولید کے الفاظ پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"امپاسبل۔" اس سمے رات کی خاموشی میں انا کی ہنسی نے ولید کے اعصاب پر بڑا خوشگوار تاثر چھوڑا۔ وہ چند پل اسے بغور دیکھے گیا۔

"میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" اس نے اطلاع دی تھی۔ اندر ہی اندر وہ ولید کی اس قدر توجہ پر حیران بھی ہو رہی تھی۔ انا اپنا مگ لیے ولید کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ بہت فریش اور تر و تازہ لگ رہی تھی۔ بالکل دوپہر والے موڈ کی طرح۔

"ولی......" کافی کے سپ لیتے اس نے پکارا۔ وہ جب اسے پکارتی تھی تو ولید کو ہمیشہ عجیب سی فیلنگز ہوتی تھیں اس وقت بھی چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے اپنے مگ کو دیکھ رہی تھی۔

"ہونہہ......"

"وہ لڑکی جسے آپ اسپتال لے کر گئے تھے وہ اب کیسی ہے؟" وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"آئی ڈونٹ نو چند دن سے میرا اسپتال جانا نہیں ہوا۔ ویسے ایک بار اس لڑکی کے فادر سے فون پر بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے کہ وہ آج کل میں اسے ڈسچارج کروا لیں گے۔ سے بی کروا بھی چکے ہوں۔"

"ہوں...... وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے...... ہے نا؟" ولید نے الجھ کر اسے دیکھا۔ اب کے انا کے تاثرات خاصے عجیب سے تھے۔

"ہوگی...... بٹ یار تمہیں وہ لڑکی اتنا کیوں یاد آتی ہے؟"

"مجھے اس ایک ملاقات میں اس کا سویا خوابیدہ حسن نہیں بھولتا۔" وہ یہ کہہ نہیں سکی تھی کہ اس کا حسن اسے پریشان کر رہا ہے سو وہ بھول نہیں پا رہی۔

"میں کردار کو اہمیت دینے والا انسان ہوں۔ حسن، خوب صورتی، دولت قسمت سب فانی اشیاء ہیں میں نے ان کو کبھی اہمیت نہیں دی۔" ولید کا انداز بڑا سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔ انا نے خوشگوار حیرت سے ولید کو دیکھا۔ اسے لگا کہ ولید کے الفاظ نے اس کے کشیدہ اعصاب پر مسلسل سوار ایک اذیت سے نجات دلا دی ہو۔

"اوہ..... ریئلی۔" اس کا چہرہ ایک دم چمک اٹھا۔

"آف کورس، ایسے مادیت پرست وجود کبھی مجھے اٹریکٹ نہیں کر پائے اور حسن تو کبھی میری ترجیح رہا بھی نہیں۔" انا آنکھوں میں ایک دم والہانہ پن لیے اسے دیکھے گئی۔

"ایک سوال پوچھوں؟" اپنے مگ پر انگلی پھیرتے اس نے کہا۔

"شیور۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ اس قدر شاندار، خوب صورت اور چھا جانے والی پرسنالٹی کے مالک ہیں۔ کیا کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ زندگی میں کوئی بہت اچھا لگا ہو اور دل نے خواہش کی ہو کہ کاش......!" ولید نے بغور اسے دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی اس سے کم عمر تھی ایک جذباتی عمر سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے سوال بھی اس کی سوچ کے مطابق ہوتے تھے۔ ان میچور اور لاابالی سے یا پھر شاید اس وقت اسے ہی لگ رہے تھے۔

"ہمارے درمیان ایک بار پہلے بھی اس ٹاپک پر بات ہو چکی تھی تمہیں یاد ہو جب ہم دونوں نے باہر لنچ کیا تھا۔" ولید نے یاد دلایا تو اس نے منہ بنایا۔

"اچھی طرح یاد ہے، تب بھی آپ نے مجھے ڈانٹ کر بٹھا دیا تھا۔" اس نے خفا ہو کر کہا تھا۔

"تو میڈم اب بھی میں یہی کام کروں گا۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا، کوئی ریزن بھی تو ہو نا مجھے ٹالنے یا ڈانٹنے کی؟" وہ جھنجلائی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔ میں نے بڑی پریکٹیکل لائف گزاری ہے۔ بابا کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا، اپنی جاب اور پھر ساتھ میں اپنی ایجوکیشن دیکھنا۔ اتنی بزی لائف کے ہوتے ہوئے میرے پاس کسی بھی فضولیات کے لیے ٹائم نہیں تھا۔"

"اور وہ کیتھی کون ہے؟" وہ سوال جو اسے کافی دیر سے تنگ کر رہا تھا اس نے آخر کار پوچھ ہی لیا۔

"میری کولیگ تھی اور بہت اچھی دوست بھی۔" انا کے اندر شدید اضطراب پیدا ہوا۔

"آپ کو لائک کرتی تھی کیا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا۔

"تم نے اس کیتھی کے متعلق رپورٹ لکھنی ہے کیا؟" اس نے ڈانٹ دیا تو وہ دانت لب پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گئی جیسے ناراض ہو گئی ہو۔

"آپ بہت برے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد سر اٹھا کر اس نے کہا تو ولید ہنس دیا۔

"مائی گاڈ... کتنی بچکانہ حرکات ہیں تمہاری۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ سر جھٹک گئی۔

"ایک دم بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو..... پل میں تولہ پل میں ماشہ..... کبھی کبھار لگتا ہے جیسے ایک بہت عاقل، بالغ، عالم فاضل سی لڑکی ہو اور اگلے ہی پل میری عقل جھنجلا کر رہ جاتی ہے جب تم بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔"

"میں نے اپنے متعلق رپورٹ بیان کرنے کو نہیں کہا۔" اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ خاصی ناراض ہو گئی تھی۔ اپنا مگ لے کر اٹھنا چاہا تو ولید نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو بیٹھو یار۔" ولید کا انداز بڑا نرم تھا۔

"کیا فائدہ آپ سنجیدگی سے کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔" وہ ہنس دیا۔ اس کے نرم سبک ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔

"اتنے عرصے سے میں تمہارے ساتھ دماغ کھپا رہا ہوں۔ تمہارے پل پل بدلتے موڈز کی ریزن جاننے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم ہو کہ کوئی سرا ہی نہیں پکڑاتی۔ اگر میں کسی بات پر تمہیں ٹال دوں یا ڈانٹ دوں تو خفا ہو جاتی ہو۔" انا نے ولید کے ہاتھ کے نیچے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"آج جب ہم کچھ گھنٹے پہلے شاپنگ کر رہے تھے تو انہی مصطفیٰ صاحب کی کال تھی کیا آپ ہمیں چھوڑ کر انہی کے پاس گئے تھے کیا؟" ایک تو انا اور اس کے سوال۔ ولید نے سر ہلا دیا۔

"ہاں، مصطفیٰ نے ہی کال کر کے بلوایا تھا۔" انا کو لگا کہ اس کے کندھوں سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

کیا تھا اگر یہی بات اسے وہ تب بتا دیتا کم از کم وہ اتنی دیر پریشان اور خود سے خفا تو نہ ہوتی۔ اچھا خاصا خوشگوار موڈ ایک دم خراب ہوا تھا اور اب...... اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ نجانے اس شخص کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسے بری طرح کیوں ہرٹ کر جاتی تھیں؟ وہ آہستگی سے کرسی پر جم گئی تھی۔ وہ اب ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ دل پر چھایا اضطراب ختم ہوا تو اپنی طبیعت کی یہ کیفیت محسوس کرتے وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اب وہ پوری شدت سے ولید کے ہاتھ کے نیچے دبے اپنے ہاتھ پر مضبوط گرفت محسوس کر رہی تھی۔

"آپ کے ان دوست کی شادی ہو گئی کیا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا کہ اسے مصطفیٰ کے متعلق ان لوگوں سے زیادہ بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔

"فی الحال تو نہیں۔" ولید کافی ختم کر چکا تھا اب وہ انا کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا تھا انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میری دوست شہوار ہے نا اس کے کزن کا نام بھی مصطفیٰ ہے۔ وہ بھی پولیس آفیسر ہیں۔ جب بھی مصطفیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو مجھے امریکا والے مصطفیٰ صاحب یاد آ جاتے ہیں۔"

"نام کی مماثلت ہو جاتی ہے اکثر، ویسے تمہاری یہ دوست انگیجڈ ہے کیا؟" ولید نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"فی الحال تو نہیں۔" کچھ سوچ کر وہ مسکرائی تھی ولید نے بغور دیکھا۔ انا کی ہنسی بڑی محظوظ کن تھی۔

"خیریت؟"

"آپ کو مزے کی بات بتاؤں شہوار کو آپ کی پرسنالٹی بہت پسند آئی ہے۔ چند دن پہلے ہمارے درمیان یونہی بات چیت ہو رہی تھی تو وہ اپنے کزن مصطفیٰ سے آپ کو کمپیئر کرتے آپ کی شخصیت کو بیان کرتے آپ کو اپنے کزن سے زیادہ نمبر دے رہی تھی۔ میں نے اس کے کزن کو نہیں دیکھا اکثر وہ اسے چھوڑنے آتا ہے مگر کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چونکہ شہوار ایک بار آپ سے مل چکی ہے تو وہ آپ سے خاصی متاثر ہے۔ احسن بھائی سے بھی وہ مل چکی ہے مگر احسن بھائی اور اپنے کزن مصطفیٰ سے زیادہ وہ آپ کو مارکس دیتی ہے اور یہ پلس پوائنٹ آپ کو اپنی اس شاندار اٹریکٹیو پرسنالٹی کی بدولت ملتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ولید ہنس دیا۔ وہ اپنی شخصیت کے اس چارم سے بخوبی آگاہ تھا۔

"وہ خود بھی ایک بہت متاثر کن لڑکی ہے۔ میں نے بائے فیس اسے نہیں دیکھا اس دن کالج کے گیٹ پر ملاقات ہوئی تھی تب وہ چادر کے پلو میں منہ کیے ہوئی تھی مگر بات چیت کا انداز بہت اچھا تھا۔ کافی سلجھی ہوئی اور مہذب لڑکی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد چند دن پہلے تمہارے موبائل پر اس سے بات ہوئی تھی۔ میں بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کی مینٹلی اپروچ کافی ہائی لیول کی محسوس ہوئی تھی۔" ولید کی بات پر اس نے فخر سے گردن اکڑائی یوں جیسے ولید اس کی ہی تو تعریف کررہا ہو۔

"یہ سچ ہے کہ اس کی مینٹلی اپروچ بہت اچھی ہے مگر چونکہ وہ میری دوست ہے تو یہ پلس پوائنٹ بھی مجھے جاتا ہے۔"

"بٹ...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک اتنی اچھی اور ہائی لیول کی لڑکی سے تمہاری دوستی کیسے ہوگئی؟ تم ابھی تک موڈی ضدی اور خاصی بدلحاظ ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر بچکانہ حرکات میں ملوث ہوتی ہو جبکہ وہ خاتون کافی سنجیدہ مزاج، سلجھی ہوئی اور باتمیز لگی ہیں۔ یہ مشرق و مغرب کا امتزاج بھلا کیونکر ممکن ہوا بھئی۔" ولید چھیڑ رہا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یہ دل کے معاملے ہوتے ہیں آپ جیسے روکھے پھیکے لوگ بھلا کیا خبر رکھیں گے ان معاملات کی؟" اس نے جتایا تو ولید اس کے الفاظ پر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کبھی بہت فرصت سے وقت ملا تو یہ روکھا شخص اپنے دل کے معاملات تم سے ڈسکس کرے گا فی الحال تو سخت نیند آرہی ہے۔" انا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"او کے چلتا ہوں، اللہ حافظ تمہیں تو رات رات بھر نیند نہیں آتی سو تمہارے ساتھ بس اتنی دیر ہی جاگ سکتا ہوں۔ ٹیک کیئر اینڈ شب بخیر۔" وہ ہاتھ ہلاتا کچن سے نکل گیا اور انا آج کتنے دنوں بعد لطیف سے احساسات سے دوچار ہوئی تھی دل سے مسکرائی بھی ایک دم ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

"بے خبری بھی بڑی اچھی چیز ہوتی ہے ولید صاحب۔ سولیں، جی بھر کر نیندوں کے مزے لوٹ لیں۔ ابھی آپ کو وقت ہے اگر قدرت مجھ پر مہربان ہوگئی اور وقت نے گوٹ میرے ہاتھ میں تھمائی تو آپ سے اپنے ایک ایک پل کا حساب لوں گی۔ راتوں کے یہ رت جگے یوں خوشیوں سے سودا نہیں کیا میں نے۔ کانٹوں پر بسر کرتی ہوں اور کوئلوں پر لوٹتی ہوں دن رات۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ میں موڈی اور ضدی ہوں۔ جو عذاب میں جھیل رہی ہوں زبان پر تلخی اگر آجاتی ہے تو کیا غلط ہوتا ہے مگر آپ نہیں سمجھیں گے اور اسی بات کا تو رونا ہے۔ کاش آپ تک رسائی پا جاؤں اور جس دن مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ میرے جذبوں سے بے خبر نہیں یوں سمجھ لیجیے گا ولید صاحب کہ وہ دن آپ کا 'یوم حساب' ہوگا۔ اپنے ہر پل، ہر لمحے کی قیمت وصول کروں گی۔ میں ضدی ہوں، موڈی ہوں مگر ایک بات تو آپ بھول جاتے ہیں میں حد سے زیادہ جذباتی بھی ہوں اور جذباتی لوگ ہمیشہ اپنا نقصان کرتے ہیں اور جب نفع و نقصان سے بے پروا ہو کر میدان میں کودتے ہیں تو پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اندر کی آگ سے صرف انکی اپنی ہستی ہی جل رہی ہے یا کسی دوسرے کا دامن بھی۔ بس وقت کا انتظار کرنا ہے اب میں نے۔" اپنے منہ زور جذبوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے دونوں کافی کے خالی مگ سنک میں رکھتے ہوئے بہت کچھ سوچتے بہت سے لائحہ عمل ترتیب دیتے کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

❁......❁......❁

انکل اور آنٹی کے جانے کے بعد سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ حتیٰ کہ رات کا کھانا بھی عائشہ اس کے کمرے

میں لے آئی تھی۔ وہ انکل کے اس فیصلے پر اس قدر ڈسٹرب تھی کہ عائشہ کے ازحد اصرار پر بھی کچھ نہیں کھا پائی۔ عائشہ رات گئے تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ اس نے اس کے جانے کے بعد کئی بار حویلی کے نمبرز ملائے مگر دوسری طرف کوئی اس کی کال ریسیو ہی نہیں کررہا تھا۔ تھک ہار کر بہت غصے میں آکر اس نے موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔

ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی۔ گاہے بگاہے اس کی آنکھ کھلتی رہی مگر نقاہت صدمے، ٹینشن نے ایسا نڈھال کرڈالا تھا کہ جسم درد اور حرارت سے چور چور ہونے لگا تھا۔

ایاز والے واقعہ کے باوجود وہ اپنے آپ کو بحال رکھنا چاہتی تھی مگر انکل کی آمد کے بعد تو اسے لگ رہا تھا کہ اس کے اندر تمام تر قوت مدافعت ختم ہوگئی ہو نتیجتاً اس وقت وہ بخار میں تپ رہی تھی۔ عائشہ دن کے گیارہ بجے تک اسے کمرے سے نہ نکلتا دیکھ کر جب کمرے میں آئی تو وہ بخار سے نڈھال بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

"شہوار۔" اس کی طبیعت دیکھ کر اس نے پکارا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

"بخار ہوگیا ہے کیا؟" شہوار نے محض سر ہلایا۔

"تمہارے لیے کھانا لاؤں؟" عائشہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلادیا۔

"آنٹی کدھر ہیں؟" اپنے آپ کو سنبھالتے وہ اٹھ بیٹھی تو عائشہ نے اسے تشویش سے دیکھا۔

"ماں جی باہر ہی ہیں۔"

"مجھے حویلی جانا ہے ابھی اور اسی وقت تم ماں جی کو بلوادو۔" بخار کی حالت میں ہونے کے باوجود شہوار کا انداز مضبوط اور سنجیدہ تھا عائشہ ٹھٹکی۔

"اس وقت خیریت...... بواجی کا کوئی فون آیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میں خود ہی جانا چاہتی ہوں۔ تم ماں جی کو بلوادو پلیز۔" اس نے منت بھرے انداز میں عائشہ کا ہاتھ تھاما تو اس نے سر ہلادیا۔

"او کے۔"

"میں بلوادیتی ہوں مگر تم پہلے کچھ کھا پی تو لو بخار اترے گا تو کہیں جاؤ گی نا اور تمہارے چہرے کا زخم بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔ خیر نیل تو ختم ہوگئے ہیں مگر سرخی، سوجن اور زخم تو برقرار ہے۔" اس کے زخم کو بغور دیکھتے عائشہ نے کہا۔

"میں کھا پی بھی لوں گی تم پہلے میری آنٹی جی سے بات کروادو یا پھر میں خود ان کے پاس چلی جاتی ہوں۔" شہوار کا انداز دوٹوک تھا اور اس نے اٹھنا چاہا تھا۔

"او کے میں ماں جی کو لے کر آتی ہوں۔" اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی عائشہ کے ساتھ چلی آئی۔

"یہ عائشہ کہہ رہی تھی کہ تم گاؤں جانا چاہ رہی ہو؟" انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

"جی۔"

"طبیعت تو تمہاری ٹھیک نہیں۔ زخم بھی برقرار ہے۔ تابندہ کے سامنے ایسی حالت میں جاؤ گی تو وہ پریشان ہوگی۔" انہیں اس کے اس فوری فیصلے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوجاؤں گی۔ آپ مجھے گاؤں بھجوادیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں کسی کے ساتھ خود چلی جاؤں۔ مجھے اس وقت مت روکیں مجھے ضرور جانا ہے۔" بخار ہونے کے باوجود شہوار کا انداز ازحد سنجیدہ تھا۔ وہ اس کا دوٹوک انداز دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"ابھی دو دن پہلے ہی ہم لوٹے ہیں۔ اتنی جلدی جانے کی بھلا کیا تک ہے اور ایسی کوئی خاص وہاں ایمرجنسی بھی نہیں کہ تمہارا جانا لازمی ٹھہرے۔" انہوں نے اس کے فوری فیصلے کی وجہ جاننا چاہی تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"تم کچھ کھا پی لو پھر ہم دیکھتے ہیں۔" انہوں نے ٹالنا چاہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ انکل سے بات کرکے پرمیشن لے لیں بے شک مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیں مجھے آج ضرور یہاں سے جانا ہے۔" اس کے انداز میں واضح تنی اور سختی تھی انہوں نے خاصی الجھن اور پریشانی سے اسے دیکھا۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے کچھ کہا ہے؟" وہ یہی سمجھی تھیں مگر وہ جس وجہ سے جانا چاہ رہی تھیں اس وجہ سے وہ اچھی طرح باخبر تھیں۔ اس لیے بہلانا چاہا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے ساکت رہی تو انہیں اس کا انداز بڑا عجیب سا لگا۔ ورنہ وہ بڑی مؤدب اور بالحاظ بچی تھی۔ کبھی بلاوجہ ضد نہ کی تھی مگر اب اس وقت اس کا انداز نہ صرف ضدی تھا بلکہ اچھا خاصا ہٹیلا بھی تھا۔

"اس وقت تو گھر میں کوئی مرد بھی نہیں اور ڈرائیور کے ساتھ ان حالات میں تمہیں تنہا بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ تم کھانا کھالو فریش ہولو میں تمہارے بابا جان سے بات کرتی ہوں۔ تمہیں پہلے ہی بخار ہو رہا ہے اور ذہن پر مزید دباؤ مت ڈالو۔" اس کا سر تھپتھپا کر بہت محبت سے کہتے وہ عائشہ کو اسے کھانا کھلانے کی خاص تاکید کرتے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ شہوار کی اس ضد کے پیچھے کیا وجہ تھی وہ اچھی طرح آگاہ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کا موبائل نمبر ملایا۔

"السلام علیکم۔" رابطہ ہوتے ہی انہوں نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......جی خیریت؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"آپ نے حویلی کال کی بابا صاحب اور تابندہ سے کوئی بات دوبارہ ہوئی؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"ہاں آفس آنے کے فوراً بعد میں نے حویلی کال کی تھی۔ تابندہ شہوار کو لے کر پریشان ہو رہی تھیں رات شہوار حویلی کال کرتی رہی ہے مگر ادھر سے میری ہدایت کے مطابق تابندہ نے ریسیو نہیں کی۔ وہ شہوار کی پریشانی کو لے کر فکر مند تھیں۔ بابا صاحب سے بھی بات ہوئی تھی وہ خوش ہو رہے تھے انہیں بھی نکاح کا فیصلہ پسند آیا ہے۔ اپنی طبیعت کے سبب سفر کرکے وہ شہر نہیں آسکتے مگر وہ تقریب میں ضرور شامل ہونا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ یہ تقریب حویلی میں ہی انجام پذیر ہو۔" انہوں نے تمام تفصیل بتائی۔

"میرا خیال ہے کہ شہوار تابندہ کے کال ریسیو نہ کرنے پر شدید صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔ اسے اس وقت بخار ہو رہا ہے مگر وہ اس سب کے باوجود ابھی اور اسی وقت حویلی جانے کی ضد کر رہی ہے۔" انہوں نے کال کرنے کی وجہ بیان کی۔

"زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلوالیں۔" انہوں نے سلوشن بتایا۔

"وہ تو کرلیں گے مگر وہ جو ضد کر رہی ہے اس کا کیا کروں؟ اس کا انداز بہت ضدی اور سنجیدہ ہے وہ تو کہہ رہی ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ اسے بھیج دیں۔"

"اچھا۔" دوسری طرف شاہزیب صاحب کا انداز پرسوچ تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ شہوار ہمارے روکنے پر اب ایک پل بھی ادھر ٹھہرے گی یا تو تابندہ اسے خود کال کرکے بات کرلے یا پھر آپ بتائیں کیا کروں؟ اس کا لب ولہجہ اور انداز بہت اٹل تھا۔" انہوں نے مزید اطلاع دی۔

"آپ ایسا کریں پانچ دس منٹ ویٹ کرلیں۔ میں ذرا اچھی طرح سوچ کر جواب دیتا ہوں پھر آپ کو کال کرتا

ہوں۔" دوسری طرف انہیں شاید کوئی ضروری کام آپڑا تھا۔ انہوں نے کال ڈراپ کردی تھی۔ مہر النساء بیگم ٹیلی فون کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہاں مہر النساء آپ ایسا کریں ڈاکٹر زبیری کو بلوا کر پہلے تو شہوار کا چیک اپ کروائیں۔ کوئی میڈیسن دیں کھانا وغیرہ کھلوائیں۔ میں نے سجاد سے بات کرلی ہے وہ گھر آجاتا ہے ایک فائنل فیصلہ کن اسٹیپ تو ہم لے ہی چکے ہیں جس میں اب شہوار کے اس ردعمل سے ردوبدل کی گنجائش نہیں نکلتی۔ آپ لائبہ کو سمجھا دیں وہ تیار ہو جاتی ہیں تو لائبہ اور سجاد دونوں کے ساتھ شہوار کو حویلی بھیج دیں۔ رہ گئیں تابندہ تو ان کو میں سمجھا دوں گا کہ شہوار سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔ شہوار اگر حویلی جانا چاہتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بابا صاحب سے بات ہو چکی ہے چونکہ نکاح کی تقریب گاؤں میں ہی کریں گے تو شہوار کو آپ بھیج دیں۔ بابا صاحب آج دن کا ڈیسائیڈ کردیں گے۔" انہوں نے آرام سے حل بتایا تھا مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شہوار کو ادھر بھیج دیں گے تو اس کی پڑھائی کا جو حرج ہوگا؟"

"میں اس کے کالج میں بات کرلوں گا ویسے بھی آج کل وہ جس طرح پریشان ہے کالج تو جا نہیں سکتی۔ اسے بھیجنے سے پہلے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ ضرور کروا لیجیے گا۔" انہوں نے کہا۔

"اور نکاح کے سلسلے میں جو ضروری اقدامات ہیں میرا مطلب تیاری وغیرہ سے ہے۔"

"گھریلو خواتین کی تیاری تو آپ کا ہی شعبہ ہے آپ خود دیکھ لیجیے گا۔ باہر کے انتظامات ہمارا مسئلہ ہے۔ زیادہ گید رنگ نہیں کرنا ہمیں۔ رہ گئی حویلی میں تیاریوں کی بات تو وہ ہم خود دیکھ لیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔ سجاد کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ اب چند دن ادھر ہی رہے گا۔ ٹھیک ہے اور کوئی مسئلہ تو نہیں۔" تمام صورت حال جان کر مہر النساء بیگم ایک دم مطمئن ہوئیں۔

"نہیں بس آپ سے یہی پوچھنا تھا۔" انہوں نے چند مزید ایک دو باتوں کے بعد کال بند کردی۔ وہ واپس شہوار کے کمرے میں آئیں تو عائشہ کی موجودگی میں وہ کھانا کھا رہی تھی ان کو آتا دیکھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہارے بابا جان سے بات کی ہے وہ رضامند ہو گئے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب آتے ہیں تم چیک اپ کروالو لائبہ تمہارے ساتھ جائے گی اور سجاد بھی۔ عائشہ تمہاری تیاری کروا دیتی ہے۔ جو جو چیز پیک کروانی ہو اسے بتا دو یہ کردے گی۔" اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سنوارتے انہوں نے کہا تو شہوار ایک گہرا سانس لیتے قدرے ریلیکس ہوئی۔

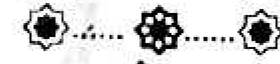
"پریشان نہیں ہوتے' جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔" وہ اس کی پیشانی چوم کر اٹھ گئیں۔ عائشہ نے اس کی پیکنگ کرتے حیران ہو کر دیکھا قالین پر اس کا موبائل ٹوٹی پھوٹی حالت میں بکھرا پڑا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" ٹوٹی اسکرین والا حصہ پکڑے وہ پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ روکھے پن سے جواب دے کر رخ ہی بدل گئی۔ عائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ غصے میں بھی ہوش کا دامن نہیں چھوڑتی تھی تو پھر اب کیا ہوا تھا؟ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر زبیری آ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا بخار چیک کرکے میڈیسن وغیرہ دے دی اور رخسار کے زخم کے لیے ایک مرہم بھی لکھ دیا جسے ماں جی نے فوری منگوا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد سجاد بھائی بھی آفس سے آ گئے تھے انہیں بابا جان نے تمام بریفنگ دے کر ہی بھیجا تھا۔ لائبہ بھابی کو ماں جی سمجھا چکی تھیں۔ وہ تمام صورتحال سن کر خاصی حیران ہوئی تھیں۔ تاہم سوال و جواب سے گریز کیا تھا۔ عائشہ نے اس کی

پیکنگ کردی تھی اس نے بس لباس بدلا تھا اور جس وقت وہ لوگ حویلی جانے کے لیے نکل رہے تھے تو سہ پہر شروع ہو چکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر شہوار نے آنکھیں موندلی تھیں کچھ دوا کا اثر تھا اور بخار کی کنڈیشن بھی کہ وہ پچھلی سیٹ پر دراز ہوگئی تھی بھابی اگلی سیٹ پر سجاد بھائی کے ہمراہ تھیں آفاق ان کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں دوا کے اثر سے بند ہونے لگیں تو وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی اور پھر سارا راستہ وہ سوتی رہی تھی۔



وہ کالج سے لوٹی تو کافی پریشان تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ شہوار اسے بغیر بتائے آف کر رہی تھی۔ وہ کل بھی کالج نہیں آئی اور آج بھی۔ انا کے دل میں عجیب سے اوہام آئے جا رہے تھے۔ اس کے موبائل پر سارا دن کال ملا ملا کر اس کی انگلیاں ٹوٹنے لگی تھیں مگر کال تھی کہ مل کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ گھر آ کر بھی اس نے ایک امید دل میں لیے شہوار کا نمبر ڈائل کیا مگر ہمیشہ کی طرح موبائل آف ملا۔

انا نے غصے سے موبائل بستر پر پھینکا وہ ابھی گھر لوٹی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا اگر دونوں میں کوئی ایک آف کرتی تھی تو دوسری کو اطلاع ضرور کر دیا کرتی تھی۔ نجانے وہ کیوں نہیں آ رہی تھی اور موبائل کس وجہ سے بند تھا؟ سوچ سوچ کر انا کا دماغ الجھنے لگا تو وہ ایک دم کچھ سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔

"میں شہوار کے گھر جا رہی ہوں...... چلو گی؟" روشی کے کمرے میں آ کر اس سے پوچھا تو کتاب سے سر اٹھا کر اس نے انا کو دیکھا۔

"کیوں خیریت؟"

"وہ دو دن سے کالج نہیں آ رہی۔ موبائل بھی بند ہے۔ کوئی رابطہ نہیں ہو رہا اور مصیبت یہ ہے کہ اس کے موبائل نمبر کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں ہے۔" وہ خاصی پریشان سی لگ رہی تھی۔

"کہیں بزی ہوگی۔" روشی نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں...... بات کوئی بھی ہو ہم اطلاع تو ضرور کرتی ہیں ایک دوسرے کو سارا دن رابطہ نہ بھی ہو میسجز کے ذریعے ایک دوسرے کی خیر خبر رہتی ہے۔"

"تو پھر۔" اس نے کتاب بند کی۔

"میں ماما سے کال کر کے پرمیشن لے لیتی ہوں۔ صغراں گھر پر ہی ہے، ہم کچھ دیر میں ہو آتے ہیں۔ ویسے بھی شادی کا کارڈ دینے تو ان کے ہاں جانا ہی تھا سو اسی بہانے کارڈ بھی دے آئیں گے۔" روشی نے سر ہلا دیا۔

"تم پھپھو کو کال کر کے پوچھ لو پھر جیسا وہ کہیں گی وہی کریں گے۔" روشی جانے پر رضامند ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے ماما کو کال کر کے ان سے پرمیشن لی۔ انہوں نے جلدی آنے اور ڈرائیور کو ساتھ ہی رکھنے کی تاکید سمیت پرمیشن دے دی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد اس نے ابھی تک چینج نہیں کیا تھا بس منہ ہاتھ دھویا تھا جبکہ روشی نے لباس ضرور بدلا تھا۔ کارڈ لے کر صغراں کو ہدایت دیتے دونوں ڈرائیور کے ہمراہ گھر سے نکل آئی تھیں۔

آدھے گھنٹے میں وہ شہوار کے گھر کے سامنے تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی گیٹ پر سیکیورٹی تھی۔ چوکیدار انا کو پہچان گیا تھا اس لیے پہلے کی طرح اس بار تفصیلی بازپرس کرنے کے بجائے اس نے بس انٹرکام پر اندر اطلاع دی اور پھر ان دونوں کو اندر داخلے کی اجازت دے دی۔

"اوف...... کتنی سیکیورٹی ہوتی ہے ان لوگوں کی؟" روشی نے کہا۔

"اچھا ہے نا آج کل ملک کے جو حالات ہیں کیا پتا کب کون گھر میں گھس آئے اور پھر انسان کے پاس جس قدر دولت ہوتی ہے اتنے ہی کرائسز فیس کرنا پڑتے ہیں۔" انا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ تبھی اندر سے ایک ینگ سی لڑکی ان کے استقبال کے لیے سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" یہ لڑکی دونوں کے لیے اجنبی تھی۔ انا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... آیئے پلیز۔" لڑکی نے بڑی گرم جوشی سے دونوں سے ہاتھ ملایا اور پھر ان دونوں کو اندر لے آئی تھی۔

"ہم شہوار کی دوستیں ہیں...... انا نام ہے میرا وہ آج کالج نہیں آئی کل بھی آف کیا تھا موبائل بھی بند تھا اس کا تو سوچا اس سے مل آؤں۔" وہ لڑکی ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ انا نے بیٹھتے ہی اپنا تعارف کروایا تو لڑکی مسکرائی۔

"میں صبا ہوں...... شہوار کی کزن۔"

"شہوار کدھر ہے؟" انا نے سر ہلاتے پوچھا۔ اسے باقی لوگوں کے متعلق زیادہ علم نہ تھا۔

"وہ تو حویلی چلی گئی ہے۔" لڑکی نے سادگی سے بتایا۔

"حویلی......" وہ چونکی۔ "یو مین گاؤں......؟"

"اچھا...... اتنی جلدی...... دو دن پہلے ہی تو وہ واپس آئی تھی۔" انا حیران ہوئی۔

"دراصل اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ اپنی امی کو بہت مس کر رہی تھی تو کچھ دیر پہلے ہی روانہ ہوئی ہے۔"

"اوہ آئی سی۔" انا کو اپنی آمد کے بے کار جانے پر افسوس ہوا۔

"باقی لوگ کدھر ہیں؟" انا نے یونہی اخلاق نبھایا۔

"ماں جی اور عائشہ کو جیولر کے پاس جانا تھا۔ شہوار کے جانے کے بعد وہ لوگ ادھر گئی ہیں۔ لائبہ بھابی بھی شہوار کے ہمراہ حویلی چلی گئی ہیں۔" انا نے محض سر ہلا دیا۔ ماں جی اور لائبہ سے تو وہ متعارف تھیں باقی عائشہ کون تھی اور یہ صبا شہوار کی کس حساب سے کزن بنتی تھی وہ بے خبر تھیں۔

"ایم سوری میں نے آپ سے پوچھا ہی نہیں آپ کیا کھائیں گی؟" وہ فوراً آداب میزبانی بجالانے کو تیار ہو گئی تھی۔

"اٹس اوکے...... ہمیں بس شہوار کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی وہ کبھی بغیر اطلاع کے آف نہیں کرتی تو مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔" صبا نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"آپ بیٹھیں میں آتی ہوں ذرا۔" وہ ان دونوں کو بٹھا کر چلی گئی تھی۔ انا نے روشی کو دیکھا۔

"گھر والوں میں سے تو کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی یہ خاتون آتی ہیں تو ان کو شادی کا کارڈ تھما کر واپس چلتے ہیں۔" روشی نے مشورہ دیا تو اس نے فوراً ہامی بھر لی۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی ملازمہ کے ہمراہ ٹرالی میں بہت سے لوازمات کے ساتھ چلی آئی تو دونوں شرمندہ ہوئیں۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" انا نے کہا تو وہ لڑکی مسکرائی۔

"آپ شہوار کی دوست ہیں، ماں جی کو پتا چلا کہ آپ آئی تھیں اور یونہی چلی گئی ہیں تو مجھ پر بہت خفا ہوں گی۔ اس دن بھی آپ شہوار کو باہر ہی سے اتار کر رخصت ہو گئی تھیں۔ ماں جی نے برا مانا تھا۔ شہوار کو ڈانٹا بھی تھا کہ وہ آپ دونوں کو اندر کیوں نہیں لے کر آئی۔" دونوں کو مشروب کے گلاس تھماتے اس نے کہا۔

"شہوار اس طرح اچانک کیوں چلی گئی۔ کوئی خاص ریزن تھی کیا؟" انا نے گلاس منہ سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

صبا نے محض سر ہلایا۔ (یہ شہوار کی دوست تھی پتا نہیں وہ اس کی پرسنل لائف سے باخبر تھی کہ نہیں اب انا کو خود سے کہو بتا کر وہ شہوار کا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی) سوچ رہی تھی۔

"وہ واپس کب آئے گی؟" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔

"چند دن میں آجائے گی۔"

"اور اس کا موبائل کیوں آف ہے؟" انا نے پوچھا تو صبا نے گہرا سانس لیا۔ یہ بھی اسے تھوڑی دیر پہلے پتا چلا تھا کہ شہوار کا موبائل ٹوٹ گیا ہے۔

جو سچویشن عائشہ نے بتائی تھی تو صبا کو شہوار جیسی لڑکی سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خود ہی گر کر ٹوٹ گیا ہوگا جبکہ عائشہ کا موقف تھا کہ ضرور شہوار نے کسی بات پر غصے میں آ کر موبائل دیوار پر مار کر توڑا ہے۔ اچھا خاصا موبائل اچانک گر کر ٹوٹنے سے تو رہا۔ یہ عائشہ کا موقف تھا۔

"اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے؟" صبا نے انا کو اطلاع دی۔

"اوہ......" انا نے گہرا سانس لیا۔

دونوں اپنا اپنا مشروب ختم کر چکی تھیں۔ صبا ان سے مزید کچھ لینے پر اصرار کر رہی تھی۔ مگر دونوں معذرت کر گئی تھیں۔

"شہوار سے رابطہ ہو تو اسے کہیے گا کہ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے۔"

"جی ضرور۔"

"یہ روشانے اور میرے بھائی کی شادی کا کارڈ ہے۔ یہی لے کر آئی تھی میں۔ شہوار کو بتا دیجیے گا۔" انا نے بیگ سے کارڈ نکال کر صبا کی طرف بڑھایا تو اس نے فوراً تھام لیا۔

"آپ سب لوگوں نے شادی پر ضرور آنا ہے۔ آنٹی گھر پر ہوتیں تو ان کو بھی اصرار سے کہتی۔"

"آپ ابھی رکیں نا' ماں جی آجائیں تو پھر چلی جایئے گا۔"

"نہیں...... شہوار آتی ہے تو پھر کسی دن چکر لگا لوں گی۔" اس نے سہولت سے منع کیا۔

"او کے اجازت دیں۔" وہ دونوں کھڑی ہوئیں۔

"ایم سوری میں بہت شرمندہ ہوں آپ کی کوئی خاطر تواضع بھی نہ کی۔ ماں جی اور شہوار بھی نہیں ورنہ آپ کو تکلف برتنا نہ پڑتا۔" صبا شرمندہ ہو رہی تھی۔

"اٹس او کے۔" اس ساری صورتحال میں روشی نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"یہ آپ کی......؟" وہ انا کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"یہ میری ماموں زاد اور ہونے والی بھابی ہیں انہی کی شادی کا کارڈ ہے یہ۔"

"اوہ آئی سی۔" صبا نے بغور روشانے کو دیکھا تو چونکی۔

"ہم پہلے بھی کہیں مل چکی ہیں کیا؟" وہ روشانے سے پوچھ رہی تھی وہ جھینپ گئی۔

"نہیں...... میں پاکستان فرسٹ ٹائم آئی ہوں آپ سے بھی فرسٹ ملاقات ہے یہ میری۔"

"اوہ......" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگا یوں لگا کہ آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ بٹ آپ تو پاکستان بھی فرسٹ ٹائم آئی ہیں میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہو جاتا ہے ایسا بھی۔ اکثر لوگوں کی شکلیں آپس میں مل ہی جاتی ہیں۔" انا نے ہنس کر کہا۔

"مگر آپ کے فیس کی شیپ اتنی کامن تو نہیں کہ عام لوگوں سے ملتی جلتی ہو' ایسے چہرے تو بہت خاص ہوتے ہیں اور کم ہی دنیا میں ہوتے ہیں۔ پہلی نگاہ میں ہی اپنی طرف متوجہ کر لینے والے۔" صبا نے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" روشی نے سر تسلیم خم کیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"او کے اجازت دیں...... نائس ٹو میٹ یو۔" روشی نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے گرم جوشی سے تھام لیا۔

"می ٹو۔"

"ویسے آپ مصطفیٰ صاحب کی کیا لگتی ہیں؟" انا نے مصافحہ کرتے پوچھا تو وہ چونکی۔

"آپ مصطفیٰ بھائی کو جانتی ہیں؟"

"نہیں' بس بائے نیم تعارف سن رکھا ہے شہوار سے۔ زیادہ نہیں جانتی۔"

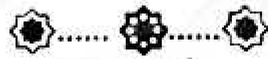
"میں اور عائشہ دونوں مصطفیٰ بھائی کی سسٹرز ہیں۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

"ویسے آپ کی بات پر غور کرتے ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔" روشانے نے کہا تو انا نے سر پکڑ لیا۔ اب یہ شناسائی پتا نہیں کس رنگ میں ڈھلنے والی تھی۔

"اللہ کے لیے کوئی فلمی کہانی نہیں سنانے لگ جانا۔ اچھا صبا' ہم چلتے ہیں آپ اپنی ماں جی کو ہمارا سلام کہیے گا اور شہوار سے ضرور کہیے گا کہ پہلی فرصت میں ہی مجھ سے رابطہ کرے۔ میں اس کی کال کی منتظر رہوں گی۔" انا روشی کو ٹوک کر صبا کو تاکید کرتے وہ اس کے ہمراہ باہر آ گئی تھی۔ منصور خان باہر ہی کھڑا تھا وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھیں تو اس نے گاڑی ڈرائیو کی۔

"ویسے تمہارا یہ دورہ ناکام ہی ٹھہرا۔" روشی نے کہا تو اس نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔

"پتا نہیں اب کیا ہوا ہے کہ اس کی طبیعت یوں اچانک خراب ہو گئی ہے۔" اندر ہی اندر وہ شہوار کے متعلق اندازے لگانے لگی تھی۔



وہ گھر لوٹا تو سامنے لاؤنج میں عائشہ' صبا' عباس بھائی کے علاوہ بابا صاحب اور ماں جی بھی تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" بابا جان نے کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

"تم کدھر تھے؟ کل بھی رات گئے لوٹے تھے اور آج بھی آفس سے تو کب کے اٹھ گئے تھے۔ اس وقت بھی بارہ بج رہے ہیں۔" انہوں نے بیٹے سے پوچھا تو مصطفیٰ نے انہیں سنجیدگی سے دیکھا۔

کل جس طرح بابا' ایاز کے سلسلے میں اس پر خفا ہوئے تھے تو وہ ان سے خفا تھا۔ اب اس کی شعوری کوشش تھی کہ باپ سے سامنا نہ ہو مگر اس وقت اس کا گمان تھا کہ بابا صاحب اپنے کمرے میں جا چکے ہوں گے۔ مگر وہ گھر میں داخل ہوا تو یہاں ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ یہاں وہاں کپڑے بکھرے پڑے تھے اور ماں جی کی گود میں زیورات کے بکس تھے۔

"ادھر ہی تھا۔" سنجیدگی سے جواب دیتے وہ عباس بھائی کے پہلو میں آ بیٹھا تھا۔ بابا جان نے اسے بغور دیکھا اور کتاب پر سر جھکا لیا۔

"کھانا لاؤں؟" عائشہ نے پوچھا۔

''نہیں میں کھا چکا ہوں۔'' اس نے انکار کیا۔

''یہ سب کیا ہورہا ہے؟'' صبا کپڑے تہہ کر کر کے رکھ رہی تھی جبکہ ماں جی بدستور بکس میں سے زیورات نکال نکال کر دیکھ رہی تھیں۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عباس بھائی نے شرارت سے شعر پڑھا تو وہ ٹھٹکا۔

''مطلب؟''

''یہ بھی ہم ہی بتائیں۔'' عباس بھائی کا انداز شرارتی تھا۔

ماں جی سمیت وہ دونوں ہنس دیے۔

''تم گھر پر ٹکو تو کچھ پتا چلے کہ یہ کیا ہورہا ہے رات کے بارہ بجے گھر لوٹے ہو اب تمہیں کیا بتائیں کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟'' بابا جان نے خفگی سے کہتے اسے اس کی اس روٹین پر سرزنش کرتے کتاب بند کر کے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی تو عباس نے ہنس کر مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بھئی ہمارے مصطفیٰ صاحب تو سب سے الگ ہیں بقول شاعر شمس زبیری کے۔

سب سے ملتا ہوں مگر سب سے الگ ہے اپنی راہ
اپنا انداز نظر سب سے جدا رکھتا ہوں میں

''ایاز والے کیس کا کیا بنا؟'' عائشہ نے پوچھا تو اس نے سر جھٹکا۔

''بند ہے ابھی تک حوالات میں۔''

''ابھی تک اس کے باپ نے کوئی سنگین قسم کے اقدامات نہیں کیے؟'' عباس نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''لگا ہوا تو ہے مگر امجد خان بھی عام انسان نہیں ہے۔ ہر طرح کا بڑن برداشت کر رہا ہے۔ ضمانت کروانے کے چکروں میں ہے مگر ابھی تک کروا نہیں پا رہا۔ دراصل اسپتال میں جو دو افراد ایڈمٹ ہیں ان کی وجہ سے کیس تھوڑا اسٹرونگ ہو رہا ہے۔ ورنہ وہ تو کب کا نکلوا چکا ہوتا۔'' مصطفیٰ نے تسلی سے بتایا۔

''طبیعت سیٹ ہو چکی ہو گی موصوف کی۔'' عباس بھائی نے خاصی نفرت سے پوچھا تو اس نے بھی سر ہلایا۔

''اچھی خاصی۔ اگر نہ بھی ہوئی تو میں نے کر دینی تھی سیٹ۔ خیر ابھی چھوڑوں گا تو نہیں۔ دیکھتا ہوں اس کا باپ کیا کرتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے۔ خاصی دھمکی آمیز کالز امجد خان کو مل رہی ہیں۔ در پردہ ہمیں بھی خاصا ستا رہا ہے۔ مخبر عبدالقیوم صاحب پر واضح ہو چکا ہے کہ اس کیس کے پیچھے ہم لوگ ہیں تاہم اصل خناس اور کیس کے بارے میں تو ابھی تک بے خبر ہی ہیں۔ امجد خان نے بھی ابھی تک اپنے اس کے بیٹے سے نہیں ملوایا۔ اس کے علاوہ کافی کوششیں کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ضمانت کروالے۔'' عباس بھائی کو تفصیلی جواب دیتے اس نے بہنوں کو دیکھا۔

''گھر میں ان لوگوں کی طرف سے کسی نے رابطہ کیا؟ عادلہ بھابی وغیرہ نے؟''

''نہیں فی الحال تو نہیں ہوا، ہمیں یقین ہے کہ وہ لوگ ہم سے رابطہ کرنے کی اب حماقت کریں گی بھی نہیں۔ اپنے بھائی کے کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ جانتی ہیں کہ اگر ہمیں کال کریں گی یا رابطہ کریں گی تو خود ہی منہ کی کھائیں گی۔'' عائشہ نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''چھوڑو کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔ تمہارے بابا ہیں نا وہ دیکھ لیں گے ان لوگوں کو اور عادلہ کو بھی لائن پر لے آئیں گے اور مصطفیٰ تم اب ایاز والے معاملے میں خود سامنے نہیں آؤ گے۔ تمہارے بابا نے اگر امجد خان کو آگے کیا ہے تو اسی کا نام رہنے دو۔ تمہارے بابا نے کل بتایا تھا کہ تم نے ایاز کو اچھا خاصا مارا پیٹا ہے۔'' ماں جی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''شکر کریں کہ صرف مارا پیٹا ہے ورنہ میرا ارادہ تو اس کو جان سے مار دینے کا ہے۔ ہماری خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ کوئی چھوٹا موٹا جرم نہیں ہے۔ سزا تو اس کو بڑی بھیانک ملے گی اس کی۔ بابا اسے قانون کی زد میں لے آئے ہیں ورنہ میرا بس چلتا تو اسے اسی لمحے گولی سے اڑا دیتا جب ہم نے اس کو ہوٹل کے واش روم کے حصے میں بھائی آفاق اور شہوار کو یرغمال بنائے پسٹل لگائے دیکھا تھا۔'' وہ ایک دم پھر غم و غصے سے کہنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے نارمل کرنا چاہا تو ماں جی نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔

''کول ڈاؤن یار..... کول ڈاؤن۔''

''اچھا دفع کریں مجھے تو جب بھی وہ سارا واقعہ یاد آتا ہے شدید ٹینشن ہونے لگ جاتی ہے۔ لیو دس ٹاپک پلیز۔ کوئی اور بات کریں۔'' صبا نے فوراً کہا تو ماں جی نے بھی اسے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ اب چپ رہے اور اس نے بمشکل اپنے آپ پر ضبط کیا۔

''یہ کس سلسلے میں سارا پھیلاوا ہو رہا ہے؟'' اس نے موضوع بدلنے کو کہا تو عباس سمیت باقی سبھی مسکرا دیے۔

''بوجھیں تو جانیں۔'' صبا نے شرارت سے کہا۔

''مجھے پزل کھیلنے نہیں آتے خود ہی بتا دو۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کے نکاح کی تیاریاں کر رہے ہیں ہم لوگ۔'' عائشہ نے دھیرے سے انکشاف کیا تو وہ چونکا۔

''مطلب؟''

''یہ تو ماں جی سے ہی پوچھو، ہمیں بھی گھر آ کر ہی پتا چلا ہے کہ دو دن بعد اتوار کو تمہارا نکاح ہے۔'' عباس بھائی نے دھیرے سے کہا تو وہ کئی پل تک ساکن رہ گیا۔

''اتوار کو..... اس قدر اچانک..... وجہ پوچھ سکتا ہوں اس اچانک فیصلے کی؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ماں جی کو دیکھا۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ دھیرے سے مسکرا دیں۔

''جس طرح یہ سارا واقعہ پیش آیا ہے تمہارے بابا نے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' انہوں نے پرسکون انداز میں بتایا۔

''اور شہوار؟'' اس سارے سلسلے میں وہ اس کے شدید انکار سے اچھی طرح باخبر تھا۔ اگر یہ بابا صاحب کا اچانک فیصلہ تھا تو یقیناً اس کی طرح وہ بھی لاعلم ہی ہو گی۔ اسے یقین کامل تھا۔

''اس سے بھی تمہارے بابا نے کل بات کر لی تھی۔'' اب کے وہ شدید حیرت سے دوچار تھا۔

''کل.....؟'' اس نے دہرایا۔

''ہاں..... انہوں نے کل ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ تابندہ اور بابا صاحب سے تفصیلی گفتگو کے بعد ہی انہوں نے شہوار سے بات کی تھی اور پھر انہوں نے بابا صاحب سے دوبارہ بات کر کے اتوار کا دن طے کر لیا۔'' ماں جی کے الفاظ پر وہ کئی لمحے گم صم سا رہا۔

''بابا نے شہوار سے بات کی تھی تو کیا اس نے انکار نہیں کیا ہو گا؟'' مصطفیٰ نے ماں جی کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا مگر وہاں بہت ہی خوشی کے تاثرات رقم تھے۔

''جیسے ہی فیصلہ ہوا تھا ہم تو فوراً پلاننگ میں لگ گئے تھے آپ کی طرح ہمیں بھی کچھ دیر قبل پتا چلا ہے۔ کل فرائی

ڈے ہے اور پرسوں سنڈے یوں کہہ لیں بس ایک دن ہے تیاری کے لیے۔'' صبا نے ہنس کر کہا تو اس نے بہت سنجیدگی سے سب کو دیکھا۔

''آپ کو اس طرح اچانک یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس اچانک فیصلے سے پہلے آپ مجھ سے ڈسکس تو کرلیتے۔'' مصطفیٰ نے کچھ خفگی سے ماں جی کو دیکھا۔

''کب ڈسکس کرتے؟ کل تم رات گئے لوٹے تھے سب سو گئے تھے اور صبح صبح گھر سے نکل گئے' تمہارے بابا نے کئی بار کال کی تم نے ریسیو نہ کی اور پھر اس کے بعد تم اب گھر لوٹ رہے ہو۔'' اس کی خفگی پر ماں جی نے بھی خاصی سنجیدگی سے کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔

''ہاں تو تم کر ہی چکے تھے۔ مینٹلی طور پر تم اس نکاح کے لیے ریڈی بھی تھے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ کل ہو یا پرسوں۔ ہونا تو ایک دن تھا ہی۔'' عباس بھائی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

''ہاں کرنے اور ایک دم یہ سب ہونے میں بہت فرق ہے۔ اسپیشلی اس واقعے کے بعد آپ کو شہوار سے ضرور پوچھنا چاہیے تھا۔'' ماں جی اس کا مطلب سمجھی تھیں یا نہیں مگر ایک بات کا وہ اچھی طرح اندازہ لگا رہی تھیں کہ مصطفیٰ یقیناً شہوار کے انکار سے بے خبر نہیں۔

''کیوں تم سے شہوار نے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے؟'' انہوں نے اندازہ لگانا چاہا مصطفیٰ ان کے انداز پر ٹھٹھکا اور پھر سنبھل گیا۔

''نہیں۔'' وہ رکا۔

''میرا مطلب ہے...... اس قدر اچانک وہ ایگری ہوگئی کیا؟''

''یہ بڑوں کا فیصلہ تھا پھر تمہارے بابا نے اس سے خود بات کی تھی۔'' ماں جی نے کہا تو وہ چپ رہا۔

''بابا صاحب کی خراب طبیعت کی وجہ سے ان کی خواہش پر گاؤں میں ہی رسم کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ یوں کہہ لو کہ یہ ان کی خواہش ہے۔ تم بھی اپنی شاپنگ کرلینا۔ سب رشتہ داروں کو ہم نے فون کردیے ہیں۔ اتنا لمبا چوڑا فنکشن تو نہیں ہوگا۔ اول و آخر یہ کوشش ہوگی کہ سادگی سے یہ سارا پروگرام اختتام پذیر ہو۔ مگر رشتہ داروں کی شمولیت کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں۔ تمہاری دونوں پھپھیوں کو فون کردیے ہیں۔ کراچی بھی کال کردی ہے۔ یہاں سے ہم لوگ ہفتے والے دن گاؤں روانہ ہوجائیں گے۔ باقی معاملات وہیں جا کر مکمل ہوں گے۔'' ماں جی اسے مزید تفصیل فراہم کررہی تھیں اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

یعنی یہاں سارے معاملات طے پاچکے تھے۔ اب اسے محض اطلاع دی جارہی تھی۔

''اب بھی بتانے کا کیا فائدہ تھا عین وقت پر اطلاع کردیتے؟'' وہ خفگی سے کہہ کر اٹھنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر واپس بٹھالیا۔

''رکو تو...... اتنے خفا کس لیے ہورہے ہو؟ یہ غیر متوقع تو نہیں تھا نا؟ گھر میں بات چیت چل رہی تھی کہ نکاح ہوگا۔ عائشہ اور صبا آپی بھی اسی سلسلے میں تھیں۔''

''میں خفا نہیں ہوں نہ ہی یہ سارا معاملہ میرے لیے غیر متوقع ہے لیکن موجودہ صورتحال کی وجہ سے میں ابھی اس سارے معاملے کے لیے تیار نہیں تھا یہ کیس ابھی درمیان میں ہے اور امجد خان پر جس طرح کا دباؤ ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف متوجہ ہونے کی غلطی افورڈ نہیں کرسکتا۔''

''تو کون کہہ رہا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف توجہ دو محض نکاح ہورہا ہے شادی تو نہیں۔'' ماں جی نے بھی اب

کے خفگی سے کہا۔

''دیکھو مصطفیٰ ہمیں شہوار سے امید تھی کہ وہ اعتراض کرے گی یا کوئی بات کہے گی مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اب تم بھی کچھ مت کہو۔ جب سے تابندہ بوا نے رشتے کے لیے ہامی بھری تھی تب سے ہم لوگ تمہارے نکاح کا ہی پروگرام بنا رہے تھے۔ ٹھیک ہے اب ایک دم طے کیا ہے مگر ذہنی طور پر تو تم تیار تھے نا اور اس دن وہ ڈنر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔'' عباس بھائی نے بھی کہا۔

''اچھا مصطفیٰ بھائی اس بحث کو چھوڑیں۔ بس یہ بتائیں کہ آپ ناخوش ہیں اس اچانک فیصلے سے؟'' عائشہ اور صبا دونوں خاموش تھیں مگر عائشہ نے جھنجلا کر پوچھا تو مصطفیٰ کی نگاہوں میں شہوار سکندر علی کا دلکش سراپا آ ٹھہرا۔

''بات میری نہیں شہوار کی رضامندی کی ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس سے تمہارے باپ نے خود بات کی تھی۔'' ماں جی نے جواب دیا تو وہ ٹھٹکا۔

''بابا نے خود کی تھی؟'' اس نے پوچھا تو ماں جی نے سر ہلادیا۔

''تو پھر اب اعتراض کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اچھا یہ دیکھیں ہم آج جیولر کے پاس گئی تھیں۔ ماں جی نے کافی دنوں سے آپ کی دلہن کے لیے کچھ زیورات بنانے کا آرڈر دیا ہوا تھا۔ ہم آج ہی یہ لے کر آئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ کر بتائیں کیسے ہیں یہ زیورات؟'' عائشہ رسانیت سے کہتے جیولری باکسز ماں جی کی گود سے اٹھا کر مصطفیٰ کے قریب آ کر اسے دکھانے لگی تھی۔

''ٹھیک ہی ہیں یہ تو خواتین کو ہی پتا ہوگا۔ مجھے کیوں دکھا رہی ہو؟'' اس نے سرسری سا دیکھا۔

''پہننے تو آپ کی ہی دلہن نے ہیں نا؟ اچھی طرح دیکھ لیں اگر پسند نہیں تو بتادیں ابھی دو دن ہیں ہم چینج کروالیں گے۔'' صبا نے بھی حصہ لیا۔ اس نے محض سر ہلادیا۔

''زیورات کی سب سے بڑی ٹینشن تھی یہ تو کام ہوگیا۔ ہم لوگ ذات برادری والے ہیں بھلے سادگی سے سب کر رہے ہیں مگر اپنی حیثیت کے مطابق سبھی کچھ کریں گے۔ پھر تم تو ہمارے گھر کی آخری خوشی ہو اور یہ موقع کب زندگی میں بار بار آتا ہے کوئی خواہش ہے دل میں تو بتادو۔ تمہاری پسند اور خواہش کے مطابق ہی سب کریں گے۔'' ماں جی نے محبت وشفقت سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرا دیا مگر اندر ہی اندر شہوار کا متوقع ردعمل سوچ سوچ کر شدید ٹینس ہورہا تھا۔

''آپ جو بھی کریں گی مجھے کوئی اعتراض نہیں بس اس قدر عجلت میں سب کرنے پر حیرت ہورہی ہے اور سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر ہورہی ہے کہ شہوار راضی کیسے ہوگئی؟''

''اوہ...... پھر وہی بات؟ ماں جی بتا تو چکی ہیں کہ بابا جان نے خود بات کی تھی اور شہوار کو آخر کیونکر انکار ہوگا۔ کیا کمی ہے آپ میں یا ہمارے خاندان میں؟'' عائشہ نے برا مان کر کہا تو ماں جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''باقی سب تو ہوتا رہے گا ایک اہم چیز نکاح کا جوڑا اور باقی سامان خریدنے کا ہے۔ تم لوگ فہرست بنالو کل اور پرسوں صبح کے اوقات میں سب کام مکمل کرنا ہے۔ دوپہر کے بعد ہمیں گاؤں کے لیے روانہ ہوجانا ہے یہ ذہن میں ضرور رکھنا۔'' اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے دونوں بہنوں کو یاد دہانی کروائی۔

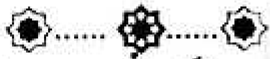
''ہم آپ بے فکر ہوجائیں سب کام ہوجائیں گے۔'' صبا نے یقین دہانی کروائی۔

''لائبہ ہوتی تو مجھے ٹینشن نہ ہوتی اب جو کچھ بھی ہے تم دونوں نے ہی دیکھنا ہے۔'' ماں جی کہہ کر زیورات کے ڈبے سنبھالتیں اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

''لائبہ بھابی کدھر ہیں اور سجاد بھائی بھی غائب ہیں' خیریت؟'' ماں جی کی بات پر وہ چونکا۔ حاضرین کو دیکھا بھیا اور

بھابی نہ تھے۔
اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنے روم میں ہوں گے مگر اب ماں جی کے الفاظ پر ٹھٹکا۔
''بھابی اور بھیا کے علاوہ ادھر ایک اور ہستی بھی غائب ہیں ان کی کمی محسوس نہیں کی جناب نے؟'' عائشہ شرارت سے بولی تو وہ ٹھٹکا۔
''شہوار؟''
''جی جناب۔'' صبا ہنسی۔
''اپنے روم میں ہوگی۔'' اس وقت وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی اس نے قدرے سکون سے کہا تو تینوں ہنسے۔
''ہماری فلموں میں پاکستانی پولیس کی بالکل ٹھیک عکاسی کی جاتی ہے۔ ہماری پولیس ہمیشہ واردات کے بعد موقع پر پہنچتی ہے۔ آپ پر بھی اثرات غالب آتے جارہے ہیں۔'' صبا نے ہنس کر لقمہ دیا۔
''شہوار بھابی اور بھیا کے ہمراہ گاؤں جاچکی ہیں۔'' عائشہ نے کہا تو وہ چند پل تک بالکل چپ چاپ رہا۔ یہ اس کے لیے ایک نئی اطلاع تھی۔
''اس قدر اچانک؟'' اسے حیرت ہوئی۔
''جی......''
''شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس حادثے سے اچھی خاصی متاثر ہوئی ہے وہ۔ اپنے کمرے میں ہی بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اب تو بخار بھی تھا۔ اس نے ماں جی سے گاؤں جانے کی بات کی تو ماں جی نے بابا جان سے پوچھ کر بھیا اور بھابی کے ساتھ بھیج دیا۔'' عائشہ نے تفصیل پہنچائی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''یعنی محترمہ بالکل بھی راضی نہیں۔'' اس نے فوراً نتیجہ اخذ کیا تھا۔ مصطفیٰ کے احساسات اس وقت بڑے عجیب سے ہو رہے تھے۔ اپنے رد کیے جانے اور سبکی کا احساس شدت سے حاوی ہوا تھا۔ زندگی میں اتنا اہم موڑ آرہا تھا مگر بالکل اچانک اور غیر یقینی عجیب سے انداز ہیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ دل سے خوش ہوتا اور اس سارے سلسلے کو بہت انجوائے بھی کرتا۔
''وہ آج کالج نہیں گئی تھی؟'' اس نے یونہی سرسری انداز اختیار کیا۔ وہ آج جلدی گھر سے نکل گیا تھا۔ سوائے علم نہیں تھا کہ پیچھے گھر میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔
''نہیں...... رخسار کا زخم ابھی خاصا نمایاں تھا پھر بخار بھی تھا۔'' عائشہ نے ہی جواب دیا تو مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔
''شہوار کی فرینڈ اس کی دو دن کی غیر حاضری کا پتا کرنے آئی تھی اس کے ساتھ اس کی کزن بھی تھی۔ گھر میں تم اور ماں جی دونوں ہی نہ تھیں۔ مجھے تو وہ جانتی نہ تھیں لائبہ بھابی کا علم تھا وہ بھی نہیں تھیں تھوڑی دیر بیٹھی تھیں پھر چلی گئیں۔'' صبا کالج کے ذکر پر مزید بتانے لگی تو مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے لیے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔
''شادی کا انوٹیشن دے کر گئی ہیں۔ میں نے شہوار کے روم میں رکھ دیا ہے۔''
''کون سی فرینڈ؟'' عائشہ نے پوچھا۔
وہ اور صبا ڈسکشن کرنے لگ گئیں تو وہ نظر انداز کرتا معذرت کرتا وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا اگر درمیان میں یہ حادثہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً بہت خوش ہوتا مگر اب عجیب سے احساسات ہو رہے تھے وران تمام احساسات پر سب سے بھاری یہ احساس تھا کہ شہوار راضی نہیں ہے۔ مصطفیٰ نے بہت زور سے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے

محسوسات پر قابو پانے کی ایک ہلکی سی کوشش کی تھی۔ مگر لگتا تھا کہ جذبات میں شدید طغیانی آگئی ہے۔ رہ رہ کر شہوار کے رضا مند نہ ہونے کا احساس شدت اختیار کرتا جارہا تھا۔



رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ صبح کے آثار تھے مگر وہ غم سے نڈھال تھی۔ وہ جب سے لوٹی تھی اسی طرح نڈھال بستر پر پڑی ہوئی تھی تابندہ بی نے بہت نرمی اور شفقت سے اس کے رخسار کو چھوا۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ مغرب کے بعد یہ لوگ حویلی پہنچے تھے پھر کھانا کھا کر لائبہ شہوار کے پاس آگئی تھی کہ ماں جی کی خصوصی تاکید تھی کہ اسے ایک پل کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑنا اور اب تابندہ بی کمرے میں آئیں تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی جہاں سجاد ٹھہرے ہوئے تھے۔
شہوار کو لائبہ نے میڈیسن اور کھانا کھلا کر اب سلا دیا تھا۔ تابندہ بی نے بغور اس کے رخسار کو دیکھا وہاں زخم کے ساتھ نیلا نشان بھی تھا جیسے کوئی نیل پڑ گیا ہو۔
''یہ زخم کیسا ہے؟'' رات وہ زخم دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔ انہوں نے لائبہ سے پوچھا بھی تھا۔
''شہوار کا سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا تھا اور گر گئی تھی۔'' لائبہ نے جواب دیا جبکہ شہوار آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹی خاموش رہی تھی۔ وہ تو بابا صاحب کو بھی سلام کرنے نہیں گئی تھی۔ وہ خود ہی اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ بھی اس کے متعلق متفکر ہو رہے تھے ایک فطری سی پریشانی تھی۔
شہوار نے تابندہ بی سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ ناراض تھی تابندہ بی کو بہت اچھی طرح اس کی ناراضگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اسی طرح اس کے رخسار پر انگلیاں پھیرتے بیٹھی رہی تھیں۔ رات بیتی اور فجر کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔ انہوں نے جھک کر بہت محبت سے بخار کی حدت میں مبتلا وجود کی پیشانی پر بوسہ دیا۔
''دیکھو...... سکندر کیسے میں نے اپنی محبت کا حق ادا کیا ہے۔ تمہاری بیٹی کو دل کا ٹکڑا بنا کر رکھا ہے۔ کبھی غم کی آنچ نہیں آنے دی اور آج اس کی بنیادیں مضبوط کر رہی ہوں تو یہ مجھ سے خفا ہو رہی ہے۔ آخر تمہاری بیٹی ہے نا تمہاری طرح بلا کی ضدی تم نہ رہے ہم نے تو تمہارے بعد بھی وفا کی ہے۔'' نم پلکوں کو صاف کرتے تابندہ بی اٹھ کھڑی ہوگئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔
ان کے کرنے کو اب سو کام تھے۔ پہلے انہوں نے وضو کر کے نماز ادا کی تھی پھر تلاوت میں مشغول ہوگئی تھیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ کچن میں چلی آئیں۔ زہرہ بی (پھپو) بھی حویلی میں ہی تھیں۔ کل یا آج شام تک اور لوگوں نے نکاح کی تقریب کے سبب حویلی آجانا تھا۔ انہوں نے عظمت اور تاج سے ناشتا تیار کروایا۔ بابا صاحب کا ناشتا ان کے کمرے میں بھجوا دیا۔ سجاد لائبہ زہرہ بی اور انہوں نے مل کر ناشتا کیا۔ شہوار بخار اور میڈیسن کے سبب غافل تھی کوئی گیارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو لائبہ اس کے پاس ہی تھی۔
''کیسی طبیعت ہے اب بخار اترا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔
''ہوں...... بخار تو اتر گیا ہے۔ بس ہلکا سا باڈی ٹمپریچر ہے جو عام طور پر ہوتا ہی ہے اٹھو منہ ہاتھ دھولو ناشتا کرو کل سے ایسے ہی پڑی ہوئی ہو۔ وہاں سے بھی ماں جی عائشہ' سبھی کے فون آرہے ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کو بے تاب ہیں۔'' بھابی کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو بھابی کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔
''یہ شہوار منہ ہاتھ دھو کر آگئی ہے۔ یہ لو اس سے بات کرو۔'' بھابی نے اشارے سے پاس بلا کر اسے موبائل تھمایا تو

وہ الجھی۔

"کس کی کال ہے؟"

"تم بات تو کرو ابھی پتا چل جاتا ہے۔" بھابی کا انداز شرارتی تھا اس نے موبائل کان سے لگاتے بیڈ کے کنارے پر ہی بیٹھ گئی۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم کیسی ہو؟" دوسری طرف مصطفیٰ تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"بھابی بتا رہی تھیں کہ اچھا خاصا بخار تھا تمہیں۔" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے مزید پوچھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا شہوار کو لگا ہو گویا اس کے اندر آگ دہک اٹھی ہو۔

"بھس کو چنگاری دکھا کر تماشا دیکھنا شاید آپ کی فطرت ہے۔ میرے جینے مرنے سے اب آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" وہ تو ایک دم بپھری تھی بھابی نے بہت چونک کر اسے دیکھا فوراً لپک کر قریب آئیں۔

"واٹ ڈو یو مین؟" اس کے یوں آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑنے پر دوسری طرف مصطفیٰ بھی حیران ہوا تھا بلکہ غصے سے بولا تھا۔

"اتنے ناسمجھ اور کم فہم بچے نہیں ہیں کہ مجھ سے وضاحتیں مانگتے پھریں۔ میں کیا چاہتی تھی آپ بے خبر نہ تھے اب اس سارے تماشے کے ذمہ دار آپ ہی ہیں۔ خبردار آئندہ مجھ سے بات کی یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تو......!" غصے سے کال بند کرتے اس نے موبائل بستر پر پھینکا تو بھابی فوراً اس کے پاس آ بیٹھیں۔ ان کے لیے شہوار کا یہ ایک نیا روپ تھا۔ بڑا حیران کن اور حیرت انگیز۔

"شہوار کیا ہوا؟ کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے؟" وہ ایک دم شدید پریشان ہوئیں۔

شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ضبط کی انتہا سے اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ خاصی متفکر ہو چکی تھیں اور پریشانی سے شہوار کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنے اندر اٹھتے طوفان پر بند باندھنا چاہے تھے۔ یہ لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتی تھیں ان کے سامنے کچھ کہنا اپنا تماشا بنوانا تھا صرف اور اسے اپنا تماشا بنوانا مقصود نہ تھا۔ اس نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"کچھ نہیں، بس یونہی۔" اس نے ندامت سے کہتے اپنی جذباتیت پر قابو پانے کی کوشش کی بھابی نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کے الفاظ کا بھلا کیا پس منظر ہو سکتا تھا؟ اس نے مصطفیٰ سے ایسے کیوں کہا؟ انہوں نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ موبائل پھر بج رہا تھا۔ شہوار نے خاصی تلخی سے موبائل کو دیکھا یہ بھابی کا موبائل تھا۔ اس کا جی چاہا کہ موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

"پلیز مجھ سے بات مت کروایئے گا۔ میں ابھی کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے تلخی سے کہتے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے کمبل سر تک تان لیا۔ بھابی نے خاصا الجھ کر اسے دیکھا۔ اس کا ری ایکشن بڑا حیرت انگیز تھا۔

"وعلیکم السلام۔" بھابی نے کال ریسیو کی۔ نا چاہتے ہوئے بھی بھابی کی طرف وہ متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، شہوار بھی ٹھیک ہے۔ بخار تو اتر چکا ہے بس نارمل ٹمپریچر ہے شام تک ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ انہیں کسے بتا رہی تھیں۔ شاید دوسری طرف اب کوئی اور تھا مصطفیٰ کے علاوہ۔

"نہیں فکر مت کریں، جی اٹھ چکی ہے وہ ناشتا ابھی نہیں کیا۔ میں کروا دوں گی آپ فکر مت کریں۔ بات اور ابھی......؟ مگر وہ تو...... اچھا ایک منٹ میں دیکھتی ہوں، آپ ہولڈ کریں۔" وہ جو ساری باتیں سن رہی تھی کمبل ہٹا کر

بھابی کو دیکھا وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ماں جی ہیں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" انہوں نے اس کے دیکھنے پر بتایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

بہر حال وہ مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب سے مر کر بھی بدتمیزی نہیں کر سکتی تھی کہ یہ دونوں ہی اسے ازحد عزیز تھے۔ ان سے بدتمیزی کرنا تو دور کی بات کبھی سر اٹھا کر انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اب لے دے کر سارا نزلہ مصطفیٰ پر ہی نکلنا تھا یا پھر تابندہ بی پر۔

"السلام علیکم۔" اس نے موبائل تھام لیا۔

"وعلیکم السلام...... جیتی رہو، بخار اترا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی......!"

"میں نے کل کئی بار کالز کی تھیں تابندہ اور لائبہ سے ہی بات ہوئی۔" وہ خاموش رہی۔

"کھانا کھالیا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"جی ابھی کھاتی ہوں۔"

"دھیان دو خود پر۔ اپنا خیال رکھو، پرسوں رسم ہے۔ زینب آپا اور زہرہ دونوں کی فیملیاں کل تک پہنچ جائیں گی بلکہ شام کو آپا کہہ رہی تھیں کہ کچھ لوگ آ جائیں گے۔"

شہوار چونکی۔ مہر النساء بیگم اور انکل سے صرف نکاح کی بات ہوئی تھی۔ اتنی جلدی تقریب ہوگی اسے اندازہ نہ تھا اور نہ ہی کسی نے ذکر کیا تھا جبکہ یہاں آ کر بھی کسی نے نہیں بتایا تھا۔

"تمہارے چہرے کا زخم اب کیسا ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا تو وہ چونکی۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے رخسار کو چھوا کئی واقعات ذہن کے دریچے پر جاگے ایک ٹھیس سی اٹھی۔ زخم پہلے کی طرح تکلیف تو نہیں دے رہا تھا مگر بہر حال درد اور تکلیف تو تھی۔

"ڈاکٹر زبیری نے جو مرہم لکھا تھا وہ لائبہ نے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ وہ لگاؤ پرسوں تک چہرہ صاف ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ اب تمہاری ماں کو تو کچھ بتایا نہیں۔ تم بھی ذکر نہیں کرنا میں نے بھی لائبہ اور سجاد بلکہ سبھی کو سمجھا دیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائیں خوامخواہ پریشان ہوگی۔ چہرے کی بات ہے پہلی نگاہ ہی چہرے پر پڑتی ہے زخم دکھائی دیتا ہے۔ اپنا خیال رکھو کھاؤ پیو دھیان سے میڈیسن لو، مجھے تو بس تمہاری ہی فکر لگی ہوئی تھی۔ مہر النساء بیگم کے لہجے میں ایک پرخلوص بے ریا قسم کی فکر مندی تھی۔ شہوار کے دل پر ان کے جذبات کا شدید اثر ہوا تھا۔

"جی بہتر، دھیان رکھوں گی۔"

"شاباش، جیتی رہو۔ اب تو تم ہماری بیٹی ہو۔ مصطفیٰ کی دلہن کا بہت ارمان تھا وہ ایک عرصہ باہر گزار کر آیا ہے۔ میرا تو دل ہی ہولتا رہتا تھا ہر وقت۔ وہ باہر سے کسی کو ساتھ لے آتا تو میں کیا کر لیتی مگر میرا بیٹا جتنا بھی ضدی، خودسر اور منہ زور ہو لیکن ماں باپ سے حقیقی محبت کرتا ہے۔ اپنی شادی کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ کر اس نے گویا مجھے خرید لیا۔ تم ہماری بہو بنو ہمارا تو ارمان تھا مصطفیٰ نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے تمہارے لیے ہاں کہی تو دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ اس قدر عجلت میں یہ سب کر رہے ہیں۔ میرے دل میں تو لاکھوں ارمان تھے کہ یہ کروں گی وہ کروں گی خیر کسر تو اب بھی کوئی نہیں رہنے دوں گی۔ اتنے عرصے سے اتنا کچھ مصطفیٰ کی دلہن کے لیے بنوا رہی تھی جب سے تمہارا نام مصطفیٰ کے ساتھ لیا جا رہا تھا تو تمہارا خیال ذہن میں رکھتے تمہارے مزاج اور پسند کے مطابق سب کچھ کر رہی تھی۔" وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں شہوار نے بہت ضبط سے بھابی کو دیکھا وہ بستر پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" اس کے دیکھنے پر انہوں نے اشارے سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں نے کئی دن سے زیورات کا کہا ہوا تھا کل جا کر لے کر آئی ہوں۔ کچھ اور سامان بھی خریدا ہے۔ کپڑے وغیرہ بھی۔ ظاہر ہے سارا خاندان تو نہیں مگر اہم لوگ تو بھی شامل ہوں گے۔ جتنی بھی سادگی سے کریں مگر خاندانی لوگ ہیں اپنی خاندانی روایت تو برقرار رکھیں گے ہی اور پھر مصطفیٰ میرے گھر کی آخری خوشی ہے اور مصطفیٰ کی زندگی کی تو پہلی خوشی ہو تم۔ جو کچھ بھی کروں کم ہے۔ کچھ کپڑے خریدے ہیں۔ آج تو جمعہ ہے بازار بند ہوں گے۔ کل ہفتہ ہے نکاح کا جوڑا ابھی لانا ہے تم اپنی پسند بتا دو کس رنگ اور کس کپڑے میں جوڑا خریدیں؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ وہ جو اس ذکر سے بھی بھاگ رہی تھی اس سوال پر لب دبا گئی۔

"میں نے مصطفیٰ کو بھی کہا تھا کہ نکاح کا جوڑا خریدنے ہمارے ساتھ چلے۔ اب پتا نہیں کیا کرتا ہے؟ گھر میں تو دو تین دن ہو گئے ہیں ٹک ہی نہیں رہا۔ صبح سویرے نکلتا ہے اور رات گئے لوٹتا ہے۔ رات بھی بارہ بجے لوٹا تھا نکاح کی رسم کا بتایا تو کہنے لگا کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ اور اس قدر اچانک کیوں؟" وہ مزید بتا رہی تھیں۔

"پھر بتایا نہیں تم نے کہ کس قسم کے کپڑے میں اور کس رنگ میں جوڑا لیں۔" وہ پھر کہہ رہی تھیں۔

"ماں جی اس بے چاری سے بھلا کیا پوچھ رہی ہیں یہ بھلا کیا بتائے گی؟ محترمہ اس معاملے میں ساری شرم خود پر اوڑھ چکی ہیں۔" دوسری طرف سے عائشہ کی شرارتی آواز گونجی تھی۔ شہوار کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔

"تم تو چپ کرو انہی موقعوں پر لڑکیوں کے سو ارمان ہوتے ہیں پھر بتاؤ بیٹا' تم نے ہی پہننا ہے اتنا وقت تو ہے نہیں کہ خجل خوار ہوں۔ پرسوں تقریب ہے آج بازار بند ہیں۔ کل ہی جوڑا خریدا جائے گا۔ ریڈی میڈ لینا ہے سلا سلایا۔ ایک ہی دفعہ اپنی پسند بتا دو کل شام ہم وہاں پہنچ جائیں گے پھر کہاں وقت ہوگا کہ واپسی یا بدلوانے اتنی دور آئیں۔" ماں جی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے نہیں پتا جو دل چاہے کرلیں۔" اس نے جلدی سے کہتے موبائل بھابی کو پکڑا دیا۔

"آپ خود ہی بات کریں۔" اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اضطراب بڑھ رہا تھا۔ ضبط چھلک رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر انکار کردے کہ اسے یہ سب منظور نہیں مگر اب وقت اس کے ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی سوائے پچھتانے کے۔ پرسوں تقریب تھی۔ اس تصور سے شہوار کو اپنا دل منجمد ہوتا محسوس ہوا تو وہ ایک دم بستر سے اتر کر باہر نکل آئی۔ وہ کسی تنہا گوشے میں سب سے نظر بچا کر بہت دیر تک خوب رونا چاہتی تھی۔

❀......❀......❀

عبدالقیوم اور ان کا وکیل اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ کے سبب صرف اتنا بندوبست کرسکے تھے کہ کورٹ سے انہیں اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس سے پہلے یہ لوگ جب بھی تھانے گئے تھے انہیں ایاز سے ملنے نہیں دیا گیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ ایاز سے ملنے آئے تھے ان کے ساتھ ان کی بیگم اور بیٹی عادلہ بھی تھیں۔ وہ سیدھا آفس میں آئے تھے وہاں امجد خان فائل کھولے مصروف تھا۔ ان چاروں کو دیکھ کر چونکا۔

"آیئے...... آیئے...... جناب عبدالقیوم! تشریف لایئے۔" امجد خان نے مسکراتے ہوئے ویلکم کہا تو ان چاروں کے زاویے بگڑ گئے۔

اس شخص نے ان تین چار دنوں میں ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ عبدالقیوم صاحب کی دولت و امارت کا سارا دم خم نکال کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ایک فون کال سے پہلے کی طرح ان کا بیٹا حوالات سے باہر ہوگا اور جیسے چاہیں وہ پولیس سے ساز باز کرکے معاملے کو اپنے طور پر ہینڈل کرلیں گے ان کی یہ ساری سوچ محض

خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی۔ ان چند دنوں میں دولت کا سارا نشہ ہرن ہوچکا تھا۔

"آیئے بیٹھیے۔" امجد خان نے آفر کی تو عبدالقیوم صاحب نے لب بھینچ لیے۔

"پچھلے چند دنوں سے تم جس طرح ہمیں ایاز سے ملنے سے روک رہے تھے اس پر ہم آج کورٹ سے یہ اجازت نامہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں ایاز سے ملنا ہے۔" عبدالقیوم صاحب کے بجائے ان کے وکیل نے کہا اور ساتھ فائل سے ایک پیپر بھی نکال کر امجد خان کے سامنے رکھا۔

"صرف اجازت نامہ' کیا ہوگیا ہے عبدالقیوم صاحب آپ کو۔ آپ کی دولت امارت بھی کسی کام نہیں آرہی۔ اتنے اونچے اونچے لوگوں سے آپ کے تعلقات ہیں مجھے تو گمان تھا کہ آپ ڈائریکٹ "ضمانت" کے آرڈر لے کر آئیں گے مگر افسوس آپ نے تو محض اجازت نامہ لینے پر اکتفا کیا ہے۔" امجد خان نے تمسخر اڑایا۔

"شٹ اپ' خبردار ایک لفظ بھی مزید تم نے کہا تو' ہمیں ایاز سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔" عادلہ نے ایک دم غصے سے بے قابو ہوتے کہا تو امجد خان نے اسے دیکھا۔

"آپ سابق ڈی آئی جی شاہزیب صاحب کی بہو ہیں آپ کی عزت کررہا ہوں ورنہ ہمارے تھانوں میں آپ جیسی عورتوں کو جس طرح پروٹوکول دیا جاتا ہے آپ بے خبر تو نہیں۔" امجد خان کے الفاظ پر عادلہ کو اپنے وجود میں ایک سنسنی خیز لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"ہم زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتے آپ سے بس ہمیں ایاز سے ملوایا جائے۔" وکیل نے مداخلت کی تو امجد خان مسکرادیا اور سر ہلا کر کھڑا ہوگیا۔

"دل تو نہیں کررہا ملوانے کا مگر آپ اتنی اونچی جگہ سے یہ آرڈر لے کر آئے ہیں تو اب حرج بھی نہیں آئیں ملواتے ہیں ہم آپ کو آپ کے بیٹے سے۔"

"ہم اکیلے ملنا چاہتے ہیں ایاز سے۔" عبدالقیوم صاحب نے کہا تو امجد خان نے بغور دیکھا۔

"مگر اس اجازت نامے پر ایسی کوئی شرط درج نہیں ہے۔"

"آپ کن باتوں میں الجھ رہے ہیں مجھے ایاز سے ملنا ہے بس' جس طرح بھی ہو آپ براہ مہربانی ایاز کے پاس لے چلیں۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہتے امجد خان سے منت کی تو وہ کندھے اچکاتے آگے چل دیا تو مجبوراً باقی لوگوں کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی تھی۔

"اٹھ اوئے...... تیری ملاقات آئی ہے۔" ایک سیل کے قریب آکر امجد خان نے پہرا دیتے کانسٹیبل کو اشارہ کیا تو اس نے فوراً دروازہ کھولتے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔

"ہائے میرا بیٹا۔" بیگم عبدالقیوم ایاز کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھیں تھیں۔ عادلہ وکیل صاحب اور عبدالقیوم تینوں ایاز کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

وہ زمین پر چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر چند روز پہلے پہنی جانے والی پتلون کے سوا کچھ نہ تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ جسم سارا نیل و نیل تھا اور چہرے کی ساخت ہی بدلی ہوئی تھی۔ بے تحاشا مار پیٹ سے سوج کر کپا بنا ہوا تھا۔ بمشکل اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کانسٹیبل کی ٹھوکر سے وہ بامشکل کہنیوں کے بل اٹھا تھا۔ ہاتھ اور بازو یوں تھے جیسے کام کرنے سے قاصر ہوں۔

"یہ...... یہ کیا حالت بنادی ہے تم لوگوں نے اس کی؟" عبدالقیوم صاحب کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے چہیتے بیٹے کی یہ حالت ہوگی۔

''کیوں پسند نہیں آئی؟ عبدالقیوم صاحب! آپ کا بیٹا کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں بیٹھا ہوا۔ تھانے میں ہے اور تھانے میں خطرناک مجرموں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شکر کر دیہ تمہیں زندہ حالت میں زمین کے اوپر مل رہا ہے ورنہ جو اس کا قصور تھا اس رات جب یہ گرفتار ہوا تھا اس دن پولیس ان کاؤنٹر میں مار دیا گیا ہوتا اور اب تک تم لوگ اس کو زمین کے اندر دفنانے کے بعد رونے دھونے کے کام سے بھی فارغ ہو چکے ہوتے۔'' امجد خان کا لب ولہجہ پتھریلا اور سخت تھا سب ہی کے دل لرز اٹھے تھے۔ بیگم عبدالقیوم اپنے قیمتی ملبوس کی پروا کیے بغیر زمین پر بیٹھ کر بیٹے کا سر سینے سے لگا چکی تھیں۔ بھائی کی حالت دیکھ کر عادلہ بھی قریب بیٹھ گئی تھی اس کی اس وقت ساری اکڑ نکل چکی تھی۔

''میں زندہ نہیں چھوڑوں گا' ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ تم سب کو حوالات میں بند کروا دوں گا۔ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' عبدالقیوم صاحب تو بیٹے کی حالت دیکھ کر پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

ایاز مار پیٹ سے اس قدر نڈھال تھا کہ اس نے صرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ہمت کی تھی باقی اس کا سارا جسم کام کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو اکڑے ہوئے تھے گویا ٹوٹ گئے تھے اور چہرے کی جو حالت تھی گویا آگ کی بھٹی میں جلا کر جھلسا دیا گیا ہو۔

''ڈیڈ مجھے یہاں سے نکالو۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔'' وہ کراہا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے آواز ایسی تھی کہ بمشکل عادلہ اور مام سن پائی تھیں۔

''ہائے میرا بچہ!'' بیگم عبدالقیوم بیٹے کے سر کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''میرے بیٹے کا اتنا بڑا قصور نہیں تھا کہ اس کی یہ حالت کر دی جاتی۔'' امجد خان ہنسا۔

''قصور؟'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

''قصور تو واقعی کوئی چھوٹا نہ تھا۔ مگر اس کو خود پر ترس نہیں آیا اس نے اپنی یہ حالت خود بنوائی ہے۔ بڑی تیز زبان چلتی تھی اس کی چند گالیاں دی تھیں اس نے اور صرف چند ہاتھ لگے تھے اس کو اور یہ حالت ہوگئی اگر ہم واقعی مار دھاڑ کرتے تو اب تک یہ زمین کے اندر ہوتا۔''

''ہم لوگ آپ کے خلاف مقدمہ کریں گے۔'' وکیل نے جواباً دھمکی دی۔

''ضرور...... مگر ہمارا ایک اہلکار زخمی ہوا ہے۔'' امجد خان نے مسکرا کر کہا۔

''وہ بچ گیا ہے۔ اس کی صرف ٹانگ پر گولی لگی تھی۔'' عبدالقیوم بھی بیٹے کے پاس جا بیٹھے تھے وکیل ہی مخاطب تھا۔

''وہ مر بھی سکتا ہے۔'' امجد خان کا انداز اس قدر سیریس اور سنجیدہ تھا کہ سبھی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کا لب ولہجہ اٹل تھا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے' میرے خلاف اس نے جھوٹا کیس بنوایا ہے۔ اس حرامی نے مصطفیٰ اور اس کے باپ کے ساتھ مل کر' میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس مصطفیٰ نے بہت مارا ہے۔ وہ مجھے مار دے گا میں نے کوئی چوری نہیں کی میرے ساتھ کوئی ساتھی نہ تھا انہوں نے ہوٹل سے مجھے پکڑا اور یہ جھوٹا کیس بنا کر ادھر بند کر دیا۔'' روتے ہوئے ایاز کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی اور نقاہت زدہ تھی کہ یہ تینوں بمشکل اس کے الفاظ سن اور سمجھ پائے تھے جبکہ وکیل اور امجد خان ایک دوسرے سے دھمکی آمیز لہجے میں ہنوز محوِ گفتگو تھے۔

''یہ سب مصطفیٰ اور اس کے باپ نے کروایا ہے؟'' عادلہ نے بے یقینی سے پوچھا تو ایاز نے سر ہلایا۔

''کیوں؟'' مام نے بھی پریشانی سے پوچھا۔ انہیں اس کہانی کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اس کمینی شہوار کی وجہ سے۔''

''ہم رشتہ لے کر گئے تھے اس لیے؟'' عادلہ نے مزید پوچھا تو وہ چپ رہا کہ اس سے اب مزید ایک لفظ بھی کہنا محال تھا۔ وہ آنکھیں موندے محض ماں کے سینے سے سر لگائے ہوئے تھے۔

''یہ رشتے والا کیا قصہ ہے؟'' عبدالقیوم بیٹی اور بیوی کی اس معرکہ آرائی سے بے خبر تھے سو حیران ہو کر پوچھا۔

''گھر جا کر بات کرتے ہیں۔'' عادلہ نے لب بھینچ لیے۔ اسے اب ساری کہانی کی سمجھ آ رہی تھی۔

وہ لوگ ان کا شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پر اس طرح کا بھی سلوک کر سکتے تھے وہ حیران تھی۔ ایاز کی حالت انتہائی خراب تھی۔ اسے لگا کہ اگر ایاز چند دن مزید حوالات میں رہا تو مر جائے گا۔

''اس کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلواؤ' اس طرح تو اس کی حالت اور خراب ہوگی۔'' عادلہ نے امجد خان سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''بڑا ڈھیٹ ہے آپ کا بھائی۔ اتنی جلدی ہمارا بھی اسے مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔ ہم ڈاکٹر کو دکھا رہے ہیں فکر مت کریں۔'' عادلہ کے ساتھ وہ دوسروں کی نسبت ذرا تمیز سے بولا تھا۔

''یہ تم لوگوں نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے' کہیں اور نہیں رکھ سکتے؟''

''بی بی سب مجرموں کو ادھر ہی رکھا جاتا ہے ایسی ہی کوٹھریوں میں۔'' عادلہ نے بڑی بے بسی سے بھائی کو دیکھا۔ کہاں وہ قیمتی امپورٹڈ قالینوں کو اپنے بوٹوں تلے روندنے والا اس وقت کھجور کی چٹائی پر انتہائی خراب حالت میں پڑا ہوا تھا۔

''اس کو یہاں سے کب نکالا جائے گا؟'' انتہائی ضبط سے اس نے امجد خان سے پوچھا۔

''ہم نے فائل آگے بھیج دی ہے جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوئی عدالت نے تاریخ دی تو وہاں پیش کر دیں گے۔'' امجد خان کا انداز بے پروا تھا۔

''تم یہ کیس ختم کرنے اور اسے چھوڑنے کا کیا لو گے؟'' بیٹے کی حالت دیکھ کر عبدالقیوم کا دل رو رہا تھا۔ انہوں نے مفاہمت کا انداز اختیار کیا اور صلح جو انداز میں کہا۔

''لالہ رخ کو جانتے ہو؟'' جواباً از حد سنجیدگی سے امجد خان نے پوچھا تو عبدالقیوم تو ایک طرف ان کی بیگم اور وکیل صاحب دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کو...... کون لالہ رخ؟'' عبدالقیوم کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ امجد خان استہزائیہ مسکرا دیا۔

''لالہ رخ پچیس تیس سال پرانی ایک زندہ کہانی تھی پھر اچانک اس کا شوہر منظر سے غائب ہو گیا۔ لالہ رخ اور اس کے تینوں بچے گھر میں آگ لگ جانے سے مر گئے۔'' امجد خان کا لہجہ ایک دم سنگلاخ ہوا تھا۔ عادلہ نے حیرت سے لٹھے کی طرح اپنی ماں کے سفید ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا تمہاری بھی تو دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے نا؟'' امجد خان مزید کہہ رہا تھا۔

''ہمیں نہیں پتا تم کیا کہہ رہے ہو؟'' عبدالقیوم نے ایک دم سنبھل کر کہا تو امجد خان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اس کیس کو ختم کرنے کی میری یہی قیمت ہے لالہ رخ۔ کہو سودا کرو گے؟ میں لالہ رخ کے ماضی کو عوام کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ کیوں منظور ہے؟''

''تم کون ہو؟'' وکیل صاحب نے اپنے حواس پر قابو پا کر امجد خان کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی ماں کے ایک وفادار ملازم کا بیٹا۔'' امجد خان نے نہایت تن کر کہا تو تینوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

''وہی وفادار ملازم جس نے لالہ رخ کے حویلی سے بھاگنے میں مدد کی تھی۔ گھبراتے کیوں ہیں آپ لوگ' بے فکر

رہیں جب تک سارے حقائق سامنے نہیں آ جاتے ہمارا ابھی آپ کے بیٹے کو مار دینے کا کوئی ارادہ نہیں۔" امجد خان نے ہنس کر کہا۔

"اچھی خاصی ناجائز دولت جمع کر رکھی ہے۔ تھوڑی بہت غریبوں میں بھی بانٹ دیا کریں۔ کہتے ہیں کہ صدقہ خیرات کرنے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کے بیٹے کو تھوڑا سا سبق سکھانا تھا۔ جس دن اس کی عقل ٹھکانے آ جائے گی تو ہم خود ہی اس کو چھوڑ دیں گے۔" امجد خان کی ناقابل فہم باتیں تھیں۔ عبدالقیوم صاحب نے ایک دم رومال جیب سے نکال کر اپنی پیشانی پر آنے والا پسینہ صاف کیا۔

"اس کے ہاتھ، پیر، ٹانگیں، بازو سب سلامت ہیں۔ آپ لوگوں کو براہ راست یہاں کا درشن اس لیے کروایا ہے کہ آئندہ اپنے ناپاک ارادے لے کر آپ میں سے کوئی ڈی آئی جی صاحب کے خاندان تک گیا تو یہ جو آپ کو زمین کے اوپر دکھائی دے رہا ہے اسے زمین کے اندر ہمیں کرنے میں صرف ایک پل لگے گا۔" امجد خان کا انداز فوراً دھمکی آمیز ہوا تھا۔

"رہ گئی لالہ رخ والی کہانی تو کسی دن فرصت سے آئیے گا اپنی بیگم اور ان وکیل صاحب کو لے کر سارے کہانی تفصیل سے سناؤں گا۔" امجد خان کا مسکراتا انداز بلا کا سنجیدہ تھا۔

"ملاقات کا وقت ختم ہوا اب آپ جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو باہر کا رستا دکھاؤ۔" امجد خان کے اشارہ کرنے پر کانسٹیبل فوراً آگے بڑھا۔

"چلیں جی اب نکلیں یہاں سے۔" امجد خان کا انداز سنجیدہ اور تیور بڑے غیض بھرے تھے۔ وہ لوگ باہر نکلے تو پہرے دار کانسٹیبل نے کوٹھڑی کو تالا لگا دیا۔ امجد خان کے تیور دیکھ کر وہ لوگ مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل آئے تھے۔

"وہ شخص کیا بکواس کر رہا تھا اور آپ لوگ ایسے کیسے نکل آئے وہاں سے؟" عادلہ باہر آ کر ماں باپ سے بولی تھی۔

"میرے بچے کی حالت دیکھی کیسے ظالموں نے بری طرح مارا پیٹا ہے؟" مام بھی رونے لگیں۔

"یہ رشتہ لے جانے کا کیا قصہ تھا؟" عبدالقیوم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ایاز کو شہوار پسند تھی اس نے ماں جی اور مجھے رشتہ لے جانے کے لیے کہا تھا۔ ہم وہاں گئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔" عادلہ نے آہستگی سے بتایا۔

"اوہ تم لوگوں نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا اور ایاز ذکر کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اسے ہوٹل سے اٹھایا تھا تو کہیں وہ کسی لڑکی کے ساتھ تو نہیں تھا؟" وہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے ڈرائیور نے گاڑی وہاں سے نکال لی تھی۔

"پتا نہیں۔" عادلہ بھائی کی حالت سے خود بھی خاصی رنجیدہ تھی۔

"مصطفی کو اس سارے قصے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس نے ایاز کو اس جھوٹے کیس میں کیوں الجھایا؟"

"جہاں تک مجھے علم ہے مصطفی شہوار کو کالج لاتا لے جاتا تھا آج کل۔ ایاز اسی کالج میں تھا وہاں اس نے شہوار کو چھیڑا تھا تو اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا۔ ایاز کو چیئرمین اور اساتذہ نے وارننگ دی تھی اس کے بعد ایاز نے کالج چھوڑ دیا تھا۔ مگر شہوار سے متعلق اس کے جذبات وہی تھے۔ پھر اس نے ہمیں رشتہ لے جانے کے لیے کہا وہاں سے انکار ہوا تو ایاز نے بہت برا منایا تھا میرے سامنے اس نے خاصی دھمکی آمیز باتیں بھی کی تھیں۔ اس کے بعد کیا صورتحال ہوئی مجھے نہیں پتا۔" عادلہ نے ساری تفصیل بتا ڈالی۔

"اوہ آئی سی؟" عبدالقیوم صاحب نے ہونٹ سکیڑے۔

"سر ایسا بھی تو ممکن ہو سکتا ہے کہ ایاز صاحب نے جذباتی ہوتے اس لڑکی کو اٹھوا لیا ہو اور اس ہوٹل میں آیا ہو بعد میں پکڑا گیا ہو اور اپنی لڑکی کی وجہ سے انہوں نے اصل معاملہ دبانے کے لیے ایاز پر یہ جھوٹا کیس ڈالا ہو۔" وکیل

صاحب بھی اب عقل کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

"یہ بھی ممکن ہے مگر حتمی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی ایاز نے کہہ دیا تو ہمیں اندازہ ہو رہا ہے۔ اب پتا نہیں کہ دوبارہ ملاقات ہوتی ہے کہ نہیں۔ ایاز کی حالت بھی تو خاصی بگاڑ دی ہے۔ لالہ رخ کی دھمکی دی ہے اس شخص نے۔ اب اگر میں الٹا حبس بے جا میں رکھنے کا کیس کرتا ہوں تو یہ اس مہرے کو میرے خلاف استعمال بھی کر سکتے ہیں۔" عبدالقیوم صاحب خاصے پریشان تھے۔

"یہ لالہ رخ کون ہے؟" عادلہ نے پوچھا تو تینوں کو احساس ہوا کہ ابھی اس گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

"پتا نہیں کون ہے ہمیں تو خود بھی نہیں پتا۔" عبدالقیوم نے بیٹی کو بہلایا۔

"تو آپ اس پر کیس کریں نا، اگر یہ سارا قصہ اسی طرح ہے جیسا کہ وکیل صاحب بیان کر رہے ہیں ہم اگر کیس کرتے ہیں اور اخبار میں اس طرح خبر دیتے ہیں تو الٹا ان لوگوں کی ہی بدنامی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح یہ لوگ ایاز کو چھوڑ دیں۔" عادلہ نے کہا تو عبدالقیوم صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس طرح الٹا ہمیں ہی پرابلم ہو گی۔ اگر اصل قصہ سامنے آئے گا تو یہ لوگ اس کیس کو اور اچھالیں گے بلکہ ایاز کے پچھلے تمام کیسز جو اندراج ہی نہیں ہوئے پولیس تک پہنچنے ہی نہ دیے تھے وہ بھی منظر عام پر آ سکتے ہیں اور ایسے موقعوں پر ہمارے بہت سے مخالفین بھی سامنے آ سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ دیکھا نہیں میرے بیٹے کی کیا حالت بنا دی ہے۔ کیسے بری طرح اسے مارا تھا۔ اس سے بولنا بھی محال تھا۔ حتیٰ کہ آنکھیں تک کھولنے میں اسے تکلیف ہو رہی تھی۔" مام ایک دم سسک کر رونے لگیں۔

"تم لوگ چپ کرو، کرتا ہوں میں کچھ نہ کچھ، یہ لڑکا اول روز سے میرے لیے پرابلم ہی کری ایٹ کرتا رہا ہے۔ کبھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ اس نے الٹا جو معاشرے میں ایک ساکھ تھی عزت تھی وہ بھی ملیامیٹ کر دی ہے۔ یہ لوگ اگر پوری پلاننگ کے ساتھ ایاز کو گرفتار کر سکتے ہیں تو اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہر چیز سوچ سمجھ کر رکھی ہو گی۔ ان لوگوں کو اندازہ ہو گا کہ ایاز ہمیں اصل صورتحال ضرور بتائے گا اور اس کے بعد ان لوگوں نے ہم سے کیسے ڈیل کرنا ہے یہ بھی طے کیا ہو گا۔ یہ وقت جذباتیت کا نہیں ہوش کا ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی اب کچھ کرنا ہو گا ہمیں۔" عبدالقیوم صاحب نے ڈانٹ کر کہا تو دونوں خواتین چپ ہو گئیں۔

"تم ایک کام کرو عادلہ اپنے سسرال جاؤ۔ ان سے بات کرو۔ وہ تمہارا بھائی ہے۔ اپنے بھائی کے لیے اتنا تو کر سکتی ہو نا؟" مام کچھ دیر خاموش رہی تھیں پھر عادلہ کا ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

"تو...... نیور مام، مجھے وہاں نہیں جانا۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"تم وہاں نہ جاؤ مگر عباس سے تو بات کرو۔" مام جی نے نئی راہ دکھائی۔

"اگر وہ سب سچ ہوا جس کی نشاندہی وکیل صاحب نے کی ہے تو میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آپ کو نہیں پتا اپنی خواتین کے معاملے میں یہ لوگ کس قدر پکے ہیں۔ اگر وہ سب سچ ہوا تو عباس مجھے دیکھتے ہی میرا گلا دبا دے گا۔" اس نے پھر نفی میں گردن ہلائی۔

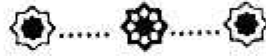
"عادلہ بی بی! آپ کی مام کچھ حد تک ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ عباس صاحب سے ان کے گھر جا کر مت ملیں ان کے آفس چلی جائیں۔ باہر کی دنیا سے ہمیں کچھ بھی پتا نہیں چلے گا۔ اتنے دن ہو گئے ہیں ایاز صاحب حوالات میں بند ہیں۔ ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ اصل کیس کیا ہے؟ اب اگر عباس صاحب کے پاس آپ جاتی ہیں تو آفس میں اپنی

عزت کے پیش نظر کسی بھی قسم کی صورتحال کری ایٹ کرنے سے گریز کریں گے ہاں ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہمیں ان کی باتوں سے اپنے کیس کو ہینڈل کرنے میں مدد مل جائے گی۔"

"دیٹس گڈ پوائنٹ۔" وکیل صاحب نے کہا تو بابا نے بھی سراہا۔

"تم آج بلکہ ابھی جاؤ۔ آج ہاف ڈے ہے وہ لوگ ابھی آفس میں ہی ہوں گے۔ تم عباس سے ملنا اور واپس آجانا بس۔" عبدالقیوم صاحب نے بھی کہا تو اس نے نیم رضامندی سے سر ہلا دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم ٹھیک ہم وہیں چلتے ہیں اور باہر رک کر تمہارا ویٹ کریں گے اوکے۔" عبدالقیوم نے فوراً لائحہ عمل ترتیب دیا۔



فاروقی صاحب نے اسے چند کاغذات دیے تھے جن کی کچھ کاپیز پرنٹر سے نکال کر مختلف شعبوں میں بھیجنی تھیں۔ مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ان پر عباس صاحب کے دستخط ضرور کروانے تھے یہ کام فوراً اور آج کی ہی تاریخ میں کرنا تھا۔ آفس آف ہونے میں کچھ وقت تھا۔ اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر ورک مکمل کرتے تمام پرنٹ نکالے۔ اس نے تمام کاغذات فائل میں لگائے آفس بوائے کو بلوا کر فائل عباس صاحب کے آفس میں بھجوا دی۔ جس دن سے اس نے آفس جوائن کیا تھا فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کے انڈر ہی کام کر رہی تھی۔ ابھی تک براہ راست عباس صاحب سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ کل سے وہ اپنے آفس کیبن میں ہی بیٹھ رہی تھی مگر کام فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق کر رہی تھی۔

"عباس صاحب کہہ رہے ہیں کہ ان کاغذات کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی یہ کس سلسلے میں بھیجے گئے ہیں۔ وہ آپ کو آفس بلوا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ خود آ کر دستخط کروائیں۔" آفس بوائے نے واپس فائل لا کر اسے تھما دی۔

"اچھے بھلے تو کاغذات سمجھ آ رہے ہیں۔ عباس صاحب کا دماغ خراب ہے جو سمجھ نہیں آ رہی......!" اس نے فائل کھول کر کاغذات دیکھے۔ چند صفحات الٹے پن اپ ہوئے تھے رابعہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"ایک یہ تو شخص ٹھیک باس والا رویہ رکھتا ہے۔ ذرا سا کاغذات کیا غلط انداز میں پن اپ ہوئے ہیں لے کے فائل ہی واپس بھجوا دی ہے۔ باقی سب کتنے اچھے ہیں شاہزیب صاحب کتنے کائنڈ اور سوفٹ نیچر کے ہیں اور یہ کھڑوس نجانے کس پر چلا گیا ہے ہر وقت غصہ ناک پر رہتا ہے۔ کیا تھا خود ہی کاغذات درست کر لیتا اب اس کی شکل جا کر دیکھو۔" تمام کاغذات دوبارہ پن اپ کرتے احتیاطاً دوبارہ نظر ثانی کرتے اپنی غلطی ڈھونڈنے کی کوشش کی اور پھر مطمئن ہو کر کھڑی ہوگئی۔ آفس بوائے جا چکا تھا اس کا مطلب تھا اب عباس صاحب کے آفس خود جانا تھا۔ وہ فائل لے کر کیبن سے نکلی تو ہادیہ چلی آئی وہ جانے کے لیے تیار تھی۔

"کیا خیال ہے..... ٹائم ہوگیا ہے چلیں؟" وہ ہادیہ کے ساتھ ہی آدھے رستے تک آتی تھی۔ بعد میں وہاں سے رکشہ لے کر وہ آتی جاتی تھی۔

"میں ذرا فائل پر دستخط کروالوں، فاروقی صاحب کو یہ آج ہی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے میں ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کرتی ہوں۔ تم جلدی آنا۔" ہادیہ اس کے کیبن میں داخل ہوگئی تو وہ فٹافٹ اپنی چادر سنبھالتی فائل لیے عباس صاحب کے آفس کا دروازہ ناک کیا۔

"یس کم ان۔" وہ اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے عادت کے مطابق سلام کیا تو عباس نے سر ہلایا۔

”سر.....ان کاغذات پرآپ کے دستخط چاہئیں۔“ اس نے فائل اس کے سامنے رکھی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”فائل میرے پاس پہلے آچکی تھی۔“ اسے لگا کہ عباس نے اسے جتایا ہے۔

”پیپرز میں پن اپ کی غلطی تھی۔ وہ آپ خود بھی درست کرسکتے تھے۔“ اس نے بھی طنز کیا۔

”یہ درستگی کرنے والا کام بابا اور فاروقی صاحب تو آپ کے فیور میں کرتے ہوں گے مگر مجھے ہر کام مکمل اور درست حالت میں اچھا لگتا ہے۔“ عباس نے فائل اپنے سامنے کی تھی۔ رابعہ نے بمشکل خود پر ضبط کیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ پیپر ویٹ اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ نہایت بدمزاج تھا یہ شخص.....وہ کلسی۔

”یہ فائل تو میں نے صبح فاروقی صاحب کو سینڈ کی تھی اب کیوں مل رہی ہے؟“ پیپرز چیک کرتے عباس نے ایک اور اوبجیکشن اٹھایا۔

”کیوں کہ مجھے بھی فاروقی صاحب نے ابھی دی تھی اور پھر فوراً پرنٹ نکالے تھے۔“ اس نے خاصا چبا کر کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔ وہ خاصے تیکھے انداز میں کھڑی تھی۔

”یہاں دستخط کرنے ہیں۔“ اس نے قدرے جھک کر کاغذات کے ایک کونے پر انگلی رکھی۔

”مجھے پتا ہے میں نے ہی یہ کاغذات کمپوز کروائے تھے۔“ وہ دستخط کررہے تھے رابعہ نے غصے سے اس شخص کو دیکھا سر جھکائے دستخط کرتے وہ خاصا پروقار اور ڈیسینٹ لگ رہا تھا مگر چہرے پر بلا کی سنجیدگی رقم تھی۔

”اوف.....کتنا خود پسند ہے یہ شخص؟“ تبھی کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ دستخط کرتے سر اٹھا کر عباس نے آنے والے کو دیکھا۔

عادلہ کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور فائل پر دستخط کرتا اس کا ہاتھ ساکن ہوگیا تھا۔

”ہیلو۔“ رابعہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

اچھی خاصی خوب صورت' کافی ماڈ لڑکی تھی اور جس طرح مسکرا کر ہیلو کہا تھا اس نے یہی اندازہ لگایا کہ عباس کی کوئی جاننے والی ہے۔ عباس کے اسے دیکھتے ہی چہرے کے زاویے تن گئے تھے۔

”تم.....؟“ اس نے قلم فائل پر رکھا۔ عادلہ اس کے دائیں طرف آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

”کیا لینے آئی ہو تم ادھر؟“ رابعہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اس نے کافی تیکھے لب و لہجے میں پوچھا۔

”بیوی ہوں تمہاری تم سے ملنے پر پابندی ہے کیا؟“ ایک ادا سے کہتے عادلہ نے اپنا پرس ٹیبل پر رکھا۔

”شٹ اپ.....میں ادھر کوئی تماشا افورڈ نہیں کرسکتا۔ گیٹ آؤٹ ان آ ون مومنٹ فرام ہیئر۔“ عباس ضبط سے کہتا اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شہوار والے حادثے کے بعد وہ اب اس عورت کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

”تمہارے بھائی نے میرے بھائی کو حوالات میں بند کروادیا ہے۔ تمہارا کیا خیال تھا کہ مجھے اصل صورت حال کا علم نہیں ہوگا؟ اس دو ٹکے کی لڑکی کی عزت کی اتنی پروا اور ہماری عزت دو کوڑی کی کروا کر رکھ دی ہے تم لوگوں نے؟“ جواباً وہ بھی پھنکاری تھی۔

”اوہ.....یو.....شٹ اپ.....!“ رابعہ کے سامنے اس تذلیل پر عباس نے ایک دم بھنا کر سامنے پڑی فائل اٹھا کر عادلہ کی طرف اچھال دی۔ فائل میں لگے کاغذات اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ رابعہ کے لیے یہ ساری صورت حال عجیب سی تھی اور عباس کا ردعمل اور بھی حیران کن تھا۔ اس نے اپنی بے ساختہ اٹھتی چیخ کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا۔

”مجھے تم اس طرح چپ نہیں کرواسکتے۔ میں پریس میں جاؤں گی اور تمہارے خاندان کی سب حقیقت بتادوں گی۔ کیسے خاندانی بنانے پر تلے ہوئے ہو اس لڑکی کو زمانے بھر میں بدنام نہ کیا تو عادلہ نام نہیں میرا۔“ عادلہ بجائے خائف

ہونے کے دوبدو بولی تھی۔

”گیٹ آؤٹ.....آئی سے گیٹ آؤٹ اگر تم ایک منٹ میں یہاں سے دفع نہ ہوئی تو میں اپنے گارڈز کو بلوا کر دھکے دے کر یہاں سے باہر پھنکوادوں گا۔“ عباس کا انداز اتنا دوٹوک' سخت اور پتھریلا تھا کہ رابعہ تو ایک طرف عادلہ کو بھی اندازہ ہوگیا کہ اگر وہ یہاں سے ایک منٹ کے اندر اندر غائب نہ ہوئی تو وہ واقعی یہاں سے دھکے دے کر نکال دے گا۔ عادلہ کو سامنے کھڑی لڑکی کے سامنے اس درجہ اہانت و ذلت اٹھانے پر شدید ہتک کا احساس ہوا۔

”مجھے تم سے بات کرنی ہے میں بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔“ عادلہ نے اب کے دھیمے انداز میں کہا مگر انداز ہٹیلا تھا۔ عباس نے ایک پل اس کے تاثرات نوٹ کیے اور پھر انٹر کام اٹھالیا۔

”عمر فوراً باہر ایک دو گارڈز میرے روم میں بھیجو۔“ اس کا انداز بہت پتھریلا تھا رابعہ تو ایک طرف عادلہ کے چہرے کا بھی رنگ اڑ گیا تھا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گھٹیا ہو۔“

”حیرت ہے اتنا عرصہ میرے ساتھ گزارنے کے باوجود میری فطرت کا اندازہ نہیں لگا پائیں تم؟“ وہ تمسخر سے ہنسا۔

”میں اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہوں سنا تم نے۔“ وہ چیخا اور تبھی گارڈز اندر داخل ہوئے تھے۔

”انہی لوگوں کے سامنے تم نے مجھے ذلیل کیا ہے نا؟ دیکھنا اب انہی کے ہاتھوں تمہیں ذلیل کرواؤں گی۔ پچھتاؤ گے تم ایک دن' پچھتاؤ گے۔“ وہ دھمکی دیتی گارڈز کو نظر انداز کرتے وہاں سے نکل گئی تھی۔ عادلہ کے جاتے ہیں عباس اپنی چیئر پر گرا تھا۔

رابعہ ابھی تک سہمی کھڑی تھی۔ اس کے لیے عباس کا یہ ردعمل بڑا شدید تھا۔

”تم لوگ جاؤ۔“ صورت حال کا جائزہ لیتے رابعہ نے گارڈ کو چلتا کیا اور پھر کن اکھیوں سے عباس کو دیکھا وہ کہنیاں میز پر ٹکائے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر تمام بکھرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں لگائے۔ پھر اس نے سائیڈ پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

”سر یہ پانی پی لیں۔“ عباس اسی طرح سر ہاتھوں پر گرائے بیٹھا تھا۔ چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ رابعہ گلاس میں پانی لیے کھڑی تھی۔

”تھینکس' مس رابعہ آپ جائیں۔“ عباس نے پانی لے کر سائیڈ پر رکھا۔

”مگر سر.....یہ فائل؟“

”یہ فاروقی صاحب کو سائن کرکے میں بھیج دوں گا آپ جائیں پلیز۔“ اس لڑکی کے سامنے اس سارے ہنگامے کا احساس ہی بڑا شدید تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا تو رابعہ فوراً فائل اس کے سامنے رکھتے وہاں سے بھاگ نکلی۔

”مائی فٹ۔“ عباس نے اس کے جاتے ہی غصے سے پیپر ویٹ دیوار پر کھینچ مارا مگر غصہ ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھا تو عباس نے سائیڈ پر رکھا گلاس منہ سے لگالیا۔

”اوف.....“ اپنے کیبن میں آکر اس نے سکھ کا سانس لیا۔

”کیا ہوا؟“ ہادیہ جو اس کے کمپیوٹر پر گیم کھیل رہی تھی اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں چلو چلتے ہیں۔“ سر عباس کے روم میں جو بھی ہوا تھا وہ اب پتا نہیں ہادیہ سے بیان کرنے کے قابل تھا کہ نہیں۔ اس وقت تو دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔

”یہ سر عباس کتنے غصیلے ہیں' کیا یہ ان کی بیوی تھی؟ کتنی حسین تھی مگر کتنی بدتمیز بھی مگر ہمیں کیا؟ سر عباس کون سا کم

ہیں۔یقیناً کوئی سیریس بات ہوئی ہوگی جو بیوی یہاں تک آ پہنچی ہے۔'' تمام اشیاء سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے وہ اسی الجھن شکار رہی۔ پھر سر جھٹک کر وہ ہادیہ کے ہمراہ باہر نکل آئی تھی۔

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' گاڑی ڈرائیور کرتے ہوئے ہادیہ نے پوچھا تو وہ چونکی۔

''آں......نہیں......بس کوئی بات نہیں۔''

''سیٹ ہونا؟''

''ہوں......'' اس کا دھیان ابھی تک سر عباس کے روم میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

''میں نے ماما کے لیے کچھ میڈیسن لینی ہیں۔تم ٹھہرو میں آتی ہوں۔'' ہادیہ نے ایک بہت مشہور آرتھوپیڈک کلینک کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا تو رابعہ نے سر ہلا دیا۔

کلینک کے ساتھ ہی میڈیکل اسٹور تھا۔ہادیہ اپنا بیگ لیے اسٹور کی طرف چلی گئی۔وہاں ایک ادھیڑ عمر خاتون پہلے ہی موجود تھیں۔ان کا بازو ٹوٹا ہوا تھا۔گلے میں لٹکی رسی میں ہاتھ ڈلا ہوا تھا۔بازو پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔

''یہ میڈیسن دے دیں پلیز۔'' ہادیہ نے ہاتھ میں تھامی پرچی اور پیسے اسٹور بوائے کو تھمائے تو خاتون نے پلٹ کر اسے دیکھا۔خاتون کا سارا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں عیاں تھیں۔

''تم ہادیہ ہو مشتاق کی بیٹی؟'' ہادیہ جس کی توجہ اسٹور بوائے کی طرف تھی اس نے چونک کر خاتون کو دیکھا۔

''جی......مگر آپ کون؟''

''میں خالہ بی ہوں پرانے محلے میں تم لوگوں کے ساتھ والا گھر ہمارا تھا۔''

''اوہ......اچھا......اچھا......السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' ہادیہ نے فوراً پہچان کر سلام کیا اور نہایت ادب سے ان کا ہاتھ تھاما۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے شفقت سے کہا۔

''یہاں کہاں اور اکیلی آپی جان کدھر ہیں؟''

''یہاں ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے آئی تھی۔پچھلے دنوں بازو ٹوٹ گیا تھا سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔پورا ہفتہ اسپتال رہی ہوں۔تمہاری آپی ساتھ ہی رہی تھی۔آج چیک اپ کروانا تھا۔اسے بخار تھا تو خود ہی آنا پڑا۔تم سناؤ امی ابو کا کیا حال ہے۔''

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ میڈیسن لے چکی تھی اس نے خالہ بی کی دوا بھی لے لی تھی۔انہیں پیسے دینے نہیں دیے تھے بلکہ خود ہی پے منٹ کردی تھی۔پھر ان کو بزور اصرار اپنی گاڑی کی طرف لے آئی تھی۔اس کا ارادہ ان کو گھر تک ڈراپ کرنے کا تھا۔ انہوں نے کتنا منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانی تھی۔

''یہ کون ہیں؟''

پچھلی سیٹ پر بٹھا کر ہادیہ نے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو رابعہ نے پوچھا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



عجب منظر دکھاتے ہیں مری آنکھوں کے یہ جگنو
کہ جب پلکوں پہ آتے ہیں میری آنکھوں کے یہ جگنو
گماں ہوتا ہے شاید آسماں سے تارے ٹوٹے ہیں
کہ جب بھی ٹمٹماتے ہیں مری آنکھوں کے جگنو

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ولید مصطفیٰ کو گھر لے آتا ہے مصطفیٰ سب سے ملتا ہے مگر انا اس کے سامنے نہیں آتی مصطفیٰ کے جانے کے بعد انا کو جب خبر ہوتی ہے کہ ولید مصطفیٰ سے ملنے شام کو گیا تھا تو وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ شہوار بار بار حویلی کال کرتی ہے مگر تابندہ بوا کال ریسیو نہیں کرتیں۔ وہ ان کے کال ریسیو نہ کرنے پر ایک دم جذباتی ہوتے ہوئے مہر النساء سے گاؤں جانے کی ضد کرتی ہے۔ اس دوران شہوار کو شدید بخار ہو جاتا ہے تو مہر النساء بیگم شاہزیب صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد لائبہ اور سجاد کے ہمراہ شہوار کو گاؤں کے لیے روانہ کر دیتی ہیں۔ انا شہوار کی غیر حاضری سے سخت پریشان ہوتی ہے۔ وہ روشانے کو لے کر شاہزیب صاحب کے ہاں کارڈ دینے آتی ہے تو صبا سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ باقی لوگ گھر میں نہیں ہوتے۔ صبا، روشانے کو دیکھ کر کہتی ہے کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر کہاں؟ صبا کو یاد نہیں آتا دوسری طرف روشانے بھی غور کرنے پر کہتی ہے کہ وہ بھی اس کو دیکھ چکی ہے۔ جبکہ انا شہوار کی خراب طبیعت کا سن کر اور پھر اچانک گاؤں روانگی کی اطلاع پا کر اچھی خاصی الجھ جاتی ہے۔ مصطفیٰ کو شہوار سے اچانک نکاح طے پا جانے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران ہوتا ہے کہ اچانک یوں شہوار اس نکاح پر کیسے آمادہ ہو گئی اور پھر جب اسے خبر ملتی ہے کہ شہوار گاؤں جا چکی ہے تو وہ سخت ٹینشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہوار اس نکاح پر راضی نہیں ہے۔ شہوار حویلی آ کر تابندہ بی سے سخت خفا ہے اور ان سے بات نہیں کرتی۔ تابندہ بی کو شہوار کا رویہ سخت تکلیف دیتا ہے مگر وہ خاموش رہتی ہیں۔ دوسری طرف مصطفیٰ کال کرتا ہے تو وہ اسے سخت سست سناتی ہے لائبہ اس کے رویے سے الجھ جاتی ہے اور پھر مہر النساء بیگم کال کر کے شہوار سے عروسی لباس کے متعلق پسند بتانے کا کہتی ہیں تو وہ ٹال جاتی ہے۔ عبدالقیوم صاحب کورٹ سے ایاز سے ملاقات کی اجازت لے کر ملنے آتے ہیں تو وہ سب لوگ ایاز کی حالت دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ایاز اپنی ماں کو بتاتا ہے کہ اس پر مصطفیٰ نے جھوٹا مقدمہ بنوایا ہے تو وہ الجھ جاتے ہیں۔ تبھی امجد خان لالہ رخ کا حوالہ دے کر ان لوگوں کو ساکت ہو جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ لوگ بے بس ہو کر وہاں سے آ جاتے ہیں تو عادلہ باپ اور وکیل صاحب کے مشورے پر عباس سے ملنے اس کے آفس جاتی ہے۔ عادلہ عباس سے ملنے اس کے آفس آتی ہے تو وہاں رابعہ بھی موجود ہوتی ہے۔ عباس عادلہ کی گفتگو اور آمد کی وجہ سے ایک دم مشتعل ہو کر گارڈز کو بلوا کر عادلہ کو آفس سے باہر نکالنے کا کہتا ہے۔ رابعہ، ہادیہ کے ہمراہ آفس آف ہونے کے بعد گھر جا رہی ہوتی ہے تو میڈیکل اسٹور کے سامنے ہادیہ کی ایک ضعیف خاتون سے ملاقات ہوتی ہے۔ ہادیہ انہیں گاڑی میں بٹھا لیتی ہے۔ تبھی رابعہ، ہادیہ سے پوچھتی ہے کہ یہ خاتون کون ہیں؟

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

”یہ خالہ بی ہیں، انہی سے میں نے قرآن پاک پڑھا ہے اور جب تک ہم پرانے محلے میں رہے تب تک میں نے ان ہی کے گھر میں ٹیوشن پڑھتی رہی۔“ ہادیہ نے تعارف کروایا اور پھر خالہ بی سے کہنے لگی۔

”اور خالہ بی یہ میری دوست ہے رابعہ! ہم نے اکٹھے ہی پڑھا ہے، اب ایک ہی جگہ جاب کر رہی ہیں۔“ باقی کا رستہ خالہ بی اور ہادیہ نے کوئی نہ کوئی بات چھیڑے رکھی تھی۔ ہادیہ نے انہیں پرانے محلے میں گھر کے سامنے اتارا تو انہوں نے بہت اصرار کر کے دونوں کو اندر بلا لیا تھا۔

”تم لوگ بیٹھو میں تمہاری آپی کو بلاتی ہوں۔“ دروازہ باہر سے لاک تھا انہوں نے خود ہی چابی سے کھولا تھا۔ دونوں صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھیں تو خالہ بی اپنی بیٹی کو بلانے اندر چلی گئی۔ کچھ پل بعد وہ لوٹیں تو ان کے ہمراہ ایک نہایت حسین، پُر وقار سو برس خاتون تھیں۔ وہ سو کر اٹھی تھیں، آنکھوں میں سرخی تھی جس نے ان کی آنکھوں کو بڑا قاتل بنا ڈالا تھا۔ نہایت حسین اور باوقار خاتون تھیں، لمبے گھنے بال گھٹنوں تک آ رہے تھے۔ ہادیہ تو ایک طرف رابعہ بھی بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”السلام علیکم آپی جان!“ ہادیہ نے آگے بڑھ کر کہا تو انہوں نے بہت محبت اور شفقت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

”وعلیکم السلام! کیسے آج ایک عرصے بعد ہمارے ہاں چکر لگانے کو دل کر گیا تمہارا؟“ وہ پوچھ رہی تھیں ہادیہ ہنس دی تو خالہ بی بتانے لگیں کہ وہ یہاں کیونکر آئی ہے وہ لوگ وہیں صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ رابعہ سے بھی ملی تھیں، اس کا حال چال پوچھا اور پھر باتیں کرنے لگیں۔

”یہ رابعہ بہت کم بولتی ہیں۔“ آپی جان نے پوچھا۔

”مگر جب بھی بولتی ہیں دوسروں کی بولتی بند کر دیتی ہے۔“ ہادیہ نے چھیڑا۔

”اس کا مطلب ہے سخن گوئی میں باکمال ہستی ہیں۔“ آپی نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔

”اب ایسی بھی بات نہیں۔“ رابعہ جھینپ گئی۔ انہیں بغور دیکھا، اسے فیصل سفائی کی غزل یاد آنے لگی۔

حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں
ان کی صورت نظر آئے تو غزل کہتے ہیں

شاید ایسے لوگوں کے لیے ہی شاعر حضرات شاعری کرتے ہیں۔

”تم لوگ بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔“ آپی جان اٹھنے لگیں تو ہادیہ نے فوراً ہاتھ تھام کر منع کر دیا۔ خالہ بی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

”پلیز اس تکلف کی قطعی ضرورت نہیں۔ ابھی میں نے رابعہ کو بھی ڈراپ کرنا ہے، لیٹ ہو جاؤں گی پھر کسی دن فرصت سے آؤں گی تو چائے بھی پیئوں گی، ابھی اجازت دیں پلیز۔“ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”اوکے۔“ انہوں نے فوراً معذرت قبول کر لی تھی۔

”رابعہ آپ دوبارہ ضرور آئیے گا۔“ انہوں نے بڑے خلوص سے کہا۔ اس حسن میں عجیب سا حزن تھا، رابعہ نے فوراً سر ہلا دیا۔

”وعدہ تو نہیں کرتی مگر کوشش کروں گی۔“

”اچھی بات ہے، وعدے تو ٹوٹ جاتے ہیں مگر کوششیں اکثر کامیاب ہو جاتی ہیں۔“ انہوں نے سر ہلایا۔ وہ لوگ ان

سے اجازت لے کر واپس گاڑی میں آ بیٹھیں۔

"کیسی لگیں تمہیں آپی جان؟" ہادیہ نے پوچھا۔

"بہت حسین' نہایت بااخلاق اور پروقار اور نہایت غم زدہ۔" اس نے سادہ لفظوں میں کہا۔

"اچھا حسین تو وہ واقعی بہت ہیں' اخلاق و کردار میں بے مثل مگر یہ غم زدہ والی بات سمجھ نہیں آئی۔"

"ان کی آنکھوں میں لگتا ہے کوئی غم ہے جو ہلکورے لے رہا ہے' نہایت حسین خوب صورت آنکھیں ہیں مگر اداس رنجیدہ اور غم زدہ بھی ہیں۔ آج میں نے دوسرا اتنا حسین چہرہ دیکھا ہے مگر پہلا چہرہ اب اس چہرے کے آگے کچھ بھی نہیں' میں سوچتی ہوں کہ اب بھی اگر یہ اس قدر حسین ہیں تو عین جوانی میں تو غضب ڈھاتی ہوں گی؟"

"ہوں...... بچپن سے ہی یہ ہمارے ہمسائے تھے' خالہ بی کی بھانجی ہیں پہلے یہ لوگ کہیں اور رہتے تھے پھر ادھر شفٹ ہوگئے۔ ہوش سنبھالتے ہی میں نے ان لوگوں کو ادھر ہی دیکھا ہے' پہلے کرائے دار تھے پھر یہ جگہ خرید لی۔ میں نے میٹرک تک ان سے ٹیوشن پڑھی ہے کمال کی انگلش اسپیکنگ رکھتی ہیں' بہت حسین تھیں اب تو وقت کے ساتھ ساتھ حسن ماند پڑ گیا ہے مگر ان کا حزن بڑھا ہے' جو ان کے حسن کو دوآتشہ کردیتا ہے۔"

"شادی شدہ ہیں؟" وہی عورتوں والا فطری تجسس جاگا۔

"خالہ بی نے ماما سے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ شادی ہوئی تھی' ماں باپ وفات پاگئے تھے اور پھر شوہر بھی' اس کے بعد دوبارہ شادی ہی نہیں کی' خالہ بی کے پاس ہی ساری جوانی گزار دی بلکہ ہمارے محلے میں چند لوگ تھے جنہوں نے بڑا زور لگایا کہ وہ ان کے بیٹے سے شادی کرلیں مگر ان کی ناں' ہاں میں نہ بدلی۔" رابعہ نے محض سر ہلادیا۔ اس کی نگاہوں میں منجمد سراپا گویا چپٹ سا گیا تھا۔ اتنا حسین چہرہ' متناسب سراپا اور لمبے گھنے بال۔

"یہ آج تم نے پہلا حسین چہرہ کون سا دیکھ لیا جو ان کے مقابل کچھ بھی نہ تھا؟" ہادیہ نے پوچھا۔

"سر عباس کی بیگم کا۔"

"اوہ...... تم نے کہاں دیکھ لیا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ان کے کمرے میں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی۔

"ان کے کمرے میں مجھے یقین نہیں آرہا' ان لوگوں کا تو آپس میں بڑا زبردست جھگڑا چل رہا ہے' تم نے وہاں کیسے دیکھ لیا؟"

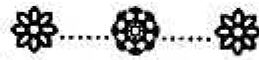
"وہ خود ہی آئی تھیں۔" اس نے زیادہ تفصیل بتانے سے گریز کیا۔ اس کی نگاہوں میں سر عباس کا ری ایکشن تازہ ہوگیا۔ کیسے غصے سے فائل اٹھا کر اسے دے ماری تھی اور بعد میں گارڈز کو بلوالیا تھا۔

"یہ سر عباس کا اپنی بیوی سے کیا جھگڑا ہے؟" اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر پوچھا۔

"دونوں کی پسند کی شادی تھی دراصل عادلہ کے گھر والے کچھ زیادہ ہی ماڈرن ازم کا پرچار کرنے والے ہیں جبکہ سر عباس کی فیملی بہت سادہ مزاج اور رکھ رکھاؤ والی ہے۔ عادلہ فیاض صاحب کے خیالات پر پوری نہ اتریں اور سر عباس عادلہ کے' اس کے بعد یہ اکثر ناراض ہوکر کئی کئی ماہ میکے رہنے لگیں' آج کل بھی میکے میں ہی ہیں۔ سر عباس بہت اچھے انسان ہیں جب کہ عادلہ کی فیملی خاصی بگڑی ہوئی فیملی ہے چونکہ پاپا کے جاننے والے ہیں تو اکثر ملنا ہوتا ہے اور ان سے متعلق خبریں سننے کو بھی ملتی ہیں جب کہ سر عباس کی طرف سے کبھی ایک لفظ بھی سننے کو نہیں ملا ویسے حیرت ہورہی ہے کہ عادلہ ان کے آفس کیا لینے آئی تھی؟" اس نے پوچھا تو رابعہ نے کندھے اچکادیئے۔

اسے ماموں کی نصیحت یاد تھی سو اس نے اس موضوع پر بولنے سے گریز ہی کیا ویسے بھی اب اس کا گھر قریب آگیا تھا

اور وہ الرٹ ہوکر بیٹھ گئی تھی۔



وہ سارا دن خاموش رہی تھی باہر ہال نما کمرے میں سے کبھی کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں وہ ادھر جانے کی بجائے راہداری سے ہوتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ لان عبور کرکے وہ باغ میں تالاب کے پاس آبیٹھی تھی۔ زندگی نے ایک دم پلٹا کھایا تھا' اسے رہ رہ کر گزرے لمحے یاد آنے لگے۔ کبھی وہ اس باغ میں تتلیاں پکڑتی تھی اور اکثر شام کے وقت وہ بابا صاحب کی انگلی تھامے یہاں چہل قدمی کیا کرتی تھی۔ اس کو بابا صاحب سے شروع سے ہی ایک خصوصی لگاؤ محسوس ہوتا تھا وہ گھنٹوں ان کے پاس گزار دیتی تھی۔ وہ یہاں اپنی ماں کے ساتھ تنہا رہتی تھی باقی سبھی بچے شہروں میں اپنے والدین کے ساتھ ہوتے تھے اور کبھی کبھار سمر ویکیشن میں جب سب اکٹھے ہوتے تھے تو یہاں وہاں تک ہر طرف رونق امڈ آتی تھی سبھی خوش باش چہرے' ماں باپ کے ساتھ بہن بھائیوں کی محبتیں تھیں تب اسے شدت سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ باقی بچوں سے ہٹ کر زندگی گزار رہی ہے۔

اور جب یہ شعور پختہ ہوتا گیا تو اسے اور بھی بہت کچھ فیل ہونے لگا۔ تابندہ بوا کا ہمیشہ سے اس قصے سے ایک گریز چلتا آتا تھا۔ وہ کبھی ڈانٹ کر کبھی پیار سے اور کبھی کسی طرح اس کی توجہ کسی اور طرف مبذول کرکے دھیان بٹالیا کرتی تھیں اور تب وہ بہل بھی جاتی تھی۔ پھر وقت اور سرکا تو وہ کچھ بڑی ہوگئی تھی اب وہ گاؤں کے اسکول میں نہیں بلکہ شہر کے ہائی اسکول میں پڑھتی تھی۔ عائشہ اور صبا کے ساتھ اعلیٰ درجے کے اسکول میں مگر اسے آہستہ آہستہ اپنی ذات کا ادراک ہورہا تھا وہ اپنی ذات میں سمٹتی جارہی تھی۔ سب کہتے تھے وہ بولتی نہیں کم گو ہے۔ بہت صابر بچی ہے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے اندر کیسے کیسے طوفان اٹھا کرتے تھے جو اسے بولنے پر آمادہ کرتے تھے مگر اس نے ہونٹوں پر سختی سے قفل لگالیے تھے۔

اس کی ماں نے اس کے روز بروز کے بڑھتے سوالوں سے بچ کر اسے شہر بھیج دیا تھا مگر یہاں آکر وہ تنہا ہوگئی تھی' اس کی ذات احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے لگی تھی اس کی ہر خواہش بن کہے پوری کی جاتی تھی' اعلیٰ سے اعلیٰ لباس ہر اچھی چیز' کبھی کمی نہ آنے دی مگر جب عائشہ اور صبا اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے فرمائشیں کرتیں اور ضدیں کیا کرتیں تو دل میں شدید حسرت جاگا کرتا تھا کہ کاش اس کی بھی ایک فیملی ہوتی اپنا گھر ہوتا' باپ' بہن بھائی ہوتے تو کتنا اچھا ماحول ہوتا اور پھر وہ اپنی ذات میں تنہا ہوتی چلی گئی تھی۔

وقت مزید آگے بڑھا تو وہ اب کالج گرل تھی' وقت نے اسے اسی طرح اس کی پرورش کی تھی کہ اپنی ذات میں اٹھنے والے طوفان بھی بے معنی ہونے لگے تھے۔ وہ بس اپنی ماں کے لیے زندہ تھی مگر عادلہ بھابی کی عباس سے شادی کے بعد لگا کہ زندگی ایک شدید طوفان سے دوچار ہوگئی ہے' میڈیکل کالج میں ایاز سے سامنا ہوتا اور پھر ایاز نام کے مستقل درد سرنے جان کھالی تو لگنے لگا کہ وہ اب جی نہیں پائے گی۔ بڑی مشکلوں سے اپنی عزتِ نفس کو کچلنے کے بعد اس نے اپنا یہ مسئلہ مصطفیٰ سے ڈسکس کیا مگر اگلے ہی دن مصطفیٰ کے پروپوزل نے اسے حیرت زدہ کردیا اور اس دن شدید پچھتاوے کا احساس ہوا کہ کیا تھا وہ کچھ عرصہ اور صبر کرلیتی اور سہہ لیتی کم از کم اس شخص کے سامنے شرمندگی سے تو بچ جاتی۔ اسے مصطفیٰ کی ذات' اس کی اچھائی سے قطعی انکار نہ تھا مگر اس کے ساتھ اب یہ جو کچھ ہونے جارہا تھا اسے یہ کسی بھی طرح قبول نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ان لوگوں کے اس پر کتنے احسانات ہیں کہ وہ زندگی پھر ان کے سامنے سر اٹھا کر جی نہیں سکے گی۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر ایک بار انکل اور آنٹی نے خود اس سے شادی کے سلسلے میں بات کی تو وہ دل میں ہزار ہا طوفان سے تو نبرد آزما ہونے کے باوجود ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے گی اور اگر ایسا ہوگیا تو اسے اپنی ذات کو مارنا پڑے گا اور اب یہی تو ہوا تھا۔ وہ مصطفیٰ کے سامنے صاف اور واضح الفاظ میں انکار کرچکی تھی۔ اسے صاف جتا چکی تھی کہ اسے اس کا

ساتھ قبول نہیں اور اب مصطفیٰ کے سامنے دوبارہ اس رشتے کی حیثیت سے جانا اسے لگا کہ اس کی عزت نفس ہمیشہ کے لیے گروی رکھ دی گئی ہے۔ یہ اس کی زندگی کا دوسرا اذیت ناک پہلو تھا۔

''شہوار......'' وہ اسی طرح سر جھکائے اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی اس پکار پر سر اٹھا کر دیکھا' تابندہ بی کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

''ادھر اکیلی کیوں بیٹھی ہو' چلو اندر چلو۔ سب کے پاس بیٹھو زہرہ تمہارا پوچھ رہی تھیں باقی لوگ بھی۔'' نکاح کے سلسلے میں زہرہ پھوپو کی فیملی حویلی آچکی تھی جن میں ان کا ایک بیٹا' بہو اور دو بیٹیاں تھیں۔ باقی افراد نے کل آنا تھا۔

''میں ادھر ہی ٹھیک ہوں' کچھ دیر ادھر ہی بیٹھنے دیں جب دل کیا اندر آجاؤں گی۔'' اس نے دوبارہ گھٹنوں پر سر جھکائے خاصی سنجیدگی سے کہا تو تابندہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ان سے شدید ناراض تھی۔

ان کا دل چاہا کہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی دلجوئی کریں اس کو سمجھائیں' اپنے دل کا راز بتائیں' اپنی مجبوری بتائیں' یہ رشتہ کیوں ضروری ہے اس کے محرکات کی وضاحت کریں مگر پھر دل کو مار لیا کہ اس وقت شہوار ناراض تھی' انکاری تھی شاید ان کی وضاحت کو نہ سمجھ پائے۔ وقت خود بخود ثابت کردے گا کہ ان کا فیصلہ کس قدر درست تھا' انہوں نے لب سی لیے اور اسے بغور دیکھا۔

''ٹھیک ہے' شام ہو رہی ہے جلدی اندر آجانا۔'' وہ اسے ہدایت دیے کر واپس پلٹ گئیں تو شہوار نے از حد دکھ سے انہیں دیکھا۔

وہ بڑے پُروقار انداز میں اندر کی جانب بڑھ رہی تھیں' اس کا جی چاہا کہ خوب روئے۔ اس کے پاس کہنے سننے کو بہت سے رشتے نہ تھے کہ ماں دامن بچاتی تو کسی بہن سے کہہ لیتی یا کسی بھائی کے کندھے پر سر رکھ کر دل کی بھڑاس نکالتی۔ اس کے پاس تو بس یہی ایک رشتہ تھا' جو ماں بھی تھی باپ بھی تھا' بہن بھی تھی بھائی بھی تھا' دوست بھی بھی کچھ تو تھا اس نے تابندہ بی سے اپنی ذات کا ہر مسئلہ ڈسکس کیا تھا تو پھر تابندہ اب کیوں اس سے پہلو بچا رہی تھیں' اسے اس وقت شدت سے انا کی کمی کا احساس ہوا' ایک حقیقی سچے دوست اور غم گسار کی کمی کا۔ ایک دم شدت سے جی چاہا کہ انا اس کے پاس آجائے بے شک اس سے کچھ نہ بھی کہہ سکے مگر اس کے کندھے پر سر رکھ کر خوب رو دھو کر دل کی بھڑاس تو نکال لے گی' بہت سارا رونے کی کی خواہش تھی جو ایک دم شدت اختیار کرنے لگی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تھی اپنا بیگ کھول کر اس میں ہاتھ مارا' سارا بیگ کھنگال ڈالا مگر موبائل نہ ملا۔

''اُف......'' اسے ایک دم یاد آیا کہ موبائل بے پناہ غصے سے دیوار پر مارا تھا جس سے وہ ٹوٹ گیا تھا اور سم بھی موبائل کے اندر ہی تھی اور تمام نمبر سم میں ہی فیڈ تھے۔ وہ اپنی اس جذباتی حرکت پر پشیمان ہوتی سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ سم کے اندر ہی انا کا نمبر تھا اور آخری بار اس نے ٹوٹا ہوا موبائل عائشہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور یہاں آتے اس نے کچھ بھی نہ سوچا تھا کہ انا کتنا پریشان ہوئی ہوگی۔

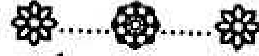
''اب کیا کروں؟'' بیگ بستر پر ڈالتے اس نے چند پل سوچا تھا پھر اٹھ کر وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی' وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔ سبھی کمرے میں ہی جمع تھے۔ اس نے فون اٹھا کر شہر کا نمبر ڈائل کیا۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے اسے جو آواز سننے کو ملی اس کو سن کر اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

''کون ہے بھئی؟'' جھنجلا کر کہا گیا تھا (شہر میں پی ٹی سی ایل نمبر پر سی ایل آئی لگی ہوئی تھی) شہوار نے کال ڈراپ کردی تھی۔

اس نے سوچا کہ رات کو کال کرے گی وہ یہ طے کر کے اٹھی تو فون بجنے لگا' اس نے سی ایل آئی دیکھی شہر کا نمبر تھا' یقیناً

مصطفیٰ نے کال بیک کی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سائیڈ پر رکھ کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



ولید کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آگیا تھا اس وقت لیپ ٹاپ کھولتے اپنے دوستوں سے چیٹ کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ آفس ورک بھی کر رہا تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ ولید نے موبائل کی اسکرین دیکھی۔

''مصطفیٰ......'' نام جگمگا رہا تھا۔ ولید نے ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے۔

''السلام علیکم!'' اس نے کال ریسیو کی۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہو؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے اے ون' تم سناؤ؟'' موبائل کان سے لگائے اس نے چیٹ باکس بند کیا اور پھر باقی فائلز بھی کلوز کرتے سیو فائلز کو سیو کرتے اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔

''بالکل فٹ فاٹ' اچھا یار ایک کام ہے تم سے۔'' مصطفیٰ فوراً مطلب پر آیا تھا۔

''خیریت؟''

''ہوں......'' مصطفیٰ کا انداز پر سوچ تھا۔

''کل اور پرسوں کی تاریخ میں فارغ ہو کیا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''کیوں......کوئی کام ہے کیا؟''

''کام ہی سمجھ لو۔'' مصطفیٰ ہلکا سا ہنسا۔

''اگر فارغ نہ بھی ہوا تو تمہارے لیے وقت نکال ہی لوں گا' تم کام بولو۔''

''شیور؟'' اس نے یقین دہانی چاہی۔

''وائے ناٹ......''

''اوکے' کل میں گاؤں جا رہا ہوں' سہ پہر کو نکلیں گے شام تک پہنچ جائیں گے اور تم بھی ساتھ چل رہے ہو۔''

''کیوں وہاں کل کوئی کبڈی میچ کھیلا جائے گا؟'' ولید نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں یہی سمجھ لو۔''

''اور ہاں تم اکیلے نہیں آؤ گے بلکہ انکل روشانے اور اپنی پھپو کی فیملی کو بھی لانا ہے' اسپیشلی اپنی کزن اور احسن کو بھی۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو وہ چونکا۔

''یہ دعوت کس خوشی میں یار' کہیں تمہاری شادی وادی کی کوئی پارٹی تو نہیں۔'' ولید نے اپنی طرف سے مذاق کیا تھا' مصطفیٰ کھل کر ہنسا۔

''اگر میں کہوں' ہاں' تو؟''

''تم مذاق کر رہے ہو؟'' ولید کو یقین کرنے میں تامل ہوا کہ مصطفیٰ نے کبھی اس سلسلے میں کبھی کوئی ذکر ہی نہیں کیا تھا۔

''سنڈے کو میرا نکاح ہو رہا ہے' اپنی کزن سے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ولید چند پل حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا' اس قدر اچانک؟'' وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

''یہ فیملی کا فیصلہ ہے باقی وضاحت آمنے سامنے ہوگی تو پھر میں یقین رکھوں کہ تم سب آرہے ہو نا؟''

''تم بہت چھپے رستم نکلے' اتنی بڑی خبر وہ بھی فون پر سنا رہے ہو۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ یہ اچانک فیصلہ ہوا ہے' سچ سچ بتاؤ کہ کب سے یہ سلسلہ چل رہا تھا؟'' ولید ایک دم سنجیدہ ہوا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں ہے وہ میری کزن ہے اور یہ میری فیملی کا فیصلہ ہے۔"

"کیسی ہیں وہ محترمہ؟" ولید کا اشتیاق ایک دم بڑھا۔

"اچھی ہیں۔" مصطفیٰ ہلکا سا ہنسا۔

"اوہو..... تو یہ سلسلہ ہے دیکھو کیسے ہنسی نکل رہی ہے مصطفیٰ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اتنی اہم خبر وہ بھی یوں سرسری فون پر سنا رہے ہو ویسے نام کیا ہے؟"

"سیکرٹ ہے پھر کل آ رہے ہو نا؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں میں تو سب سے پہلے پہنچوں گا تمہاری شادی ہو اور میں نہ آؤں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" ولید فوراً جذباتی ہوگیا تھا۔

"یہ کلیئر کرلو کہ ابھی نکاح ہو رہا ہے شادی نہیں۔" مصطفیٰ نے وضاحت کی تو ولید نے موبائل کو گھورا۔

"یہ نکاح اور شادی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

"نکاح ہو رہا ہے مطلب دلہن رخصت نہیں ہوگی محض نکاح پڑھایا جائے گا' کچھ آیا سمجھ میں؟"

"اوہ تو رخصتی کیوں نہیں ہو رہی؟" ولید نے پوچھا۔

"محترمہ پڑھ رہی ہیں۔" مصطفیٰ نے رسانیت سے بتایا۔

"اوہ کس کلاس میں؟"

"کل آنا سب بتادوں گا تم مجھے صاف بتادو کہ تمہارے ساتھ کون کون ہوگا تاکہ میں وہاں انتظام کا کہہ دوں۔ اپنی فیملی کو ساتھ ضرور لے کر آنا ہے اتنا لمبا چوڑا پروگرام نہیں رکھا ہم نے مگر تمہارے بغیر میں یہ تقریب کبھی نہ کرواتا۔ انکل اور روشی اور اپنی کزن اور پھپو کی ساری فیملی کو ضرور لانا ہے۔"

"مصطفیٰ ایک بات تو بتاؤ کیسا فیل کر رہے ہو ایک نیا رشتہ بنانے جا رہے ہو کچھ فیلنگز تو ہوں گی نا۔" اس نے اپنی طرف سے چھیڑا تھا دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔

اک حقیقت سی جنت میں حوروں کا وجود
حسن انسان سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں

مصطفیٰ نے بڑی ترنگ میں شعر پڑھا تھا۔

"زبردست۔" مصطفیٰ کے انداز پر ولید نے ایک دم داد دی تو دوسری طرف وہ جھینپ گیا۔

"بہت خوب کیا واقعی بہت حسین ہیں؟" ولید نے پوچھا تو وہ چپ رہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ دل کو لگی ہوئی ہے۔" ولید نے چھیڑا۔

"بکومت یہ صرف ایک شعر تھا۔" اس نے تصحیح کی۔

"دوسرے معنوں میں کیوپڈ کا تیر بھی کہہ سکتے ہیں ہم یہ سمجھ لیں کہ بہت حسین ہیں وہ۔" ولید کہاں باز آنے والا تھا فوراً جوابی جملہ کسا۔

"تم جانتے ہو حسن میری کمزوری نہیں حسن تو باہر کی دنیا میں بھی بہت بکھرا پڑا تھا اگر حسن میری ترجیح ہوتا تو واپس آتا ہی نہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ وہاں مجھے کبھی کسی چیز کی کمی نہ بھی نہ پیسے کی۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے جتایا تو ولید ہنس دیا۔

"آئی ایگری پھر کس چیز نے متاثر کیا تمہیں؟" "تمہارے رشتے دار ہیں تو یقیناً پہلے کوئی معاملہ تو رہا ہوگا۔"

"یہ بڑوں کا فیصلہ ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ولید نے موبائل کو گھورا۔

"اتنے شریف تو تم ہو نہیں کہ جہاں بڑوں نے باندھ دیا بندھ گئے۔" وہ مشکوک ہوا۔

"تمہیں میری شرافت پر شک ہے؟" مصطفیٰ اب ولید کو تنگ کر رہا تھا۔

"کوئی ایسا ویسا' خیر آ لینے دو مجھے پھر سارا چکر معلوم کرتا ہوں میں۔"

"وہ محترمہ بڑی باپردہ خاتون ہیں ناکامی ہی ہوگی۔" مصطفیٰ نے چڑایا۔

"اوہ آئی سی تم نے بھی دیکھ رکھا ہے یا نہیں؟ ویسے یار تمہارے منہ سے تمہارے خاندان کی ایجوکیشن کا معیار سن کر اندازہ تو نہیں ہوتا کہ اولاد سے پوچھے بغیر شادی بیاہ کے فیصلے یوں اچانک کردیئے جائیں۔" ولید کو قدرے حیرت ہوئی۔

"میرا خاندان بہت اچھا روایتی خاندان ہے خود آ کر مل کر دیکھنا تمہیں سب سے مل کر بہت اچھا لگے گا۔ بابا جان اور بھائیوں سے ملنا ہمارے بابا صاحب اور دیگر لوگوں سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی ہماری خواتین بھلے ایک محدود ماحول میں زندگی گزارتی ہیں مگر انہیں کبھی کسی حق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ بہت عزت اور احترام دیا جاتا ہے ان کی ہر جائز خواہش کی تکمیل کی جاتی ہے اپنے مردوں کے ہمراہ وہ کہیں بھی آجا سکتی ہیں۔ اعلیٰ اداروں میں زیر تعلیم رہی ہیں میرے ایک تایا کینیڈا میں ہوتے ہیں دوسرے کراچی میں سبھی کے بچے پڑھ رہے ہیں جو فارغ ہیں وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں یہی شرح خواندگی خواتین میں بھی ہے مگر اپنی اقدار اور روایات کی پاسداری کرتے ہیں ہم لوگ جائز خواہش ہر حال میں پوری کی جاتی ہے۔" مصطفیٰ نے بہت دھیمے انداز میں وضاحت کی تو ولید ازحد متاثر ہوا۔

"ویل ڈن۔"

"ویسے اس دن میں تو اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھنے گیا تھا مگر افسوس ویسے تمہاری طرف سے کیا فیصلہ ہوا ہے اس سلسلے میں؟"

"اور اس سے زیادہ تم نے بکواس کی تو میں موبائل بند کردوں گا' بابا نے تم سے ایک بات عرصہ پہلے کہہ دی تم نے تو چڑ بنادی ہے وہ صرف میری کزن ہے اور کچھ نہیں خبردار تم نے کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو۔ میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"

"مطلب کہ مستقبل قریب میں بن تو سکتا ہے نا؟" وہ چھیڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"مصطفیٰ پلیز' یہ بہت سیریس معاملہ ہے تم مذاق میں بھی کبھی روشی یا انا کے سامنے یہ مت کہہ دینا۔ لڑکیاں ان معاملوں میں بہت حساس ہوتی ہیں۔ یہ صرف بابا کی خواہش ہے میرا ابھی تک ایسا کوئی موڈ نہیں' نہ ابھی اور نہ ہی مستقبل قریب میں اور انا تو بہت ہی حساس لڑکی ہے اس کے سامنے تو قطعی نہیں کہنا۔" اس نے سنجیدگی سے ٹوکا تو دوسری طرف مصطفیٰ چونکا۔

"کیوں؟"

"تم اس معاملے میں آخر اتنا سیریس کیوں ہو جاتے ہو؟ چند سال پہلے تک انا تم سے اچھی خاصی اٹیچ تھی۔ کم عمر تھی مگر تمہارے ساتھ میچ کرتی تھی پھر تمہاری کزن ہے۔ چند سال پہلے تک تو خاصی خوب صورت تھی درمیانی عرصے میں بھی خاصی بہتری آئی ہوگی۔ پھر یوں سیریس ہونے کی کوئی وجہ؟" مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔

"یار جب میں پاکستان لوٹا تھا تو ذہن میں یہی تھا کہ بابا کی خواہش کو ماننا ہے مگر پاکستان آنے کے بعد ان کو قریب سے دیکھنے' ملنے اور سمجھنے کے بعد میں الجھ گیا ہوں۔ وہ خاصی چینج ہوگئی ہے بہت موڈی' انتہائی ضدی اور عجیب دھوپ چھاؤں والا مزاج ہے اس کا۔ پتا نہیں کب کون سی بات بری لگ جائے۔ کبھی کبھی تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں۔"

"اوہ..... تمہیں یہ کیونکر محسوس ہوا؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"بس اس کے رویے سے، ہوسکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو مگر یہ ایک اہم وجہ ہے جو مجھے اس کی طرف بڑھنے نہیں دیتی۔ بابا کئی بار میری رائے مانگ چکے ہیں نہ میں انکار کر پا رہا ہوں اور نہ ہی اقرار۔" ولید نے مصطفیٰ کے سامنے اپنے دل کی کشمکش کھول کر رکھ دی تھی۔

"انکار اس لیے نہیں کر پا رہا ہوں کہ پھپھو ہرٹ ہوں گی اور اقرار...... کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"

"تم انا سے بات کر کے دیکھ لو کیا وہ باخبر ہے تمہارے بابا کی اس خواہش سے؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آئی تھنک ابھی تو بے خبر ہی ہے اور انا سے بات کرنے سے میں اس لیے بھی ہچکچا رہا ہوں کہ ابھی تو ہم کزن کا رشتہ نبھا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ایک استفسار سے یہ تعلق بھی نہ رہے۔ بہرحال وہ روشی کی نند ہوگی۔ وہ ہماری صرف پھپھی زاد ہی نہیں روشی کے سسرالی رشتے کے لحاظ سے بھی وہ خاصی کلوز ہے اور میں نہیں چاہتا کہ روشی کی زندگی میں بعد میں کوئی پرابلم پیدا ہو۔"

"تو پھر......؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"ابھی تو میں ویٹ ہی کر رہا ہوں ہوسکتا ہے کہ حالات خود بخود ہموار ہو جائیں اور مجھے انا سے بات ہی نہ کرنا پڑے بابا بھی مطمئن ہو جائیں اور شاید انا خود ہی کوئی فیصلہ کرلے۔"

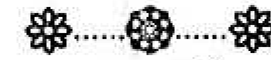
"چلو ان شاء اللہ بہتر ہوگا۔" مصطفیٰ نے فوراً حوصلہ دیا۔

"پروگرام فائنل کرلو روشی اور انا کو ضرور لانا ہے، یہ محض فارمیلٹی نہیں یاددہانی ہے۔ روشی میرے لیے صبا اور عائشہ کی ہی طرح ہے اور اس کے بغیر تو یہ فنکشن ممکن ہی نہیں۔ کل بتا دینا جو بھی پروگرام ہوگا میں ویٹ کروں گا۔"

"تم بے فکر رہو میں ضرور آؤں گا انا روشی اور باقی لوگوں کو بھی لانے کی کوشش کروں گا۔"

"اوکے ڈن۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ولید نے کال بند کر کے چند پل موبائل کو دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر ایک دم مسکرا دیا تھا۔ مصطفیٰ کے اس اچانک فیصلے نے خوشگوار حیرت سے دوچار کیا تھا۔



ماں جی، عائشہ اور صبا کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ مارکیٹ چلا آیا تھا۔ ان لوگوں کو کچھ کپڑے اور دیگر ساز و سامان کے علاوہ نکاح کا جوڑا خریدنا تھا۔ باقی خریداری تو فوراً کرلی گئی تھی اب صرف نکاح کا جوڑا رہ گیا تھا جو کئی شاپس گھومنے پر بھی مصطفیٰ کو پسند نہیں آ رہا تھا۔ کئی جوڑے ماں جی اور صبا کو پسند تھے حتیٰ کہ عائشہ کو بھی اچھے لگے تھے مگر مصطفیٰ نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کر دیے تھے کہ ان جوڑوں میں قمیصوں کی مکمل آستینیں نہیں ہیں۔

"مصطفیٰ یہ اتنا بڑا پرابلم نہیں ہے۔ ہم نے کون سا باقاعدہ اسٹیج بنا کر دلہن کو سب کے سامنے لانا ہے۔ اب اس قدر شارٹ ٹائم میں ایسا لباس تو چل جائے گا ہاف آستین ایسی کوئی بڑی بات بھی نہیں کہ یہ جوڑا ریجیکٹ کر دیں۔ دیکھو کتنا پیارا ہے یہ سوٹ اور کام دیکھو پوری مارکیٹ میں ایسا کام نہیں ہے۔ کتنی صفائی اور نفاست ہے۔" ایک دکان پر سب کو سوٹ پسند آیا تھا لہنگا سیٹ تھا مگر مصطفیٰ نے وہ بھی ریجیکٹ کر دیا۔

"اول تو آپ تینوں مجھے ساتھ لے کر نہ آتیں اگر آ گئی ہیں تو پھر میری پسند کا لیں مجھے اس کا کلر پسند نہیں اور بازو کی آستینیں بھی ہاف ہیں۔ میں ایک عرصے سے ادھر ہوں میں نے نہیں دیکھا کہ شہوار نے ہاف آستین پہنی ہوں ہوسکتا ہے وہ بھی پسند نہ کرے۔" مصطفیٰ نے اعتراض کیا تو عائشہ نے سر تھام لیا۔

"چلو بازو ہاف ہیں مگر کلر میں کیا خامی ہے؟" صبا نے بھی مداخلت کی۔

"اتنی چھان بین تو شاید شہوار بھی نہ کرے جتنی یہ کر رہا ہے۔" عائشہ نے بھی غصے سے کہا۔

"یہ ڈیپ ریڈ کلرز عموماً ویڈنگ ڈریسز کے طور پر تو اچھے لگتے ہیں مگر نکاح وغیرہ کے لیے ذرا ہٹ کر کلر ہو تو اچھا ہے۔ ہلکا پھلکا لائٹ سا۔"

"ہم تو تمہیں سیدھا سادھا سا انسان سمجھتے تھے، تم تو خواتین سے زیادہ مین میخ نکالتے ہو۔" عائشہ نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ایک عرصہ باہر کی دنیا میں رہ کر آیا ہوں آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ مجھے خواتین کی شاپنگ کے متعلق کوئی نالج نہیں۔" اس نے چڑایا۔

"دیکھو مصطفیٰ وقت بہت کم ہے گھر جا کر تیاری بھی کرنی ہے اور شام سے پہلے ہمیں حویلی بھی جانا ہے۔ جو بھی لینا ہے جلدی کرو۔" ماں جی بھی ان کے ساتھ دکانیں گھوم گھوم کر تھک چکی تھیں۔ مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"آپ ایسا کریں کہ آپ اور صبا ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی جائیں میں اور عائشہ کچھ دیر میں آ جاتے ہیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو ماں جی نے سر ہلا دیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ چند اور دکانیں گھوما پھر ایک دکان پر انہیں ہلکا ٹی پنک کلر کا سوٹ پسند آ گیا جس پر فیروزی ایپلک کے کام نے سوٹ کو خاصا خوب صورت بنا دیا تھا۔

"واؤ...... زبردست۔" سوٹ دیکھ کر تو عائشہ کی بھی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ یہ لہنگا سیٹ نہیں تھا بلکہ فراک ٹائپ میکسی تھی جس کی آستینیں بھی فل تھیں۔ یہ ریڈی میڈ سوٹ تھا سلائی کروانے کا جھنجٹ نہیں تھا عائشہ نے سکھ کا سانس لیا۔

"کیسا لگا آپ کو؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"بہت پیارا، شہوار کو سوٹ کرے گا۔ قد کاٹھ، جسمانی ساخت کے لحاظ سے بھی فٹ آ جائے گا جو تھوڑی بہت کمی ہوئی وہ ہم خود پوری کرلیں گے۔"

"یہ پیک کروالیں پھر؟" مصطفیٰ کے سوال پر اس نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔

"مصطفیٰ تم نے شہوار کے لیے خود سے کوئی گفٹ لیا کہ نہیں؟" پے منٹ کر کے وہ باہر آئے تو عائشہ نے پوچھا۔

"وہ کس خوشی میں بھلا؟"

"اب اتنے کوڑھ مغز بھی نہیں ہو شہوار نے کبھی ہاف بازو نہیں پہنے یہ تک پتا ہے تو باقی معلومات میں بھی زیرو نہیں ہو، نکاح ہو رہا ہے تمہارا اپنی بیگم کو کوئی گفٹ نہیں دو گے۔" عائشہ نے اس کے سوال پر جل کر کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اول تو یہ کہ صرف نکاح ہو رہا ہے رخصتی نہیں۔ وہ لڑکی بھی ایسی ہے کہ نکاح سے پہلے اور بعد میں ایسے گفٹ لینے پر قیامت تو کھڑی کرسکتی ہے مگر گفٹ قبول نہیں کرے گی اور نہ ہی مجھے کوئی ایسی خواہش ہے گفٹ وفٹ دینے کی۔" مصطفیٰ نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

"ہائے کتنا برا لگے گا کتنا اہم ایونٹ ہے تمہاری زندگی کا کیا خالی ہاتھ اپنی دلہن دیکھو گے۔" دلہن کے لفظ پر مصطفیٰ کے چہرے پر کئی رنگ چھائے تھے۔ عائشہ کے سوال نے دل کو عجیب سے انداز میں چھوا تھا۔

"بھئی نکاح ہو رہا ہے تم نے خود ہی تو کہا تھا سب سادگی سے ہو رہا ہے پھر دلہن دیکھنے کا سوال کہاں سے آ گیا؟" اس نے بہن کو چھیڑا وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی وہ اپنی گاڑی میں ہی آیا تھا۔

"بنو مت۔ اب اگر تم نے عین موقع پر کہا کہ ہم تمہیں دلہن دکھائیں تو پھر صاف انکار سمجھ لینا۔" عائشہ نے بھنا کر کہا۔

"خالی ہاتھ دلہن تو ہم نہیں دیکھنے دیں گے۔"

"بھئی یہاں بھی ایسی کوئی حسرت نہیں ہے؟" مصطفیٰ کو عائشہ کو چڑانے میں مزہ آ رہا تھا۔

"ہاں نکاح کا جوڑا تو ایسے خریدا تھا گویا سامنے بٹھا کر قصیدہ خوانی تو تم نے ہی کرنی ہے۔" مصطفیٰ اس برجستہ جواب پر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"بعض خواہشیں بھی انسان کو کتنا خوار کرتی ہیں۔" وہ دونوں گھر آئے تو ماں جی اور صبا ساری تیاری مکمل کرچکی تھیں۔ انہیں نکاح کا جوڑا بہت پسند آیا تھا۔ ماں جی نے جوڑا دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

"ماشاءاللہ بہت پیارا ہے۔ اللہ پہننا نصیب کرے۔"

"ویسے ایک بات ہے کہ مصطفیٰ بھائی کی پسند لاجواب ہے۔" صبا نے بھی سراہا۔

"کب تک جانے کا پروگرام ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

عباس بھائی اور شاہزیب صاحب صبح صبح ہی نکل گئے تھے ان خواتین کا ضروری خریداری کے بعد مصطفیٰ کے ساتھ جانے کا پروگرام تھا۔ اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ اس وقت نکلتے تو شام تک پہنچ جاتے یہ لوگ۔

"کھانا کھالو تو پھر نکلتے ہیں۔ ہم تو تیار ہی ہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ تمہارے دوست کی فیملی نے بھی ساتھ چلنا ہے پتا کرلو وہ کب پہنچ رہے ہیں؟" ماں جی نے کہا تو اسے ولید کا خیال آیا۔ صبح سے ولید کی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں ان کا کیا پروگرام تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آیا چینج کرنے کے بعد اس نے کال ملائی۔

"ہاں یار کیا پروگرام ہے؟ ہم لوگ ریڈی ہیں بس تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" سلام دعا کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔

"یار تم لوگ نکل جاؤ مجھے ایڈریس اچھی طرح سمجھا دو ہم کچھ دیر میں نکلیں گے۔"

"کون کون چل رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں سفر نہیں کرسکیں گے انکل بھی نہیں جارہے تو پھپو کو گھر میں رکنا پڑا ہے باقی ہم چاروں ہوں گے تم نے رات اتنی لیٹ بتایا تھا صبح مجھے خیال نہ رہا ذکر کرنے کا۔ انا کالج چلی گئی تھی احسن کی بھی میٹنگ تھی ابھی یہ دونوں گھر لوٹے ہیں تیار ہونے میں وقت لگے گا پھر ہم نکلیں گے۔" ولید نے اپنا پروگرام بتایا۔ مصطفیٰ گہری سانس لیتے اسے گاؤں کا ایڈریس سمجھانے لگا۔

"ہمارے ساتھ ہی نکلتے ایزی رہتا۔" ایڈریس اچھی طرح سمجھا کر اس نے کہا۔

"ڈونٹ وری ہم آجائیں گے۔" ولید نے کہا۔

"اوکے پھر حویلی میں ہی ملاقات ہوتی ہے اب۔ راستے میں کوئی مسئلہ ہو یا ایڈریس سمجھ نہ آئے تو رابطے میں رہنا اوکے اللہ حافظ۔" وہ کال بند کرکے ضروری پیکنگ کرکے باہر آیا تو وہ تینوں کھانا کھا رہی تھیں۔

وہ بھی بیٹھ گیا۔ صبح سے بھاگ دوڑ میں کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اب بھوک زوروں پر تھی۔ کھانے کے بعد صبا اور عائشہ نے برتن سمیٹے تھے۔ یہ تینوں گاڑی میں آبیٹھیں تو مصطفیٰ کو خیال آیا کہ اس کا موبائل کمرے میں ہی رہ گیا ہے۔ وہ فوراً اندر آیا اور اپنے کمرے میں سے موبائل لے کر نکلا تو سینٹرل ٹیبل پر رکھا موبائل بجنے لگا مصطفیٰ نے دیکھا عائشہ کا موبائل تھا۔ وہ بھی افراتفری میں ادھر ہی بھول کر جارہی تھی۔ اسکرین دیکھی تو لائبہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے یس کا بٹن دبا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ دوسری طرف کی آواز سن کر زبان سل گئی۔

"عائشہ پلیز میری سم ضرور لے کر آنا اس میں میری تمام فرینڈز کے کانٹیکٹ نمبرز ہیں مجھے کالج کے سلسلے میں اپنی دوست سے رابطہ کرنا ہے۔ پلیز ضرور لے کر آنا۔" اسے شاید گمان بھی نہیں تھا کہ کال کوئی اور بھی ریسیو کرسکتا ہے اسپیشلی مصطفیٰ۔ اسی لیے وہ سلام دعا کے بغیر کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ کو یاد آیا کہ اس کے استفسار پر عائشہ نے بتایا تھا کہ شہوار کا سیل

ٹوٹ گیا ہے اس لیے اس کا نمبر بند ہے۔ کیسے ٹوٹا ہے عائشہ نے یہ نہیں بتایا تھا۔

"عائشہ سن رہی ہو نا؟" وہ اس کی خاموشی پر جھنجلا کر پوچھ رہی تھی۔

"جی جناب! نا صرف اچھی طرح سن لیا ہے بلکہ ذہن میں فیڈ بھی کرلیا ہے...... اور کچھ......!" مصطفیٰ کی آواز سن کر دوسری طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"عائشہ کہاں ہے؟" کچھ توقف کے بعد خاصی ناراضی سے سوال ہوا تھا۔

"وہ تو گاؤں روانہ ہوچکی ہے محترمہ عجلت میں اپنا موبائل یہیں بھول گئی ہیں۔"

"کیا؟" وہ چونکی۔

"اوہ......" دوسری طرف سے فوراً موبائل بند ہوا تھا۔

"ایک تو یہ لڑکی بھی نا؟" اس نے موبائل کو گھورا۔ وہ باہر آیا تو صبا فون پر بزی تھی۔

"یہ لیں اپنا موبائل اندر ہی رکھ آئی تھیں۔" اس نے عائشہ کو موبائل تھمایا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"نہیں شہوار ابھی ہم نکلے تو نہیں تم سے کس نے کہہ دیا ابھی تو ہم گھر پر ہی ہیں یہ لو عائشہ سے بات کرو۔" مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا یعنی محترمہ نے فوراً صبا کے نمبر پر رابطہ کیا تھا۔ اب عائشہ بات کررہی تھی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"بے فکر رہو ذات تمہاری کال سنتے ہی میں نے سم اپنے بیگ میں رکھ لی تھی۔ ہاں موبائل بھی نیا لے لیا ہے۔ ڈونٹ وری ہم نکل رہے ہیں میں مصطفیٰ صبا اور ماں جی...... ہاں شام تک پہنچ جائیں گے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

❀......❀......❀

انا منہ بسورے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"بھلا یہ بھی کوئی تک ہے۔ نہ کچھ بتایا نہ کوئی پروگرام فائنل کیا اب ایک دم کہہ رہے ہیں کہ ان کے ساتھ گاؤں چلو۔" وہ ابھی کالج سے لوٹی تھی اور جیسے ہی ولید نے اپنے پروگرام کا بتایا اس نے جھٹ انکار کردیا تھا۔ ماموں روشی سب اسے سمجھا رہے تھے۔

"مجھے خود مصطفیٰ نے آدھی رات کو فون کرکے اطلاع دی تھی۔ صبح میرے کمرے سے نکلنے سے پہلے تم کالج کے لیے نکل گئی تھی پھر کب اطلاع دیتا۔" ولید کے لیے اسے راضی کرنا ایک معرکہ بن گیا تھا مگر وہ مان کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ مسلسل سب سمجھا رہے تھے مگر وہ جانے پر راضی ہی نہ تھی۔

"کال کرلیتے؟"

"محترمہ سارا دن کوئی سو دفعہ تمہارا نمبر ملایا تھا مگر آن ہوتا تو بات ہوتی۔" ولید نے چڑ کر کہا۔

"تو کالج میں کلاسز تھیں یا لیکچرز اٹینڈ کرتی۔" ولید نے باپ کو دیکھا انہوں نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔

"انا بیٹا ضد نہیں کرتے شاباش تیار ہوجاؤ۔" انہوں نے پچکارا۔

"خوامخواہ نہ کوئی تیاری ہے اور پتا نہیں گاؤں کا ماحول کیسا ہے وہاں کے لوگ کیسے ہیں پہلے بتایا ہوتا تو ذہنی طور پر تیار ہوتی مجھے نہیں جانا۔" اس نے کسلمندی سے کہا اور مزید پھیل کر صوفے پر دراز ہوگئی۔

"روشی بھی تو جارہی ہے۔" ولید نے غصے سے کہا۔

"ہاں تو اسے کیا فرق پڑتا ہے وہ تو پیدائشی خوب صورت ہے اب میں اس سڑے بسے تھوبڑے کے ساتھ اٹھ کر چل دوں پتا نہیں کس قسم کا فنکشن ہے کوئی تیاری کی نہیں اور وہاں جا کر شرمندہ ہوں۔" اصل رونا تو اس بات کا تھا روشی ہنس دی۔ ولید نے خوب گھورا۔

"اب وہ اتنے بھی رورل نہیں ہیں اچھے خاصے اربن ہیں بلکہ تم سے تو کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔"

"تمہیں کیا پتا تم کون سا ملی ہوئی ہو ان سے؟" اس نے ناک سکیڑی۔

"بھئی مصطفیٰ بھائی سے ان کی فیملی کی بہت ساری باتیں سن رکھی ہیں۔ اتنے کنزرویٹو نہیں ہیں وہ لوگ۔ بس زمینداری بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں اور تو کوئی بات نہیں۔" روشانے نے وضاحت کی۔

"پھر بھی میں نہیں جارہی۔" وہ کالج سے تھکی ہاری آئی تھی اب یوں کہیں بھی اٹھ کر چل دینا اسے بڑی قیامت لگ رہی تھی۔

"تمہارے پاس دس منٹ ہیں چینج کرلو اس کے بعد میں قطعی موقع نہیں دوں گا تم ہمارے ساتھ جارہی ہو یہ فائنل بات ہے تم تیار ہوئی یا نہ ہوئی میں اٹھا کر گاڑی میں پھینک دوں گا اس کے بعد بے شک وہاں جا کر مجھے کوستی رہنا کہ تمہیں پیکنگ کا موقع نہیں دیا۔ دس منٹ کا مطلب ہے دس منٹ اس میں تمہیں پیکنگ بھی کرنا ہے اور ریڈی بھی ہونا ہے۔" ولید جو اس بحث سے اکتا گیا تھا ایک دم غصے سے کہہ کر ہاتھ میں تھاما میگزین اس پر اچھال کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ بہت غصے میں گیا تھا روشی اور احسن دونوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"ایویں اٹھا کر گاڑی میں پھینک دیں گے زبردستی تھوڑی ہے۔" جاتے جاتے ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر بابا کو جو دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"دیکھ رہے ہیں اپنی چہیتی کے انداز پھر کہتے ہیں میں زیادتی کرتا ہوں۔" اس نے شکوہ کیا تھا روشی بھی ہنس دی۔

"جاؤ تم جا کر تیار ہوا نا بھی آجاتی ہے روشی بیٹا تم بہن کی پیکنگ کردو میں اس کو سمجھاتا ہوں۔" انہوں نے ولید کو چلتا کیا اور روشی کو بھی اور خود اٹھ کر انا کے پاس بیٹھ گئے۔

"ماموں جی پلیز بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا کہیں جانے کو آپ کو کیا پتا میری دوست شہوار ہے نا وہ کتنے دنوں سے کالج نہیں آرہی اس کے گھر بھی گئی تو پتا چلا کہ وہ گاؤں چلی گئی ہے پھر اس کی طبیعت بھی خراب تھی میں اس کو لے کر بہت ڈسٹرب ہوں اس نے خود بھی کوئی رابطہ نہیں کیا اس کا نمبر بھی بند ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔" وہ واقعی پریشان تھی۔

"بری بات ہے بیٹا اب ایک ہستی کے لیے تم اتنے لوگوں کو ناراض کرو گی مصطفیٰ نے اسپیشلی فون کر کے کہا تھا کہ تم اور روشی ضرور آؤ میں سفر نہیں کرسکتا تمہاری ماں اور باپ بھی نہیں جارہے ہیں تم بھی نہیں جاؤ گی تو کتنا برا لگے گا؟" انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لے کر پیار سے کہا۔

"احسن بھائی تو جارہے ہیں نا؟" اس نے لاڈ سے کہا۔

"ولید کو بہت برا لگے گا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو اس کا دل سکڑا۔ ولید کو برا لگے گا یہ اس کا ویک پوائنٹ تھا۔

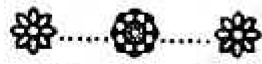
"اس نے کتنی محبت سے کہا ہے چلنے کو۔" انہوں نے مزید کہا تو اس نے گہرا سانس لیا۔

"پتا نہیں یہ محبت ہے کہ کیا ہے اگر محبت ہے تو مجھے محسوس کیوں نہیں ہوتی؟" اس کا دل افسردہ ہوا وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"اوکے چلتی ہوں یہ میں صرف آپ کے کہنے پر جارہی ہوں۔ ولید یا روشی کا اس میں کوئی کریڈٹ نہیں۔ بتا دیں دونوں کو۔" ناراض ناراض سی صورت لیے وہ اٹھ گئی تو انہوں نے سر ہلا کر اسے دیکھا۔ اس کا مان جانا ہی فی الحال کافی تھا۔

روشی کے ساتھ مل کر اس نے پیکنگ کی تھی۔ شادی کے سلسلے میں شاپنگ تو کی ہوئی تھی۔ بس انہی میں سے چند سادہ مگر کام والے جوڑے رکھ لیے تھے۔ تیار ہو کر دونوں باہر نکلیں تو گاڑی میں ولید اور احسن منتظر تھے۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھیں تو ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے ڈر تھا کہ انا نہیں جائے گی مگر اب وہ جارہی تھی تو وہ کچھ مطمئن ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ناراض ناراض سا تھا یوں جیسے اسے اس طرح زبردستی کہیں جانا اچھا نہیں لگ رہا۔ ولید نے سر جھٹکا فی الحال اس کا مان جانا ہی کافی تھا۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔

"میں ماموں کے کہنے پر آئی ہوں خبردار آپ تینوں میں سے کسی نے مجھ سے بات کی تو' جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔ دوستی آپ کی تھی آپ جاتے' مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔" وہ کافی تپی ہوئی تھی خاصا جتا کر کھڑکی کی طرف منہ پھیر لیا تو ولید نے خاصی بے چارگی سے احسن کو دیکھا اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دیتے فی الحال چپ رہنے کو ہی کہا تھا۔



حویلی میں تقریباً سبھی مہمان آچکے تھے۔ یہ لوگ مغرب تک پہنچے تھے۔ کراچی سے صرف حسن انکل ہی آپائے تھے ان کی فیملی نہیں آئی تھی جبکہ زینب پھپو اور زہرہ پھپو کی ساری فیملی آچکی تھیں۔ حویلی میں اچھی خاصی رونق ہوچکی تھی۔ بابا صاحب کی طبیعت خاصی بہتر تھی وہ آرام سے ساری حویلی میں مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان میں اٹھ بیٹھ رہے تھے۔ تابندہ بی پر دوہری ذمہ داریاں تھیں۔ ایک حویلی کی نگرانی کی دوسرا بیٹی کی ماں تھیں مگر اس کے باوجود ان کے دائیں بائیں سب ان کی ذمہ داریاں نبھانے کو تیار تھے۔ شہوار مہمانوں کے آتے ہی کمرے میں بند ہوچکی تھی۔ عائشہ اور صبا نے آتے ہی اس کے کمرے پر دھاوا بول دیا تھا۔

"بچی شہوار مصطفیٰ بھائی نے تمہارے لیے نکاح کا جوڑا اس قدر خوب صورت اور قیمتی سلیکٹ کیا ہے کہ حد نہیں' تم ان کی چوائس دیکھو تو دنگ رہ جاؤ۔" عائشہ بہت ایکسائیٹڈ تھی جبکہ وہ اسی طرح بستر پر بیٹھی رہی۔

"شکر ہے یہ چہرے کا زخم تو ختم ہوا بس ہلکا سا نشان ہے وہ بھی ٹھیک ہوجائے گا۔" صبا کو اسی بات کی فکر تھی۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"تم اپنا ڈریس پہن کر چیک کرلو کوئی کمی بیشی ہے تو ابھی درست کرلیتے ہیں تاکہ عین وقت پر پریشانی نہ ہو۔" عائشہ بیگ میں سے اس کا جوڑا نکالنے لگی۔ اردگرد اور بھی افراد تھے سبھی جوڑا دیکھنے کو بے تاب تھے۔

"ماشاءاللہ یہ تو بہت ہی پیارا ہے۔" پھپو زہرہ کی بڑی بہو اور ماریہ کی بھابی نے جوڑا کھلتے ہی ایک دم کہا۔ اردگرد شافعہ اور لائبہ بھابی بھی آبیٹھیں۔

"اللہ...... شہوار آپی کتنا پیارا کلر ہے آپ پر تو بہت سوٹ کرے گا ابھی پہن کر دکھائیں۔" بڑی پھپو کی چھوٹی بیٹی اس کے سر ہوگئی تھی۔

"مجھے نہیں پہننا۔" اس نے لباس کو ایک طرف کیا تو کئی لوگ ٹھٹکے۔

"شہوار......" لائبہ بھابی نے اسے فوراً کندھوں سے تھاما۔

"اتنے افراد میں پلیز سوچ سمجھ کر بولو۔" انہوں نے سرگوشی کی وہ چند دنوں سے شہوار کا رویہ دیکھ رہی تھیں اس کے ساتھ پل پل تھیں کیسے نہ اندازہ لگاتیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔

"چلو شہوار یہ پہن کر دکھاؤ۔" انہوں نے محبت سے کہا تو اسے اٹھتے ہی بنی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ واش روم میں گھس کر خوب روئے۔ اور ان کپڑوں سمیت اپنے وجود کو بھی آگ لگا لے۔ وہ کیسے ان لوگوں کی اس قدر محبت کے جواب میں بے اعتنائی اور نفرت کا اظہار کرتی۔ بس دل پر جبر کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لباس لے کر وہ واش روم میں چلی آئی تھی۔ پہلے تو خوب جی بھر کر روئی پھر اس نے ناچار سوٹ زیب تن کیا تھا۔ دل کی عجیب سی کیفیت ہورہی تھی مگر وہاں سبھی منتظر تھے۔

''شہوار آ بھی جاؤ' ہم تو دیدہ و دل تمہاری راہ میں بچھائے بیٹھی ہیں۔'' زینب پھپو کی بیٹی نے شرارت کی تو وہ سر جھکائے باہر نکل آئی۔

''واؤ۔''

''ماشاءاللہ۔''

''بہت خوب۔'' کئی آوازیں اور کئی جملے تھے عائشہ نے تو والہانہ پن سے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''آخر میرے پیارے بھائی کی چوائس ہے۔'' اس نے گردن اکڑائی۔

''مصطفیٰ بھائی کی تو کل خیر نہیں۔'' اس نے اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کی۔ وہ جھینپ کر رہ گئی۔ چہرہ ایک دم گل رنگ ہوا تھا۔

عائشہ والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ باقی سب کے بھی یہی تاثرات تھے اور شہوار گل رنگ چہرہ لیے ساکت کھڑی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس قسم کا ری ایکشن شو کرے۔

''شکر ہے کوئی کمی بیشی نہیں۔ ورنہ تو سارا رستہ مجھے ٹینشن لگی رہی تھی۔'' صبا کوئی کمی بیشی نہ پا کر مطمئن ہوگئی تھی۔ شہوار کا مارے شرم کے برا حال ہو رہا تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو اپنے وجود سمیت آگ لگا لے۔

وہ بس دو تین منٹ سب کے سامنے ٹھہری تھی پھر فوراً واش روم میں جا کر لباس تبدیل کر لیا اور پھر واپس آ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ اب پھر وہی گم صم انداز تھا۔ اسے یہ سب بڑا عجیب سا لگ رہا تھا آنسو تھے کہ بس ایک دم بہنے کو بے تاب تھے۔ بڑی مشکل سے وہ سب میں بیٹھی خود پر جبر کیے ہوئے تھی۔



انا کا سارے رستہ موڈ آف رہا تھا۔ ولید روشی اور احسن خوش گپیوں میں مصروف رہے تھے جبکہ وہ منہ بسورے آنکھیں بند کیے سارا رستا سونے کا تاثر دیتی رہی تھی۔ اللہ اللہ کر کے سفر اختتام پذیر ہوا تھا۔ ولید سارے راستے مصطفیٰ سے رابطہ میں تھا۔ اب کہاں ہے اس وقت کہاں سے گزر رہے ہیں سب اطلاع پہنچائی گئی تھی۔ انا اچھی خاصی تھک گئی تھی۔ سارا دن کالج کی خواری اور اب یہ طویل سفر وہ تقریباً ساڑھے سات بجے وہاں پہنچے تھے۔ مصطفیٰ منتظر ہی تھا جیسے ہی گاڑی گیٹ کے پاس آ کر رکی تو فوراً سامنے آ گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' احسن اور ولید دونوں مصطفیٰ سے بغلگیر ہو رہے تھے۔

انا نے ٹیوب لائٹ کی روشنی میں دیکھا اچھا خاصا ڈیسنٹ لمبا چوڑا انسان تھا۔ دس سال پہلے لمبا سا دبلا پتلا وجود تھا اب تو صحت بھی قابل رشک تھی اور اچھی خاصی اٹریکٹیو پرسنالٹی تھی۔ اس نے فوراً اسے پہچان لیا تھا۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' روشی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ انا سے وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے محض سر ہلا دیا۔ وہ ولید کی طرف پلٹا۔

''یہ انا ہے۔'' ولید نے تعارف کروانا چاہا۔

''میں پہچان چکا ہوں' اتنا خاص فرق تو نہیں پڑا بس کچھ بڑی ہو گئی ہیں۔'' ولید کی طرف جھک کر قدرے آہستگی سے کہا۔

''ہاں پہلے کی نسبت خاصی میچورڈ اور حسین بھی لگ رہی ہیں۔'' ولید مسکرا دیا۔ اسے اندازہ تھا مصطفیٰ کچھ ایسے ہی کمنٹس دے گا۔ انا کا چہرہ ابھی بھی ناراض تاثر لیے ہوئے تھا۔ وہ ابھی بھی بے نیازانہ تیور لیے ہوئے تھی۔

''ویسے تمہارے بابا کا فیصلہ اتنا غلط بھی نہیں' تمہیں تو چاہیے تھا کہ فوراً ہاں کر دیتے۔'' وہ انا کی طرف دیکھتے گا ہے

...ریمارکس دے رہا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

''ابھی تم نے اس کی شخصیت کی کئی اور خوبیوں کا جائزہ نہیں لیا۔ اس لیے کہہ رہے ہو' میں دن رات ساتھ رہتا ہوں۔ مجھے پتا ہے محترمہ کیا چیز ہیں؟ ابھی یہاں لانے کے لیے کتنی منتیں کرنا پڑی ہیں اس کی۔''

''یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟'' احسن فوراً متوجہ ہوا تھا۔

''کچھ نہیں آؤ اندر چلتے ہیں۔ آپ بھی آیئے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو انہوں نے اس کی ہمراہی میں اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''عظمت! دونوں خواتین کو اندر ماں جی کے پاس لے جاؤ' کہنا شہر سے مہمان آئے ہیں میں ذرا ان کو مردانے میں لے جاؤں۔'' رستے میں عظمت نظر آئی تو ان کے ساتھ انا اور روشانے کو بھیج کر وہ خود مردانے کی طرف احسن اور ولید کے ہمراہ چل دیا تھا۔

انا کے چہرے پر ہنوز اکتاہٹ بھرے تاثرات تھے جبکہ روشانے نارمل ہی تھی۔ دونوں ملازمہ کے ہمراہ اندر جاتے حویلی کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ تبھی اندر سے کوئی تیزی سے باہر نکلا اور پھر دونوں کو عظمت کے ساتھ آتا دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

''ارے آپ دونوں؟'' انا اور روشانے نے بھی چونک کر دیکھا۔ ان کے سامنے شہوار کے گھر ملنے والی لائبہ بھابی تھیں۔

''بھابی! یہ شہر سے مہمان آئی ہیں۔'' عظمت نے فوراً کہا تو لائبہ نے بے اختیار آگے بڑھ کر دونوں کو باری باری گلے لگایا جبکہ دونوں ان کی یہاں موجودگی پر حیران ہی تھیں۔

''بہت اچھا کیا تم جو لوگ چلی آئیں۔ شہوار نے پہلی بار کوئی عقل مندی والا کام کیا ہے۔'' لائبہ بھابی ان دونوں کو اپنے ہمراہ لیے اندر جانے کا کہہ رہی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کچھ خاک پلے نہ پڑا۔ بھلا یہاں شہوار کا کیا ذکر اور لائبہ بھابی یہاں کیوں تھیں؟

''ماں جی دیکھیں کون آیا ہے؟'' ماں جی نے بھی حیران ہو کر دیکھا اور پھر فوراً پہچان لیا۔

''السلام علیکم۔'' دونوں صورت حال کچھ نہ سمجھی تھیں بس فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے بہت محبت سے گلے لگایا۔

''وعلیکم السلام۔''

''بہت اچھا کیا شہوار نے تم لوگوں کو بلوا لیا۔ اتنی خاص تم اس کی دوست تھیں تمہیں کیوں نہ بلواتی؟'' انہوں نے انا سے بطور خاص کہا تو اس نے روشانے کو دیکھا اس نے کندھے اچکا دیے۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ یار میں بھی نہیں سمجھی۔

''شہوار کہاں ہے؟'' ماں جی نے لائبہ کو دیکھا۔

''اپنے کمرے میں۔'' فوراً جواب ملا۔

''تو کیا یہ مصطفیٰ کے رشتہ دار نہیں ہیں۔ کہیں یہ وہی مصطفیٰ تو نہیں انا الجھی۔

''ہائے کیا شہوار بھی ادھر ہی ہے۔'' انا پہلی بار ایک دم خوش ہوئی تھی۔

''ظاہر ہے اس کی حویلی ہے یہ اس نے تو ادھر ہونا ہی تھا۔'' ماں جی نے بھی ہنس کر کہا۔

''بچیوں کو شہوار کے پاس لے جاؤ' انا کو دیکھ کر دل لگ جائے گا اس کا۔'' ماں جی نے کہا تو بھابی نے فوراً سر ہلایا۔

''آئیں۔'' وہ دونوں ناسمجھی سے اس ساری صورت حال پر حیران ہوتے ان کے ساتھ چل دی تھیں۔ شہوار کمرے میں بالکل تنہا اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔

''شہوار دیکھو کون آیا ہے؟'' بھابی نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا آنکھوں

میں نمی کی وجہ سے سامنے کا منظر کچھ دھندلا سا تھا۔

"شہوار......" انا اسے مجسم دیکھ کر فوراً اس کی طرف لپکی تھی۔

"انا تم؟" وہ حیرت زدہ تھی اور پھر ایک دم انا کے گلے لگی تھی۔ وہ جو بمشکل خود پر پل باندھ رہی تھی ایک دم شدت سے رو دی۔ انا تو اس کے یوں بکھر کر رونے سے شدید حیرت زدہ رہ گئی۔

تو کیا شہوار اس قدر بیمار تھی مگر کیوں اچانک ایسا کیا ہوا کہ وہ اس طرح ٹوٹ کر بکھری تھی۔ بھابی بھی پریشان ہوگئی تھیں انہوں نے فوراً دروازہ لاک کیا تھا۔

"شہوار یہ کیا بچپنا ہے دیکھو انا پریشان ہو رہی ہے۔" انہوں نے بمشکل انا کو شہوار سے علیحدہ کیا۔

"اس کو کیا ہوا ہے؟" انا ازحد فکرمند اور پریشان تھی بھابی کو دیکھا شہوار ان کے حصار میں تھی۔

"شہوار خود پر قابو رکھو یار۔" انہوں نے ہلکی سی سرزنش کی تو شہوار نے سر اٹھا کر انا کو دیکھا وہ نہایت بے قرار و فکرمندی سے متوجہ تھی۔ شہوار انا سے علیحدہ ہوئی تو بھابی نے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے تھمایا۔

"لو یہ پیو۔" اس نے خاموشی سے پانی پی لیا۔

"تم کیسے آئیں؟" کچھ دیر بعد سنبھل کر اس نے پوچھا۔

"احسن بھائی اور روبی کے ساتھ۔"

"تم لوگوں کو ماں جی نے اطلاع دی ہوگی؟" نگاہیں جھکا کر اس نے پوچھا تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ لائبہ بھابی بھی چونکیں۔

"تم نے ان کو اطلاع نہیں کی۔ تم نے نہیں بلایا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے مجرموں کی طرح نفی میں سر ہلایا تو بھابی نے اب کے الجھ کر دونوں کو دیکھا۔

"ہمیں تو مصطفیٰ بھائی نے انوائٹ کیا تھا۔" انا کی بجائے روشانے نے کہا تو اب کے بھابی اور شہوار نے ایک دوسرے کو دیکھا وہ بھی کچھ نہیں سمجھ پائی تھیں۔

"بات یہ ہے کہ مصطفیٰ بھائی امریکا میں ہمارے ہمسائے میں رہتے تھے تب کی ہماری سلام دعا تھی۔ اب ہم پاکستان آئے تو مصطفیٰ بھائی رابطے میں رہتے تھے۔ کل ان کا نکاح تھا ہمیں انوائٹ کیا تھا تو ہم آ گئے۔ ہمیں نہیں اندازہ تھا کہ مصطفیٰ بھائی اور آپ لوگوں کے فیملی ٹرمز بھی ہیں۔" روشانے کہہ رہی تھی اور انا ایک دم چونکی۔

"ایک منٹ شہوار یہ مصطفیٰ بھائی وہی مصطفیٰ تو نہیں جن کے گھر تم رہ رہی ہو۔" شہوار نے گردن ہلا دی تھی۔

"اوہ آئی سی۔ ہم تو مصطفیٰ صاحب کے نکاح کے لیے آئے تھے کیا پتا تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آج سارا دن اور اب یہاں آتے میں نے تمہیں اتنا یاد کیا تھا کہ حد نہیں مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہاں تم سے ملاقات ہوگی تو میں فوراً آ جاتی۔" انا ساری صورتحال سمجھ کر ایک دم خوش ہوئی تھی جبکہ بھابی ابھی بھی الجھی ہوئی تھیں۔

"تم سے شہوار نے کچھ بھی ڈسکس نہیں کیا...... کیا؟"

"مطلب؟" انا نے پوچھا اور شہوار کو دیکھا وہ گردن جھکائے ہوئے تھی بھابی پل بھر میں ساری بات سمجھی تھیں۔ انہوں نے خاصی ناراضی سے شہوار کو دیکھا۔

"تمہیں کم از کم اسے تو ضرور انوائٹ کرنا چاہیے تھا انا ان کو دیکھتے ہی میں سمجھی کہ تم نے بلایا ہے باہر ماں جی بھی یہی سمجھ رہی تھیں۔ بڑی بری بات ہے شہوار جو ہم سے محبت کرتے ہیں ان کو ایسے نہیں آزماتے۔ وہ تو مصطفیٰ کی مہربانی ہوئی

کہ اس نے کال کر لی اور یہ ادھر آ گئیں۔ مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔"

"کیا بات ہے آپ اسے کیوں ڈانٹ رہی ہیں؟" انا لائبہ کے انداز پر حیران ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کہ مصطفیٰ کا نکاح کس سے ہو رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا دیے اور پھر ایک دم چونک کر بھابی کو دیکھا۔

"ہاں روشی ذکر تو کر رہی تھی کہ ان کا نکاح اپنی کزن سے ہو رہا ہے۔" بھابی نے اب کے خاصی گرم نگاہوں سے شہوار کو دیکھا۔

"مصطفیٰ کی وہ کزن کوئی اور نہیں اپنی یہی شہوار ہے۔ شہوار سے ہو رہا ہے مصطفیٰ کا نکاح۔" انہوں نے گویا انا اور روشانے کے اعصاب پر بم پھوڑا تھا۔

"کیا؟" یہ بم واقعی خاصا اعصاب شکن ثابت ہوا تھا۔ انا کافی دیر تک بے یقینی سے شہوار کو دیکھے گئے جو سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ان بلیوایبل۔"

"باقی کی تفصیل اس سے خود سن لینا۔ بلکہ میری طرف سے بھی اس کے کان کھینچو۔" وہ برہم سی نگاہ ڈالتے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اب کمرے میں ان تینوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

"یہ سب کیا ہے شہوار۔" انا بھابی کی طرح ناراض تو نہ ہوئی تھی مگر حیرت زدہ تھی۔

"انا پلیز مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں میں خود تم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی مگر موبائل ٹوٹ گیا تھا نمبر سم میں تھا پھر اب نمبر ہاتھ لگا بھی تو موقع نہیں مل رہا تھا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شہوار جیسی لڑکی کا یہ رویہ اسے کچھ سمجھ نا آئی تو اسے گلے لگا لیا۔

"تم مجھے ساری صورتحال بتاؤ' یہ اچانک فیصلہ کیسے ہوگیا۔ کیا پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی اگر تھی تو مجھے کیوں نہ بتایا؟" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

انا سے اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ شہوار تو ویسے بھی ایک کندھے کی تلاش میں تھی جس پر سر رکھ کر وہ اپنا سارا دکھ کہہ سکے۔ دل کی بھڑاس نکال سکے۔ اب قدرت نے خود ہی انا کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا تو وہ کیونکر اب خاموش رہتی۔ اس نے اسے آہستہ آہستہ سب بتا دیا کہ کیسے مصطفیٰ کا پرپوزل دیا گیا پھر وہ کیونکر انکاری تھی اور اس کے بعد اچانک ایاز نے کیا کیا اور ایاز کی حرکت کے سبب اب یہ اچانک نکاح کا فیصلہ کیونکر ہو رہا تھا؟ اس نے سب کچھ بتا دیا۔ ایک ایک لفظ ایک ایک حکایت۔

"مائی گاڈ۔ اتنا کچھ ہوگیا تم اندر ہی اندر جھیلتی رہی' خود ہی سہتی رہی اور مجھ سے ذکر تک نہ کیا۔ پاگل آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں کم از کم مجھ سے تو کہتی؟" انا کے شکوے پر بھی اس کے آنسو بہتے رہے۔ پھر انا نے اس کے آنسو صاف کرتے خود سے لگا لیا۔ تبھی بھابی لوازمات سے سجی ٹرالی لیے چلی آئیں۔

"تم لوگ چائے پی کر فریش ہو لو۔ پھر کھانا کھائیں گے۔" بھابی نے کہا تو مجبوراً وہ دونوں چائے کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

"اس کو بھی کچھ کھلاؤ پلاؤ' کچھ نہیں کھا پی رہی یہ۔" بھابی نے کہا تو انا نے بہت خفا نظروں سے اسے دیکھا اور پھر چائے کا کپ بنا کر اسے دیا ساتھ میں بسکٹ اور کیک بھی۔ شہوار خاموشی سے چائے پینے لگی۔ ویسے بھی انا سے دل کی بھڑاس نکال کر وہ خاصی ریلیکس ہوگئی تھی۔ ان کے بیگ ملازمہ ادھر ہی رکھ گئی تھی۔ انہوں نے چائے پی کر منہ ہاتھ دھویا

تھا انا نے ولید کو کال کر کے فوراً لان میں آنے کو کہا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" روشانے کو کہتے وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ مصطفیٰ اور ولید دونوں لان میں مل گئے تھے وہ اسی کی کال پر باہر آئے تھے۔

"خیریت؟" ولید اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر چونکا تھا۔ وہ سارا رستا خفا رہی تھی اب بھی اسے دھڑکا تھا کہ کہیں ادھر آ کر کوئی مسئلہ بن جائے کہ اس کی موڈی طبیعت اسے پریشان کرنے کو کافی تھی۔

"آپ کو پتا تھا کہ ان کا نکاح کس سے ہو رہا ہے؟" اس نے براہ راست مصطفیٰ کی طرف دیکھتے پوچھا تو ولید الجھا۔

"مطلب؟" مصطفیٰ بھی خاصی دلچسپی سے انا کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک تو ادھر ہر کوئی لاعلم ہے۔ شہوار میری فرینڈ ہے ہم دونوں میڈیکل میں ساتھ ہوتی ہیں۔" اس نے جھنجلا کر کہتے مصطفیٰ کو اطلاع دی تو وہ چونکا۔

"اوہ...... ویل ڈن آپ کو پتا تھا یہاں آ کر اطلاع ملی ہے؟" مصطفیٰ نے خوش گوار حیرت سے مزید پوچھا۔

"کہاں...... مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ جس شخص کے نکاح کے لیے مجھے یہ حضرت زبردستی لے جا رہے ہیں وہاں جا کر مجھے شہوار سے ملاقات کرنا پڑے گی۔ ویسے شہوار نے تو آپ اور آپ کی فیملی کے متعلق اچھا خاصا بتا رکھا تھا پتا نہیں پھر کہاں غلطی ہوئی کہ کبھی میں نے غور ہی نہیں کیا کہ جس مصطفیٰ کا ذکر وہ کرتی ہے وہ آپ ہی ہوں گے۔ مگر شہوار نے بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ اس کا پرپوزل آپ کے لیے دیا گیا ہے یا آپ دونوں کا رشتہ طے پا رہا ہے ورنہ شاید میں اندازہ لگا لیتی۔ یہ تو یہیں آ کر اطلاع ملی ہے سب یہ سمجھ رہے تھے کہ مجھے شہوار نے بلایا ہے وہ تو صورت حال واضح ہونے پر پتا چلا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔" وہ خاصی بے تکلفی سے مخاطب تھی ولید نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ کہاں وہ آنے کو تیار ہی نہ تھی اور اب کیسی خوش ہو رہی تھی۔

"اور پھر یہ سچ ہے کہ برسوں پہلے ملنے والے مصطفیٰ شاہزیب کو میں نے کبھی یاد ہی نہیں کیا تھا۔ ناموں کی مماثلت تو ایک طرف ایجوکیشن اور جاب کی تفصیلات جاننے کے باوجود میرا کبھی آپ کی طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا ورنہ شہوار سے تو آپ اور آپ کی فیملی کے متعلق خاصی معلومات حاصل تھیں۔"

"چلیں کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے ایسا اکثر۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"ویسے یہاں آتے ہوئے میں شہوار کو لے کر خاصی ٹینشن میں تھی کہ وہ اچانک بغیر بتائے ادھر آ گئی تھی پھر اس کا نمبر بھی بند تھا۔ اس سے رابطہ کرنے کا میرے پاس کوئی نمبر بھی نہ تھا۔ جب ولی نے کہا کہ آپ کے نکاح کی تقریب میں چلنا ہے تو میرا دل ہی نہیں کر رہا تھا آنے کو۔ روشی احسن بھائی ولی سب نے ہی کہا تھا کہ مگر میں نہیں آنے والی تھی اگر ماموں اصرار نہ کرتے۔" اب کے اس نے مسکرا کر کہتے ولید کو بھی دیکھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ تو یہ وجہ تھی اس کے انکار کی۔ اندر ہی اندر وہ اس کی ناراضی سے خائف تھا اب معاملہ کھلا تو پرسکون ہوا۔

"شکر ہے ورنہ میرے ذہن پر ایک بوجھ سا طاری رہتا کہ تمہیں زبردستی لے کر آیا ہوں۔" ولید کے الفاظ پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"آئی ایم سوری۔" وہ دراصل یہاں ولید سے معذرت کرنے ہی آئی تھی۔

"مجھے اندازہ تھا کہ آپ میرے رویے سے پریشان ہوں گے سو فوراً معذرت کرنے آئی ہوں۔" مصطفیٰ نے دونوں کو دیکھا۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ میں جس ہستی کے لیے اتنی بے چین، بے قرار اور پریشان ہوں وہ آپ کے ساتھ یہاں آنے پر مل

جائے گی۔ اگر علم ہوتا تو فوراً خوشی خوشی آتی۔" وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"بس کرو تم اس قدر والہانہ پن دکھاؤ گی تو مصطفیٰ جیلس بھی ہو سکتا ہے۔" ولید نے ہنستے ہوئے کہا تو اس نے فوراً مصطفیٰ کو دیکھا۔

"کیا...... واقعی؟"

"میں ضرور جیلس ہوتا اگر آپ کی بجائے یہاں کوئی اور ہوتا تو۔" مصطفیٰ نے بھی مذاق کو انجوائے کیا تھا۔

"میں نہیں مانتی۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"کیوں بھئی؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے لوگ خاصے پتھر دل ہوتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ان کے پاس جذبات بھی ہوتے ہوں گے۔ پھر آپ فائٹر بھی رہ چکے ہیں۔"

"بھئی آپ ہمیں مفروضوں پر مت پرکھیں۔ ہم جیسے پتھر دل لوگوں میں اور بھی بہت سی کوالٹیز ہوتی ہیں جذبات کے علاوہ بھی۔"

"اچھا آپ ابھی بھی وہ فائٹنگ وغیرہ کے مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں؟" اسے ایک بات یاد آئی تو فوراً کہا مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"نہیں یہ تو باہر کے مشاغل تھے۔ یہاں آ کر زندگی بہت باؤنڈ ہو گئی ہے جاب گھر، گھر اور جاب بس اور کوئی ایکٹیویٹی ہی نہیں۔"

"مجھے تو آپ سے خاصا ڈر لگا کرتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تب آپ کو میں دیکھتے ہی بھاگ جایا کرتی تھی دراصل آپ نے وہاں کی اسٹریٹ میں ایک آوارہ لڑکے کی اچھی خاصی پٹائی کی تھی اور بائے چانس میں نے دیکھ لیا تھا سب جب سے میں آپ سے خاصی خوفزدہ ہو گئی تھی جہاں بھی نظر پڑتی تھی میں فوراً ڈر کر بھاگ جاتی تھی۔ آپ نے اس لڑکے کا حلیہ بھی تو خراب کر دیا تھا نا۔" اس نے پرانی بات کا تذکرہ کیا تو مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"ہوں...... اچھی طرح یاد ہے وہ پرانی باتیں تو اب قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ یہاں آ کر زندگی بڑی بزی ہو گئی ہے۔ اب تو کسی فائٹنگ کی گنجائش نہیں رہی۔"

"تب آپ کو غصہ بھی بہت آتا تھا میرا خیال ہے اس لیے فائٹنگ کرتے تھے۔" اس نے نکتہ اٹھایا۔

"کہہ سکتی ہیں۔"

"اب کیا کنڈیشن ہے؟ ویسے شہوار کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے سے کافی سنور گئے ہیں۔" اس نے مسکرا کر خاصی شرارت سے کہا۔

"لگتا ہے شہوار نے اچھا خاصا آبزرو کیا ہوا ہے۔"

"خیر اچھا خاصا تو نہیں، یہ تو میری اپنی آبزرویشن ہے جو اس کے چند الفاظ سے ایک پوری کہانی بنا رہی ہوں۔"

"اچھا۔" مصطفیٰ نے سر ہلایا تو ولید نے اسے دیکھا وہ آتے وقت جس قدر اکتائی ہوئی تھی اب اس قدر فریش لگ رہی تھی۔

"روشانے کہاں ہے؟" ولید نے پوچھا۔

"اندر ہی ہے او کے مصطفیٰ بھائی چلتی ہوں، شہوار کی باتوں سے میں ڈر گئی تھی مگر اب آپ سے بات کر کے دل کو سکون ملا ہے آپ کا جو پرانا امیج تھا وہ ایک فائٹر کا تھا میں خاصی خوفزدہ تھی کہ کہیں خدانخواستہ آپ اب بھی ویسے تو نہیں اللہ کا شکر

ہے اب ایسا نہیں ہے۔ شہوار ایک بہت حساس سی لڑکی ہے وہ مجھے بہت عزیز ہے پلیز اس کا خیال رکھیے گا۔" وہ ایک سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ آپ سے پہلے ہماری کزن ہیں۔ اگر آپ ان کی زندگی کے بہت سے حقائق سے باخبر ہیں تو یہ بھی اندازہ لگایا کہ ہم نے کبھی ان کو غیر اہم ہونے کا احساس نہیں دلایا۔ اب ہر انسان کی اپنی ایک سوچ ہے۔ وہ جس قسم کے کمپلیکس شکار ہیں اب ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ رشتہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ بہر حال ہم نے اور ہماری نے ہر حال میں ان سے محبت خلوص اور اپنائیت کا یہ رشتہ نبھایا ہے۔" مصطفیٰ کا انداز بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"شکریہ اسی احساس نے تو مجھے آپ سے بات کرنے کی جرأت بخشی ہے۔ وہ بہت پریشان ہے، بہت زیادہ۔" کچھ دیر قبل ٹوٹ کر بکھر کر روتی شہوار کا سراپا آنکھوں میں آسمایا تو دلگرفتگی سے کہا۔

"اب اس کی پریشانیوں کا علاج کیا کیا جائے جبکہ وہ خود ہی اس پریشانی سے باہر آنا نہیں چاہتیں۔" مصطفیٰ نے قدرے رکھائی سے کہا تو اس نے رنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"مگر آپ اسے اعتماد میں تو لے سکتے ہیں نا۔ وہ کیا اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی اس قسم کے حالات کو فیس کرتی تو اس کا بھی یہی ری ایکشن ہوتا تھا۔ شہوار غلط نہیں ہے ہاں کچھ زیادہ جذباتی ہو رہی ہے بس۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ نکاح اسی تعاون کی ایک کڑی ہے۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ چپ ہو گئی تھی۔

"مگر وہ یہ سمجھ نہیں پا رہی وہ سمجھتی ہے کہ آپ لوگوں کے اس کی ذات پر اس قدر احسانات ہیں کہ کبھی وہ سر اٹھا کر نہیں پائے گی یہ قدم بھی انہی احسانات میں سے ایک سلسلہ ہے۔" قدرے توقف کے بعد کہا۔

"یہ تو اس کا مینٹلی کمپلیکس ہے اب اس کا علاج کیا کر سکتا ہوں؟ ہم تو اسے عزت ہی دے رہے ہیں اگر وہ اپنی ذہنی ابیلٹی کے سبب اس کو بھیک سمجھ رہی ہے تو اس کا علاج کم از کم میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ خود علاج کرنا چاہے تو......؟" مصطفیٰ کا انداز ایک دم اتنا عجیب سا ہوا تھا کہ انا حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

"دل میں گنجائش ہو تو ذہنوں میں بھی گنجائش نکل آتی ہے مصطفیٰ بھائی' کیا آپ کے دل میں کوئی گنجائش نہیں یا محض یہ بھی ایک فارمیلٹی ہے۔" وہ بہت دکھ سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ میرے بڑوں کا فیصلہ ہے اور مجھے اپنے بڑوں کا فیصلہ ہر حال میں عزیز ہے۔ اگر اسے انکار ہے تو اس کے پاس رائٹ ہے وہ انکار کر دے چونکہ مجھے انکار نہیں سو میں مطمئن ہوں۔ رہ گئی دل کی گنجائش والی بات تو میں خاصا ٹیپیکل بندہ ہوں یہ دل کے عارضے نہیں پالتا میں۔" اس نے بہت دکھ سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

"ایسے رشتوں میں تو دل میں گنجائش خود بخود نکل آتی ہے مصطفیٰ بھائی؟" اس نے قدرے تلخی سے کہا تو مصطفیٰ طنزاً مسکرایا۔

"یہ بات آپ اسے بھی سمجھائیں نا میں تو بہت ہی نارمل انداز میں اس ریلیشن کو قبول کر رہا ہوں۔" ولید دونوں کی گفتگو کو حیرت سے کھڑا سن رہا تھا۔

"وہ خوفزدہ ہے پریشان ہے اپنے ماضی کو لے کر بکھری ہوئی ہے اگر آپ اسے تسلی کے چند لفظ سونپ دیں گے تو وہ سنبھل جائے گی آپ پر اعتبار کرے گی۔ اگر آپ ایک بار کوشش تو کریں؟" انا نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا پھر مسکرایا۔

"وہ ماضی کو لے کر بکھری نہیں ہے ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔" مصطفیٰ نے تلخی سے کہا۔

"اور کیا یہ اس کی ڈیمانڈ ہے؟" اس کا انداز چبھتا تھا۔

"مصطفیٰ بھائی پلیز' یہ میرا دیا گیا ایک سلوشن ہے۔ وہ بے چاری تو فی الحال صرف ایک ہی نکتے پر منجمد کھڑی ہے جس کا نام "لیاز" ہے۔" انا نے کافی دکھ سے کہا تو مصطفیٰ نے کندھے اچکا دیے۔

"تو ٹھیک ہے نکاح ہو رہا ہے نا' آرام سے ہونے دیں۔" انا نے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

"یہی شاید عورتوں کا المیہ ہے کہ جو بات مردوں کے نزدیک بہت عام ہوتی ہے وہ ان کے نزدیک بہت خاص ہوتی ہے آپ شاید میری بات سمجھ نہیں پائے یا شاید میں آپ کو سمجھا نہیں پائی۔" وہ بہت دکھ سے کہہ کر پلٹی تھی اور پھر تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

"یہ سب کیا تھا یار؟" ولید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو مصطفیٰ کے اعصاب ایک دم جھنجلائے تھے تاہم اگلے ہی پل اس نے خود کو کنٹرول کیا۔

"کچھ نہیں خواتین میں ہر وقت کسی نہ کسی بات کو لے کر ٹینشن کری ایٹ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ محترمہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ آؤ اندر چلتے ہیں احسن ہمیں غائب پا کر خود ڈھونڈنے نہ نکل آئے۔" مسکرا کر کہتے وہ پلٹا تو ولید اچھی طرح سمجھ گیا کہ وہ اب اس معاملے میں اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہے گا جب تک خود نہیں چاہے گا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ باقی سارا وقت افراتفری میں گزرا تھا۔ ساری حویلی میں رونق پھیلی ہوئی تھی۔ آج ایک عرصے بعد بابا صاحب خوش تھے۔ پوری دل کی آمادگی و گہرائی سے وہ اس سارے فنکشن کو انجوائے کر رہے تھے۔

دل پر ایک بوجھ تھا کبھی کبھی دل پر احساس گناہ کا بوجھ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ اپنا سانس مشکل ہو جاتا تھا اور تابندہ بی کو سہارا دینا بھی شاید اس سلسلے کی ایک کڑی تھا وہ اپنا احساس گناہ کم کرنا چاہ رہے تھے کہ جس سے گناہ کا بوجھ کم ہو جاتا اور اب ایک بے سہارا لڑکی کو اپنے خاندان کا حصہ بنانا۔ یہ بھی ان کی زندگی کا ایک تلخ باب تھا۔ انہیں لگا کہ جیسے انہوں نے برسوں پہلے کی جانے والی ایک غلطی کی تلافی کر دی ہے۔ گناہ برقرار تھا ختم نہیں ہوا تھا مگر دل کا بوجھ کسی حد تک کم ضرور ہو گیا تھا۔

حویلی کے اندر ہال میں اچھی خاصی رونق آباد تھی۔ ساری لڑکیاں تمام کاموں سے فارغ ہو کر اب مہندی لگانے کے چکروں میں الجھی ہوئی تھیں۔ بڑی خواتین اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکی تھیں لڑکے باہر مردانے کی طرف تھے اس لیے سب خاصی فارغ ہو کر بیٹھی تھیں۔

شہوار صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے مہندی لگائی جا رہی تھی۔ ایک طرف پھپو زہرہ کی بہو شائستہ بھابی لگی ہوئی تھیں تو دوسری طرف ماریہ تھی۔ دونوں بڑی محنت سے شہوار کے دونوں ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھیں۔ شائستہ بھابی اچھی بیوٹیشن بھی تھیں۔ اب ان کے ہاتھوں کے جوہر شہوار کے دونوں ہاتھوں پر دکھائی دے رہے تھے ماریہ جو خود بھی اچھی مہندی لگا لیتی تھی شائستہ کی ہدایت پر شہوار کے پیروں پر گل و بوٹے بنا رہی تھی۔ شہوار کے دونوں پاؤں سینٹرل ٹیبل پر دھرے ہوئے تھے اور ماریہ قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہائے اللہ کتنی پیاری مہندی لگ رہی ہے۔ میں بھی ضرور لگواؤں گی۔" انا شہوار کی مہندی دیکھ کر فوراً دیوانی ہوئی تھی۔

"کیوں تمہارا بھی ساتھ ہی نکاح کا پروگرام ہے؟" زہرہ پھپو کی بیٹی عاصمہ نے لقمہ دیا تو وہ جھینپ گئی۔

"ارے لڑکی شرماتی بھی ہے۔" لائبہ بھابی نے سب کی توجہ دلائی تو روشا نے کھلکھلا کر ہنس دی انا نے گھورا۔

"آپ سب کی طرح بے شرم نہیں ہوں۔" اتنے تھوڑے عرصے میں دونوں کی سب سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی سو

فوراً جواب دیا تھا۔
"ان سب میں کون کون شامل ہے یہ بھی وضاحت کردو۔" صبا نے جو صبح پہنے جانے والے دوپٹے پر لیس ٹانک رہی تھی فوراً پوچھا۔
"تمام شادی شدہ خواتین۔" ماریہ نے لقمہ دیا۔ عائشہ اپنے ہاتھوں پر خود ہی کون سے ڈیزائن بنارہی تھی۔ بیٹی دوسروں کو سونپ آئی تھی سو بے فکر تھی اب۔
"ارے بھئی یہ تو بڑی تیز ہوتی جارہی ہے کیوں شائستہ بھابی اس کے لیے بھی کوئی لڑکا ڈھونڈیں پھر؟" عائشہ نے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنستے دوبارہ پاؤں پر جھک گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں نفاست تھی مگر تیزی نہ تھی شائستہ نے باقاعدہ پاؤں کے ڈیزائن نکال کردیا تھا جو وہ کاپی سے دیکھ کر فالو کررہی تھی۔
"نیک خیال ہے خاندان میں کنوارا لڑکا دیکھو پھر۔" شائستہ بھابی نے بھی ہنس کر کہا۔
"ہیلو لیڈیز چائے مل جائے گی؟" تبھی سجاد بھائی نے دروازے پر آ کر کہا تو شہوار چونکی۔ کندھوں تک فولڈ آستیں اور ننگے سر اسے بڑی حیا آئی۔ وہ تو اسی شرط پر باہر آئی تھی کہ لڑکوں کے سامنے نہیں آئے گی باقی سارا وقت دو روشی کے ساتھ کمرے میں بند رہی۔
"ارے ارے کیا کرتی ہو۔" اس نے رخ موڑنا چاہا تو شائستہ اور ماریہ دونوں چیخ اٹھیں۔
"میری چادر پہلے سر پر دیں۔" اس نے کہا تو بھابی نے اس کے سر پر چادر ڈالی مگر بازوؤں کی برہنگی ابھی بھی قائم تھی تو شکر تھا کہ سجاد بھائی نے اس طرف نہیں دیکھا تھا۔
"مل جائے گی مگر اس وقت کون جاگ رہا ہے؟" لائبہ بھابی نے پوچھا۔
"سبھی لڑکے جاگ رہے ہیں۔" سجاد بھائی وہیں کھڑے تھے۔ تبھی اپنی لڑکیاں تھیں مگر دو نئے چہرے تھے سو اندر نہیں آئے تھے شہوار نے شکر ادا کیا۔
"کیوں..... آج رت جگے کا پروگرام ہے کیا؟" عائشہ نے بھی پوچھا۔
"ایسا ویسا اچھا خاصا ہلا گلا کیا جارہا ہے مردان خانے میں تو۔" سجاد بھائی نے اطلاع دی۔
"بلکہ یہاں کچھ دیر بعد دھاوا بولنے کا ارادہ ہے۔" انہوں نے مزید انکشاف کیا۔
"نہیں......" سبھی لڑکیاں چیخیں۔
"باباصاحب سے جوتے کھانے ہیں کیا؟" پھوپو زہرہ کی چھوٹی بہو رمشا نے ڈرانا چاہا۔
"باباصاحب اور باباجان بھی سوچکے ہیں۔ ایک بج رہا ہے خیر آپ میں سے چائے کون بنا کردے گا؟" انہوں نے اطراف میں دیکھا اور پھر اپنی بیگم کو دیکھا۔
"اس وقت سبھی بزی ہیں آپ کچن میں چلے جائیں وہاں تاج یا عظمت ہوں گی ان کو کہہ دیں۔" لائبہ بھابی نے مشورہ مفت دیا تھا۔
"تم سے مجھے اس صفاچٹ جواب کی امید نہ تھی۔ خیر سے ذرا ہاتھ لگ جاؤ پھر فرصت سے خبر لوں گا۔ یہاں آ کر تو دن سے ہاتھ ہی نہیں آرہیں۔ آنکھیں ہیں کہ ماتھے پر رکھ لی ہیں۔" سجاد بھائی نے دھمکایا تو سبھی لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دیں۔ بھابی جھینپ گئیں۔
"چلیں دھمکا ئیں مت آتی ہوں دیتی ہوں چائے بنا کر۔" بھابی سبھی کی معنی خیز ہنسی کو نظرانداز کرتے اٹھ کر سجاد بھائی کے ساتھ باہر نکل گئی تھیں۔

"دیکھا چائے تو بہانہ ہے۔ سجاد بھائی کیسے بہانے سے لے کر گئے ہیں۔" لائبہ کے نکلتے ہی صبا نے ہنس کر کہا۔
"تو اور کیا ایک ہمارے میاں ہیں اتنے دن سے میکے بیٹھی ہوئی ہوں پلٹ کر خبر نہیں لی اور یہاں آ کر بھی پوچھا نہیں کہ کیا حال ہے بلکہ صاحب بہادر الٹا ناراض ہو رہے تھے۔" عائشہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"اللہ عائشہ بھابی اتنا جھوٹ میں نے خود شام کو دیکھا تھا بسمہ کو اٹھائے آپ کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے۔ آفاق بھائی جان اور ایک آپ تھیں کہ لفٹ ہی نہیں کرارہی تھیں۔" عاصمہ نے بھانڈا پھوڑا تو عائشہ نے کھینچ کر تھپڑ اسے مارا۔
"بدتمیز...... تم میری نگرانی کررہی تھیں۔"
"ہاں..... تو یہی حال عدیل بھائی کا بھی ہے اورامی سے کہتے تھے کہ صبا کو بلوالیں اس کے بغیر دل نہیں لگ رہا۔" ماریہ نے بھی گل افشانی کی۔ روشانے اور انا کے لیے یہ سارا سلسلہ بڑا محظوظ کن تھا۔ وہ ساری عمر نہ کہیں آئی نہ گئی تھیں اب اتنے سارے لوگوں میں خود کو پا کر بڑا اچھا لگ رہا تھا اور وہ خوب انجوائے بھی کررہی تھیں۔ شہوار کی مہندی لگ گئی تھی بس پاؤں کی باقی تھی جو ماریہ لگارہی تھی۔
"اب کسی نے مہندی لگوانی ہے تو آجاؤ فٹافٹ۔" شائستہ نے کہا تو انا فوراً شہوار کے ساتھ آ بیٹھی تو اس کی اس تیزی پر بھی ہنس دیں۔
"دیکھو اسے کتنا اشتیاق ہو رہا ہے مہندی لگوانے کا۔" عائشہ ہنسی۔
"تو اور کیا پہلی دفعہ لگوانے جارہی ہوں۔ وہ بھی شہوار کی مہندی دیکھ کر دل چاہ رہا ہے۔ ورنہ میں نے تو کبھی بچپن میں بھی نہیں لگوائی تھی لگتا تھا کہ ہاتھ گندے ہوجائیں گے۔"
"چلو شائستہ اتنی اچھی مہندی لگاؤ کہ دل کی حسرت مٹ جائے اس کی۔" عائشہ نے اپنی مہندی دیکھتے کہا۔ شائستہ مہندی لگانے لگ گئی تھی۔ شہوار کے پاؤں کا کام مکمل ہوا تو وہ وہاں سے اٹھ کر کونے میں رکھے صوفے پر جا بیٹھی۔ جہاں وہ باآسانی نظر نہیں آسکتی تھی۔ بلکہ وہ کونا اندھیرے میں تھا جہاں وہ سکون سے کافی دیر تک بیٹھ سکتی تھی اور ان کی طرف دیکھ سکتی تھی۔
"لائیں آپ کو بھی مہندی لگادیں۔" ماریہ نے روشانے کو آفر کی۔
"نہیں روشانے کو رہنے دو چند دن بعد اس کی شادی ہے اب لگوائے گی تو رنگ ٹھیک سے اترے گا نہیں۔ اپنی شادی پر ہی لگوائے گی تاکہ رنگ زیادہ اچھا آئے۔" انا نے فوراً کہا تو صبا ہنس دی۔
"دیکھو نند کو کتنی فکر ہے اپنی بھابی کی۔"
"تو اور کیا ایک ہی بھابی ہے میری۔" اس نے بڑی حسرت سے روشانے کو دیکھا تھا وہ سب مسکرادیں۔
"ویسے ان کے وہ کیسے ہیں؟" ماریہ اب صبا کو مہندی لگارہی تھی۔ جس کی لیس کا کام ختم ہوگیا تھا اب وہ تقریباً فارغ ہی تھی۔
"ساتھ ہی آئے ہوئے ہیں صبح دکھادوں گی۔"
"ہاں سنا تو تھا مردان خانے میں مصطفیٰ بھائی کے دو مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اچھے خاصے خوب صورت اور ڈیسنٹ لوگ ہیں۔"
"وہ دو مہمان ہمارے بھائی صاحبان ہی ہیں۔ ایک میرے بھائی اور ایک ان کے۔" انا نے ہنس کر کہا تو تبھی لائبہ بھابی اندر داخل ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے لڑکوں کی ایک لائن تھی۔ شہوار جو کونے میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے فوراً رخ بدلا۔
"ہائے لائبہ تم چائے بنانے گئی تھیں کہ ان حضرات کو لینے؟" شائستہ نے اس پوری پلٹن کو دیکھ کر ہاتھ روک لیا تھا۔

"بھئی اس میں میرا کوئی قصور نہیں میں نے تو بہت منع کیا تھا مگر یہ سب میرے سر ہوگئے تھے کہ کچھ دیر اندر بیٹھیں گے پھر اٹھ جائیں گے۔ دراصل یہ سب دلہن دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اوہو تو دلہا میاں بھی ہیں۔" عائشہ نے سب لڑکوں پر نگاہ دوڑائی تو آفاق کے ساتھ مصطفیٰ بھی دکھائی دیا۔ جبکہ بائیں طرف عدیل تھا وہ دونوں بہنوئیوں کے ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ یوں جیسے زبردستی لایا گیا تھا اسے ہنسی آ گئی۔

"میرا کوئی قصور نہیں یہی لوگ مجھے زبردستی لے کر آئے ہیں۔" مصطفیٰ نے صفائی پیش کی۔

"ماشاءاللہ کندھوں پر اٹھا کر لائے ہیں کیا؟" شائستہ بھابی نے طنز کیا۔

"تو اور کیا؟" سبھی لڑکے باجماعت بولے تھے۔

جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا تھا۔ شہوار کونے میں رخ موڑے بیٹھی رہ گئی تھی۔ انا نے دیکھا ان سب میں ولید اور احسن نہ تھے۔ ان کے اپنے خاندان کے ہی سارے لڑکے تھے۔

"مصطفیٰ بھائی ولی اور احسن بھائی سو گئے ہیں کیا؟" انا نے براہ راست مصطفیٰ سے پوچھا۔

"ہوں وہ ادھر کمرے میں ہی ہیں۔" مصطفیٰ نے سب کی طرف دیکھا۔ شہوار کہیں دکھائی نہ دی۔

"یہ کون ہے؟" مصطفیٰ کے عقب میں بیٹھا حماد پوچھ رہا تھا۔ یہ پھپو زہرہ کا چھوٹا بیٹا تھا اس کی توجہ ان کی طرف تھی جو سیدھے ہاتھوں پر شائستہ سے مہندی لگوا رہی تھی۔

"یہ مہمان ہیں۔ احسن اور ولید کے ساتھ آئی ہیں۔" اسے حماد کا پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا مگر سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ حماد اپنے بہن بھائیوں کی نسبت قدرے چینج تھا۔ لڑکیوں کے معاملے میں بہت جلد انوالو ہونے والا انسان تھا ہاں خاندانی ماحول اور تربیت کا اثر تھا کہ بات فلرٹ تک نہیں پہنچتی تھی بس دیکھ کر ہی تسکین حاصل کرتا تھا۔

"بڑی حسین لڑکی ہے۔" اس نے برملا تعریف کی تو مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ انا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑا اشتیاق تھا۔ مصطفیٰ کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے۔

"حماد یہ ہماری مہمان ہیں اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو بہت برا ہوگا۔" اس کا انداز ایک دم بڑا پتھریلا اور سنجیدہ ہوا تھا۔ حماد ایک دم صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"ایم سوری میں نے تو یونہی تعریف کی تھی۔" اس نے فوراً کہا۔

"اگر تعریف کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو ادھر تمہاری بھابیاں اور بہنیں بھی ہیں ان کی تعریف کرلو۔" اس کا انداز دھیما اور دوٹوک تھا۔ وہ فوراً سنبھل گیا۔

"ایم سوری۔" اس نے فوراً کہا تھا۔ مصطفیٰ نے سر جھٹکا۔

"کیا بات ہے؟" آفاق نے پوچھا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"حماد نے کوئی بات کی ہے۔" آفاق نے بھی شاید نوٹ کیا تھا۔ حماد جھینپ کر مصطفیٰ کے تیور دیکھتے فوراً وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" عدیل نے بھی کہا تو مصطفیٰ نے کندھے اچکا دیے۔

"دیکھو بھئی یہ خالص زنانہ محفل ہے یہاں مردوں کا خصوصاً نامحرموں کا داخلہ منع ہے۔" شائستہ بھابی نے کہا ان کے میاں صاحب تو تڑپ اٹھے۔

"کیا...... کیا یہ زیادتی ہے اگر ہم نامحرم ہیں تو پھر آپ محترمہ کے محرم کون ہیں؟" زاہد بھائی نے دہائی دی تھی۔

"میں نے آپ کو تھوڑی کہا ہے؟" بھابی ہنس دیں سبھی محظوظ ہوئے۔

"دیکھو آفاق عائشہ کا، عدیل صبا کا، زبیر رمشاء کا، سجاد لائبہ کا یہ سبھی محرم ہی تو ہیں باقی ساری بہنیں ہیں ہماری۔" بھابی کہہ کر پچھتائی تھیں۔

"آپ سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔"

"عباس بھائی سو گئے ہیں کیا؟" عائشہ کو عباس کا خیال آیا وہ لڑکوں کے ہمراہ نہیں تھا۔

"نہیں ولید اور احسن کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔" عدیل نے جواب دیا۔

"ہم نے ساتھ چلنے کو کہا بھی تھا مگر انہوں نے انکار کردیا۔" عدیل نے مزید بتایا۔

"باقی تو سبھی مہمان صبح ہی تشریف لائیں گے نا؟" ماریہ نے پوچھا۔

"جی جناب! دیکھو میری بیگم کو اچھی اچھی مہندی لگانی ہے۔" عدیل نے ماریہ کو تاکید کی تو صبا جھینپ گئی۔ باقی سب کی تو خیر تھی کہ کزنز تھے مگر مصطفیٰ اور سجاد کی موجودگی میں عدیل کا لقمہ اسے شرما گیا تھا۔

"بے فکر رہیں آپ کہتے ہیں تو آپ کو بھی لگا دیتی ہوں۔" ماریہ کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔ انا کے مہندی لگ گئی تھی اس نے دونوں سیدھی ہتھیلیوں پر مہندی لگوائی تھی تھوڑی تھوڑی سی بیل کی صورت میں فٹافٹ لگ گئی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھنے کے بجائے شہوار کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ شہوار نے چادر اچھی طرح اپنے بازوؤں پر پھیلالی تھی اور وہ رخ موڑے بیٹھی ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے یونہی عقب میں گردن گھما کر دیکھا تھا ادھر رخ موڑے بیٹھی شہوار کو دیکھ کر ٹھٹکا اس کا بس سائیڈ پوز تھا اندھیرے کی وجہ سے واضح دکھائی نہ دی کونے کی لائٹ آف تھی۔ شہوار کی پشت تھی چادر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی بس۔

"دلہن کہاں ہے؟" زبیر نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں جا چکی ہے۔ ہمیں اندازہ تھا کہ آپ لوگوں نے آنا ہے ہم نے پہلے ہی غائب کردیا تھا۔" عائشہ نے کونے کی طرف دیکھتے شرارت سے کہا۔ اس طرف کسی کی توجہ نہیں گئی تھی ورنہ سب سے پہلے وہ ادھر ہی جاتے۔

"ہم تو دلہا میاں کو لے کر آئے تھے کہ تھوڑا سا سامنے بٹھا کر انجوائے کریں گے۔" آفاق نے کہا۔

"کیوں یہ دونوں مسخرے ہیں کیا۔" صبا نے لقمہ دیا ایک بھرپور قہقہہ لگا۔

"دیکھ لو یہ تمہاری بہن کے فرمودات ہیں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ تم اسے پولیس آفیسر کے بجائے مسخرے زیادہ لگتے ہو۔" آفاق نے کہا تو پھر سب ہنس دیے۔

"توبہ کتنے بدتمیز ہو تم لوگ۔ بابا صاحب کو پتا چل گیا نا کہ تم لوگ دلہا صاحب سمیت ادھر آئے ہو تو شامت آ جانی ہے۔" ماریہ نے دھمکایا۔

"کوئی نہیں ایسے موقعوں پر اکثر چھوٹ مل جاتی ہے۔"

"یہی تو غلط فہمی ہے آپ لوگوں کی۔" شائستہ نے بھی دھمکایا۔

"یہ مصطفیٰ آج بڑا خاموش ہے۔" رمشا بھابی نے کہا۔

"بچے بے چارے کی آزادی سلب کی جا رہی ہے احتجاجاً خاموش ہے۔" سجاد نے کہا۔

"اوئے ہوئے احتجاجاً ابھی ان بچے صاحب کے سامنے دلہن صاحبہ کو لا کر بٹھا دیں تو سارے احتجاج کی پول کھل جائے گی۔" شائستہ بھابی نے کہا تو کونے میں بیٹھی انا ایک دم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ وہ ان لوگوں کے جملے انجوائے کر رہی تھی جبکہ شہوار خاموش تھی۔ شہوار نے اسے کہنی ماری تو وہ چپ ہوئی۔

ہنسی کی آواز پر زبیر نے کونے میں دیکھا تو انا کے ہمراہ چادر میں چھپے وجود کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ اس نے شہوار کو فوراً پہچان لیا تھا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا لائیں بٹھائیں دلہن کو؟" اس کا انداز شرارتی تھا۔ شہوار گھبرا کر رہ گئی تھی۔ ان لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ واقعی بٹھاتے۔

"ہمارا بچہ واقعی صابر ہے۔" آفاق نے بھی مصطفیٰ کی کمر تھپکی۔

"ایسا کرتے ہیں ہم اپنے بچے بے چارے کو دلہن کے پہلو میں جا بٹھاتے ہیں پھر تو ٹھیک رہے گا نا۔" زبیر کو بھی اب موقع ہاتھ لگا تھا کیسے جانے دیتا فوراً میدان میں کودا۔

"کوئی نہیں...... کوئی نہیں...... اب نکاح سے پہلے تو دلہن قطعی نہیں دیکھنے دیں گے ہم۔" یہ بات تو سب میں طے تھی اس بات کو طے کر کے انہوں نے شہوار کو مہندی لگانے پر آمادہ کیا تھا کہ وہ کسی کے سامنے نہیں جائے گی۔ اب تک اس لیے تو سب خاموش تھیں ورنہ اس کونے کی نشاندہی کب کی ہو چکی ہوتی۔

"اچھا یہ بات ہے تو ایسے ہی سہی چلو مصطفیٰ چلیں باہر۔" زبیر نے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔

"ہاں تو جائیں ہم نے کون سا دعوت دی تھی۔" لڑکیوں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

"اگر تم لوگوں نے دلہن ہمیں نہ دکھائی تو ہمارا دلہا عین وقت پر نکاح سے انکار بھی کر سکتا ہے۔" مصطفیٰ کو شرارت سے آنکھ مار کر زبیر نے کہا۔

"جائیں...... جائیں ہم آپ کی دھمکیوں میں نہیں آنے والے۔" ماریہ نے ہاتھ اٹھا کر جانے کو کہا تھا۔

"دیکھو ہمارا دلہا مغرب کے وقت سے آیا ہوا ہے اس نے اپنی دلہن کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی یہ زیادتی ہے۔" زبیر آہستہ آہستہ مصطفیٰ کا ہاتھ تھامے عقب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کسی لڑکی نے توجہ نہ دی تھی جبکہ مصطفیٰ سمجھ چکا تھا کہ زبیر کیا کرنا چاہ رہا ہے اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"صبح تک صبر کر لے نکاح ہو جائے تو ایک ہی دفعہ دیکھ لے گا۔" شائستہ بھابی نے کہا تو زبیر پیچھے کی طرف پلٹا۔ عائشہ جس کی توجہ اب ادھر ہوئی تھی فوراً چیخی۔

"ہائے...... زبیر یہ کیا کر رہے ہو؟"

"ارے یہ تم کہاں جا رہے ہو ادھر کیا ہے؟" شائستہ بھی بولیں۔

"دلہن دیکھنے۔" شرارت سے بھرپور آواز تھی۔ شہوار دھک سی رہ گئی۔ آواز اس کے بالکل پاس سے ابھری تھی۔ وہ بڑی تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کرتے اس کونے میں آئے تھے اس نے فوراً انا کے بازو میں چہرہ چھپا لیا۔

"انا یہ ادھر کیوں آئے ہیں؟" وہ پوری طرح کانپ اٹھی تھی۔

"مذاق کر رہے ہیں۔ تم چادر لپیٹے رکھو کچھ نہیں کریں گے یہ۔"

"اوئے ہوئے، تو ادھر دلہن کو چھپایا ہوا ہے اس اندھیرے میں۔" یہ کونا ذرا تاریکی میں تھا اب سبھی لڑکے متوجہ ہوئے تھے ایک ایک کرتے اٹھ کر آ رہے تھے۔ یہ تو شکر تھا کہ شہوار کی مہندی قدرے سوکھ گئی تھی اس کے نیم عریاں بازو چادر کے اندر تھے۔ جس سے مہندی خراب ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ مگر مہندی لگے پاؤں وہ کہاں چھپاتی؟ جو زمین پر ٹکے تھے، گیلے بھی تھے اور سبھی کے سامنے تھے۔

"یہ زیادتی ہے بھاگو تم لوگ ادھر سے۔" بھابی اور عائشہ فوراً اس طرف لپکی تھیں۔ مگر اب کون سنتا۔ انا ہنسے جا رہی تھی اس کے لیے یہ ساری سچویشن بڑی مزے دار تھی۔ وہ الٹا ہاتھ منہ پر رکھے بے حال ہو رہی تھی۔

"کتنے بدتمیز ہو تم لوگ بے چاری کو کنفیوژ کر رہے ہو۔ بھاگو یہاں سے۔" وہ سارے شہوار اور انا کے سامنے کھڑے

ہو گئے تھے۔ عائشہ اپنے میاں کو دھکیل کر جگہ بنا کر شہوار کی طرف لپکی۔

"بھئی دلہن دیکھے بغیر تو نہیں ہٹیں گے ہم بھی۔" سارے پھیل کر کھڑے تھے انا نے مکمل طور پر چادر میں چھپی شہوار کو اپنے حصار میں لے لیا۔ مگر انا کی ہنسی اب بھی نہیں رک رہی تھی۔ دوسری طرف بھابی اور عائشہ نے بھی حصار میں لے لیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے۔" مصطفیٰ مسلسل مسکرا رہا تھا جبکہ زبیر نے دہائی دی تھی۔

"صبا...... شائستہ بھابی ان کو باہر نکالیں، ہماری دلہن کو پریشان کر دیا ہے۔" شہوار ان کے حصار میں مسلسل کانپ رہی تھی۔ عائشہ نے کہا تو وہ بھی پاس آ گئیں۔

"دیکھیں بھئی مذاق ایک طرف مگر ہم نکاح سے پہلے دلہن نہیں دیکھنے دیں گے یہ طے شدہ بات ہے۔" شائستہ بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔

"قسم کھالی ہے کیا؟" زبیر نے پوچھا۔ سب لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب کیا کریں؟

"یہی سمجھ لیں۔" عائشہ نے بھی کہا۔

"انا تم شہوار کو لے کر یہاں سے جاؤ۔" عائشہ نے آہستہ سے کہا اور روشانے کو بھی اشارہ کیا اس نے بھی دوسری طرف سے آ کر شہوار کو تھام لیا تھا۔ وہ مکمل طور پر بڑی سی چادر میں چھپی ہوئی تھی۔

"دیکھیں آپ دلہن کو فرار کروا کر اچھا نہیں کر رہی۔" زاہد نے دھمکی دی۔ عاصمہ اور ماریہ بھی قریب آ گئی تھیں انہوں نے بھی شہوار کو حصار میں لے لیا تھا۔ اب اتنی خواتین کی موجودگی میں دلہن دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو طے شدہ بات تھی کہ اب نکاح سے پہلے تک دلہن نہیں دکھانی۔ وہ تو سجاد بھائی ادھر آ گئے تھے اور سب کو پتا چل گیا تھا کہ دلہن ادھر ہے ورنہ کس کو مجال تھی کہ پتا چلتا۔

"دلہن کو ہم کمرے میں بھیج رہے ہیں فرار نہیں کروا رہے۔ فرار تو یہ دلہا میاں کے ساتھ ہی ہوگی۔" شائستہ نے ہنس کر کہا۔

چاروں لڑکیاں دلہن کو نکال کر لے گئی تھیں۔ ان سب نے بڑی بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھا وہ مہذب انداز میں انہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر بدتمیزی کرتے تو خود دلہن کا گھونگٹ الٹ دیتے مگر شرافت برقرار تھی۔ مصطفیٰ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ بہرحال دلہن کو دیکھنے کے بجائے اس نے صورتحال کو زیادہ انجوائے کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشنما سے مہندی لگے پاؤں جم سے گئے تھے۔ سفید دودھیا پاؤں پر مہندی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"یہ بہت بڑی زیادتی کی ہے۔" زبیر نے سب سے زیادہ مشقت کی تھی اب اسے دکھ ہو رہا تھا وہ ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"دلہن کے دلہا میاں سے پوچھ لو کہ یہ واقعی زیادتی ہوئی ہے کیا؟" لائبہ نے چہک کر کہا۔

"کیوں مصطفیٰ؟" شائستہ نے بھی اسے دیکھا۔

"بھئی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے دیکھنے کی۔ میں تو بس اس ساری صورتحال کو انجوائے کر رہا تھا۔" مسکرا کر کہتے وہ اسی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا جہاں چند لمحے پہلے شہوار اور انا بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تف ہے تم پر اتنی دیر سے ہم تمہارے لیے جنگ لڑ رہے ہیں اور تمہیں ہی کوئی پروا نہیں۔" زبیر نے کہا تو سبھی لڑکیاں ہنس دیں۔

"اسے کہتے ہیں بیگانی کی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔" رمشا نے شرارت سے میاں کو کہا تو وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''چلو اٹھو چلتے ہیں اب، ہوگئی عزت افزائی دیکھ لی دلہن ہم نے۔'' زاہد بھائی بھی کہہ رہے تھے مصطفیٰ ہنستے ہوئے کھڑا ہوا۔ بہرحال اس ساری صورتحال کو انجوائے سب نے ہی کیا تھا۔ بڑے مہذب انداز میں بڑا مہذب سا مذاق، چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرنے والے مصطفیٰ کو بھی یہ مذاق بہت اچھا لگا تھا۔ وہ سب کے ساتھ ہنستا مسکراتا باہر نکل آیا۔

''اوف، کتنے بدتمیز ہیں یہ سب، کیسے سب نے مل کر تنگ کرکے رکھ دیا تھا۔'' شائستہ ہنسی تو پھر سبھی موجودہ صورتحال پر تبصرہ کرنے لگیں۔

صبح بڑی افراتفری کا عالم تھا۔ سبھی مرد حضرات مصروف تھے۔ بس ایک دلہا میاں تھے جو احسن اور ولید کے ساتھ صبح ہی کھیتوں کی سیر کو نکل گئے تھے۔ دس بجے کے قریب وہ لوگ واپس لوٹے تو ناشتے کا انتظام تھا۔

''آؤ میں تم لوگوں کو اپنے بابا صاحب سے ملواتا ہوں۔'' رات جب وہ لوگ پہنچے تھے تو بابا صاحب اندرونی طرف تھے۔ رات ادھر ہی بسر کی تھی اس وقت وہ اسی طرف سب مردوں کے پاس ہی تھے۔ مصطفیٰ ناشتے کے بعد ان دونوں کو لے کر ان کی بیٹھک میں آ گیا تھا۔

''السلام علیکم بابا صاحب۔'' صبح سے اب ملاقات ہو رہی تھی مصطفیٰ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ کہاں تھے صبح سے نظر نہیں آ رہے تھے۔'' انہوں نے مسکرا کر استفسار کیا۔

''بس اپنے ان دوستوں کے ساتھ باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا تھا۔'' مصطفیٰ نے ولید اور احسن کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں نے باری باری بابا صاحب سے مصافحہ کیا۔ ولید نے محسوس کیا کہ اس سے ہاتھ ملاتے بابا صاحب چونکے تھے۔

''یہ دونوں تمہارے ساتھ شہر سے آئے ہیں کیا؟'' وہ پوچھ رہے تھے مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

''یہ میرا دوست ولید ہے، ہم دونوں امریکا میں بھی اکٹھے ہی رہے ہیں۔ ان کی فیملی کے ساتھ ہی ہمارا اپارٹمنٹ تھا اور یہ احسن ولید کا پھپھی زاد ہے۔'' مصطفیٰ نے تعارف کروایا تو بابا صاحب نے پھر دونوں کو بغور دیکھا۔

''کیا نام ہے تمہارے باپ کا؟'' انہوں نے ولید کی طرف دیکھتے پوچھا۔

''ضیاء احمد، ولید ضیاء احمد نام ہے میرا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انہوں نے محض سر ہلا دیا۔

اس کے بعد وہ ان دونوں سے مختلف سوالات کرتے رہے۔ چھوٹے موٹے ولید نے محسوس کیا کہ ان کی تمام تر توجہ اس کی طرف ہے۔ وہ مسکرا دیا۔ اپنی شخصیت کی دلکشی سے وہ خود بھی آگاہ تھا مگر اب معاملہ اور تھا یہاں کوئی خاتون نہیں ایک عمر رسیدہ بوڑھا اسے گاہے بگاہے بغور دیکھ رہا تھا۔

''لگتا ہے بابا صاحب تمہاری پرسنالٹی کے سحر میں گرفتار ہو چکے ہیں۔'' احسن نے اس کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ وہ کافی وقت ان کے ساتھ گزار کر باہر نکلے تو ولید ان سے خاصا متاثر ہو چکا تھا۔

''خاصی دلچسپ باتیں کرتے ہیں تمہارے بابا صاحب۔'' ولید کے ریمارکس پر مصطفیٰ ہنس دیا۔

''ابھی تو تم ہماری فیملی کے بہت سے لوگوں سے ملے ہی نہیں ہو۔''

''چلو اب ملنا جلنا تو رہے گا ہی نا آتا جاتا رہوں گا۔ تم سناؤ نکاح کی تقریب کب تک ہوگی۔''

''عصر کے بعد کا پروگرام ہے وہ تینوں واپس اسی روم میں آ گئے تھے جہاں ولید اور احسن ٹھہرے ہوئے تھے مگر سامنے ہی روشی اور انا موجود تھیں۔

''کہاں تھے آپ دونوں؟ صبح سے کتنے چکر لگا چکی ہیں ہم ادھر کے مگر تینوں ہی غائب تھے۔'' انا نے پوچھا۔

''باہر واک کے لیے نکل گئے تھے پھر مصطفیٰ کے ساتھ ان کی زمینوں کی طرف چلے گئے واپس آ کر ناشتا کیا اب بابا صاحب کے پاس تھے۔'' احسن نے بتایا۔

''ہم سناؤ انجوائے کر رہی ہو نا؟'' احسن نے انا سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''ہوں...... بہت زیادہ۔ زندگی میں کبھی کہیں آنے جانے کا موقع ہی نہیں ملا تو پہلی دفعہ یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں شہوار ہے آپ لوگ ہیں اکیلی ہوتی تو شاید میں انجوائے نہ کر پاتی۔''

''آپ لوگوں کو کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا؟ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہیں۔'' مصطفیٰ نے بھی کہا تو دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں یہاں سب بہت خیال رکھ رہے ہیں۔'' روشا نے بھی کہا۔

''آپ لوگوں میں زنانہ اور مردانہ علیحدہ ہے کیا؟'' روشا نے یونہی پوچھ لیا۔

''نہیں اب ایسی بھی بات نہیں، ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں بس آج کل فنکشن کی وجہ سے ادھر رکے ہوئے ہیں ورنہ میرا کمرہ اندر حویلی میں ہی ہے۔''

''آپ کو اندر بھی ڈھونڈ رہے تھے خصوصاً آپ کی مدر، سب کا یہی خیال تھا کہ دلہا میاں کہیں غائب ہو چکے ہیں۔'' انا نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں رات کے بعد صبح سے میں نے اندر اپنی شکل نہیں دکھائی اب سب کو میری فکر ستا رہی ہوگی، آپ بیٹھیں۔ میں اندر کا ایک چکر لگا لوں۔'' مصطفیٰ دونوں کو کہتے وہاں سے چلا گیا۔ انا اور روشی دونوں اس ڈبل بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''آپ دونوں نے رات اسی کمرے میں گزاری تھی؟'' روشی نے پوچھا۔

''ہوں۔''

''ہم...... یہ کپڑے پریس کروا دو یا کر کے لا دو۔ ادھر استری نہیں ہے اب ہر بات پر ان کے ملازمین کو آواز دینا اچھا نہیں لگ رہا۔ مجھے چینج کرنا ہے۔'' احسن نے بیگ سے کپڑے نکال کر اسے دیے تو اس نے روشی کو دیکھا۔

''روشی کو دیں یہ کرا لاتی ہے ابھی میرا اندر جانے کا کوئی موڈ نہیں ہو رہا۔'' کسلمندی سے کہتے وہ بستر پر دراز ہوئی تھی۔

''لائیں میں کرا لاتی ہوں۔'' روشی فوراً تیار ہوگئی تھی اس نے ہنس کر اسے دیکھا۔

''بھائی آپ کے بھی کرا لاتی ہوں آپ بھی ڈریس نکال دیں۔'' روشی نے ولید سے بھی کہا تو اس نے بھی اسے کپڑے نکال دیے تھے۔

احسن ٹاول، باتھ سوپ اور شیمپو بیگ سے نکال کر واش روم میں بند ہو گیا تھا۔ روشی چلی گئی تو وہ بستر پر نیم دراز نجانے کیا کیا سوچنے لگی۔

''ولی۔'' ولید جو اپنے بیگ میں سے چیزیں ادھر ادھر کر رہا تھا چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ اس انداز میں پکارے جانے پر عجیب سی فیلنگز محسوس کرتا تھا۔

''ہوں......''

''آپ مصطفیٰ کو سمجھایئے گا وہ شہوار کے ساتھ نرم رویہ رکھیں۔ وہ بہت پریشان ہے کئی بار رو چکی ہے۔'' ولید بیگ ایک طرف رکھ کر بستر کے قریب چلا آیا۔

''یہ مصطفیٰ اور شہوار کا کیا ماجرا ہے؟'' بستر پر وہ بیٹھا تو انا اٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کو مصطفیٰ نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس نے اپنی خوشنما پلکوں کی جھالر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''نہیں۔''

''چلیں واپسی پر بتاؤں گی۔ اس وقت بتانے لگی تو بہت لمبی بات ہو جائے گی۔ ویسے بہتر یہ ہے کہ آپ مصطفیٰ سے

پوچھ لیں اگر وہ بتا دیتے ہیں تو ٹھیک اگر نہیں بتاتے تو مجھ پر الزام تو نہیں آئے گا کہ میں نے دونوں کی بات لیک آؤ ہے۔" انا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ کچھ سوچنے لگا۔

"مصطفیٰ بہت کمپلیکیٹڈ پرسن ہے وہ اپنی بات کبھی کسی سے ڈسکس نہیں کرتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر بھی کوئی تو ریزن ہوگی؟" ولید نے کہا تو انا نے لب کچلے۔

"دراصل شہوار کے والد حیات نہیں ہیں۔ اس کی والدہ ان لوگوں کی دور پرے کی رشتہ دار ہیں یہ لوگ شہوار اور اس کی والدہ کو حقیقی رشتوں کی سی اہمیت دیتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کا بیک گراؤنڈ ذہن میں رکھتے دونوں کو تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ بس شہوار اسی بات سے ہرٹ ہوئی ہے۔ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر سب اس کا پرابلم نہیں سمجھ رہے سب کے نزدیک یہ محض خودسری اور احساس کمتری ہے مگر شہوار اس کو اپنی انا اور عزت نفس کی حفاظت کہتی ہے۔"

"اوہ...... جب وہ راضی نہیں تو مجبوراً یہ تعلق کیوں باندھ رہی ہے مجھے نہیں لگتا کہ مصطفیٰ یا اس کی فیملی نے اسے مجبور کیا ہوگا؟"

"اس کے ساتھ کچھ ایسا پرابلم ہوا ہے کہ وہ مجبوراً سب کے فیصلے پر سر جھکانے پر مجبور ہے۔ جبکہ مصطفیٰ شہوار کے اس طرز عمل پر اسے بجائے جسٹی فائی کرنے کے مزید تنہا کر رہے ہیں۔" انا نے الجھے ہوئے الفاظ میں وضاحت کی تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔

"اور وہ مجبوری کیا تھی؟"

"میں نہیں بتا سکتی۔" اس نے انکار کر دیا۔

"مصطفیٰ باخبر ہے؟" ولید نے اندازہ لگانا چاہا۔

"ہوں...... ان کی پوری فیملی باخبر ہے۔"

"تو پھر معاملہ کیا ہے؟"

"وہ خود کو ان لوگوں کے احسانات تلے دبا محسوس کرتی ہے وہ خود کو اس قدر اعلیٰ درجے کی عزت افزائی کے قابل نہیں سمجھتی۔ اس کا کہنا ہے کہ مصطفیٰ کو ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان مالی و نسبی معیار کی لڑکی مل سکتی تھی۔" انا نے وضاحت کی تو ولید سارا معاملہ سمجھ گیا۔

"اوہ......"

"اس نے مصطفیٰ سے بات کی تھی۔"

"ہوں، دونوں میں براہ راست بات ہوئی تھی مصطفیٰ شہوار کی فیلنگز سے اچھی طرح باخبر ہے۔ شہوار کی سوچ ہے کہ وہ ایک ملازمہ بن کر تو ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کو تیار ہے مگر اس خاندان کی بہو بن کر اس کے لیے ان سب سے نظر ملانا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"کیا یہ لوگ بھی شہوار کو ملازمہ کے طور پر ٹریٹ کرتے ہیں؟"

"نہیں، ان لوگوں کا رویہ شہوار کے ساتھ اس قدر اچھا ہے کہ حد نہیں۔ بلکہ شہوار کی والدہ تابندہ بوا اس پوری حویلی کی کرتا دھرتا ہیں۔ یہ لوگ دونوں کو خاندان کی بیٹیاں کہتے ہیں یہ سب شہوار کو اپنی کزن کہہ کر متعارف کرواتے ہیں۔"

"جب ساری صورت حال بالکل صاف اور واضح ہے تو میں بھی یہی کہوں گا کہ شہوار کو اپنی سوچ بدلنی ہوگی، جب یہ لوگ اسے ملازمہ کا درجہ نہیں دیتے تو خود کو وہ کیوں ڈی گریڈ کر رہی ہے۔ جب یہ اتنا اعلیٰ خاندان اسے اپنی بہو بنانے پر شرمندہ نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اپنے تمام کمپلیکسز کو نظر انداز کر دے۔ مصطفیٰ جیسا شخص کچھ بھی بغیر سوچے سمجھے نہیں کرتا۔"

بہت سمجھدار اور باشعور انسان ہے۔ یقیناً اس نے ہر پہلو سے متعلق سوچ کر ہی اس رشتے کے لیے ہامی بھری ہوگی۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی دوست کو سمجھاؤ نا کہ میں مصطفیٰ کو سمجھاتا پھروں، مجھے تو وہ کہیں سے بھی غلط نہیں لگ رہا بلکہ شہوار کمپلیکسز کا شکار ضرور لگ رہی ہے۔" ولید کے اس قدر صاف اور تنقیدی انداز پر اس نے بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

"ہاں آپ اپنے دوست کی فیور تو کریں گے ہی نا خود جو ایسے ہی ہیں، بے حس۔"

"کیا...... کیا کہا، تمہیں میں کہاں سے بے حس لگتا ہوں؟" ولید نے فوراً برا مانا تھا۔

"میرے پاس بہت سی مثالیں ہیں مگر اس وقت آپ کو کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی۔" وہ خاصا برامان کر بستر سے اترنے لگی تو ولید نے فوراً اس کا بازو تھاما۔

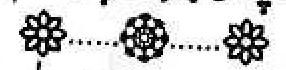
"رکو تو، میں نے اب ایسی کوئی بات نہیں کہہ دی کہ یوں خفا ہو جاؤ، ذرا میری بے حسی کی وضاحت تو کر دو ورنہ مجھے ٹینشن لگی رہے گی کہ وہ کون سی مثالیں ہیں جو تمہیں ازبر ہیں اور مجھے علم نہیں۔"

"بس اب آپ مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ ایک دم موڈی ہوئی تھی۔ ولید کی گرفت سے اپنا بازو کھینچا تو ولید کی نگاہ اس کے ہاتھ پر ٹھہری۔

"مہندی لگا رکھی ہے...... زبردست۔" ولید نے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر لی تھی وہ جو خفا سی ہو رہی تھی ایک دم ٹپٹا سی گئی۔ ولید اس کے ہاتھ پر لگی مہندی دیکھ رہا تھا، انا کو لگا کہ اس کا دل بس پسلیاں توڑ کر باہر آنے والا ہے۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارے ہاتھ اس قدر خوب صورت ہیں۔ مہندی تو بہت سوٹ کر رہی ہے...... زبردست۔" اس نے دوسرے ہاتھ کی طرف بھی نگاہ کی تو اس نے فوراً مٹھی بند کر کے پشت کی طرف ہاتھ کر لیا تھا۔

"چھوڑیں نا۔" ایک دم گھبرا کر ولید کی گرفت سے ہاتھ کھینچتے وہ فوراً بستر سے اتر گئی تھی۔ ولید نے ہاتھ کی تعریف کی تھی اس کا ذہن اسی بات پر الجھ گیا تھا۔ وہ رکے بغیر اپنے ہی جذبات پر ایک دم گھبراتے ہوئے کمرے سے باہر بھاگی تھی۔



شائستہ بھابی کے ماہر ہاتھوں نے اسے اس طرح سنوارا تھا کہ وہ دلہن کے روپ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ زیور کی آرائش اس نے صرف گلے، ہاتھوں اور کلائیوں کی حد تک رکھوائی تھی۔ باقی بندیا وغیرہ رہنے دی تھی۔ اس کے لمبے بالوں کو کوئی اسٹائل بنانے کے بجائے بھابی نے ویسے ہی مانگ نکال کر چٹیا گوندھ کر پھول سجا دیے تھے۔ اس کے ہاتھ پیروں پر مہندی کا بہت پیارا رنگ آیا تھا۔ اس نے زندگی میں فرسٹ ٹائم مہندی لگوائی تھی اور جی بھر کر رنگ آیا تھا۔

"ہائے شہوار! مہندی کا رنگ دیکھ کر لگتا ہے کہ تم سے مصطفیٰ بھائی بہت محبت کرتے ہیں۔" ماریہ تو اس کے ہاتھ پیروں پر ایک دم فدا ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ مکمل طور پر دلہن بنی ہوئی تھی اور سبھی اسے سراہ رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو؟" انا نے بھی دل کھول کر سراہا۔

"ظاہر ہے پیاری ہے تو پیاری ہی لگے گی۔" عائشہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ وہ اسے پہلے ہی خاصی پیاری تھی اب اور عزیز ہو گئی تھی۔

"بس مصطفیٰ کے سامنے لے جاتے ہوئے اتنی احتیاط کرنی ہے کہ اس کا گھونگٹ نکال دینا ورنہ رخصتی کی فرمائش پکی ہے۔" لائبہ بھابی نے بھی چھیڑا۔

کچھ دیر بعد نکاح ہونے کا شور اٹھا تو شہوار نے انا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جبکہ روشانے کے سر میں درد ہو رہا تھا وہ دوپہر سے دوسرے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔

"میرے پاس بیٹھی رہو بس۔" وہ کہہ رہی تھی شائستہ بھابی نے اس پر چادر ڈال دی تھی۔

نکاح خواں نے باہر ہی نکاح پڑھوایا تھا مردوں میں۔ نکاح کا رجسٹر اس کے پاس لانے والوں میں عباس بھائی اور سجاد بھائی تھے۔ تابندہ بی قریب آ بیٹھی تھیں۔ باقی خواتین بھی اردگرد تھیں۔

"ادھر دستخط کرنے ہیں۔" عباس بھائی نے اس کی گود میں رجسٹر رکھتے ہوئے ایک کونے میں انگلی رکھ کر اسے قلم تھمایا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے قلم تھام لیا تھا آنکھوں میں ایک دم اس قدر آنسو آ ٹھہرے کہ اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

"شہوار بیٹا! سائن کرو۔" تابندہ بی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ چونکی آنسو بے اختیار رجسٹر پر گرتے چلے گئے۔ عجیب غم زدہ سا ماحول تھا سبھی کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ ٹھہرے۔

"شہوار دستخط کرو بیٹا۔" تابندہ بی نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ بے اختیار رو دی۔ عباس اور سجاد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عجیب سی سچویشن تھی ان کے اپنے دل نم آلود ہو رہے تھے۔

"شہوار......" ماں جی بھی پاس آ ٹھہریں تو شہوار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ کی اک ذرا سی جنبش سے اس کی پوری ہستی بدل جانے والی تھی۔

کل تک جو شہوار سکندر علی کہلاتی تھی ذرا سے دستخط کے بعد شہوار مصطفیٰ کہلائی جانے والی تھی۔ کیا وہ کبھی اس خاندان کے سامنے سر اٹھا کر جی سکے گی۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔" اس کے اندر سے کوئی پرزور انداز میں چیخا تھا۔

"شہوار دستخط کرو۔" ماں جی کا ہاتھ اس کے سر پا آ ٹھہرا تو اس کے آنسو بے اختیار بہتے چلے گئے۔

اس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ کو جنبش دی۔ سبھی خواتین اس کے ہاتھ کی حرکت کو دیکھ رہی تھیں۔ اس نے جیسے ہی قلم اٹھایا کئی چہروں پر رونق آ گئی تھی۔ عباس بھائی نے صفحہ پلٹا تو اس نے پھر ہاتھ کو جنبش دی تھی۔ تب اگلا صفحہ پلٹا گیا اور پھر اگلا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ سے قلم گر گیا تھا۔ شہوار کو لگا وہ میلوں کا سفر طے کر کے آئی ہے وہ ایک دم نڈھال سی ہو گئی تھی۔

"مبارک ہو...... مبارک ہو۔" ہر طرف آوازیں گونج رہی تھیں۔ تابندہ بی نے ایک دم اسے سینے سے لگا لیا۔

"دیکھ لو سکندر! میں نے اپنا وعدہ پورا کیا، میں نے تمہاری بیٹی کو اس کے اصل حقداروں تک لوٹا دیا ہے۔ دیکھ لو آج میری آزمائش ختم ہو گئی ہے۔ آج میں سرخرو ہوں۔" تابندہ بی کے اندر سے آہیں اٹھ رہی تھیں۔ سسکیاں تھیں...... آنسو تھے...... بین تھے...... شہوار ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

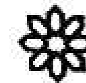
"شہوار......" انا نے زبردستی روتی مچلتی شہوار کو تابندہ بی سے علیحدہ کیا تو شہوار ایک دم اس کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

"شہوار......" وہ چیخی تھی۔

"شہوار......"

"شہوار۔" ہر کوئی پکار رہا تھا مگر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

قسط نمبر 14

انا کی آگ میں چاہت کے پھول جھونکے گا
وہ اعتبار کی آنکھوں میں دھول جھونکے گا
جو اختلاف کی آتش کبھی بھڑک اٹھی
تو مجھ کو ڈر ہے وہ پہلے اصول جھونکے گا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہادیہ رابعہ کو خالہ بی کے گھر لے آتی ہے جہاں آپی جان کے دلسوز و دلنشیں حسن کو دیکھ کر رابعہ اس میں کھوسی جاتی ہے واپسی میں رابعہ ہادیہ کو سر عباس اور ان کی وائف کے مابین ہونے والے جھگڑے کے متعلق بتاتی ہے پھر ماموں کی نصیحت یاد کر کے چپ سی ہوجاتی ہے۔

مصطفیٰ ولید کو کال کر کے اپنے نکاح کی خبر سناتا ہے ساتھ ہی انا اور روشی اور سب گھر والوں کو ساتھ لانے کی تاکید کرتے ہوئے وہ اسے انوائٹ کرتا ہے۔ ولید اس کے اس طرح اچانک نکاح طے ہوجانے پر حیرت و خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ مصطفیٰ ماں جی، عائشہ اور صبا وغیرہ کے اصرار پر نکاح کا سوٹ لینے کی غرض سے مارکیٹ چلا جاتا ہے سب اس کی پسند کو سراہتے ہیں اور نوک جھونک کرتے ہیں۔ ولید مصطفیٰ کو کال کر کے حویلی کا ایڈریس وغیرہ سمجھ لیتا ہے اور ساتھ ہی اسے کسی وجہ سے اپنے بعد میں آنے کے متعلق بتاتا ہے۔ انا کسی طور بھی ولید اور روشی کے ساتھ شادی میں جانے پر آمادہ نہیں ہوتی شہوار کے متعلق سوچ سوچ کر وہ کافی پریشان ہو رہی ہوتی ہے مگر ماموں کے سمجھانے پر بجھے دل کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ حویلی پہنچ کر اسے اور روشی کو لائبہ بھابی مل جاتی ہیں انا انہیں دیکھ کر چونک جاتی ہے سب سمجھتے ہیں کہ انہیں شہوار نے انوائٹ کیا ہے۔ ماں جی انہیں شہوار کے پاس بھیج دیتی ہیں انا کو اس کے نکاح کا سن کر حیرت ہوتی ہے ساتھ ہی وہ حویلی میں اچانک شہوار سے مل کر خوش بھی ہوجاتی ہے شہوار انا کو تمام حالات سے آگاہ کر دیتی ہے۔ انا بڑی مشکل سے شہوار کو سنبھالتی ہے اور ولید کو کال کر کے لان میں آنے کا کہتی ہے ساتھ ہی شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح کے متعلق حیرانی کا اظہار کرتی ہے ولید اس کے مزاج کو دیکھ کر الجھ سا جاتا ہے انا مصطفیٰ کو شہوار کے حوالے سے کافی سمجھاتی ہے جبکہ مصطفیٰ اپنے موقف پر ڈٹا رہتا ہے کہ شہوار بلاوجہ ہی احساس کمتری کا شکار ہے جس پر انا خفا سی ہو کر پلٹ جاتی ہے ولید مصطفیٰ سے استفسار کرتا ہے جس پر مصطفیٰ اسے ٹال جاتا ہے۔ نکاح سے ایک رات قبل نوک جھونک اور خوشگوار ماحول میں تمام خواتین ایک دوسرے کو مہندی لگا رہی ہوتی ہیں انا اس سلسلے کو کافی انجوائے کر رہی ہوتی ہے جب ہی تمام مرد حضرات اچانک چلے آتے ہیں شہوار، مصطفیٰ کی موجودگی میں خود میں سمٹ سی جاتی اور ایک کونے میں چھپ جاتی ہے تاکہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔ انا ولید سے مصطفیٰ اور شہوار کے معاملے کو ڈسکس کرتی ہے جبھی ولید کی نظر اس کے ہاتھ پر لگی مہندی پر پڑتی ہے اور وہ بے ساختہ تعریف کر بیٹھتا ہے جبکہ انا گھبرا کر باہر نکل جاتی ہے۔ دلہن کے الوہی روپ میں شہوار کا حسن دو آتشہ ہوجاتا ہے انا اس کے ساتھ ہی ہوتی ہے نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے وہ کھوسی جاتی ہے اسے رہ رہ کر ملال ہو رہا ہوتا ہے سب کے اصرار پر وہ سائن کر دیتی ہے اور تابندہ بی کے گلے لگ کر بے تحاشا رو پڑتی ہے انا اسے زبردستی ان سے الگ کرتی ہے۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

کچھ دیر بعد اسے ہوش آجاتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ پھر سے بہت شدت کے ساتھ رونے لگتی ہے۔ اس قدر کہ ہر آنکھ اشک بار ہوجاتی ہے۔ ماں جی نے تابندہ بی کو وہاں سے ہٹا کر باہر لے جاتی ہیں اور پھر خود ہی اس کو سنبھالتیں ہیں اور وہ کچھ دیر بعد سنبھلی تو وہ اسے لڑکیوں کے حوالے کر کے چلی جاتیں ہیں۔

"اس قدر رونا اور بے ہوش ہوجانا کچھ سمجھ نہیں آ رہا، خاندان کا سب سے چہیتا، لاڈلا اور زبردست لڑکا ملا ہے ان کو۔" ماریہ کی حیرت دوچند تھی۔ لائبہ بھابی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"تم پر ابھی ایسا وقت آیا نہیں اس لیے بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو۔ جب تم پر ایسا وقت آیا تو پھر تمہیں پوچھیں گے؟" شائستہ بھابی نے اسے دھمکایا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"دیکھیں یہ تو طے ہے ناکہ جس سے بھی شادی ہوگی وہ اسی خاندان کا کوئی لڑکا ہوگا پھر میرا جانا پہچانا ہی ہوگا۔ خیر ہے نمٹ لیں گے ہم۔" ادھر پرواہ ہی نہ تھی۔ سبھی مسکرا دیں۔

"تمہاری اماں جان کو تمہارے نادر خیالات بتاتی ہوں۔" عاصمہ نے دھمکایا تو وہاں ماحول پر چھائی افسردگی قدرے کم ہوئی۔

"وہاں باہر ساری ینگ جنریشن تیار بیٹھی ہے کہ کب دلہن کی رونمائی ہو اور دلہا کے پہلو کو آباد ہوتا دیکھیں۔ اس کا میک اپ درست کریں اور دوپٹا ٹھیک کریں ابھی عائشہ کو سب باہر یہی کہہ رہے تھے کہ دلہن کو باہر لے آئیں اب۔" رمشا بھابی باہر سے آئی تھیں شہوار کے کمرے میں آتے ہی کہنے لگیں تو سبھی چونکیں۔

"نہیں بھئی ہماری دلہن کی طبیعت ایسی نہیں کہ ادھر لے جائیں۔" انا جو مسلسل شہوار کے ساتھ تھی اس نے فوراً کہا۔

"مگر سبھی لڑکے اسی آس میں بیٹھے ہیں۔ باقاعدہ ہاتھوں میں موبائل اور کیمرے لیے کھڑے ہیں۔ ان کا باقاعدہ فوٹو سیکشن کا ارادہ ہے۔" رمشا نے مزید بتایا تو تکیے کے سہارے نیم دراز شہوار یکدم اٹھ بیٹھی۔

"میں باہر نہیں جاؤں گی۔" رو رو کر تو پہلے ہی برا حال کر رکھا تھا اس نے۔

"او کم آن یار تم کونسا اجنبی لوگوں میں جا رہی ہو وہاں سبھی اپنے ہی ہوں گے پھر رات جس طرح ہم نے ان کو تمہیں دیکھنے نہیں دیا تھا تو اس وقت وہ بہت کچھ ڈیسائیڈ کیے ہوئے ہیں۔ باقاعدہ بڑوں سے اجازت لے چکے ہیں۔ ماں جی کہہ رہی تھیں کہ ہمارے گھر کی آخری خوشی ہے بڑے تو سبھی سلامی دے کر ایک طرف ہوجائیں گے کچھ دیر یہ ینگ جنریشن انجوائے کر لیں۔ ہال کمرے میں لے جانے کی تیاری ہو رہی ہے وہاں سبھی اپنے ہی لڑکے ہوں گے باہر کا کوئی نہیں ہوگا۔" رمشا نے تسلی دی تو اس نے انا کو دیکھا اس نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"کوئی بات نہیں۔ پھر ایسے موقعوں پر یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔"

"میرا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔" انا کی ہنسی نکل گئی۔

"ہم سب سنبھال لیں گے۔" سبھی پرسکون تھیں شہوار نے انا کو دیکھا۔

"اب تو ایک بار سب کے سامنے جانا ہی پڑے گا نا کچھ نہیں ہوتا ہم سب ایسا کریں گی کہ صرف تمہیں تب تک وہاں

بیٹھنے دیں گی جب تک سارے بڑے سلامی دیں گے۔اس کے بعدرات کی طرح لڑکوں کو موقع دیے بغیر تمہیں نکال لے آئیں گے۔'' شائستہ بھابی نے تسلی دی تو وہ چپ ہوگئی۔انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا میک اپ ٹھیک کیا جو رونے دھونے میں کافی بہہ چکا تھا۔دوپٹا نئے سرے سے سیٹ کر کے گھونگھٹ نکال دیا تھا۔اس طرح کہ گھونگھٹ اٹھا کر دیکھے بنا دلہن کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔اس سے شہوار کو قدرے تسلی ہوئی تھی۔عائشہ اور صبا اسے لینے آئیں اس نے تب بھی اما کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''آج تو تم بالکل چھوٹے بچوں والا بی ہیو کر رہی ہو۔چھوڑ دو بے چاری کا ہاتھ یہ بھی باہر ہمارے ساتھ ہی ہوگی۔'' عائشہ نے ڈپٹا تو مجبوراً اسے ہاتھ چھوڑنا پڑا۔وہ لوگ اسے لے کر ہال میں آئیں تو سبھی نے کھڑے ہو کر اسے ویلکم کیا۔

مصطفیٰ کی آج چھب ہی نرالی تھی بلیک تھری پیس اور ٹائی میں ملبوس وہ آج عام روٹین سے بہت مختلف لگ رہا تھا۔ انداز تو ہمیشہ سے زیادہ پراعتماد تھا مگر آج آنکھوں کی چمک سے یوں لگ رہا تھا کہ گویا دنیا فتح کر لی ہو اما نے دیکھ کر سراہا۔

''واؤ......'' دلہن کو لا کر مصطفیٰ کے پہلو میں بٹھایا گیا تو لڑکوں نے شرارت سے آوازیں نکالیں شہوار کا سر مزید جھک گیا۔وہ تو گھونگھٹ تھا ورنہ بدحواسی اس کے چہرے سے صاف نظر آتی۔

بابا صاحب' شاہزیب صاحب' حسن انکل اور دیگر مرد حضرات بھی ادھر ہی تھے اسی لیے لڑکے فی الحال دائرہ تمیز میں ہی تھے۔باری باری سبھی نے دلہا' دلہن کو سلامی' دعاؤں اور پیار سے نوازا تھا مرد حضرات سلامی دے کر وہاں سے چلے گئے تو اب خواتین کی باری تھی اور خواتین کے سامنے بھی شیر ہو جاتے تھے اب بھی ایک دم یہی حال ہوا بس تابندہ بی منظر سے غائب تھیں۔وہ شاید کسی کام سے باہر ہی تھیں۔

''دلہن کا چہرہ تو دکھا دیں؟'' ماں جی نے جیسے ہی جھک کر اس کا چہرہ دیکھ کر اس کی پیشانی چومی تو کہیں سے آواز آئی۔

''دلہا صاحب فرمائش کرتے تو ہم غور بھی کرتے اب ہر ایرے غیرے کو دلہن نہیں دکھائیں گے ہم۔'' صبا نے شرارت سے کہا تو ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

''عدیل بھائی سن لیں آپ کو آپ کی مسز ایرا غیرا کہہ رہی ہیں۔'' زبیر نے کہا تو صبا جھینپ گئی۔

''یہ زیادتی ہے۔'' پھر کوئی اور بولا انداز دہائی دینے والا تھا۔

''دلہا میاں کے ساتھ۔'' شائستہ نے شرارت سے کہا تو پھر سب ہنس دیے۔

''لو مصطفیٰ یہ دلہن کو پہناؤ۔'' ماں جی نے اپنے پرس میں سے دو بہت ہی نفیس اور خوب صورت کنگن نکال کر مصطفیٰ کو تھمائے۔

''اوئے ہوئے سبھی کے سامنے۔'' زاہد بھائی نے کہا تو مصطفیٰ بھی جھینپ گیا۔اس کے لیے بھی یہ ساری صورت حال خاصی نئی اور دلچسپ تھی۔خوب صورت بھاری جوڑے میں آج شہوار کا وجود دو آتشہ لگ رہا تھا۔یوں کہ نگاہ اسی وجود پر جم کر رہ جائے مگر چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''ہاں تو اس کی جائز منکوحہ ہے وہ جو مرضی کرے۔'' عائشہ نے لڑکوں کو آنکھیں دکھاتے اور جوش میں آ کر جوابی کارروائی کی تھی۔

''سبھی کے سامنے۔'' لڑکے اتنے بدتمیز تھے کہ سبھی لڑکیاں ہنس دیں بلکہ جھینپ کر رہ گئیں۔عائشہ کہہ کر پچھتائی۔ ماں جی نے شہوار کا ہاتھ پکڑ کر مصطفیٰ کو تھمایا تاکہ وہ کنگن پہنا سکے۔

مصطفیٰ نے دیکھا مہندی' گجرے اور کنگن سے سجا اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔مصطفیٰ نے غیر محسوس انداز میں اس کے ہاتھ

پر اپنی گرفت سخت کی اور نرم سبک' مہندی کے گل بوٹوں سے سجا ہاتھ اس وقت بہت دلفریب لگ رہا تھا۔مصطفیٰ کی نگاہ بے اختیار اس کے پاؤں کی طرف گئی تھی مگر لمبے فراک کے گھیر میں اس کے پاؤں چھپے ہوئے تھے۔مصطفیٰ نے آہستگی سے اسے کنگن پہنائے بہت احتیاط اور محبت سے سبھی لڑکوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔عباس بھائی اور سجاد مصطفیٰ کے عقب میں کھڑے تھے۔

''دیکھو ہاتھ کیسے تھاما ہوا ہے؟'' کوئی شریر لڑکا بولا تو شہوار نے تیزی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''ماں جی پلیز دلہن کا گھونگھٹ اٹھا دیں صرف ایک جھلک دیکھنے دیں۔ہم پر نہیں تو اپنے بیٹے پر ہی ترس کھا لیں بے چارے کے دل کے ارمان پورے ہو جائیں گے ایک جھلک سے ہی۔'' آفاق بھائی کی شریر آواز آئی۔ماں جی بھی ہنس دیں۔وہ گھونگھٹ اٹھانے لگیں تو اما نے ایک دم آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑا۔

''آنٹی پلیز......''

''نہیں' یہ فاؤل ہے۔مصطفیٰ بھائی نے اگر دیکھنا ہے تو وہ روم میں اکیلے جا کر دیکھ لیں ادھر نہیں۔'' اس کے کہنے پر ماں جی ہنس دیں اور پھر دونوں کو پیار اور دعائیں دے کر اٹھ گئیں۔

''یہ......یہ......زیادتی کی ہے آپ نے ہمارے ساتھ...... دلہن کے رخ زیبا کے بغیر تصویریں خاک اچھی لگے گیں۔'' لڑکے اب اما کو آنکھیں دکھا رہے تھے۔اما نے آج گرے اور آف وائٹ نگوں والا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔میک اپ کے نام پر اس نے صرف ہلکی سی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی مگر وہ اچھی خاصی پیاری لگ رہی تھی۔دور کھڑے حماد نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔اسے یہ لڑکی بہت اچھی لگ رہی تھی اس نے دور سے ہی اپنے موبائل میں اس کی تصویر کھینچ لی تھی۔

''کوئی بات نہیں کیمرا آپ ہمیں دے دیجیے گا ہم روم میں جا کر تصویریں بنا لیں گی اور پھر واپس کر دیں گی۔'' اما کا انداز پراعتماد تھا لڑکے ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔اب وہ اس مہمان لڑکی کو بھلا کیا کہتے خاندان کی لڑکی

ہوتی تو صاف جواب دیتے۔ اس کے بعد دیگر خواتین نے باری باری آ کر دلہن کا چہرہ دیکھا اور پھر سلامی دی۔ یہ سلسلہ کچھ دیر تک چلا تھا۔ جیسے ہی خواتین باہر نکلیں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ ان کا ارادہ اب دلہن کو یہاں سے نکالنے کا تھا۔

"یہ اشارے بازی کس لیے ہو رہی ہے۔" سجاد بھائی نے فوراً نوٹ کیا۔

"آپ کے لیے تو نہیں ہو رہی ہے۔" انا نے کہا تو وہ لاجواب سے ہوگئے۔ انا نے آگے بڑھ کر شہوار کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا تو سبھی لڑکے چیخ اٹھے۔

"یہ...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" عدیل فوراً آگے آیا۔

"دلہن کی طبیعت ٹھیک نہیں اس کو کمرے میں لے جا رہی ہوں۔" انا نے ہی جواب دیا۔

"ہرگز نہیں' رات بھی آپ لوگوں نے یہی کیا تھا اب تو دلہن دیکھے بغیر ہم جانے ہی نہیں دیں گے۔" زبیر اور آفاق بھائی بھی میدان میں اتر آئے تھے انا نے سبھی لڑکیوں کو دیکھا۔ شائستہ بھابی نے نفی میں گردن ہلائی۔ ماریہ بھی انا کے دوسری طرف آ گئی تھی لڑکوں کے چیخنے دہائیاں دینے کے باوجود دونوں نے دائیں بائیں سے شہوار کو تھام کر آگے قدم بڑھا دیے تھے۔

"مصطفیٰ یار تم بھی تو بولو' تمہارا دل نہیں کر رہا اپنی دلہن دیکھنے کو۔" زبیر نے مصطفیٰ کو میدان میں اتارنا چاہا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس کو ایک طرف کر کے خود ہی گھونگھٹ الٹ دیتے۔ مگر وہ مہمان تھی سو اس کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے بھی لحاظ کر رہے تھے۔

"فی الحال تو کوئی حسرت نہیں دیکھنے کی۔ اب ہماری جائز ملکیت ہے ساری عمر انہی کو تو دیکھنا ہے۔ کیا فائدہ اب دیکھ کر دل خراب کرنے کا۔" مصطفیٰ بولا تو انا کے قدم رک گئے۔

"کیا......؟ اب ایسی بھی بدصورت نہیں ہے کہ آپ کو دیکھ کر برا لگے۔" اس نے فوراً کہا تو لڑکوں کے قہقہے نے احساس دلایا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔ اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"اتنی حسین ہوتی تو تم لوگ چہرہ ہی کیوں چھپاتیں؟" لڑکوں کی طرف سے جوابی حملہ ہوا۔ وہ لوگ وہیں جم کر رہ گئی تھیں۔ اب بات ان کی عزت کی تھی۔

"یہ گھونگھٹ محض فارمیلٹی تھی۔" ماریہ نے بھی کہا۔ ان میں سے کسی کو بھی بدصورتی والا طعنہ ہضم نہیں ہوا تھا۔

"ہاں میں نے سنا ہے کوئی کہہ رہا تھا کہ دلہن خاصی بدصورت لگ رہی ہے۔ ذرا بھی روپ نہیں آیا۔" زبیر نے بہت سنجیدگی سے کہا تو شائستہ بھابی نے دل تھاما۔

"ہائے...... یہ ہوائی کس نے اڑائی۔" شائستہ چیخیں۔

"یہ شائستہ بھابی کے ہاتھوں کا کمال ہے سنا ہے انہی نے تیار کیا تھا محترمہ کو اب ان کے ہاتھوں کی پول کھل رہی ہے تو دلہن کا چہرہ چھپا دیا ہے۔" عدیل نے کہا اور شرارت سے شائستہ کو دیکھا جس نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا۔

"خوامخواہ' اتنا برا تیار نہیں کرتی میں۔"

"چلیں مان تو رہی ہیں کہ کچھ حد تک تو برا تیار کر لیتی ہیں۔" وہ سب کون سا کم تھے رج کے زچ کر رہے تھے۔

"ہاں اس بات کا تو میں بھی گواہ ہوں روز کمرے سے چیخیں مار کر باہر بھاگتا ہوں۔" زاہد بھائی بھی ان کی شرارت میں شامل ہوگئے تھے اور شائستہ بھابی کے واقعی دل پر لگی تھی یہ بات۔

"کوئی نہیں' میرے ہنر کی کسی کو قدر ہی نہیں' خود ہی دیکھ لیں کتنی پیاری لگ رہی ہے آج شہوار۔" بھابی نے ایک دم جذبات میں آ کر بغیر سوچے سمجھے شہوار کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

"واؤ......"

"اوئے...... ہوئے' جیو بھابی۔" لڑکوں نے تو باقاعدہ بھنگڑا ڈالنا اور تالیاں پیٹ شروع کر دیں تھیں۔ مصطفیٰ کی بھی نگاہ اٹھی تو گویا جم سی گئی تھی۔

وہ حسین تو تھی ہی مگر اس وقت رنگ و روپ دوآتشہ ہوا تھا۔ روایتی دلہنوں کی طرح زیورات سے اجتناب کیا گیا تھا مگر حزن سوز حسن دیکھنے والے کو پہلی نگاہ میں ہی مبہوت کر دینے کو کافی تھا۔ سبھی مبہوت ہوئے تھے۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے؟" لڑکیوں کو لڑکوں کی ساری شرارت جب سمجھ میں آئی تو انہوں نے سر پیٹ لیے۔ شائستہ بھابی نے خود زبان دانتوں تلے دبالی اور سب سے برا شہوار کا حال تھا اس نے فوراً چہرہ موڑا اور ماریہ نے تیزی سے دوبارہ گھونگھٹ الٹا دیا۔

"اب کیا فائدہ ہم نے تو دلہن دیکھ ہی لی ہے۔" عباس بھائی نے بھی ہنس کر کہا۔

"آپ سے کیا پردہ' آپ تو نکاح نامے پر سائن کروانے آئے تھے۔ پردہ تو ان سب سے تھا۔" شائستہ نے اپنی حرکت پر شرمندہ ہوتے کہا۔

"دراصل ہم دونوں دلہن کی طرف سے گواہوں میں شامل تھے نا اس لیے ہمیں ہی آنا پڑا۔" سجاد بھائی نے بھی وضاحت دی۔

"چلو تم شہوار کو اندر لے جاؤ اب ادھر ایک منٹ بھی نہیں رکنا۔ بدتمیز کہیں کے لے کر ساری عقل ہی کھا گئے ذرا بھی سمجھ نہیں آئی کہ طیش دلا رہے ہیں۔" شائستہ نے ناراضی سے لڑکوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو دونوں نے قدم بڑھا دیے۔

"دیکھیں اس میں بھی آپ کا کوئی قصور نہیں' ساری بات بلکہ کمال تو زاہد بھائی کا ہے کیا طعنہ دل پر لگا تھا آہ کر کے۔" زبیر نے کہا تو وہ جھینپ گئیں۔

"چلو اس بہانے ہمارے دلہا میاں نے اپنی منکوحہ کو دیکھ لیا۔" مصطفیٰ کا مسکراتا چہرہ عدیل کو اس کی طرف مبذول کر رہا تھا وہ سب دلہن کو نکال کر لے گئی تھیں۔ اب ادھر بیٹھنا فضول تھا جانتا تھا کہ اب سب مل کر اس کا ریکارڈ لگائیں گے۔

"مجھے ویسے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہتے کندھے اچکاتے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو سبھی نے اس کا رستا روکا۔

"کدھر......؟"

"میں احسن اور ولید کی خیر خبر لے لوں' خواتین کی وجہ سے وہ اندر تو آ نہیں رہے تھے صرف نکاح کے دوران آئے تھے اور پھر نکل گئے تھے مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے کہیں بور نہ ہو رہے ہوں۔" اس نے یہاں سے بھاگنے کا بہانہ بنایا ورنہ جانتا تھا ایک دفعہ اگر ان کے ہاتھ لگ گیا تو بری طرح شامت آئے گی۔

"چلو پھر سبھی ادھر ہی چلتے ہیں ان کے پاس ہی بیٹھ کر محفل جماتے ہیں۔" آفاق نے فوراً پروگرام ترتیب دیا تو سبھی لڑکے مل کر باہر کی طرف چل دیے۔

❁......❁......❁

"دیکھو کتنے بدتمیز ہیں اور میں بھی کتنی پاگل ہوگئی کہ یہ سب اصل میں چاہ کیا رہے ہیں ذرا بھی اندازہ نہ لگا پائی۔"

بھابی شرمندہ تھیں اور لڑکوں کی شرارت پر ہنس بھی رہی تھی۔

''اس میں آپ کا بھی اتنا قصور نہیں جتنا زاہد بھائی کی طعنہ بازی کا تھا۔'' صبا نے کہا تو وہ ہنس دیں۔

''ہاں واقعی ان کی بات تو دل پر لگی تھی۔'' انہوں نے برملا اعتراف کیا۔

''مصطفیٰ بھائی کو دیکھا تھا کیسے ان کی نگاہ شہوار کے چہرے پر ہی جم سی گئی تھی اور باقی سارے لڑکے بدتمیز وہ ہنگڑا ڈالتے تالیاں پیٹنے لگ گئے تھے۔'' عاصمہ نے بھی ایک نکتے کو اٹھایا تو انا کی توجہ فوراً اس طرف مبذول ہوئی۔

''کیا واقعی مصطفیٰ بھائی نے دیکھا تھا؟''

''ایسا ویسا...... میری نگاہیں بھی مصطفیٰ پر ہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں ایسی چمک در آئی تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔'' رمشا نے بھی ہنس کر کہا تو انا نے شہوار کو دیکھا وہ بغیر توجہ دیے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے تھی اندر آتے ہی وہ چینج کرنا چاہتی تھی مگر سبھی نے زبردستی بٹھا لیا تھا۔

''مگر ان کے جملے تو بڑا دل توڑنے والے تھے۔'' انا نے کہا۔

''چھوڑو...... یہ سارے مرد جب شوہر بنتے ہیں نا تو ایسے ہی بیویوں کو ستاتے ہیں۔ بلکہ دل جلاتے ہیں تم بتاؤ روشنی کہاں ہے۔'' صبا کی زبان سے زیادہ اس کا تجربہ بول رہا تھا۔

''نکاح کے وقت بھی صرف ایک جھلک دیکھی تھی پھر نظر نہیں آئی۔''

''وہ دوسرے کمرے میں سوگئی ہے۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے کہ یہاں آتے ہی اس کے سر میں درد ہونے لگ گیا تھا میں نے ٹیبلٹ دی تو لے کر سوگئی ہے۔ بس نکاح کے بعد ایک دو منٹ باہر آئی تھی۔''

''ہاں میں بھی کہہ رہی تھی کہ رات کو سب کے درمیان تھی آج کدھر ہے۔''

''نکاح کے بعد وہ آئی تھی شہوار کو دیکھا اور پھر جا کر لیٹ گئی تھی۔'' انا نے بتایا۔

''ہاں شہوار کی امی (بواء جی) بھی کہہ رہی تھیں مہمان لڑکیاں ان سے ملیں ہی نہیں کیا واقعی تم لوگوں کی ملاقات نہیں ہوئی؟'' صبا نے بھی پوچھا۔

''ہاں ان سے باقاعدہ تعارف نہیں ہوا بس آتے جاتے سرسری نگاہ پڑی ہے وہ خود بھی خاصی بزی رہی ہیں انہوں نے بھی توجہ نہیں دی میں تو ان کی مصروفیت دیکھ کر ہی سمجھی کہ کوئی مہمان خاتون میں سے یا نگران ہوں گی مگر نکاح کے وقت شہوار کے پاس موجود دیکھ کر پتا چلا کہ وہ شہوار کی امی ہیں۔''

''ہاں یوں سمجھو ساری حویلی کا انتظام ان کے ہاتھوں میں ہی ہے تو دو دن سے وہ خاصی مصروف رہی ہیں ہم خود بھی ان کے پاس جا کر مل کر آئی تھیں۔'' عائشہ نے بھی بتایا تو اس نے سر ہلایا۔

''میں نے سرسری سا ہی دیکھا ہے دراصل اتنے مہمانوں میں ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی روشانے تو سرے سے ان سے ناواقف ہی ہے۔ اس کا تو ان سے سامنا ہی نہیں ہو پایا۔'' انا نے بتایا۔

''ہوں...... وہ فارغ ہوتی ہیں تو میں تم دونوں سے ملواتی ہوں میں۔'' عائشہ نے فوراً کہا۔

''پتا ہے عائشہ روشانے کو دیکھ کر لگتا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھ رکھا ہے یہ تو مجھے کل ان لوگوں کے یہاں آنے کے بعد یاد آیا کہ میں نے روشانے کو کہاں دیکھا ہوا ہے۔'' صبا نے انکشاف کیا تو شہوار نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا واقعی۔'' انا نے پوچھا۔ روشانے کو دیکھ کر شہوار ماں جی اور لائبہ بھابی بھی اسی قسم کی فیلنگز کا شکار ہوئی تھیں۔

''اچھا کہاں دیکھا تھا۔'' عائشہ نے پوچھا۔

''مصطفیٰ بھائی کی فوٹو گرافس میں۔'' صبا نے انکشاف کیا۔

''مطلب......!'' انا نے الجھ کر پوچھا۔

''مصطفیٰ بھائی جب پاکستان لوٹے تھے تو ان کی وہاں کی بہت ساری تصاویر تھیں۔ ان میں کئی تصاویر میں ولید اور روشانے بھی تھیں۔ شروع ہی کی تصاویر دیکھ کر ماں جی پریشان بھی ہوئی تھیں کہ پتا نہیں اس لڑکی کا کیا سلسلہ ہے؟ ماں جی براہ راست مصطفیٰ سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھیں کہ لڑکی محض دوست کی بہن ہی ہے یا کچھ اور بھی ہے، بہرحال پاکستان آنے کے بعد وہ ان لوگوں کی بہت تعریفیں کرتے تھے پھر رفتہ رفتہ یہ موضوع دھیما پڑا تو ماں جی سمجھنے لگیں کہ مصطفیٰ بھائی ان کو بھول گئے ہیں۔ یہ تو کل روشانے کو مصطفیٰ بھائی کے حوالے سے یہاں دیکھ کر سارا قصہ یاد آ گیا تھا۔''

''اوہ......'' انا بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ تو یہ وہ سارا سسپنس تھا۔

''مصطفیٰ بھائی کا وہاں ہماری فیملی کے ساتھ بڑا اچھا ریلیشن رہا ہے۔ یوں کہہ لیں ہماری فیملی کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے اپارٹمنٹ کے بجائے ہر وقت ہمارے گھر میں ہی پائے جاتے تھے۔ پھر ہم لوگ پاکستان آ گئے اور روشانے، ماموں اور ولی ادھر ہی رہے۔ مصطفیٰ بھائی روشانے کو بہن کہا کرتے تھے اور جب تک وہ وہاں رہے ہیں روشانے بتاتی ہے کہ انہوں نے بالکل ولی کی طرح ہر جگہ ہر مقام پر ایک بڑے بھائی کی ہی حیثیت سے اس کا خیال رکھا۔ حتیٰ کہ باہر آتے جاتے یونیورسٹی بھی وہ لے جایا کرتے تھے۔''

''باقی بھائیوں کی نسبت مصطفیٰ بھائی ان معاملوں میں بڑے ذمہ دار ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد بھائی اکثر ہمیں ڈرائیور کی ذمہ داری میں دے جاتے تھے مگر جب سے مصطفیٰ پاکستان آیا ہے کہیں جانا ہو گھر میں ڈرائیور بھی ہو تو خود ہی لے جاتا ہے۔ اس معاملے میں وہ بہت ذمہ دار ہے۔ وہ کہتا ہے اپنی بہنوں کی ذمہ داری جس طرح ہم خود ادا کر سکتے ہیں کوئی نہیں دوسرا نہیں کر سکتا۔ ان کا موقف ہے کہ گھر کی خواتین کو ملازمین کی ذمہ داری میں دے دینا کوئی خوبی نہیں اصل خوبی تو یہ ہے کہ اپنی خواتین کو خود اپنی ذات سے تحفظ فراہم کیا جائے۔'' صبا کے الفاظ پر انا ایک دم متاثر ہوئی۔

''بہت اچھی سوچ ہے آج کل کے مردوں میں اب ایسی سوچ بھلا کہاں باقی رہی ہے۔'' اس نے دل سے سراہا۔

''میں اب چینج کرنے لگی ہوں۔'' شہوار جو ان کے کہنے پر بیٹھی ہوئی تھی کہ سبھی اکٹھی ہوتی ہیں تو تصاویر بنوائی ہیں۔ اب اکتا کر بستر سے اتری تھی۔

''ابھی رہنے دو میں نے مصطفیٰ بھائی کو بلوایا ہے وہ آ جائیں تو چند تصاویر بنوالو وہ بھی تمہیں دیکھ لیں گے پھر چینج کر لینا۔'' عائشہ نے شرارتی انداز میں کہا تو وہ سرخ ہوگئی۔

''مجھے نہیں بنوانی کوئی تصویر...... میں بہت تھک گئی ہوں۔'' وہ اندرونی طور پر اس قدر پریشان اور ڈسٹرب تھی کہ یہ چھیڑ خانی بھی اسے متاثر نہیں کر پا رہی تھی۔ بس دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ ایک دم اتار کر منہ لپیٹ کر بستر پر آ لیٹے۔

''شہوار حرج تو کوئی نہیں۔'' انا نے کہا تو اس نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ پھر بغیر کچھ کہے الماری سے اپنا لباس نکال کر عروسی جوڑے کو سنبھالتی وہ واش روم میں گھس گئی۔

''شہوار کے تیور کچھ عجیب سے نہیں؟'' شائستہ بھابی نے کہا تو انا نے فوراً سر ہلایا۔

''نہیں...... اس کی طبیعت واقعی بہت خراب ہے۔ آپ کے سامنے ہی تو بے ہوش ہوگئی تھی۔ زندگی کا بہت بڑا فیصلہ ہوتا ہے یہ ایک دم ذہن بننے سے تو رہا آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے واقعی اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔'' انا نے اس کا دفاع کیا۔ تبھی دروازے پر ناک ہوئی تھی عائشہ نے اٹھ کر دیکھا تو مصطفیٰ تھا۔ وہ مسکرا دی اس نے ہی کچھ

دیر قبل تاج کو مصطفیٰ کو بلوانے بھیجا تھا۔

”تم نے بلوایا تھا خیر ہے؟“ مصطفیٰ سنجیدگی سے کھڑا پوچھ رہا تھا وہ اندر نہیں آیا تھا دروازے پر ہی کھڑا تھا۔

”ہاں بلوایا تو تھا کہ آ کر اپنی دلہن کو دیکھ لو ساتھ میں تصاویر بھی بنوالینا مگر شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ چینج کرنے چلی گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”اوہ......! میں سمجھا کہ پتا نہیں کیا معاملہ درپیش ہے جو تاج کو بھیج کر بلوایا۔ ایسے فضول کاموں کی توقع مجھ سے مت کرو۔“ وہ کچھ خفگی سے کہہ کر پلٹا تو عائشہ فوراً سامنے آئی۔

”کیا بات ہے ادھر تم خفا تیور لیے ہوئے ہو ادھر وہ بھی پریشان ہے کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ یہ نکاح تو طے تھا نا۔“ دھیمے لہجے میں عائشہ نے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نارمل ہی ہوں خفا نہیں ہوں اب ان محترمہ کا کیا ری ایکشن ہے مجھے خبر نہیں۔“ اس نے اپنا دفاع کیا۔

”وہ محترمہ اب تمہاری بیوی ہوتی ہیں۔“ عائشہ نے لطیف سی شرارت کرنا چاہی۔

”وہ بھی بالکل جائز ملکیت۔“ شائستہ بھابی بھی قریب آ گئی تھی اور ہنس کر کہا۔

”اب ادھر آ ہی گئے ہو تو اندر آنے میں کیا حرج ہے۔ اتنے لوگوں میں ایک نظر خاک اچھی طرح دیکھا ہوگا۔ اب دیکھ لو۔“ بھابی نے شرارت کی تو وہ مسکرا دیا۔ مصطفیٰ نے ان کے عقب میں کمرے میں جھانکا وہاں چند ایک کے علاوہ تقریباً سبھی ہی تھیں۔

”اتنے ہجوم میں؟“

”اوئے...... ہوئے اب زیادہ خوش فہمیوں میں مت پڑ جانا۔ تمہاری بہن نے بلوایا ہے تو ہم رعایت دے رہے ہیں۔ مائنڈ اٹ ابھی صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں۔ علیحدگی میں ملنے کی بات تو رخصتی کے بعد ہی کرنا۔“ بھابی نے اس کے جملے پر گرفت کی تھی عائشہ ہنس دی۔

”اگر میں علیحدگی میں بھی ملنے کی خواہش کروں تو کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ آفٹر آل اب میرے پاس باقاعدہ ملنے کا پرمٹ موجود ہے جس کی ایک چشم دید گواہ آپ بھی ہیں۔“ وہ کون سا کم تھا بھابی کا جملہ ان پر ہی الٹ دیا۔ تبھی لباس چینج کر کے وہ واش روم سے نکلی تھی۔ اس کی لمبی چٹیا پھولوں میں گندھی پشت پر موجود تھی۔ دوپٹے کے تکلف سے بے نیاز عروسی لباس بائیں بازو پر لیے وہ باہر نکلی تو اس بات سے بے خبر تھی کہ مصطفیٰ دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہے۔

چہرے پر اب بھی میک اپ موجود تھا۔ زیورات بھی جوں کے توں تھے بس لباس بدلا تھا۔ سادا سے لباس میں اس سنگھار کے سبب اس کا حسن برقرار تھا۔ مصطفیٰ کی نگاہیں اس کے وجود پر جم سی گئی تھیں۔

”آ جاؤ اب اندر کیا یاد کرو گے کہ ہم نے تمہیں تمہاری دلہن دیکھنے دی ہے؟“ بھابی نے اس کی آنکھوں کی لپک واضح محسوس کی تھی ہلکا سا مسکرا کر شرارت سے کہتے انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ شہوار نے پلٹ کر دیکھا تو ساکت ہوگئی اسے عائشہ کی بات مذاق ہی لگی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مصطفیٰ واقعی یہاں آ جائے گا۔ اس نے فوراً پلٹ کر اسی عروسی جوڑے کا دوپٹا سر پر لیا تھا۔ وہاں موجود سبھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔ انہیں مصطفیٰ کی موجودگی اور شہوار کی بوکھلاہٹ نے بڑا محظوظ کیا تھا۔

”اکیلے ہی آئے ہیں یا باقی ٹیم بھی ہمراہ ہے؟“ صبا نے مسکرا کر پوچھا۔

”اتنا کم عقل نہیں ہے تمہارا بھائی عائشہ نے پیغام دے کر بلوایا تھا وہ بھی شہوار کے کمرے میں۔ دروازے پر ناک کرتے وقت نیند میں نہیں تھے حواس میں تھے کہ یہ شہوار کا ہی کمرا ہے ایسے میں پوری ٹیم کو ساتھ لا کر اپنا چانس مس نہیں کروانا تھا محترم نے۔“ بھابی بھی پوری کائیاں تھیں مصطفیٰ جھینپ کر رہ گیا۔

”مجھے تو خوامخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔ مجھے تو یہی پیغام ملا تھا کہ باجی عائشہ اس کمرے میں بلوا رہی ہیں اور باقی سب کسی اور کمرے میں دلہن سمیت موجود ہیں۔“ مصطفیٰ اب اندر آ گیا تھا آرام سے سینے پر ہاتھ باندھ کر بھابی کے جملے کا جواب دیا۔

”ہاں یہ بہانے تو وہ سچ سمجھیں جو کم عقل ہوں۔“ شہوار ساکت سی تھی وہ نہ پلٹ سکتی تھی اور نہ ہی کہیں اور جا سکتی تھی۔

”دل میں تو یہی خیال لیے اس دروازے تک آئے ہو گے کہ عائشہ تمہیں شہوار سے ملوا رہی ہے۔“ بھابی اتنی جلدی بخشنے والی نہ تھیں۔ سبھی لڑکیاں ہنس دیں۔

”چلیں ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ براہ مہربانی کچھ دیر کے لیے کمرا خالی کر سکتی ہیں آپ لوگ؟“ رخ موڑے کھڑی شہوار کو دیکھتے مصطفیٰ نے ایک دم کچھ سوچ کر کہا تو سبھی چونکیں۔

”نہیں کمرا خالی نہیں کرنا ہم نے۔“ عائشہ نے فوراً انکار کر دیا۔ اس کے پیش نظر شہوار کی ذات تھی۔ یقیناً وہ بعد میں خفا ہوتی۔

”کوئی حرج بھی نہیں۔ ہم کمرا خالی کر دیتے ہیں بے چارے کی خواہش ہے آج کے دن پوری کر دیتے ہیں۔ آؤ شہوار ساتھ والے کمرے میں چلتے ہیں۔“ شائستہ بھابی تو اس وقت پورے موڈ میں تھیں فوراً کانپتی لرزتی شہوار کو بازو میں لیا تھا انا نے ہنستے ہوئے سر تھاما۔ مصطفیٰ کی حالت دیکھنے والی تھی اس نے بڑی بے بسی سے سبھی لڑکیوں کو دیکھا۔ مصطفیٰ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں صبا کو کوئی اشارہ کیا تھا پہلے تو وہ تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی اور پھر شہوار کی طرف بڑھی۔

”شہوار کو رہنے دیں آپ باقی سب کو لے کر نکلیں یہاں سے اب میرا بھائی اس سارے قصے کا برابر کا شراکت دار ہے اگر وہ علیحدگی میں دلہن کو دیکھنا چاہتا ہے تو حرج ہی کیا ہے۔“ صبا نے ان کی گرفت سے شہوار کا ہاتھ نکالا۔

”اوئے ہوئے...... بھائی کی طرف داریاں ابھی باہر جا کر ڈھنڈورا پیٹ دوں تو؟“ بھابی نے دھمکایا۔

”کوئی بات نہیں ہم زاہد بھائی کو بلوا لیتے ہیں وہ آ کر لے جاتے ہیں آپ کو۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو بھابی کی شکل دیکھنے والی تھی۔

”آؤ لڑکیوں چلتے ہیں۔ آج کا دن ویسے بھی اسی کا ہے ایک اور سر خوشی سہی کیا یاد کرے گا۔“ بھابی نے ہنستے ہوئے کہا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”ذرہ نوازی ہے آپ کی۔“ اس نے سر تسلیم خم کیا۔ بھابی سمیت باقی سب بھی ایک ایک کر کے نکل گئی تھیں۔ عائشہ اور انا کے نکلنے کے بعد صبا نے لرزتی کانپتی شہوار کو بڑی شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔ بالکل سادہ سوٹ میں عروسی لباس کا دوپٹا لیے ہوئے بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ صبا نے اس کے ہاتھ سے لباس لے کر بستر پر رکھ دیا تھا۔

”صبا......“ اس نے روہانسے انداز میں اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے مسکرا کر دیکھا۔

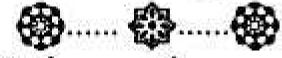
”میرا بھائی اتنا خوفناک نہیں ہے کہ تم اتنا ڈرو۔“ اس نے شرارت کی۔

”ہوئے چلتی ہوں۔ کچھ نہیں کہیں گے بس تھوڑی دیر ٹھہریں گے اور پھر چلے جائیں گے۔ ہم باہر ہی ہیں۔“ اس نے

دھیمے سے اسے تسلی دی اور اپنا ہاتھ چھڑوا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''مصطفیٰ بھائی' دیکھیں خیال رکھیے گا پہلے ہی اس کی طبیعت خراب ہے۔'' جاتے جاتے اس نے تاکید کی تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

صبا باہر نکلی تو مصطفیٰ نے پلٹ کر دروازہ لاک کر دیا۔



وہ عائشہ کے ساتھ مسکراتی ہوئی باہر نکلی تھی مگر ہاتھ میں پکڑے موبائل کی بیل بجنے لگی تو اس نے دیکھا ولید کی کال تھی اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔ اس وقت اس کا اپنا دل بھی ولید کے پاس جانے کو چاہ رہا تھا۔

''جی ولی.....''

''انا یہ میں ہوں احسن! تم ذرا باہر آؤ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' احسن نے کہتے ہی کال بند کر دی تھی۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ عائشہ سے کہہ کر فوراً باہر آ گئی تھی۔ وہ لان سے گزر رہی تھی جب کوئی ایک دم سامنے آیا تھا وہ ایک دم ٹھٹک کر رکی۔

''ک.....کون.....'' شام کا اندھیرا ہر سو پھیل رہا تھا عصر کے بعد نکاح ہوا پھر کھانا کھایا گیا اب تو رات پھیل رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' انا سامنے والے کو دیکھ کر الجھی۔ یہ انہی لوگوں میں سے کوئی لڑکا تھا' رات اور دن میں بھی ایک دو بار دکھائی دیا تھا۔ باقاعدہ کسی لڑکے سے کوئی تعارف تو ہوا نہیں تھا اب ہر کوئی اپنے شوہر یا بھائی کا نام لے کر ذکر کر رہی تھیں اس لڑکے کے بارے میں وہ بے خبر ہی تھی کہ کون ہے۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ باقاعدہ نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔ انا نے ناگواری سے دیکھا۔

''آپ کون.....؟'' اس نے خاندان کا ایسا لڑکا تو کوئی تھا نہیں کہ یوں اچانک روک کر حال چال پوچھتا۔ اب تک تو اچھا خاصا مہذبانہ رویہ رہا تھا' سبھی کا' مہمان سمجھ کر خاصی عزت سے پیش آ رہے تھے۔

''جی حماد.....'' لڑکے نے تعارف کروایا تو بھی وہ اسے دیکھے گئی' تعارف نامکمل سا تھا۔

''آپ کا نام بہت پیارا ہے بالکل آپ کی ہی طرح' بالکل یونیک سا۔ آپ کو پریشان کرنا میرا مقصد نہ تھا' آپ کو ادھر سے گزرتے دیکھا تو روک لیا۔ میں زاہد بھائی کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا انا نے خاصی حیرت اور الجھن سے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود موبائل پھر بجنے لگا تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر فوراً وہاں سے بھاگی تھی۔

''پتا نہیں کیوں روکا مجھے اور نام کی تعریف کا بھلا کیا مقصد تھا؟'' وہ الجھتے ہوئے ولید اور احسن کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ولید تھا نہیں' احسن موجود تھا۔

''خیریت بھائی.....ولید کہاں ہے.....ان کا موبائل آپ کے پاس کیوں ہے؟''

''ولید مصطفیٰ کے بھائیوں کے ساتھ ذرا باہر نکلا ہے' وہ اپنا موبائل یہیں بھول گیا تھا' گھر سے کال آئی تھی پاپا چاہ رہے ہیں کہ ہم فوراً واپس پہنچیں۔'' احسن نے بلانے کی وجہ بتائی تو وہ چونکی۔

''کیوں خیریت؟ ہمارا تو کل کا دن بھی رکنے کا پروگرام تھا نا۔''

''ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' ان کا بی پی کافی شوٹ کر گیا ہے' وہ آج سارا دن اسپتال میں گزار کر آئے ہیں۔'' احسن بتا رہا تھا۔

''اوہ.....''

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہ فوراً فکرمند ہو گئی۔

''پاپا بتا رہے ہیں کہ پہلے سے بہتر ہے مگر وہ ولید اور روشانے کو یاد کر رہے ہیں اور پاپا کا خیال ہے کہ ہم آج ہی واپس آ جائیں۔'' احسن نے مزید بتایا۔

''ولید کو علم ہے؟''

''نہیں ابھی میرے نمبر پر ہی کال آئی تو میں نے اسے کال کی تو پتا چلا کہ وہ موبائل یہیں چھوڑ گیا ہے' روشانے کہاں ہے؟'' انہوں نے مزید پوچھا۔

''پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے رات تک ٹھیک تھی صبح بھی ٹھیک تھی عصر کے بعد سے شدید سر درد ہو رہا تھا اسے' میں نے دوا دی تو لیٹ گئی۔ نکاح کے وقت بھی بس تھوڑی دیر بیٹھی تھی۔ اب بھی سوئی ہوئی ہے۔''

''اوہ.....اچھا ایسا کرو اندر کسی سے مصطفیٰ کے کسی بھائی کا نمبر لے کر ولید کو خبر کرو میں پیکنگ کر لیتا ہوں اتنی دیر میں اور روشانے کی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟'' احسن نے فطری فکرمندی سے پوچھا۔

''بس سر درد ہے۔ اچھا ایسا کریں میں روشانے کو ادھر بھیجتی ہوں خود ہی اس سے بات کر لیں۔ میں بتاؤں گی تو وہ پریشان ہوگی مجھے تو خود سن کر ماموں کی طرف سے اتنی فکر ہونے لگی ہے۔ ماموں کو لے کر تو وہ بہت جلد پریشان ہو جاتی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ اپنے نمبر سے رابطہ نہیں کرنا یہ ولید کا سیل لے جاؤ اسی سے کال کرنا' اوکے۔'' احسن نے اسے ولید کا موبائل تھمایا تو وہ اسے لے کر باہر نکل آئی۔ اب کے اس نے بے پروائی سے گزرنے کے بجائے احتیاطاً اطراف میں دیکھا تھا کوئی نہ تھا اس نے سکون کا سانس لیا۔ اندر آ کر روشانے کو اٹھا کر احسن کے پاس بھیجا اور خود عائشہ سے اس کے بھائی سجاد کا نمبر لے کر اسی کمرے میں آ گئی جہاں روشانے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے سجاد کا نمبر ملایا انہوں نے چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی تھی۔

''السلام علیکم! میں انا بات کر رہی ہوں ولید کی کزن.....ولید اگر آپ کے ساتھ ہے تو اس سے بات کروا دیں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''جی ولید ہمارے ساتھ ہی ہے میں ابھی بات کرواتا ہوں۔'' انہوں نے فوراً ولید کو موبائل تھما دیا۔

''ہیلو کون۔'' وہ لائن پر تھا۔

''میں انا بات کر رہی ہوں۔''

''اوہ.....خیریت؟'' وہ سجاد کے نمبر پر انا کی آواز سن کر چونکا۔

''جی.....گھر سے پاپا کی احسن بھائی کے نمبر پر کال آئی تھی ماموں کی طبیعت تھوڑی سی خراب ہے پاپا کہہ رہے ہیں کہ گھر پہنچیں۔'' اس نے بتایا تو دوسری طرف حسب توقع ولید پریشان ہوا تھا۔

''کیا ہوا ہے بابا کو؟''

''احسن بھائی بتا رہے تھے کہ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا آج سارا دن وہ اسپتال میں رہے ہیں۔ آپ اپنا سیل ادھر ہی چھوڑ گئے تھے اسی لیے عائشہ سے نمبر لے کر اس نمبر پر کال کرنا پڑی۔'' اس نے تفصیلاً کہا۔

''اوکے.....ہم ابھی واپس آتے ہیں۔'' اس نے کال بند کی۔ موبائل ابھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ بجنے لگا۔ ولید

کے موبائل پر کال تھی اس نے اسکرین دیکھی تو وہاں "کیتھی" کے حروف جگمگا رہے تھے انا کے ٹھٹکنے کی بڑی وجہ نام نہیں بلکہ نام کے ساتھ اسکرین پر جلوہ افروز تصویر تھی۔

اس نے کبھی ولید کا موبائل نہیں پکڑا تھا اسے نہیں خبر تھی کہ اس کا موبائل کیسا ہے' کس ماڈل کا ہے اور کس قسم کا ہے؟ مگر اب موبائل پر جلوہ افروز تصویر اسے ساکت کر رہی تھی یہ تصویر کیتھی نام کے نمبر کے ساتھ مخصوص کی گئی تھی۔ بہت ہی خوب صورت امریکن لڑکی' اتنی دلکش تو ضرور تھی کہ وہ اسے دیکھ کر ساکت رہ جاتی مگر اس وقت ساکت ہونے کی اہم وجہ لڑکی کے ساتھ کھڑا ولید تھا جس نے ایک بہت خاص انداز میں لڑکی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کال ریسیو کی تھی۔

"کہاں تھے میں کب سے کال کر رہی تھی۔" امریکن لب ولہجے میں کہتی وہ لڑکی انا کو لڑکھڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ ایک دم بستر کے کنارے گری تھی۔

"ابھی مصطفیٰ سے میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہا تھا کہ تم اس کے نکاح کے سلسلے میں اس کے ہاں آئے ہوئے ہو۔" وہ لڑکی انگلش میں کہہ رہی تھی انا نے خاموشی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ یہ لڑکی کون تھی' اس کا ولید سے کیا تعلق تھا؟ وہ ولید کے ساتھ اس تصویر میں کیا کر رہی تھی وہ گم صم حواس باختہ سی بس کان سے موبائل لگائے سن رہی تھی۔

"ولید...... ویئر آر یو' آر یو لسننگ می؟" وہ کوئی جواب نہ پا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے کال بند کی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سمٹ آئی۔

کال بند ہوتے ہی تصویر غائب ہوگئی تھی مگر انا ابھی بھی اذیت کی گہری کشمکش میں تھی۔ اس نے آج پہلی بار ولید کا موبائل تھاما تھا اور پہلی بار ہی جھٹکا لگا تھا۔ تو کیا ولید اس لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا کوئی اس کے اندر سے پکارا۔ کیا یہ کشش تھی جو اس کو ولید کے سامنے بے مایا کر دیتی تھی اور ولید نے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ولید کے موبائل کو تھاما۔ اس کا موبائل دیکھتے مختلف فنکشنز چیک کرتے مختلف فائلز کھولتے بند کرتے اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ پھر ایک فائل کھولتے وہ ٹھٹکی تھی۔ اس میں مختلف تصاویر تھیں۔

ولید کی مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں' مقامات کی تصاویر تھیں کچھ ماموں اور روشی کے ساتھ بھی تھیں۔ بعض تصاویر کسی پارک کسی جھیل کے کنارے کی تھیں۔ ہر تصویر میں ولید کا ایک الگ انداز تھا۔ ایک خاص اسٹائل میں مگر ہر تصویر میں اس کی شخصیت کی وجاہت و خوب صورتی برقرار تھی اور ایک تصویر دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی یہ وہی تصویر تھی جو کیتھی نام کے نمبر کے ساتھ محفوظ تھی مگر اگلی تصویر ایسی تھی کہ وہ کتنی دیر تک بے حس و حرکت تصویر کو گھورے گئی تھی۔ ولید کی اسی لڑکی کے ساتھ اسی لباس اور ماحول میں کھینچی گئی تصویر تھی مگر تصویر میں یہ خاص بات تھی کہ ولید سر جھکائے لڑکی کا ہاتھ پکڑے اسے کوئی چیز پہنا رہا تھا۔ دونوں کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ انا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے چلے گئے۔ اس سے زیادہ اس کی ہمت نہ تھی کہ وہ کچھ دیکھتی اس نے ایک دم فائلز بند کرتے موبائل ایک طرف ڈال دیا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ پہلے کوئی امید تھی' کوئی آس تھی مگر اب ایک دم لگا کہ جیسے سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ اب کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے خود کو مزید بکھرنے سے بچانے کے لیے واش روم میں بند کر لیا تھا۔

❁......❁......❁

مصطفیٰ دروازہ بند کر کے پلٹا تو وہ اسی طرح رخ موڑے کھڑی تھی۔ سادہ لباس کے اوپر عروسی دوپٹا اوڑھے وہ خاصی دلکش لگ رہی تھی بڑا سا بھاری کامدار دوپٹا بمشکل سر پر ٹکا ہوا تھا۔ اس دن جب وہ اس کے کمرے میں آیا اور اس کا زخم

دیکھا تو بے پناہ غصے میں آ گیا تھا اس کے بعد وہ سیدھا آفس گیا تھا اور ایاز کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہ تھا چند ضربوں سے ہی ادھ موا ہوگیا تھا۔ تب امجد خان اور باقی ساتھیوں نے زبردستی اس پر قابو پاتے اسے ایاز سے دور ہٹایا تھا ورنہ اس دن ایاز اس کے ہاتھوں مر جاتا۔ اس کے بعد دوبارہ امجد خان نے اسے ایاز کے پاس نہیں جانے دیا تھا بلکہ اس وقت بابا کو بلوا کر اسے باز رکھنے کے اقدامات کر دیے تھے ورنہ ایاز کو مار دینے کی تحریک تو ابھی بھی دل میں اٹھتی تھی۔ اس دن کے بعد وہ دانستہ شہوار کے سامنے نہیں آیا تھا یوں لگتا تھا کہ اس کے آنسو اب بھی انگاروں کی مانند سینے پر دہک رہے تھے۔ پھر اگلے دن وہ گاؤں چلی آئی تھی اور اس کے بعد اب سامنا ہو رہا تھا رات تو وہ چادر میں چھپی ہوئی تھی وہ دیکھ ہی نہیں پایا تھا کچھ دیر قبل اگر گھونگٹ الٹا بھی تھا تو دل کو سیری نہ ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے عقب میں آ ٹھہرا تھا۔

"شہوار......" اس نے پکارا تو شہوار نے سر سے سرکتے دوپٹے کو ہاتھ سے تھاما۔ وہ سخت پریشان اور کنفیوز تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ گر جائے گی وہ آہستگی سے رخ بدلے بغیر بستر کے کنارے ٹک گئی۔ بہرحال وہ اس شخص کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ کہاں وہ کوئی بھی بندھن باندھنے کو تیار نہ تھی اور اب ایک نئی حیثیت سے اس کے سامنے تھی۔ خجالت و شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔ نجانے یہ شخص اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟ جی چاہ رہا تھا کہ شرمندگی و خجالت سے مر جائے۔ مصطفیٰ اس کے بیٹھنے پر دوسری طرف ہوتے اس کے ساتھ ہی کنارے پر ٹک گیا۔ اب اس کا رخ مصطفیٰ کے سامنے تھا۔ مصطفیٰ نے چند پل اسے بغور دیکھا۔

"کوئی بات نہیں کرو گی؟" مصطفیٰ نے بہت اپنائیت سے پوچھا تو وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

"آپ جائیں پلیز؟" جھکے سر سمیت اس نے کہا۔

"اگر میں نہ جاؤں تو؟" مصطفیٰ کا انداز فوراً سنجیدہ ہوا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مصطفیٰ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہوار کی آنکھوں میں نمی تھی۔ مصطفیٰ کے دل کو ایک عجیب سے احساس نے چھوا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے فوراً پیچھے کر لیا مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

"شہوار...... یہ تو سب طے شدہ بات تھی' ایک فائنل فیصلہ اب تمہارے اس ری ایکشن کو کیا سمجھوں؟" مصطفیٰ کے لہجے میں برہمی سی تھی۔ شہوار اسی طرح بیٹھی رہی۔

"شہوار" مصطفیٰ ایک دم اٹھا۔

"تم جانتی ہو تمہارے اس طرح کے ری ایکشن اور اس بی ہیویئر سے ہمارے ریلیشن میں کس قسم کے مسائل جنم لے سکتے ہیں۔"

"میں نے کسی کو مجبور نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھ یہ ریلیشن بنائے۔" آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتے شہوار نے حد درجہ تلخی سے کہا تو مصطفیٰ کئی ثانیے اسے دیکھے گیا۔

"مجبوروں کو کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کا مسئلہ کیا ہے۔ آپ کے دل میں جو آتا ہے کریں مگر مجھے اس سے زیادہ کچھ کرنے پر مجبور مت کریں۔ میں پہلے ہی آپ لوگوں کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں مجھ پر مہربانی ہوگی اگر مجھے مزید کسی امتحان کے لیے نامزد نہیں کریں گے تو۔" شہوار کے لہجے میں تلخی کے ساتھ ساتھ تنفر بھی تھا۔

"شہوار......" مصطفیٰ نے غصے سے ٹوکا۔

"مجھے اندازہ تھا تمہاری مینٹلی ایبلیٹی کا مگر افسوس ہو رہا ہے کہ تم ہماری محبتوں کو غلط رنگ دے رہی ہو۔" مصطفیٰ نے

تاسف سے کہا تو اس نے بہت برہمی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''جب آپ کو میری مینٹلی ایبلیٹی کا اندازہ تھا تو پھر اس آزمائش گاہ میں کیوں لا کھڑا کیا' نہیں چاہیے تھیں مجھے ایسی محبتیں جس میں میری ذات کا سارا فخر' سارا مان' سارا غرور کسی کے احسانوں تلے دب جائے اور میں ساری عمر کسی کے سامنے سر اٹھا کر جینے کی خواہش نہ کرسکوں۔'' وہ پھٹ ہی پڑی تھی۔

''شٹ اپ شہوار۔'' مصطفیٰ نے درشتی سے اسے ٹوکا۔

''یہ تمہارا ذہنی کمپلیکس ہے بس' ورنہ ہم آج بھی وہی ہیں اور ہمارے رویے بھی۔'' مصطفیٰ نے بمشکل اپنے اندر سے اُمڈتے شدید غم و غصے کو روکتے بظاہر ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔

''تمہیں ہم نے مجبور نہیں کیا تھا تم انکار کردیتی یہ تمہارا رائٹ تھا۔ زبردستی پھر کوئی تمہیں مجبور نہیں کرسکتا تھا کہ تم یہ ریلیشن بناتی۔''

''مجھے اب آپ سے یا کسی سے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا۔ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ آئندہ میرے سامنے نہیں آئیں تو؟'' شہوار نے صاف اور واضح الفاظ میں جتایا تھا۔ مصطفیٰ کا احساس توہین سے ایک دم چہرہ سرخ ہوا تھا۔ کتنی واضح نفی کی گئی تھی اس سے متعلق رشتے اور تعلق کی۔ وہ جتنا بھی برداشت کرتا مگر اب بات اس کی ذات کی تھی وہ ایک دم اس کی طرف بڑھا تھا۔ بہت برہمی سے اس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تو اس کا دوپٹا سر سے پھسل گیا تھا۔

''جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو تم؟'' بہت پتھریلے لہجے میں کہتے مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا تھا۔ کانچ سی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی۔

''میری امی اور آپ کے بڑے جو بھی چاہتے تھے وہ ہوچکا آپ نہ میری ذہنی حالت سے بے خبر ہیں اور نہ میرے اندر پلتے کمپلیکسز سے' پھر فائدہ ایک دوسرے کے سامنے آنے یا بات کرنے کا۔ آنٹی اور انکل کو پتا تھا کہ میں ان کے سامنے انکار نہیں کرپاؤں گی انہوں نے صرف مجھے فیصلہ سنایا تھا میری مرضی نہیں پوچھی تھی ورنہ میں انکار کردیتی۔'' مصطفیٰ اس قدر واضح اور صاف انکار سن کر کئی پل تک ساکت رہا تھا۔ کتنی توہین کی بات تھی کہ ایک لڑکی ہو کر وہ اسے رد کر رہی تھی۔

''یہ ایک بے جوڑ رشتہ تھا ہے اور رہے گا نا آپ کی مالی و نسبی حیثیت کو چیلنج کرسکتے ہیں اور نا ہی میری زندگی میں در آنے والے اس احساس کمتری کو آج میرے سامنے ایک سوالیہ نشان ہے کہ میرا ننھیال و ددھیال کون ہے' کہاں ہے کیا آپ کے پاس کوئی گارنٹی ہے کہ آپ اپنی آنے والی نسلوں کو اس احساس کمتری سے بچاسکیں گے۔ اگر کسی دن آپ کے سامنے کسی اور نے سوال کیا کہ میں کس خاندان کس باپ کی اولاد ہوں تو کیا آپ کے پاس کوئی جواب ہوگا؟'' مصطفیٰ کی برہمی نے اسے اور زیادہ آتش فشاں بنا ڈالا تھا۔

''اوہ یو شٹ اپ۔'' مصطفیٰ نے ایک دم گہرے غضب اور تناؤ کا شکار ہوتے اسے بستر پر دھکیل دیا تھا۔ وہ منہ کے بل بستر پر گری تھی۔ عروسی دوپٹا کندھے سے لڑھکتا سائیڈ پر گرگیا تھا لمبے بالوں کی چٹیا بستر پر لٹک گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی وہ بستر پر گر کر سسک اٹھی تھی۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔

''ہر رشتے کی بنیاد محض مالی و نسبی معیار پر نہیں ہوتی' کچھ رشتے دل سے بنتے ہیں خلوص' محبت' چاہت اور وفا سے بننے والے یہ رشتے مالی و نسبی معیار سے بلند تر ہوتے ہیں۔ تابندہ بوا سے بننے والا یہ رشتہ انہی بنیادوں پر تشکیل پایا تھا۔''

بہت غضب سے اِدھر سے اُدھر ٹہلتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔

''آپ کہہ سکتے ہیں آپ کے پاس سب کچھ موجود جو ہے' کبھی آپ وہ ذلت وہ پشیمانی سہہ کر دیکھیں جو میں نے سہی ہے عادلہ بھابی اور ایاز جیسے لوگ محض کسی کی صورت دیکھ کر اس کی زندگی عذاب بنانے کو آ موجود نہیں ہوئے آج میرے پاس ایک اعلیٰ خاندان کا حوالہ ہوتا' تو کس کی مجال تھی جو میرے پیچھے آتا اور یہ تعلق اس کو کیا نام دوں محض ایک مجبوری آج آپ کو پتا چلے کہ سکندر علی کے نام کا حوالہ کچھ بھی نہیں تو آپ کو خود بھی اس تعلق پر ندامت محسوس ہوگی۔'' مصطفیٰ نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے اشتعال کو اپنی مٹھیاں بھینچ کر کنٹرول کیا ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اس بدتمیز لڑکی کو ضرور کچھ کہہ دے۔ وہ تو نجانے کن احساسات کے تحت ادھر تک آیا تھا مگر اب لگتا تھا دل میں موجود تمام جذبات بجھ گئے ہیں بالکل نیست و نابود ہوئے تھے۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' اپنے اوپر قابو پاکر بہت سرد انداز میں پوچھا۔

''آپ یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ مجھ سے کلام مت کیجیے گا۔ آپ جب جب میرے سامنے آئیں گے مجھے اپنے نقصان کا شدید احساس ہوگا۔'' شہوار کا انداز دوٹوک تھا بہت سخت اور تنفر بھرا۔

مصطفیٰ نے ایک دم بغیر کچھ کہے' فوراً باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ اس قدر واضح توہین اور نفی کے بعد وہ اب وہاں رکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ باہر نکل کر اس نے اپنے پیچھے بڑے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

ان لوگوں کے جانے کا سن کر بھی افسردہ ہوگئے تھے مگر ان کی مجبوری تھی وہاں سے یہ لوگ آٹھ بجے نکلے تھے حویلی کی خواتین سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی بس مہرالنساء بیگم سے مل کر وہ دونوں آگئی تھیں شہوار بھی افسردہ تھی اس کی والدہ سے ملاقات نہ ہوسکی تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ بھی ولید اور احسن کو اللہ حافظ کہتے خاموش ہی تھا۔ ورنہ ان سب کا پروگرام تھا کہ یہ چاروں ایک دن مزید تو ضرور رکیں گے۔ ان کی مجبوری جان کر کسی نے بھی مزید رکنے پر اصرار نہ کیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ احسن بھائی نے سنبھال لی تھی۔ آتے وقت تو وہ خفا تھی مگر اب واپسی پر انا بالکل گم صم تھی۔ روشانے نے کئی بار پکارا مگر وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

''یہ انا کو کیا ہوا ہے اس کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' ڈرائیونگ کرتے احسن نے پوچھا۔ مگر وہ ہنوز آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ اس کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ کسی کونے میں بیٹھ کر خوب سارا رونا چاہتی تھی اپنے دل کی حالت اپنی بے بسی پر خوب ماتم کرنا چاہتی تھی مگر موقع نہیں مل رہا تھا ایسے میں آنکھوں کی طغیانی کو چھپانے کا ایک ہی حل تھا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔

''تھک گئی ہوگی' نیند آرہی ہوگی۔'' روشانے نے کہا تو وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ ولید نے بھی بیک ویو مرر سے دیکھا گاڑی کی روشنی میں وہ واضح تو نہ دیکھ سکا مگر اس کی پلکوں کی حرکت سے نوٹ کرلیا کہ وہ جاگ رہی ہے۔

''کیسا رہا فنکشن' انجوائے کیا تم نے۔'' ولید نے بہن سے پوچھا۔

''ہم اچھا تھا' خاصے اچھے پرخلوص اور ملنسار لوگ ہیں۔ بہت مزہ آیا۔ بس یہ ہوا کہ ایک دم میرے سر میں شدید درد ہونے لگا میں ٹیبلٹ کھا کر سوگئی تھی۔ نکاح کے وقت تھوڑی دیر جاگی کھانا کھایا اور پھر لیٹ گئی تھی۔ مجھے جو کمرہ رہنے کو دیا گیا تھا ادھر ہی رہی ہوں گھومی پھری نہیں ہوں ہاں انا نے خوب انجوائے کیا ہے یہ شہوار کے ساتھ ہی رہی تھی۔''

''ہوں......'' ولید نے سر ہلایا۔

"اور آپ لوگوں نے؟" آپ دونوں تو اندر آئے ہی نہیں تھے سارا وقت دوسری طرف مردوں والے حصے میں ہی رہے تھے۔"

"بھئی ہم لوگ تو یہاں مہمان تھے کون سا ان کی فیملی کے ممبرز تھے جو دندناتے پھرتے ہر جگہ جا گھستے۔ ان لوگوں نے کئی بار اندر چلنے کو کہا تھا مگر ہمیں اچھا نہیں لگا۔ ہاں نکاح کے وقت سارا ٹائم میں اور احسن مصطفیٰ کے پاس ہی رہے تھے کھانا بھی اکٹھے کھایا تھا اس کے بعد ان لوگوں کے خاندان کی عورتیں اندر آنا شروع ہوئیں تو ہم وہاں سے نکل آئے تھے۔" ولید نے تفصیلاً بتایا۔

"خاصی روایتی قسم کی فیملی ہے۔" احسن نے تبصرہ کیا۔

"ہوں......"

"آپ دونوں نے مصطفیٰ بھائی کی دلہن دیکھی؟" روشانے نے مزید پوچھا۔

"نہیں اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ویسے کیسا عجیب اتفاق ہے یہ شہوار انا کی دوست ٹھہری ایک بار انا کو کالج سے پک کرتے ملا تھا مگر تب وہ خاتون چہرہ چھپائے ہوئے تھیں۔ ان کے بعد ایک بار انا کے موبائل پر بات بھی کی تھی اس کے علاوہ موقع ہی نہیں ملا دیکھنے یا ملنے کا۔"

"شہوار بہت پیاری لڑکی ہے جب بھی اس سے ملی ہوں عجیب سی فیلنگز ہوتی ہیں ویسے شہوار کی والدہ سے باقاعدہ ملاقات نہیں ہوسکی ایک دفعہ آتے جاتے دیکھا تھا۔ خاصی سوبر سی خاتون لگی ہیں مگر ساری تقریب میں بہت کم ان رہی ہیں وہ زیادہ تر اپنے مہمانوں میں، کمرے یا کچن میں مصروف رہی ہیں۔ ہم سے تو ملی بھی نہیں براہ راست تعارف کا موقع ہی نہیں ملا ہاں آتے جاتے دیکھا ضرور ہے۔"

"کیوں کیا کچھ مغرور ہیں؟" احسن نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"نہیں...... دور سے ہی سرسری سا دیکھا ہے ایسی خاص مغرور تو نہیں لگیں ہاں خاموش اور کم گو ضرور لگی تھیں۔ زیادہ تر کسی نہ کسی کام میں بزی دکھائی دی تھیں۔"

"چلو چھوڑو ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے بھی۔ مجھے تو بابا کی فکر ہو رہی ہے گھر میں تم تو ہر وقت ان کا خیال رکھنے کو موجود ہوتی تھی اب نجانے ایسا کیوں ہوا ہے کہ بی پی اس حد تک شوٹ کر گیا اور نوبت اسپتال لے جانے تک پہنچ گئی تھی۔" ولید متفکر تھا جبھی بیک ویو مرر پر یونہی نگاہ پڑی تو چونکا۔ اسے لگا کہ انا نے بہت آہستگی سے غیر محسوس انداز میں اپنے رخسار صاف کیے تھے یوں وہ جیسے روئی تھی۔ اس کے اندر کچھ ہوا وہ فوراً پلٹا تھا۔

یہ اس قدر زندہ دل لڑکی ایک دم بیٹھے بٹھائے نجانے کیوں اس قدر رنجور اور نڈھال سی لگنے لگتی تھی۔ نجانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ کوئی وجہ تو تھی؟ کوئی ایسی بات یا کوئی سنگین دکھ جو اسے اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا۔ اس طرح کہ آنکھوں سے آنسو بہتے تھے مگر وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ کسی کے سامنے رو نہیں سکتی تھی۔ ولید کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا تھا۔

"انا......؟" وہ پچھلی طرف مڑ گیا تھا وہ خاموش رہی تھی۔

"انا......" اس نے دوبارہ پکارا تو اس کی آنکھوں میں جنبش ہوئی۔ صرف پلکیں لرزیں تھیں۔

"ہوں......؟"

"سو رہی ہو کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں۔" انداز ہنوز وہی تھا اسی طرح آنکھیں بند تھیں۔ گویا وہ کسی سے بھی کلام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ولید کو لگا کہ وہ بولنا نہیں چاہتی اگر وہ بولے گی تو سب کے سامنے رو دے گی اور اس وقت وہ رونا نہیں چاہتی تھی تو سونے کا بہانہ کر رہی تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی وہ کون سی بات، کون سا دکھ تھا جو اسے رلا رہا تھا۔

ولید نے بہت ضبط سے خود پر کنٹرول کیا۔ وہ اس کی پھوپی زاد تھی کوئی غیر نہ تھی اگر کوئی غیر ہوتی تو بھی اس کا دکھ بانٹنے کی کوشش کرتا۔ نجانے کیا بات تھی کہ وہ اسے یوں بکھرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اسے جھنجوڑ کر رکھ دے اور اس کو اس حد تک مجبور کرے کہ جب تک وہ اس کے سامنے دل کی بات نہ کہہ لے اپنا دکھ نہ آشکار کر لے وہ اسے چھوڑے نہیں مگر یہ تو دکھ تھا کہ وہ اس سے کیا کسی سے بھی اپنے دل کی بات کہنے کو تیار ہی نہ تھی اپنے دل کا درد کھولنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ ولید نے بہت دکھ سے چہرہ واپس موڑتے اندھیرے میں نظریں گاڑھ دی تھیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

تابندہ بی کو بخار تھا پچھلے تین چار دن سے وہ مسلسل جس طرح مصروف رہی تھیں اس سے ان کی طبیعت مزید بگڑ گئی تھی اوپر سے شہوار کی ناراضی کی ٹینشن، وہ خفا تھی ان سے بات تک نہیں کر رہی تھی ان کے لیے یہ اور بھی اذیت بھرے لمحات تھے۔ کل جس طرح شہوار نکاح کے وقت ٹوٹ کر بکھری تھی ایک لمحے کو انہیں لگا تھا کہ یہ اتنا بڑا انتہائی قدم اٹھا کر انہوں غلط کیا ہے؟ انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ ایک عمر گزاری تھی اب یہ لوگ ان پر اعتبار کرتے تھے انہوں نے جو بتا دیا تھا وہی سب جانتے تھے اور شاہزیب بھائی ماضی میں بھی اتنے اعلیٰ عہدے پر ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ان کی ذات کو نہیں کریدا تھا۔ کبھی ثبوت نہیں مانگے تھے۔ انہوں نے سب کو جو بتا دیا تھا سب نے اس پر ہی یقین کر لیا تھا اور کبھی کسی کو حقیقت پتا چل گئی تو؟ تابندہ بی کا دل کانپ اٹھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے شہوار کا معصوم چہرہ گھوم گیا۔ وہ تو جیتے جی مر جائے گی۔ وہ بلک بلک کر روتی لڑکی عین نکاح کے وقت ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی اور اس کے بعد تابندہ بی کو لگا تھا کہ وہ کبھی خود سے بھی نگاہیں نہ ملا پائیں گی۔ برسوں کی ریاضت ضائع ہوتی لگ رہی تھی اور یہ خاندان ان لوگوں نے ان کو اس قدر عزت دی تھی محبت، خلوص، وفا ایثار کا رشتہ بنایا تھا اور انہوں نے بھی ان کا اعتبار حاصل کرنے کے لیے ایک عمر لگا دی تھی اور اگر کسی دن حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آ کھڑی ہوئی تو کیا وہ پھر ان کا اعتبار کریں گے؟ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔

ان کے دل کو پتنگے لگ گئے تھے وہ نکاح کے بعد سے تقریباً کمرے میں بند تھیں اور اس سے پہلے تک انہوں نے خود کو کچن اور باہر کے کاموں کی حد تک مخصوص کر لیا تھا کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے کس نے شرکت کی ہے انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ تو بس غائب دماغی سے چل پھر رہی تھیں اور گزری رات نے ان کی ساری ہمت نچوڑ لی تھی۔ اور بابا صاحب جو جس امتحان سے گزر رہے تھے ان کی وہ اذیت، ان کے خوابوں کی وہ حقیقت وہ تو سب کچھ جانتی تھیں اور جان بوجھ کر انجان بن رہی تھیں۔

"کیوں......؟" کوئی ان کے اندر سے چیخا۔

"تو کیا مجھے شہوار کو سب بتا دینا چاہیے۔ اسے بتا دینا چاہیے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے اس کا باپ کون ہے اور...... اور میں کون ہوں؟" ان کے اندر اس سوال کے ساتھ طوفان سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں لگا کہ ان کے بستر پر انگارے دہک اٹھے ہوں۔

اور اگر ساری حقیقت جان کر اس خاندان نے کچھ بھی قبول نہ کیا مجھ جیسی بے سہارا عورت کو پناہ دینا تو دوسری بات

ہے اگر سب کو علم ہوگیا کہ شہوار کون ہے اس کا باپ کون ہے اور میں اس حویلی میں کس مقصد کے تحت آئی تھی تو کیا یہ قبول کرلیں گے۔ شہوار کو سب جان کر اتنی اعلیٰ ظرفی سے دوبارہ قبول کریں گے۔" وہ نہایت بے قراری سے بستر سے اتری تھیں مگر انہیں لگ رہا تھا کہ ان کا سر چکرا رہا ہے۔ دل کانپ رہا ہے اور ان کے پیروں سے زمین کھسک رہی ہے۔

"نہیں...... مصطفیٰ قبول نہیں کرے گا وہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔" ان کے اندر کا خوف چیخیں مار مار کر کہنے لگا۔ وہ رو رہی تھیں۔

"ہائے...... یہ میں نے کیا کردیا شہوار تو مر جائے گی۔" یہ خیال ایسا تھا کہ ان کا دل بالکل بند ہونے لگا۔ ان کو لگا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا چھا گیا ہے اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتیں وہ مسلسل ذہنی اذیت اور ٹینشن کے سبب بے ہوش ہوکر گر گئی تھیں۔



"وہ لڑکا کون تھا؟" بابا صاحب اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر ان کی نگاہوں کے سامنے کل والے نوجوان کی تصویر آ ٹھہری تھی۔ اونچا لمبا نہایت خوب صورت وجیہہ اور شاندار سا لڑکا اور اس کے ساتھ ایک اور نوجوان یہ دونوں مصطفیٰ کے شہری مہمان تھے ان دونوں کو دیکھتے خصوصاً اس لڑکے کو دیکھنے کے بعد وہ کئی لمحوں تک بے حواس سے رہے تھے گم صم اور سوچوں میں غلطاں۔

"تم زندہ ہوتے تو میں سمجھتا کہ تم میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو ہاں میں مان بھی لیتا کہ یہ تم ہی ہو اگر درمیان میں سالوں کا یہ طویل فاصلہ نہ ہوتا۔" وہ اپنے تصور میں کسی سے ہم کلام تھے۔

"مجھے تو ازالے کا موقع بھی نہیں ملا میں تو اپنی جلائی پچھتاوؤں کی آگ میں خود ہی جل کر مر رہا ہوں۔ راکھ ہو رہا ہوں مگر کوئی شنوائی ہی نہیں۔" انہوں نے بہت دل گرفتگی سے اپنے دل کو سنبھالا۔

"آہ......" ان کے ہونٹوں سے یہ آہ جاری ہوئی تو لگا کہ وہ ابھی چیخ چیخ کر رونے لگیں گے گریبان چاک کرکے باہر نکل جائیں گے۔ بالکل دیوانے ہوجائیں گے۔

"یہ میں کس امتحان میں پھنسا ہوا ہوں یا اللہ اگر یہ آزمائش ہے تو عمریں بیت گئی ہیں اس آگ میں جلتے اب تو معاف کردے۔ وہ مر گیا تھا میں نے صبر کرلیا تھا اس کا سارا گھر اجڑ گیا تھا یہ بھی مان لیا تھا اپنے گناہوں کا بوجھ خود ہی اٹھائے پھرتا ہوں اور ندامت کا عالم یہ ہے کہ کسی سے کہنے سے ڈرتا ہوں۔" وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔

اس اونچے لمبے خوب صورت نہایت باوقار نوجوان نے انہیں پھر سے ایک جان لیوا عذاب نما اذیت سے دوچار کردیا تھا۔

"اپنی لغزشیں اپنی غلطیاں اسی عمر میں اپنی اولاد اور اس کی اولاد کے سامنے کیسے بیان کردوں کہ مجھ سے جوانی میں ایک گناہ سرزد ہوا تھا اور اس گناہ کی پاداش میں آج بھی اپنی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائے چلتا ہوں۔ سب مر گئے مگر میں زندہ ہوں کوئی معاف کرنے والا نہیں کہ سوچوں کہ نزع کے عالم میں کوئی معاف کردے گا اور مجھ بوڑھے پر تو کئی سالوں سے اک مسلسل نزع کا عالم طاری ہے اور کوئی نظر نہیں آتا کہ اس سے معافی مانگوں۔" ان کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ وہ جو پچھلے دنوں اسپتال سے آنے کے بعد کچھ سنبھل رہے تھے ایک دم پھر بکھرنے لگے تھے اور اس بار انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اب اتنی جلدی سنبھل نہ پائیں گے۔



وہ لوگ رات گئے واپس لوٹے تھے۔ تب تک ماموں سو چکے تھے وہ ماموں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی جبکہ روشانے اور ولید ان کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔ دونوں باپ کو دیکھ کر خاصے پریشان ہوگئے تھے۔ انا کی باقی ماندہ رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ صبح وہ ناشتا کیے بغیر کالج چلی گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ وقت اپنوں سے اور اپنی ذات سے نکل کر اپنی سوچوں سے بے نیاز ہوکر گزار لے تو شاید سنبھل جائے۔ شہوار کے بغیر تو کالج میں ویسے بھی دل نہیں لگ رہا تھا مگر آج تو حد ہی تھی اس کے باوجود وہ سارا دن کالج میں رہی تھی وقت پر گھر لوٹی تھی۔ چینج کر کے برائے نام کھانا کھا کر ماموں کے کمرے میں آئی تو وہاں ولید اور روشانے دونوں موجود تھے۔ روشانے ماموں کو زبردستی جوس پلا رہی تھی جبکہ ولید ان کے قریب بستر پر بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا بڑا گھریلو سا ماحول تھا اور بڑا محبت سے لبریز انداز۔

"ادھر کیوں کھڑی ہو...... آؤ نا؟" ماموں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ اندر بڑھ آئی۔

"تم تو نظر ہی نہیں آئی سارا دن؟" وہ ان کے بستر پر پاس بیٹھی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نہایت شفقت سے پوچھا۔

"کالج چلی گئی تھی۔" اس نے سنجیدگی سے بتایا تو ولید نے دیکھا وہ خاصی بے زار اور گم صم لگ رہی تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے یونہی پوچھا۔

"شکر ہے میں ٹھیک تھا بس تم تینوں کو مس کر رہا تھا یہ تو صبوحی ایک دم پریشان ہوگئی تھی تو وقار میرے منع کرنے کے باوجود اسپتال لے گیا۔ بالکل ہٹا کٹا ہوں مگر انہوں نے ایک نہ چلنے دی بمشکل سارا دن گزار کر واپس آیا تھا۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"ہم پہلی بار تو جدا نہیں ہوئے تھے پچھلے دو سالوں سے آپ ہم سے دور پاکستان میں ہی تھے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے بہت بے پروا ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے اتنی جلدی طبیعت خراب کرلیتے ہیں۔" روشانے نے کہا تو وہ ہنس دیے۔

"تم لوگوں کا فنکشن خراب کردیا میں نے؟"

"نہیں...... وہ تو ہمیں واپس آنا ہی تھا کل رات نہ آتے تو آج رات آجاتے مگر مجھے دکھ ہوتا ہے جب آپ اپنی طرف سے یوں بے پروائی برتتے ہیں پھپھو اور انکل خوامخواہ آپ کو اسپتال لے کر نہیں بھاگے ہوں گے کوئی شدید ٹینشن ہوگی تو لے کر گئے ہوں گے۔" ولید نے بھی سنجیدہ انداز میں کہا تو انہوں نے مسکراتے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب کرلیا۔

"کہا ناں کہ کوئی ٹینشن نہیں بس تم لوگوں کی فکر تھی۔" ان کے انداز میں بے پناہ محبت تھی انا کو رشک نے آ لیا۔

"ہم کوئی کوہ قاف نہیں گئے تھے کہ جہاں سے ہماری واپسی ناممکن تھی۔" ولید نے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم دونوں کو میں نے بڑی مشکل سے پالا پوسا ہے اس مقام پر لایا ہوں اب اک ذرا سا بھی وہم ہو تو دل رکنے لگتا ہے۔" وہ ایک دم ٹینشن میں آئے تھے۔ ان کے اعصاب کھنچ گئے تھے۔

"کیسا وہم؟" روشانے نے چونک کر پوچھا۔

"بوڑھا ہوگیا ہوں بڑھاپے میں عجیب سے وہم ستاتے ہیں اب لگتا ہے کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ اتنی

ناراضگی سے کہ آوازیں بھی دوں گا تو تم دونوں لوٹو گے نہیں۔" ان کا انداز عجیب سا تھا انا اور دونوں نے خاص چونک کر انہیں دیکھا۔

"حد ہوتی ہے الٹی سیدھی باتیں سوچتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں آپ کو چھوڑ کر جائیں گے۔ روشی کی شادی احسن کے ساتھ ہو رہی ہے ہمیشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ رہ گیا میں تو میں تو ہمیشہ آپ کے پاس ہوں آپ کے ساتھ۔"

"تم بھی جان جاؤ تو میرے دل میں جو ایک خوف ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ دیکھو عمر کا کوئی بھروسہ نہیں کب یہ نقدی ختم ہو جائے۔ میں نے زندگی میں بہت کچھ جھیلا اور برداشت کیا ہے۔ صرف ایک آس تھی ایک امید تھی جو جینے کے لیے کافی تھی۔ مگر اب اس مقام پر آ کر لگنے لگا ہے کہ جیسے میں نے کبھی کچھ پایا ہی نہیں جو پایا ہے وہ بھی ایک دن کھو دوں گا۔ روشانے کو تو بیاہ دوں گا مگر تمہارے چھن جانے کا خطرہ رہے گا۔ اپنے باپ کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے کیا؟" روشانے اور ولید ان کی خواہش کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے سو سمجھ رہے تھے جبکہ انا سرے سے بے خبر تھی وہ بس ناسمجھی سے سب سن رہی تھی۔

"آپ ایسی باتیں مت کیا کریں انشاءاللہ کچھ نہیں ہوگا آپ کو ہزاروں سال جینا ہے ہمارے لیے۔ روشی کے لیے ہم سب کے لیے۔ آپ ایسی باتیں مت سوچا کریں۔ یہ بالکل سارا دن گھر بیٹھنے کا نتیجہ ہے آپ کل سے میرے ساتھ آفس چلیں۔ وہاں جا کر بھلے کچھ نہ کریں مگر دھیان تو آپ کا بٹ جائے گا ناوہم کا کوئی علاج نہیں ہوتا اور آپ کا پرابلم یہ ہے کہ آپ لاتعداد بے معنی اوہام کا شکار ہیں۔" ولید نے سرے سے ہی ان کی خواہش کو ایک طرف کرتے بہت محبت سے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

کاش وہ اپنے دل میں پلتے خوف کو اس سے بیان کر سکتے۔ وہ بتا سکتے کہ وہ کس طرح ایک مسلسل کرب اور اذیت سے دوچار ہیں۔ بس اب تو ان کی یہی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح روشانے اور احسن کے بعد ولید اور انا کی بھی شادی کر دیں۔ اسی بہانے ولید ان سے دور نہیں جا سکے گا اور اگر کبھی دور ہوا تو انا کے بہانے ان سے ملنے کا سبب تو بنا رہے گا مگر وہ اس کو مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ محض خوف میں لپٹی اپنی خواہش بار بار بیان کر سکتے تھے سو اب بھی کر دی تھی مگر ہمیشہ کی طرح وہ ایک بار پھر ٹال گیا تھا۔

"مصطفیٰ کیسا ہے؟ دلہا بن کر تو بہت اچھا لگ رہا ہوگا؟" انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا ورنہ انا کے سامنے اسے بات سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

"مصطفیٰ کی تو کیا بات ہے؟" دلہا بن کر تو کیا شان تھی اس کی بالکل پرنس چارمنگ لگ رہا تھا۔ بہت ڈیسنٹ اور بہت خوب صورت۔" ولید نے ہنس کر بتایا۔

"میں نے تصاویر بنائی ہیں ٹھہریں میں آپ کو دکھاتا ہوں۔" ولید نے ہاتھ مار کر اپنی جیبیں ٹٹولی تھیں اور پھر سامنے والی جیب سے اپنا موبائل نکال لیا تھا۔ ٹچ سسٹم والا یہ موبائل جدید ٹیکنالوجی پر مشتمل تھا۔ تقریباً پورا کمپیوٹر فیڈ تھا اس میں۔

"یہ دیکھیں مصطفیٰ ہے۔" اس نے ایک تصویر نکال کر باپ کے سامنے کی تھی۔

"یہ اس کے والد ہیں۔ یہ دونوں اس کے بھائی عباس اور سجاد ہیں۔ یہ بہنوئی ہیں آفاق اور عدیل یہ کزنز ہیں۔" وہ ایک ایک کر کے انہیں ساری تصاویر دکھا رہا تھا ایک تصویر پر آ کر وہ رکے تھے۔

"یہ......یہ کون ہیں؟" ولید تصویر کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"یہ مصطفیٰ کے بابا صاحب ہیں یعنی دادا جان۔"

"دادا جان مصطفیٰ کے دادا ابھی حیات ہیں کیا؟" تصویر کو بغور دیکھتے انہوں نے پوچھا۔

"مجھے ان سے مل کر بڑا اچھا لگا تھا۔ خاصے زبردست انسان ہیں اس عمر میں بھی بڑے ذمہ دار ہیں۔ سب فیصلے خود ہی کرتے ہیں۔ مصطفیٰ کا نکاح بھی انہی کے فیصلے کے تحت ہوا ہے ویسے مجھے دیکھ کر ایسے لگا کہ وہ کچھ چونک گئے تھے ان کا ساکت ہو کر کچھ دیر بغور دیکھتے رہنا میں نے واضح محسوس کیا تھا۔" ضیاء صاحب کے ہاتھ میں موبائل لرز گیا تھا جو ولید نے فوراً تھام لیا۔

"کیا......؟" ان کا رنگ ایک دم سفید ہوا تھا۔

"جی......بالکل۔"

"کیا نام ہے ان کا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"آئی تھنک چوہدری حیات علی نام ہے۔" ولید نے بتایا تو ان کا سانس بحال ہوا وہ قدرے پرسکون ہوئے۔ انہوں نے اپنے ذہن کو دوڑایا اور دور تک انہیں اس نام کا کوئی شخص یاد نہ آیا۔

"مصطفیٰ نے ہمارا تعارف کروایا تو انہوں نے مجھ سے میرے والد کا نام پوچھا تھا۔"

"پھر......تم نے کیا بتایا؟" وہ ایک دم پھر گم صم ہوئے تھے۔

"بھئی جو آپ کا نام تھا وہی بتایا تھا مگر وہ پھر بھی مجھے دیکھتے رہے تھے اور جب تک میں وہاں رہا تھا محسوس کرتا رہا کہ ان کی نگاہیں مجھ پر ہی تھیں۔" ولید نے ہنس کر کہا تو روشانے بھی ہنسی۔

"ہاں جی شہزادہ عالم جیسی پرسنالٹی رکھتے ہیں نا جو بھی دیکھتا ہے دل تھام کر رہ جاتا ہے۔" بابا بھی ہنس دیے۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں میرا ولید تو لاکھوں میں ایک ہے۔" ولید بابا کے اس انداز پر ایک دم جھینپا تھا۔ روشانے نے شرارت سے گلا کھنکارا جبکہ انا اسی طرح سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

"بابا ایک بات پوچھوں؟" کچھ سوچتے ولید نے کہا۔

"ہاں پوچھو؟" وہ اب موبائل میں مزید تصویریں دیکھ رہے تھے نکاح کے وقت کی کئی تصویریں تھیں۔ مصطفیٰ کے نکاح پر دستخط کرتے وقت کی مختلف لوگوں سے گلے ملتے وقت کی کھانا کھاتے وقت کی۔ وہ دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"ہماری امی کا تعلق کس خاندان سے تھا؟" ولید کا سوال اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ موبائل ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر جھولی میں جا گرا تھا۔

"تم نے یہ سوال کیوں پوچھا؟" وہ حیرت زدہ تھے۔ ان کے اندر اذیت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر وہ ضبط کیے بیٹھے رہے اور پھر کچھ دیر بعد سنبھل کر پوچھا۔

"کل تک مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر کل وہاں جا کر اتنے لوگوں میں کچھ وقت گزار کر مجھے لگا کہ ہماری زندگی میں کوئی چیز کم ہے۔ ہمارے بھی اپنے رشتہ دار ہوں گے ایسے ہی پیارے اور خوب صورت رشتے دار وہاں پل پل وقت گزارتے محسوس ہوا کہ ہم ایک عجیب سی زندگی گزار رہے تھے جس کا مدار آپ اور صرف پھپھو کی فیملی تک ہی ہے۔"

"ولید کیا میں نے کبھی کہیں کوئی کمی آنے دی ہے جو تم یہ سب پوچھ رہے ہو؟" وہ ایک دم بہت ہی زیادہ نڈھال لگنے لگے تھے۔ روشانے نے ایک دم ولید کا ہاتھ تھام کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"دفع کریں بابا اس سارے سلسلے کو ہماری ماما کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ہی سارے رشتے ختم کیے تھے جب کسی کو ہماری پروا نہیں تو ہم کیوں کسی کے بارے میں جاننے کی جستجو کریں۔ ہمارے لیے بس آپ اور پھپو کی فیملی ہی کافی ہے باقی کسی تعلق، کسی رشتے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔" روشانے نے فوراً بہت محبت سے کہتے باپ کے کندھے سے لگ کر انہیں احساس دلایا تو ان کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی۔

شاید یہی خوف تھا جواب انہیں دن بہ دن نڈھال کرتا چلا جا رہا تھا اور ہر لمحہ، ہر آن، انہیں مختلف اوہام گھیرے رکھتے تھے۔ نجانے کیوں انہیں لگنے لگ گیا تھا کہ وہ جتنی بھی کوشش کرلیں اس نادیدہ طوفان کے آگے بند باندھنے کی مگر ایک نہ ایک دن طوفان آئے گا اور ان کا سب کچھ بہالے جائے گا یوں کہ پھر زندہ رہنے کا کوئی بہانہ نہ رہے گا۔

"کہاں کھوگئی ہوا ہے زندگی، دیکھو آ کر ہم محبت نبھاتے نبھاتے کیسے نڈھال ہوگئے ہیں۔ زندہ رہنا چاہتے ہیں مگر ہاتھوں سے عمر بھر کی پونجی پھسلتی جارہی ہے بالکل ریت کے ذروں کی طرح۔" وہ بڑی دلگرفتگی سے ہنسے تھے۔ روشانے نے بڑے دکھ سے بھائی کو دیکھا اس کی نگاہ میں ناراضی تھی۔ ولید کے اندر بھی ایک احساس ندامت سا ابھرا۔ وہ فوراً سنبھلا۔

"آئی ایم سوری، میں آپ کو قطعی ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا آپ ٹینشن نہ لیں میرا مقصد صرف صورتحال جاننا تھا کسی سے ملنا ملانا نہیں۔ اتنی خودداری تو ہم میں بھی ہے کہ برسوں جنہوں نے ہم سے پلٹ کر ہمارا حال نہیں پوچھا ہم خود ان سے کیوں ملیں؟ یہ محض ایک تجسس تھا یا ایک سوال اس سے زیادہ اس خواہش میں کوئی اور عمل کارفرما نہیں تھا۔ آپ بالکل ٹینشن نہ لیں۔" اس نے فوراً بابا کے ہاتھ تھام کر از حد محبت سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرادیے اور پھر ایک دم وہ سنجیدہ ہوئے۔

"ولید، میری خواہش ابھی بھی قائم ہے، بہت اچھی طرح سوچ سمجھ لو ایک بات یاد رکھنا یہ زندگی کا چراغ نجانے کب گل ہوجائے مگر اس وقت سے پہلے مجھے انتظار کی اس کشمکش سے نکال لینا۔ اس لیے میں وطن نہیں لوٹنا تھا یہاں بہت دکھ ہیں۔ بہت پچھتاوے ہیں اور تم دونوں میری عمر بھر کی جمع پونجی ہو اور یہ عمر رسیدہ شخص اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ساری جمع پونجی لٹتے نہیں دیکھ سکتا۔" بابا کا لہجہ نم آلود تھا۔ ولید کے اندر احساس جرم سا کروٹیں لینے لگا کہ اس کے سوال نے باپ کو جذبات تکلیف اور اذیت سے دوچار کیا تھا۔

"تم دونوں بہن بھائی میرے جینے کا آسرا تھے۔ تم دونوں کو پاکر میں نے عمر بھر خود پر ہر خوشی ہر نعمت حرام کرلی تنہائی کی چادر اوڑھ کر نہایت ایمانداری سے تم دونوں کو پالا پوسا، پڑھایا لکھایا، اس مقام تک لایا ہوں۔ تم دونوں کو دیکھتا تھا تو مجھے جینے کی خواہش ہوئی تھی۔ اب تم میں سے کسی کو بھی کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"ایم سوری بابا۔" ولید ایک دم ان کے سامنے بچوں کی طرح جھکا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی کو چوما تھا۔

"بعض رشتے خون کے نہیں ہوتے پر خونی رشتوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں بیٹا۔ محبت، خلوص اور وفا کے رشتوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مجھے فخر ہے کہ میری اولاد بہت فرمانبردار اور باتمیز ہے بس ایک خواہش ہے...... اگر پوری کردو تو دل میں کوئی حسرت نہیں رہے گی میں سکون سے مرسکوں گا۔"

"جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا مگر ابھی کچھ وقت دیں مجھے پلیز۔" وہ فوراً باپ کی حالت دیکھ کر پگھلا تھا ان کے چہرے پر ایک دم خوشی کی لہر ابھری تھی۔

"تم سچ کہہ رہے ہونا۔" ولید نے سر ہلا دیا۔ انہوں نے دوسری طرف بیٹھی انا کو دیکھا تو ان کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ ایک دم نمایاں ہوگئی۔

"اتنی دیر سے خاموش بیٹھی ہو کیا بات ہے بیٹا، ادھر آؤ میرے پاس۔" انہوں نے کہا تو انا سرک کر ان کے پاس ہوگئی تھی۔ انہوں نے بہت شفقت سے اس کو بھی اپنے بازو میں سمیٹ لیا تھا۔ ولید نے دیکھا بابا انا کو اپنے حصار میں لے کر بہت خوش تھے جبکہ انا بہت سنجیدہ تھی۔ بالکل بے زار چہرہ لیے، ولید کے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھا۔ ولید فوراً اٹھا تو بابا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ آرام کریں میں آتا ہوں اور پلیز بالکل ریلیکس رہنا ہے کوئی ایسی ویسی ٹینشن والی بات نہیں کرنی، اوکے۔" وہ تاکید کررہا تھا۔ بابا کھلکھلا کر ہنس دیے۔

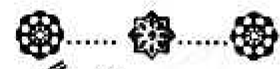
"جو حکم بیٹا جی۔ آپ ہماری ایک خواہش مان رہے ہیں تو اب ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم بھی آپ کی تمام باتوں کو مانیں۔" بابا کا انداز شرارتی تھی۔

"آپ کی خواہش ابھی صرف ہمارے درمیان ہی رہے گی اوکے۔" انا کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا وہ صرف بابا سے مخاطب تھا۔ انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ چکے تھے اور انہیں ماننے میں کوئی تامل نہ تھا۔

"بالکل...... مگر خیال رہے انتظار طویل نہ ہوجائے۔" انہوں نے سرزنش کی تو وہ سر ہلاتا باہر نکل گیا تھا۔

"یہ کوڈ ورڈز میں کیا بات ہورہی تھی۔ کیسی خواہش کا ذکر ہورہا تھا۔" اس نے ماموں سے پوچھا تو روشانے مسکرادی۔ اس کا مسکرانا معنی خیز تھا۔ انا کو خاصا عجیب سا محسوس ہوا۔

"یہ ہماری یعنی ولید اور میری بڑی سیکرٹ قسم کی بات ہے تم سناؤ آج کالج میں وقت کیسا گزرا۔" ضیاء ماموں نے اسے ٹالا تو اس کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ آ گرا۔ وہ چند پل تو کچھ نہ بول سکی تھی اور پھر آہستگی سے آج کی روٹین سنانے لگی۔



"تابندہ بی کی طبیعت خراب ہے۔ ان کو بخار تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی ہیں۔" یہ وہ بات تھی جسے سن کر دل میں لاکھ ناراضگی و بدگمانی سہی مگر وہ دل کو پتھر نہ بنا سکی۔ وہ فوراً ان کے کمرے میں پہنچی تھی۔ تبھی ان ہی کے پاس تھے وہ بستر پر دراز تھیں۔ اس وقت ہوش میں تھیں مگر نڈھال تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"کیا ہوا تھا آپ بے ہوش کیسے ہوگئیں؟" وہ ان کے پاس ہی ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی تھی انہوں نے نم آلود آنکھوں سے اسے دیکھا کہہ نہ سکیں کہ تمہاری ناراضگی کے خوف نے مجھے نڈھال کرڈالا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا بس یونہی چکر آ گیا تھا۔" انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔ اس وقت عصر کا وقت تھا زینب پھپو اور زہرہ پھپو دونوں کی فیملیاں صبح روانہ ہوگئی تھیں۔ ان کے ساتھ عائشہ اور صبا بھی جاچکی تھیں۔ حسن انکل بھی دوپہر کو نکل گئے تھے باقی کے مہمان رات اور صبح کو چلے گئے تھے اس وقت حویلی میں صرف شاہ زیب صاحب کی فیملی تھی۔

"پتا نہیں کیا ہوا تھا کمرے میں ہی تھی یہ کچھ دیر پہلے مجھے تابندہ سے کوئی بات کرنے کا خیال آیا تو ادھر آئی تھی دیکھا تو یہ زمین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ میرے ہلانے، جلانے، پانی پلانے پر فوراً ہوش آ گیا۔" ماں جی اسے بتا رہی تھیں جبکہ ماسوائے شاہ زیب انکل اور بابا صاحب کے باقی سبھی ارد گرد موجود تھے۔ سبھی متفکر تھے۔ اس نے ان کا

ہاتھ تھام کر نبض چیک کی۔ بخار کی حالت میں نبض کی رفتار بڑھ گئی تھی۔

''کھانا کھایا آپ نے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔

''کہاں' سارا وقت یا تو کمرے میں بند رہی ہیں یا پھر کسی نہ کسی کام میں مصروف۔ صبح بھی بھوک نہیں کہہ کر انکار کردیا دوپہر میں بھی منع کردیا۔'' ماں جی نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ تو خود کمرے میں بند تھی اسے نہیں خبر تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں۔

''میں کھانا لاتی ہوں پہلے وہ کھالیں پھر میڈیسن دیتی ہوں۔'' اس نے اٹھنا چاہا تو تابندہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم بیٹھو میرے پاس' ابھی بھوک نہیں۔'' انہوں نے منع کردیا۔

''میں لے آتی ہوں کھانا تم بوا جی کو اچھی طرح ٹریٹ کرو۔'' لائبہ مسکرا کر کہتے باہر نکل گئی تھی۔

سجاد بھائی اور عباس ایک طرف کھڑے تھے جبکہ مصطفیٰ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھتا پلٹا تھا۔ رات کے بعد دونوں کا یہ پہلا سامنا تھا مگر شہوار نے صاف نظر انداز کردیا تھا۔ یوں جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ رات شہوار کے رویے کے بعد نجانے اس نے خود کو کس طرح کمپوز کیا مگر اب یہ حالت تھی کہ شہوار پر نگاہ پڑتے ہی اس کے اندر اپنے یوں اس قدر صاف اور واضح انداز میں رد کیے جانے پر ایک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ بہت تنفر سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا تھا۔

لائبہ کھانا لائی تو اس نے زبردستی انہیں کھانا کھلا کر میڈیسن دی تھی اور پھر انہیں کچھ دیر سو جانے کا کہا۔ انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ شہوار کو قریب پا کر ان کا اضطراب قدرے کم ہوا تھا۔ سو وہ کچھ دیر پرسکون ہوئی تھیں۔ سبھی ایک ایک کرکے وہاں سے چلے گئے تھے۔ پھر تابندہ بی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ان کی طرف کافی دیر تک وہ بڑی بے چینی سے دیکھتی رہی تھی۔

''امی کی یہ حالت کیا میری اس لاتعلقی کی وجہ سے ہوئی ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا۔

''مگر میں کیا کروں' میرے یہ رویے خود میرے بھی اپنے بس کی بات نہیں رہے اب۔'' وہ انہیں بغور دیکھتی اور الجھتی رہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد تابندہ بی کے کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج سے سبھی کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ سب کل صبح صبح روانگی کے پروگرام کو ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ اندر جانے کے بجائے باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر آبیٹھی۔ کوریڈور کے ستون سے سر ٹکا کر وہ تاحد نگاہ پھیلے نیلے آسمان کو دیکھے گئی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوچکا تھا وہ سب ایک فلم کی طرح ذہن کے پردہ پر چلنے لگا تو وہ نہایت اذیت سے آنکھیں میچ گئی۔ وہ نہایت سخت لب و لہجے میں رات مصطفیٰ کی ذات کو رد کرگئی تھی۔ وہ لمحے رہ رہ کر یاد آنے لگے تو اندر کی اذیت ایکدم شدت اختیار کرگئی۔ پتا نہیں اس نے اچھا کیا تھا یا برا مگر اس کے بعد تو وہ خود بھی پرسکون نہ تھی۔ ایک مسلسل عذاب سے دوچار تھی۔

''اس رشتے کا کیا انجام ہوگا؟'' وہ سوچ سوچ کر تھکنے لگی۔ اور پھر تھک کر الجھنے لگی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

''کیا واقعی میں مینٹلی طور پر اس قدر ڈسٹرب ہوچکی ہوں کہ یہ ساری باتیں محض میرے کمپلیکسز ہیں اور کچھ نہیں۔'' اس نے اپنا محاسبہ کرنا چاہا مگر خیالات پر گرفت نہیں ہو پا رہی تھی۔

''کیا اب مجھے سمجھوتا کرلینا چاہیے' جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا' سب ایسے ہی قبول کرلوں' مقدر کا لکھا سمجھ کر۔'' اس نے خود کو بہلانا چاہا مگر اندر درد کا یہ عالم تھا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

''اور اگر عادلہ بھابی جیسے لوگوں نے کسی مقام پر آکر پھر سے مجھے آئینہ دکھاتے میرے اصل کی نشاندہی کردی تو......؟'' یہ سوال ایسا جان لیوا تھا کہ وہ بس خالی خالی نظروں سے اپنی مہندی سے رچی ہتھیلیوں کو دیکھے گئی جن پر بہت

گہرا رنگ آیا تھا اور ابھی بھی یہ رنگ موجود تھا۔

''بہت مشکل ہے یہ سب سہنا' بہت مشکل......'' اس نے نہایت کرب سے زمین پر ہاتھ مارا۔

''کیا میں نے واقعی مصطفیٰ کے ساتھ زیادتی کی ہے؟'' کچھ دیر قبل مصطفیٰ کو تابندہ کے روم میں دیکھ کر وہ انجان بن گئی تھی اس کے بعد مصطفیٰ وہاں سے چلا گیا تھا اور جب وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو اس نے دیکھا تھا کہ وہ بہت غصے میں تھا اب رہ رہ کر اسے وہ لمحے یاد آنے لگے۔

''زیادتی تو میرے ساتھ بھی ہوئی ہے' نہ میرے دل میں اس رشتے کے لیے کوئی جذبہ ہے اور نہ ہی کوئی احساس محض خالی خولی وجود کب تک دوسروں کو دھوکے میں رکھ سکتا ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن سب کو پتا چل ہی جانا تھا کہ میں راضی نہیں ہوں۔ چلو میرے رویے سے یہ تو ہوا ہے کہ کسی کو اب میری ذات سے کوئی خوش فہمی نہیں رہے گی۔ یہ تعلق بنتا ہے یا بگڑتا ہے چلتا ہے یا ٹوٹتا ہے کم از کم میں تو اپنے ضمیر کے آگے سرخرو ہوں گی کہ میں نے کسی کو کوئی آس نہیں دلائی تھی۔'' وہ اپنے خیالوں میں اس قدر غلطاں تھی کہ اس کے عقب میں مضبوط قدموں کی دھمک گونجی تو وہ چونک کر پلٹی۔ مصطفیٰ کندھے پر بیگ ڈالے ادھر ہی آرہا تھا اس کے ساتھ عباس بھائی اور ماں جی بھی تھے۔

''ایک رات کا کیا ہوتا ہے بھلا رک جاتے کل ہم سب اکٹھے ہی نکلتے۔'' ماں جی کہہ رہی تھیں شہوار ان کو اسی طرف آتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ماں جی کا ادب لحاظ ابھی بھی تھا۔

''نہیں...... میرے آفس کے بہت سے کام رکے ہوئے ہیں' پہلے ہی بہت سا وقت ضائع کردیا ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز دوٹوک تھا۔

''خالی گھر میں جا کر کیا کرو گے؟'' ماں جی نے پھر کہا۔

''خالی کیوں' ملازم تو ہوں گے نا؟'' وہ شاید واپس شہر جا رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا جانے دیں' واقعی اس کے آفس کے کام ہوں گے۔'' عباس بھائی نے اس کی طرف داری کی تھی وہ شہوار کے قریب آگئے تھے۔ ماں جی شہوار کے قریب ہی رک گئی تھیں مجبوراً مصطفیٰ کو بھی قدم روکنے پڑے تھے مگر اس نے شہوار پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے' اپنا خیال رکھنا۔ گھر پہنچتے ہی اطلاع کردینا۔'' اس کا اٹل انداز دیکھ کر آخر کار ماں جی کو بھی ماننا پڑا تھا۔

''اوکے پھر اللہ حافظ۔'' وہ خود سے تھوڑا سا ماں جی کے قریب ہوا تھا ایسا کرنے سے اس کی نگاہ ماں جی کے پاس کھڑی شہوار کی طرف اٹھی تھی۔ شہوار جو اسے ہی دیکھ رہی تھی' اس نے فوراً نگاہ کا زاویہ بدل لیا' مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

''اللہ حافظ۔'' ماں جی نے مصطفیٰ کا چہرہ تھام کر پیشانی چومتے اسے الوداع کہا تو وہ ہاتھ ہلاتا تیزی سے قدم اٹھاتا پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عباس بھائی ہاتھ دے پر جا رکے تھے۔ مصطفیٰ نے گاڑی نکال کر ان کے پاس لا کر روکی تھی دونوں میں کوئی بات چیت ہوئی تھی' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ شہوار لاشعوری طور پر متوجہ ہوئی تھی' مصطفیٰ گاڑی وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔ شہوار چند ثانیے تک اس خالی گیٹ کو تکے گئی۔

''چلو آؤ اندر چلتے ہیں۔'' ماں جی نے کہا تو وہ ان کے ساتھ ہولی۔

''کل صبح سویرے ہم واپس چلے جائیں گے' تم بھی تیار رہنا۔'' ساتھ چلتے ماں جی نے کہا تو وہ ٹھٹکی۔ پھر اس نے سختی سے لب دبا لیے۔

''پیکنگ کرلینا۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' غصہ دبا کر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تابندہ کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں بلکہ میں کہہ رہی تھی کہ چند دن بابا صاحب بھی ہمارے ساتھ چلیں ہوا بدلی ہوجائے گی۔'' انہوں نے اپنا پروگرام بتایا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں میں ابھی کچھ دن یہاں رکنا چاہتی ہوں چند دن امی کے پاس۔'' اب کے مہرالنساء بیگم نے چونک کر شہوار کے جھکے سر کو دیکھا تو کیا وہ نکاح کی وجہ سے یہ کہہ رہی تھی۔ وہ اس کے جذبات سے بے خبر تھیں مگر انکار سے تو نہیں۔

''ضرور رکو مگر اس طرح تمہاری پڑھائی کا حرج ہوگا۔'' انہوں نے نحیف لہجے میں کہا تو وہ چپ رہی اور پھر کچھ توقف کے بعد کہا۔

''چند دن رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا مہرالنساء بیگم نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں نے کہا تو وہ بھی خاموش رہی۔ اندر ہی اندر وہ آئندہ دنوں کے متعلق حساب کتاب لگانے میں مگن ہوگئی تھی۔



''ہیلو......'' ولید جو بابا کو لے کر اسپتال آیا تھا ڈاکٹر سے اپائمنٹ تھی کچھ ٹیسٹ بھی کروانے تھے شام کے وقت وہ اور احسن ان کو لے کر ادھر آئے تھے احسن بابا کے ساتھ ویٹنگ روم میں تھا جبکہ ولید بابا کی رپورٹس لینے لیبارٹری روم میں آیا تھا جب آواز سن کر پلٹا۔ اس کے سامنے جو لڑکی کھڑی تھی اسے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔'' وہ پوچھ رہی تھی ولید نے ایک گہرا سانس لیا وہ اس لڑکی کو بہت اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

''جی نہیں میں نے پہچان لیا ہے آپ کو کیسی ہیں آپ؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں آپ سنائیں یہاں کیسے؟'' اس لڑکی کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے ولید کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے اور بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے۔

''آئی ایم فائن میرے بابا کی طبیعت خراب تھی انہی کے ساتھ آیا تھا اور آپ؟ میرا خیال تھا کہ آپ تو ڈسچارج ہوچکی تھیں۔'' اس نے اخلاقاً پوچھا وہ مسکرائی۔

''ادھر سے رپورٹس لینی تھیں تو میری میڈ اندر گئی ہوئی ہے۔'' اس کی اس لڑکی سے کیا اس کی فیملی کے کسی ممبر سے بھی برائے نام ذرا بھی بے تکلفی تک نہ ہوئی تھی بڑا الیادیا انداز رکھتا تھا وہ۔

''میں نے آپ کو بہت مس کیا ہے۔ میں نے کافی انتظار کیا آپ اس کے بعد آئے ہی نہیں پھر میں گھر شفٹ ہوگئی۔ ڈیڈ سے ابھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ورنہ میں آپ سے ملنے ضرور آتی۔'' وہ لڑکی مزید بے تکلفی سے کہہ رہی تھی ولید چونک گیا۔

''مجھے سے ملنے وہ کیوں بھلا؟''

''آپ میرے محسن ہیں مجھے ہسپتال لے کر آئے اب مجھ پر فرض تھا کہ آپ کے پاس آ کر آپ کا شکریہ ادا کرتی۔'' وہ لڑکی مسکرائی تھی وہ دیوار کے سہارے کھڑی تھی شاید اسے کھڑے ہونے میں تکلیف تھی۔

''جی ایسی کوئی بات نہیں آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا میں اس کی مدد کرتا۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہی بات تو مجھے اٹریکٹ کی ہے ورنہ آج کے دور میں کون ایسے اخلاق نبھاتا ہے۔

''جی اپنی اپنی سوچ ہے میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔'' ولید نے کندھے اچکائے۔ تبھی اس کی میڈ رپورٹس لیے اس کے پاس آ گئی تھی اور اس کا بازو تھام کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''آپ کو شاید چلنے میں دشواری ہے؟'' ولید نے یونہی پوچھ لیا۔

''جی بس ٹانگ کی چوٹ پرابلم کر رہی تھی اسی لیے تو آج ٹیسٹ کروائے ہیں۔'' اپنی میڈ کے سہارے کھڑی وہ بتا رہی تھی۔

''ولید صاحب آپ کا کوئی وزیٹنگ کارڈ ہے تو پلیز مجھے دے دیں میں جب بھی ٹھیک ہوئی آپ سے ملنے آؤں گی۔ آپ کا ایک وزیٹنگ کارڈ ڈیڈ کے پاس ہے تو سہی مگر آپ مجھے دے دیں تو مہربانی ہوگی۔'' ولید بھلا کیا کہہ سکتا تھا بس مسکرا دیا۔

''وائے ناٹ۔'' ولید نے اپنی پاکٹ میں سے اپنا والٹ نکال کر اپنا اور احسن کا مشترکہ وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس لڑکی کو تھما دیا۔

''شکریہ۔''

''اس میں آپ کا سیل نمبر کون سا ہے؟'' کارڈ کو غور سے دیکھتے اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''یہ دوسرے نمبر والا۔'' ولید نے کارڈ پر انگلی رکھ کر نشاندہی کی تو وہ لڑکی مسکرا دی۔

''بہت بہت شکریہ۔''

''ایکسکیوزمی۔ آپ کو میرا نام تو یاد ہے مگر میں آپ کا نام بھول چکا ہوں۔'' ولید نے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ اچھی خاصی حسین لڑکی تھی لڑکے اس کا نام ایک بار سن کر کبھی بھولتے نہیں تھے اور یہ شخص بھول چکا تھا۔

''آپ واقعی مجھے بھول چکے ہیں۔'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں خیر آپ کو تو نہیں بھولا ہاں آپ کا نام ذہن میں نہیں آ رہا۔'' ولید نے کہا تو لڑکی محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''کاشفہ نام ہے میرا سب پیار سے مجھے کاشی کہتے ہیں۔''

''آئیں کہیں بیٹھتے ہیں اب مجھ سے مزید کھڑا نہیں ہوا جائے گا۔'' لیبارٹری روم کے باہر بیٹھنے کا کوئی انتظام نہ تھا سو کاشفہ نے کہا۔

''نہیں آئی ایم سوری میں بیٹھ نہیں سکتا وہاں ڈاکٹر کے روم میں بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے میں نے ادھر سے رپورٹس لینی تھیں۔'' ولید نے معذرت کرلی تھی۔

''اوکے پھر میں آپ سے رابطہ کروں گی اب آپ کا سیل نمبر تو میرے پاس ہے ہی میں کال بھی کروں گی سی یو۔'' وہ کہہ کر اپنی میڈ کے سہارے چلتی وہاں سے نکلی تو ولید غیر معمولی طور پر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''عجیب لڑکی تھی۔'' ولید کو یاد آیا کہ اس نے رپورٹ لینی ہے وہ سر جھٹکتے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔



تابندہ بی کو اگلی صبح پتا چلا تھا کہ شہوار نہیں جا رہی فطری طور پر ان کے دل میں اس کے نہ جانے سے پریشانی پیدا ہوئی تھی مگر اس نے سب کو ماں کی خراب طبیعت کا کہہ کر مطمئن کردیا تھا۔ وہ لوگ چلے گئے تو شام تک تابندہ بی کی طبیعت خاصی بحال ہوچکی تھی وہ رات گزری اور اگلا دن شروع ہوگیا۔ شہوار کا رویہ ان کے ساتھ بدستور تھا مگر یہ تھا کہ وہ بغیر کوئی بات کیے صرف ان کی طبیعت کا خیال رکھ رہی تھی وقت پر کھانا میڈیسن اور آرام سب دیکھ رہی تھی۔ انہیں بستر سے

اترنے نہیں دے رہی تھی۔ کئی بار تابندہ بی کا جی چاہا کہ اس سے مصطفیٰ سے متعلق رشتے پر بات کریں مگر شہوار کا انداز ایسا دو ٹوک اور لاتعلقی والا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس سے کچھ کہہ نہ سکیں۔

اس سے اگلا دن گزرا تو انہیں فکر مندی سی ہونے لگی تھی شہوار کا رویہ بہت ہی ڈس ہارٹ کرنے والا تھا وہ ان سے سوائے آپ کیسی ہیں؟ بخار اترا؟ تھکن تو محسوس نہیں ہو رہی؟ کچھ کھانے کو دوں؟ وغیرہ کے سوالات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر رہی تھی۔ بابا صاحب خود کئی بار پوچھ چکے تھے کہ شہوار سب کے ساتھ کیوں نہیں گئی۔ وہ ساری رات تابندہ بی نے بہت کچھ سوچتے گزاری تھی۔ سب کو واپس لوٹے دو دن ہو چکے تھے نکاح کے بعد واپس سب کے ساتھ شہوار کا چلے جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ وہاں اس کی تعلیم کا حرج ہو رہا تھا۔ نکاح سے پہلے وہ چند دن آئی تھی اب نکاح کے بعد یہ دن انہیں پریشان کر رہے تھے۔ اگلی صبح نماز کے بعد انہوں نے شہوار کو اپنے کمرے میں آنے سے پہلے خود اس کے کمرے میں جانا ضروری سمجھا تھا۔ وہ اب شہوار سے واپسی کے پروگرام کے متعلق بات کرنا چاہتی تھیں۔ شہوار انہیں دیکھ کر چونکی تھی۔ وہ اندر آ گئیں تو وہ جائے نماز لپیٹتے ان کے پاس چلی آئی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے اب؟'' حسب توقع سوال تھا تابندہ بی مسکرائیں۔

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں مجھے تم سے بات کرنی تھی سوچا خود ہی آ کر کرلوں۔'' وہ اس کے بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔

''تم سب کے ساتھ واپس کیوں نہیں گئیں؟'' شہوار کی خاموشی پر انہوں نے پوچھا۔

''کیونکہ میں اب وہاں واپس جانا ہی نہیں چاہتی۔'' شہوار کا جواب ان کے خدشے کے عین مطابق تھا۔ تابندہ بی کا دل کانپا تو وہ بلاوجہ خوف زدہ نہ تھیں یہی خدشے تھے جو انہیں ہولا رہے تھے۔

''کیوں......؟''

''وجہ آپ کو معلوم ہے۔'' شہوار کا اٹل انداز تھا۔

''شہوار میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں میرے لیے اور پریشانیاں مت بڑھاؤ۔'' انہوں نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کی پریشانی کی وجہ نہیں پوچھوں گی کیونکہ اول روز سے آپ نے نہ مجھے اپنی پریشانیوں میں شامل کیا اور نہ ہی اپنے رازوں میں اس لیے میں اب آپ سے کیا کسی سے بھی اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''شہوار......تمہارے اس طرح کے رویے سے تمہیں خود کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے جانتی ہو۔ خاص طور پر تمہاری تعلیم تمہارا اتنا قیمتی سال ہے نکاح سے پہلے یہاں آ کر رکنا چلو طے تھا مگر اب رکنے کا کوئی جواز نہیں۔ تمہاری تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا۔

''اول تو یہ کہ میں آپ پر واضح کردوں کہ میں اگر یہاں آئی تھی تو یہ سوچ کر نہیں آئی تھی کہ یہاں آ کر مجھے نکاح کروانا ہے بلکہ جب نکاح کا فیصلہ مجھے سنا دیا گیا تو میں یہ طے کر کے آئی تھی کہ مجھے اب واپس نہیں جانا جب رشتے ناطوں میں بھروسہ اعتماد اعتبار ہی نہ ہو تو وہاں تعلیم کچھ کام نہیں آتی۔ میرا اعتماد میرا بھروسہ اور اعتبار ہر جذبہ صرف آپ کی ذات سے تھا جب آپ نے اس رات میری کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی تو میں وہاں کیوں رکتی اور کس لیے؟ وہ میرے خون کے رشتے نہ تھے میرا خون کا صرف ایک رشتہ تھا اور وہ آپ تھیں جب آپ نے مجھے غیروں کی طرح ٹریٹ کیا تو وہاں رک کر میں کیا کرتی؟ ان لوگوں کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں کہ میں مر کر بھی اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی ہاں بس احسان شناسی کی یہ حد نبھائی کہ اس نکاح کے لیے گردن جھکا دی۔ اس سے زیادہ نہ میرے بس کی بات تھی اور نہ کر سکتی ہوں۔'' شہوار کے لب و

لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ تابندہ بی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم......تم......واپس نہیں جاؤ گی۔ تمہاری تعلیم تمہارا کالج......؟'' وہ ایک دم خوف زدہ ہوئی۔

''میں آپ کو اس رات جب بابا صاحب کی وجہ سے اِدھر آئی تھی اور اگلی صبح ماں جی وغیرہ کے ساتھ واپس جا رہی تھی تب بہت تفصیل سے کہہ چکی تھی کہ اگر آپ لوگوں نے یہ فیصلہ کرنا ہے تو پھر میں اپنی تعلیم چھوڑ کر حویلی آ جاؤں گی۔ وہ سب میں نے محض کلامی نہیں کہا تھا مجھے اب واپس نہیں جانا مزید نہیں پڑھنا اس رات اگر آپ میری کال ریسیو کر لیتیں تو شاید میں یہاں نہ آتی مگر اب واپس جانا میرے لیے ممکن نہیں۔'' اس کا انداز بہت حتمی تھا۔

''تم پڑھائی چھوڑ چکی ہو؟'' وہ حیرت زدہ تھیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک ایسا انتہائی فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔

''یہی سمجھ لیں۔'' شہوار کا لہجہ قطعی تھا۔ تابندہ بی کے اندر شدید اذیت نے سر ابھارا۔

''تم اپنا نقصان کر رہی ہو؟'' ان کی آواز شدت کرب سے کپکپا اٹھی تھی۔

''جب عزتِ نفس جیسے نقصان گوارا کر لیے ہیں تو پھر یہ تو کوئی نقصان ہی نہیں۔ امی! مجھ جیسے لوگ جو دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں یا تو ان کے اندر انا خودداری اور عزتِ نفس جیسے جذبات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے اگر اگر کسی میں پیدا ہو جائیں تو انتہا کی حد تک زور آور ہوتے ہیں اور ان لوگوں کا احسان کیوں جھٹلاؤں ان لوگوں نے ہمیں اپنے احسانات کے نیچے اس قدر دبا لیا ہے کہ اب عزتِ نفس کا سواد بہت تکلیف دے رہا ہے۔ امی! میں نے آج تک ان لوگوں کو سر اٹھا کر کبھی غور سے نہیں دیکھا اس لیے نہیں کہ میرے اندر احساسِ کمتری تھا صرف اس لیے کہ ان لوگوں کے احسانات نے مجھے کبھی گردن اٹھانے ہی نہیں دی انہوں نے پہلے دل خریدے تھے احسانات کی بدولت اور میں نے ان کو بہت اونچا مقام دیا تھا اب بھی مقام برقرار ہے مگر مجھے یا تو عزتِ نفس کا سودا گوارا نہیں اگر کر بھی لوں تو پھر یہ رشتہ گوارا نہیں۔'' کتنی مشکل باتیں کر رہی تھی شہوار۔ تابندہ بی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ کیا یہ وہی شہوار تھی جو کبھی ان کے سامنے سر اٹھا کر کلام نہ کرتی اور آج ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ان کا دل چاہا کہ اس کے سامنے ہر بات آشکار کر دیں مگر اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا یہ وہ جوا تھا کہ اسی کھیل میں انہوں نے اپنی جوانی اپنے جذبات اپنے احساسات ہر چیز داؤ پر لگا دی تھی اور آج حاصل حصول زیرو تھا۔ محض ایک محبت کے لیے انہوں نے ہر چیز قربان کر دی تھی مگر آج خالی ہاتھ تھیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں انہیں لگ رہا تھا کہ ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آ رہے تھے بہت سے چہرے اور ایک چہرہ ان کی خالہ بی کا تھا۔

''یہ غلطی مت کرو واپس آ جاؤ کس کے لیے یہ سب کر رہی ہے جس کے لیے کر رہی ہے وہ تو رہا نہیں پھر کس نے تیرے احسانوں کو دیکھا ہے؟ ایک بہت لمبا اور طویل سفر ہے تھک جائے گی تو نجانے راہ میں کیا کیا دکھ سہنا پڑیں؟'' کوئی آواز اب بھی کہہ رہی تھی۔

''نہیں خالہ میں کر لوں گی میں سب سہہ لوں گی محبت میں نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ محبت تو بس دینے کا نام ہے وہ نہیں رہا مگر اس کی اولاد ہے اور اس جود کو میں دشمنوں میں چھوڑ نہیں سکتی مجھے اب اس کا سہارا بننا ہے اور یہ حویلی ہی مجھے پناہ دے گی باہر کی دنیا میں اب میرے لیے کچھ نہیں رہا۔ مجھے بار بار مت اکسائیں میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور فیصلے بدلا نہیں کرتے۔'' برسوں پہلے کی کہی ان کی اپنی آواز کی بازگشت ان کے کانوں میں گونج رہی تھی آج ان کو بیتا وقت یاد آ رہا تھا۔ انہوں نے ایک مردے سے محبت نبھائی تھی مگر زندہ وجود ان کی قربانیوں سے

بے خبر تھا۔ انہوں نے بہت دکھ سے شہوار کو دیکھا وہ نظریں جھکا گئی۔ کہنے کو ان کے پاس بہت سی باتیں تھیں، بہت سی دلیلیں مگر انہوں نے لب سی لیے۔ شہوار نے انہیں یوں لرزتے قدموں سے چلتے دیکھا تو اس کا دل کانپا، اسے احساس ہوا کہ وہ بہت سخت الفاظ استعمال کرچکی ہے۔

"امی......!" وہ فوراً آگے بڑھی تھی ماں کا بازو تھاما تھا۔

"تمہارے باپ کے لیے میں نے ایک زندگی وار دی، میں نے وعدہ وفا کیا۔ میرا مقصد پورا ہوا، خوش رہو آباد رہو۔" انہوں نے اس کا بازو ہٹاتے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

"امی! آپ میرے لیے سب کچھ ہیں، آپ اگر مجھے نہیں سمجھیں گی تو پھر میں کس سے جا کر کہوں؟ یہ سودے انسان تب قبول کرتا ہے جب کہیں دل میں گنجائش نکلتی ہو۔ اس گھر میں رہتے ہوئے ہر آن، ہر لحہ میرے ذہن نے مجھے صرف یہی باور کروایا کہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں، بہت اونچے مرتبے والے اور عزت دار لوگ ہیں ہم جو ان کے ملازمین میں بھی شمار نہیں ہوتیں ہم پر اگر احسان کیا جارہا ہے تو اس کے عوض آپ نے ہر آن، ہر لحہ اس حویلی کا خیال بھی تو رکھا ہے بابا صاحب کا دھیان رکھا مگر ذہن میں کبھی وہم و گمان نہ کیا ان سے کوئی نیا رشتہ بنانا پڑے گا کیونکہ ادھر دل میں گنجائش نہ تھی میں ان لوگوں کو آقا کے طور پر قبول کرکے ساری عمر غلامی قبول کرنے کو تیار تھی مگر یہ رشتہ داری طلب نہ تھی؟" ماں کے سامنے دوبارہ کھڑے ہوکر ان کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تو آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔

"شہوار میں نے کبھی نہیں سوچا کہ زندگی میں ایک ایسا موڑ بھی آئے گا آج مجھے لگ رہا ہے کہ اس حویلی میں آنے کا برسوں پہلے جو فیصلہ میں نے کیا وہ غلط تھا۔ آج مجھے شدت سے اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا احساس ہورہا ہے۔" تابندہ بی ایک دم رو دیں تو شہوار کو لگا کہ اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہے۔

"امی واپس چلیں وہیں جہاں سے ہم آئی تھیں۔" ماں کو روتے دیکھ کر وہ خود بھی ضبط کھو بیٹھی تھی، ایک دم ان کو بازوؤں کے حصار میں لے کر کہا۔

"نہیں...... بہت مشکل ہے اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔ اب کچھ نہیں رہا...... اب ناممکن ہے وہاں صرف راکھ باقی ہے، کوئی نشان باقی نہیں، کن رستوں پر چلوں مجھے تو خود علم نہیں؟" وہ سسک اٹھی تھیں۔

"میرے باپ کا خاندان......؟" شہوار نے کہا تو تابندہ نے اسے دیکھا۔

"کیا ابھی ہر سوال کا جواب چاہیے تمہیں؟" انہوں نے خود کو سنبھالا۔

"امی آپ میری ذہنی کنڈیشن کا اندازہ نہیں لگا سکتیں، مجھے لگتا ہے کہ اگر مجھے میرے سوالوں کا جواب نہ ملے تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔" وہ بڑی بے بس تھی اس معاملے میں۔ تابندہ نے اسے دیکھا تو اس پر ترس آیا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے خود کو پرسکون کرنا چاہا۔

"تم واپس نہیں جارہیں پھر؟" انہوں نے پھر وہی بات کی تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ تابندہ بی چند پل اسے دیکھتی رہیں اور پھر آہستگی سے اس کا بازو ہٹا کر حصار ختم کرتے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

شہوار بس خاموشی سے انہیں باہر جاتا دیکھتی رہی۔

(انشاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

مثالِ برگِ خزاں رنگ کیوں ہے زرد تیرا
سمجھ سکا نہ میرے چاند کوئی درد تیرا
جتا رہا ہے مجھے کئی محبتوں کا فراق
بجھا بجھا پر بدن ہاتھ سرد سرد تیرا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

کچھ دیر بعد شہوار کو ہوش آتا ہے تو سب لڑکیاں اسے سلامی کی خاطر باہر لے جاتی ہیں جہاں سب کے سامنے مصطفیٰ کے ہمراہ وہ عجیب خفت محسوس کرتی ہے۔ تصویریں بنوانے کی غرض سے عائشہ مصطفیٰ کو اندر کمرے میں بلا لیتی اور اسی دوران مصطفیٰ شہوار کے درمیان اس رشتے کو لے کر خاصی تلخ کلامی ہوجاتی ہے جس پر مصطفیٰ بھی اسے خاصی سخت سنا ہے اور اس کی ذہنیت پر افسوس کرتا ہوا باہر آجاتا ہے۔ ضیاء صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہوجانے پر انا واپس گھر جانے کے لیے ولید سے رابطہ کرتی ہے۔ اس دوران ولید کے نمبر پر کیتھی کی کال آتی ہے جسے انا غائب دماغی سے ریسیو کرتی ہے کیتھی کا احمقانہ بھرا انداز اسے شدید دکھ سے دوچار کردیتا ہے۔ ولید اور کیتھی کی تصاویر دیکھ کر وہ حیران رہ جاتی ہے۔ واپسی پر بھی اس کا موڈ آف رہتا ہے۔ جس پر ولید تمام حالات سے بے خبر انا کے رویے کو سمجھ نہیں پاتا اور اس کی لاتعلقی پر افسوس کرتا ہے۔

تابندہ بی شہوار کی لاتعلقی اور خاموشی کو لے کر خاصی پریشانی ہوجاتی ہیں۔ ان کا ماضی انہیں عجیب احساسات سے دوچار کردیتا ہے لیکن وہ آنے والے حالات سے خوفزدہ ہوکر شہوار کو حقیقت بتانے سے گریز کرتی ہیں لیکن اندر ہی اندر شہوار کو لے کر نڈھال ہوجاتی ہیں۔ بابا صاحب ولید کو دیکھ کر اس میں کسی اور چہرے کو تلاشتے رہ جاتے ہیں۔ ماضی کی غلطیاں ازسرنو ان کا احاطہ کرلیتی ہیں جس پر وہ شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔

ولید روشانے اور انا کو دیکھ کر ضیاء صاحب کی طبیعت بہل جاتی ہے۔ لیکن وہ اپنی اس بیماری سے پریشان ہوکر ولید کو انا کے حوالے سے حتمی فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔ جس پر ولید خاموش ہوجاتا ہے جبکہ انا ساری بات سے بے خبر رہتی ہے۔ ولید ضیاء صاحب کی رپورٹس لیے اسپتال آتا ہے وہیں کاشفہ سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ کانٹیکٹ میں رہنے کے لیے ولید کا نمبر لے لیتی ہے۔

شہوار حویلی جانے سے انکار کردیتی ہے اور تابندہ بی سے صاف لفظوں میں اپنی پڑھائی چھوڑ دینے کا کہتی ہے جس پر تابندہ بی اسے سمجھاتی ہیں مگر وہ اپنی ذات کے بکھرنے پر کچھ اس طرح ٹوٹ جاتی ہے کہ ان کی بات پر صاف انکار کردیتی ہے اور ان سے اپنے باپ اور اپنے خاندان کے بارے میں سوالات کرتی ہے۔ تابندہ شہوار کے اس رویے پر خاموشی اختیار کرلیتی ہیں کیونکہ فی الحال وہ شہوار کو ان سب باتوں سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔

اب آگے پڑھیے



مصطفیٰ آفس میں تھا جب اس کے نمبر پر حویلی کے نمبر سے کال آئی تھی۔ مصطفیٰ نمبر دیکھ کر الجھ کر رہ گیا۔ اس کا پہلا خیال شہوار کی ہی طرف گیا تھا۔

مگر نہیں وہ کبھی کال کرنے والی نہ تھی۔ واپس آئے دو دن گزرے تھے گھر سے کوئی کال کرتا تھا یا نہیں اسے علم نہیں تھا مگر اس نے حویلی دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔

"السلام علیکم......" مصطفیٰ نے کال ریسیو کرلی۔

"وعلیکم السلام...... کیسے ہو بیٹا!" دوسری طرف تابندہ بی تھیں مصطفیٰ نے گہرا سانس خارج کرتے کرسی کی بیک سے کمر ٹکادی۔

"میں ٹھیک ہوں...... آپ سنائیں...... طبیعت ٹھیک ہے اب...... بخار اترا......؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ بخار تو اگلے دن ہی اتر گیا تھا۔"

"اور بابا صاحب کیسے ہیں؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" اب کے مصطفیٰ خاموش رہا کہ مزید کیا پوچھتا؟

"تم سے ایک بات کرنی تھی مصطفیٰ بیٹا!" کچھ سوچتا انداز تھا مصطفیٰ چونکا۔

"جی کہیے۔"

"دیکھو بیٹا! تم سے میں نے نہ پہلے کچھ چھپایا اور نہ ہی اب چھپاؤں گی۔ میں شہوار کی وجہ سے سخت پریشان ہوں مجھے یہ اندازہ تھا کہ شاید نکاح کے بعد وہ سنبھل جائے مگر وہ اب اور بھی جذباتی ہوگئی ہے۔" ان کا انداز رنجیدہ تھا۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ شہوار کی وجہ سے یہاں بھلا کون پریشان نہیں تھا۔

"اب کیا ہوا ہے؟" اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔ جانتا تھا دوسری طرف محترمہ کی نئی تازہ ترین کوئی حماقت ہی سننے کو ملے گی۔

"وہ واپس نہیں آنا چاہ رہی؟" انہوں نے بتایا تو چند ثانیے مصطفیٰ بھی گم صم ہوگیا تھا۔

"مطلب؟"

"وہ اپنی اسٹڈی بھی چھوڑ رہی ہے۔ وہ واپس آنے پر راضی ہی نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم واپس چلیں اپنے خاندان میں......" انہوں نے مزید بتایا تو مصطفیٰ کا ٹمپرامنٹ ایک دم لوز ہوا۔

"واٹ نان سینس......" وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟" وہ شدید بھڑک اٹھا۔

"میں بہت پریشان ہوں مصطفیٰ! نجانے اسے کیا ہوگیا ہے؟ اب تک اس نے مجھے اتنا سکھ دیا تھا کہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ کبھی اس کی وجہ سے میں پریشان بھی ہوں گی۔ وہ تو کبھی اونچی آواز میں نگاہ اٹھا کر مجھ سے بات تک نہ کرتی تھی۔ ادب لحاظ تو اب بھی کررہی ہے مگر لگتا ہے جیسے اس نکاح والے فیصلے نے اسے اس قدر پریشان کیا ہے کہ وہ بہت چڑچڑی ہوکر رہ گئی ہے۔ اس کے رویوں سے میں پریشان ہوکر رہ گئی ہوں۔ نجانے اسے کیا ہوگیا ہے وہ ایسی تو کبھی بھی نہ تھی۔" تابندہ بی ذکر کرتے کرتے رودیں تو مصطفیٰ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"مصطفیٰ کسی بھی طرح اسے اس نقصان سے روکو بیٹا! وہ ضدی نہیں مگر اس وقت ضد پر اتری ہوئی ہے۔ میڈیکل کے اتنے اہم ایئر میں آکر وہ تعلیم چھوڑ رہی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر بننے کی خواہش تو اس کی اپنی ہی تھی۔"

"جب کوئی انسان اپنے نقصان پر خود ہی اتر آئے تو کوئی دوسرا انسان کیا کرسکتا ہے؟ وہ کوئی کم فہم بھی نہیں ہے کہ

غلطی کررہی ہے اور میں اسے اس کی غلطی سے روکنے کے لیے انگلی سے پکڑ کر ایک طرف کردوں گا تو وہ باز آجائے گی؟ بوا جی غلطی انجانے سے ہورہی ہو تو سمجھانا آسان ہوتا ہے اور سمجھنے والا فوراً اصلاح قبول کرلیتا ہے اور جب کوئی جان بوجھ کر خود غلطی کرنے پر تلا ہوا ہو تو ایسے بندے کو کوئی کیا سمجھائے؟ وہ ماشاء اللہ پڑھی لکھی' باشعور خاتون ہیں اپنے نفع و نقصان کی تمیز ہے انہیں۔ ایسے میں بھلا میں کیا کرسکتا ہوں؟'' مصطفیٰ نے کچھ خفگی اور بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف بوا جی چند پل کو لاجواب ہوگئی تھیں۔

''تم لوگوں کا اب رشتہ ایسا ہے کہ سمجھانے' آمادہ کرنے کی بہت سی گنجائش نکل آتی ہے۔ کسی اور سے ذکر نہیں کررہی کہ اس کی غلطیاں سب کے سامنے آتی ہیں' تم سے بیان کررہی ہوں تو اس لیے کہ وہ تمہاری عزت ہے' اب تمہاری زندگی کی ساتھی ہے تم اسے پیار سے' محبت سے' قائل کرسکتے ہو۔ ایسے رشتے میں تو بہت سی گنجائش نکل آتی ہے بیٹا۔'' انہوں نے قائل کرنا چاہا۔

''آپ کی تمام باتیں بالکل بجا ہیں مگر میں معذرت خواہ ہوں...... وہ سرے سے اس رشتے پر آمادہ ہی نہیں...... قبول کرنا تو دور کی بات ہے...... بہرحال وہ جو بھی کرنا چاہتی ہے اسے کرنے دیں۔ ایسے ضدی لوگ ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہیں اسے دیکھنے دیں۔ کوئی بھلا کب تک انگلی سے پکڑ کر اس کی رہنمائی کرے؟'' مصطفیٰ اس قدر خفا اور متنفر تھا کہ اس نے بوا جی کی پریشانی کا خیال کیے بغیر صاف اور دوٹوک انکار کردیا۔

''مصطفیٰ پلیز......! میں نے بہت امید سے تمہیں کال کی ہے۔ ایک تم ہی تو ہو جو اسے اس انتہائی قدم سے روک سکتے ہو۔'' دوسری طرف تابندہ بوا پھر سسکنے لگیں تو ان کی سسکیاں مصطفیٰ کے دل پر عجیب سا بوجھ بڑھانے لگیں۔

''بوا جی وہ تو شاید میری شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں...... پھر سمجھنے سمجھانے کی گنجائش کہاں سے نکلے؟ بہرحال میں گھر جا کر بات کرتا ہوں ماں جی یا بابا کو کہتا ہوں اسے واپس بلوائیں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ ماں جی اور بابا کے علاوہ دوسروں کی کم ہی سنتی ہے۔ اگر بابا بات کریں گے تو وہ یقیناً آجائے گی۔ ان کی بات نہیں ٹالتی۔'' مصطفیٰ نے ہامی بھرلی تھی۔

''تم کسی سے ذکر نہیں کرنا کہ وہ کالج چھوڑنے کا فیصلہ کیے ہوئے ہے۔ بھائی صاحب اور بھابی سے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ ضد پہ اتری ہوئی ہے اور جب غصہ اترے گا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا' وہ شرمندہ ہوگی۔ خوامخواہ سب کے سامنے ایشو نہ بن جائے تم بہانے سے کسی اور طریقے سے بات کرلینا۔ دیکھو آج کی تاریخ میں ضرور بات کرنا۔'' تابندہ بی کے لہجے میں ہزارہا خوف تھے۔

ایسے خوف جو اکثر بیٹیوں کی ماؤں کے لہجوں میں ہوتے ہیں۔ مصطفیٰ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ اب جیسی بھی ہے۔ جو بھی ہے عمر بھر کا ساتھ نبھانا تو ہے نا۔'' اس نے پتا نہیں بوا کو تسلی دی تھی یا خود کو مگر تابندہ کے لیے یہ بات خوش آئند تھی۔

''شکریہ بیٹا!'' دوسری طرف بوا جی فوراً مشکور ہوئی تھیں۔

''اور ایک اور یقین دہانی کہ شہوار کو علم نہ ہو کہ ہماری بات ہوئی تھی ورنہ وہ پہلے والی بات کو بھی لے کر خاصی خفا ہے اب علم ہوا تو پھر عمر بھر بات کرنا چھوڑ دے گی۔''

''اف...... اس قدر ضدی ہیں خاتون...... مگر دیکھنے میں تو بڑی سیدھی سادھی نرم خو اور رحم دل سی لگتی تھیں۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو بوا جی مسکرادیں۔

''وہ دل کی بری نہیں ہے بس حالات نے تلخی بھردی ہے اس میں۔ وہ تو کبھی نگاہ اٹھا کر کسی سے بات تک نہ کرتی

تھی۔ میں نے جو کہہ دیا کبھی پلٹ کر انکار نہیں کیا مگر اب بیٹا! یہ عادلہ اور اس کے خاندان کی وجہ سے بدل گئی ہے۔ اب تو اتنی تلخی بھر گئی ہے کہ مجھے تو اس سے بات کرتے خوف آنے لگتا ہے۔'' تابندہ بی نے بڑے دلگرفتہ انداز میں بتایا۔

''بوا جی میں صرف آپ کی وجہ سے اس معاملے میں پڑ رہا ہوں...... ورنہ میں بھی انسان ہوں اور عام انسان کی طرح مجھے بھی اپنی سیلف ریسپیکٹ بہت عزیز ہے۔ شہوار کے بی ہیویئر کی بھلے جو بھی وجہ ہو مگر ہم وہی لوگ تھے نہ ہمارا اس سے سلوک بدلا تھا اور نہ ہی رویئے پھر اس کا ہم سے اس طرح بی ہیو کرنا کم از کم میں اس سچویشن کو نارمل لوگوں میں کاؤنٹ نہیں کرتا...... دنیا میں بھی کچھ ہوتا ہے' ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' کیا دوسروں کے کہنے پر ہم زندہ رہنا چھوڑ دیں گے؟ عادلہ بھابی اور ان کی فیملی جیسے کم ظرفوں کے لیے کوئی پاگل ہی ہوگا جو اپنی زندگی برباد کرنے کا سوچے؟'' اس نے تلخی سے کہا۔

''وہ ٹھیک ہوجائے گی بیٹا! تمہیں نہیں پتا کہ اسے عادلہ اور اس کی فیملی کی طرف سے کن کن رویوں کا سامنا کرنا پڑا ہے......؟'' مصطفیٰ ٹھٹکا۔

تو کیا شہوار نے بوا جی کو سب کچھ بتادیا تھا ہوٹل میں ایاز کی اس حرکت سمیت سب کچھ؟

''میں اتنا بھی بے خبر نہیں ہوں بوا جی! بہرحال مجھے نہیں علم کہ آپ کے علم کی حد کیا ہے اور شہوار نے کیا کچھ ڈسکس کیا ہے؟ مگر اب جب ہم معاملہ سنبھال رہے تھے' نکاح بھی ہوچکا تھا تو مجھے شہوار کے اس انتہائی ردعمل نے بہت اذیت دی ہے۔ وہ بھلے اس رشتے کو قبول نہ کرتی' نہ مانتی مگر اچھے اور نارمل انسانوں کی طرح کم از کم ری ایکٹ تو ضرور کرتی۔ بہت سے طریقے ہوتے ہیں مخالف پارٹی کے سامنے اپنی ناپسندیدگی شو کرنے کے۔ ضروری نہیں کہ کوئی انسان برا لگ رہا ہے تو اس کے منہ پر کہہ دیا جائے کہ تم مجھے برے لگتے ہو۔ آئندہ میری نظروں کے سامنے نہیں آنا...... یہ تو نری جہالت ہے...... ایسے رویوں کی توقع تو کسی ان پڑھ اور کم فہم انسان سے بھی نہیں کی جاتی' وہ بھی شعور رکھتا ہے کہ اپنے اندر کی ناپسندیدگی کو سلجھے ہوئے انداز میں کس طرح مخالف انسان کے سامنے لایا جائے؟'' وہ کافی بھرا بیٹھا تھا سو سب کہتا گیا۔

''مجھے اتنا تو شہوار نے بتایا تھا کہ عادلہ اور اس کی ماں ایاز کا پروپوزل لے کر تو آئی تھیں مگر بھابی نے صاف جواب

دے دیا۔اس کے بعد دونوں نے کافی کچھ سنا بھی ڈالا۔ بیٹا! بعض معاملوں میں انسان بہت بے بس ہوتا ہے تم سے یہ اس لیے ڈسکس کررہی ہوں کہ تم اس معاملے کو جانتے ہوئے شہوار کو غلط نہ سمجھو۔ بعض لوگ عزت کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ان کی زندگی کا اوڑھنا' بچھونا' کھانا پینا ہر چیز عزت ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کے حساس کے آئینے کو اگر ایک بار چوٹ لگ جائے تو بڑی شدید ہوتی ہے۔ عادلہ شہوار اور اس کی ذات کے حوالے سے جو چوٹ اسے لگا کر گئی تھی وہ تو کوئی بھی ذی ہوش لڑکی برداشت نہ کرتی۔ شہوار نے مجھے حرف بہ حرف ساری سچویشن بتائی تھی اتفاقاً اس نے لاؤنج میں ہونے والی بھابی' عائشہ صبا اور دیگر لوگوں کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ ٹوٹ کر نہ بکھرتی تو اور کیا کرتی؟ ہاں اس کے بعد بابا صاحب بیمار ہوئے تو وہ حویلی چلی آئی تھی واپسی پر اس نے مجھ سے ساری بات کی اور کہا تھا کہ اسے اس معاملے میں اب مجبور نہ کیا جائے اگر ایسا ہوا تو وہ اپنی تعلیم چھوڑ کر حویلی آجائے گی۔ میں سمجھی کہ یہ سب عادلہ کی وجہ سے کہہ رہی ہے ٹھیک ہو جائے گی اس کے بعد وہ واپس چلی گئی۔ وہاں جا کر کیا ہوا مجھے نہیں علم؟ ہاں بھائی اور بھائی صاحب کے سامنے میں نے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر دو دن بعد اچانک بھائی صاحب کی کال آئی کہ وہ نکاح کر رہے ہیں تم دونوں کا اور مجھے سختی سے تاکید کی کہ شہوار مجھ سے رابطہ بھی کرے تو میں بات نہ کروں...... انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا مجھے نہیں علم نہ انہوں نے بتایا' بس یہ ہوا کہ میں نے ان کی تاکید پر عمل کیا' اگلے دن شہوار واپس آ گئی' لائبہ ساتھ تھی' میں براہ راست شہوار سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ دوسروں کے ساتھ ساتھ میری ذات سے بھی بدگمان ہو جائے گی اور انتہائی حد یہ ہوگی کہ کبھی واپس نہ جانے کا فیصلہ کر لے گی۔'' تابندہ بی نے دھیرے دھیرے ساری سچویشن سنا ڈالی تھی اور مصطفیٰ خاموشی سے اپنی جگہ جم کر رہ گیا تھا۔

تو کیا شہوار کا یہ رویہ محض ان کے اس اچانک فیصلے کا ردعمل تھا؟ شہوار ایاز کے پروپوزل سے باخبر تھی یہ انکشاف حیران کن تھا' اس کے بعد ایاز کی حرکت اور ان کے اپنے اقدامات شہوار جیسی لڑکی جس کے لیے عزت نفس ہی سب کچھ تھا وہ ایسا ری ایکشن شو نہ کرتی کیا ناممکن تھا؟ مصطفیٰ کی سوچ بس اسی ایک نقطے پر جم کر رہ گئی اور وہ شدید اضطراب کا شکار ہونے لگا۔ بعض معاملوں میں انسان ماحول اور واقعات کے تابع ہو جاتا ہے' اس کی ساری سوچیں اور ساری صلاحیتیں بکھر کر رہ جاتی ہیں اور پھر وہ وہی کرتا ہے جو حالات و واقعات نے اسے دیا ہوتا ہے۔ جو حالات و واقعات کے تحت اسے مناسب لگ رہا ہوتا ہے شہوار بھی تو وہی کر رہی تھی' پھر اس میں غلط کیا تھا؟

تو کیا شہوار کا یہ سارا عمل محض ایک ردعمل ہے...... صرف ردعمل......؟

مصطفیٰ کے ذہن و دل میں اپنی ذات کی بھرپور نفی کرتا شہوار کا انداز جگمگایا تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''تو شہوار بی بی! یہ کہاں کا اصول ہے کہ کسی کی سونپی اذیت ساری کی ساری تم مجھ پر انڈیل دیتیں...... میں نے تو بہت فیئر ہو کر یہ رشتہ باندھا تھا۔ ہر غرض و احساس سے بالاتر ہو کر محض خلوص کی بنیاد پر...... اور تم نے کیا کیا؟ میرے دل میں ابھرتے صاف شفاف جذبات کو دھندلا دیا۔ سر نکالتے احساسات کو کچل ڈالا...... مگر اب سوچتا ہوں کیا واقعی تم غلط ہو یا بقول بوا جی کہ یہ حالات و واقعات کی سونپی ہوئی تلخی ہے محض یا پھر ردعمل؟

''مصطفیٰ......!'' وہ سوچ کی دنیا میں نجانے کہاں سے کہاں جا پہنچا تھا جب بوا جی کی پکار پر فوراً چونکا۔

''جی بوا جی!''

''تو پھر میں امید رکھوں نا کہ تم کچھ کرو گے؟ بیٹا کوشش کرنا کہ کسی کو علم نہ ہو اور وہ واپس بھی آ جائے۔'' بوا جی خاصی پریشان اور فکر مند تھیں۔ مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔

''جی...... بوا جی' بے فکر رہیں۔ یہ اب میرا مسئلہ ہے میں کس طرح ہینڈل کرتا ہوں مجھ پر چھوڑ دیں۔'' مصطفیٰ نے

نہایت پرسکون اور مضبوط لہجے میں کہا تو بوا جی نے ایک اطمینان سانس لیا۔

''جیتے رہو...... خوش رہو......'' انہوں نے دعاؤں سے نوازتے کال بند کر دی۔

مصطفیٰ کال بند ہونے کے بعد کچھ دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا پھر کال ملا کر کسی سے بات کی اور شہوار کے کالج کے چیئرمین صاحب کا نمبر پتا کر کے اطلاع کرنے کی ہدایت کی۔ لینے کو تو وہ شاہزیب صاحب سے بھی نمبر لے سکتا تھا مگر بوا جی کی ہدایت تھی کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ شہوار کیا کم عقلی دکھا رہی ہے؟ کچھ دیر بعد اسے نمبر لکھوا دیا گیا۔

مصطفیٰ نے اس بار چیئرمین صاحب کے ذاتی نمبر پر کال کی تھی۔ سلام دعا کے بعد چیئرمین صاحب اسے پہچان کر کہنے لگے۔

''شاہزیب کی کال آئی تھی کہ آپ کا اور اس بچی کا جو ہمارے کالج میں زیر تعلیم ہے نکاح ہو رہا ہے۔ وہ چھٹیوں کی بات کر رہے تھے ساتھ میں نکاح میں شرکت کی بھی دعوت دی تھی چونکہ اتوار والے روز میں فارغ نہیں تھا تو معذرت کر لی۔''

''جی انکل اتوار کو فنکشن تھا...... شہوار کی گزشتہ ماہ اور اس ماہ دونوں میں کافی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ ان کی کالج پروگریس میں پرابلم تو نہیں ہوگی...... کیونکہ شہوار آج کل بھی کالج سے آف ہیں۔''

''فرق تو ظاہر ہے پڑتا ہے...... ریگولر اسٹوڈنٹ جو کچھ سیکھتا ہے وہ پروگریس تو ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ آپ کا پرابلم تھا سو ہمیں ایڈجسٹ کرنا پڑ رہا ہے۔ مگر اب فنکشن کے بعد آپ انہیں کالج بھیجیں۔''

''اسی سلسلے میں آپ کی فیور درکار ہے۔ بات یہ ہے کہ محترمہ فی الحال کالج نہیں آنا چاہ رہیں۔ دراصل یہ سب ذاتی قسم کا ٹاپک ہے اس لیے آپ سے کھل کر بات نہیں کر رہا...... مگر وہ اس نکاح کے بعد اسٹڈی جاری نہیں رکھنا چاہتیں جبکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی میڈیکل کی ایجوکیشن مکمل ہو اسی لیے آپ سے بات کر رہا ہوں...... آپ پلیز یہ فیور کر دیں کہ اپنی طرف سے بابا سے رابطہ کر کے شہوار کو کالج بھیجنے کے لیے کہیں...... کیونکہ وہ بابا کی بات کبھی نہیں ٹالتیں اور نہ ہی انہیں انکار کرے گی' آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ معاملہ میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے...... بابا یا کسی دوسرے کے علم میں نہ ہو۔'' اس نے بہت سہولت سے کہا تو دوسری طرف چیئرمین صاحب فوراً سمجھ گئے تھے۔

''یہ تو کوئی مسئلہ نہیں میں شاہزیب سے رابطہ کر لوں گا۔''

''آپ چونکہ ادارے کے سربراہ ہیں تو ادارے کے سربراہ کے طور پر ہی بات کیجیے گا۔ اس کی اسٹڈی رپورٹ کو بہانہ بنا لیں یا اٹینڈنس شیٹ کو لے کر بات کریں' آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ کس طرح بات کو ہینڈل کرنا ہے۔ بابا ایجوکیشن کے معاملے میں بہت کانشس ہیں فوراً ایکشن لیں گے۔'' اس نے کہا تو دوسری طرف چیئرمین صاحب ہنس دیئے۔

''تو بیٹا یہ سارا کچھ آپ خود ہی اپنی وائف سے ڈسکس کر لیں نا؟'' انہوں نے بڑے لطیف سے انداز میں مذاق کیا تھا' وہ بھی مسکرا دیا۔

''جی ضرور ڈسکس کرتا اگر یقین ہوتا کہ وہ محترمہ تھوڑی بہت عقل استعمال کر کے اپنے نقصان پر نظرثانی کریں گی۔ بابا سے اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ میں نہیں چاہتا کہ بابا یا کسی اور پرسن کے سامنے یہ مسئلہ آئے کہ شہوار میڈیکل اسٹڈی چھوڑ رہی ہیں۔ اب لے دے کے آپ ہی رہتے ہیں آپ سے ہی فیور لینے پر مجبور ہوں۔''

''اوکے ٹھیک ہے میں آج ہی شاہزیب کو کال کر کے شہوار بیٹی کو کالج بھیجنے کے لیے کہتا ہوں۔'' انہوں نے فوراً ہامی بھری۔

''کوشش کیجیے گا کہ بابا سے اس طرح بات کریں کہ بابا پہلی فرصت میں شہوار کو واپس بلوائیں اور کالج بھیجیں۔'' اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ایک دفعہ پھر تاکید کی۔

تابندہ بوا نے اس پر اعتماد کرتے اس معاملے کو سلجھانے کو کہا تھا سو وہ اب مکمل طور پر اس معاملے کو حل کرنا چاہتا تھا۔ چند اور باتوں کے بعد چیئرمین صاحب نے کال بند کردی اور مصطفیٰ نے بھی کسی حد تک اس مسئلے کو حل ہوتے دیکھ کر پرسکون ہوتے اپنے آفس ورک کی طرف توجہ مبذول کرلی تھی۔



شہوار کالج نہیں آرہی تھی انا اب فکر مند ہوگئی تھی۔ اس نے کئی بار اس کے نمبر پر رابطہ کرنا چاہا مگر ہر بار نمبر آف ملا اور یہ انا کی کم عقلی تھی کہ حویلی جانے کے باوجود وہاں کا نمبر لے کر نہ آئی اور نہ ہی کسی دوسرے فرد کا نمبر لے سکی تھی۔ اب تو اسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ شہوار شہر آچکی ہے یا ابھی تک حویلی میں ہی ہے۔ گھر آنے کے بعد مغرب تک انا نے ولید کا انتظار کیا تھا۔ وہ گھر آیا تو انا نے سوچا کہ ولید سے مصطفیٰ کا نمبر لے کر وہ آج شہوار سے ضرور بات کرے گی یا پھر شہوار کے متعلق اسے کوئی نہ کوئی اطلاع تو مل ہی جائے گی۔

وہ ولید کے کمرے میں آئی تو وہ باتھ روم میں تھا۔ گھر آتے ہی وہ باتھ لیتا تھا۔ اس کا موبائل، کی چین، گلاسز اور لیپ ٹاپ بستر پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ کیتھی والے واقعے کے بعد ولید سے لاکھ خفا سہی مگر ولید سے پہلو تہی بھی برتنا ممکن نہ تھا۔ وہ اب بہت بے تکلف ہو کر بات نہیں کررہی تھی خود بخود سنجیدہ ہوگئی تھی مگر اس دل کا کیا کرتی جو اسے دیکھتے ہی اس کی طرف ہمکنے لگتا تھا۔ اس وقت بھی بستر کے کنارے ٹک کر لیپ ٹاپ کے کور پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ ولید باتھ لے کر باہر نکلا تو انا کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے، بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی۔ حویلی سے واپسی کے بعد دونوں میں گفتگو بالکل بند تھی۔ آج اسے کمرے میں دیکھ کر چونکا تھا۔

''ہیلو......!'' ولید نے کہا۔

انا نے پلٹ کر دیکھا وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ٹاول سے اپنے سر کے بالوں کو رگڑ رہا تھا۔ وہ اس وقت سادہ شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ عام طور پر وہ شلوار قمیص نہیں پہنتا تھا مگر آج اسے اس لباس میں دیکھ کر انا کو اچھا لگا۔ یہ لباس بھی اس کے وجود پر بہت جچ رہا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے مصطفیٰ بھائی کا نمبر چاہیے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو ولید ٹاول اسٹینڈ پر لٹکا کر اس کے قریب آیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے؟'' قریب آ کر پوچھا تو اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''کیوں میری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟'' انا نے ناراضی سے کہا تو وہ ہلکا سا طنزیہ مسکرایا۔

''سیم یہی بات تو میں بھی سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں کہ اچانک حویلی میں گزرے وقت میں ایسی کیا بات ہوئی کہ محترمہ کا اس کے بعد موڈ بالکل ہی چینج ہے۔ کسی سے بات کرنا تو ایک طرف ہنس کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں۔'' ولید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے طنز سے کہا تو وہ آنکھیں جھکا گئی۔

''وہم ہے آپ کا؟''

''اور وہم کا کوئی علاج نہیں ہوتا...... یہ بھی تو سنا ہوگا تم نے۔'' واپس آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرتے ولید نے کہا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''مجھے مصطفیٰ بھائی کا نمبر دے دیں۔'' ولید نے آئینے میں سے اسے دیکھا اس کی سنجیدگی برقرار تھی۔

''کوئی کام ہے مصطفیٰ سے؟''

''جی شہوار کالج نہیں آرہی اس کا نمبر بھی بند ہے بس اسی کے بارے میں کنفرم کرنا تھا۔''

"مگر مصطفیٰ تو اگلے دن ہی شہر واپس آ گیا تھا۔ اس کی فیملی کے باقی ممبر بھی آ چکے ہیں یا نہیں' کنفرم نہیں۔" ولید نے بتایا تو اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"آپ نمبر لکھوا دیں میں کال کر لیتی ہوں۔" ولید نے بستر پر رکھا موبائل اٹھا کر مصطفیٰ کا نمبر نکالا۔

"لکھو!" ولید نے کہا تو انا نے فوراً اپنا موبائل سیدھا کرتے اس کا لاک کھولا۔

"لکھوائیں۔" اس نے کہا مگر تبھی ولید کا موبائل بجنے لگا تھا۔

ولید اپنے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔ انجانا نمبر تھا۔ صبح سے کئی کال آ چکی تھیں مگر مصروفیت کی وجہ سے وہ اٹینڈ نہ کر پایا تھا۔ اس نے ایک نظر منتظر سی انا کو دیکھا اور پھر اسے رکنے کا اشارہ کرتے اس نے کال پک کر لی۔

"ہیلو......" اجنبی آواز تھی۔

"السلام علیکم......جی کون۔"

"وعلیکم السلام! آپ نے پہچانا نہیں۔ جبکہ میں آپ کی آواز سنتے ہی پہچان گئی ہوں۔ صبح سے کئی بار کال کی تھی مگر آپ نے پک ہی نہیں کی۔ ولید صاحب ایسے نہیں کرتے کسی کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔" موبائل سے گونجتی کھنکتی زنانہ آواز نے ولید کو اچھا خاصا چونکا دیا تھا۔ ولید نے بے اختیار انا کو دیکھا وہ بھی متوجہ تھی۔ ولید نے محسوس کیا کہ موبائل میں سے جیسی آواز نکل کر انا کے کانوں کو بھی فیض یاب کر گئی تھیں۔

"ایم سوری' میں پہچان کے معاملے میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ صاف بتائیں کون ہیں آپ؟" نجانے انا کی آنکھوں میں ایسا کیا تاثر تھا کہ وہ جھنجلا کر پلٹا تھا اور انا سے قدرے دور ہٹ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"کاشفہ بات کر رہی ہوں۔ وہی جس کو آپ ہاسپٹل لے کر گئے تھے۔"

"اوہ......" ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ سے بات کروں...... یقین کریں پہلے ہاسپٹل اور اب گھر کے قیام کو بھگت کر میں بہت بور ہو گئی ہوں۔ کوئی انٹرٹینمنٹ نہیں۔ کوئی تھرل نہیں' لائف بالکل بور ہو چکی ہے۔ میں بہت اداس ہو رہی تھی تو سوچا آپ سے ہی بات کر لی جائے۔" ولید نے موبائل کو گھورا۔ اس لڑکی سے بھلا ایسی شناسائی کب تھی کہ وہ اس قدر بے تکلفی پر اتر آئی؟ ٹھیک تھا کہ اس نے اس کے ساتھ ایک نیکی کی تھی۔ مگر اب نیکی گلے پڑتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اتنا کم فہم تو تھا نہیں کہ اس لڑکی کے لگاوٹ بھرے بے تکلف انداز کو محسوس نہ کر پاتا۔

"سوری میڈم...... بات یہ ہے کہ اس وقت میں اپنی فیملی کے ساتھ ہوں اور بہت بزی ہوں...... پھر کبھی بات ہوگی اوکے۔" اس نے جلدی سے جان چھڑوانا چاہی۔

"آپ میریڈ ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی وہ مسکرا دیا۔ عجیب سا بے تکلف سوال تھا اس لڑکی کا۔

"میڈم! فیملی صرف میریڈ لوگوں کی ہی نہیں ہوتی...... بیچلر لوگوں کی بھی ایک فیملی ہوتی ہے اس کے ماں باپ' بہن بھائی باقی رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔"

"پھر کب بات کریں گے مجھ سے؟" وہ لڑکی آس سے پوچھ رہی تھی۔

"دیکھیں وقت کب ملتا ہے؟" اس نے ٹالا۔

"ٹھیک ہے پھر میں رات میں کال کروں گی۔ ناؤ انجوائے ود یور فیملی۔ ٹیک کیئر۔ سی یو۔" وہ کال بند کر گئی تھی۔ ولید گہرا سانس لیے پلٹا تو چونکا۔ انا کمرے میں نہیں تھی۔

پتا نہیں وہ کس پل کمرے سے نکلی تھی اپنے اردگرد سے باخبر رہنے والے ولید کو پتا بھی نہیں وہ ایک دم جھنجلایا۔ کال

ڈراپ ہونے کے بعد مصطفیٰ کا نمبر اب پھر سامنے تھا۔ وہ کال آنے سے پہلے انا کو لکھوانے والا تھا۔

"کم از کم نمبر تو لکھ لیتی؟" وہ موبائل بستر پر ڈالتے پھر آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔



مصطفیٰ کو شاہزیب صاحب نے بلوایا تھا' وہ ان کے پاس آیا تو وہ فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے۔

"آپ شہوار سے بات کروائیں میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔" وہ شاید تابندہ بوا سے کہہ رہے تھے۔

مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔ اس کی توقع کے مطابق وہ حویلی بات کر رہے تھے۔ یقیناً چیئرمین صاحب ان سے بات کر چکے تھے۔ مصطفیٰ نے کرسی پر بیٹھ کر میگزین اٹھا لیا۔ یہ بزنس میگزین تھا وہ ورق گردانی کرنے لگا مگر ساری توجہ پاپا کی ہی طرف تھی۔

"وعلیکم السلام! طبیعت ٹھیک ہے بیٹا!" دوسری طرف شہوار لائن پر تھی۔

"بات یہ ہے بیٹا کہ پچھلے دنوں اور اس سے پہلے آپ کی کالج سے بہت ساری چھٹیاں ہو چکی ہیں۔ لاسٹ منتھ اور اس ماہ کی کل ملا کر اچھی خاصی چھٹیاں ہو جاتی ہیں۔ آج آپ کے کالج سے کال آئی تھی آپ کی پروگریس رپورٹ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ اگر اٹینڈنس شیٹ کی کارکردگی اسی طرح رہی تو یقیناً آپ کی اسٹڈی بھی متاثر ہوگی۔ سارا ایئر جاہ ہو سکتا ہے۔ مجھے تو سن کر خاصی ٹینشن ہونے لگی ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ خاصی ذہین بچی ہو' تعلیمی کارکردگی بھی ہمیشہ سے بہت اچھی رہی ہے۔ میری بہت خواہش تھی کہ میری اپنی اولاد میں سے کوئی میڈیکل میں جائے مگر کسی کی کارکردگی اتنی اچھی نہ تھی اگر تھی تو انٹرسٹ نہ تھا۔ آپ میڈیکل میں آئیں تو مجھے روحانی خوشی ہوئی تھی مگر آج کالج سے کمپلین سن کر دکھ ہوا کہ اچھی خاصی بچی ضائع ہو رہی ہے۔" انہوں نے کچھ توقف کیا اور پھر مسکرائے۔

"بہت چھٹیاں کر لیں' اب مزید چھٹیاں نہیں ہونی چاہئیں آپ واپس آئیں اور کلاسز اٹینڈ کریں۔ جتنا حرج ہوا ہے وہ کور کریں...... میں نہیں چاہتا کہ کسی بھی وجہ سے آپ کا یہ سال ضائع ہو۔" بابا نے کہا تو دوسری طرف شہوار الجھ گئی۔

"مگر انکل ابھی میں واپس نہیں آنا چاہتی۔ ادھر رکنا چاہتی ہوں۔" وہ چاہنے کے باوجود نہ کہہ سکی کہ میں تعلیم چھوڑ رہی ہوں۔

"ساری عمر ہی کام تو کرنا ہے۔ ابھی اپنی اسٹڈی کی طرف بھرپور توجہ دیں۔"

"مگر ابھی واپس آنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا۔ میں وہاں ایکدم ایڈجسٹ نہیں ہو پاؤں گی' پہلے کی بات اور تھی مگر اب......" وہ ہچکچائی تو وہ مسکرا دیے اس کی بات کا مطلب سمجھ رہے تھے۔ وہ شاید نکاح کے بعد مصطفیٰ کی وجہ سے یہاں آنے سے پہلو تہی کر رہی تھی۔

"بیٹا! یہ کوئی نئی بات تو نہ تھی۔ پھر مصطفیٰ کونسا آپ کے لیے انجان ہے جو پرابلم فیس ہو۔ بہرحال ابھی صرف نکاح ہوا ہے رخصتی تو تب ہی ہوگی جب آپ کا میڈیکل کمپلیٹ ہو جائے گا یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔" مصطفیٰ نے میگزین ہٹا کر باپ کو دیکھا وہ مسکرا کر کہہ رہے تھے۔

"میں بہت ٹینشن میں ہوں انکل...... میں وہاں آ کر پہلے کی طرح نہیں پڑھ پاؤں گی۔" اس نے ایک اور بہانہ بنایا۔

"ایاز تھانے میں ہے' اول تو ہماری کوشش ہوگی کہ وہ باہر نہیں آئے اگر ضمانت ہو بھی گئی تو بھی آپ ہماری ذمہ داری ہیں۔ بالکل ٹینشن فری رہیں۔" وہ سمجھے تھے کہ وہ ایاز کی بات کر رہی ہے انہوں نے ریلیکس انداز میں کہا۔

"رہ گئی پہلے کی طرح نہ پڑھ پانے کی بات تو بیٹا ہم ٹیوٹر کا بندوبست کریں گے آپ بس کلاسز اٹینڈ کر لیں۔

اٹینڈنس مکمل کروائیں اور محنت کریں' میڈیکل کلیئر کروانا ہماری ذمہ داری ہے۔'' ان کے پاس اس کے تمام بہانوں کا ایک سے ایک سلوشن موجود تھا۔ دوسری طرف شہوار نے لب بھینچ لیے تو اس طرف مصطفیٰ نے اپنی مسکراہٹ منہ کے آگے میگزین کرلیا۔ وہ تصور میں شہوار کا ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر محظوظ ہورہا تھا۔

''میں نے آپ کے کالج وعدہ کیا ہے کہ آپ کل سے کلاسز اٹینڈ کریں گی تو پھر آپ آج واپسی آرہی ہیں نا؟ میں یہاں کسی لڑکے کو آپ کو لینے بھیج رہا ہوں۔ آپ تیاری رکھیں۔ صبح فجر کے قریب آپ نکلیں گی تو کالج ٹائم پر یہاں موجود ہوں گی۔'' انہوں نے مزید پروگرام بتایا تو وہ روہانسی ہوگئی۔

''مگر انکل جی! میں کالج میں لڑکیوں کو کیسے فیس کروں گی؟''

''کیا آپ نے پہلے کسی سے ذکر کیا تھا کہ یہ نکاح ہورہا ہے؟''

''نہیں۔''

''تو کوئی بات نہیں...... کسی کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے کسی دوسرے سے کیوں ڈسکس کریں۔ ابھی آٹھ بجے ہیں یہاں سے کسی لڑکے کو بھیج رہا ہوں۔ بارہ ایک بجے وہ حویلی پہنچ جائے گا صبح فجر کے قریب دوبارہ نکلیں گے تو آٹھ بجے تک ادھر ہوں گے۔ پھر آپ کالج چلی جایئے گا۔'' انہوں نے اب کے دوٹوک انداز میں کہا اور پھر چند ایک اور ہدایات کے بعد کال بند کردی تھی۔

''آپ نے بلوایا تھا؟'' کال بند کرکے وہ کچھ سوچ رہے تھے مصطفیٰ نے کہا تو انہوں نے سر ہلادیا۔

''ہاں بلوایا تو ہے...... ایسا کرو تم اس وقت حویلی چلے جاؤ۔ شہوار کی اچھی خاصی چھٹیاں ہورہی ہیں کالج سے...... وہاں سے فون آیا تھا اس کی دوماہ میں خراب پروگریس کی نشاندہی کررہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ اگر یہی کارکردگی رہی تو اس کا سال ضائع ہوسکتا ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کل کلاسز اٹینڈ کرے گی۔ شہوار کو میں نے فون کردیا ہے۔ وہ تیار رہے گی' تم اب چلے جاؤ فجر کے قریب واپسی کے لیے نکل آنا...... وقت پر پہنچ جاؤ گے تم دونوں' تم آفس چلے جانا تو شہوار کالج......'' انہوں نے پرسکون انداز میں تمام پروگرام بتایا۔

''اس وقت؟ آج تو میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ آپ عباس بھائی یا سجاد میں سے کسی کو بھیج دیں۔'' اس نے انکار کیا تو بابا نے اسے گھورا۔

''اس کا نکاح عباس یا سجاد سے نہیں تم سے کیا ہے ہم نے اور تمہاری مرضی سے ہوا ہے یہ سب وہ عباس یا سجاد کی ذمہ داری نہیں کہ وہ جائیں تمہاری ذمہ داری ہے تم جاؤ گے۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''میں آج سارا دن بہت بزی رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں۔'' وہ فی الحال شہوار کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا سو بہانہ بنایا تو بابا نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''تھکن تو کسی اور وقت بھی اتر سکتی ہے مگر وہ ہماری بہو ہے...... وہ پہلے ہی کئی باتوں کو لے کر عدم تحفظ کا شکار ہے میں چاہتا ہوں کہ تم خود اسے لینے جاؤ...... ویسے بھی اب شہوار کی ذمہ داری تم پر ہے۔''

''مگر یہ ذمہ داری تو تب قبول کروں جب رخصتی جیسا پروگرام طے پاچکا ہو...... ابھی تو محض نکاح ہوا ہے وہ میری اوور آل ذمہ داری کیسے بن گئی؟'' وہ بابا سے کبھی بحث نہیں کرتا تھا مگر اس وقت وہ شہوار کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا سو انکار کرگیا تو بابا نے بہت سنجیدگی و برہمی سے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ ادھر تم اس نکاح سے نالاں ہو تو ادھر شہوار...... کہیں تم نے شہوار سے کچھ کہہ تو نہیں دیا؟'' بابا کا مشکوک تفتیشی انداز تھا اور کیا تشخیصی رپورٹ تھی۔

مصطفیٰ کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ نیکی بدنام گناہ لازم...... محترمہ کے رویوں کی بھی ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پہ آپڑی تھی۔

''بابا بھی نا...... بعض اوقات حد کرجاتے تھے'' وہ کلسا۔

''ایسی کوئی بات نہیں...... میں اس نکاح سے قطعی نالاں نہیں...... ہاں دوسری طرف کیا صورتحال ہے مجھے نہیں علم؟ میں تو محض تھکن کی وجہ سے انکار کررہا تھا۔ اب آپ اصرار کررہے ہیں تو چلا جاتا ہوں مگر آپ وہاں خود اطلاع کردیجیے گا۔ پھر یہ نہ ہو کہ وہاں جاؤں تو صاف انکار ہوجائے......'' مصطفیٰ نے بابا کے سوال پر خاصا خفا ہوکر کہا تو وہ مسکرائے۔

''میں نے کہہ دیا ہے وہاں...... تم جاؤ تیاری کرلو...... ابھی نکلو...... بارہ بجے پہنچ جاؤ گے۔ ایک دو گھنٹے ریسٹ کرنا پھر واپس آجانا۔''

''جی اچھا۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''بس یہی کہنا تھا...... اب تم جاؤ تیار ہولو۔'' انہوں نے کہا تو وہ گہری سانس بھرتا باہر نکل آ گیا۔



''انا......!'' وہ لاؤنج کے قریب سے گزری تو ماما نے پکارا۔

''جی ماما......!''

''ادھر آؤ......'' وہ ان کے پاس آ بیٹھی روشی بھی پاس ہی تھی۔ ماما کئی طرح کے کپڑے پھیلائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ مرد اس وقت بھی اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ ماما اور روشی شادی کے سلسلے میں ڈھیروں سامان بکھیرے جائزہ لے رہی تھیں۔

''آپ نے تو ادھر دکان ہی کھول رکھی ہے......'' اس نے ہنس کر کہا۔

''تمہیں تو کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں۔ شادی کے دن ہیں...... سو کام ہیں گھر میں کرنے کو' میرا تو سارا دن بوتیک میں گزر جاتا ہے۔ پیچھے روشی ہی سارا کچھ دیکھتی ہے' کچن کے کام بھی' کھانا پکانا بھی اور باقی مصروفیات بھی۔'' ماما نے اس کے ہنسنے پر برا مان کر کہا اس نے روشی کو دیکھا' وہ مسکرا رہی تھی۔

''یہ دن اب روشی کے آرام کے ہیں۔ تم اسٹڈی کے ساتھ ساتھ آج کل کچن دیکھو...... خیر مہمان ہم نے کچھ خاص بلائے نہیں...... دو دن فنکشن ہوگا تو میرج ہال میں ہی سب نے پہنچنا ہوگا۔ گھر میں مہمانوں کو سنبھالنے کی ٹینشن تو نہیں ہوگی مگر کچھ نہ کچھ تو ہنگامہ ہوگا ہی نا۔ روشانے کو فارغ کرواور تم خود ساری ذمہ داریاں دیکھو...... گھر کے کام صغراں دیکھ لیتی ہے آج کل اس کی ماں اور بہن کو بھی بلوا رہی ہوں۔ چند دن وہ بھی ہوں گی تم خود اب سب جانب دھیان دو میں نے بوتیک کی لڑکیوں کو کہہ دیا ہے کہ ان دنوں وہ خود دیکھ لیں۔ مگر روزانہ دو تین گھنٹے چکر تو ضرور لگے گا نا میرا......'' ماما نے کہا تو اس نے محض سر ہلادیا۔

''تم بہت ڈل اور آدم بیزار ہوتی جارہی ہو...... کسی بھی معاملے میں کوئی انٹرسٹ شو ہی نہیں کررہی ہو...... خیر سے تمہارے اکلوتے بھائی کی شادی ہے۔ تم تو سو ارمان نکالنے کے دعوے کرتی رہی ہو اب موقع آیا ہے تو بالکل ایک طرف موڈ بنائے پھرتی رہتی ہو۔ آخر وجہ کیا ہے ہوا کیا ہے تمہیں؟'' ماما کو آج موقع ملا تھا اس کی گوشمالی کرنے کا اس نے بے چارگی سے روشانے کو دیکھا وہ مسکرادی۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے......'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''تم ڈھولک منگوانے کا کہہ رہی تھیں پھر صغراں سے کہہ کر کیوں منگوائی نہیں۔'' اس کی کلاس لینے کے بعد ماما نے

ایک اور نکتہ اٹھایا تھا۔

"کیا فائدہ منگوانے کا...... یہاں کونسا مہمانوں اور ساتھ نبھانے والوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ جب خود تنہا ہی سب کرنا ہے تو پھر فائدہ؟" اس کا انداز ایکدم بڑا بےزار ہوا تو ماما نے بغور دیکھا۔

"ہم کونسا جنگل میں آباد ہیں؟ خیر سے اچھی خاصی سلام دعا ہے...... اتنی آنٹیز ہیں تمہاری اُن کے گھروں میں کال کرو...... آس پڑوس کو بلوا لو...... رونق ہی لگانی ہے نا۔" ماما نے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"کیا فائدہ پرائی خوشیوں سے دل کو آباد کرنے کا...... شہوار کا محض نکاح تھا مگر وہاں ان لوگوں کے بھی رشتہ دار موجود تھے۔ نہ ڈھولک بجی، نہ گیت گائے مگر وہاں سب نے مل بانٹ کر جو رونق لگائی اس کو بھول ہی نہیں سکتی میں۔ سب لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بالکل روایتی سا ماحول تھا۔ زنانہ مردانہ الگ الگ...... اور گھر کی بڑی خواتین نے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کی...... اور سب نے بھی اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے اتنی رونق لگائی کہ حد نہیں...... پوچھ لیں روشی سے کتنا انجوائے کیا تھا ہم نے؟" ماما نے حیرت سے اسے دیکھا۔

انا دن بدن عجیب سی قنوطیت پسند ہوتی جارہی تھی اور یہ کمپلیکسز...... بھلا دوسروں سے اپنی خوشیوں کا موازنہ کرنے کا کیا مطلب ہوسکتا تھا؟

"یہ کیا بات ہوئی! ہم کونسا چھپ چھپا کر سب کررہے ہیں اب تمہاری توقع کے مطابق رشتہ داروں کی ایک لمبی لائن اکھٹی کرنے سے تو رہی...... صغراں کو کہہ دوں گی وہ ڈھولک لادے گی آس پڑوس میں پیغام بھی دے آئے گی رونق ہی لگانا ہے لگالینا۔" ماما نے کہا تو وہ چپ رہی۔

"احسن کے کمرے کا فرنیچر کل آجائے گا...... مختلف ورکرز کو کہا ہوا ہے وہی لوگ آکر سیٹنگ کرجائیں گے۔ جس طرح کا بھی سجانا ہے تم روشی کے ساتھ مل کر ڈیسائڈ کرلو...... احسن سے بھی مشورہ لے لو ایک دو دن میں یہ کام مکمل ہوجائے باقی باہر بازار کی تیاری تو مکمل ہے نا؟" انہوں نے اسے کہتے کہتے روشانے سے بھی پوچھا۔

"جی...... ہر چیز ریڈی ہے...... اب چکر لگانے کی ضرورت تو نہیں ہاں مرد حضرات نے کوئی اسپیشل قسم کی شاپنگ کرنی ہے تو ان کا مسئلہ ہے ہمارا سارا کام مکمل ہے۔ بس چیزوں کو ایک مکمل لسٹ بنانی ہے اور ارینجمنٹ کا کام ہے۔" روشانے نے تفصیل بتائی۔

"چلو اب کل سے میں کچھ ٹائم گھر پر ہی ہوا کروں گی...... پھر ورکرز بھی ہوں گے ایک دو دن میں ہوجائے گا سب باقی بس فنکشن کے دنوں کا ہی کام ہوگا۔"

"جی......" روشانے نے تائید کی۔

"مہندی وغیرہ کا کیا فائنل کیا ہے آپ لوگوں نے؟" انا نے پوچھا۔

"یہ تم اپنے ماموں اور پاپا سے پوچھ لینا وہ اجازت دیں گے تو کرلیں گے شادی سے ایک دن پہلے محض رسم ہی تو کرنا ہے۔ گھر کے لان میں ارینج کروالیں گے یا پھر جیسا تم کہو......؟" ماما نے اس پر چھوڑا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ یہ فنکشن بھی ہوٹل میں ہی ہو...... گھر میں کروانے والی ٹینشن ختم کریں۔" انا نے مشورہ دیا تو ماما نے سر ہلادیا۔

"اپنے پاپا سے ڈسکس کرلو...... میں بھی اس حق میں ہوں کہ اس طرح ایک بہت بڑی ذمہ داری سے ریلیکسیشن مل جائے گی۔ کھانا، پینا، ارینجمنٹ، ہر چیز ہوٹل کی ہوگی پھر تو......" انا نے سر ہلادیا۔

"تم نے کچھ لینا دینا تو نہیں نا اب؟ کسی بھی قسم کی کوئی شاپنگ کرنی ہے تو ابھی بتادو پھر عین وقت پر کسی نے بھی

بازار کا چکر نہیں لگانا......" ماما نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں...... پہلے ہی میرے پاس ہر چیز بڑی وافر مقدار میں موجود ہے۔" اس نے کہا تو ماما مختلف شاپنگ بیگز اور سامان سمیٹ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

"شہوار دلہن بن کر خاصی خوبصورت لگ رہی تھی۔" روشانے نے کہا تو اس نے سر ہلادیا۔

"شہوار سے دوبارہ بات ہوئی اب کیا ردعمل ہے اس کا؟" روشی نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

"نہیں میری واپس آکر بات ہی نہیں ہوئی۔ اس کا نمبر ہنوز بند ہے اور کم عقلی دیکھو میں نے بھی کسی اور کا نمبر نہیں لیا...... نہ وہ کالج آرہی ہے، پتا نہیں واپس بھی لوٹی ہے یا ابھی تک حویلی میں ہی ہے۔ میں اس کی طرف سے خاصی فکر مند ہورہی ہوں۔ اس سارے واقعے کو لے کر اس کی اسٹڈی خاصی متاثر ہورہی ہے اوپر سے مسلسل لیو پر ہے۔" وہ شہوار کو لے کر واقعی خاصی پریشان تھی۔

"اس کے شہر والے گھر کا بھی نمبر نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"کہاں؟" اس نے بےچارگی سے کہا۔

"مصطفیٰ بھائی سے رابطہ کرلو۔" روشانے نے سلوشن دیا تو اسے شام کا واقعہ یاد آ گیا۔

"ہوں......" اس نے بس ہنکارا بھرا۔

"ان کا نمبر تو ولید بھائی کے پاس ہوگا۔ ان سے نمبر لے لو۔" وہ جواباً چپ رہی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ کل کالج سے واپسی پر شہوار کے ہاں چکر لگالوں...... مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے شہوار جان بوجھ کر کالج نہیں آرہی...... وہاں جاکر صورتحال کا جائزہ لوں گی۔ پتا نہیں نمبر کیوں بند کردیا ہے؟ عائشہ نے بتایا تھا کہ موبائل ٹوٹ گیا تھا نیا خرید کردیا ہے تو آن کرتی نا۔"

"ویسے کتنی عجیب سی سچویشن تھی نا گئے ہم مصطفیٰ بھائی کے نکاح میں تھے اور آگے شہوار سے ملاقات ہوگئی۔ پتا نہیں گذشتہ حالات میں شہوار کے ساتھ اچھا ہوا یا برا مگر مصطفیٰ بھائی کے ساتھ نکاح ہوجانا اس کی ذات ایک دم مضبوط پناہ میں آ گئی ہے۔ مصطفیٰ بھائی اپنے سے متعلق تمام رشتوں کے بارے میں بےحد پکے ہیں۔ بہت کیئر کرتے ہیں۔ میں نے ان کو اس قدر قریب سے اتنا زیادہ جان سمجھ اور پرکھ لیا ہے کہ وہ جس لڑکی کی طرف بھی نگاہ کریں گے وہ لڑکی خود کو معتبر محسوس کرے گی...... بےشک مصطفیٰ بھائی میں بلا کی خوبیاں ہیں شہوار بہت خوش قسمت ہے کہ اسے مصطفیٰ بھائی جیسا انسان ملا...... وہ اب بھی اس کو ایاز جیسے لوگوں کے سامنے ڈی گریڈ نہیں ہونے دیں گے یہ مجھے یقین ہے۔" روشانے کا انداز بہت زیادہ پریقین تھا۔

"اور تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" روشانے چونکی۔

"ولید بھائی!" اس نے پوچھا انا نے سر ہلادیا۔

"ولید میرے بھائی ہیں اور اپنے بھائی تو سبھی کو اچھے لگتے ہیں۔ جیسے تمہیں اپنا بھائی احسن......" روشانے نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس دن جب ہم حویلی میں تھے واپسی آنے سے پہلے ولید کے نمبر پر ایک کال آئی تھی۔ "کیتھی" نام کی کوئی لڑکی تھی یہ کون ہے؟" انا تصویر کا معاملہ گول کرکے سرسری سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"کیتھی......؟" روشانے مسکرادی۔ اس کا انداز بڑا محظوظ کن تھا۔

"تمہیں علم تو ہوگا کہ ولید بھائی وہاں جاب کرتے تھے اور پاکستان آنے سے پہلے انہوں نے وہ جاب چھوڑ دی

تھی۔" انا نے سر ہلا دیا۔ اس کے علم میں یہ بات تھی۔

"کیتھی وہاں جاب کے دوران ہی ان کو لیگ تھی۔ بہت ہی پیاری اور خوبصورت لڑکی ہے یہ۔ ہمارے گھر اکثر آنا جانا تھا کچھ ماڈرن تھی۔ بابا کو پسند نہ تھی' ولی بھائی اور مصطفیٰ دونوں سے اس کی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ بہت بے تکلف لڑکی تھی۔ ولید بھائی کو بہت لائک کرتی تھی' اگر کہوں کہ ولی بھائی کے ایک اشارے پر جان دینے کو تیار رہتی تھی تو غلط نہ تھا۔" روشانے بتا رہی تھی اور انا کی نگاہوں میں وہ تصویر آ ٹھہری جس میں ولید اس لڑکی کو کوئی چیز پہنا رہا تھا۔

"ولید بھی اسے پسند کرتا تھا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ولی بھائی کی بہت دوستی تھی کیتھی سے' کرسچن تھی' مگر بابا کو پسند نہ تھی۔ خاصی بے تکلف اور ماڈ بھی اور جب ہم لوگ واپس آ رہے تھے تو بہت روئی تھی۔ ولید بھائی کو روکنے کے لیے اس نے اپنی کلائی تک کاٹ لی تھی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ وہ بچ گئی۔ بعد میں اپنی اس حرکت پر ولید بھائی سے بہت شرمندہ بھی تھی۔ ولید بھائی اس پر اتنے خفا ہوئے تھے کہ حد نہیں۔ اس کی فیملی کو اس کی خودکشی کے اقدام کی وجہ نہیں معلوم تھی ورنہ یقین جانو ہم پر تو کیس بن جاتا تھا۔ بابا تو پہلے ہی آ چکے تھے اور جب انہیں کیتھی کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ہمیں پاکستان پہنچنے کو کہا۔ کیتھی آخری لمحے تک بڑی کوشش کرتی رہی کہ ہمیں روک لے۔ مگر بابا کے احکام بہت سخت تھے اور ہمیں واپس بہر حال آنا ہی تھا۔" روشانے نے تفصیلاً بتایا تو انا کو لگا کہ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ گیا ہے۔

"تو یہ وجہ تھی ولید ضیاء احمد جو تمہیں میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔ تم اپنے جذبے پہلے ہی کہیں گروی رکھے ہوئے تھے اور میں کتنی پاگل تھی اب بھی ایک آس لگائے بیٹھی تھی۔ تمہارے ذرا سے التفات سے پگھل جاتی تھی اور ایک ذرا سی نگاہ تم پر ڈال کر بے بس ہونے لگتی تھی۔ یوں کہ مجھے خود پر ذرا سا کنٹرول تک نہ رہتا۔ میں سب کچھ بھول کر پھر سے تمہاری طرف توجہ مبذول کر لیتی تھی کہ کسی نہ کسی دن تمہیں میرے وجود میرے جذبات کا احساس ہوگا ہی نا اور میں کیسی احمق کم فہم تھی کہ ہر بار ایک نئی امید لے کر تمہارے پاس آ کھڑی ہوتی تھی؟" انا کو لگا وہ روشانے کے منہ سے کیتھی کا ذکر سن کر ایکدم ٹوٹ کر بکھر گئی ہے۔ مگر وہ روشانے کے سامنے خود کو بمشکل سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلتی ہوں...... نیند آ رہی ہے۔" اس نے کہا تو روشانے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" وہ بغیر کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

اور پھر کمرے میں بند ہو کر دروازہ لاک کر کے جب وہ بستر پر گری تو اسے لگا کہ اس کا ضبط ایکدم چھلک پڑا ہو اور پھر وہ خود کو بکھرنے سے نہ روک پائی تھی۔



مصطفیٰ نو بجے گھر سے نکلا گھر والی گاڑی میں تھا' گاؤں کا ساڑھے تین گھنٹے کا سفر اس نے بڑے ریش انداز میں صرف اڑھائی گھنٹے میں طے کیا اور وہ جب حویلی پہنچا تو ساری حویلی گہرے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی' چوکیدار گیٹ پر تالا ڈالے اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ اس نے ہارن دیا تو وہ باہر نکلا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر اس نے گیٹ کھولا۔ وہ گاڑی اندر لے آیا تھا۔

"اندر سب سو گئے ہیں کیا؟" اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

"پتا نہیں......" وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر آ گیا۔

"تابندہ بوا کو اس نے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع کی تھی مگر انتظار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اندر بھی کمروں کی روشنیاں بند تھیں سوائے بابا صاحب کے کمرے کے۔ گاؤں میں سر شام ہی رات اتر آتی تھی اور اس وقت ساڑھے

گیارہ بجے رہے تھے گویا آدھی رات ہوگئی جبکہ شہر میں اس وقت رات شروع ہوتی تھی۔ وہ بابا صاحب کے کمرے کی طرف آ کر دستک دی۔

"آ جاؤ......" بابا صاحب نے کہا تو وہ اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" بابا صاحب کوئی کتاب پڑھ رہے تھے اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ تابندہ نے تمہارے آنے کا بتایا تھا آ ؤ ادھر آ جاؤ میرے پاس ہی۔" صوفے پر بخشو سویا ہوا تھا' بابا صاحب نے کہا تو وہ ان کے بستر پر ہی بیٹھ گیا انہوں نے اس کے سر اور کندھوں پر ہاتھ پھیرا۔

"شاہزیب نے فون کیا تھا کہ وہ کسی لڑکے کو بھیج رہے ہیں شہوار کو لینے...... تابندہ انتظار ہی کر رہی تھی' کچھ دیر قبل اپنے کمرے میں گئی ہے۔ بتاؤ کیا کھاؤ پیو گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"کھانا کھا کر آیا ہوں...... اس وقت چائے کی طلب ہو رہی ہے۔ میں سیدھا ادھر ہی آیا ہوں آپ کے کمرے کی لائٹ روشن تھی تو اندر آ گیا۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"ہاں...... اندر سبھی سو گئے ہوں گے...... ایسا کرو تم منہ ہاتھ دھو لو میں بخشو کو کہتا ہوں وہ چائے بنا لیتا ہے۔" بابا صاحب نے کہا تو وہ سر ہلاتا ان کے کمرے کے واش روم میں چلا گیا تھا۔

بابا صاحب نے بخشو کو اٹھا کر چائے بنانے کا کہا تھا۔ مصطفیٰ منہ ہاتھ دھو کر آیا تو بابا صاحب منتظر تھے۔ وہ ان کے پاس ہی بستر پر دوبارہ آ بیٹھا۔

کچھ دیر بعد بخشو چائے بنا لایا تھا۔ بخشو ٹرے رکھ کر باہر نکل گیا مصطفیٰ نے اور بابا صاحب نے مل کر چائے پی۔

"شہر سے جو لڑکے تمہارے دوست آئے تھے ان میں ایک لڑکا تھا ولید' کب سے ہے تمہاری دوستی اس سے؟" بابا صاحب نے اچانک باتوں کے دوران پوچھا۔

"میں جب امریکا گیا تھا تو جن لڑکوں کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کیا تھا ان کے ساتھ والا گھر ولید اور اس کی فیملی کا تھا۔ جتنا عرصہ میں باہر رہا ہوں ان ہی لوگوں کے ساتھ ہی ملتا جلتا رہا ہوں یوں کہہ لیں کہ ان کی فیملی کا ہی ایک حصہ بن کر رہا ہوں...... مجھے کبھی ان لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے اکیلے پن کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔"

"اچھا تو وہ لوگ باہر ہی رہے ہیں...... کب سے وہ امریکہ میں آباد تھے؟"

"میرا خیال ہے وہ لوگ کئی سالوں سے وہاں رہ رہے ہیں۔ ولید وغیرہ ابھی واپس لوٹے ہیں۔ ولید کے والد اور ان کی بہن دو ہی بہن بھائی تھے ساری زندگی دونوں خاندان ایک ساتھ ہی رہے ہیں۔ اب ان کا ارادہ اپنے بچوں کی شادیاں بھی آپس میں ہی کرنے کا ہے۔ ولید کی پھوپی کی فیملی کچھ سال پہلے واپس لوٹی تھی یہاں آ کر انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا تھا' اب وہ کچھ حد تک اسٹیبلش ہو چکے ہیں۔"

"ولید کے باپ کا کیا نام ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا۔ "اور اس کے والد حیات ہیں کیا؟"

"ضیاء احمد...... جی ہاں وہ ابھی حیات ہیں۔ بس بیمار رہتے ہیں' ہائی بلڈ پریشر کے سبب۔"

"اور والدہ کا نام؟"

"مجھے نہیں علم...... کبھی پوچھا ہی نہیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو بابا صاحب نے بڑی مایوسانہ نگاہ ڈالی تھی۔

"کوئی خاص بات تھی بابا صاحب؟" بابا صاحب کا اس قدر دلچسپی سے یہ سب پوچھنا اسے حیرت سے دوچار کر رہا تھا اس نے کہا تو وہ چونکے۔ پھر فوراً سنبھلے۔

''نہیں بس یونہی لگا کہ اس بچے کو کہیں دیکھا ہے۔ خیر تم آرام کرو..... دوسرے کمرے میں چلے جاؤ..... میں بخشو کو کہتا ہوں وہ کمرا کھول دیتا ہے۔'' انہوں نے کہا تو وہ کھڑا ہو گیا۔

''صاحب کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' بخشو نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

دروازہ بند کر کے قمیص کے بٹن کھولتے ایک پل کو دل چاہا کہ وہ شہوار کے روم میں جائے مگر اس کی آخری ملاقات کے تیور یاد آئے تو وہ سر جھٹکتا بیگ سے اپنا ساتھ لایا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ کپڑے چینج کر کے موبائل پر صبح اٹھنے کی ٹائمنگ سیٹ کر کے وہ لیٹ گیا تھا۔





وہ ساری رات نہیں سو پائی تھی۔ شاہزیب صاحب کی کال کے بعد وہ ایک دم سخت طیش میں آ گئی تھی۔ وہ اپنا غصہ کسی پر نہیں نکال سکتی تھی۔ تابندہ بی اس سے اس دن کی گفتگو کے بعد بات نہیں کر رہی تھیں۔ شہوار کے اندر ان کے بات نہ کرنے سے شدید پشیمانی کا احساس جاگا تھا۔ اس نے چند بار ان سے مخاطب ہونے کی کوشش بھی کی تھی مگر انہوں نے 'ہوں ہاں' سے زیادہ جواب نہیں دیا تھا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی تھی' بے شک یہ فیصلہ وہ انتہائی جذبات میں آ کر کر رہی تھی مگر اپنے اس فیصلے سے وہ خود بھی سخت اذیت میں تھی۔ ایسے میں شاہزیب صاحب کا حکم اسے اور جھنجلاہٹ سے دوچار کر گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا وہ کسی لڑکے کو بھیجیں گے۔

''کس کو بھیج رہے تھے؟'' انہوں نے نام نہیں لیا تھا۔

اور نہ اسے جاننے کی جستجو تھی۔ مصطفیٰ کا تو اسے کنفرم تھا کہ جس طرح کا اس کا رویہ رہا تھا تو وہ اب کبھی پلٹ کر بھی اس کو لینے نہیں آئے گا اب رہ جاتے تھے عباس بھائی یا سجاد نجانے کون آیا تھا؟ جس وقت ہارن بجا تھا اور گیٹ کھلا تھا وہ جاگ رہی تھی۔ جی چاہا کہ کمرے سے باہر نکل کر تو دیکھے کہ کون آیا ہے مگر پھر خیال آیا کہ امی بھی آنے والے کو خوش آمدید کہنے باہر آئیں گی اسے دیکھ کر وہ سمجھیں گی کہ وہ جانے پر راضی ہے جبکہ وہ راضی نہ تھی۔ شاہزیب صاحب کی بات وہ ٹال نہیں سکتی تھی ان کے سامنے اس نے اتنے بہانے بنائے تھے مگر انہوں نے تمام اعتراضات کو رد کر دیا تھا۔ مجبوراً اسے ماننا پڑا اور گاڑی کی آواز سننے کے بعد وہ مسلسل بس یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ واپس جا کر وہ مصطفیٰ شاہزیب کا سامنا بھلا کیسے کرے گی؟



اس کے اندر عجیب سا طوفان برپا تھا مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ فجر کا وقت ہوا تو قریبی مسجد کی اذان گونجنے لگی اور حویلی کے اندر چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ اب بستر پر پڑے رہنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ اس نے اٹھ کر بیگ نکال کر آنسو بہاتے پیکنگ کی تھی۔

وہ کون سا شہر سے بہت سامال اسباب لے کر آئی تھی پیکنگ مکمل کر کے اور وضو کر کے اس نے فجر کی نماز پڑھی تھی۔ ابھی دعا مانگ رہی تھی کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اس نے اٹھ کر دیکھا تو تاج (ملازمہ) کھڑی تھی۔

''بوا جی کہہ رہی ہیں کہ آ کر ناشتا کر لیں..... پھر شہر کے لیے روانہ ہونا ہے۔''

''انہیں کہہ دو مجھے نہیں کرنا ناشتا اور کون لینے آیا ہے؟'' غصے سے انکار کر کے پوچھا۔ تاج نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے نہیں پتا..... میں نے نہیں دیکھا کسی کو ابھی..... مجھے تو بوا جی نے اٹھا کر آپ کے پاس بھیجا ہے۔'' اس کے جواب پر اس کے اندر آگ سی لگی۔

''تمہیں بھیجنا یاد تھا خود نہیں آ سکتی تھیں کیا؟'' تاج نے حیرت سے دیکھا تو شہوار کو اپنے رویے کا احساس ہوا۔

"یہ بیگ لے کر گاڑی میں رکھو میں ابھی آتی ہوں۔" بیگ بستر سے اٹھا کر اسے تھمایا۔

"اور ناشتا؟" تاج نے پوچھا۔

"کھانا نہیں کرنا مجھے؟" اس کا انداز پھاڑ کھانے والا تھا۔ تاج تو دم دبا کر بھاگی اور وہ غصے سے بستر پر آ بیٹھی اور دس منٹ بعد باہر نکلی تو تاج اسی کو بلانے پھر سے آ رہی تھی۔

"صاحب کہہ رہے ہیں کہ جلدی آئیں...... انہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ ہونٹ کچلتے سر جھٹکتے لاؤنج میں آئی تو بابا صاحب اور تابندہ بوا موجود تھے۔ بابا صاحب شاید اسے ہی اللہ حافظ کہنے کو کمرے سے باہر آئے تھے۔ تیسرا کوئی وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر خصوصاً تابندہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خفگی چھا گئی تھی۔

"اللہ حافظ۔" اس نے بابا صاحب کے آگے سر جھکایا تو انہوں نے نہایت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"جیتی رہو۔" اس نے ماں کو دیکھا تو تابندہ بوا نے خود ہی آگے بڑھ کر ساتھ لگا لیا۔ ان کا انداز بہت زیادہ شفقت بھرا تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔

"اپنا خیال رکھنا...... اللہ حافظ۔" وہ بغیر ایک لفظ بھی کہے ماں سے علیحدہ ہوتے باہر نکل آئی۔ تابندہ بوا نے اس کی اس خفگی پر بڑی نم آلود نگاہوں سے دیکھا تھا۔

وہ خفا ہو کر جا رہی تھی تو بھی دل کو تکلیف ہو رہی تھی اور نہیں جا رہی تھی تو بھی۔ تاج اس کے ہمراہ تھی باہر اندھیرا تھا مگر صحن کی روشنی آن تھی باہر انکل کی گاڑی کھڑی تھی۔ تاج نے اس کے لیے اگلا دروازہ کھولا تو وہ بیٹھ گئی۔

"مجھے بلوا کر بٹھا دیا ہے ادھر ڈرائیور صاحب تو موجود نہیں......" اس نے ڈرائیونگ سیٹ خالی پا کر تلخی سے سوچا اور کھڑکی سے باہر اندھیرے میں گھورنے لگی۔ دو منٹ بعد مصطفیٰ دروازہ کھول کر بیٹھا تو وہ پلٹی۔

"آ...... آ...... آپ؟" مصطفیٰ کو ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ کر وہ گویا جم سی گئی تھی۔ انکل کی گاڑی دیکھ کر بھی وہ اندازہ نہ لگا سکی تھی کہ اسے لینے یہ شخص بھی آ سکتا تھا۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہتے گاڑی کو حرکت دی تو وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہ گئی۔

چوکیدار پہلے ہی گیٹ کھولے کھڑا تھا۔ مصطفیٰ نے زن سے گاڑی باہر نکالی تھی اور شہوار ایک دم حیرت سے باہر نکلی۔

"آپ کیوں آئے؟ مجھے نہیں جانا واپس...... روکیں گاڑی......" گاڑی باہر نکلی تو اسے ایک دم ہوش آیا۔ انتہائی غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے بہت سکون سے اسے دیکھا تھا۔ گاڑی کی ملگجی روشنی میں شہوار کا خوبصورت سحر طراز سراپا بہت دلفریب لگا...... ایک پل کو دل بڑے خوشگوار انداز میں دھڑکا تھا۔ آنکھوں میں خوشنما سا تاثر ابھرا۔

"مجھے تو بابا جان نے بھیجا تھا...... تم نے اگر واپس نہیں جانا تو فون پر ان سے بات کر لو۔ میں تمہیں ادھر ہی اتار دیتا ہوں۔" مصطفیٰ نے بڑے سکون سے کہتے ہوئے شہوار کے اندر گویا آگ ہی تو بھڑکا دی تھی۔ احساس توہین سے اس کا چہرہ ایکدم جلنے لگا۔

"زیادہ جتانے کی ضرورت نہیں، مجھے بھی رات انکل نے کال کر کے آنے کو کہا تھا۔ مجھے نہیں علم تھا وہ لینے کے لیے آپ کو بھیج رہے ہیں ورنہ میں کبھی نہ آتی......" شہوار نے بہت غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

وہ پہلے ہی سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھی اوپر سے مصطفیٰ کے ساتھ جانے کے احساس سے سخت قسم کے غصے کے جذبات بھی پیدا ہو گئے تھے۔ اس کا چہرہ دو آتشہ بنا ہوا تھا۔

"اوہ......" مصطفیٰ کو اس کی کیفیت پر ہنسی آ گئی۔ جسے بمشکل دانتوں تلے ہونٹ دبا کر روکا۔

"اب تو آ گئی ہیں۔ غلطی کر ہی چکی ہیں...... ویسے بائی دا وے آپ محترمہ میرے علاوہ اور کس کا تصور کر کے اس

گاڑی میں آ کر بیٹھی تھیں؟"

"شٹ اپ......" مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا جبکہ وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ پچھلے دنوں سے اس کے رویے کی وجہ سے وہ ایسے ہی جل رہا تھا اب اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی جلا کر قدرے سکون حاصل ہوا۔

"مجھے انکل سے ایسی توقع نہ تھی؟" وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

"کہ وہ مجھے بھیجتے؟" وہ زچ کر رہا تھا اس نے خفگی سے دیکھا اور پھر باہر اندھیرے کو گھورتے ہوئے اپنے اندر اٹھتے شدید قسم کے اشتعال پر قابو پانے لگی۔

"ہمارے بابا بہت روشن خیال ہیں۔ انہیں پتا تھا کہ ایک بگڑی ہوئی ضدی اور خودسر بہو کو قابو کرنے کے لیے ان کا بیٹا ہی موزوں رہے گا۔ پھر وہ کسی اور کو بھیجنے کا رسک کیونکر لیتے؟" اس نے اسے جلا کر راکھ کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور وہ واقعی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔

"آپ ابھی گاڑی روکیں...... مجھے نہیں آپ کے ساتھ واپس جانا۔" مصطفیٰ کی بات نے اسے ایکدم آؤٹ کر دیا۔ شہوار نے بے انتہا غصے سے کہا تو وہ مسکرایا۔

"سوری میم! اب تو یہ گاڑی اپنی منزل پر ہی جا کر رکے گی۔"

"آپ انتہائی بدتمیز اور گھٹیا انسان ہیں۔" وہ تو غصے سے آگ بگولہ ہی ہو گئی تھی۔ ایک دم بھڑک کر کہا۔

"گھٹیا کا مطلب سمجھتی ہو؟" اب کی بار مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"جس قسم کے رویے کا آپ مظاہرہ کر رہے ہیں وہ گھٹیا ترین درجے کی اعلیٰ ترین مثال ہی تو ہے۔" شہوار غصے اور جذباتیت کا شکار ہوتے بالکل فراموش کر بیٹھی تھی کہ وہ کتنے سخت الفاظ استعمال کر رہی ہے اور کیوں اور کس کے سامنے؟ اس کے الفاظ پر ایکدم گاڑی روکی تھی اس قدر جھٹکے دار بریک لگا تھا کہ ساری گاڑی ہل کر رہ گئی تھی۔ شہوار نے جلدی سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھ کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ اردگرد اندھیرا تھا ابھی گاؤں کا ہی علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف فصلیں تھیں جس سے ماحول اور بھی تاریک لگ رہا تھا۔

"جانتی ہو اگر اس وقت میں گھٹیا ترین درجے کی اعلیٰ ترین کارروائی پر عملی طور پر عمل درآمد کرنے پر اتر آیا تو اس کی آخری حد کیا ہو گی؟" مصطفیٰ کا انداز انتہائی سرد تھا۔

"میں نے اب انسانوں سے بھلائی کی توقع ہی چھوڑ دی ہے۔ کیا کریں گے آپ میرے ساتھ؟ میرا گلا گھونٹ دیں گے یا پھر میری زبان بندی کے لیے اپنے کسی تفتیشی کٹہرے میں لا کھڑا کریں گے۔" مصطفیٰ کے ردعمل پر اس نے اس سے زیادہ تلخی سے کہا تھا یوں جیسے وہ تمام سود و زیاں فراموش کیے ہوئے تھی۔ جیسے وہ اس وقت ہر قسم کے نتائج سے بے خبر اپنے اندر کی جھنجلاہٹ کو باہر نکال رہی تھی۔ مصطفیٰ نے بڑے تاسف سے اسے دیکھا۔

"نہیں یہ تو گھٹیا پن کی اول ترین حد ہوتی ہے......" مصطفیٰ ذرا سا مسکرایا اور پھر شہوار کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ جو اس سے ہر قسم کے رویے کی توقع کر سکتی تھی مگر مصطفیٰ کوئی ایسی حرکت بھی کرے گا اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا، شپٹا کر رہ گئی۔

"یہ...... یہ...... کیا کر رہے ہیں...... چھوڑیں مجھے......؟"

"آخری حد جانتی ہو کیا ہوتی ہے؟ تم اچھی خاصی خوبصورت بھی ہو...... میرے ساتھ تنہا بھی ہو اور اردگرد خاصا اندھیرا بھی ہے...... کیا خیال ہے گھٹیا پن کا مظاہرہ کر لوں پھر؟" مصطفیٰ کی اس کے بازو پر گرفت بے حد تک سخت تھی اور اوپر سے اس کے الفاظ۔ ایک پل کو وہ تو کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی اور پھر جب عقل نے کام کیا تو وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس

نے گھبرا کر مصطفیٰ کی آنکھوں میں دیکھا۔

مصطفیٰ کے تیور انتہائی حد تک سرد و جامد تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک لرز اٹھی۔

"چھوڑیں مجھے..... آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے؟" نظریں چرا کر اس نے اپنا بازو چھڑانا چاہا تھا' آواز خوف سے کانپ کر رہ گئی تھی۔ مصطفیٰ دھیرے سے مسکرایا۔ اس وقت اس کا لرزنا دل کو بڑا بھایا تھا۔

"بڑی خوش فہمیاں ہیں..... میرے پاس تو باقاعدہ پرمٹ ہے۔" اس نے اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھا مہندی اگرچہ مدھم پڑ گئی تھی مگر رنگ برقرار تھا۔ ملگجی سی روشنی میں ہاتھ خاصے خوبصورت لگ رہے تھے۔

"شٹ اپ....." غصے سے کہتے اس نے مصطفیٰ کی گرفت سے اپنا بازو نکالنا چاہا تو مصطفیٰ نے مزاحمت کرتا اس کا دوسرا بازو بھی تھام لیا۔

"تم میری شرعی منکوحہ ہو..... نکاح نامے پر سائن تم نے اپنی مرضی سے کیے تھے' کوئی گن پوائنٹ لے کر کھڑا نہیں تھا..... اب تم میرے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرو گی تو حیرت ہو گی مجھے۔ تم انکار کر سکتی تھیں اب جبکہ وقت گزر چکا ہے تو تم مجھے یوں ذلیل کر کے سمجھتی ہو کہ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی ہو..... یہ تو میرے ماں باپ کی تربیت ہے جو مجھے کسی گھٹیا پن کا مظاہرہ کرنے سے روک دیتی ہے ورنہ کوئی مجھے ان لفظوں میں ذلیل کرے' میں ایسا کرنے والے کا منہ توڑ دیتا ہوں۔" مصطفیٰ نے نہایت کرختگی سے کہا تو شہوار کی آنکھوں میں ایکدم آنسو آ ٹھہرے۔

مصطفیٰ کی گرفت میں بلا کی سختی تھی' یوں جیسے نرم بازو کچلا جا رہا ہو۔ اس کے بازو پر ایکدم درد کی شدید ٹیسیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر ناکام رہی۔

"جس طرح مجھے نکاح نامے پر سائن کرنے پر مجبور کیا گیا تھا ایسے نکاح کے بعد میں ایسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔ میں سچ کہہ رہی ہوں اگر آپ نے میرے ساتھ کوئی گھٹیا حرکت کی تو میں اپنی جان لے لوں گی..... میں آپ لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنے والی بے بس و مجبور لڑکی ضرور ہوں مگر کمزور نہیں..... اور میں نے آپ کو دعوت نہیں دی تھی کہ آپ میرے پاس ذلیل ہونے کے لیے آئیں..... سب سے دور حویلی میں رہ رہی تھی' تو رہنے دیتے پھر..... جان چھڑواتے اپنی..... ہر نفع و نقصان میرا اپنا تھا..... آپ کو کیا اس سے....." مصطفیٰ کے الفاظ پر اس نے تکلیف میں ہونے کے باوجود جوابی کارروائی کی تھی۔

انتہائی غصے اور تلخی سے کہا تھا۔ مصطفیٰ اسے چند ثانیے تک گھورتا رہا۔

"بعض لوگ ذہنی یا پیدائشی طور پر پسماندہ ہوتے ہیں اور بعض بعد میں ہو جاتے ہیں۔ مجھے تمہاری ذہنی حالت کا جائزہ لینے کے بعد افسوس ہو رہا ہے۔ شہوار بی بی عزت کی زندگی ایک بہت بڑا قدرت کا انعام ہوتی ہے۔ تم ایک چار دیواری میں عزت کی زندگی گزار رہی ہو تب بھی رو رہی ہو۔ کبھی ان لوگوں اور لڑکیوں کو دیکھنا جن کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں' عزت پانے کے لیے چار دیواری نہیں..... یہ رشتے بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں' کتنی کم فہم ہو تم تمہارے اردگرد تمہیں تحفظ فراہم کرنے والے ہاتھ ہیں اور تم پھر بھی نالاں ہو اس بات کا ماتم کر رہی ہو جو قدرت کا کھیل تھا جس میں تمہارا یا تابندہ بوا کا کوئی دوش ہی نہ تھا۔" مصطفیٰ نے اسے ازحد ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا سننا..... میرا بازو چھوڑ دیں....." مصطفیٰ کی مضبوط گرفت کی وجہ سے اس کے بازو میں اب شدید درد ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مارے درد کے آنسو آ ٹھہرے..... جنہیں بہنے سے وہ بمشکل روک رہی تھی۔

"کہو..... سنو گی نہیں تو پھر یہ مسئلہ حل کیسے ہو گا؟" مصطفیٰ کا انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔ یوں جیسے وہ کوئی حتمی فیصلہ کیے بغیر چھوڑنے والا نہ ہو۔

"میرے بازو میں درد ہو رہا ہے پلیز چھوڑیں....." مصطفیٰ کے جواب میں اس نے کہا تو مصطفیٰ نے دیکھا درد کے آثار اس کے چہرے پر تھے۔

آنکھوں میں مارے تکلیف کے ڈھیر سارے آنسو جمع تھے۔ اس نے فوراً اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ اپنے بازو کو سہلاتی دباسے پیچھے ہوئی تھی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اس نے پلٹ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ یہاں اب وہ ایک منٹ بھی اس کے ساتھ نہیں ٹھہرنا چاہتی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟ چھوڑو اسے....." مصطفیٰ اسے ہی دیکھ رہا تھا اس نے فوراً اس کی طرف جھک کر دروازے کا لاک دبا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا۔

"دروازہ کھولیں..... مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ....." وہ آنسو بہاتے بولی۔ آنسو اپنی بے بسی پر بڑی شدت سے بہہ نکلے تھے اور وہ اس کے سامنے آنسو بہانے پر مجبور تھی۔

"شہوار بچوں جیسی حرکتیں مت کرو....." مصطفیٰ نے زچ ہو کر کہتے غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے بڑے ریش انداز میں گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ اب ایک بار پھر اس نے ڈیش بورڈ تھام کر خود کو گرنے سے بچایا۔

"مجھے نہیں جانا واپس..... روکیں..... آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی میں....." وہ سخت غصے میں تھی' آنسو صاف کرتے وہ ہنوز ضدی لہجے میں گویا تھی۔ مصطفیٰ نے بہت ضبط سے اسے دیکھا..... اس کی آنکھوں میں ہلکا سرد پن تھا۔

"جو تعلق تم نے محض مجبوری میں باندھا تھا' وہ اب مجبوراً ہی سہی نبھانا تو پڑے گا۔ تمہیں تو خیر کوئی فرق نہیں پڑتا مگر مجھے اپنے بڑوں کی عزت کی بہت پروا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کبھی میری طرف سے کوئی ایسا قدم اٹھے جو مجھے اپنے بڑوں کے سامنے شرمسار کر دے..... آپ محترمہ کو بھی یہ نصیحت ہے کہ رونے پیٹنے کی بجائے صبر و شکر سے سب قبول کر لیں۔ یہ جو چند پل پہلے میں نے جو بھی کیا یہ محض آپ کے الفاظ کا ردعمل تھا شہوار بی بی! امید ہے باقی کا سفر آپ کوئی بچکانہ حرکت کیے بغیر طے کریں گی اور مجھے بھی کرنے دیں گی۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر ہوں مجھ پر دوہری ذمہ داری ہے۔ آپ کی اور اپنی جان کے تحفظ کی..... یہ سب صرف اسی صورت ممکن ہے اگر آپ مجھے پرسکون انداز میں ڈرائیونگ کرنے کا موقع دیں گی ورنہ یہ ذہن میں رکھیں کہ بعض معاملوں میں میں بلا کا جنونی ہوں یہ نہ ہو کہ آپ کی باتوں پر ایکدم غصے میں آ کر کسی ٹرک کے ساتھ گاڑی دے ماروں۔" مصطفیٰ نے ایکدم انتہائی سرد اور بے لچک لہجے میں کہا تو شہوار کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اسے لگا کہ وہ واقعی ایسا ہی کرے گا۔

"تو ٹھیک ہے نا..... آپ کسی ٹرک سے دے ماریں کم از کم اس ذلت بھری احسانوں کے بوجھ سے لدی اس زندگی سے تو نجات مل جائے گی۔" شہوار نے کہہ کر چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ بازو میں ابھی بھی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے بازو سہلانا شروع کر دیا۔

"مگر افسوس میرا ابھی بھری جوانی میں تمہیں بیوہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ جل کر راکھ ہو گئی' جی چاہا کہ ایکدم چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دے مگر نجانے کیسا خوف تھا کہ اس نے کسی تیکھے جواب کے لیے تیار زبان کو دانتوں تلے دبا کر خود پر ضبط کے کڑے پہرے بٹھا لیے تھے۔

❁ ...... ❁❁ ...... ❁

وہ ناشتا کیے بغیر سیدھی باہر نکل آئی تھی۔ لان میں آئی تو ولید اپنی گاڑی باہر نکال رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اس

کے قریب ہی گاڑی روک دی تھی۔
''آ جاؤ...... میں ڈراپ کردوں گا......'' شیشہ نیچے کرتے اس نے کہا۔
''نہیں شکریہ میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے چادر منہ کے آگے کی ہوئی تھی۔ ولید مسکرایا۔
''احسن کو کوئی کام تھا وہ منصور خان کو لے کر صبح صبح چلا گیا تھا۔ واپسی پھر ایک گھنٹہ بعد ہوگی۔ تم لیٹ ہوجاؤ گی آ جاؤ ڈراپ کردوں گا۔'' ولید نے فرنٹ ڈور بھی کھول دیا تھا۔ انا نے دو پل اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے سیٹ پہ آ بیٹھی اور ولید نے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لی۔
''تم نے ناشتا نہیں کیا؟'' وہ گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جب ولید کو کہتے سنا۔
''موڈ نہیں تھا۔'' وہ ہنوز گردن موڑے ہوئے تھی۔ چادر کا کونا منہ کو چھپائے ہوئے تھا۔
''ناشتے کا تعلق بھوک اور بھوک کا پیٹ سے ہوتا ہے اور موڈ کا اس سے بھلا کیا تعلق؟'' ولید نے کہا تو وہ بغیر کچھ کہے خاموشی سے باہر دیکھے گئی۔
''تم مصطفیٰ کا نمبر لیے بغیر ہی کمرے سے نکل آئی تھی؟'' انا کی خاموشی پر ولید نے مزید کہا۔
''آپ بزی تھے سوچا کہ بعد میں لے لوں گی۔'' وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی اور باہر کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔
''میں دیکھ رہا ہوں کہ جس دن سے ہم مصطفیٰ کے نکاح والے دن سے واپس لوٹے ہیں تمہارا موڈ اسی طرح سنجیدہ ہے۔ خیریت ہے نا؟'' ولید کی بات پر انا نے گردن موڑ کر صرف ایک پل دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگی۔
''آپ کی غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔'' انداز پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھا۔
''تم کہہ سکتی ہو...... بٹ مجھے نہیں لگتا کہ میری آبزرویشن غلط ہو۔'' ولید نے اسے دیکھا وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کے الفاظ پر ہلکا سا مسکرائی اور پھر سر جھٹک کر کھڑکی کی طرف چہرہ موڑ لیا۔ ولید ایک پل کو چونکا اور پھر گردن گھما کر دیکھا۔ انا کی چادر کا کنارہ اس کے چہرے کو چھپا رہا تھا وہ کچھ اخذ نہ کر پایا۔
''ایک منٹ انا! ادھر دیکھو میری طرف۔'' ولید نے گاڑی کی رفتار ایکدم دھیمی کی تھی۔
''کیوں؟'' اس نے چہرہ موڑنے کی بجائے اسی طرح گردن پھیرے جواب دیا۔
''کچھ کہنا ہے تم سے؟''
''کیا؟'' وہ پلٹی نہیں تھی۔
''بہت ہی خاص بات ہے ادھر دیکھو تو کہوں گا نا؟'' ولید نے جھنجلا کر کہا۔
''آپ کہیں، میں سن رہی ہوں۔'' اسی طرح بیٹھے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ولید نے ایکدم لب دانتوں تلے دبائے اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
انا خاموشی سے اسی طرح بیٹھی رہی، اس کا انداز اس قدر لاتعلق اور سنجیدہ تھا کہ گویا گاڑی ولید نہیں شوفر ڈرائیو کر رہا ہو۔ گاڑی میں بالکل خاموشی تھی۔ انا نے ولید کے خاموشی پر بھی اسے دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ولید نے گاڑی اس کے کالج کے سامنے روکی تو انا اپنی کتابیں اور فائل ہاتھ میں لے کر اترنے لگی تو ولید کو اس کا رویہ اور انداز ہمیشہ سے زیادہ عجیب سا لگا تھا۔
''رکو انا!'' وہ ٹھہر گئی تھی۔
''تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا رویہ کس قدر تکلیف دہ ہے اس وقت۔'' ولید نے خاصے غصے سے کہا۔
''آپ کے محسوس کرنے کی بات ہے۔ ورنہ مجھے تو کچھ فیل نہیں ہوا۔'' اسی طرح پلٹے بغیر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''پاگل نہیں ہوں میں...... تم یہ بات میری طرف دیکھ کر کہو تو میں بھی یقین کرلوں کہ تم نے کچھ فیل نہیں کیا۔'' اس نے خاصے تپے لہجے میں کہا تو وہ محض گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''چلتی ہوں میں...... اللہ حافظ۔'' ولید کے سوال کا جواب دینے کی بجائے وہ اترنے کے بعد دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔
ولید نے خاصے غصے سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا اور پھر انا کے کالج میں داخل ہونے سے پہلے اس نے بہت ریش انداز میں گاڑی اسٹارٹ کر کے بھگالی تھی۔ انا نے گردن موڑ کر ولید کی گاڑی کو دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کرتے کالج میں داخل ہوگئی۔



''لگتا ہے مصطفیٰ اور شہوار آگئے ہیں۔'' گاڑی کا ہارن جیسے ہی سنائی دیا لائبہ بھابی نے ماں جی کو دیکھا۔ ماں جی اور وہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا کر رہی تھیں جبکہ باقی تینوں مرد حضرات ابھی ابھی ناشتا کرتے ہی اپنے اپنے کام پر روانہ ہوگئے تھے۔
''ہاں......'' ماں جی اٹھیں تو لائبہ بھی ان کے ہمراہ فوراً باہر آئی تھیں۔
گاڑی پورچ میں جا کر رکی تھی اور گاڑی کے رکتے ہی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے شہوار فوراً نکلی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کو خاصی سرد نگاہ سے دیکھا تھا۔ جب وہ داخلی دروازے کے پاس آیا تو شہوار ماں جی کے گلے لگی رو رہی تھی اور ماں جی پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ اسے چپ بھی کروا رہیں تھیں قریب بھابی بھی کھڑی تھیں۔ ان کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ (یعنی شہوار کے رونے پر پریشان ہوئی تھیں)
''چپ تو کرو...... آخر ہوا کیا ہے؟ نہ سلام نہ دعا ایکدم آتے ہی میرا دل ہولانا شروع کردیا۔'' ماں جی اس کے سر پر ہاتھ رکھے کہہ رہی تھیں۔
شہوار اس رشتے سے انکاری تھی انہیں یہ بات معلوم تھی تو کیا شہوار مصطفیٰ کی وجہ سے انکار کر رہی تھی اور اب بھی رستے میں مصطفیٰ نے اسے کہا تھا کچھ؟ انہوں نے مصطفیٰ کے قریب آنے پر بیٹے کو بغور دیکھا۔
''السلام علیکم!'' خاصی ناگواری سے شہوار کو دیکھتے ماں اور بھابی کو سلام کیا تو ماں جی نے اس کے چہرے کے تاثرات کو خصوصی طور پر نوٹ کیا۔ مصطفیٰ کی آواز سنتے ہی شہوار ایکدم خاموش ہوتے ماں جی سے علیحدہ ہوگئی تھی۔
''وعلیکم السلام! اسے کیا ہوا ہے یہ کیوں رو رہی ہے؟ تم نے رستے میں کچھ کہا ہے کیا؟'' انہوں نے فوراً پوچھا تو مصطفیٰ نے غصے سے شہوار کو دیکھا۔ باقی کا سارا رستہ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ راستے بھر گاہے بگاہے رونے کا فریضہ سرانجام دیتی رہی تھی۔ مصطفیٰ کو امید نہ تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ پھر سے شروع ہوجائے گی۔ وہ ایک دم شدید کوفت سے دوچار ہوا۔
''اول تو یہ کہ میں نے کچھ نہیں کہا اگر کہا بھی ہوتا تو ثبوت کے طور پر ساتھ اٹھا کر کبھی نہ لاتا وہیں چھوڑ کر آتا۔ یہ کیوں رو رہی ہیں انہی سے پوچھ لیں۔'' مصطفیٰ خاصی برہمی سے کہتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔
''ہیں...... اسے کیا ہوا ہے...... لڑائی ہوگئی ہے تم دونوں میں کیا......؟'' بھابی خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں ماں جی نے ہی پوچھا۔
''مجھے بتاؤ کیا کہا ہے اس نے...... میں ابھی پوچھتی ہوں۔'' ماں جی پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔
شہوار کو ایکدم اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ وہ بھلا انہیں کیا بتاتی اور کیونکر......؟ اگر ماں جی نے سچ مچ مصطفیٰ سے

جا کر پوچھ لیا تو اس نے ایکدم اپنے آنسو صاف کیے۔

"نہیں...... میں ابھی آنا نہیں چاہتی تھی...... وہیں رہنا تھا...... مگر یہ زبردستی لے کر آئے ہیں۔" اسے کوئی بہانہ نہ سوجھا تو فوراً کہہ ڈالا۔ ماں جی نے گہرا سانس لیتے بھابی کو دیکھا۔ ان کے اعصاب ذرا ڈھیلے ہوئے اور بھابی بھی ریلیکس ہوئی تھیں۔

"رات تمہارے انکل نے تمہیں بتایا تو تھا کہ تمہارے کالج سے کال آئی تھی۔ تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا اور کتنے دن رہ لیتی بہر حال آنا تو تھا نا...... میرا تو دل دہلا کر رکھ دیا تم نے...... میں سمجھی کہ نجانے مصطفیٰ نے کیا کہہ دیا ہے رستے میں۔ چلو اندر چلتے ہیں۔" وہ اسے بازو کے حصار میں لیے اندر آ گئی تھیں۔

"منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر تیار ہو جاؤ...... لائبہ ناشتا بنا لائی ہے تو پھر کالج کے لیے چلی جانا۔ باقی باتیں واپسی پر ہوں گی۔ تمہارے انکل کی ہدایت تھی کہ تم آؤ تو فوراً کالج روانہ کر دوں۔" وہ محض سر ہلا کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اگر انکل کی ہدایت نہ ہوتی تو وہ دروازہ لاک کر کے کمرا بند ہو جاتی مگر پھر بہت سے سوالوں کے جواب دینا پڑتے۔ وہ خاموشی سے لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر لباس بدل کر باہر آئی تو اس کا بیگ گاڑی سے نکال کر روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے بیگ کھول کر تمام چیزیں نکال لی۔ اپنی کتابیں، بیگ اور فائل لے کر وہ باہر آئی تو ماں جی مصطفیٰ کو ناشتے کے لیے روک رہی تھیں جبکہ آفس کے لیے بالکل تیار تھا وہ۔ شہوار قریب ہی ٹھہر گئی۔

"حویلی سے نکلتے وقت بوا جی نے ناشتا کروا کر بھیجا تھا۔ اب بھوک نہیں...... موڈ ہوا تو آفس میں کچھ لے لوں گا...... اس وقت میں خاصا لیٹ ہو رہا ہوں، وہاں ارجنٹ کام ہے۔" مصطفیٰ کہا۔

"ٹھیک ہے شہوار بیٹے تم تو ناشتا کرو گی نا؟" ماں جی اب شہوار سے پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں لیٹ ہو رہی ہوں۔" مصطفیٰ کی طرف دیکھے بنا انکار کر دیا تھا۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ کالج جانے کے لیے تیار تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ راستے میں جو بھی تلخ کلامی ہوئی تھی وہ سب ایک طرف مگر اسے یوں تیار جانے کے لیے کھڑا دیکھ کر اسے اطمینان ہوا تھا۔

"میں چلتا ہوں ماں جی...... اللہ حافظ۔" وہ عجلت میں کہہ کر پلٹا۔

"شہوار کو بھی ساتھ لے جاؤ کالج ڈراپ کر دینا......" ماں جی کے الفاظ پر وہ پلٹا۔

"ایم سوری میں خاصا لیٹ ہو رہا ہوں...... ڈرائیور کو کہیں وہ ڈراپ کر دے گا۔" مصطفیٰ نے صاف انکار کیا تو شہوار کا چہرہ سرخ ہوا۔ وہ کونسا اس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"ڈرائیور کو کیوں کہوں؟ اتنا بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا...... اب سچ کہوں تو ڈرائیور کے ساتھ بھیجنے پر دل مانتا ہی نہیں۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے تم ہی اٹھاؤ...... اتنی عجلت میں نکاح ہم نے اسی لیے کیا تھا۔ پہلے بھی تو تمہارے ساتھ جاتی تھی نا؟" مصطفیٰ نے لب دانتوں تلے دبائے۔

"ماں جی میں لیٹ ہو رہا ہوں مجھے کال پر کال آ رہی ہے...... میں اپنی گاڑی لے کر جا رہا ہوں۔ دوسری گاڑی گھر پر ہی ہے۔ ڈرائیور کو کہیں وہ چھوڑ آتا ہے۔"

"ماں جی میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی...... آپ ڈرائیور کو بلوا لیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر اس نے ماں جی کے کچھ کہنے سے قبل ہی فوراً کہا تو مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ وہ اسے دیکھنے کی بجائے خاصی سنجیدگی سے ماں جی کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر واضح ناگواری کے تاثرات تھے۔

"اتنے دنوں بعد جا رہی ہو تم مصطفیٰ کے ساتھ جاتی تو مجھے تسلی رہتی۔" ماں جی نے کہا۔

"میں کوئی بچی نہیں ہوں اور نہ ہی اکیلی جا رہی ہوں۔ ڈرائیور تو ہو گا نا۔" ماں جی کے الفاظ پر اس نے جھنجلا کر کہا تو مصطفیٰ فوراً وہاں سے نکل گیا۔ اس نے ایک بہت ہی برہم نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر لب بھینچ لیے۔

"ناشتا نہیں کرو گی کیا؟" ماں جی نے پوچھا۔

"نہیں بھوک نہیں...... اگر موڈ ہوا تو کینٹین سے کچھ لے لوں گی۔ آپ فکر مت کریں۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی...... میں ڈرائیور کو کہتی ہوں، دھیان سے جانا۔"

"اس ایاز والی حرکت کے بعد دوبارہ پہلی بار کالج جا رہی ہو وہ بھلے ابھی تک تھانے میں بند ہے مگر ایسے لوگوں کا کیا بھروسہ؟ تمہارے انکل بتا رہے تھے کہ بڑے بڑے لڑکوں سے تعلقات تھے اس کے...... کئی وارداتیں کرتا رہا ہے۔ لڑکیوں کے اغواء وغیرہ کے بھی کیسز ہیں مگر باپ کے پیسے کی وجہ سے بچ جاتا تھا مگر اب ضمانت نہیں ہونے دے رہے یہ لوگ...... وہ بتا رہے تھے کہ اب اتنی جلدی یہ بچ نکلنے والا نہیں ہے۔" ماں جی ساتھ چلتے بتا رہی تھیں وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کو کہا۔

شہوار آج کتنے دنوں بعد کالج جا رہی تھی۔ سو رستے بھر میں وہ یہی سوچتی رہی کہ وہ کالج میں اساتذہ کولیگز اور کلاس فیلوز کو کیا جواب دے گی۔ وہ کالج پہنچی تو کافی وقت بیت چکا تھا۔ وہ مختلف لڑکیوں اور کلاس فیلوز سے سلام دعا کرتے ایک طرف آ بیٹھی۔ آج کالج کچھ نیا نیا لگ رہا تھا۔ شاید اتنے دنوں کی غیر حاضری کا نتیجہ تھا۔

"السلام علیکم...... کیسی ہیں آپ؟ آج بڑے دنوں بعد دکھائی دے رہی ہیں۔ خیریت تھی نا......؟" نجانے کہاں سے ہاشم چلا آیا تھا اور اسے مخاطب کیا تو وہ مسکرا دی۔

"وعلیکم السلام......! بس مجھے اپنے گاؤں جانا پڑ گیا تھا آپ سنائیں سب ٹھیک ٹھاک ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے...... سنا ہے بلکہ اخبار میں خبر پڑھی تھی ایاز کسی واردات کے دوران گرفتار ہو چکا ہے۔ آج کل لاک اپ میں بند ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی ہو سکتا ہے مجھے کنفرم نہیں......" اس نے ٹالنا چاہا۔

"میں تو یہ خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ تقریباً کالج میں موجود ہر دوسرے بندے نے اس خبر کو پڑھ کر خوشگواری کا اظہار کیا تھا۔ اب اللہ کرے کچھ عرصہ وہ لاک اپ میں ہی رہے تو اچھا ہے مگر اس کے باپ کے پاس خاصا پیسہ ہے سنا ہے اچھی خاصی بھاگ دوڑ کر رہا ہے بیٹے کی ضمانت کی مگر فی الحال کامیاب نہیں ہو رہا۔" وہ بھلا کیا کہتی محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"اوکے سی یو...... میری کلاس ہے۔" وہ ہاتھ ہلاتا چلا گیا۔

تبھی عاصمہ اپنی ساتھیوں کے ساتھ ادھر ہی آ نکلی تو شہوار کو دیکھ کر خوش ہوئی۔

"واٹ آ سرپرائز...... ہم تو سوچے بیٹھی تھیں کہ محترمہ اب کالج نہیں آنے والی۔" شہوار سے ہاتھ ملانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تو شہوار بھی مسکرا دی۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں...... گاؤں میں ضروری کام تھا تو جانا پڑ گیا تھا۔"

"آئی تھنک کوئی فنکشن تھا؟" اس کی کسی دوست نے کہا تو وہ چونکی۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" اسے خیال تھا کہ کہیں انا نے کسی سے ذکر نہ کر دیا ہو اس کے نکاح کا۔ وہ ایکدم گھبرائی تھی۔

"آپ کے ہاتھ اور پیروں کی مہندی سے۔" سینڈل میں سے نظر آتے اس کے دودھیا پاؤں اور ان پر بچی مہندی



کے مٹے مٹے نقوش بہت بھلے لگ رہے تھے یہی حال ہاتھوں کا بھی تھا۔ وہ ذرا سنبھلی۔ اس طرف تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

''جی...... ریلیٹوز میں فنکشن تھا۔''

''تبھی آپ اتنے دن بعد نظر آ رہی ہیں۔ کوئی اطلاع ہی نہ تھی۔'' عاصمہ کی دوست نجمہ نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''آپ نے انا کو کہیں دیکھا ہے وہ آج کالج آئی ہے کیا؟'' اس نے بات پلٹنا چاہی۔

''ہاں آئی ہوئی تو ہے' آئی تھنک ہاسپٹل کی طرف اپنے گروپ کے ساتھ گئی ہوئی ہے۔ آج کل گروپس کی شکل میں اسٹوڈنٹس کے وہاں چکر لگتے رہتے ہیں۔ فورتھ ایئر کی کلاسز آج کل ادھر ہی ہو رہی ہیں۔'' شہوار نے سر ہلا دیا۔

''ہم ہاسپٹل ہی جا رہی ہیں۔ اگر آپ ادھر چل رہی ہیں تو ہمارے ساتھ چلیں۔'' عاصمہ نے آفر کی۔

''نہیں...... ابھی میرا ادھر جانے کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا...... اگر انا نظر آئے تو اسے لیب میں بھیج دیجیے گا میں ادھر ہی جا رہی ہوں۔ سر اشفاق اور دیگر ڈاکٹرز سے ملنا ہے۔ اتنی دیر میں وہ بھی آ جاتی ہے۔''

''او کے۔'' وہ لوگ چلی گئیں تو وہ سر اشفاق کے آفس میں چلی آئی ان کے پاس تھوڑی دیر رک کر اسٹڈی سے متعلق بات چیت کے بعد چند اور اساتذہ سے سلام دعا کی اور لیب میں چلی آئی۔ انا وہاں موجود تھی اور اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تو انا نے اٹھ کر گلے لگا لیا۔

''وعلیکم السلام! تم سے ملنے بات کرنے کو دل تو نہیں چاہ رہا مگر کیا کروں کہ تم دوست نہ ہوتی تو کبھی کلام نہ کرتی۔'' وہ خاصی خفا تھی اور اس کی خفگی اس کے چہرے سے صاف واضح تھی۔ شہوار نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ایم سوری یار! مجھے اندازہ تھا کہ تم میری طرف سے پریشان ہو گی مگر میرے پاس تمہارا کنٹیکٹ نمبر نہیں تھا اور جو تھا وہ سم میں تھا اور موبائل ابھی تک میں نے آن نہیں کیا۔'' لیب میں چند ایک گرلز کے علاوہ اور کوئی نہ تھا وہ انا کو لے کر ایک طرف آ بیٹھی۔

''میری انگلیاں ٹوٹ گئی ہیں تمہارا نمبر ملاتے ملاتے مگر ہر بار بند ملتا۔ آج میرا ارادہ واپسی پر تمہارے ہاں چکر لگانے کا تھا۔ تم سناؤ حویلی سے کب لوٹی؟''

''میں ابھی لوٹی ہوں اور پھر سیدھی ادھر آ گئی...... اور تم ٹھیک ہو۔ یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' انا کا سرخ مضمحل سا ہوا چہرہ سوچے پوتے اب وہ غور سے دیکھ پائی تھی تو فوراً پریشان ہوئی۔

''ہاں میری طبیعت ٹھیک ہے۔'' انا ایکدم سنبھلی تھی مسکرا کر کہا تو شہوار نے بغور دیکھا۔

''مگر مجھے نہیں لگ رہی۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''کیا بات ہے انا...... تمہاری آنکھیں اتنی ریڈ ہو رہی ہیں تم روتی رہی ہو کیا؟''

''نہیں یار! بس آئیز انفیکشن ہو رہا ہے۔'' انا نے مسکرا کر کہا تو شہوار کچھ پل مشکوک نظروں سے اسے گھورتی رہی۔

''اب ایسے تو مت گھورو...... سچ کہہ رہی ہوں خود چیک کر لو۔'' انا نے ہنس کر کہا تو شہوار نے محض سر ہلا دیا۔

''چیک کیے بغیر ہی تشخیص ہو رہی ہے کہ تم رات بھر روتی رہی ہو...... ہاں وجہ نہیں بتانا چاہتی تو اور بات ہے مگر میری تشخیص کو مت جھٹلاؤ......'' شہوار کے الفاظ پر انا نے ایک گہرا سانس لیا...... پھر سنبھل کر شہوار کو دیکھا۔

''تم سناؤ آنٹی کیسی ہیں؟ اور تم اتنے دنوں بعد کیوں لوٹی۔'' اس نے بات پلٹ دی تھی۔

''ٹھیک ہیں...... بس ابھی واپس آنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا تو وہاں رکی ہوئی تھی اور بڑی بری بات ہے کہ تم مجھے ٹال رہی ہو۔ میں ایسا کرتی تو تم اگلوا کر دم لیتی۔ مگر اب خود کی بار کچھ بھی بتانے سے گریزاں ہو......'' شہوار کا انداز ناراضی

لیے ہوئے تھا۔

"تمہارا وہم ہے ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بس شادی کے سلسلے میں رات گئے جاگتی رہی ہوں تو تمہیں فیل ہو رہا ہے کہ آنکھیں سرخ ہیں۔" انا نے ہنس کر کہا۔

"سرخ آنکھوں کے بارے میں تمہاری منطق قبول کرلیتی ہوں مگر اس ستے ہوئے ڈل چہرے کے بارے میں کیا بہانہ بناؤ گی؟" شہوار کا انداز اتنی جلدی جان چھوڑنے والا نہ تھا' انا نے گہرا سانس لیا۔

"اف...... تم تو بال کی کھال نکال رہی ہو۔ تم سناؤ کیسے گزر رہے یہ دن۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارے رابطہ نہ کرنے پر میں کس قدر پریشان رہی ہوں...... کئی بار سوچا کہ ولید سے مصطفیٰ بھائی کا نمبر لے کر تم سے رابطہ کرتی ہوں' مجھے تو یہ تک علم نہ تھا کہ تم حویلی میں ہی ہو یا واپس آچکی ہو۔" انا نے بڑے خوبصورت انداز میں بات پلٹنا چاہی تھی شہوار اسے گھورتی رہی تو وہ کھل کر ہنس دی۔

"اگر میں کہوں کہ تمہارے فراق میں پیا آنکھیں سوجی ہوئی ہیں تو تم کہاں یقین کروگی۔ مگر یہ سچ ہے کہ میں تمہاری غیر حاضری اور عدم دستیابی کو لے کر سخت ٹینشن میں رہی ہوں اور تم خود کتنی بدتمیز ال مینرڈ اور بے مروت ہو کہ ایک بار بھی خود سے رابطہ نہ کیا اور یہ موبائل کا اصل قصہ کیا ہے یہ بھی لگے ہاتھوں بتادو مجھے۔"

"بس پہلے والا موبائل ٹوٹ گیا تھا اور تمام نمبر اسی سم میں تھے۔"

"وہ تو تم پہلے بھی بتاچکی ہو عائشہ نے ذکر کیا تھا کہ تمہارا موبائل ٹوٹ گیا تھا' وہ نیا موبائل بھی لے کر گئی تھیں ویلی مگر تمہارا نمبر پھر بھی آف ہی ملا؟"

"بس اس ساری سچویشن کو لے کر ہی خاصی ڈسٹرب ہوچکی تھی' ایسے میں نئے موبائل کو یوز کرنے کو دل ہی نہیں چاہا تھا۔ انا میں اس سارے سیٹ اپ کو لے کر بہت پریشان ہوں۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں اور جو کر رہی ہوں وہ درست بھی ہے یا نہیں؟" وہ انا کی ذات سے ہٹ کر خود خاصی افسردہ ہوگئی تھی۔ انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"اب تو جو ہونا تھا ہوچکا...... تم جتنا بھی انکار کروگی اب اپنے لیے پرابلمز ہی کری ایٹ کرنے والی بات ہوگی۔ مصطفیٰ بھائی کو کافی عرصے سے میں جانتی ہوں' روشی بھی ان کی بہت تعریفیں کرتی ہے اور سچ کہوں مجھے بھی اب ایسا لگتا ہے کہ موجودہ جو حالات تمہاری زندگی میں چل رہے ہیں ایسے میں تمہاری ذات کو مصطفیٰ شاہ زیب علی جیسے مضبوط بیون ساتھی کی ہی ضرورت تھی۔ وہ ایک پاورفل پرسنالٹی ہی نہیں رکھتے بلکہ وہ مضبوط کردار و اعصاب کے بھی مالک ہیں وہ تمہیں کبھی تنہا نہیں ہونے دیں گے۔" انا نے بہت محبت و خلوص سے کہا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"میں یہ سب مانتی ہوں مگر میرا ذہن قبول نہیں کر پارہا...... مصطفیٰ جیسے انسان کے لیے اسی جیسی لڑکی ہونی چاہیے تھی اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوئی ہے انا اگر زندگی میں کبھی میری اصل حقیقت سامنے آگئی تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ شخص تب بھی یہ رشتہ نبھائے گا۔" شہوار پریشان تھی سو دل کی بات کہہ ڈالی۔

"میں مصطفیٰ بھائی کو جتنا بھی جانتی ہوں اس سے یہی اندازہ لگا پائی ہوں کہ وہ کمٹمنٹ نبھانے والے انسان ہیں...... ایک عرصہ انہوں نے ماموں لوگوں کے ساتھ وہاں باہر گزارا ہے۔ ولید اور روشانے دونوں اس کے ساتھ اس قدر نزدیکی تعلق رکھتے تھے کہ کبھی باہر سے دیکھنے والا انسان اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں میں کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ روشانے کو حقیقی بہن جیسی عزت دی ہے مصطفیٰ بھائی نے۔ یہ تو محض دنیاداری کے رشتے ناطے ہیں مگر تمہارا اور مصطفیٰ بھائی کا تو شرعی اور مضبوط رشتہ ہے' یہ اتنی جلدی ختم ہونے والا یا ٹوٹنے والا نہیں ہے...... تمہیں چاہیے کہ اب خود کو قائل کرو۔ اب جو بھی ہے حالات کو فیس کرو۔" انا نے دھیمے اور سلجھے ہوئے لہجے میں سمجھایا تو شہوار سر ہلا گئی۔

"تمہاری سب باتیں برحق ہیں...... اس رشتے میں بہت سی گنجائش ہے یہ شرعی اور جذباتی تعلق ہے مگر میں نے اتنی عمر کے زندگی گزاری ہے کہ کبھی ان آنکھوں نے وہ خواب نہ دیکھا جو میری حیثیت اور میری اوقات سے بڑھ کر تھا۔ میڈیکل کی تعلیم میرا خواب تھا مگر امی نے انکل سے بات کی اور انہوں نے زور دیا کہ میں میڈیکل پڑھوں۔ میری تعلیم اور زندگی کے تمام اخراجات ان لوگوں نے پورے کیے...... مصطفیٰ کہتا ہے کہ میں احساس کمتری کا شکار ہوں مگر میں اپنے دل و دماغ کا کیا کروں جس میں یہ بات اول روز سے فٹ ہوچکی تھی کہ میرا ان لوگوں سے کوئی نسبی اور خونی تعلق نہیں' یہ لوگ اگر مجھ پر اس قدر مہربان ہیں تو یہ ان کا احسان ہے۔ میرے کہے بغیر ان لوگوں نے ہر خواہش پوری کی' ہر ضرورت مہیا کی ایسے میں احسان مندی کا تقاضا تھا تاکہ میں ہمیشہ ان لوگوں کے سامنے سر جھکا کر رہتی اور میں نے ایسا ہی کیا۔ آج یہ لوگ مجھے اس برسوں کے قائم شدہ احساس سے باہر نکال کر ایک نئی حیثیت دے چکے ہیں تو تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ برسوں سے طے شدہ اس ذہنی کیفیت کا کیا عالم رہا ہوگا؟ میرے لیے اس سب کو قبول کرنا بہت مشکل ہے...... بہت مشکل۔"

"ناممکن تو نہیں نا......" انا نے کہا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"اگر میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی ہوتی تو اس حیثیت کے ملنے پر فوراً آپے سے باہر ہوجاتی' خوشیاں مناتی مگر اب ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ سب ناممکن ہے...... یار بس بہت پریشان ہوں۔ اس نئے تعلق کو لے کر اس سے پہلے بھی اور ابھی گزرے چند دنوں میں مصطفیٰ شاہ زیب کے سامنے اس قدر واشگاف الفاظ میں انکار کرچکی ہوں کہ اب "ناممکن" کا "ممکن" ہونا ممکن نہیں رہا...... تمہیں اگر سچ بتاؤں تو میں اب واپس آنا ہی نہیں چاہتی تھی...... میں امی سے صاف الفاظ میں کہہ چکی تھی کہ اب میں مزید نہیں پڑھ پاؤں گی۔ میں میڈیکل تعلیم چھوڑنے کا فیصلہ کرچکی تھی مگر انکل کے آگے میری ایک نہ چلی اور مجھے واپس آنا پڑا۔ ایسے میں تم اندازہ لگالو کہ اگر مصطفیٰ شاہ زیب علی سے کبھی براہ راست سامنا ہوجائے تو میری کیا حالت ہو؟" وہ اس قدر بے بس تھی کہ اپنی تمام فیلنگز انا سے کہتی چلی گئی اور انا اس کے الفاظ پر اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"اوہ...... تم اپنی تعلیم چھوڑ رہی تھیں؟" انا حیران تھی۔

"میری ذہنی حالت اس وقت اس مقام پر ہے کہ مجھے یہی مناسب لگا مگر انکل کے آگے میری ایک نہ چل سکی اور مجھے دوبارہ آج اس کالج میں آنا پڑا۔" شہوار بے بس تھی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا...... خبردار تم نے میڈیکل چھوڑنے کا سوچا بھی تو...... اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کرو...... اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو مصطفیٰ بھائی اتنے برے بھی نہیں ہیں کہ تم یوں ری ایکٹ کرو۔" انا برہم ہوئی۔

"میں مصطفیٰ شاہ زیب علی کو برا کب کہہ رہی ہوں...... میں نے تو ہمیشہ یہی کہا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ اب بھلا ایک بے نام و نشان لڑکی اور مصطفیٰ جیسے اعلیٰ حسب نسب والے انسان کا آپس میں کیا جوڑ؟" شہوار کے الفاظ پر انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شہوار پلیز اپنی سوچ میں کچھ گنجائش پیدا کرو...... اب تو یہ تعلق بن گیا ہے تمہارا...... اس قسم کے رویے سے اب اس میں مسائل پیدا ہوسکتے ہیں اور کچھ نہیں...... بی نارمل یار!" شہوار نے انا کو دیکھا اور محض سر ہلا دیا۔

اس کا انداز بڑا پژمردہ تھا۔ انا کو ایک دم اس کی ذات کے اندر ہوتی مسلسل توڑ پھوڑ کا اندازہ ہوا تو مسکرا کر اسے کندھے سے تھام کر ساتھ لگالیا۔

”پریشان نہیں ہوتے...... انشاءاللہ سب بہتر ہوجائے گا...... ابھی نیا نیا تعلق ہے نا تو تمہیں فیل بھی ہورہا ہے جیسے جیسے وقت گزرے گا تم سیٹل ہوجاؤ گی۔ گلٹی کانشس ہونے کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تم اسی طرح بی ہیو کروگی تو مصطفیٰ کیا ہر کوئی یہی کہے گا کہ تم احساس کمتری کا شکار ہوچکی ہو۔“

”مگر میں اپنی فیلنگز کا کیا کروں جو کسی بھی طور پر میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ میں جتنا بھی چاہوں کہ مصطفیٰ کے ساتھ تلخ کلامی نہ ہو مگر جب سامنا ہوتا ہے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوجاتی ہے۔ آج بھی تو ایسا ہی ہوا ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ اگر یہ سب نارمل نہ ہوا تو ضرور میرے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے گی...... ہم ڈاکٹر کتنی جلدی دوسروں کو خوش رہنے کا مشورہ دیتے ہیں مگر جب ہم پر خود بیتتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ خوشی کسے کہتے ہیں۔“ انا نے بس اس کا ہاتھ دبا کر اسے اپنے ساتھ ہونے کا احساس دلایا تو شہوار چپ ہوگئی اور گم صم انداز میں فائل پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

”تم بھی کیا کہتی ہوگی کہ یہ شہوار بھی کیا سائیکی کیس بنتی جارہی ہے۔ اچھی بھلی زندگی کو مسائل کا گھر بنا بیٹھی ہے مگر انا مجھے بہت خوف آتا ہے...... لوگوں سے ان کے رویوں سے...... عادلہ بھابی اور ان کا بھائی ان دونوں نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے سچ کہوں تو مجھے لگتا ہے میرا اپنی ذات سے بھی اعتبار اٹھ چکا ہے۔ میری تو صرف ایک خواہش تھی کہ تعلیم حاصل کروں گی اور پھر امی کو لے کر اپنے اصل کی تلاش میں نکلوں گی یہ پڑاؤ تو رستے میں کہیں بھی نہ تھا۔ اور اس سارے قصے میں جو احساس ہر جذبے پر غالب آجاتا ہے وہ یہ ہے کہ میں اب پہلے کی طرح کسی کے بھی سامنے سر اٹھا کر نہیں جی پاؤں گی۔“ شہوار کے لہجے میں ایک دم آزردگی گھل گئی تو انا محض سر ہلا کر رہ گئی۔

”تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟ مت سوچو نا ایسا...... یہ بھی تو سوچو کہ یہ تقدیر کا لکھا اٹل فیصلہ تھا۔ یہ لوگ تمہیں اتنی محبت سے اپنا رہے ہیں اس بات کو بھی تو دیکھو۔ مصطفیٰ بھائی میں کوئی کمی نہیں...... ہر لحاظ سے آئیڈیل انسان ہیں اور تم بھی کسی سے کم نہیں۔ تم حویلی میں پلی بڑھی؛ یہ تمہارا نصیب تھا۔ اب اپنے نصیب سے کوئی کتنا بھی لڑلے بدل تو نہیں سکتا ہاں سنوار سکتا ہے مصطفیٰ بھائی کا ساتھ بھی تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرلو۔ جو ہونا تھا ہوچکا...... اب تم اپنے عمل سے حالات کو بہتر بنانے کی تگ ودو کرو۔“ انا نے سمجھایا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

”کوشش کرنے اور عمل میں بہت فرق ہوتا ہے...... لیکن میں پھر بھی کوشش کروں گی۔“

”مگر کوشش تو بہرحال کرنی چاہیے نا۔“ انا نے کہا تو وہ چپ رہی اور انا کو احساس ہوا کہ اب موضوع بدل دینا چاہیے۔

”اچھا چھوڑو...... تمہیں بتاؤں آج کل ہمارے گھر میں شادی کی تیاریاں فائنل مراحل میں ہیں؛ ماما نے رات کہا تھا کہ آج میں ڈھولک رکھ لوں...... تم آؤ گی......؟“ انا نے بات بدل دی تو شہوار نے گہرا سانس لیا۔

”پتا نہیں...... ہاں شادی میں ضرور آؤں گی......“ شہوار نے کہا تو انا اس کا دھیان بٹانے کے لیے شادی کی تیاریوں کے متعلق تفصیلی انداز میں بات کرنے لگ گئی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

فاصلے کیوں ہیں، ضابطے کیوں ہیں
ہم تجھے اتنا چاہتے کیوں ہیں
ہے مرا مسئلہ فقط اک شخص
پھر یہ اوروں سے رابطے کیوں ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آفس میں مصطفیٰ کے نمبر پر تابندہ بوا کا فون آتا ہے اور وہ نہایت رنجیدہ لہجے میں شہوار کی ناراضگی اور اس کے کالج چھوڑنے کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مدد کی درخواست کرتی ہیں۔ مصطفیٰ اس تمام صورت حال پر شہوار کے کالج کے چیئرمین سے بات کرتا ہے۔ مصطفیٰ کے کہنے پر ہی وہ شاہ زیب صاحب کو شہوار کے ہر حال میں کالج آنے اور پڑھائی کے حرج ہونے کا ذکر کرتے ہیں اس معاملے کو لے کر شاہ زیب فوراً ہی مصطفیٰ کو بلوا کر اسے شہوار کو گاؤں سے لانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ شہوار کو بھی کالج سے آئے ہوئے فون کا حوالہ دے کر اسے فوراً واپس آنے کا کہتے ہیں۔ مصطفیٰ وہاں پہنچتا ہے تو بابا صاحب اس سے ولید اور اس کے ماں باپ کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس پر مصطفیٰ حیرت کا شکار ہوتے انہیں ضیاء احمد کا نام بتاتا ہے۔ شہوار شاہ زیب صاحب کی کال کے بعد خود کو انتہائی بے بس محسوس کرتی ہے اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے خود کو واپسی کے لیے آمادہ کرنا پڑتا ہے لیکن گاڑی میں مصطفیٰ کو دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے جاتا ہے اور وہ غصے میں اسے نہایت سخت الفاظ سے نوازتی ہے۔ جس پر مصطفیٰ بھی تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اسی سخت لہجے میں اسے اچھا خاصا خوف زدہ کردیتا ہے۔ جس پر شہوار عجیب خدشات دل میں لیے نہایت خوفزدہ انداز میں باقی کا راستہ طے کرتی ہے۔ گھر پہنچ کر وہ ماں جی کے گلے لگتے ہی رونا شروع کردیتی ہے۔ جس پر وہ ناسمجھی کے عالم میں مصطفیٰ کو دیکھتی ہیں لیکن وہ نہایت سرد تاثرات لیے اندر بڑھ جاتا ہے۔ دوسری طرف انا شہوار کے کالج نہ آنے پر متفکر ہوتی ہے وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کا نمبر بند ملتا ہے آخر کار ولید سے مصطفیٰ کا نمبر لے کر وہ اس کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہے لیکن ولید کے نمبر پر تب ہی کاشفہ کی کال آجاتی ہے اس کے فون سے آنے والی نسوانی آواز سنتے ہوئے انا بوجھل دل لیے خاموشی سے واپس آجاتی ہے۔ وہ کیتھی کے بارے میں روشی سے دریافت کرتی ہے اور کیتھی کی ولید سے محبت اور خودکشی کے بارے میں جان کر اندر تک ٹوٹ جاتی ہے گھر میں شادی کے ہنگاموں کو یکسر نظر انداز کرکے وہ اپنی دنیا کے برباد ہونے پر ماتم کناں رہتی ہے۔ اگلے دن وہ کالج آتی ہے تو شہوار سے ملاقات ہوتی ہے شہوار انا کو دیکھ کر تمام صورت حال سے اسے آگاہ کرتی ہے۔ جس پر انا اسے سمجھاتی ہے کہ وہ ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر اپنی نئی زندگی میں قدم رکھے لیکن شہوار کے لیے یہ سب آسان نہیں تھا۔

اب آگے پڑھیے



"مس رابعہ آپ کو عباس صاحب نے کل ایک فائل دی تھی زبیر انڈسٹری کے ساتھ ایگری منٹ کی؟" وہ اپنے

کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھی جب فاروقی صاحب آئے۔ وہ جوں ہی ... دم چونکی۔

"جی سر..... دی تو تھی انہوں نے اس کی چند کاپیز نکالنے کو کہا تھا۔" اس نے فوراً کھڑے ہو کر بتایا۔

"اوکے..... وہ فوراً مجھے دیں۔" انہوں نے کہا تو اس کی الجھن ایک دم تشویش میں بدلی۔

"ابھی؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

"جی فوراً" دراصل زبیر انڈسٹری کے ساتھ گارمنٹس کے کچھ معاہدے چل رہے ہیں ہماری ایک دو دن بعد میٹنگ طے تھی مگر وہ لوگ ابھی میٹنگ چاہ رہے ہیں جبکہ عباس صاحب آل ریڈی کسی سے ملنے گئے ہیں انہوں نے ہی کال کر کے کہا ہے کہ میں زبیر انڈسٹری سے معاہدے کے تمام پیپرز اور ایگری منٹ کی فائل لے کر وہاں پہنچوں وہ بھی وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" انہوں نے تفصیلاً بتایا تو اس کا رنگ اڑا۔

وہ صبح سے اسی فائل کی وجہ سے تو الجھی ہوئی تھی کل واپسی پر وہ فائل گھر لے گئی تھی اسے کچھ ضروری دستاویز کمپیوٹر میں فیڈ کرنا تھی اور وہ صبح افراتفری میں گھر سے نکلتے وقت وہ فائل گھر پر ہی بھول آئی تھی۔ یہ بہت ضروری فائل تھی اگر ادھر ادھر ہوجاتی تو اس کی شامت آجاتی تھی اور اپنی اسی غلطی کا ابھی تک اس نے کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا آج عباس صاحب آفس نہیں آئے تھے تو اس نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا گھر فون کر کے اس نے کنفرم کیا کہ فائل گھر میں ہی ہے اب ایک الجھن تھی کہ کہیں اور کوئی نہ پوچھے اور اس کا ڈر اب سچ نکل آیا۔

"وہ ایکچوئیلی سر اس فائل کی کچھ کاپیز نکالنی تھیں آفس میں کام مکمل نہ ہوا تو میں فائل گھر لے گئی تھی اور صبح جلدی میں گھر بھول آئی ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا تو فاروقی صاحب ایک دم حیران ہوئے۔

"کیا..... آپ فائل گھر لے گئی تھیں۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"آپ کو پتا ہے یہ کس قدر ضروری فائل تھی اور یہاں کا رول ہے کہ کوئی بھی ورکر آفس ورک سے متعلق ایک کاغذ بھی گھر لے کر نہیں جائے گا۔ آپ کو ٹریننگ کے پہلے دن ہی یہ بات باور کروائی تھی ہم نے اور پھر بھی آپ نے ایسی سنگین غلطی کی آپ نے عباس صاحب سے پوچھا تھا اس بارے میں؟" فاروقی صاحب ایک دم غصے ہوئے تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیا۔

"وہاں جو زبیر انڈسٹری والوں نے کال کی ہے ارجنٹ میٹنگ کی عباس صاحب وہاں پہنچ چکے ہوں گے اور میرا ویٹ کررہے ہوں گے اور ایک آپ ہیں کہ فائل گھر چھوڑ آئی ہیں۔ جانتی ہیں آپ کی اس حرکت کا علم شاہ زیب صاحب یا عباس صاحب کو ہوگیا تو وہ آپ کے ساتھ کیسا بی ہیو کریں گے؟" فاروقی صاحب اس کی سنگین غلطی پر سخت سست سنا رہے تھے۔

"سر میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا عباس صاحب کو آج ہر حال میں اس فائل کی پانچ کاپیز درکار تھیں اور اس فائل سے متعلقہ کوئی بھی مواد کمپیوٹر میں پہلے سے فیڈ نہیں تھا سو پہلے مجھے تمام مواد کمپیوٹر میں فیڈ کرنا تھا یہ فائل مجھے آفس آف ہونے سے صرف آدھا گھنٹا پہلے ملی تھی۔ سو مجبوراً مجھے فائل گھر لے جانا پڑی تھی۔" اس نے وضاحت دی تو فاروقی صاحب نے سر جھٹکا۔

"آپ نے پرمیشن لی تھی فائل لے جانے کی؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اندازہ ہے آپ کو اگر عباس صاحب کو اس حرکت کا علم ہوگیا تو ان کا کیا ری ایکشن ہوگا؟" انہوں نے کافی سنجیدگی

یونہی فٹ نہیں کروائے گئے ہماری ایک ایک حرکت پر انتظامیہ کی نگاہ ہوتی ہے اور اس قانون پر سختی سے عمل درآمد کروایا جاتا ہے اس شخص کے بعد ایک دو دفعہ پھر اس سیٹ پر چند اور چہرے بھی آئے تھے مگر انتظامیہ کی نگاہ سے ان کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں چھپ نہیں سکیں سو نتیجتاً تم اب ادھر ہو اور تمہاری اس غلطی کے بعد مجھے نہیں یقین کہ اب تم ادھر ٹک سکو گی یا نہیں۔" ہادیہ نے آہستگی اور دکھ سے کہا تو رابعہ بھی چند پل کے لیے بالکل گم صم ہوگئی تھی۔

"اللہ...... اتنے سخت ہیں یہ لوگ؟" وہ سخت ہراساں ہوگئی تھی۔

باقی کا سفر بہت خاموشی سے گزرا۔ فاروقی صاحب نے بہت رش ڈرائیونگ کی تھی سو آدھے گھنٹے میں وہ اس کے گھر کی گلی میں پہنچ گئے تھے گاڑی گلی میں نہیں جاسکتی تھی سو رابعہ فوراً باہر نکل کر بھاگی اور بہت تیزی سے وہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ بھابی گھر میں ہی تھیں۔

"تم اس وقت۔" اسے یوں افراتفری میں آتے دیکھ کر چونکیں۔

"وہ فائل کدھر ہے؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"تم نے جب فون کیا تھا تو تب ہی میں نے کمپیوٹر ٹیبل سے اٹھا کر تمہاری الماری میں رکھ دی تھی۔" بھابی کی بات پر وہ فوراً اندر بھاگی۔ فائل الماری میں ہی تھی۔ اس نے عجلت میں کھول کر تمام پیپرز اور کاغذات چیک کیے۔ ساتھ میں وہ ساری کا پیز تھیں جو اس نے رات ہی پرنٹ کرلیں تھیں۔ وہ جلدی سے فائل لے کر باہر نکلی تھی۔

"رکو تو سہی۔" بھابی اسے یوں عجلت میں دیکھ کر سامنے آئیں۔

"رک نہیں سکتی ٹائم نہیں ہے امی کدھر ہیں؟"

"وہ سامنے والوں کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"ان کو مت بتایئے گا کہ میں آئی ہوں بس فائل لینے آئی تھی۔" وہ جلدی سے گھر سے نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ لیں سر۔" فاروقی صاحب کو فائل تھما کر وہ قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔ انہوں نے فائل کھول کر اسے بغور دیکھا۔ چند صفحات پلٹے اور پھر مطمئن ہو کر گاڑی آگے بڑھالی تھی۔

"دیکھیں پہلے ہی میرا کافی ٹائم ویسٹ ہوچکا ہے عباس صاحب کی کال پر کال آرہی ہے اور میں مسلسل گاڑی کی خرابی کا بہانہ بنا رہا ہوں۔ یہاں وہاں آپ کو ڈراپ کرنے کا رسک نہیں لے سکتا کہ آپ کو یہاں سے کنوینس نہیں ملے گی سو اب مجبوراً آپ کو میرے ساتھ میٹنگ پلیس تک جانا پڑے گا آپ دونوں عباس صاحب کے سامنے مت آیئے گا۔" انہوں نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا تو ان دونوں نے سر ہلا دیے۔ کچھ دیر بعد فاروقی صاحب نے گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے روکی تو وہ دونوں بھی باہر نکل آئیں۔

"میں سیکنڈ فلور پر جا رہا ہوں وہیں میٹنگ ارینج کی گئی ہے آپ فرسٹ فلور پر چلی جائیں بے شک لنچ کرلیں پے منٹ میں کروں گا او کے......؟" انہوں نے چلتے چلتے کہا۔

"اٹس او کے سر۔ ہمیں بھوک نہیں ہے اور ہم ادھر ہی ٹھیک ہیں۔"

"او کے ایز یو وش۔" رابعہ نے فوراً انکار کردیا تو فاروقی صاحب نے کندھے اچکا دیے تھے۔

"میں میٹنگ کے بعد آپ دونوں کو پک کرلوں گا۔" وہ چلے گئے تو دونوں ہوٹل کے صحن میں بنے چھوٹے سے لان میں چلی آئیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ فاروقی صاحب سر عباس یا کسی اور سے ذکر کریں گے؟" رابعہ نے ایک بینچ پر بیٹھتے

ہوئے پوچھا۔

''جس طرح کا ان کا رویہ ہے مجھے تو نہیں لگتا' ہاں بعد میں کیمرے تمہاری غلطی ظاہر کردیں تو اور بات ہے۔'' ہادیہ بھی ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

''فرض کرو انتظامیہ کو پتا چل جاتا ہے تو پھر کیا کریں گے۔''

''اس کا فیصلہ تو انتظامیہ ہی کرسکتی ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ہادیہ بھی فکر مند تھی وہ گم صم سی ہوگئی۔

ان چند دنوں میں وہ اپنی اس جاب سے خاصی مطمئن ہوگئی تھی عباس صاحب سے پہلی ملاقات میں ہونے والی تلخ کلامی کے بعد دوبارہ کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی رونما نہیں ہوا تھا کہ وہ بدظن ہوتی پھر یہاں کا ماحول بہت اچھا تھا اور وہ خود پوری ایمانداری اور دلجمعی سے یہاں کام کرنے کا قصد کیے ہوئے تھی کہ یہ سنگین غلطی ایک دم رونما ہوگئی تھی۔

''اچھا دفعہ کرو جو ہوگا دیکھیں گے۔ چلو چل کر لنچ کرتے ہیں اس ہوٹل کا کھانا تو لذیذ ہوتا ہے۔ یہاں آ کر لنچ نہ کرنا بڑی حماقت ہے۔ فاروقی صاحب نے ہامی بھری ہے تو وہ کچھ نہ کچھ کریں گے چلو اندر چلتے ہیں۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

''صرف بریانی اور کوک منگوانا۔'' وہ اور ہادیہ ایک ٹیبل سیٹ کر کے بیٹھ گئی اور پھر جب ویٹر پاس آیا تو رابعہ نے دھیمے سے کہا۔

''یہاں کی مٹن کڑاہی بہت اچھی ہوتی ہے اور بیف کباب کی تو کیا بات ہے۔'' ہادیہ نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''موڈ نہیں ہو رہا بس ایک دو چیزیں منگوانا اور کچھ بھی نہیں۔''

ہادیہ نے کباب' سلیڈ' بریانی اور کوک کا آرڈر لکھوا دیا تھا۔

''ہیلو۔'' وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لنچ کر رہی تھیں جب اس آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔

''آپ۔'' اپنے سامنے کھڑی عادلہ کو دیکھ کو دونوں ہی چونکی تھیں مگر بولی صرف ہادیہ تھی۔

''کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتی ہوں۔'' اسٹائلش سے سوٹ میں بیگ کندھے سے لٹکائے وہ کافی پراعتماد انداز میں کھڑی تھی۔ جبکہ رابعہ کی نگاہ اس کی حسین صورت پر جم سی گئی تھی۔

''وائے ناٹ۔'' ہادیہ فوراً سنبھلی عادلہ سے اس کی سلام دعا تھی سو اسے اخلاق نبھانا پڑا۔

''ایکچوئیلی میں یہاں کچھ فرینڈز کے ساتھ آئی تھی۔ تم لوگوں پر نگاہ پڑی تو ادھر چلی آئی۔'' بیٹھتے ہوئے اس نے وضاحت کی تو ہادیہ کو مسکرا کر سر ہلانا پڑا۔

''تم عباس کے آفس میں کام کرتی ہونا اس دن جب میں آفس گئی تو تم ادھر ہی تھیں؟'' عادلہ نے رابعہ سے کہا تو وہ چونکی عادلہ کی یادداشت کمال کی تھی۔

''جی۔'' وہ عادلہ کی یادداشت پر حیران ہوئی تھی۔

''ہم دونوں شاہ زیب صاحب کے آفس میں ہی کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہیں میرا کام سجاد صاحب کے کمپیوٹر سیکشن میں ہوتا ہے جبکہ رابعہ کا عباس صاحب کے۔'' ہادیہ نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ مسکرائی۔

''اوہ پھر تو تم دونوں کافی اہم ورکرز ہو ان لوگوں کی فرم کی۔'' عادلہ نے فوراً متاثر ہونے کا تاثر دیا مگر انداز بڑا استہزائیہ تھا۔ رابعہ نے الجھ کر ہادیہ کو دیکھا۔ نجانے کیوں اسے عادلہ کی آمد اچھی نہیں لگی تھی اور اوپر سے اس کی آنکھوں کا تاثر۔

''جی کیا کہہ سکتے ہیں ابھی تو ہم نیو ہیں ٹریننگ سیشن میں ہیں۔'' ہادیہ نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ اس کی اس غلط بیانی پر الجھی۔

''عباس جیسے قدامت پرست شخص کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے ایک فی میل ورکر کام کرے آمیزنگ مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔'' عادلہ نے خاصے تمسخرانہ انداز میں کہا تو دونوں خاموش رہیں رابعہ کو برا لگا مگر مصیبت یہ تھی کہ سامنے بیٹھی خاتون مالکان میں سے تھیں اس کے ساتھ کیسے بی ہیو کرنا ہے اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''محترم عباس صاحب کو اوپر سیکنڈ فلور پر دیکھ کر آ رہی ہوں یعنی محترم کسی کے ساتھ میٹنگ میں آئے ہوئے ہیں وفادار دم ہلاتے فاروقی صاحب کے ہمراہ۔ یہ لوگ اپنی سیکرٹری ٹائپ کی چیزوں کو لے کر ایسی جگہوں پر آئیں؟ ان لوگوں کا وطیرہ تو نہیں مگر تم دونوں کو ادھر دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی یہ کہ کیا واقعی ان لوگوں کے بھی اصول بدل رہے ہیں جو ہمیشہ سے کنوئیں کے مینڈک تھے انہوں نے اپنے کنوئیں کے مدار سے باہر نکل کر جھانکنا شروع کردیا ہے...... آمیزنگ...... ویسے اس جیسی لڑکی ہو اور اسے اپنے ساتھ میٹنگ میں لانے اور اس کی ویلیو کو کیش کرانے کو کوئی کافر ہی ہوگا جو انکار کرے گا۔''

''شٹ اپ۔'' رابعہ کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ یہ عورت اپنے گفتار اور خیالات کے اظہار میں اس قدر گھٹیا بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے برملا اس کی ذات پر ایک کیا سودا آؤٹ ہوگئی۔

''اوہ...... یو شٹ اپ۔'' رابعہ کے یوں چیخنے پر وہ اس سے زیادہ اشتعال میں آ کر چیخی تھی ہادیہ دہل کر رہ گئی۔

''عادلہ آپی پلیز۔ ہادیہ کو اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال ایسی ہوگی اس نے فوراً عادلہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''عباس جیسے کنزرویٹو انسان کا انتخاب تو تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیاں تو ہو سکتی ہیں مگر مجھے شٹ اپ کہہ کر چپ نہیں کرا سکتیں۔ میرے سامنے ویلیو کیا ہے تمہاری' تمہارے سامنے اس دن اس نے مجھے ذلیل کر کے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ میں ڈر گئی ہوں تو غلط فہمی ہے تم دونوں کی۔ تمہاری جیسی بے حیثیت گلی گلی ٹھوکریں کھاتی لڑکی سے اپنے جوتے صاف کروانے کا بھی میں سوچ نہیں سکتی۔'' عادلہ نے اسے اس قدر ذلیل کیا تو رابعہ حیرت سے ششدر رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عادلہ کو دیکھے گئی۔ یہ سامنے بیٹھی عورت اسے یہ سب کیوں اور کس لیے سنا رہی تھی وہ حیران تھی۔ وہ جو فوراً غصے کا شکار ہوجاتی تھی اب حیرت سے ساکت تھی۔

''عادلہ آپی پلیز یہ میری دوست ہے' خبردار آپ نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو آپ پلیز یہاں سے چلی جائیں۔'' اردگرد کے لوگ متوجہ ہو رہے ہیں ہادیہ نے ایک دم غصے سے کہا تو عادلہ تمسخرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔

''مجھے بھی یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس نے تنفر سے کہا۔

''پتا کرواتی ہوں میں تمہارا۔ اس دن کی اپنی ذلت میں قطعی بھولی نہیں اور نہ ہی بھولوں گی' جا کر بتا دینا اپنے مسٹر باس کو۔'' تنفر اور نخوت سے کہتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ رابعہ نے اپنا سر تھام لیا۔

''مائی گاڈ' مجھے تو لگتا ہے کہ یہ عورت سائیکی کیس ہے۔'' رابعہ نے بہت دکھ سے کہا تو ہادیہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔

''دفعہ کرو خوامخواہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنا ان جیسے لوگوں کا محبوب مشغلہ ہے۔ تم پریشان مت ہو؟'' ہادیہ نے سمجھایا تو وہ محض سر ہلا گئی اور خاموشی سے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

تبھی ان دونوں نے عباس صاحب کو فاروقی صاحب اور چند اور اشخاص کے ہمراہ زینہ اترتے دیکھا وہ لوگ آپس میں باہم گفتگو میں مصروف تھے۔ فاروقی صاحب نے سیڑھیاں اترنے کے بعد عباس صاحب سے کچھ کہا تبھی وہ محض سر ہلاتے وہاں سے نکل گئے تھے جبکہ فاروقی صاحب نے پہلے کھڑے کھڑے یونہی سارے ہال میں نگاہ ڈالی اور پھر

ان لوگوں پر نگاہ پڑی تو وہ اسی طرف چلے آئے۔
"کیسی رہی میٹنگ سر۔" وہ دونوں بھی کھڑی ہوگئی تھیں ہادیہ نے پوچھا۔
"بہت اچھی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"عباس صاحب کو پتا تو نہیں چلا؟" رابعہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"نہیں...... میں نے ذکر نہیں کیا۔ مس رابعہ آپ نیو ہیں آپ کی کارکردگی اور توجہ دیکھ کر آپ کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ میں آپ کے کام سے مطمئن ہوں سو اسی لیے یہ معاملہ دبا گیا ہوں۔ احتیاط کیجیے گا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ شاہ زیب صاحب نرم خود کھائی دیتے ہیں بعض معاملات میں بہت سخت بھی ہیں۔ دغا بازی' جھوٹ اور فریب تو قطعاً برداشت نہیں کرتے۔" فاروقی صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔
"سر عباس تو چلے گئے ہیں آئیں ہم بھی چلتے ہیں۔" انہوں نے ویٹر کو بلوا کر بل پے کر کے وہ ہوٹل سے نکل آئے تھے۔



"آپ نے بتایا نہیں پھر کیا بنا ایاز کی ضمانت کا...... کب ہوگی؟" بیگم عبدالقیوم نے پوچھا۔
"ہو جائے گی کل تک؟"
"اتنے دن ہوگئے ہیں بس آج کل آج کل کی گردان سن رہی ہوں۔ کہاں گئے آپ کے وہ سارے دوست احباب؟ کوئی کام نہیں آ رہا اس کی حالت یاد آتی ہے تو میرا اپنے دل پر ہاتھ پڑتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ جب تک آپ ضمانت کروائیں گے وہ لوگ میرے بیٹے کا حشر نشر کر دیں گے۔" بیگم عبدالقیوم نے غصے سے کہا۔
"تو کیا کروں؟ وہ لوگ ہر بار کوئی ایسی چال چل جاتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی حربہ کامیاب نہیں ہو پاتا اور چند بندے جو ان لوگوں کے اندر چھوڑے تھے میں نے ان لوگوں نے جو اطلاعات دی ہیں یوں سمجھ لو کہ ان لوگوں نے ساری پلاننگ کر کے ہی ایاز کو حوالات میں بند کیا تھا ایاز کے اوپر جو بھی کیس ہے سب جھوٹ ہے اور اگر اصل حقیقت میں سامنے لاتا ہوں تو اس میں بھی خود ہی پھنستا ہوں۔ ایاز کے پچھلے سارے کھاتے کھلتے ہیں پھر۔" بیگم کے جواب پر انہوں نے بھی اشتعال میں آ کر جوابی کارروائی کی تھی۔
"اور ایاز وہاں ٹھیک ہے میڈیکل ٹریٹمنٹ ہو رہا ہے اس کا ایک دفعہ کے بعد دوبارہ اس پر کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا اب اس کی حالت کافی بہتر ہے۔" انہوں نے مزید بتایا۔
"ملاقات کی بھی تو اجازت نہیں دے رہے وہ لوگ ڈیڈ آخر ہم کب تک یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔" عادلہ نے بھی خاصی بےزاریت سے کہا تو عبدالقیوم نے بیٹی کو گھورا۔
"مجھے تو لگتا ہے یہ ساری مصیبت محض تمہاری وجہ سے آئی ہے کتنی بار تمہیں سمجھایا تھا کہ فی الحال ان لوگوں سے بگاڑنا ٹھیک نہیں۔ تم سسرال چلی جاؤ۔ حالات دیکھ کر میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔ تم اگر وہاں ہوتی تو شاید وہ لوگ کوئی سنگین قدم اٹھانے سے گریز کرتے۔"
"نو ڈیڈ...... ڈونٹ بلیم می۔ ایاز کے ساتھ آج جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے اپنے کارنامے ہیں۔ میں اب مر کر بھی اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔ میں عباس اور اس کے باپ کو تباہ و برباد کر دوں گی۔ نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے ایاز والے واقعے کے بعد تو اب وہاں جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی...... آپ مجھے بلیم کرنے کے بجائے ایاز کی ضمانت کیسے کروائی جائے اس کے بارے میں سوچیں؟" عادلہ نے خاصی بدتمیزی سے جواب دیا تو عبدالقیوم صاحب کو

ایک دم خاموش ہوجانا پڑا۔
"عادلہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ڈیڈ اب ایک دوسرے کو بلیم کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ عادلہ محض آپ کے کہنے پر اور صرف ان لوگوں کی مالی حالات دیکھ کر ان لوگوں سے رشتہ داری پر راضی ہوئی تھی ورنہ وہ کتنے قدامت پرست ہیں یہ تو صاف اور واضح دکھائی دے رہا تھا۔ تب آپ کو ان لوگوں کی خاندانی پوزیشن بزنس میں دن بدن ہوتی ترقی اور مالی حیثیت اٹریکٹ کررہی تھی مگر اس کے باوجود عادلہ کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ چند لاکھ حق مہر کے سوا مائی فٹ۔" کاشفہ نے بھی نخوت سے کہا تو عبدالقیوم صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔
اس بات کا تو انہیں بھی قلق تھا کہ ہمیشہ نفع کا سودا کرنے والے اس بار گھاٹے کا سودا کر بیٹھے تھے۔
"ہمارے پاس ابھی آفاق کی صورت میں ایک مہرہ ہاتھ میں ہے عادلہ راضی ہو تو ہم آفاق کو لینے کی کوشش کرسکتے ہیں۔" انہوں نے پھر ہمت کی۔
"اوہ..... نو ڈیڈ۔ آپ کو پتا ہے ہمارا کیس کتنا کمزور ہے اور آفاق جیسے دردسر کو میں نہیں افورڈ کرسکتی۔ وہ ان لوگوں کا خون ہے ادھر ہی رہے تو ٹھیک ہے۔" عادلہ نے بہت بیزاریت سے کہا۔
"وہ تمہارا بیٹا ہے تمہارا اس پر حق ہے وہ وارث ہے اس خاندان کا تمہاری دیورانی کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں جو کچھ بھی ہے آگے چل کر وہ آفاق کا ہی ہوگا۔ آفاق کو بنیاد بنا کر ہم دعویٰ کرسکتے ہیں۔" مام نے بھی کہا تو وہ ہنسی۔
"نجانے آپ دونوں کس دنیا میں رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں میں خاصا وقت گزار کر آئی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں وہ کبھی بھی آفاق کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے چاہے ہم کسی بھی عدالت میں چلے جائیں وہ ایسے ایسے حقائق اور دلائل سامنے لے آئیں گے کہ ہمیں خود ہی کیس ختم کرنا پڑے گا اور آپ دونوں جانتے ہیں کہ مجھے دولت سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کل جو ذلت میں نے ان لوگوں کی وجہ سے سہی ہے اس کا بدلہ تو میں ضرور لوں گی بلکہ یوں کہہ لیں آج سے میں نے باقاعدہ پہلا قدم اٹھالیا ہے۔ عباس اور اس کے باپ کی بربادی کا آغاز سمجھیں ہوچکا ہے۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا تو ڈیڈ چونکے۔
"مطلب؟" عادلہ کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔
"کچھ خاص نہیں۔ جو بھی رزلٹ ہوگا آپ کے سامنے ہی آئے گا۔" عادلہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔
"پھر بھی آج کل جو حالات ہیں کوئی بھی جذباتی قدم اٹھانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ جو کچھ بھی ہو میرے سامنے ہو ایاز کا کیا میں بھگت رہا ہوں یہ نہ ہو کہ تمہاری طرف سے بھی مجھے پریشانی اٹھانا پڑے۔" ڈیڈ نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو اس نے خفگی سے منہ بنالیا۔
"اوہ ڈیڈ میں اب اتنی بچی بھی نہیں ہوں اپنا اچھا برا بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ڈونٹ وری ایسا کچھ نہیں ہوگا جس سے آپ کو پریشانی ہو۔" اس نے قدرے اطمینان سے کہا تو ڈیڈ نے گہرا سانس لیا۔
اپنے ان تینوں بچوں کو سمجھانا قطعی فضول تھا۔ یہ تینوں جو ایک دفعہ طے کرلیتے تھے پھر کرکے ہی رہتے تھے۔
"مجھے ایاز کے سلسلے میں کسی سے ملنا ہے چلتا ہوں۔" ڈیڈ اپنی گھڑی دیکھتے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی بیگم ان کے ہمراہ باہر تک آئی تھیں۔
"امجد خان کے بارے میں کوئی اتا پتا کروایا کون ہے؟ یہ واقعی لالہ رخ کی ماں کا ملازم تھا یا پھر محض ہمیں دھمکا رہا ہے۔" بیگم عبدالقیوم کے چہرے پر خاصی تشویش تھی۔ عبدالقیوم صاحب نے رک کر بیگم کو دیکھا۔
"چند بندے چھوڑے ہوئے ہیں اس امجد خان کے پیچھے بھی حالیہ اطلاعات تو صرف اس حد تک ہی ملی ہیں کہ

یہ شخص پچھلے بیس سال سے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ تعلیم صرف بی اے ہے مگر اپنی ذہانت اور اعلیٰ کارکردگی کی بدولت اس جگہ تک پہنچا ہے۔ اس شخص کو ہمیشہ اسپیشل کیسز ہینڈل کرنے کو دیے جاتے ہیں۔ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے ایک دو دن میں پتا چل جائے گا۔"
"اور جو وہ لالہ رخ کی بات کررہا تھا وہ؟" عبدالقیوم نے دیکھا ان کی بیگم سخت متوحش تھیں پریشان تو وہ بھی تھے مگر بار بار یہ سوچ کر مطمئن ہوجاتے تھے کہ لالہ رخ مرچکی ہے اور اس کی زندگی سے متعلق ہر انسان ہر ثبوت قبر کی گہری تہہ میں دفن ہوچکا ہے اور امجد خان جیسے لوگ اتنی جلدی قبر کی گہرائی تک رسائی حاصل نہ کرپائیں گے۔
"محض دھمکی دے رہا ہوگا۔ ورنہ ہم کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ لالہ رخ اور اس کی زندگی میں متعلق ہر ثبوت ختم ہوچکا ہے۔" عبدالقیوم صاحب نے کہا تو ان کی بیگم خاموش ہورہیں۔
"پھر بھی اس شخص کو نظر انداز مت کریں۔ ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اس انسان کی بھی تو کوئی کمزوری ہوگی نا؟" کچھ پل بعد ان کی بیگم نے کہا تو وہ مسکرائے۔
"ہاں اس شخص کا ایک بیٹا ہے۔ بیرون ملک ہوتا ہے۔"
"اگر یہ وہی امجد خان ہے جو لالہ رخ کی ماں کی کوٹھی میں ہوتا تھا وہ پھر اس شخص کی بیوی وہی لڑکی تھی نا جس کی مدد سے لالہ رخ کوٹھی سے بھاگی تھی۔ اس کا بیٹا تو تبھی ایک سال کا تھا۔" بیگم عبدالقیوم کو اور بھی بہت کچھ یاد آرہا تھا۔
"ہاں وہی لڑکی تھی۔ مگر بعد میں یہ دونوں میاں بیوی ایسے غائب ہوئے تھے کہ کبھی دوبارہ خبر ہی نہ ملی کہ کہاں روپوش ہوئے اس لیے کبھی میں نے لالہ رخ کے اور اس کے خاندان کے مرنے کے بعد بھی سوچا تک نہ تھا کہ لالہ رخ کی زندگی سے متعلق کچھ اور لوگ ابھی باقی ہیں اور کبھی یہ لوگ ہمارے سامنے بھی آسکتے ہیں؟"
"تو اب کیا ہوگا اور وکیل صاحب کیا کہتے ہیں؟" بیگم عبدالقیوم نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئے۔
"خیر ہاتھ تو اب ہم بھی باندھ کر نہیں بیٹھے ایاز کی وجہ سے مجھے امجد خان جیسے انسان کے منہ لگنا پڑ رہا ہے ورنہ ایسے لوگوں کو کیسے مزہ چکھاتے ہیں اب تک اس شخص کو پتا چل چکا ہوتا۔" کچھ تنفر اور غرور سے کہا تو بیگم عبدالقیوم خاموش ہوگئیں انہوں نے بیگم کو دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرائے۔
"فکر نہیں کرو ایک دو دن میں ایاز باہر ہوگا بس ایک دفعہ ایاز باہر آجائے تو پھر اس امجد سے بھی اچھی طرح نبٹ لوں گا۔" انہوں نے بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔



وہ کالج سے آنے کے بعد چینج کرکے واپس لاؤنج میں آئی تو لائبہ بھابی کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے تیزی سے لاؤنج سے ملحقہ واش روم میں گھسی تھیں۔
"کیا ہوا خیریت؟" وہ فوراً ان کے پاس آئی۔ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا لائبہ کو وامیٹنگ ہورہی تھی۔ وہ چند پل تشویش سے اسے بغور دیکھے گئی۔
"کیا پھر سے قے آنا شروع ہوگئی ہے؟" ماں جی بھی ادھر ہی آگئی تھیں۔
بھابی نل بند کرکے اثبات میں سر ہلاتے ٹاول اسٹینڈ سے کھینچ کر منہ صاف کرنے لگی تھیں۔ پھر شہوار کو دیکھ کر مسکرائیں۔ بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔
"میں نے منع بھی کیا تھا یہ کچن کا کام رہنے دو میں ملازمہ کے ساتھ مل کر کرلوں گی تم پھر بھی کچن میں جا گھسی تھیں؟"

ماں جی نے لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس صوفے پر بٹھایا تھا بھابی دھیرے سے مسکرائی تھیں۔ شہوار نے جو صورت حال سمجھی تھی اسے زبان پر لانے سے اس نے گریز کیا۔ کیا پتا اس کا محض وہم ہی ہو۔

"تم نے کھانا کھالیا کیا؟" ماں جی نے اسے یوں کھڑے دیکھ کر پوچھا۔ تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ابھی کچن میں ہی جانے والی تھی کہ بھابی کو دیکھ کر رک گئی۔" ماں جی اس کی بات پر دھیرے سے مسکرائیں۔

"عباس کی اولاد کے بعد اللہ میرے سجاد کو بھی اولاد سے نواز رہا ہے۔" انہوں نے شہوار کو بتایا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا یعنی اس کے خیالات کی تصدیق ہوچکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"مبارک ہو۔"

"خیر مبارک۔ اللہ ساتھ خیریت کے دن لائے۔ عائشہ کی بسمہ اور عباس کے آفاق کے بعد یہ تیسرا بچہ ہوگا ہمارا۔" شہوار بھابی کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"حویلی میں تو آپ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ یہاں آتے ہی طبیعت خراب کرڈالی۔" اس نے آہستگی سے کہا تو وہ ایک دم جھینپ گئیں جبکہ ماں جی بھی ہنس دی تھیں۔

"بدتمیز۔" ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہورہا تھا شہوار ہلکا سا ہنس دی۔

"مجھے کئی دن سے شک تھا۔ بس تمہارے اور مصطفیٰ کے نکاح پر اتنی مصروفیت رہی کہ میں نے زیادہ دھیان نہ دیا مگر شہر آتے ہی یہ وامیٹنگ کا سلسلہ چل نکلا۔ لیڈی ڈاکٹر سے تصدیق کروائی تو پتا چلا کہ میرا شک درست ہے۔"

"ماشاءاللہ...... خوش ہیں نا؟" اس نے کافی محبت سے پوچھا تو وہ کھل کر مسکرائیں۔

"ظاہر ہے، مگر مجھ سے زیادہ تو سجاد خوش ہیں۔ سجاد کو تو ویسے بھی بچے بڑے پسند ہیں آفاق کی وجہ سے کمی نہیں محسوس ہوتی تھی مگر وہ شدت سے منتظر تھے۔" بھابی نے خوش ہوکر بتایا۔

"آفاق ہے کدھر؟" آفاق کا نام سن کر اسے اچانک خیال آیا۔

"اندر سو رہا ہے۔" ماں جی نے بتایا اور پھر اٹھ گئیں۔

"اب تم کچن میں نہیں جاؤ گی۔ شام کا کھانا میں اور رخشندہ تیار کرلیں گی۔" ماں جی نے ہدایت دی تو لائبہ نے سر ہلا دیا۔

"آپ رہنے دیں میں تیار کرلوں گی۔" شہوار نے ماں جی کی بات پر کہا تو وہ مسکرائیں۔

"نہیں، تم رہنے دو...... پہلے ہی اتنے دن کالج سے غیر حاضر رہی ہوں تمہارا وقت بہت قیمتی ہے تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرلو ویسے بھی سارا دن کالج میں گزار کر آئی ہو تھک گئی ہوگی۔ اب آتے ہی کچن میں نہ گھس جانا۔ ملازمائیں ہیں وہ دیکھ لیں گی۔" انہوں نے رسان سے کہا۔

"میں ٹائم مینج کرلوں گی مگر ہمارے ہوتے ہوئے آپ کچن میں کام کریں اچھا نہیں لگتا۔"

"تمہارے ہاتھوں کی مہندی ابھی اتری نہیں اور تمہیں میں کچن میں گھسا دوں۔ تم کھانا کھالو کام تو ہوتے رہتے ہیں۔" وہ مسکرا کر کہتے واپس کچن کی طرف چل دی تو شہوار نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جہاں مہندی کا رنگ ابھی بھی برقرار تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ بھابی نے سر جھٹکنے پر بغور دیکھا۔

"تمہاری مصطفیٰ سے صبح کس بات پر لڑائی ہوئی تھی۔" وہ کچن کی طرف جانے لگی تو بھابی کی آواز پر رکی۔

"میری کسی سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔" اس نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔

"پھر صبح روئی کیوں تھیں؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں آنا نہیں چاہتی تھی اور وہ مجھے زبردستی لے کر آئے تھے۔" اب لہجے میں کچھ تلخی بھی در آئی تھی۔
"تم مصطفیٰ سے نکاح سے خوش نہیں ہو کیا؟ تمہارا اس سارے سیٹ اپ کے دوران جو بھی ری ایکشن رہا ہے اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ مصطفیٰ تمہارے درمیان کوئی سیریس قسم کا ایشو چل رہا ہے ورنہ مصطفیٰ جیسے شخص سے شادی سے انکار کوئی وجہ نہیں بنتی۔" بھابی سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ ایک دم لب دانت تلے دبا گئی۔
"اب کیا فائدہ پوچھنے کا اب تو وقت گزر چکا ہے۔" اس نے کچھ توقف کے بعد خاصی تلخی سے کہا تو بھابی نے اسے بغور دیکھا ان کے دل کے اندر عجیب سے اوہام سر اٹھانے لگے۔
"تمہیں اعتراض کیوں تھا۔" انہوں نے مزید پوچھا۔
"اعتراض نہیں میں اس رشتے سے صاف انکاری تھی۔ اور وجہ کیا ہے یہ آپ کے دیور صاحب بخوبی جانتے ہیں۔" وہ تلخی سے کہہ کر وہاں سے کچن کی طرف چلی آئی۔ جبکہ بھابی نے بہت سنجیدگی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا اور کچھ حیرت سے کہ اس لب و لہجے میں بات کرنا شہوار کا مزاج تو نہ تھا۔
کچن میں آ کر اس نے کھانا کھایا پھر ماں جی کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ مل کر رات کے کھانے کا اہتمام کرنے لگ گئی۔ اس گھر میں ہر ایک کی الگ الگ پسند ہوتی ہے۔ شاہ زیب انکل کے لیے پرہیزی کھانا پکتا جبکہ باقی سب کے لیے ان کی پسند کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ مصطفیٰ چائنیز قسم کے کھانوں کا شوقین تھا جبکہ عباس اور سجاد بھائی دونوں پاکستانی کھانوں کے۔ سو رات کے کھانے میں چاروں مرد حضرات کی پسند کے مطابق مینو ترتیب دیا جاتا تھا۔ لائبہ بھابی رشین، اٹالین، چائنیز اور پاکستانی سبھی کھانے بنانے میں ماہر تھیں۔ جبکہ شروع سے ہی ماں جی نے اسے کچن کی ذمہ داری دے دی تھی۔ عادلہ کبھی کبھار جب اس کو موقع ملتا تھا تو وہ اسے کچھ نہ کچھ پکانے کا آرڈر دے دیتی تھیں اور وہ کوئی بدمزگی نہ ہو فوراً حکم کی تعمیل میں جت جاتی تھی اور ایسے میں اکثر ماں جی عادلہ بھابی سے الجھ پڑتی تھیں کہ وہ اسے کچن میں کام کیوں کراتی ہیں۔ مجموعی طور پر وہ کچن کے معاملات میں اتنی گھڑ بی نہ تھی بس نارمل روٹین کے مطابق ہی سادہ کھانا پکانے میں ٹرینڈ ہو سکی تھی۔
اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازم تھے مگر کچن کے کام گھر کی خواتین کی ذمہ داری تھے۔ ایک دو ملازمائیں ہمہ وقت کچن میں رہتی تھیں مگر کھانا اپنی نگرانی میں ہی تیار کروایا جاتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سبھی اچھا اور گھر کی خواتین کے ہاتھ کا پکا کھانے کے عادی تھے تو گھر کی خواتین اس معاملات میں قطعی بے پروائی نہ برتتی تھیں۔ شہوار نے ملازمہ اور ماں جی کے ساتھ مل کر کھانا تیار کروا لیا تھا۔ مغرب کی نماز تک اچھا خاصا کام سمٹ گیا تھا مغرب کی نماز پڑھ کر اس نے ماں جی کو زبردستی کچن سے باہر نکال دیا تھا۔ مغرب کے بعد گھر کے مرد حضرات واپس آنا شروع ہو گئے تھے آٹھ بجے تک کھانا لگا دیا جاتا تھا جبکہ مصطفیٰ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ماں جی کا خیال تھا کہ مصطفیٰ آ جائے تو ٹیبل سیٹ کی جائے سجاد بھائی نے کال کی تو پتا چلا کہ مصطفیٰ کسی کام میں مصروف ہے اور لیٹ آئے گا شہوار نے سکھ کا سانس لیا۔ اندر ہی اندر وہ مصطفیٰ سے سامنا کرنا پر قطعی تیار نہ تھی۔
انا سے ایک طویل ڈسکشن کے بعد شہوار نے سوچا تھا کہ اب وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا آئندہ کے لیے اسے بس مصطفیٰ کی ذات اور معاملات سے ایک حد تک محتاط ہو جانے کی اشد ضرورت تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب مصطفیٰ سے الجھنے کے بجائے وہ اپنے رویے سے اسے احساس ضرور دلانے کی کوشش کرے گی کہ یہ جو بھی کچھ ہوا تھا وہ غلط تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مصطفیٰ کے سامنا اب کم سے کم آئے۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا شاہ زیب صاحب شہوار سے گاہے بگاہے اس کے کالج سے متعلق سوالات کرتے رہے اور وہ سنجیدگی

سے جوابات دیتی رہی۔ کھانے کے بعد اس نے چائے تیار کر کے سب کو دی تھی۔
"کچن اب ملازمہ دیکھ لے گی۔ تم اب کچھ بھی مت کرنے ویسے بھی تمہارا بہت ٹائم ضائع ہو گیا ہے اب کچھ دیر بیٹھ کر پڑھ لو۔" سب کو چائے دے کر وہ واپس کچن کی طرف جانے لگی تو ماں جی نے فوراً ٹوکا تو وہ مسکرا دی۔
"جی میں اپنے روم میں ہی جا رہی ہوں۔" خالی ٹرے کچن میں رخشندہ کو کچن سمیٹنے کی ہدایت دیتے وہ اپنا چائے کا مگ لیے اپنے روم میں آ گئی۔ اتنے دن کی غیر حاضری کے باوجود اس کا روم صاف ستھرا تھا۔ چائے کے گھونٹ بھرتے اس نے بیگ سے موبائل نکالا۔
وہ بستر کے کنارے ٹک کر چائے کے گھونٹ بھرتی موبائل آن کر کے اس کے مختلف فنکشنز چیک کرتی رہی تھی۔ سم آن کرتے اس نے سوچا کہ عائشہ سے کال کر کے ضرور پوچھے گی کہ اس سیل کی کیا قیمت ہے اگر عائشہ نے اپنے پیسے سے خریدا تھا تو اتنا مہنگا موبائل لینے پر اس کی ایگو ضرور ہرٹ ہوئی تھی۔ موبائل چیک کرتے اسے اندازہ ہوا کہ موبائل پہلے سے استعمال شدہ تھا۔ شاید عائشہ کا اپنا موبائل تھا یہ۔ چائے ختم کر کے اس نے عائشہ کا نمبر ملایا۔
"السلام علیکم۔" کچھ پل بعد عائشہ نے کال پک کی۔
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو تم؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔
"اللہ کا شکر ہے تم سناؤ کیسی ہو..... کیا حویلی میں ہی ہو ابھی تک؟" عائشہ نے پوچھا۔
"نہیں میں آج صبح شہر آ گئی تھی۔" اس نے بتایا۔
"اچھا ماں جی اور باقی سب وہاں ٹھیک ہیں نا؟"
"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا۔

"عائشہ میں نے آج ہی موبائل آن کیا ہے۔ تمہیں میں نے کوئی بھی عام سا موبائل خریدنے کو کہا تھا اتنا قیمتی سیٹ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تو عائشہ ہنس دی۔

"میں نے نہیں خریدا۔ دراصل اس دن جب ہم شاپنگ کے لیے نکل رہے تھے تب تم نے موبائل لانے کو کہا تھا جب تمہارا برائیڈل ڈریس خریدنا تھا اس دن مصطفیٰ بھائی بھی ساتھ تھے میں نے جب انہیں بتایا کہ ہمیں ایک موبائل بھی خریدنا ہے تمہارے لیے تمہارا پہلا موبائل ٹوٹ گیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ مت خریدیں ان کے پاس دو تین موبائل کے سیٹ موجود ہیں ان میں سے ایک تمہارے لیے لے جائیں۔ یہ نیو سیٹ تھا انہوں نے چند دن پہلے ہی لیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ یہ تمہیں دے دیں تو میں وہ تمہارے لیے لے آئی تھی۔" عائشہ نے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"یعنی یہ مصطفیٰ کا موبائل تھا۔" وہ بے یقین تھی۔

"تو اور کیا؟" عائشہ نے ہنس کر بتایا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" اسے یک دم شدید قسم کا غصہ آیا اسے مصطفیٰ کا صبح والا رویہ بھولا نہیں تھا اندر ایک دم اشتعال کی لہر اٹھی۔

اتنے دن سے سیٹ اس کے پاس تھا اور مصطفیٰ سمجھ رہا ہوگا کہ اس کا دیا گیا سیٹ قبول کرلیا ہے اور استعمال کر رہی ہوں۔ اس کے اندر شدید ابال اٹھا۔

"یہ اتنی اہم بات نہ تھی کہ تمہیں بتاتی۔" عائشہ نے خاصی بے پروائی سے کہا۔

"یہ اتنی غیر اہم بات بھی نہ تھی۔" اس نے اپنی طرف سے خاصے غصے میں کہا تھا مگر دوسری طرف عائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اوہو...... یعنی غصہ آرہا ہے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ بھئی تمہارے مزاجی خدا کا موبائل تھا جو اب تمہاری تحویل میں ہے سوچنے کو بہت سے خوب صورت خیالات دل و دماغ میں جگہ بنا سکتے ہیں۔" عائشہ چھیڑ رہی تھی وہ ایک دم تلملائی یعنی عائشہ کچھ اور سمجھ رہی تھی۔

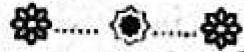
"شٹ اپ۔ میرے ساتھ الٹی سیدھی مت کرو۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں اس بے معنی سے موبائل کو لے کر کچھ الٹا سیدھا سوچوں۔" اس نے فوراً تنفر سے کہا۔

"تمہیں جب میں نے سیٹ تھمایا تھا اور تم نے چپ چاپ تھام لیا تھا تو مجھے یہی لگا تھا کہ تمہیں ضرور علم ہوگا کہ یہ مصطفیٰ کا سیٹ ہے ورنہ تم موبائل سے متعلق ضرور پوچھتیں۔" شہوار لب دانت تلے دبا گئی۔

اب عائشہ سے اس موبائل سے متعلق کچھ بھی کہنا فضول تھا۔ وہ اسے مزید کچھ بھی کہتی تو وہ اسے کسی اور ہی معنوں میں لیتی۔ سو اس نے بغیر مزید ایک لفظ بھی ادا کیے کال ڈراپ کردی تھی۔ اس نے تو آج تک کبھی اس چیز پر توجہ دینے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مصطفیٰ کیا پہنتا ہے کیا کھاتا پیتا ہے اس کے ذاتی استعمال میں آنے والی اشیا کے متعلق تو بہت دور کی بات تھی۔ اسے اگر علم ہوتا کہ یہ مصطفیٰ کا موبائل ہے تو وہ کبھی مر کر بھی عائشہ سے نہ لیتی۔ اس نے ایک دم غصے سے موبائل آف کر کے اس میں سے سم نکال لی تھی۔ اسے رہ رہ کر طیش آرہا تھا کہ اتنے دن سے یہ موبائل اس کے پاس تھا۔ موبائل بہت غصے سے اس نے بیڈ پر پٹخ دیا۔ پھر کچھ سوچتے وہ ایک دم اٹھی تھی۔ موبائل بیڈ سے اٹھا کر وہ باہر آئی اور اب اس کا رخ مصطفیٰ کے کمرے کی طرف تھا۔

مصطفیٰ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا ورنہ اس کی گاڑی کا مخصوص ہارن ضرور سنائی دیتا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔ وہ اس کمرے میں بہت کم آئی تھی ہاتھ میں پکڑا موبائل اس نے بستر پر پھینکا اور پھر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے

واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اسے اپنی بچکانہ حرکت کا احساس تو تھا مگر غصے کے سبب کچھ سوچنے سے قاصر تھی۔



جیسے ہی اس نے قدم اندر رکھا ایک دم ٹھٹک گیا۔ انا مگوں میں چائے انڈیل رہی تھی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ ولید اسے دیکھ کر دہلیز پر ہی جم گیا ہے وہ تو اپنے ہی دھیان میں مگن تھی۔ باہر ڈھولک اور ایک بھرپور شور کی آواز رہی تھی۔ وہ آج آفس کچھ لیٹ سے آیا تھا گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا وہ ان سب سے بچتا بچاتا چینج کر کے سیدھا کچن میں آیا یہاں انا پر نگاہ پڑتے ہی وہ وہیں رک جانے پر مجبور ہوگیا۔ وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا اسے آج قدرے روٹین سے ہٹ کر تنک سک سا تیار دیکھ رہا تھا۔

بے بی پنک لانگ شرٹ اور پاجامے کے ہمراہ وہ آج معمول سے ہٹ کر تیار ہوئی تھی۔ دائیں کندھے پر دوپٹہ بے پروائی سے جھول رہا تھا۔ آدھے بال رومال میں جکڑے ہوئے تھے کانوں میں آویزے ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک تھی۔ وہ خلاف معمول آج خاصی پیاری لگ رہی تھی۔ ایک دم اپنی طرف کھینچتی ہوئی۔ ورنہ اس نے تو اسے ہمیشہ خود سے بے پروا بے زار اور بے حس ہی پایا تھا۔ جبکہ صبح انا کا جو رویہ تھا وہ ولید کو ابھی بھی یاد تھا۔ صبح وہ انا کا چادر میں لپٹا چہرہ اور آنکھوں کی سرخی دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ اس کے دل میں شک پیدا ہوا تھا کہ وہ کسی بات پر کافی شدت سے روتی رہی ہے۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی اس نے اپنا چہرہ اس کی طرف نہیں کیا اور اب صبح والی کیفیت سے یکسر مختلف ایک نئے روپ میں نظروں کے سامنے تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ مگوں میں چائے انڈیل کر پلٹی تو ولید کو دیکھ کر ٹھٹھکی۔ ولید نے اس کے متوجہ ہونے پر مسکرا کر سلام کیا تو وہ سنجیدگی سے رخ موڑ گئی۔

"وعلیکم السلام۔" ولید اندر آ گیا تھا جبکہ وہ رخ موڑے ایک دوسری ٹرے میں کھانے پینے مٹھائی اور بسکٹ کے لوازمات سیٹ کر رہی تھی۔

"خیریت...... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" وہ پاس آ کھڑا ہوا۔

"کیوں آپ کو نظر نہیں آ رہا؟" اس نے ٹرے سے نظر ہٹا کر ولید کو دیکھا۔ انداز ہنوز سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔ ولید ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ یعنی صرف ظاہری طور پر صرف لباس بدلا گیا تھا باقی اندرونی طور پر وہی صبح والا موسم برقرار تھا۔

"نظر تو آرہا ہے صرف ظاہری تبدیلیاں ہی نہیں بلکہ اندرونی طور پر وقوع پذیر ہونے والی کیفیت بھی دکھائی دے رہی ہے۔" اس نے کہا تو انا کے چہرے کے زاویے بگڑے اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب بھینچ گئی تبھی صغراں اندر آتی دکھائی دی۔

"کہاں مرگئی تھی تم پتا نہیں تھا کہ یہاں اتنا کام ہے۔" اس نے صغراں کو کافی تلخی سے ڈانٹا تو ولید متعجب ہوا۔

"وہ جی باہر اتنا مزہ آرہا تھا ساتھ والے گھر کی لڑکیاں اتنے اچھے اچھے گانے گا رہی تھیں تو میں وہاں رک گئی۔" صغراں اسے غصے میں دیکھ کر فوراً صفائی دینے لگی۔

"اچھا یہ سب لے جاؤ اگر چائے کم ہے تو مجھے فوراً بتاؤ پھر میں نے بار بار کچن میں نہیں آنا۔" ولید کو مکمل طور پر نظر انداز کیے اس نے کہا تو صغراں فوراً سر ہلاتی ٹرالی میں سب سامان رکھ کر فوراً باہر نکل گئی۔ اس نے پلٹ کر چولہے پر رکھا چائے والا برتن اتار کر سائیڈ پر رکھا اور دودھ والا پاٹ فریج میں رکھ کر ارد گرد رکھے پتی اور چینی کے ڈبے اٹھا کر کیبن میں رکھنے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے ولید وہاں موجود نہیں اور وہ اکیلی کچن میں ہے۔ بالکل

لاتعلقی اور اجنبیت والا انداز تھا۔

"مجھے کھانا نکال دو۔ سخت بھوک لگ رہی ہے۔ آج سارا دن بہت بزی گزرا اب تو تھکن اور بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔" وہ ڈبے رکھ کر پلٹی تو ولید نے کہا انا نے بس ایک نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہ فوراً رخ پلٹ کر چولہوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ بیٹھیں میں گرم کر کے نکال دیتی ہوں۔" اس کا انداز وہی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ وہ پھر الجھا۔

"انا کیا پریشانی ہے یار؟" اس نے بیٹھنے کے بجائے قریب آ کر پوچھا۔

"مطلب؟" شوکیس سے کھانے کے برتن نکالتے اس نے بس سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

"مطلب تو تمہیں خود پتا ہونا چاہیے۔ مگر ایک بات تو میں بہت شدت سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ صرف میرے ساتھ ہی مینج ہوتا ہے باقی لوگوں کے ساتھ تمہارا مزاج اور رویہ اس قدر قطع تعلق والا نہیں ہوتا۔ وجہ......؟" ولید کے الفاظ پر اس کے چہرے کے زاویوں میں ایک کھنچاؤ سا در آیا۔

"غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔" اس کے پاس سے ہٹ کر وہ اب اس کے لیے برتنوں میں کھانا نکالنے رہی تھی۔

"تو پھر تمہارے صبح والے رویے کو کیا نام دوں؟" کھانا نکالتے وہ ایک پل کو ٹھہری تھی۔

"صبح میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" ٹرے میں برتن رکھ کر وہ پتیلی کی طرف بڑھی۔

"اور اب بھی مزاج درست نہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھی تو ولید قریب آ گیا۔

اس نے پلٹ کر خاصی خفگی سے ولید کو دیکھا وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا اسے دیکھ کر وہ کھل کر مسکرایا۔

"بیٹھو۔" اپنے سامنے ٹرے درست کرتے اس نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

"جھینکس میں کھانا کھا چکی ہوں۔" اپنے اسی روکھے انداز میں کہہ کر وہ پلٹی۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں اکیلے کھانا نہیں کھاتا۔ مجبوراً ہی سہی تمہیں مجھے کمپنی دینا ہوگی۔" ولید نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ رکی۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ آپ چھوٹے بچے تو نہیں کہ منہ میں نوالے بنا بنا کر ڈالنے کی ضرورت پڑ جائے۔" اس نے بہت جھنجلا کر کہا تھا ولید ہنس دیا۔

"پھر بھی میرے پاس بیٹھو تو سہی۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے کسی اور بھی چیز کی ضرورت پڑ جائے اور پھر کہاں میں بار بار تمہیں آوازیں دیتا پھروں گا۔"

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ محترم امریکا جیسے معاشرے سے نکل کر آئے ہیں اس معاشرے میں اپنا ہر کام خود سے ہی سرانجام دیا جاتا ہے۔" اس نے خاصا چڑ کر کہا تو ولید کھل کر ہنس دیا۔

"مگر ان چند ماہ کے پاکستان کے قیام کے دوران تم لوگوں نے ہماری تمام عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ شروع میں اتنی خدمتیں کی گئی کہ ہل کر پانی پینے تک کی زحمت نہیں دی گئی اب جب عادتیں بگاڑ دی ہیں تو اجتناب برتا جا رہا ہے دس از ناٹ فیئر یار۔" انا نے خاصا تپ کر گھورا تو ولید نے ایک دم ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ کو دانت تلے روکا۔ انا کا تپا تپا انداز اسے ایک دم اچھا خاصا لطف دے گیا تھا۔

"اچھا بے شک نوالے توڑ کر منہ میں مت ڈالنا مگر بیٹھ تو سکتی ہونا...... کھانے کے بعد تم چائے بھی بنا کر پلاؤ گی اگر تمہاری فرمائش ہوئی تو آج تمہارے ساتھ کافی کا بھی شغل فرما سکتا ہوں۔" اس نے چھیڑا وہ سر جھٹک گئی۔

انا جو گزشتہ ساری رات اذیت کی بھٹی میں جلتے بے تحاشا آنکھوں کی قیمتی متاع کے ضیاع کے بعد صبح ایک اٹل فیصلہ

کرچکی تھی کہ اب ولید کی طرف دھیان نہیں دینا۔ بھلے اس کی زندگی میں کوئی بھی ہو اس کا کسی کے بھی ساتھ تعلق ہو اب وہ اپنے آپ کو مزید خوار نہیں کرے گی۔ اپنی سوچوں اپنے خیالات پر سختی سے پہرہ بٹھالے گی۔ وہ اپنے آپ کو واپس نارمل حالت میں لانے کی سعی میں تھی۔ مگر ولید کا انداز دیکھ کر اس کے دل میں ایک دم شدید اضطراب پھیلا۔

''کیا اس شخص سے اب پہلوتہی کرلینا اتنا آسان ہوگا؟'' ولید کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے سوچ رہی تھی۔ ولید سے دامن بچا کر چلنا اسے لگا زندگی کا سب سے مشکل کام ہے۔

''بیٹھو نا پلیز۔'' ولید نے دوبارہ کہا تو اس کی برابر والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی مگر بیٹھنے کے بعد وہ ولید کی طرف توجہ دینے کے بجائے اوون کی طرف دیکھنے لگی۔ ولید نے بغور اس کے تنے تنے سنجیدہ تیور ملاحظہ کیے پھر دھیرے سے مسکرایا۔

''تمہاری دوست اب کالج آرہی ہے؟'' ولید نے پوچھا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔ اس نے یونہی سرسری ٹیبل پر دیکھا تو چونکی اس نے پانی تو رکھا ہی نہ تھا۔ فوراً اٹھی۔

''کدھر۔'' نوالہ منہ میں ڈالتے اسے یوں تیزی سے اٹھتے دیکھ کر پوچھا وہ بغیر جواب دیے فریج کی طرف آ ئی تھی۔ سادہ پانی کی بوتل نکال کر ریک سے گلاس لے کر واپس ٹیبل پر آ گئی۔ گلاس میں پانی انڈیل کر ولید کے پاس رکھا۔

''تھینکس۔'' اس نے گلاس اٹھالیا تھا۔

''اب تمہاری دوست کی کنڈیشن کیسی ہے' کچھ فرق پڑا اس کی سوچ میں۔'' انا کو ولید کا سوال پسند نہ آیا۔

''وہ بیمار تو نہیں۔'' اس نے قدرے برامان کر کہا تو وہ مسکرایا۔

''جس طرح کی تم نے سچویشن بتائی تھی وہ نارمل بھی نہیں لگی۔'' ولید کی بات پر اس نے گھورا۔

''کسی کے اوپر کمنٹس پاس کرنا آسان ہوتا ہے مگر جب یہی کیفیت خود پر بیتتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔'' اس کے لہجے میں خاصی تلخی در آئی تھی۔

''اگر آج آپ کی شادی آپ کی مرضی کے بغیر کردی جائے تو تب آپ کا بھی سیم یہی ری ایکشن ہوگا' ویسے بھی مصطفیٰ بھائی آپ کے دوست ہیں نا آپ لامحالہ ان کو ہی فیور کریں گے۔ یہ تو مردوں کا کام ہے عورتوں کے احساسات وجذبات کو محض جذباتیت کا نام دے کر ان کو انڈر اسٹی میٹ کرنا۔'' وہ خاصی بھنائی ہوئی تھی۔

''مصطفیٰ نے اس سے نکاح کرکے اس کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اس طرح وہ مزید محفوظ ہوگئی ہے۔ مصطفیٰ کے خاندان نے یہ اسٹیپ اس کی بہتری کے لیے تو اٹھایا ہے۔ ورنہ آج کل کے دور میں کون ہے جو بغیر کسی خونی تعلق کے اپنے یہاں پناہ بھی دیں تحفظ بھی فراہم کریں اور زمانے کے سرد وگرم سے بچانے کے لیے نکاح جیسے بندھن کا بھی اہتمام کریں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں ایسے مصطفیٰ کے خاندان اور والدین کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر جھٹک گئی۔

وہ گزشتہ دنوں سے ولید سے جس حد تک بدگمان تھی اور کل روشانے سے کیتھی کا ذکر سن کر جس طرح وہ بکھری تھی اور صبح تک اس نے جس طرح خود کو سنبھالا تھا ایسے عالم میں یوں ولید کے سامنے بیٹھ کر گفتگو کرنا اور اخلاقیات برتنا اسے سخت گراں گزر رہا تھا۔ اندر ہی اندر دل میں ایک بوجھ بڑھ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ولید بس فٹافٹ کھانا ختم کرے تو وہ اسے اس کی فرمائش پر چائے یا کافی جو بھی وہ چاہتا ہے بنا کردے کر یہاں سے نکل جائے۔ ویسے بھی باہر ڈھولک رکھی ہوئی تھی پڑوس کی خواتین کو صغراں بلالائی تھی ماما روشانے سب وہی تھیں اس کے علاوہ ماما کی چند دوستوں کی فیملیز بھی تھیں۔ یہ اس کے اکلوتے لاڈلے بھائی کی شادی تھی۔ سو دل کی جو بھی کیفیت تھی مگر وہ یہ شادی بھرپور انداز میں انجوائے کرنا چاہتی تھی اسی لیے تو آج سرِ شام ہی لباس بدل کر ڈھنگ سے تیار ہوئی تھی۔ اس کی اس تبدیلی پر ماما اور

روشانے بہت خوش ہوئی تھیں۔ دونوں نے بہت سراہا بھی تھا اور آج وہ خود کو بھی باقی کچھ دنوں سے ہٹ کر اچھی بھی لگی تھی۔ مگر اب ولید کے ساتھ گزرنے والے یہ چند پل اس کے دل کی زمین کو پھر سے گیلا کرتے جارہے تھے مگر وہ اب پھر سے پہلے والی کیفیت میں جانے کو تیار نہ تھی۔ سو وہ اب کسی بھی بحث میں ملوث ہونے کو تیار نہ تھی۔

''تم نے مصطفیٰ کے دادا صاحب کو دیکھا ہے حویلی میں۔'' ولید نے مزید پوچھا تو وہ چونکی۔

''نہیں...... مگر مصطفیٰ بھائی کے والد صاحب کو ضرور دیکھا ہے۔''

''میرے موبائل میں تصویر ہے اچھے خاصے بارعب شخصیت کے مالک ہیں۔ ان سے مل کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔''

''مصطفیٰ بھائی کا سارا گھرانہ بلکہ خاندان ہی بہت ملنسار اور با اخلاق ہے۔ ان کی والدہ بھی بہت نائس نیچر کی مالک ہیں۔ ان کے دونوں بھائی ان کی منجھلی بھابی اور دونوں بہنیں بھی بہت اچھے لوگ ہیں۔ میں بہت کوشش کے باوجود شہوار کی والدہ سے نہیں مل پائی۔ بس جو ایک دن وہاں رہے ایسا گزرا کہ ان سے ملاقات کا اتفاق ہی نہ ہوسکا مگر جب شہوار کا نکاح ہوا تو تب وہ پاس ہی تھیں مگر تعارف نہ ہوسکا۔ سنا ہے وہ خود بھی بہت سلجھی ہوئی خاتون ہیں بقول شہوار کے حویلی کی ساری ذمہ داری ان ہی کے سپرد ہے۔'' مصطفیٰ کے نکاح کے بعد وہ کیتھی والے واقعے کو لے کر اس قدر ہرٹ ہوئی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر ولید سے سامنا کرنے سے گریز کررہی تھی اور اب آج جب موقع ملا تھا تو ولید تفصیلاً یہ موضوع چھیڑ بیٹھا تھا تو اب اسے بھی بات کرنا پڑ رہی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی شادی پر آرہے ہیں نا؟'' ولید کھانا کھا چکا تھا اس کے پوچھنے پر مسکرا کر سر ہلایا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔

''روشانے کی شادی ہو اور مصطفیٰ نہ آئے ناممکن سی بات ہے۔ میں نے تو ود فیملی ہی انوائٹ کیا ہے دیکھتے ہیں کون کون آتا ہے۔'' ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی اب مزید بیٹھنا بے کار تھا۔ تبھی روشانے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

''تو یہ تم ادھر بیٹھی ہوئی ہو اور میں تمہیں ہر جگہ دیکھ آئی ہوں۔ وہاں باہر ہر کوئی تمہارا پوچھ رہا ہے۔ ساتھ والے گھر سے جو آنٹی آئی ہیں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں بلا کر انا خود غائب ہوگئی ہے؟'' آتے ہی وہ شروع ہوگئی تھی انا مسکرائی۔

''میں بس اب آنے ہی والی تھی۔'' خالی برتن سنک پر رکھتے وہ پلٹی۔

''ولی آگئے تھے چائے بھجوا کر ان کو کھانا دینے لگ گئی تھی۔'' اس نے کہا تو روشانے نے اپنے بھائی کو دیکھا۔

''آج آپ لیٹ ہوگئے تھے؟'' وہ بھائی کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''ہاں احسن کی جگہ ایک جگہ میٹنگ میں مجھے جانا پڑ گیا تھا۔'' ولید بہت ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

''بابا بھی کئی بار پوچھ چکے تھے۔'' روشانے نے اطلاع دی۔

''ہاں انا چائے بلوا رہی ہے۔ وہ پی کر ادھر ہی جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو انا نے گہرا سانس لیتے چولہے کی طرف رخ موڑا۔

''بابا آپ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہ رہے تھے بار بار مجھے کہہ چکے تھے کہ جب بھی آپ گھر لوٹیں ان کے پاس بھیج دوں۔'' روشانے بھائی کو کہہ رہی تھی۔

''کیا بات کرنی تھی؟'' ولید مکمل طور پر بہن کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"وہی اسی دن والی۔" روشانے نے اب کے دھیمی آواز میں کہا تو ولید سنجیدہ ہو گیا انا نے پلٹ کر دیکھا۔

"میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا بابا کو آخر جلدی کس بات کی ہے۔" وہ جھنجلایا۔

"مجھے نہیں پتا خود ہی ان کے پاس جا کر پوچھ لیں۔ ویسے بھی آپ نے اس دن بابا کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آپ کو اعتراض کیا ہے اب۔" پتا نہیں دونوں بہن بھائیوں میں کیا معاملہ تھا انا کچھ خاص نہ سمجھ پائی تھی۔

"لگتا ہے بابا نے کچھ فائنل کر دیا ہے وہ شام سے پہلے مجھے کچھ ایسی ہی خبر دے رہے تھے۔" روشانے نے دھیمے سے کہا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"چائے پی کر بابا کے پاس چلے جائیں وہ آپ کو بتا دیں گے۔"

"لاؤ انا چائے میں بھائی کو دے دوں گی۔ تم اندر جاؤ وہاں وہ سب لوگ تمہیں بلا رہے ہیں۔" بھائی سے کہہ کر وہ انا کے پاس آ گئی تھی۔

"رہنے دو۔ ماما نے تمہیں چولہے کے آگے دیکھ لیا تو مجھے سخت ڈانٹ پلائی گی۔ ویسے بھی چائے بس تیار ہی ہے۔" انا کی آواز پر ولید نے اسے پرسوچ نظروں سے بغور دیکھا، چمکتا دمکتا دلکش سراپا نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ولید کے دل و ذہن میں ایک جنگ سی چھڑ گئی۔ انا کے پچھلے تمام رویے اور اپنا ردعمل۔

"لگتا ہے اب اس آنکھ مچولی کے کھیل کو بند کرتے بابا سے دوٹوک فیصلہ کن بات کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"یہ لے جائیں۔" وہ اپنی سوچوں میں اس بری طرح غرق تھا کہ انا نے چائے کا مگ اس کے آگے لا رکھا تو وہ چونکا اور پھر مسکرا دیا۔

"تھینکس۔" اس نے کہا پر انا بغیر کوئی تاثر دیے پلٹی تو ولید نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا وہ انا کا بدلتا موڈ پوری شدت سے محسوس کر رہا تھا۔



فیضان کمرے سے باہر نکلے تو رابعہ کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر چونکے۔

"یہ لڑکی ابھی تک جاگ رہی ہے۔" وہ اس کے کمرے کی طرف چلے آئے۔ دروازہ ادھ کھلا تھا جس کی وجہ سے کمرے کے اندر کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ انہوں نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں ایک بستر پر ثریا بیگم سوئی ہوئی تھیں جبکہ رابعہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

"رابعہ۔" انہوں نے پکارا تو وہ چونکی۔ پلٹ کر ماموں کو دیکھا اور مسکرائی۔

"آئیں ماموں آپ سوئے نہیں۔"

"میں تو سونے لگا تھا باہر نکلا تو تمہارے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر ادھر چلا آیا۔" وہ اندر آ گئے تھے۔

"بس یہ تھوڑا سا کام تھا۔ یو ایس بی میں سیف کر رہی تھی اور کچھ پرنٹس نکالنے تھے۔" اس نے کہا تو وہ اس کے پاس آ رکے۔

"بہت کام کرواتے ہیں تمہارے آفس والے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کل ساری رات بھی تم جاگتی رہی ہو۔"

"نہیں ماموں آفس والے تو گھر کام لانے کی پرمیشن نہیں دیتے یہ تو میری ایک فرینڈ کا کام ہے وہ آج شام گھر آئی

تھی اس کی اسائنمنٹ تھا کہہ رہی تھی کہ تیار کر دوں۔ کل اسے ہر حال میں جمع کروانا تھا۔" وہ جلدی جلدی پرنٹ نکال رہی تھی۔ ماموں اسے دیکھے گئے۔

"آپ بیٹھیں نا۔" اس نے قریب پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب ہی رکھ کر بیٹھ گئے۔

"آفس کیسا جا رہا ہے تمہارا؟ کوئی پریشانی تو نہیں۔" انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

"آفس تو ٹھیک چل رہا ہے مگر ان لوگوں کے چند رولز ایسے ہیں کہ مجھے بڑی سخت ہچکچاہٹ ہو رہی ہے۔ جیسے کہ کچھ بھی ہو جائے تمام کام آفس میں ہی مکمل کرنا ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"یہ تو اچھی بات ہے نا۔ اس طرح گھر کو بھی آفس بنانے کی زحمت سے انسان بچ جاتا ہے۔"

"پتا ہے مجھے ان کے اس رول کا قطعی علم نہ تھا اور کل میں کچھ بہت اہم پیپرز گھر لے آئی تھی۔ آج میٹنگ تھی فاروقی صاحب نے صبح جب مجھ سے پیپرز مانگے تو میرے سارے طوطے اڑ گئے۔ وہ سخت ناراض ہو رہے تھے پھر ہادیہ کے ہمراہ گھر سے آ کر کاغذات لے کر گئی تو جان چھوٹی تھی۔ مجھے نہیں علم تھا میری یہ چھوٹی سی غلطی اتنا بڑا ایشو بن جائے گی وہ تو فاروقی صاحب کے دل میں رحم آ گیا کہ انہوں نے بات صرف اپنے تک رکھی تو جان کی خلاصی ہوئی۔ ورنہ تو میں سخت ٹینشن میں آ گئی تھی۔" وہ آج کا تازہ ترین واقعہ سنا رہی تھی۔ فیضان صاحب نے بڑی دلچسپی سے سنا۔

"ظاہر ہے ہر ادارے کے کچھ رولز ہوتے ہیں۔ خیال رکھا کرو ان رولز کو فالو کیا کرو اسی طرح تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ ذہین تو تم ہو ہی مگر جو بے پروائی برتی ہو اس سے کام بگاڑ لیتی ہو۔"

"میں جان بوجھ کر تو کچھ بھی نہیں کرتی۔ بڑی کوشش کرتی ہوں کہ محتاط رہا کروں مگر کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے۔" اس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا اس نے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا۔

"آپ کدھر تھے جب سے میں آفس سے لوٹی تھی آپ نظر ہی نہیں آئے تھے؟"

"کہیں نہیں بس باہر نکل گیا تھا ویسے ہی۔"

"ماموں سہیل بھائی کی کال آئی تھی۔ وہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے مگر پھر ٹال گئے۔ مجھے لگا کہ جیسے وہ کچھ پریشان ہیں۔ امی سے بات کی تھی انہوں نے پھر بھابی سے بھابی کو بتایا تھا کہ ان کے ساتھ جو لڑکا ہوتا ہے نا ابوبکر اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہے تو بھائی ہی سب اخراجات کر رہے ہیں شاید انہیں کچھ رقم کی ضرورت تھی مگر وہاں کسی سے بھی بندوبست نہیں ہو پایا تو شاید اسی لیے آپ سے بات کرنا چاہتے تھے۔" اس نے تفصیلات بتائی تو وہ فکرمند ہو گئے۔

"او وہ کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟"

"پتا نہیں مجھے تو ٹال گئے تھے بھابی کو ہی سب بتایا تھا۔"

"بڑا نیک اور سلجھا ہوا لڑکا تھا یہ ابوبکر بھی پچھلی بار جب وہ چھٹی پر پاکستان آیا تھا تو سہیل کا کچھ سامان لے کر گھر بھی آیا تھا تم تو نہیں ملی تھیں مگر ہم سب سے ملا تھا بہت ہی نیک لڑکا ہے وہ تو...... اللہ خیر کرے...... نجانے کن ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور پردیس میں تو اپنے اور بھی شدت سے یاد آتے ہیں۔" وہ ایک دم فکرمند ہو گئے تھے۔

"میں کال کرتا ہوں ایسے عالم میں تو جتنی بھی رقم ہو کم لگتی ہے۔ میرے وہاں کچھ جاننے والے ہیں سہیل سے کہتا ہوں ان سے رابطہ کرے۔ ان سے تو اسے ضرور رقم مل جائے گی۔" وہ فوراً متفکر ہو کر اٹھنے لگے تو رابعہ نے انہیں بغور دیکھا۔

"ماموں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ آپ جو نظر آتے ہیں آپ وہ ہیں نہیں۔ نجانے کیوں مجھے کبھی کبھار عجیب و غریب

سے دہم ستاتے ہیں۔" فیضان صاحب جو اٹھ کر جانے لگے تھے ایک دم پلٹ کر اسے دیکھنے لگے۔

"پاگل ہو تم تو؟" وہ مسکرا دیے۔

"آپ اور امی اکثر چھپکے چھپکے کیا باتیں کرتے رہتے ہیں؟" اس نے ایک نیا سوال کیا تو وہ کھل کر ہنس دیے۔

"تمہاری ماں تمہاری طرف سے خاصی فکر مند رہتی ہے۔ اسی فکر میں رہتی ہیں کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر تمہیں اپنے گھر بار کا کر کر دوں۔"

"ماموں۔" ماموں کے الفاظ پر اس نے ایک دم منہ بنایا۔

"مجھے ٹال رہے ہیں؟"

"اچھا بتائیں سہیل بھائی کو آپ نے باہر بھجوایا تھا تب تو ہمارے حالات بہت خراب تھے نا تو پھر آپ نے یہ سارے انتظامات کہاں سے کیے تھے۔ نا صرف بھائی کو باہر بھجوایا بلکہ وہاں کام کا بھی بندوبست کروادیا تھا؟"

"بیٹا میرے کچھ جاننے والے وہاں کے رہنے والے تھے بس ان سے رابطہ کیا اور تمام انتظامات ان لوگوں نے ہی کیے تھے۔ ہمارے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا کہ ہم خود کچھ کرتے۔" ماموں نے رسانیت سے کہا تو وہ انہیں بغور دیکھنے لگی۔

"میں نے سہیل بھائی کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ جیسے آپ کی وہاں کچھ پراپرٹی تھی جو اب سہیل بھائی کے پاس ہے۔"

"میری پراپرٹی؟ حد ہوتی ہے قیاس آرائی کی بھی بیٹا میں تو ساری عمر اپنے گھر اور پھر اس علاقے سے باہر نہیں نکلا وہاں سات سمندر پار کیسے جاسکتا تھا اور پھر پراپرٹی بھی بنانا' نجانے تم کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔" انہوں نے قدرے ہنس کر کہا تو وہ جھنکی۔

"تو پھر جو ابھی آپ نے کہا کچھ جاننے والوں سے سہیل بھائی کو رابطہ کرنے کا کہتا ہوں تو ان لوگوں سے آپ کے کیا ریلیشن ہیں آپ کے تعلقات ان لوگوں سے کیسے بن گئے پھر؟ جبکہ بقول آپ کے کہ آپ اس علاقے سے باہر بھی نہیں نکلے کبھی۔" اب کے فیضان صاحب نے بغور اسے دیکھا۔

"تمہاری والدہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں کہ تم ہر بات کی کھال اتارتی ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"نہیں خیر ہر بات کی تو نہیں اتارتی مگر صرف ان باتوں کی جو مجھے متجسس کردیتی ہیں۔" وہ ہلکا مسکرا دیے۔

"ماموں ایک بات کہوں؟" وہ پلٹنے لگے تو اس نے پھر کہا وہ رک گئے۔ سوالیہ نظروں سے رابعہ کو دیکھا۔

"آپ ماشاء اللہ اتنے ہینڈسم ہیں آج بھی لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں لڑکیاں تو دیکھ کر ہی آپ پر مر مٹنے کو تیار ہوجائیں گی اتنے شاندار اس قدر قابل پھر آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟" ایک تو یہ رابعہ اور اس کے یہ سوالات انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم واقعی بہت الٹا سیدھا سوچنے اور بولنے لگ گئی ہو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ تمہاری والدہ کے مشورے پر عمل کرنے میں اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔" انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا تو رابعہ بس دیکھ کر رہ گئی۔ وہ جب بھی ایسی کوئی بات کرتی تھی ان کا رویہ ایک دم بے انتہا سنجیدہ دو ٹوک اور قطعی ہوجاتا تھا۔

"آپ نے ساری زندگی ہم لوگوں پر ضائع کردی کیا کبھی بھی آپ کے دل میں خیال نہیں آیا کہ آپ کی بھی بیوی اور بچے ہوتے؟"

"رابعہ......!" کچھ توقف کے بعد اس نے پھر کہا تو ماموں نے اسے ایک دم ٹوک دیا۔

"اوکے ٹھیک ہے اب کچھ نہیں کہتی بس آپ اپنا موڈ ٹھیک کریں۔" ماموں کے ٹوکنے پر اس نے ایک دم مسکرا کر کہا

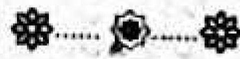
بھیگا ہوا دل

بھیگے ہوئے موسم کی شوخ ادائیں
برستی ہوئی بوندوں کی ہے بے خودی
فلک سے برستا لحہ بہ لحہ
روح کو شاد کرتا
بھیگے ہوئے بادل کا پانی
مجھے خبر تھی......
پسند ہیں تم کو یہ سارے مناظر
بھیگی باتیں بھیگی پلکیں
برستی ساعتیں بولتی سانسیں
تو دیکھ لو آج پلٹ کر اک بار
میں نے خود کو خود میں چھپا کر کہیں
بہت دور خود میں مدفن کیا ہے
اک تمہاری چاہ کی خاطر
خواب زندگی پلکوں سے چھین کر
رتجگوں کے آنسوؤں سے بھرے عذاب لمحے
سراب لمحے......
انہی آنکھوں کو دان کیے ہیں
کیونکہ خبر تھی مجھ کو
پسند ہیں تم کو
بھیگے لمحے
بھیگی باتیں......

سامعہ ملک پرویز...... احاطہ ٹیکسلا

تو ماموں ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

"میں سہیل کو کال کرتا ہوں اور تم بھی اب سب سمیٹ کر سونے کی تیاری کرو صبح آفس بھی جانا ہے تمہیں۔" وہ اسے سنجیدگی سے کہتے باہر نکل گئے۔



وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا بابا کو کتاب پڑھتے پایا۔

"السلام علیکم۔" ضیا صاحب نے کتاب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وعلیکم السلام آؤ میں کافی دیر سے روشی سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔"

"جی ابھی روشی نے بتایا تھا آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ ان کے پاس بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔

"الحمدللہ تم آج لیٹ آئے ہو۔" انہوں نے کتاب بند کرکے سائیڈ پر رکھ دی۔

"بس احسن کا کچھ کام تھا وہ تو جلدی آ گیا تھا سو میں مکمل کرکے ہی آیا ہوں۔"

"میں نے تم سے اس دن ایک بات کی تھی میں چاہتا ہوں کہ اب روشی کی مہندی کے فنکشن کے دوران ہی تم دونوں کی منگنی کی رسم بھی کردوں۔" بابا نے براہ راست کہا تو وہ چونکا۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

"تمہیں جلدی نہیں ہے مگر مجھے تو ہے نا زندگی کا کیا بھروسہ کب دغا دے جائے۔" ان کا انداز بھی ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"خوامخواہ کے خدشے پالنے کی قطعی ضرورت نہیں اور پلیز بابا جان ابھی میں ایسے کسی بھی جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔" بابا نے بغور اسے دیکھا ولید کا انداز انہیں عجیب سا لگا۔

"تمہیں انا پسند نہیں ہے کیا؟" ان کے انداز میں ایک دم ڈھیروں خدشے آ ٹھہرے۔

"نہیں بابا...... ایسی بات نہیں...... وہ ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے کچھ حد تک جذباتی ہے مگر ناپسندیدگی والی

بات قطعی نہیں۔"
"تو پھر......؟" بابا اب کے مکمل طور پر سنجیدہ ہوئے تھے۔
"پتا نہیں بابا کبھی کبھار میں بہت الجھ جاتا ہوں کچھ دھندلے سے نقوش ادھوری سی یادیں دل و دماغ کو عجیب طرح سے الجھانے لگتی ہیں اور ایسے میں لگتا ہے کہ جیسے کہیں کوئی بہت بڑا اسرار پوشیدہ ہے بابا روشی کی شادی اور اب آپ کا فیصلہ مجھے بہت الجھانے لگا ہے۔" ضیاء صاحب نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔ وہ واقعی الجھا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک دم اس کا ہاتھ تھاما۔
"تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟ میں تمہارا باپ ہوں کیا میں تم لوگوں کے حق میں کچھ غلط کرسکتا ہوں۔" ولید نے انہیں بغور دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔
"آپ پریشان نہ ہوں مگر میں عجلت میں کوئی بھی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ پلیز ابھی آپ اس کے لیے مجھے فورس مت کریں۔" "مگر میں تو اب صبوحی سے بات کرچکا ہوں۔ اس دن تم نے رضامندی دی تھی تو مجھے یہی لگا تھا اب تمہیں انکار نہیں۔" بابا کے الفاظ پر ولید ٹھٹکا۔
"اف...... کیا کہا آپ نے پھوپو سے۔"
"انا کے لیے صبوحی کی کوئی دوست اپنے بیٹے کا آج رشتہ لے کر آئی تھی تب صبوحی نے مجھ سے بات کی صبوحی میری چپ اور تمہارے ٹال مٹول سے شاید یہ سمجھی تھی کہ ہمارا ارادہ رشتہ کرنے کا نہیں۔ سو وہ سنجیدگی کے ساتھ دوسرے سلسلے پر سوچ رہی تھی۔ پھر میں نے صبوحی سے بات کرکے مہندی والے دن منگنی کا فنکشن فائنل کیا۔ وہ ہماری بچی ہے اور ہمارے ہوتے ہوئے باہر کیسے چلی جائے۔"
"اف...... آپ مجھ سے پہلے پوچھ تو لیتے۔" وہ اچھا خاصا الجھ گیا۔
"تم نے اس دن رضامندی دی تو مجھے لگا کہ تمہیں اب انکار نہیں ہوگا۔" بابا نے سادہ سے انداز میں کہا تو وہ بالکل خاموش ہوگیا۔ ضیاء صاحب نے اسے بغور دیکھا۔
"اگر تم راضی نہیں تو میں انکار کردیتا ہوں۔" ولید کے انداز پر ان کا لہجہ ایک دم دھیما پڑا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
"اب تو آپ فائنل کرچکے ہیں۔"
"تم راضی نہیں ہو تو یہ رشتہ بھلا کیوں کر کیا جاسکتا ہے۔" بابا کا لہجہ بہت شکست خوردہ ہوگیا تھا۔
"میں صبوحی کو انکار کردوں گا۔" "تم دونوں بھائی بہن میری زندگی کا حاصل ہو میں تم دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم شاد و آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کیا ہے آج مرجاؤں تو کل دوسرا دن زندگی تو تم لوگوں نے ہی گزارنی ہے۔ ابھی تو بات میرے صبوحی اور وقار کے درمیان ہی ہے۔" بابا کا لہجہ ایک دم آزردہ ہوا تھا۔ ولید کے اندر ایک تاسف نے سر اٹھایا۔
"ایم سوری بابا میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے مقدم ہے۔ مگر میں اندر سے مطمئن نہیں ہوں اس فیصلے سے۔" اس نے ضیاء صاحب کا ہاتھ تھام کر چوما تو وہ دھیرے سے مسکرائے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"مجھے تمہاری خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اگر تم میری بات کا مان رکھو گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں صبوحی سے بات کرچکا ہوں اب ان دنوں میاں بیوی کو انکار کرتا ہوں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔" بابا جان کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک گم صم رہا اور پھر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

شازیہ اختر

سویٹ آنچل فرینڈز اور قارئین کو میرا پُر خلوص سلام قبول ہو تو میرا نام شازیہ اختر ہے سب گھر والے اور دوست پیار سے شازی کہتے ہیں لیکن بھائیوں نے میرے عجیب سے نام رکھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان سے لڑ پڑتی ہوں چھ جون کو اس دنیا میں انٹری دی اب آتے ہیں اپنی خامیوں اور خوبیوں کی طرف کچھ خاص تو نہیں لیکن جو ہیں وہ بتا دیتی ہوں مجھے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے نماز پابندی سے پڑھتی ہوں اور سب کو نماز پڑھنے کے لیے بھی کہتی ہوں کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی اگر کوئی ناراض ہو بھی جائے تو خود پہل کرتی ہوں اس کو منانے میں چاہے غلطی اسی کی کیوں نہ ہو اب آتے ہیں خامیوں کی طرف غصہ بہت جلدی آجاتا ہے لیکن جتنا جلدی آتا ہے اتنی جلدی اتر بھی جاتا ہے جو دل میں بات ہو وہ منہ پر کہہ دیتی ہوں میری تعلیم کچھ خاص نہیں ہے پڑھنے کا تو بہت شوق تھا لیکن پڑھ نہ سکی (واہ ری قسمت) آنچل سے وابستگی کافی عرصے سے ہے پہلے ماہنامہ کرکے گزارہ کرتے تھے لیکن اب اپنا منگوا لیتے ہیں اب کچھ تعارف گھر والوں کا ہوجائے ہم چھ بہن بھائی ہیں دو بہنیں اور چار بھائی۔ میں سب سے چھوٹی ہوں اور چھوٹی ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہوں میں جہاں جاتی ہوں ہر کسی کو دوست بنالیتی ہوں دوستوں کی لسٹ بہت لمبی ہے لیکن کچھ کے نام لکھ رہی ہوں نرگس شاہین جو کہ میری بیسٹ فرینڈ اور بہت اچھی رازداں ہے۔ عظمیٰ اختیار، حفصہ، شمائلہ، جویریہ، شمشاد جو بھابی ہونے کے ساتھ ساتھ نند بھی ہے مجھے رنگوں میں وائٹ اور پنک کلر بہت پسند ہے۔ بارش میں بھیگنا بہت اچھا لگتا ہے میرا تعلق ضلع چکوال کے گاؤں نور پور سے ہے مجھے شاعری سے بے حد لگاؤ ہے پڑھتی بھی ہوں اور لکھتی بھی ہوں (بقول نرگس کے) تمہارا انتخاب بہت اچھا ہوتا ہے۔ شاعروں میں نازیہ کنول اور وصی شاہ بہت پسند ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، عشنا کوثر، عظمیٰ افتخار، سمیرا شریف طور بہت پسند ہیں کاش میں بھی رائٹر بن سکتی۔ مجھے کھانا پکانا بہت اچھا لگتا ہے لیکن پکاتی کبھی کبھی ہوں کھانا جو بھی پکا ہو کھا لیتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں اپنے امی ابو سے بھی بہت پیار کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے (آمین) خصوصاً اپنے کیوٹ سے بھتیجے معاویہ اور بھتیجی حسنہ احمد میں تو میری جان ہے جب وہ مجھے پھوپو کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے ان پر بہت پیار آتا ہے میں چاہتی ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا کام کرکے جاؤں کہ زمانہ میری مثال دے۔ اللہ حافظ۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی، مگر جو بھی کریں وہ بس رسمی سا ہو میرا مطلب ہے کہ زیادہ دھوم دھڑکا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بابا ہلکا سا مسکرا دیے۔
"خوش رہو...... جیتے رہو۔" ولید نے محض سر ہلایا۔ بابا نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔
"ایک بات بتاؤ ولی تمہیں انا پسند نہیں ہے کیا؟ میں نے بہت بار نوٹ کیا ہے کہ جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی ہے تمہارا رویہ بہت تبدیل ہوجاتا ہے مگر عام روٹین میں تمہارا انا کے ساتھ رویہ قابل گرفت نہیں ہے خاصا دوستانہ ہوتا ہے۔" بابا کی بات پر وہ قدرے چونک کر سیدھا ہوا۔
"ایسی کوئی بات نہیں، بس فی الحال اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں تو اس لیے بھی میرے انکار سے آپ کو ایسا فیل ہوا۔"
"میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انا تمہارے بارے میں خاصی پوزیسو ہے شاید پسند بھی کرتی ہے تمہیں۔ ہوسکتا ہے وہ تمہارے اور اپنے اس رشتے کے سلسلے سے باخبر ہو اور اسی لیے خاص خیال رکھتی ہو۔" بابا نے اب کے مسکرا کر دوستانہ انداز میں کہا تو ولید چونکا۔
"آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا؟"
"تم لوگ میرے سامنے کے بچے ہو ایک عمر گزاری ہے میں نے۔ انا جیسی سادہ مزاج لڑکی تو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ کوئی بھی انسان جو ذرا دھیان دے تو فوراً نوٹ کرسکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم بھی نوٹ کرچکے

ہو کہ آج کل اس کے دم بدم بدلتے رویوں اور مسلسل خاموش طبیعت کا اصل محرک کیا ہے؟" بابا نے مسکرا کر کہا تو ولید نے سر جھکا۔

"آپ کو غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے؟" اس نے بات ٹالنا چاہی۔

"میں نے ایک عمر گزاری ہے آج اس مقام پر ہوں تو ایک طویل جدوجہد پر مبنی زندگی کے بعد یہ سب حاصل کر پایا ہوں۔ نہ میری نظر کمزور ہے اور نہ ہی ابھی میں اتنا سٹھیا ہوں کہ سامنے کی بات نہ سمجھ سکوں۔" ان کے الفاظ پر ولید خاموش ہی رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم انا کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔" انہوں نے محبت سے کہتے اس کے بال بکھیرے۔

"وہ بہت پیاری بچی ہے اور مجھے وہ شروع دن سے ہی تمہارے لیے پسند تھی۔ شادی تو جب تم کہو گے کریں گے مگر رشتہ طے کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے نا۔"

"اور انا اس سے بھی کسی نے پوچھا کہ نہیں؟"

"یہ تو صبوحی ہی جانتی ہوگی اس معاملے میں مجھے علم نہیں۔"

"آہم......" ولید نے ہنکارا بھرا تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ ولید نے پاکٹ سے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ نامعلوم مگر کچھ کچھ مانوس سا نمبر تھا ولید کو دو سیکنڈ لگے تھے نمبر پہنچاننے میں۔

"کون ہے؟" اس نے جیسے ہی کال ڈسکنیکٹ کی بابا نے پوچھا۔

"پتا نہیں کوئی رانگ نمبر ہے۔" اس نے ٹالا ابھی دوبارا موبائل بجنے لگا۔

"سن لو شاید کوئی جاننے والا ہی ہو۔" وہ دوبارہ کال کاٹنے لگا تھا جب بابا نے کہا اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ نے مجھ سے کوئی اور بات تو نہیں کرنی اس سلسلہ میں۔" بستر سے اٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں...... بس یہی پوچھنا تھا۔"

"او کے پھر میں چلتا ہوں۔" کال مسلسل آرہی تھی وہ بابا کو عجلت میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

"ہیلو۔" اس نے کال پک کی۔

"کہاں تھے آپ؟ میں جب بھی کال کرتی ہوں آپ پک ہی نہیں کرتے۔" دوسری طرف وہی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"کیا آپ سے بات کرنے کے لیے کسی کام کا ہونا ضروری ہے۔" دوسری طرف وہ لڑکی خاصی حاضر دماغ تھی۔ ولید ہلکا سا مسکرایا۔

"اچھا جواب ہے مگر مس کاشفہ صاحبہ مجھ جیسے انجان شخص سے آپ کی کوئی اتنی گہری رشتہ داری بھی نہیں کہ آپ دن میں کوئی دس دس بار کال کرتی پھریں۔"

"شکر ہے ہر بار کی طرح اس بار مجھے اپنا تعارف نہیں کروانا پڑا ہے اور رہ گئی رشتہ داری کی بات تو آج کے دور میں کسی سے بھی رشتہ داری بناتے کون سا دیر لگتی ہے بس مزاج ملنا چاہیں۔" وہ لڑکی خاصا مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"پھر تو آپ کو یہ جان کر خاصا افسوس ہوگا کہ ہمارے مزاج قطعی نہیں ملتے ایک فیصد بھی نہیں۔" ولید راہداری کا دروازہ عبور کرتے انا والے حصے میں آ کر بالکونی میں آ کھڑا ہوگیا۔ نیچے لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ ڈھیر سارے چہرے ڈھولک کی لے پر گیت اور شور۔

غزل

... وقت کے وہ لوگ سب نبھاتے ہیں
... میں ہمیشہ جو مسکراتے ہیں
... انہیں تو زخم کے سینے کی پڑگئی عادت
جو پھول چھوڑ کے کانٹوں سے دل لگاتے ہیں
اپنے سینے میں رکھتے ہیں عشق منصوری
... کے سامنے وہ سر کہاں جھکاتے ہیں
سنبھل سنبھل کے اٹھاتے ہیں جو قدم اپنے
جہان زیست میں وہ کب فریب کھاتے ہیں
اپنے سینے میں رکھتے ہیں پال کر پتھر
لوگ جانے کیوں شیشوں کے گھر بناتے ہیں
وہ جن کی باتوں سے جھڑتے ہیں پھول اے راغب
وہی چراغ محبت سدا جلاتے ہیں

راغب عثمانی کیانی...... راولپنڈی

"آپ مزاج ملنے پر آمادہ تو ہوں پھر دیکھتے ہیں کہ کیسے نہیں ملتے۔ آپ کی طرف بہت شور برپا ہے کیا کوئی پرابلم ہے؟" اس لڑکی کی حسیات شاید بہت شارپ تھیں فوراً نوٹ کر کے پوچھنے لگی تھی۔

"نہیں گھر میں شادی کا فنکشن ہے تو اسی سلسلے کا ہنگامہ ہے۔" ولید نے نیچے ڈھولک کے اردگرد بیٹھے چہروں پر نگاہ ڈالی۔

تبھی انا کا مسکراتا چہرہ اس کی نگاہوں کی گرفت میں آیا تھا۔ تالی بجاتی وہ نجانے کس بات پر مسکرائی تھی ایک پل کو ولید کی نگاہ اس کے چہرے پر جم سی گئی تھی۔ بے بی پنک لباس میں اس کا وجود بڑا خیرہ کن لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سی چمک دمک تھی آج اس کے وجود میں اور اٹھتی گرتی پلکوں کا رقص بھی کچھ بڑا ہی سحر انگیز تھا۔ انا کے لیے صبوحی کی امی اپنے بیٹے کے بیٹے کا آج رشتہ لے کر آئی تھی۔" اسے اپنے کانوں میں کچھ دیر قبل کہے بابا کے الفاظ گونجتے محسوس ہوئے۔

"ہیلو...... کہاں کھو گئے کیا ہوا؟" دوسری طرف موجود لڑکی کہہ رہی تھی اور ولید کی نگاہ مسکراتے سحر انگیز وجود پر ٹھہری گئی تھی۔

"تب صبوحی نے مجھ سے بات کی صبوحی میری چپ اور تمہارے ٹال مٹول سے شاید یہ سمجھی تھی کہ ہمارا ارادہ رشتہ کرنے کا نہیں ہے سو وہ سنجیدگی کے ساتھ دوسرے رشتے پر سوچ رہی تھی۔" ولید کی نگاہوں کے انا کا مسکراتا چہرہ تھا۔

"تو محترمہ! اس قدر اہتمام سے آج اس لیے تیار ہوئی تھیں۔"

"ہیلو ولید! کیا تم مجھے سن رہے ہو۔" دوسری طرف موجود لڑکی پکار رہی تھی ولید نے اپنی مکمل توجہ اس جانب مبذول کی۔

"میں سن رہا ہوں کیا کہہ رہی تھیں آپ؟"

"کس کی شادی ہو رہی ہے؟" دوسری طرف موجود لڑکی نے پوچھا۔

"میری سسٹر کی۔"

"اوہ۔" لڑکی نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"آپ کے گھر میں اور کون کون ہے؟"

"میری بہن میرے والد اور پھوپو کی فیملی۔" ولید نے اب بھی گاہے بگاہے انا کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ کی پھوپو کی فیملی بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہتی ہے؟"

"نہیں ہم لوگ ان کے ساتھ رہتے ہیں۔" انا نے یونہی تالیاں بجاتے سر اٹھا کر دیکھا تبھی وہ چونک سی گئی تھی ولید مکمل توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ ایک پل کو ٹھٹکی تھی۔ اس نے گھبرا کر اطراف میں دیکھا اور پھر ولید کو وہ ریلنگ پر جھکتے ہوئے مسکرائے۔

"کیوں؟" دوسری طرف کاشفہ نے پوچھا تھا۔

"اس لیے کہ ہم کمبائن فیملی میں رہتے ہیں۔"

"اوہ......" انا نے ولید کی مسکراہٹ کو خاصا حیران ہو کر دیکھا تھا۔

"آپ کی پھوپو کی فیملی میں اور کون کون شامل ہے؟"

"میری پھوپو ان کے شوہر بیٹا اور بیٹی۔"

انا اب دوبارہ تالیاں بجا رہی تھی مگر اس کے انداز میں اب اطمینان مقصود تھا وہ پل پل بعد کبھی چہرے پہ آئی لٹ کو سمیٹ رہی تھی تو کبھی دوپٹہ درست کر رہی تھی پھر اس نے بہت اکتا کر ہاتھ جھولی میں رکھتے ولید کی طرف دیکھا تھا وہ ابھی بھی مکمل توجہ سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر پھر مسکرایا تھا۔ انا کی آنکھوں میں اک خفگی سی در آئی۔

"اوکے خاتون میری فیملی مجھے بلا رہی ہے پھر بات ہوگی۔" انا نے روشانے کی طرف رخ موڑ لیا تھا جو پاس ہی براجمان تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اوکے پھر کب؟"

"دیکھیے کب موقع ملتا ہے اصل میں میری سسٹر کی شادی ہے تو میں ادھر بزی ہوں آج کل۔"

"ہمیں شادی پر نہیں بلوائیں گے آپ؟" کاشفہ نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔

"آپ شامل ہونا چاہیں گی۔" ولید نے مروتاً کہا۔

"کیوں نہیں کس دن ہے فنکشن؟"

"میں آپ کو کارڈ بھجوا دوں گا پھر۔" اب دیگر خواتین بھی اسے دیکھ چکی تھیں۔ کچھ لڑکیاں تو پلٹ پلٹ کر دیکھنا شروع ہوئیں تو ولید کو مزید یہاں اپنا کھڑے رہنا اچھا نہ لگا وہ فوراً وہاں سے پلٹا تھا۔

"میں انتظار کروں گی۔"

"اوکے پھر بات ہوگی اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ولید نے کال بند کر کے موبائل اپنی جیب میں رکھا اور پھر پھوپو والے حصے کی طرف جانے کی بجائے کچھ سوچتے وہ واپس اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ)

ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

قسط نمبر 17

جب بھی تجھے بھولنا چاہا تو خیال آتا ہے
کبھی دھڑکن بھی کسی دل سے جدا ہوتی ہے
اپنی جانب میں بڑھا ہاتھ کوئی' تھام تو لوں
ایسا کرنے ہی سے توہین وفا ہوتی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آفس میں فاروقی صاحب رابعہ سے فائل طلب کرتے ہیں جبکہ وہ فائل رابعہ گھر بھول آتی ہے۔ جس پر انہیں مجبوراً پہلے گھر جانا پڑتا ہے اور وہیں سے وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کی غرض سے جاتے ہیں۔ وہیں عادلہ ہوٹل میں انہیں دیکھ کر خاصی برہمی کا اظہار کرتی ہے وہ رابعہ پر عباس کے حوالے سے الزام عائد کرتی ہے جس پر رابعہ کا ضبط جواب دے جاتا ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا مقصد سمجھ نہیں پاتی۔ ایاز والے معاملے کو لے کر عبدالقیوم اور ان کی بیگم خاصی متفکر ہوتی ہیں لیکن اس کی ضمانت کسی طور پر نہیں ہو پاتی۔ وہ عادلہ کو واپسی کے لیے کہتے ہیں تاکہ وہ آفاق کو بھی حاصل کر سکے لیکن عادلہ اس معاملے میں صاف انکار کر دیتی ہے ویسے بھی اسے آفاق سے کوئی دلچسپی نہیں۔ امجد خان لالرخ کے حوالے سے عبدالقیوم کو جو دھمکی دیتا ہے اسی کو لے کر وہ خاصے پریشان رہتے ہیں۔ لائبہ بھابی شہوار سے مصطفیٰ کو لے کر بات کرتی ہیں لیکن وہ انہیں کوئی تسلی بخش جواب دیے بغیر خود کو دیگر کاموں میں مشغول کر لیتی ہے۔ عائشہ کی زبانی جب اسے علم ہوتا ہے کہ زیر تصرف موبائل مصطفیٰ کا ہے تو وہ شدید غصے کے عالم میں اس کا فون واپس اس کے کمرے میں رکھ آتی ہے۔ ولید انا کے اضطراب اور پل پل بدلتے رویوں کو سمجھ نہیں پاتا اسی موضوع پر وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن انا لاتعلقی اختیار کر لیتی ہے اسی دوران ضیاء صاحب ولید کو اندر بلاتے ہیں اور انا کے بارے میں اس کی حتمی رائے جاننا چاہتے ہیں ان کا ارادہ روشانے کی مہندی کے فنکشن میں ہی دونوں کی منگنی کا ہوتا ہے جبکہ یہ سب سن کر ولید خاصا الجھ جاتا ہے۔ لیکن ضیاء صاحب کے اصرار پر وہ بالآخر اس فیصلے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف رابعہ اپنے ماموں فیضان صاحب کو سہیل کی کال اور دوست کے ایکسیڈنٹ کی خبر سناتی ہے۔ جس پر وہ خاصے فکرمند نظر آتے ہیں اور وہاں اس کے لیے پیسوں کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ جس پر رابعہ خاصی الجھ جاتی ہے کہ وہ بیرون ملک یہ سب انتظامات کیسے کروا پائیں گے اسی بارے میں وہ ان سے پوچھ گچھ بھی کرتی ہیں لیکن وہ اسے نظرانداز کرتے باہر آ جاتے ہیں۔ ولید کے نمبر پر کاشفہ کی کال آ جاتی ہے وہ بے دلی سے جواب دینے پر مجبور ہوتا ہے اس کی ساری توجہ انا پر مرکوز ہوتی ہے جو کہ شادی کے ہنگامے میں مصروف تھی۔ ولید اپنی بہن کی شادی کا ذکر اور مصروفیت کا حوالہ دیتے فون بند کرنا چاہتا ہے۔ جس پر کاشفہ بھی شادی میں شریک ہونے کا کہتی ہے اور آخرکار ولید اس کے ہاں کارڈ بھجوانے کا کہہ کر فون بند کر دیتا ہے کاشفہ کے بارے میں سوچتے وہ نیچے جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❁......❀

شہوار تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو ملازمہ راستے میں ہی مل گئی۔

''ناشتا کر لیں' بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ جلدی آئیں صاحب لیٹ ہو رہے ہیں۔''

''کون صاحب؟'' وہ چونکی۔

''مصطفیٰ صاحب' آپ پہلے بھی تو ان کے ساتھ ہی جاتی تھیں۔'' رخشندہ ان کے نکاح سے باخبر تھی اپنی طرف سے اس نے مسکرا کر کہتے شرارت کرنا چاہی۔

''مگر میں اب نہیں جا رہی۔'' رخشندہ کی مسکراہٹ تھی یا صبح صبح مصطفیٰ کا ذکر تھا وہ ایک دم اسے غصے سے کہتی آگے بڑھ گئی۔ وہ ڈائننگ روم میں آئی تو وہاں سبھی موجود تھے ماسوائے عباس اور سجاد کے۔

''میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ ڈرائیور کس مرض کی دوا ہے۔ ابھی دو گھنٹے پہلے ہی تو آپ کے سامنے گھر آیا ہوں۔ اب پھر ضروری کام سے جانا ہے۔ آپ کسی اور کو کہہ دیں۔'' دودھ کا گلاس ختم کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار دہلیز پر ہی رک گئی۔ یقیناً یہ اسی کا ذکر ہو رہا تھا۔

''مصطفیٰ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے یہ نکاح ہوا ہے تمہارا رویہ شہوار کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں ہے' وہ اس گھر کی بہو ہے پہلے میں سمجھا تھا کہ شہوار محض اپنے پس منظر کو لے کر انکاری ہے مگر اب محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے انکار کے پیچھے تمہارا رویہ ہی وجہ بنا ہوگا۔'' ناشتے کی ٹیبل پر صبح صبح بحث چل رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک دم گلاس ٹیبل پر رکھا۔

''آپ زیادتی کر رہے ہیں بابا جان' میں نے ایک بار بھی اس نکاح کو لے کر آپ کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ نہ پہلے اور نہ اب' مجھے مورد الزام ٹھہرانے سے پہلے آپ مہربانی فرما کر دوسری طرف کی صورت حال پر بھی غور کر لیں تو بہتر ہوگا۔''

''وہ بھی تمہارے ہی کسی رویے پر انکاری ہوگی۔ ورنہ وہ ہمارے سامنے پلی بڑھی ہے ہم اس کو تم سے بہتر سمجھتے ہیں۔'' ان کا انداز دوٹوک تھا۔

''اچھا......!'' مصطفیٰ غصے سے مسکرایا تو ماں جی فوراً بولیں۔

''کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو...... مصطفیٰ کے پاس ٹائم نہیں ہوگا' شہوار کسی اور کے ساتھ چلی جائے گی۔'' انہوں نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا تھا۔

''عباس اور سجاد جا چکے ہیں مجھے بھی ایک کام سے ابھی نکلنا ہے ڈرائیور کے ساتھ نہیں بھیجوں گا میں' اب اس کو لے جاتے ہوئے کیا پریشانی ہے اسی طرف سے تو ہو کر جانا ہے اس نے۔'' بابا نے غصے سے کہتے ہاتھ میں پکڑا نیپکن ٹیبل پر ڈال رکھ دیا۔

''اتنا بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا' ایسے عالم میں ڈرائیور پر چھوڑ کر کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ یہ نکاح عجلت میں اسی لیے کیا گیا تھا شہوار ہماری ذمہ داری ہے مکمل طور پر اور نکاح کے بعد اب اس کی......؟'' بابا کا انداز قطعی تھا۔

''ابھی صرف نکاح ہوا ہے' رخصتی باقی ہے۔ ایسے عالم میں وہ محترمہ ابھی میری مکمل ذمہ داری قرار نہیں دی جا سکتیں۔'' مصطفیٰ کا وہی دوٹوک انداز تھا مسلسل بحث کو ہوا دیتا ہوا۔

''یہ تم کس لہجے میں شہوار کا ذکر کر رہے ہو' رخصتی جیسی فرسودہ رسمیں اس نکاح کے سامنے بے معنی ہیں۔ میں چاہوں تو کل ہی رخصت کروا دوں۔''

''او کے...... جب رخصتی ہو گی تو میں لے بھی جاؤں گا اس وقت تو اجازت دیں کہ میں جا سکوں' خوامخواہ مجھے لیٹ کروا رہے ہیں۔''

''مصطفیٰ......'' مصطفیٰ اٹھا تو بابا نے بہت سختی سے ٹوکا۔ شہوار کو لگا کہ وہ یقیناً کچھ سخت کہنے لگے ہیں وہ گھبرا کر فوراً اندر بڑھ گئی۔

''السلام علیکم!'' مصطفیٰ کی طرف دیکھے بغیر اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔

مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر باقی لوگ بھی متوجہ ہوئے۔

"وعلیکم السلام..... آؤ ناشتا کرو۔" ماں جی نے فوراً ماحول کی کشیدگی کم کرنا چاہی تھی۔

شہوار محض سر ہلا کر بھابی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ کھڑا تھا۔ مصطفیٰ نے بڑی سلگتی نگاہوں سے شہوار کو دیکھا تھا۔

"شہوار کو ڈراپ کرتے جانا سنا تم نے.....؟" مصطفیٰ وہاں سے جانے لگا تو شاہزیب صاحب نے پھر کہا۔

"بابا میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" مصطفیٰ نے زچ ہو کر کہا۔ ماں جی نے شہوار کے سامنے دودھ انڈہ اور دیگر لوازمات رکھتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"مگر شہوار کو ڈراپ کرنا اس سے زیادہ اہم ہے تم جا کر اپنی گاڑی نکالو شہوار ناشتا کر کے آتی ہے۔" بابا کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"مگر بابا.....!" مصطفیٰ نے بولنا چاہا۔

"مصطفیٰ میں نے جو کہا ہے وہ کرو۔" بابا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ مصطفیٰ بہت غصے سے پلٹا تھا۔ شہوار کو بھی کے سامنے شدید سبکی کا احساس ہوا۔

"انکل میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی۔ اس میں کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہیں۔" شہوار نے شاہزیب صاحب کو بھی اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"آپ کل ڈرائیور کے ساتھ اکیلی کالج گئیں اور واپس آئی تھیں مجھے ابھی تک اس بات پر بہت غصہ ہے۔ ایاز کی کسی بھی وقت ضمانت ہو سکتی ہے اور میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ آپ ہماری ذمہ داری ہو بیٹا اور ہم اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں برتنا چاہتے۔ آپ ناشتا کرلیں مصطفیٰ آپ کو چھوڑ آئے گا۔ واپسی پر میں خود پک کروں گا۔" ان کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا۔ شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں آپ شہوار کو خود گاڑی تک چھوڑ کر آئیں اور مصطفیٰ کو بھی اچھی طرح سمجھا دیں کہ آئندہ میں ایسی بے معنی بحث برداشت نہیں کروں گا۔" بابا ماں جی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ شہوار ان کو جاتا دیکھتی رہی۔

"ناشتہ کرلو..... مصطفیٰ کو دیر ہو رہی ہے۔" اسے اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھ کر لائبہ بھابی نے ٹوکا۔

"موڈ نہیں ہو رہا۔" اس نے ٹرے پیچھے کردی۔

"تو یہ دودھ ہی پی لو اور انڈہ لے لو۔" ماں جی نے کہا اور گلاس اٹھا کر اسے تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا کبھی کبھی وہ ان کی محبتوں کے آگے بے بس ہو جاتی تھی۔ دودھ پی کر انڈہ اور سلائس کھا کر وہ جب باہر نکلی تو ماں جی اس کے ہمراہ ہی تھیں۔ مصطفیٰ پاتھ وے پر گاڑی لیے منتظر تھا اور مسلسل ہارن پر ہارن دیے جا رہے تھا۔

"توبہ! تم نے تو گھر سر پر ہی اٹھا لیا ہے۔ آ گئے ہیں ہم اب اٹھا لو ہاتھ۔" ماں جی نے قریب آ کر کہا تو شہوار نے بہت کوفت سے گاڑی کو دیکھا جو اسٹارٹ تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے ماں جی۔" مصطفیٰ نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"ناشتا کر رہی تھی بچی عجلت میں تو کچھ کھایا بھی نہیں۔ اب دروازہ تو کھولو۔" وہ جو پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی ماں جی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور مصطفیٰ کو دروازہ کھولنے کو کہا۔

مصطفیٰ نے پتا نہیں نوٹ کیا تھا کہ نہیں مگر فرنٹ ڈور کھول دیا اور ماں جی کے اشارہ کرنے پر شہوار اپنے اوپر ضبط کرتی سیٹ پر بیٹھ گئی تو ماں جی نے مسکرا کر دونوں کو دیکھتے دروازہ بند کر دیا۔

"واپسی پر تمہارے بابا شہوار کو پک کرلیں گے۔ شہوار ان کو وقت پر بتا دینا۔" ماں جی نے دونوں کو کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

مصطفیٰ نے بہت ہی ریش انداز میں گاڑی گیٹ سے نکالی تھی انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ شہوار نے سختی سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھ کر خود کو گرنے سے بچائے رکھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے آپ گاڑی نارمل اسپیڈ میں نہیں چلا سکتے؟" وہ ضبط کیے بیٹھی رہی تھی مگر مین روڈ پر آ کر بھی گاڑی کی اسپیڈ جوں کی توں برقرار رہی تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ مصطفیٰ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔

"شوفر نہیں کسی کا کہ نا کسی کے حکم کا پابند ہوں۔" انداز بیان اس سے زیادہ جارحانہ تھا۔

"تو پھر مجھے یہاں اتار دیں میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ کون سا سکون سے بیٹھی تھی ایک دم بدلحاظی پر اتر آئی۔

"آپ کی یہ جسارت میرے لیے تو عین خوشی کا مقام ہوگا کہ ایک ناپسندیدہ بوجھ سے جان چھوٹے گی۔" وہ تو سیر کو سوا سیر ثابت ہو رہا تھا۔ شہوار کا ضبط سے برا حال ہونے لگا۔ اس نے بہت غصہ سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنے روڈ انسان ہیں۔"

"مجھے بھی قطعی اندازہ نہیں تھا کہ آپ جیسی بظاہر بے ضرر دکھنے والی لڑکی اندر سے مکمل طور پر احساس کمتری کی ماری ہوئی ہوگی۔" دوسری طرف سے فوراً جوابی کارروائی ہوئی۔

"آپ فوراً گاڑی روکیں مجھے آپ کے ساتھ قطعی نہیں جانا کہیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ نے گویا شہوار کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔

"میں کسی کے حکم کا پابند نہیں ہوں۔ اگر میرے ساتھ سفر کرنا اتنا ہی اذیت ناک مرحلہ لگ رہا ہے تو بابا کے سامنے انکار کیا ہوتا پھر میں دیکھتا کہ ایک ناپسندیدہ بوجھ کیسے میرے سر پر سوار ہوتا؟" وہ کون سا کم تھا فوراً دوٹوک جواب دیا۔

"میں انکل کو آج ہی منع کردوں گی مجھے بھی کسی کے سر پر مسلط ہونے کا کوئی شوق نہیں۔"

"آہا..... اس صدی کا سب سے نایاب جھوٹ۔" مصطفیٰ استہزائیہ ہنسا تو وہ غصے سے کھڑکی کی طرف رخ موڑ گئی۔

"آپ محترمہ مجھ پر احسان عظیم فرمائیں گی اگر بابا کو منع کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو.....!" شہوار نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔ اسے لگا کہ جیسے اس قدر احساس توہین پر ضبط سے اس کی آنکھیں جلنے لگی ہوں۔

"اور موبائل واپس کرنے کا کیا قصہ ہے اگر اتنا ہی ناگوار لگ رہا تھا تو پہلے دن ہی واپس کر دیا ہوتا اتنے دن بعد واپس کرنے کی ضرورت خوامخواہ پیش آ گئی؟" شہوار نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔

اسے لگا کہ آج کا یہ سارا غصہ صرف اور صرف اس کی موبائل واپس کمرے میں رکھ کر آنے والی حرکت کی وجہ سے ہوا ہے۔ مصطفیٰ کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ سامنے دیکھ کر ڈرائیور کر رہا تھا۔

"میں نے موبائل یوز نہیں کیا اور نہ ہی کل سے پہلے مجھے علم تھا کہ یہ آپ کا موبائل ہے۔" مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اور پھر ایک دم اچانک الہام ہو گیا تھا کہ یہ میرا موبائل ہے۔" مصطفیٰ کا انداز ایک دم طنزیہ تھا۔

"میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"مگر میں کرنا چاہتا ہوں۔" مصطفیٰ کا انداز دوٹوک تھا۔

"جب تک ساری بات کلیئر نہیں ہوگی یہ گاڑی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی۔" مصطفیٰ نے بہت برہم انداز میں کہتے گاڑی سائیڈ میں روک دی تھی۔ شہوار تو حیرت زدہ رہ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ غصے سے بولی۔

"اب آپ کو دیر نہیں ہوگی؟" اس نے کوفت سے کہا۔

"میں اپنے والدین کے سامنے مزید کوئی الزام افورڈ نہیں کرسکتا۔ آپ محترمہ مجھے صاف اور واضح بتائیں کہ آپ کیا ارادہ رکھتی ہیں۔" اس نے فوراً دوٹوک بات کرنا چاہی۔

"میں کیا چاہتی تھی آپ لوگ قطعی بے خبر نہ تھے۔ اب میں کچھ بھی سوچوں آپ لوگوں کو میرے ارادوں کی کیا پروا؟" شہوار نے سابقہ انداز میں کہا تو مصطفیٰ مکمل طور پر اس کی طرف پلٹا۔

"میں ہر چیز برداشت کرسکتا ہوں مگر اپنی فیملی کی بے اعتباری نہیں' یہ نکاح تمہاری مجبوری تھا میری نہیں۔" شہوار احساس توہین سے سلگ کر رہ گئی۔

"میں نے صاف انکار کیا تھا۔" شہوار نے مصطفیٰ کے الفاظ پر ایک دم غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے بہت ضبط سا سے دیکھا۔

"اور اب کیا چاہتی ہو؟" مصطفیٰ نے کچھ توقف کے بعد کہا تو وہ ہونٹ بھینچ گئی۔

"شہوار میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

"میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی' مجھے دیر ہورہی ہے۔"

"مگر جب تک یہ بات فائنل نہیں ہوگی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" مصطفیٰ بہت ریلیکس ہوکر بیٹھا تھا۔ شہوار اضطراب کا شکار ہوئی اس نے گھڑی دیکھی نو بج رہے تھے وہ دونوں ہی لیٹ ہورہے تھے۔

"یہ رشتہ میرے بڑے کرنا چاہتے تھے اس میں میری فیملی' بابا صاحب اور تابندہ بوا سب کی رضا مندی شامل تھی اور میں نے اس کو دلی آمادگی کے ساتھ قبول کیا اور اب تمہارا رویہ میں قطعی برداشت نہیں کروں گا اور جس قسم کی کمپلیکس کا تم شکار ہو میرے نزدیک ان کی تو قطعی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اگر مجھے کوئی چیز متاثر کررہی ہے تو وہ بابا جان کا رویہ ہے۔ تم صاف اور واضح الفاظ میں بابا جان کو اپنا ارادہ بتاؤ ورنہ اس کے بعد جو میں کروں گا اس سب کی ذمہ دار تم ہوں گی۔"

"میں کیوں ہوں گی ذمہ دار جب میں نے صاف اور واضح الفاظ میں آپ کے سامنے انکار کیا تھا تب تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا میرے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی اب انکل کچھ بھی سمجھیں میں کیوں صفائیاں پیش کرتی پھروں اپنے رویوں کی؟ میں کسی سے کوئی بات نہیں کروں گی آپ گاڑی چلانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ورنہ مجھے یہیں ڈراپ کردیں میں اب ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتی۔"

"تم......تم......!" مصطفیٰ نے ایک دم غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو' کوئی اعلیٰ وارفع شے مافوق الفطرت ہستی یا کوئی سپر لیڈی...... میں عورت کی بہت عزت کرتا ہوں مگر صرف اس کی جو عزت کروانا جانتی ہو آئندہ مجھ سے اس انداز و لہجے میں بات کی تو حشر نشر کردوں گا میں تمہارا' یہ مت بھولو کہ تم میری بیوی ہو بھلے تم نے جن حالات میں اقرار کیا تھا مگر ایک مجمع گواہ ہے کہ تمہارے سر پر کوئی گن لے کر نہیں کھڑا تھا۔" مصطفیٰ نے اس کا نازک بازو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑا تو وہ مارے تکلیف کے سلگ اٹھی۔

"مصطفیٰ پلیز...... چھوڑیں مجھے...... کیا بدتمیزی ہے یہ۔"

"آئندہ تم نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا میں۔" مصطفیٰ کا یہ کوئی نیا ہی روپ تھا۔ شہوار کے لیے بالکل نیا اور قطعی انجان۔ مصطفیٰ کی سخت گرفت میں اس کا بازو بری طرح مسلا گیا تھا۔ مارے تکلیف کے اس کے آنسو بہہ نکلے۔

"چھوڑیں مجھے' انتہائی بدتمیز انسان ہیں آپ میں انکل سے شکایت کروں گی۔" مصطفیٰ کا یہ روپ وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہو گی تم اپنے انکل جی کو۔" اس کے آنسوؤں سے قطعی متاثر ہوئے بغیر مصطفیٰ نے کہا تو وہ دوسرا ہاتھ چہرے پر

رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بس یہیں تک تھی تمہاری ہمت' لگی تھیں مجھ سے محترمہ بدتمیزی کرنے۔" اس کے رونے کا اثر ہوا تھا مصطفیٰ نے ایک قہر آلود نگاہ ڈال کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"انتہائی زہر لگتی ہیں مجھے وہ خواتین جو ہر طرح کے سود و ضیاع سے بے پروا ہوکر غلطی کرتی ہیں اور پھر رونے دھونے بیٹھ جاتی ہیں۔" مصطفیٰ نے برہمی سے کہا تو اس کے بے اختیار بہتے آنسو ٹھٹھر سے گئے۔

"میں اب تک بہت لحاظ و مروت سے پیش آرہا تھا ورنہ تم جیسی خر دماغ خواتین کا دماغ مجھے سیدھا کرنا آتا ہے۔" شہوار نے لب دانتوں تلے دبا کر اپنی سسکیاں روکیں۔

"تم سے نکاح صرف میرے بڑوں کا فیصلہ تھا' تم بار بار انکار کا لفظ استعمال کرکے یہ سمجھ رہی ہو کہ تم میری توہین کررہی ہو تو مائی فٹ' میں اب تک تمہیں بہت زیادہ رعایت دے چکا ہوں اب نہیں، میں سب برداشت کرسکتا ہوں مگر اپنی توہین نہیں۔" انتہائی غصے سے کہتے مصطفیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"آئندہ میرے ساتھ بات کرتے' ہمارے درمیان موجود رشتے کا خیال رکھنا میں صرف اس عورت کی عزت کرتا ہوں جو عزت دینا اور لینا جانتی ہو، نہ میں ایسے بدتمیزانہ لہجوں کا عادی ہوں اور نہ ہی رویوں کا۔ اتنے دنوں سے برداشت کر رہا تھا تو یہ میری شرافت تھی۔ آئندہ مجھ سے کلام کرتے ہوئے یہ کبھی فراموش نہیں کرنا کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔ ورنہ کسی دن تمہارا یہ رویہ میری ضد بن گیا تو تم اس رشتے کو لے کر بہت پچھتاؤ گی۔" مصطفیٰ بری طرح گرج رہا تھا اور وہ حیرت سے گنگ بیٹھی رہی۔

اب تک وہ اسے ایک مہربان اور متحمل مزاج انسان کے روپ میں دیکھتی آئی تھی مگر اب مصطفیٰ کے اس روپ نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا۔

"انکار کرنے کے بھی کچھ فطری اصول ہوتے ہیں مگر تم تو سب کچھ فراموش کیے محض میری ذات کو جھٹلانے پر تلی ہوئی ہو۔" مصطفیٰ نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارے تو شہوار مزید خوفزدہ ہوگئی۔ آج تک اس کے ساتھ کسی نے بھی اس انداز اور لہجے میں بات نہ کی تھی۔ اسے تو بھرپور عزت اور تحفظ دیا گیا تھا۔ حویلی میں خاص حیثیت اور مقام حاصل تھا اور اب ایک دم مصطفیٰ کا یہ اس قدر لاتعلقی سے بھرپور انجان رویہ...... وہ سسک کر رہ گئی۔

دل ہی دل میں اس نے پکا تہیہ کرلیا کہ آئندہ مصطفیٰ کے ساتھ کہیں بھی نہیں آئے جائے گی چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ دل میں پکا ارادہ باندھ کر اس نے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔



ڈھولک کا پروگرام کافی دیر تک چلا تھا۔ بارہ بجے کے قریب جا کر آنے والے مہمان اور دوست احباب رخصت ہوئے تو وہ روشی کے ساتھ مل کر دیگر کاموں میں لگی رہی تھی۔ رات دیر سے سوئی تو صبح وقت پر آنکھ نہیں کھلی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے سب سے پہلے شہوار کا نمبر ملایا مگر وہ ہنوز بند تھا۔

"اف...... پتا نہیں یہ لڑکی کب نمبر آن کرے گی۔ میں نے چھٹی کرنی ہے اب پتا نہیں کہ محترمہ کالج بھی گئی ہیں یا نہیں۔" وہ سوچتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ بھوک لگ رہی تھی تو وہ سیدھا کچن کی طرف آئی۔ کچن میں ماما موجود تھیں۔

"بہت دیر تک سوئیں تم؟" ماما نے کہا تو وہ مسکرادی۔

"جی بس کل سارا دن کالج کی تھکن اور پھر رات گئے تک ڈھولک وغیرہ اسی سے تھکن ہوگئی تھی۔"

"ہوں...... کالج بھی نہیں گئیں تم؟"

”ہاں اب شادی تک آف کرنے کا موڈ ہے آپ بھی بوتیک نہیں گئیں؟“ فریج کھول کر چیک کرتے اس نے ماما سے کہا۔

”ہاں چکر لگاؤں گی بس ایک دو گھنٹے کے لیے گھر میں اتنے کام ہیں روشی کو تو میں نے صاف منع کر دیا ہے کہ اب وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔ بلکہ آج تم اسے لے کر پارلر چلی جانا۔ اپائنٹمنٹ میں لے چکی ہوں۔“

”جی اچھا۔“ وہ سلائس، جیم، انڈہ نکال کر چولہے کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

”پارلر سے واپسی پر مجھ سے ضرور ملنا۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات بھی کرنی ہے۔“ کچن سے باہر نکلتے ہوئے ماما نے کہا تو وہ پلٹی۔

”خیریت...... کیا بات کرنی ہے؟“

”کافی تفصیلی بات ہے تم آرام سے ناشتا کرلو اور پھر روشی کو لے کر پارلر چلی جانا جب ٹائم ہوگا تو کریں گے۔“ ماما نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”آج کوئی خاص کام ہے تو بتا دیں میں کرلوں گی۔“ وہ تمام اشیاء لے کر ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔

”تم آرام سے ناشتا کرو بعد میں بات ہوگی۔“ ماما کہہ کر باہر نکلی تو وہ کندھے اچکا کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ روشی کے پاس آ گئی۔ ماما روشی کو بھی تیار رہنے کا کہہ چکی تھیں سو وہ تیار ہی ملی تھی اسے دیکھ کر چونکی۔

”تم نے چینج نہیں کیا یا موڈ بدل گیا ہے؟“

”نہیں موڈ تو نہیں بدلا مگر کچھ ٹھہر کر نکلتے ہیں۔“ وہ اس کے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

”رات تم نے انجوائے کیا؟“ اس نے روشی سے پوچھا۔

”بہت زیادہ، ساری زندگی باہر رہے ہیں ایسی انجوائے منٹ دیکھی اور نہ سنی پہلی بار دیکھ رہی ہوں، بہت مزہ آیا۔“

”ہوں......“

”وہ پھپھو کی دوست قدسیہ آنٹی تم پر کچھ خاص مہربان نظر آ رہی تھیں۔“ روشی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔

”مجھ پر...... مطلب؟“

”بابا بتا رہے تھے کہ وہ خاتون تمہارے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لائی ہیں۔“ روشی نے بتایا تو وہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

”کب؟“

”کل جب تم کالج گئی ہوئی تھیں تو وہ آئی تھیں اپنی بیٹی کے ساتھ۔ جنید نام ہے لڑکے کا۔“ روشی نے مسکرا کر مزید بتایا تو وہ ہونٹ کچلنے لگی۔

”قدسیہ آنٹی کو تو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں ماما کی بیسٹ فرینڈ ہیں اور اکثر ان کے ہاں آنا جانا رہتا ہے۔ بھی فیملی ممبرز سے متعارف ہوں اور جنید تو ان کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ باقی سب بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔“

”کیسا ہے وہ لڑکا؟“ روشی بھی قریب آ بیٹھی۔

”اچھا ہے گڈ لکنگ، ہینڈسم بھی ہے۔“ انا نے سادگی سے کہا۔

”مطلب کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟“ روشی نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں اب ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔“ وہ فوراً سنجیدہ ہوئی۔ روشی ہنس دی۔

”ممانے کیا کہا قدسیہ آنٹی کو پھر؟“ انا نے پھر پوچھا۔

”انہوں نے سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔“

”ہوں......“ انا کو یاد آیا کہ ماما نے کچھ دیر قبل اس سے ضروری بات کرنے کو کہا تھا۔ تو کیا ماما اسی سلسلے میں کچھ کہنا

چاہتی ہیں۔ وہ ایک دم شدید اضطراب کا شکار ہوگئی تھی۔

”پھپھو تو سنجیدہ ہیں اور انہوں نے بابا سے بھی ذکر کیا تھا مشورہ مانگا تھا میں پاس ہی تھی۔“ انا نے ایک دم خوفزدہ انداز میں اسے دیکھا۔

”مگر ماما نے مجھ سے ایسا کچھ خاص ذکر نہیں کیا۔“

”ہوسکتا ہے کہ آج کل میں کریں۔“ روشی نے پرسکون انداز میں کہا تو وہ متوحش انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ویسے تمہاری کیا رائے ہے اس رشتے کے بارے میں؟“ روشی پوچھ رہی تھی۔

”میں چینج کرلوں پھر پارلر چلتے ہیں۔“ وہ روشی کو کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

”کیا واقعی ماما سنجیدہ ہیں؟ رشتے تو پہلے بھی کئی بار آتے رہیں ہیں۔“ الماری میں سے لباس نکالتے وہ سخت ٹینشن میں تھی۔

”اگر ماما نے واقعی ہاں کہہ دی تو؟“ انا کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

”قدسیہ آنٹی تو ماما کی بیسٹ فرینڈ ہیں اور ان کی فیملی سے تو ماما بہت امپریس بھی ہیں۔“ انا نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”مگر رات ولید کا جو رویہ تھا وہ ایسا کیوں تھا؟“ اسے رہ رہ کر ولید کا رویہ یاد آنے لگا وہ ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر دیکھنا پھر اس کے متوجہ ہونے پر مسکرا دینا۔ روشی سے ولید اور کیتھی کے بارے میں مکمل تفصیل سن لینے کے بعد تو اس نے واضح طور پر طے کرلیا تھا کہ اب اسے ولید کے بارے میں قطعی نہیں سوچنا اور وہ کل سے اس سلسلے میں کافی کوششیں بھی کر چکی تھی۔

”نہیں مجھے اب کمزور نہیں پڑنا۔ اگر ماما نے جنید کو اہمیت دی تو میں ان کی بات مان لوں گی۔“ اس نے خود کو سمجھایا۔

”قدسیہ آنٹی تو بہت اچھی خاتون ہیں وہ مجھ سے شروع سے ہی بہت محبت کرتی ہیں۔“ اس نے اپنے آپ کو بہلانا چاہا مگر آنکھوں میں ایک دم ڈھیر ساری نمی آ ٹھہری۔ جسے وہ ہاتھوں کی پشت سے صاف کرتے باتھ روم میں گھس گئی۔ لباس بدل کر وہ باہر نکلی تو روشی تیار تھی تو وہ خاموشی سے روشی کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ پارلر میں انہیں کافی ٹائم لگ گیا تھا۔ وہاں سے نکلتے نکلتے دو بج گئے تھے۔

”بہت بھوک لگی ہے کچھ کھا پی نہ لیا جائے۔“ روشی ٹریٹمنٹ کے بعد بہت ہی پیاری اور فریش لگ رہی تھی۔ وہ کسی ہوٹل میں جانے کے بجائے کے ایف سی آ گئی تھیں۔ سینڈوچ، چپس اور کوک لے کر وہ دونوں ٹیبل پر آ بیٹھی تھیں۔

”شہوار شادی پر آئے گی نا؟“ روشی نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”ہاں کہہ تو رہی تھی۔ ظاہر ہے ولید نے مصطفیٰ بھائی کی فیملی کو انوائٹ کیا ہے اگر وہ لوگ آئیں گے تو وہ بھی ساتھ ہوگی۔“

”ہوں۔“ دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ کھا بھی رہی تھیں جب کوئی ان کی ٹیبل کے پاس آ رکا۔

”السلام علیکم۔“ دونوں نے چونک کر آنے والے کو دیکھا۔ جانا پہچانا چہرہ تھا انا پہچان نہ پائی۔

”وعلیکم السلام۔“ دونوں نے الجھ کر سر ہلایا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ آنے والا بظاہر دونوں سے ہی مخاطب تھا مگر اس نے دیکھا انا کو تھا۔

”میں حماد ہوں۔ مصطفیٰ بھائی کا کزن۔“ دونوں کی الجھن دیکھ کر اس نے فوراً تعارف کروایا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ شہوار کے نکاح کے اور ان کی حویلی میں اس شخص کو دیکھ چکی تھی۔

”جی الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ کے گھر والے کیسے ہیں؟“ روشی خاموش تھی انا نے ہی پوچھا۔

”جی سبھی ٹھیک ٹھاک ہیں سسٹر زاور بھابی اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔ میں نے آپ کو دیکھا تو ادھر چلا آیا۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا نا؟“ وہ شخص کافی شائستگی سے مخاطب تھا انا محض مسکرا دی۔

”اٹس او کے۔“

''آپ بیٹھیں نا پلیز۔'' انا نے اخلاقاً کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

''نہیں میں فرینڈز کے ساتھ آیا ہوا تھا آپ کو دیکھ کر رک گیا۔ چلتا ہوں۔ نائس ٹو میٹ یو۔'' انا نے محض سر ہلا دیا۔ وہ چلا گیا تو اس نے روشی کو دیکھا۔

''حیرت ہے اس شخص کو ہم سب یاد تھے میں تو بھول بھال گئی تھی سب۔''

''سب نہیں مگر لگتا ہے صرف تم ہی یاد تھیں۔'' روشی نے کہا تو وہ چونکی۔

''مطلب......''

''وہ مکمل طور پر صرف تم سے ہی مخاطب رہا ہے۔ ویسے یہ شخص مصطفیٰ بھائی کا کس حساب سے کزن لگتا ہے؟''

''زیادہ ڈیٹیل تو مجھے بھی نہیں پتا شاید پھوپھو زاد ہے۔ شہوار کے نکاح کے دوران ایک دو بار سامنا ہوا تھا اور ایک بار اس نے خود اپنا تعارف بھی کروایا تھا تو پتا چلا تھا کہ یہ مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے۔''

''اوہ..........''

''ویسے یادداشت کمال کی ہے۔ وہ محض رسمی سی ملاقات اس شخص کو اچھی طرح یاد ہے۔'' انا نے کہا تو روشی مسکرا دی۔

''مگر لڑکا ہے گڈ لکنگ۔'' روشی نے شرارت سے کہا۔

''تو ہمیں کیا؟'' انا نے نخوت سے کہا۔

''مگر احسن اور ولید بھائی کے مقابل کا پھر بھی نہیں۔'' روشی نے مزید کہا تو انا نے اب کے بغور دیکھا۔

''تم اس شخص کا ذکر بار بار کیوں کر رہی ہو؟ وہ کچھ بھی ہو ہمیں کیا؟''

''وہ اس لیے کہ اس شخص کے انداز مجھے کچھ چونکا گئے ہیں۔'' کوک کے سپ لیتے اس نے مسکرا کر کہا۔

''وضاحت کرو۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے محسوس ہوا کہ وہ لڑکا تم سے خاصا امپریس ہوا ہے۔ ورنہ جس سے ہمارا ٹھیک سے تعارف بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے نا صرف ہمیں یاد رکھا بلکہ اب یوں اچانک دیکھ کر سلام دعا کرنے بھی آ پہنچا اور مخاطب بھی تمہی سے ہوا۔''

''اف..... اندھے کو اندھیرے میں دور کی سوجھی۔'' انا نے منہ بنایا تو روشی کھل کر ہنس دی۔

''نہ مانو مگر میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ لگا لیا تھا۔''

''اب بس کرو کسی اور سے قطعی ذکر نہ کرنا ورنہ مذاق بن جائے گا مصطفیٰ بھائی ماشاءاللہ سے اتنے نائس انسان ہیں ان کے نکاح پر ان کے سارے گھرانے سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ کوئی بھی غیر مہذب اور نظر باز انسان نہیں لگا۔ سبھی مہذب تھے۔'' انا نے اپنا سینڈوچ ختم کرنے کے بعد کہا۔

''تم سے امپریس ہونا کیا غیر مہذب ہونے کی علامت ہے؟'' روشی بھی سینڈوچ ختم کر چکی تھی اب چپس اور کوک سے نبرد آزما تھی۔

''میں نے یہ بھی نہیں کہا؟'' انا نے کوک کا سپ لیا۔

''تو تم کس قسم کے انسان کو اپنا لائف پارٹنر پسند کرتی ہو؟'' روشی نے اب قدرے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ انا نے بغور اسے دیکھا۔

''ہم ایک چھوٹی سی بات کو کچھ زیادہ ہی ڈیپلی نہیں ڈسکس کرنے لگے۔''

''مجھے تو ایسا فیل نہیں ہوا۔''

''اوکے..... پلیز ختم کرو اس بات کو، کوئی اور بات کرو۔''

''مسٹر جنید کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ماما نے مجھے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ جب بتائیں گی تو دیکھوں گی۔''

''اور ولید بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔ انا کوک کا سپ لے رہی تھی اسے ایک دم اچھو لگ گیا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگی۔

''کیا ہو گیا؟ یہ ٹشو لو۔'' روشی نے ایک دم اپنے بیگ سے ٹشو کا پیکٹ نکال کر اسے تھمایا۔ بار بار کھنکار کر گلہ صاف کرتے انا اپنی آنکھیں بھی صاف کر رہی تھی۔ روشی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کافی دیر ہو گئی ہے چلیں اب؟'' آنکھیں صاف کر کے اس نے روشی کو دیکھا۔

''ہوں......''

''میں کوک بہت کم پیتی ہوں، گلے میں چبھنے لگتی ہے۔''

''تم میری بات کو ٹال رہی ہو۔'' روشی کی بات پر اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''کون سی بات؟''

''پھپھو نے کل بابا کو جنید والے پروپوزل کا بتایا تھا تو بابا نے ان کے سامنے ولید بھائی کا بھی پروپوزل رکھا ہے۔'' روشی نے سنجیدگی سے بتایا تو انا حیرت سے منہ کھولے روشی کو دیکھنے لگی۔

''ولید کا پروپوزل......؟'' اسے لگا کہ جیسے اسے سننے میں غلطی ہو۔

''بالکل...... اور میرا نہیں خیال کہ تم ولید بھائی کو ناپسند کرتی ہو۔ اصل میں بابا کی تو بہت عرصہ سے یہ مرضی تھی مگر ولید بھائی کوئی رسپانس نہیں دے رہے تھے تو وہ پھپھو سے بات نہیں کر رہے تھے کل پھپھو نے جنید والے پروپوزل کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی فوراً رشتہ مانگ لیا۔''

''کیا......؟'' انا حیرت زدہ سی رہ گئی۔

''تم میرے ساتھ مذاق کر رہی ہو؟'' انا ابھی بھی بے یقینی تھی۔

''مذاق کیوں؟ پھپھو اور بابا میں تو یہ شروع سے ہی طے تھا۔ احسن اور میرے رشتے کے بعد تم دونوں کا رشتہ طے کرنا ہم تو امریکا سے یہ ڈیسائڈ کر کے ہی لوٹے تھے۔'' انا بے یقینی سے دیکھنے لگی تو روشی نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیا تمہیں واقعی علم نہ تھا کہ بڑے کیا چاہ رہے ہیں۔''

''نہیں۔'' انا نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھپھو نے اس سلسلے میں کبھی بھی تم سے کوئی بات نہیں کی تھی کیا؟'' انا نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہمارے گھر میں ہمیشہ تمہارے اور احسن بھائی کے پروپوزل کی بات چلی تھی کسی اور ٹاپک پر کبھی بات ہی نہ ہوئی۔''

''اوہ...... پتا نہیں بعض اوقات مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ تم ولید بھائی کو پسند کرتی ہو مگر تم سے کبھی ذکر نہ کیا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔'' انا اب کے از حد حیرانگی سے روشی کو دیکھے گئی۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں ولی کو پسند کرتی ہوں۔''

''تمہارے رویوں، انداز و اطوار نے۔'' روشی نے مسکرا کر کہا تو وہ کئی ثانیے تک اسے دیکھے گئی۔

''اور کیا ولی اس رشتے والی بات سے باخبر ہے؟''

''بالکل...... وہ تو شروع سے ہی باخبر تھے۔ بلکہ بابا نے شروع سے ہی ہم دونوں کو یہ اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ہم وہاں امریکا میں جیسی بھی لائف گزار لیں واپس پلٹ کر ہمیں پاکستان ہی آنا ہے۔ سو ہم نے ہمیشہ بابا کے وضع کردہ اصولوں

کے تحت زندگی گزاری۔ تو پھر بتاؤ نا کہ تمہیں ولی بھائی کے پروپوزل سے کوئی انکار تو نہیں نا۔" وہ بتانے کے فوراً بعد پوچھنے لگی۔ انا نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

ولید شروع سے ہی اس رشتے والی بات سے باخبر تھا، یہ بات اس کے اعصاب شل کردینے والی تھی۔ وہ پچھلے ایک عرصے سے سخت اذیت و تکلیف میں جھلس رہی تھی۔ اپنے جذبات و احساسات سے لڑ رہی تھی اور ولید اس کا تماشا دیکھتا رہا۔ اسے سخت ذلت کا احساس ہونے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ خوب روئے روشی اگر اس کے احساسات سمجھ گئی تھی تو ولید جیسا شارپ انسان کیسے بے خبر رہ سکتا تھا؟ اسے شدید توہین کا احساس ہونے لگا۔ انا کا جی چاہا کہ وہ جادو کے زور سے کہیں غائب ہوجائے۔

"تم نے بتایا نہیں۔" روشی نے اپنا سوال دہرایا تو اس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں باحیثیت کزن میں ولید کو ضرور پسند کرتی ہوں باقی معاملات کا نہ مجھے علم ہے اور نہ ہی کبھی سوچا۔" اس نے کافی سنجیدگی سے کہا۔

"مگر پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ تم ولید بھائی کو پسند کرتی ہو؟"

"غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔" اس نے اب کے قدرے رکھائی سے کہا۔

"تو کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔"

"تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ الجھ کر متوجہ ہوئی تھی۔

"ولید بھائی کو لگا تھا کہ تم کسی اور میں انوالو ہو انہوں نے ایک بار مجھے تم سے ڈسکس کرنے کا بھی کہا تھا میں نے کئی بار سوچا کہ تم سے بات کروں مگر نجانے تمہارا کیا ری ایکشن ہوتا سو میں چپ کر جاتی تھی۔"

"مائی گاڈ......" روشی کے الفاظ پر انا نے اپنا سر تھام لیا۔

"ولی نے خود تم سے یہ سب کہا میرے بارے میں؟" وہ بے یقین تھی۔

"ہوں...... انہیں لگتا تھا کہ تمہارے اس روز بروز بدلتے موڈز کے پیچھے تمہاری کسی کے ساتھ انوالمنٹ ہوسکتی ہے۔" انا نے لب بھینچ لیے۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ولید اس کے بارے میں ایسا بھی سوچتا ہوگا۔

"تم بتاؤ نا ولی بھائی تمہیں کیسے لگتے ہیں؟" روشی نے پھر پوچھا۔

"بھئی میرا خیال ہے کہ ہمیں کافی دیر ہوگئی ہے اب واپس چلنا چاہیے ماما ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ روشی کے سوال کو نظر انداز کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

روشی نے اسے بغور دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انا کو دیکھ کر لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"ہاں کافی دیر ہوگئی ہے، پھپھو واقعی ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ دونوں باہر نکل آئی تھیں ڈرائیور ان کا منتظر تھا۔

❋......◉......❋

وہ آفس میں کام میں مصروف تھی جب کال آئی۔

"السلام علیکم!" مصروفیت کے عالم میں اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"مجھے مسٹر عباس سے بات کرنی ہے ان سے بات کراؤ۔" دوسری طرف کافی نخوت بھرے انداز میں کہا گیا تو وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

"آپ کون؟" اس نے پوچھا۔

"مسز عباس۔" رابعہ کو ایک پل لگا سمجھنے میں۔

"ہولڈ کریں۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا اور انٹرکام پر عباس سے رابطہ کیا۔

"سر آپ کی مسز آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ان سے کہہ دیں مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔" دوسری طرف سے کافی تلخی سے کہا گیا تھا۔

"جی سر۔" اس نے انٹرکام رکھ کر دوبارہ دوسرا ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"سوری میم سر بات نہیں کرنا چاہتے۔" اس نے رسانیت سے کہا۔

"مائی فٹ وہ سمجھتا ہے کیا ہے خود کو۔ صبح سے اس کے موبائل پر کالز کر رہی ہوں اسے کہو وہ کال پک کرلے ورنہ نتائج کا ذمہ دار خود ہوگا۔" رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے کل جھیلا جانے والا عادلہ کا رویہ یاد آنے لگا۔

"ایم سوری میڈم انہوں نے صاف انکار کردیا ہے۔"

"تم وہی ہو نا جو عباس کے آفس میں کام کرتی ہو اور کل ہوٹل میں بھی تھی۔" رابعہ نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور غصے سے ریسیور پٹخ دیا۔ اسے رہ رہ کر کل اس عورت سے ہونے والی ذلت یاد آنے لگی۔ وہ ابھی دوبارہ کمپیوٹر کی طرف گھومی ہی تھی کہ دوبارہ فون بجنے لگا۔

"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو تمہارے جیسی سیکڑوں میری جوتے کی نوک پر ہوتی ہیں۔ عباس سے بات کرواؤ میری۔"

"میں جو بھی ہوں، مجھے بہت اچھی طرح اپنی شناخت کا علم ہے آپ اگر اپنی شناخت فراموش کر بیٹھی ہیں تو وہ اچھی طرح یاد کرلیں کہ عباس صاحب آپ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔" نخوت سے کہتے اس نے کال بند کردی تھی۔ اس کے بعد کال نہیں آئی۔ وہ چند منٹ تک بھنچے اعصاب لیے مونیٹر کی اسکرین کو گھورے گئی۔

"کیا بات ہے اسکرین میں سے کچھ نکل کر سامنے آنے والا ہے؟" اسی دوران ہادیہ چلی آئی تھی۔ اسے یوں ساکت بیٹھے دیکھ کر کہنے لگی تو وہ گہرا سانس لے کر سیدھی ہوئی۔

"کچھ نہیں بس ویسے ہی۔"

"شاہزیب صاحب نے ہم دونوں کو آفس میں بلایا ہے۔" ہادیہ نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کیوں...... خیریت؟"

"یہ تو وہاں جا کر ہی علم ہوگا۔" ہادیہ نے کہا۔ وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں پہنچیں تو وہاں عباس اور سجاد بھی موجود تھے۔

"السلام علیکم سر۔" دونوں نے سلام کیا۔ شاہزیب صاحب نے سر ہلا کر دونوں کو بیٹھنے کا کہا۔ وہ دونوں سے ان کے کام پر بات چیت کر رہے تھے۔ چونکہ دونوں سجاد اور عباس کے انڈر کام کر رہی تھیں تو ساتھ ساتھ ان دونوں سے بھی ان کے کام اور کارکردگی سے متعلق سوال و جواب کر رہے تھے۔ رابعہ چونکہ شاہزیب صاحب کے سامنے ایسے سوال و جواب کی پیشی پہلی بار بھگت رہی تھی تو کچھ گھبرا رہی تھی جبکہ ہادیہ پراعتماد تھی۔ ابھی وہ سب بات چیت ہی کر رہے تھے کہ کوئی ایک دم دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ سبھی چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئے۔

عادلہ کو دیکھ کر سبھی چونکے تھے۔ وہ بگڑے ہوئے تیور لیے عباس کو گھور رہی تھی۔

"یہ کیا طریقہ ہے کہیں آنے کا؟" شاہزیب صاحب نے بہت ناگواری سے اسے دیکھا۔

"میں آپ سے الجھنے یا بحث کرنے نہیں آئی اور نہ ہی طور طریقے سیکھنے مجھے عباس سے بات کرنی ہے۔" شاہزیب صاحب کے سامنے وہ ہمیشہ دھیمی پڑ جاتی تھی اب بھی کچھ دھیمے لہجے میں کہا۔

"عباس تم عادلہ کو لے کر اپنے روم میں چلے جاؤ۔" شاہزیب صاب اس کے رویے سے سمجھ گئے کہ وہ کسی اچھے ارادے سے تو نہیں آئی ہوگی۔ انہوں نے مصلحتاً اس کے رویے کو نظر انداز کرنا چاہا۔

"مگر مجھے اس عورت سے کوئی بات نہیں کرنی آپ اس سے کہہ دیں کہ یہ یہاں سے چلی جائے۔"

"مگر میں بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی اور بات بھی ادھر ہی کروں گی۔" وہ نخوت سے کہہ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ گھر نہیں ہے ہمارا آفس ہے۔ ہم یہاں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ جو بھی بات ہے آپ گھر آ کر یا کہیں باہر بیٹھ کر کریں۔" شاہزیب صاحب نے اب کے کچھ برہمی سے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

"کیوں آفس میں بات کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں اس لیے کہ آپ لوگوں کے ایشوز لوگوں کے سامنے نہ آ جائیں۔" عادلہ نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

"شٹ اپ تم کیسی گھٹیا عورت ہو تمہیں اپنی عزت ذلت کا ذرا بھی پاس نہیں۔ میں صبح سے تمہیں اگنور کر رہا ہوں تمہاری کالز ریسیو نہیں کر رہا تو اس بات کا صاف مطلب تھا کہ میں تم جیسی عورت سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم ایک منٹ میں یہاں سے نہ گئیں تو میں گارڈز کو بلوا کر تمہیں دھکے دے کر نکلوا دوں گا۔" عباس اس کے رویے پر ایک دم کرسی گھسیٹ کر غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"عباس......" شاہزیب صاحب نے اسے ٹوکا۔

"آپ دونوں جائیں بیٹا۔" انہوں نے رابعہ اور ہادیہ سے کہا تو وہ دونوں فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ کہیں نہیں جائیں گی آخر دنیا کو بھی تو پتا چلے کہ اصل میں آپ لوگوں کا اصل چہرہ کیا ہے؟" وہ فوراً دونوں کے سامنے کھڑی ہوگئی تھی۔ عباس نے بہت غصے اور زہر بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"تمہارے گھٹیا خاندان سے تو کئی درجے بہتر ہے ہمارا خاندان۔"

"اور تم......تم اس سے میری بات نہیں کروا رہی تھیں اور مجھے شناخت باور کروا کر سمجھ بیٹھی تھیں کہ تم مجھ سے بچ جاؤ گی۔" وہ عباس اور باقی سب کو نظر انداز کیے رابعہ کو دیکھ کر زہر خند لہجے میں کہنے لگی۔

"مجھے عباس صاحب نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ رہ گئی شناخت کی بات تو آپ کا رویہ غلط تھا میں نے تو محض جوابی کارروائی کی تھی۔"

"عادلہ......" عادلہ کو اس طرح رابعہ سے بات کرتے دیکھ کر شاہزیب صاحب نے بہت غصے سے اسے ٹوکا تھا مگر عادلہ نے توجہ نہ دی۔

"تمہیں تو تمہاری اوقات میں اب دکھاتی ہوں، تم ہو کیا میری نظر میں۔ اس شخص کے ساتھ کام کر کے تم سمجھتی ہو کہ تم بہت اعلیٰ وارفع چیز بن بیٹھی ہو میرے ساتھ زبان چلاتی ہو مجھے میری شناخت بتاتی ہو۔" عادلہ بہت غصے سے رابعہ کی طرف بڑھی تھی کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اسے نوچ ڈالتی عباس فوراً دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ رابعہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی جبکہ باقی سب ششدر۔

"کیا مسئلہ ہے تمہیں کیوں ڈرامہ کر رہی ہو؟" عباس نے بہت تنفر سے اس کا بازو جکڑا تھا۔

"تمہارا بھائی ایاز کی ضمانت نہیں ہونے دے رہا۔ اس کی ضمانت نہ ہوئی تو میں تم لوگوں کو بدنام کر دوں گی۔" وہ غصے سے پاگل ہوئے جا رہی تھی۔

"مس ہادیہ آپ رابعہ کو لے کر جائیں۔" سجاد نے کہا تو ہادیہ سن کھڑی رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ جبکہ روم میں شاہزیب صاحب اور سجاد کے علاوہ عباس اور عادلہ رہ گئے تھے۔

"ہمیں تمہاری خالی خولی دھمکیاں متاثر نہیں کرسکتیں۔ بہت اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہے کہ کس قسم کا اور کس قماش کا ہے تمہارا خاندان۔"

"عباس تم خاموش رہو" شاہزیب صاحب بھی قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔

"اور عادلہ ہمیں بڑی شرمندگی ہورہی ہے کہ تم ہمارے خاندان کا حصہ بنی ہو اور ابھی تک اس خاندان کی بہو کے طور پر جانی جاتی ہو۔ میں آج تک سمجھتا رہا کہ عباس کی بھی کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوگی مگر اب ایک حتمی فیصلہ ہوجانا ہی بہتر ہے۔" انہوں نے بہت سرد لہجے میں کہا۔

"ایاز جیل کی سلاخوں کے پیچھے کیوں ہے تم لوگ بے خبر نہیں۔ اس پر بہت سے کیسز ہیں۔ رہ گئی اس کی ضمانت کی بات تو ہماری عزت اچھالنے کے بجائے عدالت سے رجوع کرو اور اپنے باپ کو کہو کہ مجھ سے بات کرے اگر وہ مسئلہ سلجھانا چاہتا ہے تو' دوسری صورت میں ہم تمہارے اس طرح یہاں آ کر یوں بدتمیزی کرنے پر کوئی سنگین کارروائی بھی کرسکتے ہیں اور تم جانتی ہو کہ ہمیں کوئی روکے گا بھی نہیں۔ مگر ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم یوں سرعام عورت ذات کی توہین کریں مگر تم یہاں آ کر اس طرح بدتمیزی کرنے سے پہلے شاید بھول گئی تھیں کہ تم عورت ذات ہو اور ابھی تک اس خاندان کی بہو کے طور پر جانی جاتی ہو۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس خاندان پر اور اس رشتے پر۔" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"اور آپ لوگوں کی اصلیت کیا ہے ہم لوگ بھی اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔" اس نے مزید کہا۔

"بابا آپ اس کو یہاں سے نکالیں ورنہ میں گارڈ کو بلوالوں گا۔" عباس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود اس فتنہ پرور لڑکی کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔

"اب ہم بھی اس رشتے سے متعلق ایک حتمی فیصلہ کرنے پر تیار ہیں اپنے باپ کو میرے پاس بھیجنا ہم خاندانی لوگ ہیں۔ وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ رہ گیا تمہارا بھائی تو اس کا فیصلہ قانون اور عدالت کرے گی۔ تمہارا باپ ضمانت کرواسکتا ہے تو کروالے۔" شاہزیب صاحب نے واضح الفاظ میں کہا چند پل کو عادلہ بالکل لاجواب ہوگئی تھی۔

"اس رشتے سے گلوخلاصی میرے لیے عین مسرت کا کام ہوگا۔ عدالت کی طرف سے نوٹس مل جائے گا آپ کو، میں بھی اب اس رشتے کو مزید برداشت نہیں کروں گی۔" بابا صاحب کو جواب دیتے تمسخرانہ نظروں سے عباس کو دیکھا تھا۔

"کورٹ کچہری کی دھمکیاں ان کو دو جو ان سے ناواقف ہوں۔" عباس نے زہریلے لہجے میں کہا تو وہ اس کی طرف پلٹی۔

"میرا خیال ہے اب تم چلی جاؤ' ہم نے تمہاری بہت سی باتیں سنیں تو یہ ہمارا ظرف تھا۔ اس سے زیادہ ہم کچھ بھی سننا پسند نہیں کریں گے۔" اس سے پہلے کہ وہ عباس سے کچھ کہتی شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کو کہا۔

"اگر میں نہ جاؤں تو؟" اس نے چیلنجنگ انداز میں ان کو دیکھا۔

"تو پھر مجھے عباس کی بات پر عمل کرنا ہوگا اور گارڈز کو بلوانا ہوگا۔ بہرحال ہم عورت کی عزت کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم عزت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہونے کو ترجیح دوگی بصورت دیگر ہم بھول جائیں گے کہ ہمارا آپس میں کوئی رشتہ تھا۔" شاہزیب صاحب کا انداز سرد ہوگیا تھا۔

عادلہ نے چند پل بغور انہیں دیکھا پھر نخوت سے سر جھٹکتے وہاں سے نکل گئی تھی۔ شاہزیب صاحب نے گھنٹی بجا کر پیون کو بلایا۔

"بلا اجازت یہ خاتون اندر کیوں آئی تھیں۔ جبکہ تمہیں علم تھا کہ یہاں میں میٹنگ میں بزی ہوں۔" ان کا انداز سخت تھا۔

"سر وہ عباس صاحب کی بیگم ہیں میں بھلا ان کو کیسے روک سکتا تھا۔" شاہزیب صاحب نے اسے گھورا۔

"وہ پہلے اوپر گئی تھیں اور پھر عباس صاحب کو نہ پا کر ادھر آئی تھیں۔ مجھ سے پوچھا تھا کہ عباس صاحب اندر ہیں تو میں نے ہاں کہہ دیا پھر میں نے بتایا بھی تھا کہ اندر میٹنگ ہورہی ہے مگر وہ مجھے نظر انداز کیے اندر چلی آئیں۔" ملازم وضاحتیں دے رہا تھا۔

"او کے..... آئندہ کوئی بھی آئے بھلے ہمارا فیملی ممبر ہی کیوں نہ ہو تم نے اندر نہیں آنے دینا پہلے اطلاع کرنی ہے۔"

"جی سر۔" شاہزیب صاحب کی ہدایت پر سر ہلاتا وہ چلا گیا تھا۔

"عادلہ نے رابعہ کے ساتھ کیوں مس بی ہیو کیا؟" انہوں نے اب کے عباس سے پوچھا تھا۔

"مجھے نہیں علم، کچھ دیر قبل آفس کے نمبر پر عادلہ کی کال آئی تھی رابعہ نے مجھے بتایا تو میں نے بات کرنے سے منع کردیا تھا اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔"

"بہرحال رابعہ کے ساتھ عادلہ کا رویہ بہت غلط تھا۔ عادلہ اور اس کی فیملی دن بدن اوچھی حرکتوں پر اترتی آرہی ہے۔ تم رابعہ کو بلوا کر معذرت کرلینا بہرحال اس کے ساتھ ہماری وجہ سے زیادتی ہوئی ہے۔" بابا نے کہا تو عباس نے سر ہلادیا۔

"باقی معاملات پر میں وکیل سے بات کرتا ہوں اور عادلہ کے والد سے بھی اب عادلہ کا دوبارہ ہماری فیملی میں شامل ہونا ناممکن ہوگیا ہے۔ اب اس معاملے کا حل ہوجانا ہی بہتر ہے۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو اس نے ایک پرسکون سانس خارج کیا۔ بہرحال وہ خود بھی اب جلد از جلد اس معاملے کو حل کرلینا چاہتے تھا۔



اپنے کیبن میں آ کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائی رو دی تھی۔

"چھوڑو یار تمہیں عادلہ کی سائیکی کا پتا تو ہے نا جو ایک بار اس کی نظر میں آجائے وہ اس کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کی عادت بن گئی ہے ہر کسی کو اس طرح ڈیل کرنے کی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے سر لوگوں کے ساتھ بھی بدتمیزی کررہی تھی۔" ہادیہ اسے سمجھا رہی تھی اس نے ٹشو کے ساتھ چہرہ صاف کیا۔

"بہرحال میرا اس کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ایسے مس بی ہیو کرتی میں تو سرے سے اسے جانتی تک نہیں ہوں کل ہوٹل میں بھی وہ اتنی بدتمیزی کرگئی اور اب ادھر بھی۔"

"اچھا دفعہ کرونا' وہ مینٹلی ہے ہی ایسی..... تم کیوں پروا کرتی ہو۔" ہادیہ نے جھنجلا کر کہا اور پھر اس کو کچھ دیر تک سمجھاتی رہی تبھی انٹرکام بج اٹھا تھا۔ ہادیہ قریب تھی اس نے اٹھالیا۔

"جی سر.....!"

"یس سر.....!" ہادیہ نے انٹرکام رکھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر عباس تمہیں اپنے آفس میں بلارہے ہیں۔"

"کیوں؟" وہ سیدھی ہوگئی۔

"پتا نہیں وہ اپنے آفس میں آچکے ہیں تم جاؤ، میں بھی اپنے کیبن میں جاؤں گی اب' پھر بات کریں گے۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔

وہ شش وپنج میں پڑگئی کہ کیا کرے اب؟ عباس صاحب سے تو وہ خود بھی خائف رہتی تھی۔ وہ چہرہ صاف کرتے اپنے آپ کو نارمل کرتے ان کے آفس کی طرف چلی آئی۔ دروازے پر ناک کرتے وہ اجازت ملنے پر اندر چلی آئی۔

"آئیں مس رابعہ بیٹھیں۔" انہوں نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ عباس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر ٹھٹک گیا رابعہ کی آنکھوں کی سرخی واضح تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔؟" عباس نے نرمی سے پوچھا۔

"جی سر۔" وہ اپنے آپ کو کمپوز کر چکی تھی سو مطمئن انداز میں کہا۔

"عادلہ کی جب کال آئی تھی تو اس نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"وہ آپ سے بات کرنا چاہتی تھیں۔"

"اور اس کے بعد؟" عباس نے اسے بغور دیکھا۔

"وہ مجھ پر آپ سے بات نہ کروانے پر خفا ہو رہی تھیں، مس بی ہیو کیا مجھے بھی غصہ آ گیا مگر ان کا رویہ زیادہ قابل مذمت تھا۔ اس دن جب وہ آپ کے آفس آئی تھیں تو میں وہاں موجود تھی۔ میرے سامنے وہ سارا واقعہ پیش آیا تھا ان کو میں اچھی طرح یاد رہ گئی تھی۔ اس بات کو لے کر وہ میرے ساتھ جتنا بھی مس بی ہیو کرلیں ان کے نزدیک وہ کم ہے۔"

عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"حیرت ہے اس بات کو لے کر اس طرح کا رویہ رکھا اس نے۔" عباس کو ازحد افسوس ہوا کہ ان کی اندرونی چپقلش کی وجہ سے یہ لڑکی متاثر ہوگئی تھی۔

"ایم سوری ہماری وجہ سے آپ کو یہ سب برداشت کرنا پڑا۔" عباس کہہ رہا تھا۔ رائعہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پہلے دن والی چپقلش کے بعد اس کے دل میں سر عباس کے متعلق بھی کوئی اچھی فیلنگز نہ تھیں۔ مگر اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عباس اس بات پر ایکسکیوز کرے گا جس میں اس کا قطعی قصور نہ تھا۔

"نہیں سر آپ کیوں معذرت کر رہے ہیں۔ اس سارے قصے میں بھلا آپ کا کیا قصور۔" اس نے دل میں موجود تمام بدگمانیاں مٹا کر کہا۔

"مگر ہماری وجہ سے آپ پریشان ہوئی ہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ روئی بھی ہیں۔" عباس نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔ اسے پہلی بار اس مرد میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہوئی۔

"میں جاؤں سر۔" وہ اپنی ہی کیفیت پر گھبرا کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی ضرور، مگر ایک بات سن لیں، اب کوئی بھی کال آئے آپ نے کوئی بات نہیں کرنی ڈائریکٹ مجھ ملا دیں میں خود دیکھ لوں گا۔" عباس کی بات پر اس نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔

وہ عباس صاحب کے آفس سے نکلی تو اس کا ذہن پرسکون تھا۔ وہ اپنے کیبن میں آ کر ہر بات کو ذہن سے جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔



"نواز ماموں کی دریہ آ رہی ہے۔" وہ گھر آئی تو بھابی نے اسے یہ خبر سنائی۔

"اچھا کب؟" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"کل رات آٹھ بجے کی فلائٹ ہے۔" لائبہ بھابی نے بتایا۔

"اور کون کون آ رہا ہے؟" اس نے آفاق کو گود میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال وہ اکیلی ہی آ رہی ہے۔ نواز ماموں کا فون آیا تھا کہ وہ دریہ کی شادی پاکستان میں ہی کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اس لیے وہ دریہ کو بھجوا رہے ہیں کہ ہم یہاں خاندان میں رشتہ دیکھیں۔ اگر خاندان میں ممکن نہیں تو پھر اپنی برادری میں کوئی لڑکا دیکھیں جو ہمارے معیار اور سلجھے ہوئے خاندان کا ہو۔"

"ہوں...... اچھی بات ہے دریہ پہلے ہی کافی پیاری اور خوبصورت ہے اسے بھلا کیا کمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک

رشتہ موجود ہوگا اور سب سے بڑھ کر کینیڈین نیشنلٹی ہولڈرز ہے۔" شہوار نے ہنس کر کہا تو بھابی بھی ہنس دیں۔

"مگر میں دریہ کی آمد سے کچھ اتنی خوش نہیں ہوں۔" بھابی نے منہ بنا کر کہا تو وہ چونکی۔

"وہ کیوں بھلا؟"

"وہ کسی بھی طرح عادلہ بھابی کے مزاج سے کم نہیں ہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ لاسٹ ٹائم وہ عباس بھائی کی شادی پر آئی تھی ہر کسی پر رعب جما رہی تھی حکم جمانا اور اپنے سامنے باقی سب کو حقیر سمجھنا جیسے وہ کسی ملک کی مہارانی ہو۔" بھابی نے اس قدر جلے بھنے انداز میں کہا کہ شہوار بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے وہ ناز و نعم میں پلی بڑھی ہے تو کچھ نخرہ زیادہ ہے ویسے تو کافی پیاری ہے۔" شہوار نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔

"خوب صورتی کو چاٹنا ہے ہم نے جب بات کرنے کا سلیقہ ہی نہیں، تم شاید بھول گئی ہو کہ لاسٹ بار جب وہ محترمہ آئی تھی تو اس کے بے وقت فرمودات کا سب سے زیادہ نشانہ تم ہی بنی تھی۔" بھابی نے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔

اسے وہ سب اچھی طرح یاد تھا۔ تب اسے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اس نے خود کو اس خاندان کا فرد کبھی نہیں سمجھا تھا سو دریہ کے رویوں کو ہمیشہ ہنس کر ٹال گئی تھی کہ وہ صرف ایک ماہ کے لیے آئی تھی۔ مگر اس کے بعد عادلہ بھابی کا رویہ اسے ہمیشہ احساس کمتری میں دھکیل دیتا تھا۔ عادلہ بھابی کے ساتھ اس کا مستقل ساتھ تھا سو ان کا رویہ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوتا گیا تھا۔ اور اب...... اس نے سر جھٹکا۔

"ماں جی کدھر ہیں؟" وہ کچھ دیر قبل کالج سے آئی تھی۔ شاہزیب انکل نے اسے خود پک کیا تھا اور باہر سے ہی چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔

"ماں جی ڈرائیور کو لے کر زاہد بھائی کے ہاں گئی ہیں۔ اسی لیے تو ڈرائیور کے بجائے ماموں تمہیں خود لینے گئے تھے۔" بھابی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چینج کرلو میں رخشندہ کو کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا نکال دے۔" بھابی نے کہا تو اس نے ٹوک دیا۔

"ابھی نہیں کینٹین سے کھالیا تھا اب نماز پڑھ کر لیٹوں گی اور آج انا بھی نہیں آئی تھی۔ ان کے گھر بھی شادی ہے تو میرا خیال ہے آج سے وہ چھٹیوں پر ہے۔" وہ بھی اپنا بیگ اور کتابیں لے کر کھڑی ہوئی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سیدھی بھابی کے پاس ہی آ بیٹھی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، سنو مصطفیٰ گھر پر ہے۔ دو بجے گھر آ گیا تھا دو تین دن مسلسل بزی رہا ہے آج اس کی طبیعت کچھ خراب تھی تو جلدی آ گیا تھا۔ شام میں اسے پھر کہیں جانا تھا کہہ رہا تھا کہ چار بجے اسے اٹھا دیں اس وقت چار بج رہے ہیں تم جاتے جاتے اسے بھی جگا دینا۔ اس نے لنچ بھی کرنا ہے ابھی۔" بھابی نے کہا تو وہ ٹھٹک گئی؟

"وہ گھر پر ہیں؟"

"ہوں...... اپنے کمرے میں ہے تم جگا دو ذرا۔" شہوار کے چہرے کے تاثرات ایک دم سنجیدہ ہوگئے تھے۔ اسے صبح ہونے والی مصطفیٰ کے ساتھ تلخ کلامی ایک دم شدت سے یاد آنے لگی۔

"آپ رخشندہ کو بھیجیں وہ اٹھا دے گی۔"

"شہوار بری بات ہے یار۔ اب اس سے تمہارا بہت گہرا تعلق ہے آخر کب تک اس طرح خفا رہو گی۔ صبح ماموں بھی مصطفیٰ پر ہی خفا ہو رہے تھے اگر تم دونوں میں آپس میں کوئی بات ہوئی بھی ہے تو خفا ہونے کے بجائے مل بیٹھ کر مسئلہ حل کرلو سمجھدار ہو اس طرح سب گھر والوں کے سامنے بات آئے گی تو بعد میں تم دونوں کو خود ہی شرمندگی ہوگی۔" بھابی نے

رسانیت سے کہا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"جاؤ پلیز خود جا کر اٹھاؤ اسے میں رخشندہ کو کھانے لگانے کا کہتی ہوں۔ اس نے ابھی لنچ بھی کرنا ہے آتے ہی کمرے میں گھس گیا تھا۔" بھابی نے کہا تو وہ محض سر ہلا کر پلٹ آئی۔ پہلے اپنے کمرے میں آ کر بیگ اور بکس بستر پر رکھیں اور پھر باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ محض دروازہ بجا کر پلٹ آنے کا تھا۔ اس نے ابھی دروازے پر ہاتھ رکھا تھا کہ ایک دم دروازہ مکمل طور پر کھل گیا۔ وہ ٹھٹک کر پیچھے ہٹی تھی۔ اپنی رو میں کف کے بٹن بند کرتا مصطفیٰ اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم حیرانی نے ڈیرہ جمایا اور پھر اگلے ہی پل اس نے شہوار کو دیکھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ شہوار حیرت سے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

"حد ہے بھئی۔" اس کے اندر بھی شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے زور سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" اس کی توقع کے عین مطابق ردعمل ہوا تھا۔ مصطفیٰ نے دروازہ کھول کر اسے گھورا۔

"بھابی کھانے پر بلا رہی ہیں۔" اس نے بھی غصے سے کہا۔

"یہ کام رخشندہ بھی بہتر طور پر کر سکتی تھی خوامخواہ آپ نے آنے کی زحمت اٹھائی۔" مصطفیٰ نے استہزائیہ کہا تو شہوار بھک سے اڑ گئی۔ یعنی وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ادھر آئی ہے۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تھا آپ کے درشن کرنے کا۔ بھابی نے کہا تو ادھر آئی ہوں بلا وہ لے کر۔"

"اچھا......" مصطفیٰ کا انداز استہزائیہ تھا وہ جل بھن گئی۔

"دماغ خراب تھا میرا جو دل نہ چاہنے کے باوجود محض بھابی کے کہنے پر ادھر آ گئی تھی۔" وہ خود کو کوستی پلٹی۔

"اب آنے کی زحمت کر ہی لی ہے تو ایک کام تو کرتی جائیں۔" وہ ٹھٹک گئی۔ پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"کیسا کام؟" وہ وہیں کھڑی رہی۔

"محترمہ کام چل کر خود باہر نہیں آئے گا آپ کو اندر آنے کی زحمت کرنا ہوگی۔" شہوار نے اسے گھورا اور بغیر کچھ کہے اس کے قریب سے گزرتے اندر آ گئی۔ مصطفیٰ بھی اندر آ گیا۔ شہوار کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جبکہ مصطفیٰ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ شہوار نے دیکھا بستر پر کپڑوں کا ایک ڈھیر بکھرا پڑا تھا یوں جیسے ساری الماری بستر پر الٹا دی گئی ہو۔

"ان کپڑوں کو تہہ کر کے الماری میں سیٹ کر دیں ماں جی سے دو تین بار کہہ چکا ہوں مگر ماں جی بھی پتا نہیں کن کاموں میں بزی ہیں۔" وہ برش لے کر بال بناتے کہہ رہا تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

مصطفیٰ اپنے روم کے معاملے میں کافی کانشس تھا اس کا کمرہ ماں جی یا بھابی اپنی نگرانی میں صاف کراتی تھیں۔ مصطفیٰ کی غیر موجودگی میں کسی ملازم کو بھی اس کے روم میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

"اس طرف میری آفس فائلز ہیں ان کو نہیں چھیڑنا اسی وجہ سے میں کسی ملازم کو نہیں کہہ رہا تھا۔" برش واپس ٹیبل پر رکھتے وہ شہوار کی طرف پلٹا تھا جو کپڑوں کے اس ڈھیر کو دیکھ رہی تھی۔

"اسی وقت؟" اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"نہیں جب بھی آپ کو سہولت ہو بھلے اپنی نگرانی میں کسی ملازمہ سے کروالیں۔"

"اوکے شام تک کرلوں گی۔" مصطفیٰ بیڈ کی سائیڈ پر رکھے اپنے موبائل اور والٹ کو اٹھانے کے جھکا تو پاس ہی پڑے دوسرے موبائل کو دیکھ کر رک گیا اس نے سر اٹھا کر شہوار کو دیکھا وہ اطراف میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اٹھالیں۔

"کالج سے واپسی کس طرح ہوئی؟" اس کے قریب آ کر سنجیدگی سے پوچھا تو شہوار نے کمرے کا جائزہ لینا ترک

کرتے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ سے مطلب۔" اسے ابھی تک مصطفیٰ کا صبح والا رویہ نہیں بھولا تھا ایک دم تلخی سے بولی۔

"میں اس طرح کی ٹون برداشت نہیں کرتا جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔" مصطفیٰ کا انداز بھی ایک دم تلخ ہو گیا تھا۔ شہوار نے بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

"نکل کو فون کر کے بلوالیا تھا میں نے۔" اسے مجبوراً بتانا پڑا۔

"موبائل تو تھا نہیں کال کہاں سے کی؟"

"دوست کے نمبر سے۔" مصطفیٰ نے چند پل اسے گھورا۔

"انا کی پاسداری اچھی چیز ہوتی ہے مگر ہر وقت جھوٹی انا کا پرچم بلند کیے رکھنا کسی اور کو تو نہیں مگر ہماری اپنی ذات کو نقصان پہنچا دیتا ہے یہ لیں موبائل اس کو یوز کریں۔ اس میں ہم نے لوکیشن ٹریس کی ہوئی ہے۔ لیاز کی ضمانت ابھی تک ہم نے نہیں ہونے دی مگر آنے والے دنوں میں ہم بہت دیر تک اس معاملے کو نہیں رکوا سکتے۔ اس کا کیس چل رہا ہے ایسے میں وہ کسی بھی وقت باہر آ سکتا ہے۔ اس کے باپ سے بھی مجھے کوئی اچھی امید نہیں۔ وہ کسی بھی وقت کوئی بھی اوچھا ہتھکنڈہ استعمال کر سکتا ہے اب جبکہ ان لوگوں کو علم بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے لیاز کو کیوں اریسٹ کیا تھا یہ موبائل پاس رکھیں کالج ٹائمنگ میں اس کا آپ کے پاس ہونا بہت ضروری ہے اس طرح ہمیں بھی سہولت رہے گی اور آپ کو بھی کچھ سمجھ بھی آئی ہے میری بات کہ نہیں؟" ہاتھ میں پکڑا دوسرا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے دیکھے گئی۔

"شہوار میں قطعی لوز ٹمپرامنٹ کا مالک نہیں ہوں مگر آپ کا یہ رویہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں کچھ سخت کہوں۔" اس نے اس کی چپ پر جھنجلا کر کہا۔

"آپ کو مجھ سے یا میری سیفٹی سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں جو ہوں جیسی ہوں ٹھیک ہوں۔ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچے گا تو آپ کا کیا جائے گا۔" شہوار کا وہی انداز تھا مصطفیٰ نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔

"اتنی نان سینس اور کم فہم ہستی میں نے آج تک نہیں دیکھی دس از ٹو مچ۔" وہ جھنجلایا۔

"آپ محترمہ شاید بھول رہی ہیں کہ میرا اور آپ کا بہت گہرا رشتہ بن چکا ہے اب۔"

"ہاں بدقسمتی سے۔" اس کی وہی ٹون تھی۔

"شہوار......" مصطفیٰ نے ڈپٹ کر کہا۔

"اس کو پکڑیں اور استعمال کریں ورنہ آپ جانتی ہیں کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔" بہر حال آپ مقابل کو خود مجبور کر رہی ہیں کہ وہ سخت اقدامات کرنے پر مجبور ہو جائے۔" مصطفیٰ نے الجھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس پر موبائل رکھتے غصے سے کہا۔

"آ......آ......پ......!" شہوار نے کچھ کہنا چاہا کہ مصطفیٰ نے ایک دم انگلی اٹھا کر اسے روک دیا۔

"بس......اب ایک لفظ بھی نہیں آپ میری شرافت اور نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں۔ میرے پاس اس وقت بالکل بھی وقت نہیں ورنہ میں جس طرح آپ اس وقت میرے پاس میرے کمرے میں موجود ہیں تو بہت اچھی طرح اپنے رشتے کی نوعیت سمجھاتے آپ کی برین واشنگ کر سکتا ہوں۔" مصطفیٰ نے ایک دم اس کا بازو پکڑ کر قریب کرتے ہوئے کہا تو وہ سٹپٹا کر فوراً پیچھے ہوئی۔

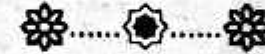
مصطفیٰ کی ایک ذرا سی حرکت سے شہوار کے چہرے پر شرم و حیا کی سرخی ایک دم بڑھی تھی۔ مصطفیٰ سے کھینچ کر بازو بھی چھڑا لیا تھا۔ وہ ایک دم رخ بدل گئی۔ مصطفیٰ کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میں اب کل رات میں گھر واپس آؤں گا، ماں جی آئیں تو بتا دیجیے گا۔" شہوار اپنے منتشر ہو جانے والے اعصاب کو بمشکل سنبھال رہی تھی۔

"او کے، کل بابا کے ساتھ ہی کالج جایئے گا ان کو میں کہہ دوں گا اور خود سے قطعی نہیں آنا بابا ہی پک کرلیں گے۔" وہ شہوار کو ہدایات دے رہا تھا۔

شہوار نے اسے دیکھا۔ ٹپ ٹاپ طریقے سے تیار تھا صبح کے بعد اب اس کا رویہ مکمل طور پر چینج تھا۔ نجانے کہاں کی تیاری تھی؟ شہوار کے دیکھنے پر مصطفیٰ نے بھی اس کو دیکھا تو وہ فوراً نگاہیں پھیر گئیں۔

"اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ شہوار نے خالی نظروں سے ہلتے دروازے کو دیکھا اور پھر بے بسی کے احساس سے مغلوب ہوتے بستر کے کنارے پر ہی بیٹھ گئی۔



"صغراں چائے تیار کر کے سب کو دے دے گی تم ذرا میری بات سن لو۔" کل کی طرح آٹھ بجے کے بعد پھر ڈھولک کا پروگرام تھا صغراں ارد گرد کی خواتین کو بلا لائی تھی وہ چائے تیار کرنے کچن میں آئی تھی جب ماما نے آ کر کہا۔

"خیریت؟"

"ہاں خیریت ہی ہے۔ تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔" ماما نے کہا تو وہ چائے والا برتن صغراں کو تھما کر ان کے ساتھ ہی ان کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

"مجھے تم سے ایک بہت ہی ضروری بات کرنی تھی۔" ماما اپنے بستر پر بیٹھیں تو وہ بھی ساتھ ہی ٹک گئی۔ انا کو دوپہر والی روشی کی کہی گئیں باتیں یاد آنے لگیں۔

"تمہارے لیے قدسیہ نے اپنے بیٹے جنید کا پروپوزل دیا ہے۔" ماما نے بتایا تو وہ خاموش رہی۔ اگر وہ بے خبر ہوتی تو اس وقت چونکتی مگر اب خاموش ہی رہی تھی۔

"جنید ایک اچھا اور پیارا لڑکا ہے مگر اس کے علاوہ ایک اور پروپوزل بھی تمہارے لیے ہے۔" ماما نے اسے دیکھا۔

"ولید کے لیے ضیاء بھائی کہہ رہے ہیں۔" ماما نے بتایا تو وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"ہم سب تو بہت خوش ہیں جنید اچھا لڑکا ہے مگر ولید اپنا بچہ ہے۔ تمہارے پاپا، احسن اور ہم سب کی مرضی ولید کی طرف ہے اب تم بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟" ماما نے لگے ہاتھوں اپنے دل کی بات بھی کہہ دی تھی انا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"اور ولید کیا کہتا ہے یہ کسی نے پوچھا؟" انا نے لب کشائی کی تو کسی کام سے پھپو کے کمرے میں داخل ہوتا ولید دروازے پر ہی رک گیا تھا۔

"بھائی صاحب نے ولید سے پوچھ کر ہی ہاں کی ہوگی بلکہ رشتہ مانگا ہوگا۔" ماما نے رسانیت سے کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ ولید کسی اور کو پسند کرتا ہو۔" انا نے مزید کہا۔ ولید خاموشی سے وہیں کھڑا رہا۔ اس کے متعلق بات ہو رہی تھی وہ مزید سننا چاہتا تھا۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو بھائی صاحب کبھی رشتہ نہ مانگتے۔"

"مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دیں۔" اس نے کہا تو ماما نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ان کے خیال میں تو انا کو فوراً سے پیشتر ہاں کر دینی چاہیے تھی۔

انا کو اگر وہ بہت گہرائی سے نہیں جانتی تھیں مگر بظاہر انہیں جو نظر آ رہا تھا وہ اس سے یہی اندازہ لگا پائی تھیں کہ انا ولید سے متاثر ضرور ہے۔ وہ اس کی ہر بات مانتی بھی ہے۔ تو پھر اب ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ سوچنے کے لیے وقت مانگ رہی تھی۔

"مگر ہمارا ارادہ تو کل شام تمہاری اور ولید کی انگیجمنٹ کرنے کا تھا کل شام احسن اور روشی کی رسم تھی تو ہم نے بھی بھائی صاحب سے طے کرلیا کہ لوگوں کے سامنے بتادیں تاکہ پھر کوئی رشتہ نہ مانگے۔"

"کیا......؟" انا کے لیے یہ ایک نئی اطلاع تھی وہ چونک کر ماما کو دیکھنے لگی۔

"آپ نے کم از کم مجھ سے پوچھا تو ہوتا؟"

"انا......!" انا کے رویے پر ماما نے ٹوکا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"تمہارا ولید کی طرف جھکاؤ محسوس کرتے ہی میں نے اور باقی لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔"

"مگر مجھ سے پوچھا تو ہوتا، بتایا تو ہوتا کم از کم۔" اس نے خفگی سے کہا تو ماما پریشان ہوگئیں۔

"کیا بات ہے انا بیٹا۔ کیوں پریشان کر رہی ہو۔ ہوا کیا ہے کیا ولید نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں ماما، یہ اس قدر اچانک فیصلہ کیوں کیا؟ اس طرح حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا تو ہوتا۔ کل کا دن تک طے کرلیا ہے اور مجھے اب بتایا جا رہا ہے۔"

"انا......" ماما نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

"تم مجھے صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟" کیا تمہیں ولید پسند نہیں ہے؟" ماما نے پوچھا تو وہ نفی میں سر جھکا گئی۔

"ولید اچھے ہیں بہت اچھے، مگر میں ابھی اس فیصلے کے لیے راضی نہیں ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں، کیا برائی ہے؟" ماما جو اپنے فیصلے پر بہت مطمئن تھیں ایک دم پریشان ہو کر الجھ گئی تھیں کہ ولید سے انا کا رشتہ طے ہونا ان کی دلی خواہش تھی۔

"برائی کوئی نہیں، ابھی میں سنجیدگی کے ساتھ صرف اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"تو ہم کون سا ابھی تمہاری رخصتی کر رہے ہیں اور ولید کون سا دور رہتا ہے ایک گھر کی ہی تو بات ہے تم ہماری نگاہوں کے سامنے رہو گی میرے دل کو بھی تسلی رہے گی۔ ویسے بھی میں نے قدسیہ کو بھی کہہ دیا تھا کہ ہمارا ارادہ آپس میں ہی تمہاری شادی کرنے کا ہے اور اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہم کل تمہاری اور ولید کی منگنی کرنے والے ہیں۔"

"آپ قدسیہ آنٹی کو تو صاف انکار کردیں فی الحال میرا کہیں بھی کوئی موڈ نہیں ہے۔" انا نے صاف کہا تو ماما نے اسے دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

ولید جو ابھی تک دروازے پر ہی کھڑا تھا اسے اندر آنا مناسب نہ لگا تو وہیں سے واپس جانے کے لیے پلٹا مگر پھپو کے اگلے الفاظ پر رک گیا۔

"تم کسی اور کو پسند کرتی ہو کیا؟"

"نہیں ماما ایسی کوئی بات نہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں صاف اور واضح الفاظ میں آپ سے کہتی بس ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"تو موڈ کیوں نہیں ہو رہا بیٹا! جہاں تک میرا دماغ کام کرتا ہے تمہاری اور ولید کی آپس میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور بھائی صاحب کا بھی خیال تھا کہ تم شاید ولید کو پسند بھی کرتی ہو۔"

"اُف......" انا کے چہرے پر سرخی سمٹ آئی۔

ایک تو ساری دنیا اس کی پسندیدگی سے باخبر تھی اور جسے سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا اس کے جذبات و احساسات کا اسے کوئی اندازہ ہی نہ تھا اس نے لب بھینچ لیے۔

"کیا ایسا نہیں ہے؟" ماما نے پوچھا تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر سسک اٹھی۔

"انا...... کیا بات ہے بیٹا! کیا پریشانی ہے؟" وہ بغیر کچھ بولے بس روتی رہی تھی۔ ولید خاموشی سے وہاں سے پلٹ

گیا تھا۔

"انا میں پریشان ہورہی ہوں بیٹا! کچھ بتاؤ تو سہی۔" ماما نے کہا تو انا کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کررہی ہے۔

"کچھ بتاؤ تو سہی کیا پرابلم ہے؟" ماما نے پوچھا تو اس نے ہاتھ سے چہرہ صاف کرتے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"بس ویسے ہی دل گھبرا رہا تھا۔" اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"کیوں گھبرا رہا تھا؟" ماما نے بغور اسے دیکھا لاڈلی چہیتی بیٹی تھی۔ منہ سے نکالی گئی اس کی ہر خواہش پوری کی گئی تھی بن کہا اسے سب کچھ دلایا تھا' ناز و نعم سے پالا تھا۔ اب اس کے آنسو کیسے برداشت کیے جائیں' ان کا دل کسی نے گویا مٹھی میں لے لیا تھا۔ اس کی جذباتیت ان کے دل و دماغ میں گویا آگ لگا گئی تھی۔

"بغیر کسی وجہ کے بھی دل نہیں گھبراتا۔" انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا گئی انہوں نے اسے چند منٹ دیکھا مگر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"تمہیں اگر ولید سے رشتہ قبول نہیں تو بتادو صاف کہہ دو میں بھائی صاحب سے معذرت کرلوں گی اگر کوئی اور بھی پسند ہے تو مجھے بتاؤ۔ تمہاری خواہش اور خوشی سے بڑھ کر ہمارے لیے کچھ اور اہم نہیں ہے۔"

"نہیں ماما ایسی کوئی بات نہیں' میری لائف میں کوئی بھی نہیں بس میں ابھی یہ سب کچھ نہیں چاہتی۔" اپنی جذباتیت کی وجہ سے وہ ماما کے سامنے شرمندہ سی ہورہی تھی۔ ماما نے ایک گہرا اطمینان بھرا سانس لیا۔

"دیکھو بیٹا! ولید ایک سمجھدار اور سلجھا ہوا لڑکا ہے پھر وہ اپنا بچہ ہے' اس کے متعلق ہمیں کوئی ٹینشن نہیں ہوگی' نہ ہی تمہاری ایجوکیشن متاثر ہوگی پھر سب سے اہم بات یہ کہ تم ہمیشہ ہماری نظروں کے سامنے ہمارے پاس رہوگی۔" ماما نے کہا تو وہ خاموش رہی۔ ولید کا حصول تو اس کی بھی سب سے بڑی خواہش تھی مگر اب...... اس کا دل پھر دکھنے لگا۔ سب کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اس کا رجحان ولید کی طرف ہے اور ولید...... اس کے اعصاب پھر بکھرنے لگے۔

"تم اچھی طرح سوچ لو کل تک کے لیے وقت ہے تمہارے پاس' مجھے یقین ہے کہ ولید تمہارے لیے بہت مناسب رہے گا۔ اگر تمہاری کہیں اور مرضی ہوتی یا ذہن کسی اور طرف ہوتا تو ہم سوچتے بھی مگر اس طرح محض دل نہیں مان رہا جیسی بات کو بنیاد بنا کر اس رشتے کو چھوڑ دینا حماقت ہے۔ تم خود کو سمجھاؤ اور سوچ لو زبردستی نہیں مگر یہ جان لو کہ ولید ہم سب کی شدید خواہش ہے۔" ماما نے محبت سے پیشانی چومتے کہا تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔



روشی ولید کے روم کے پاس سے گزری تو رک گئی دروازہ کھلا تھا اور ولید کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

"بھائی......" اس نے دروازے میں کھڑے ہوکر پکارا تو ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"آؤ روشی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا بات ہے آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں' ابھی پروگرام ختم ہوا تھا سبھی لوگ واپس گئے تھے تو وہ بھی اٹھ کر اپنے والے حصے میں آ گئی تھی مگر اب ولید کو یوں کھڑے دیکھ کر رک گئی تھی۔

"ہوگیا تم لوگوں کا پروگرام ختم۔"

"ہوں...... مجھے یہ لگا کہ آپ سوگئے ہوں گے۔" وہ اندر آ گئی تھی۔

"ہاں احسن اور انکل کے پاس تھا' ابھی اٹھ کر آیا ہوں۔" ولید نے بتایا تو روشی نے سر ہلا دیا۔

"اچھا تمہارا کیا پروگرام ہے کل کے لیے؟"

"میرا کیا ہے جیسا سب کہیں گے وہی ہوگا؟" وہ ولید کے بستر پر ٹک گئی۔ سادہ گلابی لباس میں وہ دمک رہی تھی ولید

نے بہت پیار سے اسے دیکھا۔

"اور باقی لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟" اس نے سرسری سا پوچھا۔

"کیوں باقی لوگوں نے نہیں بتایا آپ کو؟" ولید بھی پاس آ بیٹھا' مسکرا دیا۔

"تمہیں علم تو ہے کہ احسن کی غیر موجودگی میں اب سب کچھ میں ہی دیکھ رہا ہوں' شادی وغیرہ کے معاملات کا مجھے زیادہ علم نہیں۔"

"کل کا فنکشن گھر میں ہی کریں گے' باقی سبھی فنکشنز کے لیے ہوٹل میں ریسپشن ہوگا۔"

"ہوں......" ولید نے سر ہلایا۔

"اور انا کے حوالے سے بابا نے یا پھوپو نے تم سے کوئی بات کی؟" ولید نے براہ راست پوچھا تو روشی مسکرا دی۔

"اچھا اس حوالے سے کل کے فنکشن کے بارے میں پوچھ رہے تھے؟" ولید خاموش رہا' روشی ہنس دی۔

"سبھی کا ارادہ کل کے فنکشن میں آپ دونوں کی منگنی کا اعلان کرنے کا ہے۔"

"میں جانتا ہوں' بابا بتا چکے ہیں مگر تم یہ بتاؤ انا کی کیا رائے ہے؟" ولید نے کہا تو روشی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ایک بات کہوں ولید بھائی؟" ولید نے سوالیہ نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"کوئی بھی بات یا معاملہ ون سائیڈ نہیں ہوتا جب ہم پاکستان آئے تھے تب انا آپ سے متاثر ہوئی تھی اس کی آپ سے بے تکلفی بڑھی تھی مگر پھر گزرتے ہر دن کے ساتھ اس کے انداز و اطوار بدلے' آپ کے معاملے میں اس کے جذبات و احساسات اس قدر واضح تھے کہ میں کیا ہر انسان فیل کرسکتا تھا کہ وہ آپ میں دلچسپی لے رہی ہے اور پھر بعد کے کئی واقعات نے یقین بھی دلا دیا کہ میری ججمنٹ غلط نہیں ہے۔" روشی نے چند پل رک کر ولید کو دیکھا جو سنجیدہ تیور لیے دیکھ رہا تھا۔

"پھر......" وہ چند پل مزید خاموش رہی تو ولید کو ٹوکنا پڑا۔

"مجھے یہ لگا کہ آپ بھی واضح محسوس کر گئے ہوں گے مگر آپ نے جب ایک روز رات کو مجھ سے انا کے سلسلے میں بات کی اور کہا کہ آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے وغیرہ وغیرہ تو مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی تب...... آپ نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ میں انا کے ان بدلتے رویوں کے بارے میں اس سے معلوم کروں۔ تب مجھے آپ پر بڑی حیرت ہوئی تھی مگر پھر میں نے سوچا کہ شاید آپ واقعی محسوس نہ کرپائے ہوں شاید میں ہی غلط محسوس کررہی ہوں' مگر اس کے بعد میں نے جب بھی انا کے رویوں پر غور کیا اس کی ذات کی ہر الجھن اس کے بدلے رویے کی ہر وجہ کا سرا آپ سے ہی آ کر ملتا دکھائی دیا۔" روشنی نے سنجیدگی سے کہتے بھائی کو دیکھا وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اور میرے یقین کو پختگی تب ملی جب مصطفیٰ بھائی کے نکاح سے واپسی پر انا کا رویہ مکمل طور پر بدلا ہوا تھا مگر اس کی وجہ بھی پتا چل گئی' جانتے ہیں انا کا رویہ آپ سے یوں ایک دم لاتعلقی والا کیونکر ہوگیا ہے؟"

"کیوں......؟" ولید نے پوچھا۔

"وہ سمجھتی ہے آپ امریکہ میں کیتھی کو پسند کرتے تھے اور اب بھی کیتھی سے رابطے میں ہیں۔" ولید کے چہرے پر استعجاب کی لہر اٹھی۔

"اسے کیتھی کے بارے میں کیسے علم ہوا؟"

"انا نے آپ کے نمبر سے کیتھی کی کال ریسیو کی تھی اور پھر مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا' میں جو اس کے رویوں سے پہلے ہی الجھی ہوئی تھی محض اپنے شک کی تصدیق کے لیے اسے کیتھی کے بارے میں سب بتا دیا اور اس کے بعد اس کا رویہ میری توقع کے مطابق تھا۔ اس نے نا صرف آپ سے لاتعلقی اختیار کی بلکہ اپنے آپ کو بھی ایک طرف

ارے مسکراؤ نا......!

ایک بوڑھی عورت کسی گھر میں تعزیت کے لیے گئی' گھر سے نکلتے وقت اس کی نظر ایک کونے میں پڑے مریض پر پڑی' اسے دیکھتے ہی وہ واپس پلٹی اور گھر والوں سے بولی۔

"بڑھاپے کی وجہ سے میرے لیے چلنا پھرنا مشکل ہے' لہٰذا ان صاحب کی بھی ابھی تعزیت کردیتی ہوں۔"

نفیسہ حبیب...... بستی ڈریٹہ

خواہش

زندگی میں انسان کسی چیز کی دل سے خواہش کرسکتا ہے لیکن اسے حاصل نہیں کرسکتا۔ کچھ خواہشات حسرت میں تبدیل ہوکر رہ جاتی ہیں اور یہ حسرتیں ایک گہرا زخم بن جاتی ہیں اور زندگی میں دو باتیں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں' ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔

کاش......

خواہشات جو ہم نہیں ہمارا دل کرتا وہ پوری ہوسکتی......!

پلوشہ گل...... کوٹ ادو

کرلیا۔" روشنی نے کہا تو ولید نے اسے گھورا۔

"تمہیں اسے کیتھی کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔" ولید نے غصے سے کہا۔

"کیوں؟" روشی نے سنجیدگی سے ولید کو دیکھا۔

"ایک بات بتائیں آپ انا کے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہیں' میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ کو اس کی فیلنگز اور رویوں کے بدلاؤں کے بارے میں کچھ اندازہ ہی نہ ہوسکا ہو اور وہ جو آپ نے مجھ سے سب کہا کہ انا سے پتا کروں کہ اس کے رویوں کی کیا وجہ ہے؟ وہ سب آپ نے محض خود کو مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا' آپ خود بھی شاید انا کے رویوں سے گھبرا گئے تھے آپ کو اس کی قدر شدت پسندی پریشان کرنے لگی تھی اور حفظ ماتقدم کے طور پر آپ نے خود کو ان الٹے سیدھے واہموں میں الجھا کر مجھے بھی ڈبل مائنڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔" روشی نے صاف گوئی سے سب کہا تو ولید نے اسے گھورا۔

"تم اتنے یقین سے سب کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"اس لیے کہ ہم نے ایک ساتھ ایک وقت گزارا ہے' میں اور بابا جس قدر آپ کو جانتے ہیں اس قدر تو شاید آپ خود کو بھی نہ جانتے ہوں۔" روشی نے بہت اعتماد سے کہا تو ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم کچھ بھی نہیں جانتی میرے بارے میں اس لیے یہ لمبی لمبی ہانکنے کی ضرورت بھی نہیں۔" ولید نے اسے ٹوک دیا تو روشی نے اسے گھورا۔

"رہ گئی انا کی پسندیدگی والی بات تو میں اب بھی یہی کہوں گا مجھے اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔"

"بھائی آپ جھوٹ بولنے میں ماہر نہیں اس لیے کوشش بھی مت کریں' ٹھیک ہے شروع میں آپ کو اندازہ نہیں ہوا ہوگا مگر پھر اس کے بعد آپ کو اشارہ ہوگیا تھا ورنہ آپ انا کے رویوں کو لے کر مجھ سے ڈسکس نہیں کرتے اور چونکہ آپ کی ذات انوالو ہوتی تھی سو آپ نے اپنا نام لینے کی بجائے انا کی فیلنگز کو کسی اور طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔"

"کیا انا نے تم سے واضح بات کی ہے اس سلسلہ میں؟" اس کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ولید نے پوچھا۔

یہی تو پرابلم ہے کہ وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں رہی اور اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔" ولید نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"کیا بات ہے بھائی! کیا آپ کو انا اس رشتے کے حوالے سے پسند نہیں آپ تو اس کا بہت خیال رکھتے ہیں تو پھر اس حوالے سے ایسا رویہ کیوں؟" روشی نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے ہر لحاظ سے آئیڈیل مگر میں خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا۔ اگر بابا کی مرضی ضد اور پسندیدگی کی بات نہ ہوتی تو شاید میں کبھی بھی ہاں نہ کہتا۔"

"کیوں آپ میں کیا کمی ہے جو آپ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتے؟" روشی کو ولید کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی ایک دم ٹوک دیا تھا۔

"جب ہم امریکہ شفٹ ہوئے تھے تو میں تقریباً پانچ سال کا تھا اور جانتی ہو پانچ سال کا بچہ اگر اچھی ذہانت کا مالک ہو تو بہت سی باتیں اور واقعات کبھی بھول نہیں پاتا۔" ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تو روشنی نے الجھ کر بھائی کو دیکھا۔

"تو......ان باتوں کا انا سے کیا تعلق؟" ولید نے اسے دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھی وہ مسکرا دیا۔

"ہاں ان باتوں کا واقعی انا سے بھلا کیا تعلق؟ اچھا تم کیا کہتی ہو کیا کروں میں؟" ولید نے موضوع بدل دیا تھا روشی نے گہرا سانس لیا اکثر ایسی بات کے بعد ولید خود ہی موضوع بدل دیتا تھا۔

"انا بہت ہی اچھی پیاری اور محبت کرنے والی لڑکی ہے یہ محض بابا کی مرضی اور ضد نہیں بلکہ میرے دل کی بھی خواہش ہے کہ وہ آپ کی دلہن بنے۔" اس نے بہت لاڈ سے ولید کے کندھے پر بازو رکھ کر کہا تھا۔

"وہ آپ کے رویوں سے ہرٹ ہو کر بدگمان ہوگئی ہے اگر وہ ایک دفعہ آپ سے منسوب ہوگئی تو اس کی ساری بدگمانیاں ختم ہوسکتی ہیں۔ آپ اگر اسے اس رشتے کا مان اور یقین دلائیں تو......" ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ یہ رشتہ محض بابا کے فیصلے کی وجہ سے قبول کر رہے ہیں یا پھر آپ کی بھی ذاتی مرضی موجود ہے اس میں؟" وہ سوال کر کے جواب کی منتظر تھی۔

"کافی رات نہیں ہوگئی باقی سب سو گئے ہیں یا ابھی جاگ رہے ہیں؟" ولید نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے پوچھا تو روشی نے اسے گھورا۔

"مجھے ٹالیں مت صاف صاف بتائیں آج سارا دن انا کا رویہ بہت مختلف رہا ہے میں نے اسے آپ سے رشتے کے متعلق بتا دیا ہے کل کے فنکشن کے بارے میں اسے پھپھو سے پتا چل گیا ہوگا اس وقت بھی بالکل گم صم سب کے ساتھ موجود تھی مگر میں جانتی ہوں کہ اس کی فیلنگز اس وقت کیا ہو رہی ہوں گی۔"

"تو اسے کون کہتا ہے خاموشی اختیار کرنے کو جو دل میں ہے وہ بتائے نا...... تاکہ دوسروں کو بھی اندازہ ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"

"ہاں وہ لڑکی ہو کر سب کو بتاتی پھرے اور آپ سے ایک سوال کیا ہے اس کا تو جواب دیا نہیں۔" روشی نے خفگی سے کہا تو ولید ہنس دیا۔

"تم اس کی وکیل بن کر آئی ہو میرے پاس؟" ولید نے چھیڑا۔

"یہی سمجھ لیں انا ہمیں بہت پیاری ہے اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہو میں قطعی برداشت نہیں کروں گی خصوصاً آپ کی طرف سے تو بالکل بھی نہیں۔" ولید ہنس دیا۔

"اچھا بھائی بتائیں نا انا تو ہماری اپنی ہے ایک ساتھ رہتے کیا آپ کو اس کے متعلق ذرا بھی دلچسپی اور کشش محسوس نہیں ہوئی یا جان بوجھ کر نظر انداز کرتے رہے۔"

"روشی بعض سوال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے جواب نہیں ہوتے کیا تمہارے اطمینان کے لیے اتنا کافی نہیں کہ میں بابا کی پسند کو مان رہا ہوں اور کل کے فنکشن کے لیے تیار بھی ہوں۔"

اسے کہنا

تیرے خیال میں رات گزر جاتی ہے
بے بسی کے حال میں رات گزر جاتی ہے
تو مجھے یاد کرتا ہے کہ نہیں
اسی سوال میں رات گزر جاتی ہے
تیرے چہرے کا عکس ذہن میں بناتے ہیں
تصورِ ہلال میں رات گزر جاتی ہے
تمہیں چاند کہوں یا چاند جیسا کہوں
سوچوں کے جال میں رات گزر جاتی ہے
کاش کہ تو ہر وقت میرے ساتھ رہے
خواہشِ کمال میں رات گزر جاتی ہے
بغیر قسمت کے کچھ بھی نہیں ملتا
بس اسی ملال میں رات گزر جاتی ہے

فائزہ بلال اقراء آفرین...... جام پور، پنجاب

"اور آپ کے دل کی خواہش؟" روشی نے سنجیدگی سے بھائی کو دیکھا۔

"میں ایک پریکٹیکل اپروچ رکھنے والا انسان ہوں یہ دل کے امراض نہیں پالتا۔" ولید کا رویہ نان سیریس تھا۔

"دیکھیے گا انا آپ کے انہی رویوں کی وجہ سے کسی دن آپ سے شدید بدگمان ہو جائے گی۔" روشی نے جھنجلا کر کہا۔

"اگر اسے مجھ سے حقیقی لگاؤ ہوا تو ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔" ولید کا انداز پُراعتماد تھا روشی نے گھورا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ وہ محض آپ سے دل لگی کر رہی ہے؟"

"اب ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔" ولید نے پھر ہنس کر کہا۔

"آپ کو اصل میں ہر جگہ حد سے زیادہ پذیرائی ملی ہے لڑکیوں نے آپ کے آگے پیچھے گھوم گھوم کر آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ایک لڑکی آپ کے لیے خوار ہو رہی ہے اور آپ کو اس کی پرواہ ہی نہیں۔" روشی کا جلا بھنا بیان جاری ہوا تھا ولید بے اختیار ہنس دیا۔

"اس لڑکی کے ساتھ منگنی جیسے رشتے کے لیے تیار ہو گیا ہوں کیا یہ کافی نہیں؟"

"آپ بہت زیادہ مغرور اور حد سے زیادہ خود پسند ہیں۔" روشی نے جل بھن کر کہا۔

"اچھا بیان ہے مگر پرانا ہو چکا ہے کوئی نئی بات کہتیں۔" ولید نے چھیڑا تو روشی خفا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کسی دن پچھتائیں گے ساری دنیا میں بھی دیوانہ وار ڈھونڈنے نکلیں تو آپ کو کبھی بھی انا جیسی پیاری محبت کرنے والی اور پُرخلوص لڑکی نہیں ملے گی۔"

"تو مجھے ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا ہے بابا کی مرضی پر سر جھکا دیا ہے اب وہ کسی بھی ایسی ویسی کے پلے باندھ دیں مجبوری ہے قبول تو کرنا ہی ہے نا۔" روشی نے ولید کی بات پر گھورا۔

"میں مصطفیٰ بھائی کو کال کر کے بتاتی ہوں ساری بات اب وہ ہی خود آ کر آپ سے نبٹیں گے۔" روشی نے دھمکی دے کر دروازے کی طرف قدم بڑھائے تو ولید ہڑبڑا کر ایک دم اس کے سامنے آیا تھا۔

"توبہ کرو لڑکی! وہ تو جان کو آ جائے گا' خبردار اس سے ایک لفظ بھی کہا تو۔" ولید نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا تھا وہ ہنس دی۔

"میں تو ضرور بتاؤں گی انہیں آپ دونوں دوست ہی ایک جیسے ہیں' خود پسند' مغرور اور بے حس۔"

"توبہ...... مصطفیٰ نے اپنے بارے میں تمہارے یہ القابات سن لیے تو پھر تمہاری خیر نہیں۔"

"ہاں آپ میں اور ان میں کچھ فرق رہ گیا ہے آپ حد سے زیادہ بے حس ہیں اور وہ ایک حد تک۔ جہاں بات ان کی ذات کی ہوتی ہے وہ فوراً نرم ہو جاتے ہیں اور آپ ہمیشہ خود کو ہی نقصان پہنچا لیتے ہیں۔" روشی کا تجزیہ ایسا تھا کہ ولید ہنس دیا۔

"میں ان کو صبح ہی کال کروں گی آپ کی زندگی کا اتنا اہم فنکشن ہوگا ان کو ضرور شامل ہونا چاہیے ورنہ وہ آپ سے جتنا بھی خفا ہوں کم ہوگا۔"

"ہوں...... میں بھی سوچ رہا تھا کہ صبح کال کروں گا مگر تم کال کر کے کچھ بھی نہیں کہو گی ورنہ اس نے چھوڑنا نہیں مجھے کہ اسے پہلے کیوں نہیں بتایا جبکہ اسے کون سمجھائے کہ کل کا فنکشن بابا کا اچانک فیصلہ ہے۔"

"انا سے بھی بات کر لیجیے گا اس بے چاری کے دل کو بھی تسلی دے دیجیے گا ورنہ پھر مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا آپ تو ٹھہرے بے حس نمبر ون۔" ولید نے گھورا۔

"رات بہت ہو گئی سو جائیے اب' چلتی ہوں' شب بخیر اینڈ اللہ حافظ۔" وہ چلی گئی تو ولید ہلکا سا سر کو خم کرتا دوبارہ کھلی کھڑکی کی طرف پلٹ گیا تھا۔



وہ کالج میں تھی صبح اس کی انا سے بات ہوئی تھی' انا سے بات کرتے ہوئے وہ بڑی ڈل ڈل سی لگی تھی اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ اس سے تفصیل سے بات کرے گی ویسے بھی آج ان لوگوں کے ہاں مہندی کا فنکشن تھا' اس کا ارادہ صرف برات اور ولیمہ کے فنکشن میں جانے کا تھا۔ انا کے بار بار اصرار کے باوجود اس نے آج کے فنکشن میں شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی جواباً انا نے خفا ہو کر کال بند کر دی تھی۔ باقی کا سارا وقت اس کا کالج میں انا کی خفگی کو ہی سوچتے گزرا تھا۔ نو بجے کے قریب وہ دوستوں کے ساتھ کینٹین میں آ گئی تھی' ابھی ان لوگوں نے آرڈر ہی کیا تھا کہ شہوار کا موبائل بجنے لگا تھا۔ یہ کل مصطفیٰ کا دوبارہ دیا جانے والا موبائل تھا' اس نے بات بگڑنے کے ڈر سے رکھ لیا تھا مگر موبائل کی موجودگی سے وہ خوامخواہ سارا وقت جھنجلاتی بھی رہی تھی۔ اس نے بیگ سے موبائل نکال کر دیکھا تو مصطفیٰ کا نام دیکھ کر اس نے دوستوں سے کہا۔

"ایکسکیوزمی' میں آتی ہوں۔" وہ سائیڈ پر آ گئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے بہت سنجیدگی سے کال ریسیو کی تھی۔

"وعلیکم السلام!" دوسری طرف مصطفیٰ نے کہا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں' بزی تو نہیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کہاں ہیں اس وقت؟" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"کیوں آپ کی لوکیشن ٹریس کرنے والی چپ نے آپ کو بتایا نہیں کہ میں اس وقت کہاں ہوں؟" وہ طنزیہ لب و لہجے میں خود کو کہنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

"اچھی بات ہے اور خوش آئند بھی' اس مفاہمتی عمل سے اندازہ ہوا ہے کہ ابھی آپ اتنی عقل سے پیدل نہیں ہوئیں جتنا آپ شو کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔" دوسری طرف سے طنزیہ لب و لہجے کی حد کی گئی تھی وہ جل کر راکھ ہو گئی۔ شہوار کا

حنا احمد

پیارے آنچل رائٹرز اینڈ آنچل فرینڈز کو محبتوں بھرا سلام تو جناب بادولت کو حنا احمد کہتے ہیں ہماری کاسٹ آرائیں ہے۔ بی ایل آئی ایس کے لاسٹ سمسٹر میں ہوں اور میرا اپنا بیوٹی پارلر بھی ہے اور ہم سات بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میرا نمبر لاسٹ ہے۔ میں اپنی فیملی کو جنون کی حد تک چاہتی ہوں' خاص طور پر اپنے بڑے بھائی آصف سے بے حد انسپائر ہوں' ان سے ڈرتی بھی بہت ہوں اور خود اپنی ذات سے بڑھ کر ان کو چاہتی بھی ہوں' ان کے کام کر کے مجھے روحانی خوشی ملتی ہے۔ سات ماہ پہلے میرے پاپا کی ڈیتھ ہو گئی تھی تو تب سے پاپا کا عکس بھائی میں دیکھتی ہوں یہ اور بات ہے کہ میرے بھائی کو یہ نہیں پتا کہ ان کی یہ بہن ان کے پیچھے کملی ہے۔ اب اجازت چاہتی ہوں' اللہ آنچل کو اسی طرح ہمارے سروں پر قائم رکھے' آمین۔

ضبط سے بُرا حال ہونے لگا۔

"کیوں کال کی ہے؟" وہ سلگ اٹھی تھی جی تو چاہ رہا تھا کہ فوراً موبائل آف کر کے گھر جا کر واپس اس کے روم میں پھینک دے' مگر کل صبح والا مصطفیٰ کا رویہ اسے ازبر تھا ورنہ......

"کس کے ساتھ آئی تھیں کالج؟" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کیے پوچھ رہا تھا۔

"انکل کے ساتھ۔"

"سارا دن خیریت سے گزرا؟" وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

"کچھ دیر پہلے تک تو خیریت ہی تھی۔" اس نے بھی سلگ کر طنزیہ کہا۔

"مجھے آپ کو یہ بتانا تھا کہ آج ولید لوگوں کے ہاں مہندی کا فنکشن ہے' ولید نے بطور خاص رات کو شامل ہونے کا کہا ہے ویسے تو میرا رات کو واپسی کا پروگرام تھا مگر اب کوشش کروں گا کہ شام تک لوٹ آؤں۔ بھابی کو میں فون کر کے بتا چکا ہوں آپ نے بھی ساتھ چلنا ہے ساتھ بھابی ہوں گی۔ سجاد بھائی چھوڑ آئیں گے' میں سیدھا وہیں سے ولید کے ہاں آؤں گا' ماں جی گھر پر رہیں گی کہ دریا آ رہی ہے' ورنہ وہ بھی ساتھ چلتیں' سن رہی ہیں نا میری بات؟" وہ بات کرتے کرتے اس طرف سے مکمل خاموشی پا کر پوچھنے لگا۔

"جی سن رہی ہوں۔"

"کاش آپ باقی باتیں بھی اسی توجہ سے سن لیتیں تو اتنے مسئلے نا اٹھتے۔"

"اگر میرے ساتھ اسی طرح کی کوئی بات مزید کی تو میں کال بند کر دوں گی۔ مجبوری نہیں ہے مجھے کہ میں آپ کی طنزیہ باتیں سنوں۔" وہ کون سا کم تھی ایک دم چٹک کر کہا۔

"ہاں بہت اچھی طرح آپ کی خود مختاری کا اندازہ ہو چکا ہے اور ایک بات میں آپ کو بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی اس ٹون کا عادی نہیں ہوں' میرے ساتھ دھمکیوں والا سلسلہ نہ رکھیں۔ جوابی کارروائی کے طور پر میں محض دھمکیوں پر گزارہ نہیں کرتا بلکہ عملی مظاہرہ کرتا ہوں۔" مصطفیٰ کے طنزیہ لب و لہجے پر اس نے سلگ کر کال بند کر دی تھی۔

"پتا نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں؟" اس کا دل جلنے لگا۔ وہ واپس پلٹی کہ موبائل پھر بجنے لگا اس نے کوفت سے مصطفیٰ کے نام کو دیکھا۔

"کال بند کیوں کی تھی؟" اس نے ناچاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا تو مصطفیٰ کی سخت آواز سنائی دی۔

"آپ کے شاہی فرمودات اس قدر بھی نادرونایاب نہیں تھے کہ میں اپنا وقت ضائع کرتی۔"

"شہوار......" مصطفیٰ نے ٹوکا وہ سر جھٹک گئی۔

"آپ تیار ہوکر ضرور چلی جایئے گا' بابا کو میں کہہ دوں گا وہ آپ کو تین بجے کالج سے پک کرلیں گے' گھر جاکر تیار ہوکر انا کے ہاں چلی جایئے گا۔" وہ دوبارہ یاددہانی کروارہا تھا۔

"آپ نے کہہ دیا اور میں نے سن لیا مگر میرا فی الحال آج کے فنکشن پر جانے کا قطعی موڈ نہیں' برات اور ولیمہ پر چلی جاؤں گی۔" اس نے قطعیت سے کہا تھا۔

"آپ نے آج جانا ہے اور ضرور جانا ہے' میں انکار نہیں سنوں گا۔ یہ بات فائنل ہے۔"

"مگر میں کہہ چکی ہوں کہ میرا موڈ جانے کا بالکل بھی نہیں' اس لیے آپ لوگ مجھے فورس مت کریں' رہ گئی انا تو صبح اسے کال کرکے ایکسکیوز کرچکی ہوں۔" اس نے صاف انکار کیا۔

"اوکے اب میں دیکھتا ہوں کہ آپ کیسے نہیں جاتیں؟" مصطفیٰ نے تلخی سے کہہ کر خود ہی کال کاٹ دی تھی۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔ ابھی وہ دوستوں کے ساتھ کھا پی ہی رہی تھی اس کے موبائل پر شاہزیب صاحب کی کال آنا شروع ہوگئی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! بیٹا میں آپ کو پک کرنے آیا ہوں آپ جلدی باہر آجائیں۔"

"اُف......" انہوں نے کال کاٹ دی تھی' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا وہ دوستوں کو بتا کر باہر آ آئی تھی۔

"میں ادھر سے گزر رہا تھا ایک میٹنگ کے لیے جانا تھا سوچا کہ تمہیں پہلے پک کرلوں۔" اس کے گاڑی میں بیٹھنے پر انہوں نے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔

وہ اسے گھر ڈراپ کرکے خود چلے گئے' وہ اندر آئی تو سبھی اپنے اپنے کمروں میں تھے' کینٹین سے وہ کھا کر آئی تھی۔ چینج کرکے نماز ادا کرکے وہ لیٹ گئی' اس نے سوچا کہ وہ رات میں انا کو کال کرکے ایک بار پھر اپنے نہ آنے کی معذرت کے ساتھ اس کے ڈل رویے کی وجہ بھی ضرور پوچھے گی۔



رات دیر تک ڈھولک کا پروگرام رہا تھا اور نیند نہ آنے کی وجہ سے وہ ساری رات جاگی تھی' فجر کے بعد وہ سوئی تو صبح شہوار کی کال سے آنکھ کھل گئی تھی۔ شہوار سے بات کرتے ہوئے بھی وہ بس ہوں ہاں کرتی رہی تھی' شہوار نے آج کے فنکشن کی طرف سے معذرت کرلی تھی' وہ اس سے خفا ہوگئی تھی اس کا خیال تھا کہ شہوار اسے کال بیک کرے گی مگر شہوار کی کال نہ آئی تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ اس کے ساتھ ناراض ہونے کا سوچا۔

وہ بارہ بجے کے قریب سوکر اٹھی تھی' آج گھر میں مہندی کا فنکشن تھا' سب گھر پر ہی تھے۔ لان کو سجایا جارہا تھا ایک طرف اسٹیج بنوایا جارہا تھا' فنکشن ارینج کرنے والے ورکرز سارے گھر کو سجا رہے تھے' دو بجے تک وہ ماما کے ساتھ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں الجھی رہی تھی۔ شام کو مہمان آنا شروع ہوجانے تھے' وہ رات میں پہنے جانے والے سب کے ڈریسز استری کرواکر ان کے کمروں میں بھجواکر فارغ ہوئی تو نہانے گھس گئی۔ نہا کر نکلی تو ماما اس کے روم میں موجود تھیں۔

"میں کب سے تم سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی مگر سارا دن مصروفیت میں وقت ہی نہیں ملا۔"

"تم ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔" ماما نے کہا تو وہ گیلے بال ٹاول میں لپیٹ کر ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

"رات میں نے تمہیں سوچنے کو کہا تھا' تم بتاؤ کیا سوچا بیٹا! تم پر کوئی زبردستی نہیں اگر دل نہیں مانتا تو ابھی بتادو میں بھائی صاحب کو منع کردوں گی۔" ماما نے کہا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

تین چیزیں

- تین چیزیں پاک رکھو' جسم' لباس' خیالات۔
- تین چیزیں قابو میں رکھو۔ زبان' نفس' غصہ۔
- تین چیزیں یاد رکھو۔ موت' احسان' نصیحت۔
- تین چیزیں باقاعدگی سے پڑھتے رہو۔ نماز' قرآن' درود۔
- تین چیزیں چھوٹی نہ سمجھو۔ قرض' فرض' مرض۔
- تین چیزیں ایک بار ملتی ہیں۔ والدین' وقت' زندگی۔
- تین چیزیں حاصل کرو۔ علم' دعا' اعتماد۔
- تین چیزیں کبھی نہ توڑو۔ دل' عہد' قانون۔

فائزہ فاروق......کراچی

یہ رشتہ طے پاتا یہ تو خود اس کی خواہش تھی مگر اب سب کی باتوں سے جب یہ علم ہوا تھا کہ ولید اس کے جذبات و احساسات سے بے خبر نہیں تھا گویا دل مرجھا سا گیا تھا۔

"ولید نے اُسے جان بوجھ کر نظرانداز کیا تھا۔" کیسا تکلیف دہ احساس تھا اور وہ خود لڑکی ہوکر کیسے اس کے سامنے کھل جاتی اور روشانے سے کیتھی کے بارے میں سن کر تو وہ ولید کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہوگئی تھی خود کو سمجھا لیا تھا' بڑی مشکل سے دل کے جذبات پر بند باندھا تھا تو اب یہ نیا سلسلہ چل نکلا تھا۔

"کیا ولید محض بڑوں کے فیصلے کو قبول کررہا ہے یا اس کے جذبات و احساسات کو سمجھتے ہوئے دل سے رشتہ بنا رہا ہے۔" اس سوال نے انا کے دل و دماغ میں قیامتیں برپا کررکھی تھیں۔

"ماما جو آپ لوگوں کو مناسب لگے کریں۔" دل بہک بہک کر اس رشتے پر سر جھکانے پر تیار تھا مگر عزتِ نفس اور خودداری کے مسئلے روک رہے تھے اس نے سب باتوں کو ایک دم نظرانداز کرتے دل کی بات مان لی تھی۔ ماما ایک دم مسکرادیں۔

"خوش رہو...... جیتی رہو۔ ولید ہم سب کی خوشی تھا' مجھے یقین ہے تم دونوں کے لیے یہ رشتہ بہت مناسب رہے گا۔" ماما نے کہا تو وہ محض سر جھکا گئی۔ ماما نے بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"رات روشی اور احسن کی مہندی کا ہی فنکشن ہوگا' تم اچھی طرح تیار ہوجانا بلکہ میں روشی کو کہتی ہوں وہ تم کو تیار کردے گی۔ شام تک تم دونوں کی منگنی کی رسم ہوگی اور پھر رات میں احسن کی مہندی۔" ماما نے طے شدہ پروگرام بتایا تو اس نے سر ہلادیا۔

"اور ہاں تم اپنی دوست شہوار کو بھی بلالیتی۔" ماما نے اٹھتے ہوئے کہا تو اسے ایک دم شدت سے شہوار کی کمی محسوس ہونے لگی۔

"میں نے اسے آج کہا بھی تھا آنے کو مگر اس نے منع کردیا برات اور ولیمہ پہ آئے گی۔"

"آجاتی تو اچھا تھا تمہارا بھی دل بہل جاتا' روشی کی تو خود رسمِ مہندی ہوگی۔ تم تنہا سب کیسے کروگی۔" ماما نے کہا تو وہ مسکرادی۔

"کوئی بات نہیں ماما' کافی لوگ ہوں گے اتنی لڑکیاں ہوجاتی ہیں۔ جاننے والوں کی اور اردگرد کی بھی۔" اس نے تسلی دی تو ماما نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے' تمہارے لیے میں نے خصوصی طور پر بوتیک سے سوٹ اور دوسری اشیاء منگوائی تھیں' تین بج رہے تھے

مغرب کے بعد منگنی کی رسم ہوگی' روشی کو کہتی ہوں بیوٹیشن بھی گھر آجائے گی' وقت پر تیار ہوجانا۔" ماما کی ہدایت پر اس نے سر تسلیم خم کردیا تھا۔



وہ سو کر اٹھی تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا اس نے موبائل دیکھا تو انا اور مصطفیٰ دونوں کی ان گنت کالز تھیں۔ شہوار کے اندر ایک بار پھر انا کی شدید خفگی کا ملال جاگا۔

"کچھ نہیں ہوتا' برأت والے دن جاؤں گی تو خود ہی مان جائے گی۔" اس نے خود کو تسلی دی ابھی اس نے انا کو کال بیک کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دھڑام سے کوئی روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ نمبر ڈائل کرتی فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

"آپ......؟" اپنے سامنے مصطفیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکی۔

"میں پچھلے دو گھنٹوں سے کالز پر کالز کر رہا تھا پک کیوں نہیں کر رہی تھیں؟" وہ آتے ہی بم کی طرح پھٹا تھا' وہ جو نیم دراز تھی فوراً سیدھی ہوئی۔ شہوار نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا' سونے سے پہلے وہ موبائل کو سائلنٹ پر لگا چکی تھی۔

"میں سو گئی تھی' مجھے کال کا علم نہیں ہوسکا تھا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے جواب پر اسے دیکھا۔ وہ ابھی بستر پر ہی تھی' دوپٹہ بے پروائی سے کندھے پر تھا اور بالوں کی چٹیا ایک طرف جھول رہی تھی۔ مصطفیٰ کے یوں دیکھنے پر شہوار نے سٹپٹا کر اپنا دوپٹہ درست کرتے بستر چھوڑا تھا۔

"جلدی سے تیار ہوجائیں' ہمیں کچھ دیر بعد ولید کی طرف جانا ہے' بھابی کو میں کہہ آیا ہوں وہ تیار ہو رہی ہیں آپ بھی جلدی کریں۔ اتنی دیر میں میں بھی چینج کرلوں گا۔" وہ کہہ کر پلٹا۔

"مگر میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں نہیں جا رہی۔" اس نے بے پروائی سے کہا تو پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔

"آپ مجھ سے بحث کرنا چاہ رہی ہیں کیا؟" اچانک وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"دماغ خراب نہیں ہے میرا' میں نے سادہ انداز میں جانے سے معذوری ظاہر کی ہے ویسے بھی میں انا سے معذرت کرچکی ہوں۔" اس نے دوبدو کہا تو مصطفیٰ نے ایک دم غصے سے اس کو گھورا۔

"میں آپ کو کہہ چکا تھا کہ تیار ہو کر مغرب تک بھابی کے ہمراہ چلی جایئے گا' میں کال پر کال کرتا رہا اور آپ نے ریسیو تک نہیں کیں' مجبوراً مجھے سب کچھ وہیں چھوڑ کر گھر آنا پڑا۔ آپ جانتی ہیں کہ میرا کتنا ٹائم ضائع ہوا ہے آپ کو بار بار کال ملانے کے چکر میں؟" وہ سخت برہم ہو رہا تھا۔

"میں تو آپ کو کبھی انکار کرچکی تھی' خوامخواہ آپ نے زحمت کی۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔ مصطفیٰ کا جی چاہا کہ کھینچ کر ایک ہاتھ تو ضرور جڑ دے اس کو۔

"شہوار میرا دماغ خراب نہ کریں' میں چینج کرنے جا رہا ہوں تب تک آپ مجھے ریڈی ملیں۔" انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے وہ جس قدر تیزی سے آیا تھا اسی تیزی نکل بھی گیا۔

"خوامخواہ۔" وہ کلسی اور ہاتھ میں پکڑا موبائل غصے سے بستر پر پھینک دیا' مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ سر جھٹکتے واش روم میں گھس کر وضو کرنے لگی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

قسط نمبر 18

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہہ کامل نہ بن جائے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شاہزیب صاحب کے حکم پر مصطفیٰ کو مجبوراً شہوار کو کالج ڈراپ کرنا پڑتا ہے۔ راستے میں دونوں کے درمیان پھر سے تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ شہوار کے موبائل واپس رکھنے اور ہر بار اپنی ذات کی توہین برداشت نہ کرتے مصطفیٰ سخت الفاظ میں اسے وارننگ دیتا ہے کہ وہ آئندہ اس کا لحاظ نہیں کرے گا جس پر شہوار اس کے رویے سے خائف آنسو بہاتی رہتی ہے۔ روشی قدسیہ آنٹی کے بیٹے جنید کے پرپوزل کے بارے میں انا کو بتاتی ہے اور ساتھ ہی ولید کے بارے میں اس کی پسندیدگی دریافت کرتی ہے جس پر وہ روشی کو ٹال دیتی ہے۔ انا کی ماما کا ارادہ ولید اور انا کی منگنی کا ہوتا ہے اسی لیے وہ دونوں پرپوزل انا کے سامنے رکھتے اس کا جواب چاہتی ہیں ان کا اپنا ارادہ ولید کے لیے ہوتا ہے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق انا بھی ولید میں دلچسپی لیتی ہے جبکہ انا یہ سن کر نہایت شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ اپنی انا کو کچلتے وہ ولید کے لیے ہاں کر دیتی ہے اگرچہ کیتھی والے معاملے کو لے کر اس کے دل میں ہزاروں خدشات موجود ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ولید بھی ان کی تمام باتیں سن لیتا ہے۔ عادلہ عباس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن عباس کے انکار پر وہ آفس پہنچ کر طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ رابعہ کو بھی بات نہ کرانے پر سخت سناتی ہے اور اس پر مختلف الزامات عائد کرتی ہے شاہزیب صاحب کی موجودگی کو بھی یکسر نظر انداز کیے ایاز والے معاملے پر ان سے الجھتی ہے جس پر عباس اور شاہزیب صاحب اب ان کے درمیان موجود رشتے کو کسی حتمی صورت تک پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ عباس عادلہ کے رویے پر رابعہ سے معذرت کرتے ہیں جس پر رابعہ شرمندہ ہو جاتی ہے۔ شہوار گھر پہنچتی ہے تو لائبہ بھابی اسے در یہ کی آمد کے بارے میں بتاتی ہیں اور مصطفیٰ کو جگانے کا کہتی ہیں جس پر ناچاراسے مصطفیٰ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مصطفیٰ کے رویے سے خائف ہوتے وہ موبائل واپس رکھ لیتی ہے۔ مصطفیٰ اسے ولید کے ہاں مہندی کے فنکشن میں جانے کا کہتا ہے لیکن وہ صاف انکار کر دیتی ہے۔ روشی منگنی کے بارے میں ولید سے سوال کرتی ہے اور اس رشتے کے بارے میں اس کے احساسات جاننا چاہتی ہے ساتھ ہی انا کی پسندیدگی اور کیتھی والے معاملے کو بھی ولید سے شیئر کرتی ہے جس پر ولید انا کے پل پل بدلتے رویوں کی وجہ بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ روشی کے اس سوال پر کہ وہ انا کے لیے کچھ خاص جذبات رکھتا ہے یا صرف بابا جان کے حکم پر سر جھکا رہا ہے ولید اسے کوئی جواب نہیں دیتا۔ بہرحال وہ اسے انا کی دلی کیفیات کا تفصیلاً بتاتے انا سے بات کرنے کا کہتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

بیوٹیشن نے دونوں کو تیار کر دیا تھا' روشی تو بس ہلکا پھلکا میک اپ ہی کیا گیا تھا۔ ماما نے بوتیک سے جو سوٹ منگوایا تھا وہ کافی ہیوی تھا' اس نے میک اپ بہت لائٹ کروایا تھا۔ جیولری سے اس نے گریز کیا تھا' بس کانوں میں ٹاپس اور ہاتھوں میں چوڑیوں پر ہی اکتفا کر لیا گیا تھا اس سے بھی اس کا حسن نکھر گیا تھا۔

''ماشاء اللہ بہت ہی پیاری لگ رہی ہو' مجھے ڈر ہے کہ کہیں ولید بھائی ڈائریکٹ شادی کا ہی نہ کہہ دیں۔'' بیوٹیشن نے جیسے ہی دوپٹہ سیٹ کر کے روشی کے سامنے کیا تو اس نے فوراً کہا۔

''بکومت۔'' ولید کے نام پر اس کا چہرہ ایک دم بلش ہوا تھا۔

''اوہو......لڑکی شرما رہی ہے۔'' اس نے مزید چھیڑا۔

''تم ولی بھائی کی دلہن بنتی یہ بابا کی ہی نہیں میری بھی شدید خواہش تھی۔'' روشی نے کہا تو اس نے اسے دیکھا۔

''اور تمہارے بھائی کی خواہش کیا تھی؟'' انا کا جی چاہا کہ اس سے یو چھے مگر بس مسکرا کر رہ گئی۔

''تم نے شہوار کو نہیں بلایا؟ اسے بتایا کہ یہ فنکشن ہے۔'' بیوٹیشن اپنا سامان سمیٹنے میں لگ گئی تھی' روشی کو یاد آیا تو پوچھا۔

''کل تب تو مجھے خود کب علم تھا اور آج سہ پہر خود بھی ڈسٹرب تھی' اس کے بعد شہوار کو اتنی کالز کیں' کل تک تو اس کا سیل ہی بند تھا اب آج صبح اس نے آن کیا تو اب کالز ہی پک نہیں کرتی۔''

''ہوں...... مصطفیٰ بھائی تو ضرور آئیں گے نا' ہو سکتا ہے وہ ان کے ساتھ ہی آ جائے۔''

''اس نے صبح مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آج نہیں آئے گی' ہاں برات اور ویسے پر آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''چلو میں ولید بھائی سے پوچھتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھی۔

''تم اس حلیے میں اب باہر جاؤ گی' باہر احسن بھائی اور باقی لوگ بھی ہوں گے' نجانے وہ خود کہاں ہوں' تم خود کال کر کے پوچھ لو۔'' انا نے کہا تو وہ رک گئی۔

''اوکے......یہ ٹھیک ہے' میں کال کر لیتی ہوں۔'' وہ فوراً متفق ہوئی اور کال ملائی۔

''ہاں ولید بھائی مجھے کنفرم کرنا تھا کہ آج کے فنکشن میں مصطفیٰ بھائی آ رہے ہیں نا؟'' روشنی نے کال ملتے ہی پوچھا۔

''کال تو میں اسے بار بار کر رہا ہوں' وہ اصل میں کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ وعدہ تو اس نے کیا ہے کہ اگر وقت پر پہنچ گیا تو ضرور آئے گا۔'' ولید نے بتایا۔

''کہا تو تھا کہ ساری فیملی کو لے کر آئے اسپیشلی شہوار بھابی کو۔'' ولید نے بتایا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بس یہ انا شہوار کی وجہ سے پریشان ہو رہی تھی اور شہوار اس کی کال بھی پک نہیں کر رہی تھی تو میں نے سوچا کہ آپ سے ہی پوچھ لوں۔''

''کیوں انا کیوں پریشان ہو رہی تھی؟'' ولید نے پوچھا۔

''شہوار آج آنے کے لیے معذرت کر چکی تھی نا تو اس لیے۔''

''اوہ خیر میں نے مصطفیٰ کو خاصے اصرار سے کہا تھا کہ شہوار کو ساتھ ضرور لے کر آئے۔ اب دیکھو کیا کرتے ہیں وہ دونوں۔'' ولید نے کہا۔

www.paksociety.com

"آپ نے مصطفیٰ بھائی کو یہ بھی بتایا کہ آج آپ کی منگنی کی رسم بھی ہوگی۔" انا روشی کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر سرخی پھیلی۔

"ابھی نہیں بس موقع ہی نہیں ملا مجھے یہ تھا کہ وہ جب آئے گا تو اسے یہاں آ کر خود ہی پتا چل جائے گا۔"

"اُف......" روشی کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

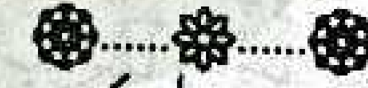
"پتا نہیں کیا بنے گا آپ دونوں کا؟ اُدھر ان محترمہ نے شہوار سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا ورنہ شہوار تو ضرور آتی۔ مصطفیٰ بھائی تو ضرور ناراض ہوں گے اب ان کو خود ہی بھگتیے گا۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی کال بند کردی۔ بیوٹیشن سامان سمیٹ چکی تھی باہر بھی مہمان آنا شروع ہوئے تھے وہ دونوں انا والے کمرے میں تھیں۔

"تم ایک بار پھر شہوار کو کال کر کے دیکھو۔" روشی نے کال بند کر کے مشورہ دیا تو وہ سر ہلا کر اپنے موبائل سے شہوار کا نمبر ملانے لگی۔ کال جا رہی تھی مگر شہوار پک نہیں کر رہی تھی۔

"پتا نہیں کدھر ہے یہ لڑکی۔" انا کا کوفت سے بُرا حال ہوا۔

"ولی بھائی کہہ تو رہے تھے کہ مصطفیٰ بھائی کو تاکید کی تھی کہ وہ شہوار کو ساتھ لائیں اب دیکھو کیا کرتے ہیں؟" روشی نے کہا۔

"اب ایک دفعہ یہ لڑکی میرے ہاتھ لگ جائے پھر اسے اچھی طرح دیکھتی ہوں۔"



وہ نماز پڑھ کر اٹھی تو بھابی تیار ہو کر اس کے کمرے میں ہی چلی آئیں۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" بھابی اسے اسی حلیے میں دیکھ کر چونکیں۔

"بھابی پلیز! آپ مصطفیٰ کو کسی طرح قائل کرلیں آج میرا جانے کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا بارات والے دن ضرور چلوں گی۔" جائے نماز تہ کر کے رکھتے اس نے کہا تو بھابی نے گھورا۔

"تمہیں اندازہ ہے مصطفیٰ آؤٹ آف سٹی تھا محض اس فنکشن کے لیے وہ سارے کام ادھورے چھوڑ کر پہنچا ہے اور تم ہو کہ انکار کر رہی ہو پھر اسے غصہ آئے گا اور بات بڑھے گی۔"

"وہ جان بوجھ کر بات بڑھانا چاہ رہے ہیں ورنہ میں نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور انا سے بھی ایکسکیوز کر چکی ہوں۔" اس نے بے چارگی سے کہا تھا۔

"نہیں، میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" بھابی اسے گھور کر الماری کی طرف بڑھی تھیں۔ شہوار نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

"یہ لباس کیسا رہے گا؟" انہوں نے بلیک لباس جس پر نفیس سا کارکی صورت نگینوں کا کام ہوا تھا نکالا یہ نکاح کے جوڑوں میں سے ایک تھا۔ اس کے سامنے کیا تو اس نے نروٹھے پن سے انہیں دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو بھابی کمرے میں نہ تھیں۔ وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی بالوں کی چٹیا کھول کر ان کو آگے ڈال کر وہ ان میں برش پھیرنے لگی اتنے لمبے گھنے بال اسے کوفت ہونے لگی۔

"اُف یہ بال بھابی! میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ان کو کٹوا دوں۔" دروازہ کھلا تھا اس کا خیال تھا کہ بھابی ہوں گی اس نے پلٹے بغیر ہی کہا تھا۔

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" مصطفیٰ کی آواز پر وہ فوراً پلٹی تھی۔ وہ سفید کلف لگی شلوار قمیص میں بے حد نمایاں

لگ رہا تھا وہ بہت کم شلوار قمیص استعمال کرتا تھا اس وقت بہت جچ رہا تھا دروازے کے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"میرا جانا اب اتنا بھی ضروری نہ تھا؟" مصطفیٰ کو دیکھ کر اسے پھر غصہ آنے لگا ایک کندھے پر دوپٹہ جھول رہا تھا اور دوسرے پر بال بکھرے ہوئے تھے جن سے وہ نبرد آزما تھی اوپر سے مصطفیٰ کی آمد۔

"بحث کا وقت نکل چکا ہے۔" اس کے تیکھے انداز پر مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے سر جھٹک کر برش ٹیبل پر پٹخا اور دوپٹہ سر پر ڈالتے آئینے کے سامنے سے ہٹی۔

"نجانے بھابی کہاں چلی گئی اور کپڑے بھی کدھر تھے۔" اس نے بستر پر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو نظر انداز کرتے وہ الماری کھول کر دیکھنے لگی وہاں بھی وہ بلیک سوٹ نہیں تھا اور ہینگ شدہ لباس بھی سادہ تھے جو وہ کالج پہن کر جاتی تھی جبکہ تقریب کے حوالے سے کوئی بھی لباس استری شدہ نہ تھا۔

"اب کتنا وقت لینا ہے محترمہ آپ نے؟" اس نے پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو جلدی ہے تو آپ بھابی کو لے کر چلے جائیں۔" الماری کا پٹ بند کرتے اس نے غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

"اگر ولید کا اصرار نہ ہوتا تو یقیناً میں ایسا ہی کرتا۔"

"آپ......" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ ٹیبل پر رکھے موبائل کی وائبریشن نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا وہ مصطفیٰ پر غصیلی نگاہ ڈالتے موبائل کی طرف بڑھی تھی انا کی کال تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے کال ریسیو کرلی تھی۔

"وعلیکم السلام کہاں ہو؟" انا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں گھر پر ہی ہوں کیوں خیریت؟" اس نے بات کرتے مصطفیٰ کو بھی دیکھا وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا وہ نظر پھیر گئی۔

"میں تین بجے سے لے کر اب تک اتنی کالز کر چکی ہوں کم از کم انسان کال ہی ریسیو کرتا ہے۔" دوسری طرف انا بھی کافی گرم تھی وہ مسکرائی۔

"ایم سوری! میں موبائل وائبریشن پر لگا کر سو گئی تھی کچھ دیر قبل اٹھی تھی تم بتاؤ کالز کیوں کر رہی تھیں؟"

"تم کب آ رہی ہو؟ مجھے تمہیں بہت ضروری بات بتانی ہے۔" دوسری طرف انا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا بات کہنی ہے؟"

"فون پر نہیں ہو سکتی بس تم آ جاؤ نا۔" انا نے اصرار کیا۔

"مگر میرا موڈ نہیں بن رہا آنے کو۔" اس نے کہا۔

"دیکھو اگر تم نہ آئیں تو میں سنجیدگی کے ساتھ تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔" انا نے دھمکی دی۔

"انا پلیز میں بارات والے دن آ جاؤں گی نا؟" اس نے پھر کہا۔ "اور تم نے جو بات بھی کہنی ہے تم فون پر کرلو۔" اس نے مزید کہا تبھی مصطفیٰ نے قریب آ کر اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

"اُف کیا بدتمیزی ہے؟" وہ مصطفیٰ کی اس حرکت پر ایک دم غصے سے بولی تھی جبکہ مصطفیٰ اسے نظر انداز کرتے موبائل کان سے لگا چکا تھا۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ نے کہا تھا شہوار اسے گھورنے لگی۔

"وعلیکم السلام آپ......؟" انا سمجھ نہ پائی تھی کہ کون مخاطب ہے۔

’’مصطفیٰ بات کررہا ہوں‘ آپ فکر نہ کریں میں آرہا ہوں اور شہوار میرے ساتھ ہی ہوں گی۔‘‘ مصطفیٰ نے تسلی دی تو انا ریلیکس ہوگئی۔

’’مگر وہ تو صاف انکار کرچکی ہے نا۔‘‘

’’اسے ساتھ لانا میرا مسئلہ ہے آپ پریشان نہ ہوں۔‘‘ مصطفیٰ نے کہا تو انا ایک دم مطمئن ہوگئی اور شہوار مصطفیٰ کو گھورتی رہی۔ مصطفیٰ نے اس سے ایک دو اور بات کرکے کال بند کی ہی تھی کہ وہ پھٹ پڑی۔

’’یہ کیا طریقہ تھا؟‘‘ وہ خونخوار تیور لیے متوجہ تھی۔

’’اگر آپ احمق ہیں تو آپ کی طرح میری عقل گھاس چرنے نہیں گئی ہوئی‘ بحث سے کچھ حاصل وصول نہیں ہوگا۔ آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں‘ یہ فائنل بات ہے۔ اب بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ تیار ہونے کی زحمت گوارا کریں؟‘‘ مصطفیٰ نے ازحد سرد لہجے میں کہا۔

’’آپ......؟‘‘ شہوار نے کچھ کہنے کو لب وا ہی کیے تھے کہ بھابی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر چپ ہوگئی‘ ان کے ہاتھ میں سیاہ لباس تھا۔

’’یہ لو شہوار! کپڑے میں پریس کرلائی ہوں اور تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟‘‘ اسے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

’’پلیز بھابی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں کہ میں انتظار کروں‘ آپ دونوں ذرا جلدی تیار ہوکر باہر آئیں‘ میں لاؤنج میں بیٹھا ہوں۔‘‘ مصطفیٰ بھابی کو کہہ کر نکل گیا اور شہوار کو نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہونا پڑ رہا تھا‘ اس نے بھابی کو دیکھا وہ ہنس دیں۔

’’اس طرح ظالم نظروں سے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں‘ جانا تو تمہیں ہر حال میں ہے کہ یہ مصطفیٰ کا حکم ہے‘ اگر خوشی سے نہیں تو زبردستی ہی‘ وہ لے کر ہی جائے گا۔‘‘

’’بس اب مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ وہ غصے سے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی تھی‘ بھابی ایک دم ہنس دیں۔

’’پاگل لڑکی......‘‘

❁......❁......❁

عشاء کا وقت ہورہا تھا‘ کافی مہمان آچکے تھے‘ ہر طرف شور ہنگامہ‘ روشنی اور وہ دونوں انا والے روم میں تھیں۔ اردگرد لڑکیاں موجود تھیں‘ انا شدت سے شہوار کی منتظر تھی کہ مصطفیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے لے کر آئے گا‘ مگر ابھی تک کوئی بھی نہیں پہنچا تھا۔

’’روشی پتا تو کرو کہ باہر کون کون آیا ہے۔‘‘ وہ جو ولید کے ساتھ متوقع رشتے کو لے کر خاصی کنفیوز تھی اب شہوار کو نہ پاکر روشی سے کہا جو بڑے اعتماد سے ایک لڑکی سے محو گفتگو تھی۔

’’بھئی مجھے کیا پتا کہ کون کون تم لوگوں کا جاننے والا ہے‘ ایسا کرو کہ کھڑکی کے پاس جاکر خود دیکھ لو وہاں سے تو لان کا سارا منظر واضح دکھائی دیتا ہے۔‘‘ روشی نے کہا تو وہ سر ہلاکر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

لان میں اسٹیج بنا ہوا تھا اردگرد ٹیبلز لگائی ہوئی تھیں اور جو مہمان آچکے تھے وہ ٹیبلز کے گرد موجود کرسیوں پر براجمان تھے۔ ماما‘ پاپا‘ ماموں اور احسن بھائی سبھی کسی نہ کسی کے پاس بیٹھے دکھائی دیئے تو اس کی نگاہ بے چین ہوکر ولید کو ڈھونڈنے لگی۔ وہ اسے آج سارا دن ایک بار بھی نظر نہ آیا تھا اور کل بھی نہ دیکھا تھا‘ نجانے کہاں تھا۔ اس نے اردگرد دیکھا اور پھر اس کی نگاہ مایوس ہوکر پلٹ آئی تھی‘ وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹنے والی تھی کہ کھلے گیٹ سے مصطفیٰ کو داخل

ہوتے دیکھ کر چونکی تھی‘ مصطفیٰ کے ساتھ دو خواتین تھیں‘ دونوں کے چہرے چادروں میں چھپے ہوئے تھے یقیناً ان میں سے ایک شہوار تھی‘ انا کا دل ایک دم خوشی سے بے قابو ہونے لگا۔ شہوار ان کے ہاں پہلی بار آئی تھی۔

’’روشی شہوار آگئی ہے اور مصطفیٰ بھائی بھی۔‘‘ وہ جلدی سے کہہ کر باہر نکلی تھی۔ اپنے فراک کو سنبھالتے وہ تیزی سے راہداری عبور کرتے باہر کی طرف بھاگی تھی‘ پاؤں میں سینڈل تھی اس کا توازن ایک دو بار ان بیلنس ہوا تھا مگر شہوار کی آمد کی ایسی خوشی تھی کہ وہ بغیر سوچے سمجھے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی‘ لان کی طرف جاتی یہ چار پانچ سیڑھیاں عبور کرنا تھیں۔ دوسری طرف ولید کو بھی کسی نے مصطفیٰ کی آمد کی اطلاع دے دی تھی وہ بھی اسی طرف آرہا تھا دونوں کا تصادم سیڑھیوں پر ہوا تھا‘ انا بُری طرح لان کے فرش پر گری تھی۔

’’اُف......‘‘ ہاتھ اور پاؤں بُری طرح رگڑے گئے تو اس نے ایک دم سنبھل کر مقابل کو دیکھا۔

’’ٹھیک ہو؟‘‘ ولید بڑے سکون سے پوچھا‘ انا کی جان جل کر راکھ ہوگئی۔

’’کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔‘‘ وہ سیڑھیاں پھلانگتے اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا‘ انا اپنے ہاتھوں پر وزن ڈالتے فراک سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’نہیں ٹھیک ہوں۔‘‘ ہاتھوں پر لگی مٹی جھاڑتے اس نے کہا‘ ولید نے اسے دیکھا۔ پنک فراک میں وہ حد سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی‘ ہاتھوں کو جھاڑ کر وہ لباس پر لگی مٹی جھاڑنے لگی تھی۔

’’کہاں غائب تھیں تم کل سے نظر ہی نہیں آرہی تھی۔‘‘ ولید نے پوچھا تو اس نے ولید کو دیکھا وہ بغور اسی کو دیکھ رہا تھا وہ ایک دم کنفیوز ہوئی۔

’’گھر میں ہی تھی؟‘‘

’’مگر لگ تو نہیں رہا تھا۔‘‘ ولید نے قدرے فاصلے پر بیٹھے لوگوں پر ایک نظر ڈال کر اسے پھر دیکھا‘ خوب صورت لباس اور ہلکے پھلکے میک اپ نے اس کا روپ ہی بدل ڈالا تھا۔

’’آپ بھی تو کل سے غائب تھے۔‘‘ انا نے تیزی سے کہا اور پھر زبان دانت تلے دبالی۔

’’شہوار اور مصطفیٰ بھائی آگئے ہیں۔‘‘ وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے بھاگی تھی۔ مصطفیٰ بھائی‘ احسن بھائی‘ پاپا اور ماما سے مل چکے تھے‘ ضیاء ماموں بھی ان کے پاس تھے دونوں خواتین ابھی تک چادر کے پلو میں چہرہ چھپائے ہوئے تھیں۔

’’السلام علیکم!‘‘ وہ فوراً شہوار کی طرف بڑھی تھی‘ شہوار کی ہائٹ اور قد سے ہی اس نے اسے پہچان لیا تھا۔

’’وعلیکم السلام۔‘‘ وہ فوراً شہوار کے گلے لگ گئی تھی۔

’’بڑی بے وفا اور بے مروت لڑکی ہو تم‘ اگر تم آج نہ آتیں تو میں سچی تم سے ناراض ہوجاتی اور پھر کبھی کلام نہ کرتی۔‘‘ اس کے گلے لگ کر اس نے کہا تھا۔

’’اب آ تو گئی ہوں۔‘‘ شہوار جس کا موڈ اس طرح زبردستی لائے جانے پر بُری طرح خفا تھا اس نے کہا تو انا نے اسے گھورا۔

’’بڑا احسان کیا تم نے۔‘‘ وہ اس سے علیحدہ ہوکر لائبہ بھابی سے گلے ملی تھی۔

’’اور آپ سنائیں آپ کیسے ہیں مصطفیٰ بھائی!‘‘ ولید بھی وہاں آچکا تھا‘ وہ بھی مصطفیٰ سے بغلگیر ہوا تھا۔ لائبہ اور شہوار سے ملنے کے بعد انا نے مصطفیٰ کو مخاطب کیا تھا۔

’’اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں؟‘‘ مصطفیٰ نے بھی پوچھا تو وہ مسکرا کر سر ہلاگئی۔

’’انا تم مہمانوں کو اندر لے جاؤ‘ بچیاں یہاں ایزی فیل نہیں کریں گی۔‘‘ ماما نے دونوں کو اسی طرح چادر کے پلو میں

چہرہ چھپائے دیکھ کر کہا تھا۔

"جی ماما......" وہ ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں آئی تو روشی بھی دونوں سے گلے ملی' اندر آ کر دونوں نے چادریں اتار دی تھیں۔ شہوار بلیک لباس میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی اس کے لمبے گھنے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے' ہلکے پھلکے میک اپ اور جیولری میں وہ کمرے میں موجود تمام خواتین میں نمایاں لگ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔" انا نے کہا تو وہ جھینپی۔

"تم خود بھی تو بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آج پہچانی ہی نہیں جا رہی کہ یہ تم......" شہوار نے اس کی توجہ خود سے ہٹانا چاہی' روشنی ہنس دی۔

"یہ اس لیے پیاری لگ رہی ہے کہ آج محترمہ کے لیے بہت ہی اسپیشل دن ہے۔" روشی نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

"اس کے بھائی کی شادی کا فنکشن ہے' چھوٹی موٹی بات تھوڑی ہے۔" لائبہ بھابی نے بھی کہا تو وہ مسکرا دی۔

"آپ لوگ بیٹھیں ذرا میں کسی کو کھانے پینے کا کہتی ہوں۔" وہ روشی کی شرارت سے بچنے کے لیے فوراً کمرے سے نکل گئی تھی۔ کچن میں آئی تو وہاں ملازمہ کو کولڈ ڈرنک نکالنے کا کہا' خود ریفریشمنٹ کے لیے کینٹ سے بسکٹ' نمکو' چپس وغیرہ نکال کر ٹرے تیار کرنے لگی۔

"یہ باہر لے جاؤ وہاں ولی بھائی کے دوست ہوں گے ماما کو دینا وہ ان کو سرو کردیں گی۔" ایک ٹرے تیار کر کے کولڈ ڈرنک کے لوازمات کے ساتھ ملازمہ کو دے کر باہر بھیجا۔ باقی ٹرے تیار کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ شہوار روشی اور دیگر لڑکیوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی اُسے دیکھ کر مسکرائی۔

"روشی بتا رہی تھی کہ آج کے فنکشن میں ولید بھائی کی بھی منگنی ہو رہی ہے۔" اس نے ٹرے جیسے ہی ان لوگوں کے سامنے رکھی تو اس نے پوچھا پر وہ کنفیوز ہوگئی۔

"مگر کس کے ساتھ ہو رہی ہے ابھی یہ نہیں بتایا۔" لائبہ بھابی نے بھی کہا تو اس نے روشی کو دیکھا وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"روشی کہہ رہی تھی کہ انا آ کر بتاتی ہے' لڑکی تمہاری جاننے والی ہے کوئی؟" شہوار نے بھی کہا تو اس نے روشی کو گھورا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"مجھے نہیں پتا کس سے ہو رہی ہے؟ یہ ان لوگوں کی ہی کوئی جاننے والی ہے' مجھے تو خاک علم نہیں۔" اس نے بھی کہا تو روشی کی ہنسی پھر بے اختیار ہوئی۔

"مہندی کی دلہن ہو' اس طرح منہ پھاڑ کر ہنستے ہوئے شرم تو نہیں آ رہی۔"

"میں جس ماحول سے آئی ہوں وہاں شرم گھول کر پی لی جاتی ہے۔" روشی نے بھی چڑایا۔

"اچھا بتایا نہیں کون لڑکی ہے وہ؟" شہوار نے کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے پھر پوچھا تھا۔

"مجھے نہیں پتا' تھوڑی دیر بعد فنکشن ہوگا تو خود ہی تم لوگوں کو علم ہو جائے گا۔"

"کمبائن فنکشن ہوگا؟" لائبہ بھابی نے بھی پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی' لڑکی کا ہی علم نہیں تمہیں۔ روشی کہہ رہی تھی کہ تمہاری کوئی جاننے والی ہے جسے میں بھی جانتی ہوں' کون ہے وہ لڑکی یار! بتاؤ تو سہی۔" روشی پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"چلو شہوار! کچھ دیر کے لیے انتظار کرلو جب فنکشن ہوگا تو خود ہی علم ہو جائے گا' انا بے چاری کو تو خود نہیں پتا۔" روشی نے بات پلٹ دی تھی' انا اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ شہوار کو کس طرح بتائے۔

نو بجے کے قریب ماما انا کے کمرے میں آئی تو کمرے میں وہ چاروں ہی تھیں جبکہ باقی سبھی باہر لان میں جا چکی تھیں۔

"ماما یہ شہوار ہے اور یہ مصطفیٰ بھائی کی بھابی...... لائبہ بھابی......" ماما ان لوگوں کو دیکھ کر رک گئی تھیں تو انا نے مسکرا کر بتایا۔

"کیسی ہیں آنٹی آپ' آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔" شہوار نے کھڑے ہو کر کہا تو وہ مسکرا دیں' باہر دونوں چہروں پر نقاب تھے اصل تعارف تو اب ہو رہا تھا۔

"انا گھر میں ہر وقت تمہارا ہی ذکر کرتی ہے۔" ماما نے اسے بے اختیار ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔

"مصطفیٰ تو امریکہ میں زیادہ تر ہمارے گھر ہی رہتا تھا' بالکل ولید اور احسن کی طرح' ہمیں پیارا تھا' جب انا اور روشی نے آ کر بتایا کہ مصطفیٰ کی دلہن انا کی دوست ہے تو یقین مانو بہت خوشی ہوئی' بہت خواہش تھی تم سے ملنے کی' ماشاء اللہ بہت ہی پیاری ہو تم تو۔" صبوحی بیگم تو فوراً اس پر فدا ہوئی تھیں۔

"یہ محترمہ آج آنے پر راضی کب تھیں' وہ تو مصطفیٰ اور میں زبردستی لائے ہیں۔" لائبہ بھابی نے کہا تو شہوار شرمندہ ہوئی۔

"کیوں بیٹا! ہمارے گھر آنا اچھا نہیں لگ رہا تھا آپ کو؟" صبوحی بیگم نے پوچھا' لہجے میں مسکراہٹ تھی۔

"نہیں' بس ویسے ہی......" وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی تھی اب ان لوگوں کو کیا بتاتی کہ وہ محض مصطفیٰ کی ضد میں آنے سے انکار کر رہی تھی۔

"باہر بھی مہمان آ چکے ہیں' میرا خیال ہے کہ پہلے منگنی کی رسم کرلیں پھر کھانا وغیرہ کھلا کر مہندی کی رسم ہو جائے گی۔" ماما نے پروگرام بتایا تو انا کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

وہ اب تک بڑے اعتماد کے ساتھ سب کچھ فیس کر رہی تھی مگر اب ایک دم ولید کے حوالے سے اتنے لوگوں کو فیس کرنا' وہ کنفیوز ہونے لگی۔

"نجانے ولید کا کیا ری ایکشن ہوگا۔" اس کی سوچ بھٹکی۔ اب تو وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ اس کے جذبات و احساسات سے بے خبر ہوگا۔

"بیٹا! آپ لوگ ہمارے ساتھ چلو گی باہر لان میں۔" ماما نے لائبہ اور شہوار سے پوچھا' وہ جس طرح چہرہ چھپائے ہوئے یہاں آئی تھیں تو ماما نے یہی سمجھا تھا کہ یہ کمبائن فنکشن اٹینڈ نہیں کریں گی۔

"ہم آپ کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" بھابی نے کہا۔ دونوں نے اپنی چادریں پھر سے اوڑھ لیں۔

"انا تم تیار ہو نا؟" ماما نے اب کے انا کو دیکھا' وہ پنک فراک میں بالکل تیار تھی اور بہت پیاری بھی لگ رہی تھی' وہ کنفیوز ہوگئی تو ماما نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ شہوار نے چونک کر انا کا ری ایکشن دیکھا۔ ولید کی منگنی ہو رہی ہے' روشی نے بتایا تھا کس کے ساتھ یہ نہیں بتایا تھا' روشی نے کہا تھا انا اس لڑکی کو جانتی ہے اور وہ بھی۔

"تو کیا ولید کی منگنی انا کے ساتھ ہو رہی تھی۔" اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔

"روشی اس کا دوپٹہ درست کردو' میں لڑکیوں کو بھیجتی ہوں' ان کے ساتھ اسے باہر لے آؤ۔" ماما کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔

''انا مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا بات ہے ولید بھائی کی منگنی تم سے ہو رہی ہے کیا؟'' شہوار نے فوراً پوچھا تو روشی ہنس دی انا کا چہرہ مزید سرخ ہوگیا۔

''یہ سب کیسے ہوا اور کب...... تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟'' وہ اس پر گرم ہوئی۔

''اس پر ناراض ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اس بے چاری کو تو خود علم نہیں تھا بلکہ کل ہی بڑوں کے اس اچانک فیصلے کا علم ہوا اور آج سہ پہر میں یہ خبر ملی کہ اس کی منگنی بھی ساتھ ہی ہو رہی ہے۔'' روشی نے مزے سے بتایا۔

''میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہیں پہلے سے علم ہی نہ ہو۔'' شہوار بے یقین تھی۔

''ماما نے مجھے کل بتایا تھا آج کے فنکشن کا۔ میں آج سارا دن تمہیں کالز کرتی رہی مگر تم سے بات ہی نہ ہو سکی۔'' انا نے بھی وضاحت دینا چاہی۔

''اور میں ادھر آچکی ہوں تب بھی تم نے نہیں بتایا۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''پتا تو تمہیں چل ہی جانا تھا اسی لیے تو ولی نے مصطفیٰ بھائی کو بار بار کالز کر کے تمہیں بھی ساتھ لانے کی تاکید کی تھی۔'' روشی نے بھی کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔ تبھی باہر سے لڑکیاں آ گئی تھیں روشی نے انا کا دوپٹہ درست کرتے ہلکا سا گھونگھٹ بھی نکال دیا تھا۔

''آپ دونوں ہمارے ساتھ ہی آئیں۔'' روشی نے انا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ دونوں ان کے ساتھ ہی باہر آئی تھیں لان روشنیوں میں نہایا بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ روشی انا کو اسٹیج پر بٹھا کر پلٹنے لگی تو انا نے اس کا ہاتھ تھام لیا ساتھ ہی ولید بیٹھا ہوا تھا۔

''تم میرے پاس ہی بیٹھو یا شہوار کو بھیجو میں نے اکیلے نہیں بیٹھنا۔'' ہلکے سے گھونگھٹ میں بھی وہ اتنے لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی۔

''بس اب چپ کر کے بیٹھو کچھ نہیں ہوتا۔'' لیکن انا نے پھر بھی اس کا ہاتھ نہ چھوڑا مجبوراً روشی اس کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

ولید بڑے اعتماد سے بیٹھا ہوا تھا جبکہ ساتھ والے صوفے پر مصطفیٰ تھا دونوں گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی بات بھی کر رہے تھے۔ ولید مصطفیٰ کو سب بتا چکا تھا حیران تو وہ بھی ہوا تھا مگر اس نے نہ بتانے پر کوئی سوال نہ کیا تھا بلکہ اس ہونے والے فنکشن پر بہت خوش ہو کر مبارک باد دی تھی۔

''میں ذرا اپنے گھر والوں کو دیکھ لوں تم فنکشن انجوائے کرو۔'' مصطفیٰ ولید کے کندھے کو تھپکتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

اب صوفوں پر صبوحی بیگم وقار احمد اور ضیاء صاحب آ بیٹھے تھے جبکہ احسن ولید کی پشت پر کھڑا تھا۔

''چلیں بھائی پہلے آپ بسم اللہ کریں۔'' صبوحی بیگم نے کہا تو انہوں نے مسکرا کر ہلکا سا جھک کر گھونگھٹ میں سے انا کا چہرہ دیکھا۔

''انگوٹھی ولید خود پہنائے گا چلو پکڑو ولید یہ انگوٹھی۔'' بابا نے مسکرا کر اپنی جیب سے انگوٹھی نکال کر ولید کی طرف بڑھائی۔ ولید نے مسکرا کر انگوٹھی تھام لی اس کا چہرہ بڑا مطمئن اور پرسکون تھا۔

''چلو پہناؤ اب۔'' ضیاء صاحب نے خود ہی انا کا ہاتھ پکڑ کر ولید کی طرف کیا تھا ولید نے ایک ہاتھ سے انا کا ہاتھ تھام کر دوسرے سے انگوٹھی پہنا دی تھی۔ انا کے ہاتھ میں ایک واضح کپکپاہٹ تھی انگوٹھی پہنائے جاتے ہی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ ولید کو انگوٹھی وقار صاحب نے خود پہنائی تھی انگوٹھی پہنانے کے بعد منہ میٹھا کروانے کی رسم ہوئی تھی روشی بھی اسٹیج پر آ گئی تھی۔ بڑے منہ میٹھا کروا کر اتر گئے تھے اب باقی لوگوں کی باری تھی۔

”مجھے اب یہاں سے جانا ہے۔“ اس نے پاس آ کر بیٹھنے والی روشی سے کہا۔

”مگر ابھی تو ہم نے کچھ بھی نہیں کیا‘ ابھی تو ولی بھائی کو بھی تنگ کرنا ہے ان سے نیگ لینا ہے میں نے منگنی کا۔“ روشی نے کہا۔

”شہوار کدھر ہے اسے کہو مجھے یہاں سے لے جائے‘ تم جو مرضی لیتی رہنا پھر اپنے بھائی سے۔“ اس نے پھر آہستگی سے کہا۔

”تم کیا پٹیاں پڑھا رہی ہو اسے۔“ ولید نے فوراً دونوں کا بولنا نوٹ کیا تھا‘ بڑے تو تھے نہیں جو چپ رہتا فوراً متوجہ ہوا تھا۔

”کاش میں پڑھا سکتی۔“ اس نے ولید کو گھورا۔

”شہوار کو میں نے کہا تھا اوپر آنے کو مگر وہ دونوں معذرت کر گئی ہیں‘ ادھر ہی ایک ٹیبل پر بٹھا کر آئی ہوں میں۔“ روشی نے بتایا تو اسے قدرے اطمینان ہوا۔ وہ ان لوگوں کے ہاں ایک فنکشن اٹینڈ کر کے آ چکی تھی‘ جانتی تھی کہ کس قدر فرق ہے ان دونوں کے گھریلو ماحول میں شاید شہوار اسی لیے آنے سے انکار کر رہی تھی۔

”آپ میرا نیگ نکالیں جلدی سے پھر کھانا وغیرہ شروع ہو جائے گا۔“ روشی نے دونوں کا منہ میٹھا کروا کر ولید سے کہا۔

”نیگ تو لوگ شادی وغیرہ پر لیتے ہیں تم منگنی پر ہی مانگ رہی ہو۔“ ولید نے مسکرا کر کہا۔

”آپ کی اکلوتی بہن ہوں نیگ لیے بغیر تو میں یہاں سے ہلوں گی ہی نہیں۔“ روشی نے کہا تو ولید کے دوسری طرف احسن آ بیٹھا۔

”دے دو یار! تم نے کون سا روز روز منگنی کروانی ہے۔“ احسن نے کہا۔

”دلہا صاحب تو ابھی سے ہی دلہن کی طرف داریوں میں لگ گئے ہیں۔“ اسٹیج سے قدرے فاصلے پر موجود ایک لڑکی نے کہا تو احسن جھینپ گیا۔

”اچھا جلدی کریں نا۔“ روشی نے پھر کہا تو ولید نے جیب سے والٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”ہائے یہ پورا والٹ؟“ اس نے حیرت سے والٹ کو دیکھا۔

”بالکل۔“ ولید نے مسکرا کر کہا۔

”پہلے تسلی کر لو کہ اندر سے کہیں خالی تو نہیں۔“ احسن نے شرارت سے کہا تو روشی نے اسے گھور کر والٹ کے اندر جھانکا جو اچھا خاصا بھرا ہوا تھا۔

”خیر تو ہے نا۔“ روشی نے ولید کو دیکھا اس نے والٹ نے مٹھی میں دباتے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

”تمہیں کیا لگتا تھا؟“ ولید نے ایک نظر قدرے فاصلے پر بیٹھی انا کو دیکھا جس کا گھونگھٹ برقرار تھا۔

”بہت خوش اور مطمئن لگ رہے ہیں۔“ وہ مسکرا کر کہتی کھڑی ہو گئی تھی۔

”چلیں انا اب ہم چلتے ہیں۔“ انا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”لے جاؤں نا؟ چہرہ تو دیکھنے کی کوئی فرمائش نہیں نا۔“ روشی نے شرارت سے پوچھا۔

”ہزار بار دیکھا ہوا ہے یہ چہرہ اب دیکھ کر کیا کرنا ہے میں نے؟“ ولید نے کہا تو انا ایک دم ساکت ہوئی۔ (کیا ولید مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا‘ وہ الجھ گئی)

”ہاں جانتی ہوں میں اچھی طرح اس حوالے سے تو بعد میں بات کروں گی آپ سے۔“ وہ انا کا ہاتھ تھامے اسٹیج

سے اتر آئی۔ شہوار اور رلائبہ بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ ایک دو اور خواتین بھی تھیں‘ روشی انا کو لے کر ادھر آ گئی تھی۔ انا شہوار کے ساتھ والی کرسی پر ٹک گئی تھی۔

”توبہ......“ گھونگھٹ پیچھے کرتے اس نے کہا تو شہوار مسکرا دی۔

”کتنا مشکل کام تھا یہ سب فیس کرنا۔“ اس نے اپنے چہرے کو تھپتھپاتے کہا۔

”تم اوپر نہیں آئیں عین موقع پر روشی بھی چلی گئی میں اتنی کنفیوز ہو رہی تھی۔“ وہ اب بھی کنفیوز تھی۔

”تم لوگوں کا فیملی فنکشن تھا مجھے ادھر آنا کچھ اچھا نہیں لگا۔ روشی نے تو کہا بھی تھا مگر میں نے خود ہی انکار کر دیا تھا۔ اپنی رنگ تو دکھاؤ کیسی ہے؟“ شہوار نے کہا تو انا نے اس کے سامنے ہاتھ کر دیا تھا‘ بھابی اور شہوار دونوں نے رنگ دیکھی تھی۔

”ولید بھائی بہت ہی زیادہ ہینڈسم لگ رہے ہیں آج تو۔“ شہوار نے اسٹیج پر پورے اعتماد کے ساتھ بیٹھے ولید کو دیکھتے ہوئے کہا تو انا نے بھی اسی طرف دیکھا۔ ولید احسن اور جنید اور دیگر لڑکوں کے ہمراہ کافی مطمئن خوش باش اور پُراعتماد لگ رہا تھا۔

”تو کیا ولید اس رشتے سے خوش ہے۔“ اس کے دل کے اندر سوال اٹھنے لگے۔

”مصطفیٰ بھائی نظر نہیں آ رہے؟“ روشی نے پوچھا تو انا چونکی اس نے ولید سے نظر ہٹا کر شہوار کو دیکھا۔

”وہ ابھی ادھر ہی تھے پھر ان خواتین کے آ کر بیٹھنے پر اٹھ کر چلے گئے۔“ بھابی نے ہی بتایا۔

”تم خوش ہو انا؟“ انا اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی جب شہوار نے آہستگی سے اس کی طرف جھکتے پوچھا۔

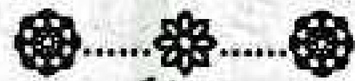
”تمہیں کیا لگ رہا ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھا۔

”مجھے تم کچھ پریشان‘ الجھی الجھی اور کنفیوز لگ رہی ہو۔“

”شاید اس لیے کہ یہ فیصلہ بہت اچانک ہوا ہے اور میں ابھی تک اس سلسلے میں بے یقینی کا شکار ہوں‘ ماما نے کل مجھے بتایا اور آج فیصلہ مانگا اور میں کل تک اتنی بے خبر تھی کہ اب یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے۔“

”مجھے تو تم دونوں کا کپل بہت پسند آیا‘ ان شاء اللہ آئندہ بھی سب بہتر ہی ہوگا۔ میری دعا ہے کہ ولید بھائی تمہارے لیے لکی ثابت ہوں۔“ شہوار نے پورے دل سے دعا دی تھی۔

”آمین۔“ انا نے کہتے پھر اسٹیج کی طرف دیکھا تھا جہاں مصطفیٰ بھی اب موجود تھا اور اب تینوں نجانے کس بات پر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔



مہندی کا فنکشن علیحدہ علیحدہ ہوا تھا پہلے احسن کو مہندی لگائی گئی اس کو نپٹایا تو اس کے دوست احباب اس کو لے کر مردانے والے حصے کی طرف چلے گئے تھے اس کے بعد روشی کی مہندی کا سلسلہ چلا اور ابھی یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ مصطفیٰ ان دونوں کو لینے آ گیا۔

”کیا پروگرام ہے واپسی کا کوئی موڈ نہیں؟“ وہ اسی ٹیبل پر موجود تھیں دونوں‘ ابھی روشی کو مہندی لگا کر لوٹی تھیں۔ مصطفیٰ نے پاس آ کر پوچھا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

”ہم تو تیار ہیں‘ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“ بھابی نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے پھر اجازت لیں ان لوگوں سے‘ ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں پھر رستے میں بھی وقت لگے گا۔“ مصطفیٰ

نے کہا تو وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ صبوحی آنٹی انا اور روشی سے ملنے اسٹیج پر چلی آئی تھیں۔

"اوکے آنٹی جی اب چلتے ہیں کافی رات ہوگئی ہے فنکشن بہت اچھا تھا بہت انجوائے کیا ہم نے مگر اب اجازت دیں۔" بھابی نے صبوحی آنٹی کے پاس آ کر کہا تو انہوں نے رکنے پر اصرار کیا۔

"آپ لوگ ہمارے ہاں ہی رات رک جاتیں تو اچھا لگتا۔"

"کوئی بات نہیں زندگی رہی تو انا کی شادی پر بھی آئیں گے نا؟"

"بارات اور ولیمے والے دن تو آئیں گی نا۔" ماما نے مزید پوچھا تو بھابی نے سر ہلا دیا۔ وہ سب سے مل کر نیچے اتر آئی تھیں انا ان لوگوں کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔

"مصطفیٰ بھائی بہت بہت شکریہ آپ شہوار کو لے کر آئے۔" گیٹ کے پاس آ کر انا نے کہا تو مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ منہ پھیر گئی۔

"ولید کو منگنی کی مبارک باد دے چکا ہوں آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو آپ نے اپنی دوست صاحبہ کو بتایا تھا کہ نہیں مگر ولید سے میں اس بات کو چھپانے پر بہت ناراض ہوں اس کی زندگی کا اتنا اہم فنکشن تھا اور مجھے یہاں آ کر پتا چل رہا تھا کہ محترم کی منگنی ہو رہی ہے تاہم آپ دونوں کا گفٹ مجھ پر ادھار ہے اب بارات والے دن آؤں گا تو ضرور لاؤں گا۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

"گفٹ کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں آپ لوگوں آئے میرے لیے تو یہی بہت بڑی بات ہے۔" مصطفیٰ مسکرا دیا تھا تبھی مردانے کی طرف سے ولید بھی ان کے پاس آ رکا تھا۔

"تم آج رات رکتے کچھ انجوائے کرتے احسن کی درگت ہی بناتے ہم۔" ولید نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"میں آ گیا ہوں یہ بھی بڑی بات ہے اب بارات والے دن ہی ملاقات ہوگی اور ہاں اس طرح اچانک منگنی کا بتانے والی بات پر بخشوں گا نہیں یہ تو روشی کی مہندی کا فنکشن تھا تو معاف کر رہا ہوں مگر اس سلسلے میں سارا حساب کتاب تیار رکھنا۔ بُری طرح خبر لوں گا اب تمہاری میں۔" ولید کے گلے لگتے مصطفیٰ نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

"محترمہ تمہارے سامنے کھڑی ہیں پوچھ لو ان سے جتنی یہ بے خبر تھیں اتنا ہی میں بھی باخبر تھا۔" انا کی طرف دیکھ کر ولید نے کہا تو انا جھینپ سی گئی۔

"انا کو درمیان میں مت لاؤ اور تمہاری اس بات پر اعتبار تو تب کروں گا جب تمہیں سرے سے جانتا ہی نہ ہوں خواتین ساتھ ہیں ورنہ تمہیں جواب بہت اچھی طرح دیتا۔" مصطفیٰ نے گھور کر کہا تو ولید قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو بھابی پچھلی سیٹ پر بیٹھیں تو شہوار بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ آتے ہوئے بھی وہ پچھلی سیٹ پر ہی تھی بھابی کے ساتھ۔ مصطفیٰ بھی انا اور ولید کو اللہ حافظ کہتے بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تو انا پلٹی۔

"انا......" ولید نے پکارا تھا۔ انا ایک دم رک گئی۔

"روشی کی مہندی کا فنکشن ہوگیا؟" وہ اس کے سامنے آ کر پوچھ رہا تھا انا سر سے پھسلتا دوپٹہ ہاتھ سے جماتے سر ہلا گئی۔ کچھ دیر پہلے اس کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی اب اسے سامنے دیکھ کر حیا سی تھی۔

"نہیں ابھی ہو رہا ہے۔"

"مجھے چائے چاہیے بہت اسٹرونگ سی۔" ولید نے مزید کہا۔

"میں کسی کو کہتی ہوں۔" وہ دیکھے بغیر کہہ کر آگے بڑھی تھی۔

"نہیں تم خود چائے بنانا دو دن سے بہت بزی رہا ہوں اور اب فنکشن کی تھکن تم چائے بہت اسٹرونگ بناتی ہو

اگر زحمت نہ ہو تو پلیز۔" ولید نے مزید کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ واقعی کافی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا مگر اس حلیے میں بھی شاندار لگ رہا تھا۔

"آپ نے کھانا کھایا؟" اسے تشویش سی ہوئی دل فوراً نرم ہوا تھا۔

"نہیں مہمانوں کو اٹینڈ کرتے وقت ہی نہ ملا۔ بس تم چائے پلا دو تو مہربانی ہوگی۔"

"چائے تو میں بنا دیتی ہوں مگر آپ کچھ کھا لیں تو زیادہ اچھی بات ہے۔" ولید مسکرا دیا۔ اس نے بغور انا کو دیکھا اس حلیے میں اس کے وجود سے روشنیاں سی پھوٹ رہی تھیں۔

"میں اپنے روم میں جا رہا ہوں چائے بن جائے تو کسی کے ہاتھ ادھر ہی بھجوا دینا۔" وہ کہہ کر چلا گیا اور انا چند ثانیے تک اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔

"کیا ولید اس رشتے سے مطمئن ہے؟" اگلے ہی پل اس سوال نے ایک دم اُدھم مچایا تھا۔

"اور وہ جو روشی کیتھی کے بارے میں بتا رہی تھی اگر ایسا کوئی سلسلہ ہوا تو؟" کچن کی طرف جاتے اس کے دل میں پھر ایک دم سناٹا چھایا تھا۔

"نہیں ولید میں ایسا کوئی صدمہ نہیں سہ سکتی میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر اس دریا میں کودی ہوں اپنی نسوانیت اپنی انا سب مار کر صرف دل کی بات مان کر اس رشتے پر سر جھکایا ہے اگر تمہاری طرف سے میری ذات کو رد کر دیا گیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔" اس کے اندر جذباتیت کے ایک شدید طوفان نے سر ابھارا تھا۔

نجانے کیوں ولید کا رویہ دیکھ کر محسوس کرتے اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ دل سے راضی نہیں۔ نجانے وہ اس رشتے پر کیونکر راضی ہوا تھا مگر اسے ولید کے وجود میں اس کی آنکھوں میں وہ خوشی دکھائی نہیں دے رہی تھی جو وہ اس کی ذات میں اپنے حوالے سے اپنے نام سے دیکھنا چاہتی تھی اس کا دل پھر ایک دم غم کا پھوڑا بننے لگا تو اس نے سختی سے لب دانت تلے دبا لیے۔

❀......❀......❀

وہ لوگ ابھی گھر لوٹے تھے ان کا خیال تھا کہ سبھی لوگ سونے جا چکے ہوں گے مگر یہاں شاہزیب کے علاوہ سجاد بھائی عباس بھائی ماں جی اور دریہ سمیت سبھی جاگ رہے تھے۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ کار پارک کرنے رک گیا تھا جبکہ وہ دونوں اندر آ گئی تھیں دونوں نے مشترکہ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" سبھی نے جواب دیا تھا لائبہ بھابی دریہ کی طرف بڑھی تھیں۔

"کیسی ہو دریہ تم؟" دریہ اٹھ کر ان کے گلے لگی۔

"فائن تم سناؤ تم کیسی ہو؟" لائبہ اور دریہ ہم عمر تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔" دریہ نے شہوار کو دیکھا شہوار بھی مسکرائی۔

"السلام علیکم!" وہ بھی بھابی کی طرح اس سے ملنے آگے بڑھی تھی مگر دریہ نے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

"ہیلو۔" شہوار اپنی جگہ ٹھٹک کر جم سی گئی۔

"ہیلو......" پتا نہیں کسی اور نے غور کیا تھا کہ نہیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی اس نے بھی ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

"کیسی ہیں دریہ آپ؟" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تو وہ کندھے جھٹکتے پلٹی اور شہوار کو اس کا رویہ بڑا دل کو لگا۔

"می فائن۔" تبھی مصطفیٰ بھی آ گیا۔

"ہیلو مصطفیٰ! کیسے ہو؟" وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرائی تو شہوار ایک طرف ہوگئی۔

"اللہ کا شکر ہے تم سناؤ' سفر خیریت سے گزرا۔" وہ اسٹائلش سے لباس میں کافی پیاری لگ رہی تھی' شہوار اس کو دیکھتے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"اوہ نو...... سفر کا مت پوچھو دو گھنٹے فلائٹ لیٹ تھی۔" اس نے بے تکلفی سے کہا تو شہوار نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اس کے لمبے گھنے بال پشت پر تھے' جنہیں ہیئر بینڈ میں جکڑا ہوا تھا تاہم نیچے سے وہ کھلے ہوئے تھے نفاست سے کیا گیا میک اپ' اونچی ہیل اور جدید تراش خراش کا مغربی طرز کا لباس اور دوپٹہ ضرور لیا ہوا تھا مگر سر ڈھانپنے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا۔

"ہاں یار' جب میں اور ماں دریہ کو لینے پہنچے تو وہاں فلائٹ دو گھنٹے لیٹ تھی' اللہ اللہ کر کے فلائٹ آئی۔" سجاد بھائی نے بھی مصطفیٰ کو بتایا۔

"اور سناؤ وہاں سب ٹھیک ٹھاک تھے نا' تایا جان' تائی اماں اور باقی لوگ۔" مصطفیٰ سجاد کے ساتھ ہی ٹک گیا تھا۔

"یس سب ٹھیک ہیں۔" وہ مصطفیٰ اور لائبہ کے پوچھنے پر ایک ایک کر کے سب گھر والوں کی خیریت کی اطلاع دینے لگی تو شہوار وہاں سے اٹھی وہ ابھی تک خاموش تھی۔

"شہوار۔" وہ پلٹی تو عباس بھائی نے پکارا۔

"جی بھائی۔" وہ رکی۔

"اگر زحمت نہ ہو تو چائے مل جائے گی؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی میں لاتی ہوں' سبھی چائے پئیں گے نا؟" اس نے حاضرین پر نگاہ ڈالی۔

"میں تو اپنے کمرے میں جارہی ہوں بس تم لوگوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔" ماں جی اٹھ کر چلی گئیں تو اس نے باقی سب کو دیکھا۔

"ہم نے کھانے کے بعد چائے پی تھی اب طلب نہیں۔ عباس بھائی کو ہی ہر گھنٹے بعد چائے کی طلب ہوتی ہے۔ ویسے بھی اب نیند آرہی ہے چائے پی لی تو پھر سویا نہیں جائے گا۔" سجاد بھائی بھی اٹھ گئے تھے۔

"آفاق کدھر ہے...... سو گیا کیا؟" لائبہ بھابی بھی ان کے ساتھ اٹھ گئی تھیں۔

"ماں جی نے سلا دیا تھا۔" وہ دونوں میاں بیوی بھی اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو اس نے دریہ کو دیکھا۔

"دریہ آپ چائے پئیں گی؟" اس نے دریہ سے بھی پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

"ہاں بالکل' ضرور پیئوں گی۔" اس نے کہا تو وہ پلٹی۔

"مصطفیٰ سے بھی پوچھ لیتیں؟" عباس بھائی نے شرارت سے کہا تو وہ رکی۔ مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھا تھا اس کی نگاہوں میں گرم سا تاثر تھا وہ بے اختیار پلٹ کر کچن کی طرف چلی آئی۔

انا کے ہاں جاتے اور آتے ہوئے تمام وقت اسے مصطفیٰ کی گرم نگاہوں کا احساس اپنے گرد محسوس ہوتا رہا تھا' پچھلی سیٹ پر بیٹھے وہ تمام وقت بے چین رہی تھی اب پھر وہی بے چینی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے تمام خیالات کو جھٹک کر مکمل دھیان سے چائے بنائی بلیک سوٹ میں اور میک اپ اور جیولری کی بدولت وہ آج خود کو بھی کچھ مختلف محسوس کر رہی تھی۔ وہ چائے لے کر آئی تو عباس بھائی مصطفیٰ اور دریہ خوش گپیوں میں مصروف تھے ٹی وی بھی چل رہا تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اس میں چار کپ تھے۔ ایک کپ عباس کو تھمایا دوسرا دریہ کو تیسرا لے کر وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کپ مصطفیٰ کے سامنے کیا تو وہ بغیر متوجہ ہوئے دریہ کے ساتھ بات کرتا رہا۔

"یہ چائے لے لیں۔" مجبوراً شہوار کو کہنا پڑا تو وہ مسکرا دیا۔

"اچھا' مجھے تو یہ لگا کہ شاید آپ مجھے چائے نہیں پلا رہیں۔" طنزیہ انداز تھا' شہوار نے لب بھینچ لیے۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر کپ تھام لیا' شہوار کا دل جل کر راکھ ہو گیا۔

"تو پھر کیسا فیل کر رہی ہو تم دریہ! یہاں پاکستان آ کر؟" مصطفیٰ نے دریہ سے پوچھا' شہوار اپنا کپ لے کر ایک طرف آ بیٹھی اس کا ارادہ صرف چائے ختم کرنے تک یہاں رکنے کا تھا۔

"لاسٹ ٹائم میں عباس بھائی کی شادی پر آئی تھی اور اب آئی ہوں' ابھی یہاں کچھ وقت گزار لوں پھر ہی کوئی حتمی رائے دے سکوں گی۔"

"اوکے گڈ لک۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ مسکرا دی' شہوار تو غیر محسوس انداز لیے دریہ کو ہی دیکھ رہی تھی اس کی مسکراہٹ دیکھ کر چونکی۔

دریہ کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی' اس کی خوب صورتی اس کے وجود سے پھوٹی پڑ رہی تھی اس کے بال' بات کرنے کا اسٹائل' خوب صورت سراپا اور لباس ہر چیز اسے بہت نمایاں کر رہی تھی' وہ چائے کے گھونٹ بھرتی مسلسل اسے دیکھے جارہی تھی۔ مصطفیٰ اور وہ دونوں بات کر رہے تھے' دریہ کو گفتگو میں کمال حاصل تھا اس کی نالج کمال کی تھی' وہ مصطفیٰ اور عباس بھائی سے بڑے پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

"اوکے جی اب ہم بھی چلتے ہیں۔" عباس بھائی چائے ختم کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

وہ چلے گئے تو شہوار کو بھی اب بیٹھنا مناسب نہ لگا ویسے بھی تھکن محسوس ہو رہی تھی اور ابھی عشا کی نماز بھی ادا کرنا تھی' مصطفیٰ اور دریہ بھی چائے ختم کر چکے تھے اس نے خاموشی سے ان دونوں کے آگے سے خالی کپ اٹھائے' چاروں کپ ٹرے میں رکھ کر وہ وہاں سے نکلی تو دریہ کی آواز پر رک گئی۔

"شہوار کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے اور سب سے بڑی حیرت مجھے تب ہوئی جب میں نے تمہارے اور اس کے نکاح کے بارے میں سنا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں تمہیں کیوں حیرت ہوئی؟" مصطفیٰ پوچھا۔

"کتنی دقیانوسی ہے یہ لڑکی! نہ ہی بات کرنے کا فن آتا ہے اسے اور نہ ہی پہننے کا سلیقہ اور تم خود اتنے ماڈ ہو۔ تم نے اس سے نکاح کیسے قبول کر لیا؟" وہ دریہ تھی جو جی چاہتا بول دینا اس کی عادت تھی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"کہاں تم اور کہاں وہ ملازمہ کی بیٹی؟ اب بھی اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے' نجانے چچا اور چچی نے اس میں ایسا کیا دیکھ کر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا؟ خاندان تک کا تو پتا نہیں۔" دریہ بہت سنگدلی سے کہہ رہی تھی' شہوار کو لگا کہ وہ ابھی یہاں گر جائے گی۔ وہ کسی ایسی ہی صورت حال سے ڈرتی تھی اور زندگی اسے اسی موڑ پر لے آئی تھی جس سے وہ خوفزدہ تھی' وہ مزید ایک بھی لفظ سنے بغیر وہاں سے نکلی تھی۔ ٹرے سنک میں رکھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی آنکھوں سے بے اختیار کم مائیگی کے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ نجانے مصطفیٰ نے دریہ کے جواب میں کیا کہا تھا' کیا نہیں مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دل پھٹ جائے گا' وہ بغیر کپڑے بدلے بستر پر گر کر منہ میں چھپا کر شدت سے رو دی' اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کو تہس نہس کر دے یا پھر اپنے وجود کو ہی ختم کر ڈالے۔

"اتنی بڑی ذلت۔" اسے لگا کہ جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ رو رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے دروازے کو دیکھا' وہ کھلا ہوا تھا اور پھر مصطفیٰ کو دیکھ کر اس کے اندر اشتعال کا ایک گہرا طوفان اٹھا تھا' اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے اور نفرت سے چہرہ موڑ گئی تھی' مصطفیٰ اندر آ گیا تھا۔

"دریہ کی باتوں پر میں معذرت کرنے آیا ہوں مجھے اندازہ ہے کہ اس کی گفتگو آپ نے سن لی تھی۔ انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔" مصطفیٰ نے پاس آ کر کہا تو وہ غصے سے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے آپ کی کوئی معذرت نہیں چاہیے آپ یہاں سے چلے جائیں۔" دروازے کی طرف اشارہ کرتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شہوار! ہم لوگوں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا' آپ اپنے ذہن میں اس بات کو کیوں جگہ نہیں دے رہیں مجھے ماں جی' بابا جان کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی ہم لوگوں نے آپ لوگوں کو اس حویلی کے ملازم سمجھا ہے اگر ایسا ہوتا تو بابا یا باقی لوگ کبھی آپ لوگوں کو برابری کے حقوق نہ دیتے۔" اس کے غصے کو صاف نظر انداز کرتے مصطفیٰ نے تحمل سے کہا۔

"آپ نے شاید سنا نہیں میں کہہ رہی ہوں کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔" وہ اب کے بار غصے سے پھٹی تھی۔

"شہوار تمیز کے ساتھ' آپ جانتی ہیں کہ میں ایسے رویوں اور لہجوں کا عادی نہیں ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں۔" مصطفیٰ نے اب کے کچھ برہمی سے کہا۔

"تو...... کیا کروں میں؟ میں اسی بات سے ڈرتی تھی کتنی بار آپ سے کہا امی سے کہا مگر سب کے نزدیک میں احساس کمتری کا شکار ہوں' کم فہم اور ناسمجھ ہوں۔ مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی ابتدا تو آپ کے خاندان سے ہی شروع ہوگئی ہے آپ باہر والوں کا منہ کیسے بند کریں گے؟" مصطفیٰ کی خفگی نے اس پر الٹا ہی اثر کیا تھا' ایک دم سامنے کھڑے ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"شہوار لوگوں کو ہینڈل کرنا ہمارا ہیڈک ہے' دریہ پر ہمارا کوئی زور نہیں وہ صرف یہاں چند دنوں کی مہمان ہے مگر پھر بھی میں اسے سمجھا آیا ہوں آئندہ اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" مصطفیٰ نے پھر تحمل سے کہا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو پڑی۔

"آپ وہ اذیت نہیں جانتے جو میں محسوس کر رہی ہوں آپ کس کس کو سمجھائیں گے' کس کس کو میرے خاندان کی اصل کے بارے میں وضاحتیں دیتے پھریں گے۔" اب کے اس کے رونے میں غصہ نہیں بلکہ خود اذیتی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک دم اس کا بازو تھام لیا۔

"شہوار پلیز مجھے اندازہ ہے کہ آپ ہرٹ ہوئی ہیں مگر اس طرح رونے سے تو مسائل حل نہیں ہوں گے نا۔" شہوار کے رونے نے مصطفیٰ پر خاطر خواہ اثر کیا تھا بہت دھیمے لہجے میں کہتے اسے چپ کرانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

"آپ...... آپ...... میرے دکھ کا اندازہ نہیں لگا سکتے' کوئی بھی نہیں لگا سکتا۔" دریہ کے چند الفاظ نے اسے اس بُری طرح ہرٹ کیا کہ اس کا سارا اعتماد بکھر کر رہ گیا تھا۔

مصطفیٰ پر اس کے الفاظ نے بُری طرح اثر کیا تھا کچھ وہ جس طرح رو رہی تھی سارے گلے شکوے پچھلی تمام باتوں کا سارا غصہ ہوا ہوا تھا۔ اس نے دونوں بازوؤں سے تھام کر خود کے قریب کر لیا تھا۔

"رونے سے اگر یہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے تو میں رونے سے نہیں روکوں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے......" ایک بازو کے حصار میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ صاف کرتے جھک کر مصطفیٰ نے کہا تو شہوار ایک دم رونا دھونا بھول کر مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔

"شہوار آپ کے لیے سب سے اہم بات تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ مجھے آپ کی پروا ہے' میں نے بہت فیئر ہو کر اپنے دل کی تمام تر آمادگی کے ساتھ اس رشتے کو قبول کیا' یہ نکاح کوئی مذاق نہیں تھا۔ بابا جان' بابا صاحب کی خواہش تھی یہ......

مصطفیٰ نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی اور مصطفیٰ کے بازو کو ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

وہ مصطفیٰ کی طرف سے پشت کیے کھڑی تھی مصطفیٰ نے اس کے پلٹتے وجود کو دیکھا' دوپٹہ کندھے پر تھا۔ بالوں کی آبشار پشت پر تھی۔

بلیک لباس میں وہ آج سارا وقت نگاہ کو اتنی اچھی لگتی رہی تھی کہ وہ اس سے لاکھ خفا ہونے کے باوجود اسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اور اب...... مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر اس کا رخ اپنی طرف پلٹ لیا تھا۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" وہ مصطفیٰ کی موجودگی سے ایک دم ہراساں ہوگئی تھی' آنکھوں میں ایک دم خوف سمٹ آیا تھا اور پر سے مصطفیٰ کی آنکھوں کے تاثرات...... اور رات کے اس پہر کی خاموشی و پُراسراریت...... وہ ڈر سی گئی تھی اس نے پیچھے ہٹنا چاہا کہ مصطفیٰ کی گرفت سخت ہوگئی۔

"آپ جائیں پلیز۔" خوف اس کی آنکھوں میں پھیل گیا تھا۔ زبان لڑکھڑا سی گئی تھی

"اگر نہ جاؤں تو۔" اس کی طرف دیکھتے مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اور ڈر گئی۔

"مصطفیٰ پلیز مجھے چھوڑیں۔" وہ روہانسی ہوئی۔ مصطفیٰ نے اسے ایک پل دیکھا اور پھر اس کے کندھے سے اپنے بازوؤں کا حصار ہٹا لیا۔

"اس رشتے کو قبول کرنا سیکھو شہوار، لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دو۔" مصطفیٰ نے نرمی سے کہا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

"کہنا بہت آسان ہے اور عمل کرنا بہت مشکل، لوگ جب قدم قدم پر روک کر مجھے میری کم مائیگی، کم نسبتی اور لاوارثی کا احساس دلائیں گے تو پھر احساس کمتری ہی پیدا ہوگا آپ میرے جذبات و احساسات کبھی نہیں سمجھ پائیں گے کہ آپ نے لوگوں کے وہ طنز نہیں سہے جو میں نے سہے ہیں وہ اذیت نہیں دیکھی جو میں نے جھیلی ہے۔ آپ تو ایک خاندان اعلیٰ حسب و نسب کا نشان لے کر دنیا میں آئے تھے اور میں مجھے ایسی نصیحتیں مت کیا کریں میں اس وقت ادھر ہوں تو میری مجبوری ہے اور میری مجبوری کو میری زندگی کا طوق مت بنائیں۔" وہ زہر سے بھی زیادہ کڑوی تھی یا پھر دریہ کی باتوں نے بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو بھی تھا اس وقت مصطفیٰ کی یہ پیش رفت بھی اسے نہ پگھلا سکی تھی۔

"شہوار اپنے رویے میں لچک پیدا کرو ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔" اس کے الفاظ پر مصطفیٰ نے سختی سے کہا تھا۔

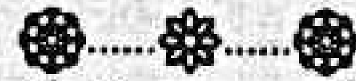
"جو جھیل رہی ہوں یہ بھی کوئی آسان زندگی نہیں ہے۔" مصطفیٰ نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"میں نے شاید اس وقت کمرے میں آ کر بہت بڑی غلطی کی۔" مصطفیٰ نے کہا تو زہر خند ہوئی۔

"بڑی دیر بعد احساس ہوا آپ کو؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"شہوار اس رشتے کو اپنے لیے اتنا مشکل مت بناؤ کہ جب واپس پلٹنا پڑے تو کوئی راستے دکھائی نہ دے۔ میں آج سب کچھ بھلا کر یہاں آیا تھا یہ سوچ کر کہ دریہ کی باتوں نے تمہارے دل کو ہرٹ کیا ہے تم پریشان ہوگی مگر......!" مصطفیٰ نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

ایک دو پل شہوار کو دیکھا وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی تو مصطفیٰ اس پر ایک نگاہ ڈالتا تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔



رات گئے پروگرام ہونے کی وجہ سے سبھی جاگتے رہے تھے۔ کچھ لوگ رسم کے بعد ہی واپس روانہ ہوگئے تھے اور کچھ لوگ ڈھولک کی محفل میں بھی شامل رہے تھے۔ جبکہ مرد حضرات کی علیحدہ گیدرنگ رہی تھی۔ فجر کے وقت یہ شور

ہنگامہ سرد پڑا تو جس کو جہاں جگہ ملی جا پڑا اور رات لیٹ سونے کی وجہ سے صبح دس بجے سے پہلے کوئی بھی نہیں اٹھا تھا۔ صبوحی بیگم البتہ جلدی اٹھ گئی تھیں۔ گیارہ بجے کے قریب باقی لوگوں نے بھی اٹھنا شروع کردیا تو صبوحی بیگم کچن میں چلی آئیں۔ کافی مہمان تھے اور ناشتے کا بندوبست گھر پر ہی کرنا تھا۔ آج کے دن کوئی فنکشن نہیں تھا لیکن اگلے دن بارات تھی انہوں نے ملازمہ کو بھیج کر انا کو بھی کچن میں بلوا لیا تھا۔ شادی کے سلسلے میں رکھی جانے والی دو تین کام والیوں کی مدد سے گھنٹے ڈیڑھ میں حلوہ پوری کا ناشتہ تیار ہو گیا تھا البتہ پوریاں ساتھ ساتھ تل کر بھیجی جا رہی تھیں۔ صبوحی بیگم انا کو کچن میں بھیج کر خود باہر مہمانوں کو دیکھنے چلی گئی تھیں۔

ولید کچن میں داخل ہوا تو انا مصروف دکھائی دی تھی۔

''اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بازار سے ریڈی میڈ منگوا لیتے۔'' فریج سے جوس نکالتے ولید نے کہا تو انا نے چونک کر اسے دیکھا وہ چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا رہی تھی جبکہ باقی سب بیلنے اور تلنے میں لگی ہوئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ حلوہ پوری کا ناشتہ گھر میں ہی تیار کریں۔'' صغراں نے جواب دیا جبکہ انا ولید کی طرف سے رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جبکہ ولید کا انداز نارمل ہی تھا۔

''آپ بھی ناشتہ کریں گے صاحب۔'' دوسری کام والی نے پوریاں تل کر ٹرے میں نکالتے پوچھا۔

''ہاں ناشتہ تو کروں گا مگر اپنے کمرے میں۔ جوس گلاس میں انڈیل کر گھونٹ گھونٹ پیتے ولید نے انا کو بھی دیکھا وہ رخ موڑے کھڑی تھی وہ اس کے سامنے آ رکا۔

''روشی کدھر ہے؟'' اٹھنے کے بعد اسے ابھی تک روشی دکھائی نہیں دی تھی سو پوچھنے لگا۔

''میرے کمرے میں سو رہی تھی۔'' انا نے جواب دیا۔

''وہ اٹھے تو کہنا میرے کمرے میں آئے مجھے اس سے کوئی بات کرنی ہے۔''

''کہہ دوں گی۔'' اس نے کہہ کر صغراں کو دیکھا۔

''جاؤ باہر پتا کرو کہ اور کون کون ناشتہ کرنے سے رہ گیا ہے۔ یہ کام مکمل ہو تو کچھ اور بھی کرنا ہوگا پھر......''

''جی اچھا...... میں ابھی پتا کرتی ہوں۔ وہ فوراً باہر نکل گئی۔

''میں روشی کو اٹھا کر بھیجتی ہوں۔'' ولید کو ادھر ہی جمے دیکھ کر اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا۔

''روشی نے بھی ابھی ناشتہ کرنا ہوگا؟ ایسا کرو تم ناشتہ لے کر آؤ میں خود اسے اٹھا لیتا ہوں۔'' جوس ختم کرتے خالی گلاس اسے تھماتے وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ انا نے لاشعوری طور پر اسے باہر نکلتے دیکھا تھا۔

''ماشاء اللہ آپ دونوں کی جوڑی تو بہت شاندار ہے۔'' ایک کام والی نے کہا تو وہ ٹھٹک گئی اور گلاس سلیب پر رکھ دیا۔

''میرا خیال ہے بہت ہوگئی ہیں پوریاں، باقی رہنے دو اور پھر جو بھی ناشتہ مانگے تو ساتھ ساتھ تیار کرکے بھیج دینا۔'' کام والی کو کہہ کر وہ ٹرے میں ناشتہ لگانے لگی تھی۔ چائے بھی تیار تھی اس نے وہ بھی رکھ لی۔ ٹرے لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ گئی کمرے میں داخل ہوئی تو ولید اور روشی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ روشی کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ دیکھ کر ٹھٹکی۔

''کیا ہوا رو کیوں رہی ہو؟'' ٹرے بستر پر رکھتے وہ ایک دم پریشان ہوئی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ کہہ کر باتھ روم میں چلی گئی انا نے پریشانی سے ولید کو دیکھا جو بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''کیا ہوا روشی کو؟'' ولید نے اسے دیکھا اور پھر سر جھٹکتے مسکرا دیا۔

''کچھ نہیں ہوا؟ بس ویسے ہی شادی کے حوالے سے جذباتی ہو رہی تھی۔''

''اوہ......'' ولید کے جواب پر اس نے گہرا سانس لیا۔
''آپ ناشتہ شروع کریں روٹی بھی آ جاتی ہے۔'' ٹرے ولید کے سامنے کرتے اس نے کہا۔
''تم ناشتہ کر چکی ہو؟'' ولید نے پوچھا تو وہ ٹھٹکی۔
''نہیں ابھی کرتی ہوں۔''
''تو پھر آ جاؤ، اچھا خاصا ناشتہ ہے، ہم تینوں کے لیے کافی ہے۔'' ولید نے کہا تو وہ ولید کو دیکھنے لگی۔
ولید کا انداز بہت نارمل تھا جبکہ وہ اس کے نام کی انگوٹھی پہننے کے بعد مسلسل اس کے سامنے سے بچ رہی تھی۔ شرم و جھجک علیحدہ۔ اور ولید اتنا پرسکون تھا جیسے کل ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ طے نہ پایا ہو۔ جبکہ وہ اس کے چہرے پر کچھ اور دیکھنا چاہتی تھی۔
اپنے نام سے متعلقہ جذبات...... اور شاید اس رشتے سے متعلقہ احساسات جبکہ......
''کیا بات ہے موڈ نہیں ناشتا کرنے کا۔'' اسے اسی طرح سوچ و بچار میں دیکھ کر ولید نے ٹوکا تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر سر نفی میں ہلا گئی۔ ولید کے رویے پر اس کا دل بجھ گیا تھا۔
''ولید اس رشتے کے بعد بھی اتنا نارمل کیوں ہے؟'' یہ سوال اس کے اندر سر پٹخنے لگا تھا۔
''نہیں ابھی موڈ نہیں میں بعد میں کرلوں گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹی۔
''بعد میں کب؟ بارہ تو بج رہے ہیں پھر تو لنچ ٹائم ہوگا۔'' ولید نے کہا تو روشی بھی منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی تھی۔
''آ جاؤ ابھی تو ہمارے ساتھ کرلو گی بعد میں ادھر ادھر کے کاموں میں لگ گئی تو سب گول ہو جائے گا۔'' روشی نے بھی کہا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ بستر پر آ بیٹھی تھی۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ خاموش ہی تھی جبکہ ولید اور روشی رات والے فنکشن کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔
''کیا بات ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' اسے بالکل خاموش دیکھ کر روشی نے پوچھا۔ تو ولید نے بغور دیکھا۔
''کیوں کیا ہوا ہے مجھے؟'' اس نے چونک کر سنجیدگی سے روشی کو دیکھا۔
''بہت خاموش ہو نا؟''
''تو پھر؟'' اپنے لیے کپ میں چائے ڈالتے اس نے کہا تو روشی نے الجھ کر ولید کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گیا۔
''ویسے ہی پوچھ رہی ہوں، صبح صبح مزاج برہم کیوں ہے۔''
''کوئی برہم نہیں ہے مزاج میرا۔'' سنجیدگی سے کہہ کر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''کسی اور چیز کی ضرورت ہے کیا؟'' دونوں سے پوچھا تو روشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں۔''
''میں چلتی ہوں ماما کوئی کام بھی کہہ رہی تھیں۔ ناشتا کرلو تو صغراں آ کر برتن لے جائے گی۔ تم خود کچن میں نہیں آنا، اوکے۔'' وہ روشی کو کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔
ماما کے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ باہر لان کی طرف نکل آئی رات کی تقریب کا پھیلاوا ابھی بھی برقرار تھا۔ وہ ایک طرف کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے اندر ایک دم بہت حبس سا ہونے لگا تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔
''ولید کیا مجھے ناپسند کرتا ہے۔'' اس کے اندر سوالات کی ایک یلغار تھی۔
''ولید کا رویہ ایسا کیوں ہے؟'' اس کی آنکھوں میں ایک دم پانی سمٹ آیا تھا۔ ''وہ اس رشتے کو ویسے کیوں نہیں لے رہا جیسے میں لے رہی ہوں۔ کیا ماموں نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے اگر ایسی بات ہوتی تو روشی مجھے بتاتی تو سہی۔''

غزل

ڈوبے چاند کا منظر نہیں دیکھا جاتا
ہم سے آنکھوں کا سمندر نہیں دیکھا جاتا
چاروں اطراف میں پھیلی ہوئی ویرانی ہے
اجڑا اجڑا سایۂ اب گھر نہیں دیکھا جاتا
ہم نے ہر موڑ پر مانگی ہے محبت تم سے
تیرے ہاتھوں میں پتھر نہیں دیکھا جاتا
کسی معصوم کی آنکھوں سے چھلکتے آنسو
کسی مفلس کا مقدر نہیں دیکھا جاتا
حاکم وقت سے سمجھوتہ میں کیسے کروں
دل میں اترا ہوا خنجر نہیں دیکھا جاتا
کہیں امید کی شمع ہی نہ بجھ جائے حکیم
اب تو آنکھوں سے کھلا در نہیں دیکھا جاتا

حکیم خان حکیم...... کامل پور موسیٰ

سوچوں و اوہام کا ایک طوفان تھا جو امڈتا چلا آ رہا تھا اس نے سر تھام لیا۔
''کیا یہ خوشی، یہ لمحے صرف وقتی تھے کیا مجھے خوش ہونے کا کوئی حق نہیں۔'' ہاتھ میں پہنی ہوئی رنگ کو دیکھتے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔
''ولید کا رویہ ایسا کیوں ہے میں روشی سے ضرور پوچھوں گی۔ ورنہ یہ زبردستی کا تعلق مجھے قبول نہیں۔'' رخساروں پر پھیل آنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے دل میں ارادہ باندھا تھا۔

❁......❁......❁

وہ ابھی آفس سے لوٹی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ کپڑے چینج کر رہی تھی جب ثریا بیگم کی آواز آئی۔
''رابعہ تمہاری مہمان آئی ہے۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو برآمدے میں پلاسٹک کی رکھی کرسیوں پر امی اور بھابی کے ساتھ وہ عادلہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔
''آپ؟'' وہ حیرت سے گنگ ہوئی۔
''ہیلو کیسی ہو؟'' عادلہ بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم کشیدہ ہو گئے تھے۔
''جی فرمایئے۔'' اس کے لہجے میں بھی تلخی تھی۔ جبکہ امی اور بھابی عادلہ کی ظاہری شخصیت اور ماڈ اسٹائل دیکھ کر متاثر ہو چکی تھیں۔
''رابعہ ان کو اندر بیٹھک میں لے جاؤ میں کچھ پینے کو بھیجتی ہوں۔'' بھابی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ قصداً مسکرائی۔
''ہاں کیوں نہیں، ہم ادھر ہی چل کر بیٹھتے ہیں۔'' عادلہ نے بھی اٹھتے ہوئے کہا تو مجبوراً اسے عادلہ کی بیٹھک تک رہنمائی کرنا پڑی۔
''جی فرمایئے کیسے آنے کی زحمت کی؟'' عادلہ ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھ چکی تھی جبکہ رابعہ کے تاثرات ناخوشگوار تھے۔

”تم بیٹھوگی تو ہم بات بھی کریں گے اور فرمائیں گے بھی کیا خیال ہے۔“ عادلہ نے کہا تو اس نے اسے دیکھا۔

”میرے اور آپ کے درمیان ایسے کوئی خاص تعلقات نہیں کہ آپ میرے گھر تک آنے کی زحمت گوارا کریں اور نہ ہی دوستی جیسا تعلق ہے کہ میں دوست سمجھ کر گفت وشنید شروع کروں آپ اپنے آنے کا مقصد واضح کریں پلیز۔“ رابعہ کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔ عادلہ نے اسے گھورا۔

”سوچ لو مجھ سے بات کرو گی تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا؟“ اس نے کہا تو رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا اسے عادلہ کے تاثرات ناقابل فہم لگے۔

”بیٹھو آرام وسکون سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ عباس اور اس کی فیملی کے ساتھ ہمارے تعلقات کی خرابی کا سبب تم نہیں جانتی۔ تم اس کے آفس میں ایک اہم پوسٹ پر ہو اس سے پہلے ہماری جو بھی ملاقات ہوئی میں اپنے ان تمام رویوں پر شرمندہ ہوں اس لیے تم سے معافی مانگنے آئی ہوں ان کے آفس آتی تو اچھا نہ لگتا سو کسی نہ کسی طرح تمہارے گھر تک تمہارا پیچھا کرتے مجھے یہاں تک آنا پڑا۔“ عادلہ کا انداز ایسا تھا کہ وہ ازحد حیران ہوئی۔

”آپ بھلا مجھ سے کیوں معافی مانگ رہی ہیں؟“ وہ مشکوک ہوئی۔

”میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں بس اتفاقیہ طور پر عباس کا غصہ تم پر نکالتی رہی اصل میں تم نہیں جانتی کہ عباس لوگوں کی فیملی کیسی ہے۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے اور اب مجبوراً مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا اپنا بیٹا چھوڑنا پڑا‘ بھلا کون عورت اپنا بسا بسایا گھر چھوڑتی ہے اور وہ لوگ اتنے ظالم ہیں کہ مجھ سے میرے چند سال کے چھوٹے سے بیٹے کو بھی نہیں ملنے دیتے۔ ترس گئی ہوں میں اس کی شکل دیکھنے کو۔“ عادلہ اب رونا شروع ہوگئی تھی۔ رابعہ جو مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک دم گھبرا کر آگے بڑھی۔

”پلیز آپ روئیں نہیں۔“ اس کا دل ایک دم پگھلا تھا۔

”مگر لگتا تو نہیں کہ وہ لوگ ایسے ہیں ورکرز تک کو بہت عزت دیتے ہیں اور ہادیہ جو میری دوست ہے وہ تو کچھ اور ہی بتاتی ہے۔“ وہ عادلہ کی باتوں اور رونے سے الجھ گئی تھی۔

”دکھاوا ہے ان لوگوں کا دنیا کے سامنے اپنی واہ واہ بنا رکھی ہے مگر اندر کی کہانی تو صرف میں جانتی ہوں اور وہ عباس وہ مجھے طلاق تک دینے کو تیار نہیں۔ اتنا ظالم اور دقیانوس ہے ان کا گھرانہ کہ حد نہیں۔ مگر مجھے تو صرف اپنے بیٹے کی پروا ہے تم کو شاید علم نہیں مگر ان لوگوں نے میرے بھائی کو بھی جیل میں بند کروادیا ہے۔ ان کا ایک بھائی پولیس آفیسر ہے تو اس لیے ضمانت بھی نہیں ہونے دے رہے یہ لوگ۔“ عادلہ روتے ہوئے مزید بتا رہی تھی رابعہ حیرت سے سن رہی تھی۔

”مگر ہادیہ تو کچھ اور کہتی ہے؟“

”ہادیہ کو کیا پتا‘ اصل میں ہادیہ کے والدین کی ان لوگوں سے اچھی خاصی سلام دعا ہے تو اس لیے یہ لوگ ان کے خلاف بولتے نہیں۔ ویسے بھی باہر کی دنیا میں ان لوگوں نے میرے بارے میں نجانے کیا کیا کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں۔“ عادلہ نے مزید بتایا۔

”آپ کے بھائی کو ان لوگوں نے کیوں جیل میں بند کروایا ہے۔“ رابعہ نے پوچھا۔

”یہ لوگ مجھے میرے بیٹے سے ملنے نہیں دیتے میرا رونا اور میری بربادی میرے بھائی سے برداشت نہ ہوئی تو وہ ان لوگوں کے ہاں چلا گیا وہاں ان لوگوں سے تلخ کلامی ہوگئی اور میرا بھائی ٹھہرا جذباتی ان کی خواتین سے کچھ بدتمیزی کر ڈالی بس اسی بات کو بنیاد بنا کر جھوٹی واردات کا کیس بنا کر جیل میں بند کرڈالا۔“ عادلہ ایک بار پھر رونا شروع ہوگئی تھی۔

”آپ لوگوں کی اتنی اپروچ ہے ایک وسیع بزنس ہے کوئی چھوٹی موٹی فیملی تو آپ لوگوں بھی نہیں پھر ان لوگوں کے

رانی خان

آنچل کی تمام ریڈرز اور اسٹاف کو مجھ tوں بھرا اسلام قبول ہو‘ عابدولت کو رانی خان کہتے ہیں۔ 13 فروری 1996ء کو پیارے سے گاؤں چھتروہ میں اپنے ماں باپ کے آنگن میں مسکراہٹیں بکھیرنے کے لیے پیدا ہوئی۔ اس لحاظ سے میرا اسٹار دلو ہے اسٹار پر کچھ خاص یقین نہیں ہے۔ میں 10th کی اسٹوڈنٹ ہوں آنچل سے دوستی کو تقریباً دو سال ہوگئے ہیں‘ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور میں سیکنڈ لاسٹ ہوں۔ سوفی خان اور ارتقی غزل میری بیسٹ فرینڈز ہیں میں اپنی ہر بات ان دونوں سے شیئر کرتی ہوں۔ میری دو سسٹرز کی شادی ہوچکی ہے۔ ایک سویٹ اور کیوٹ سی بھانجی زہرہ خرم بھی ہے۔ میرا پسندیدہ کلر پنک‘ گرین‘ بلیو ہے‘ کھانے میں بریانی اور آئس کریم شوق سے کھاتی ہوں۔ لباس میں ساڑھی بہت پسند ہے (جو کہ ابھی تک نہیں پہنی‘ ہاہاہا)۔ لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ بھی موسٹ فیورٹ ہیں۔ پرفیوم میں سے ہیوک فار آوے اور بلیو لیڈی پسند ہے۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے۔ میرے فیورٹ ٹیچر سر فیصل ہیں‘ شاعری جنون کی حد تک پسند ہے۔ او ہو اپنی خوبیاں اور خامیاں بھی آپ کی نظروں سے گزارتی چلوں تو جناب خامی تو یہ ہے کہ غصہ بہت آتا ہے‘ پاک پروردگار کا شکر ہے کہ غصے پر کنٹرول کرلیتی ہوں۔ میری بہترین خوبی یہ ہے کہ میں ہر وقت مسکراتی رہتی ہوں‘ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ دوسروں پر بہت جلدی یقین کرلیتی ہوں (اس کو آپ خوبی یا خامی کہہ سکتے ہیں) جس کا کئی بار نقصان بھی اٹھانا پڑا‘ میں اللہ پاک سے ہمیشہ دعا کرتی ہوں کہ میری فرینڈز اور سسٹر کو زندگی کی ہر خوشی عطا کرے‘ ان کی دلی خواہشات کو پورا فرمائے۔ اس کے علاوہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آنچل کو مزید ترقی کی راہوں پر گامزن کرے۔ اس کے ساتھ ہی آنچل کے اسٹاف اور تمام ریڈرز کو بھی خوشیاں عطا کرے‘ اللہ نگہبان۔

خلاف کیس کیوں نہیں کرتے؟“ رابعہ اس کی باتوں پر یقین کرتے فوراً ایمان لے آئی تھی۔

”بس میرے بابا بہت شریف انسان ہیں ان لوگوں کی خاندانی پوزیشن دیکھتے ان لوگوں سے الجھنے سے ڈرتے ہیں بلکہ اب میں عدالت میں خلع کا کیس دائر کروانے کا سوچ رہی ہوں ساتھ میں اپنے بیٹے کو اپنی تحویل میں لینے کا بھی۔“

”اوہ......“ عادلہ کے بتانے پر رابعہ نے سر ہلایا۔

”اچھا میں امید رکھوں نا کہ تم مجھے معاف کرچکی ہو۔“ عادلہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے پوچھ رہی تھی رابعہ مسکرادی۔

”جو بھی ہوا غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا آپ نے بھی کون سا جان بوجھ کر ایسا کہا کوئی بات نہیں؟“ وہ فوراً دل صاف کرگئی تھی عادلہ مسکرادی۔

”شکریہ بہت بہت۔ ورنہ مجھے اپنی یہ زیادتی بہت شرمندہ کرتی رہی ہے۔“

”کوئی بات نہیں ہوجاتا ہے ایسا اکثر۔“ رابعہ نے کہا۔

”اچھا آپ بیٹھیں میں ذرا آپ کے لیے کچھ کھانے پینے کو لے آتی ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ عادلہ نے بہت پرسوچ نظروں سے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔

”شکر ہے یہ مسئلہ تو حل ہوا دیکھنا عباس اب کیسے تمہیں میں مزہ چکھاتی ہوں۔“ چہرے پر ایک دم مکروہ مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔

❀......❀......❀

www.paksociety.com

کل سے بابا صاحب کی طبیعت پھر خراب تھی۔ وہی خوابوں کا سلسلہ۔ تابندہ بوا ان کے کمرے میں آئیں تو وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے پشت دروازے کی طرف تھی۔ تابندہ بوا نے دستک دی تو ان کے ہاتھ میں پکڑی تصویر نیچے گر گئی تھی انہوں نے سر گھما کر تابندہ بوا کو دیکھا اور پھر تصویر گود میں رکھی کتاب میں رکھ دی۔

"اب کیسی طبیعت ہے بابا صاحب۔" تابندہ اندر آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹے۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"شاہزیب بھائی کا فون آیا تھا ابھی وہ آپ کی طبیعت کے بارے میں بہت پریشان ہو رہے تھے۔" تابندہ نے بتایا۔

"ہاں مجھے بھی کال کی تھی کچھ دیر پہلے۔"

"تو پھر آپ ان کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟" تابندہ نے کہا۔

"اس عمر میں اس حویلی کو چھوڑ کر وہاں شہر میں جا کر مرنا نہیں چاہتا۔" انہوں نے ہمیشہ والی بات کہی تھی۔

"اچھی امید رکھنا چاہیے۔ آپ کو وہاں وہ علاج کے لیے بلا رہے ہیں اور آپ کے باقی بیٹے بھی تو آپ کو کئی بار بلا چکے ہیں۔ آپ سبھی کو انکار کر دیتے ہیں۔"

"میرا مرض اب لاعلاج ہو چکا ہے۔ اس کا کسی کے پاس اب کوئی بھی علاج نہیں۔ وہ سب چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس جاؤں علاج کراؤں مگر اب دل نہیں مانتا۔" تابندہ بوا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آپ کے خوابوں کا یہ سلسلہ اب کچھ زیادہ ہی بڑھتا جا رہا ہے اب۔ کسی اچھے سے سائیکاٹرسٹ سے ملنے کی اشد ضرورت ہے۔ ضروری نہیں کہ سائیکاٹرسٹ کے پاس صرف پاگل لوگ ہی جاتے ہیں اندر سے ہم سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے ایک مرض موجود ہے اور یہ لوگ تو بس ذہن میں الجھی ہوئی گرہیں کھولتے ہیں ہماری ذات کے بند دروازوں میں موجود گرد صاف کرتے ہیں۔ کچھ دوا دیتے ہیں اور کچھ دعا کام آتی ہے کہ اندر کی بند کھڑکیوں سے گرد صاف ہونے لگتی ہے۔" تابندہ بوا نے بڑے آرام و سکون سے کہا تو وہ مسکرائے۔

"سب اپنی جگہ درست ہے مگر میں خود ہی کسی ایسے ماہر کی مدد لینا نہیں چاہتا۔ میرے ذہن کی گرہوں کا تعلق کسی بھی ذہنی مرض سے نہیں بلکہ اپنے گناہوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرے پروردگار نے جس دن مجھے معاف کر دیا اسی دن یہ خوابوں کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا شاید۔ میں تو صرف معافی کی امید پر جی رہا ہوں۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

تابندہ بوا نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ ان کا جی چاہا کہ ان سے صاف کہہ دیں کہ وہ ایک بار ان پر اعتبار کریں وہ ان کے ہر خواب کا سبب بتائیں گی پھر...... مگر انہوں نے لب سختی سے دانتوں تلے دبائے رکھے کہ مبادا جذبات میں آ کر کچھ کہہ دیں اور پھر ساری عمر کی محنت اکارت جائے گی۔

"شہوار بیٹی کیسی ہے بات ہوئی اس سے؟" انہوں نے پوچھا تو تابندہ بوا نے گہرا سانس لیا۔

"جی اس سے بھی آج بات ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خفا اور ناراض، مگر اللہ کا شکر ہے کہ کالج جا رہی ہے اور ہاں یاد آیا نواز بھائی کی بیٹی دریہ پاکستان آئی ہوئی ہے شاہزیب بھائی کے ہاں ٹھہری ہوئی ہے۔"

"ہاں شاہزیب نے آج مجھے بتایا تھا کہہ رہا تھا کہ چند دن میں کچھ وقت نکال کر وہ دریہ اور شہوار کو لے کر آئے گا شہوار بھی تم سے مل لے گی اور دریہ بھی ہم سے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

موسمِ بہار	روشنیوں کے شہر میں اترا
بہار کا موسم تھا	اور میرا ہاتھ تھام کر بولا
ہواؤں کا شور تھا	آؤ چلیں وِش کرنے پھولوں کے ہمراہ
اک شرارتی جھونکے نے	کہ آج تو ہے آنچل کی سالگرہ
میرے کان میں سرگوشی کی	میں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر کہا
سنو......!	آئی لو یو میرے آنچل، میرے ساتھیا!
آج تو ہے آنچل کی سالگرہ	مبارک ہو تجھے نئے سال کی سالگرہ
رات اپنے جوبن پر تھی	حافظ فوزیہ سلیم......چیچہ وطنی
چاند ستارے اور کہکشاں کا اک قافلہ	

"شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح میں شہر سے مصطفیٰ کے کچھ مہمان آئے تھے ان میں ایک لڑکا تھا ولید...... اسے دیکھ کر بڑی اپنائیت کا احساس ہوا تم ان لوگوں سے ملی تھیں کیا؟" بابا صاحب کے ذہن میں ابھی بھی ایک تشبیہ تھی جو روز انہیں سونے سے جگا دیتی تھی انہوں نے تابندہ سے پوچھا۔

"نہیں، میرا ان مہمانوں سے ملنا نہیں ہوا۔ ہاں لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ وہ بھی سرسری بس آتے جاتے نظر پڑ گئی تھی۔ شہوار کی دوست انا بھی ان میں سے ایک اور دوسری اس کی کوئی کزن تھی۔ بس انا کو نکاح کے وقت دیکھا تھا دوسری بچی کو کم ہی دیکھا۔ صرف ایک بار وہ بھی میں کافی مصروف تھی کہ باقاعدہ ان لوگوں سے تعارف نہ ہو سکا اور لڑکے دونوں باہر کی طرف ہی رہے نکاح کے وقت اندر آئے تھے مگر میں شہوار کے پاس تھی تب۔" تابندہ بوا نے تفصیل سے بتایا۔

"ہوں میری ان دونوں لڑکوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ اچھے خاندان کے تھے۔ دونوں لڑکے اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔"

"مصطفیٰ کے دوست بھی تھے اور لڑکی انا کی دوست تھی۔ اتفاقاً دونوں کو یہیں آ کر پتا چلا تھا لائبہ نے مجھے بتایا تھا کہ شہوار نے تو نکاح پر انا کو نہیں بلایا تھا وہ لوگ مصطفیٰ کی طرف سے ہی آئے تھے۔"

"ہوں، بڑا دل چاہتا ہے کہ میں ان دونوں بچوں سے دوبارہ ملوں؟" بابا صاحب نے کہا تو تابندہ بوا نے حیران ہو کر دیکھا۔ ان کے لہجے میں حسرت بھی تھی۔

"یہ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ شہوار بتا رہی تھی کہ ان میں سے ایک کی شادی ہو رہی ہے۔ کل وہ لائبہ اور مصطفیٰ کے ساتھ ان کے ہاں گئی ہوئی تھی صبح بارات ہے ان کی۔"

"اچھا، مصطفیٰ سے بھی کافی دن ہو گئے ہیں کوئی بات نہیں ہوئی۔ اچھا تابندہ بیٹا ایک کام کرنا تم صبح شہر فون کر کے شاہزیب کو کہنا کہ وہ مجھے کال کرے۔"

"جی کہہ دوں گی۔" بابا صاحب کے کہنے پر انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

"اور شاہزیب مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا بھی کہہ رہا تھا۔" بابا صاحب نے کہا تو تابندہ بوا نے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ بات تو ان سے بھی کی تھی انہوں نے مگر وہ شہوار کے مزاج کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ کیا کریں۔

"میری اپنی خواہش ہے کہ جلد از جلد اس ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں مگر شہوار کی تعلیم کو بھی دیکھنا ہے مجھے۔" انہوں نے کہا تو بابا صاحب نے سر ہلا دیا۔

www.paksociety.com

"تعلیم تو ساتھ ساتھ بھی چلتی رہے گی۔ شاہزیب کی خواہش ہے کہ نکاح ہو چکا ہے اب معاملے کو لٹکانا نہیں چاہیے بس رخصتی کردیں۔ پڑھائی تو ساتھ ساتھ ہوتی رہے گی۔ مصطفیٰ سمجھدار بچہ ہے وہ تعلیم کی اہمیت جانتا ہے انکار نہیں کرے گا۔"

"چلیں میں شہوار سے بات کروں گی دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہے؟"

"ہاں بات کرلیں پھر میں شاہزیب کو ہاں کہہ دوں گا۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

"میں اب نماز پڑھ لوں۔" بابا صاحب اپنے دھیان سے اٹھے تو گود میں رکھی کتاب نیچے قالین پر گرگئی اور کتاب میں رکھی تصویر تابندہ بوا کے قدموں میں گری تھی۔ تصویر الٹی گری تھی۔ بابا صاحب ساکت سے ہوگئے تھے انہوں نے ابھی تصویر اٹھانے کے لیے جھکنا ہی چاہا تھا کہ تابندہ بوا نے تصویر اٹھالی تھی۔ ابھی وہ تصویر کا رخ اپنی طرف کررہی تھیں کہ بابا صاحب نے ہاتھ بڑھادیا تھا۔

"یہ مجھے دے دیں آپ کے کام کی نہیں ہے۔" ان کا انداز تیزی لیے ہوئے تھا۔ تابندہ بوا نے تصویر کو دیکھا اور پھر بابا صاحب کو۔

انہوں نے تصویر بابا صاحب کو تھمادی تھی اور پھر کتاب بھی انہوں نے تصویر کتاب میں رکھ دی تھی۔ تابندہ بوا نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سوچ کر چپ ہوگئیں۔

"میں بھی نماز پڑھ لوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

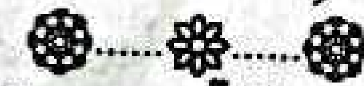
"تابندہ آپ ایسا کرنا کہ شاہزیب کو فون پر اطلاع دے دیں کہ میں صبح ڈرائیور کے ساتھ شہر آرہا ہوں۔ مجھے وہاں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا سو مجھے مجبور نہ کرے ہاں بس ملنے جاؤں گا۔" تابندہ بوا نے حیران ہوکر ان کے فوری فیصلے کو سنا۔

"اس قدر اچانک فیصلے کی کوئی خاص وجہ؟" وہ حیران تھیں کہ کہاں وہ جانے پر ہی راضی نہ تھے اور اب وہ فوری طور پر جانے کے لیے تیار تھے۔

"نہیں بس میں موسم کی تبدیلی دیکھنے جارہا ہوں۔ پھر زمین وغیرہ کے سلسلے میں شاہزیب سے کچھ بات چیت بھی کرنا ہے آپ بھی چلو گی ہمارے ساتھ؟" انہوں نے بتا کر پوچھا۔

"اگر ہم دونوں ہی چلے گئے تو پھر حویلی کی خیر خبر کون رکھے گا آپ چلیں جائیں میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" بابا صاحب سر ہلا کر آگے بڑھ گئے تھے۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی اس نے سجاد بھائی سے بات کی تھی وہ اسے انا کے ہاں لے آئے تھے۔ وہ صبح نو بجے کی آئی تھی وہ سارا وقت روشی اور انا کے ساتھ رہی تھی۔ انا کے مہندی والے دن اس کے نہ آنے کے سارے گلے شکوے ختم ہوگئے تھے۔

اس کے علاوہ اسے انا کے ساتھ باتیں کرنے کا کافی موقع ملا تھا۔ تین بجے کے قریب انا اور روشی نے پارلر جانا تھا وہیں سے ان دونوں نے میرج ہال جانا تھا پارلر جاتے ہوئے انا نے اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا وہ منع کرتی رہی تھی مگر اس نے اس کی نہ چلنے دی اور اس وقت وہ انا کی فرمائش پر پارٹی میک اپ کروا رہی تھی۔ جبکہ انا سر پر موجود بیوٹیشن کو مسلسل ہدایات دے رہی تھی۔ آف وائٹ فراک اور پاجامہ فراک کے گلے پر بہت خوب صورت کام بنا ہوا تھا اسی مناسبت

خوب صورت باتیں

- جب آدم کی اولاد سے حیا، مروت وخلوص اور پاکی اٹھ جائے تو وہ انسان کی بجائے صرف مٹی ہی رہ جاتے ہیں اور بھلا مٹی سے امیدیں کیسی؟
- رشتے اور سودے میں بہت فرق ہے، رشتے قائم کیے جاتے ہیں اور سودے طے کیے جاتے ہیں۔

رمنا رانا، ثمرہ فرید، امتل الحفیظ...... فیصل آباد

قیمتی موتی

- اگر آنکھیں راستوں کے مناظر میں نہ الجھیں تو منزل پر پہنچ کر تھکی ہوئی نہیں ہوتیں۔
- کسی انسان کو دکھ دینا اتنا آسان ہے جتنا سمندر میں پتھر پھینکنا مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ پتھر کتنی گہرائی میں گیا ہوگا۔
- کسی بھی چیز کو باہر ڈھونڈنے سے بہتر ہوتا ہے کہ بندہ پہلے اپنے اندر کی تلاشی لے جو باہر نہیں مل رہا وہ اپنے اندر ضرور مل جاتا ہے۔
- ہمارے دلوں میں اتنی تھوڑی جگہ کیوں ہے کہ ہم تمام رشتوں سے ایک جیسی محبت نہیں کرتے۔

ذشے شاہ زشی...... مری

سے جیولری اور میک اپ تھا بیوٹیشن نے اسے تیار کردیا بالوں کو ہیئر بینڈ سے جکڑ کر پیچھے سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

"ماشاء اللہ، بہت پیاری لگ رہی ہو؟" انا نے کہا تو وہ جھینپ گئی۔ وہ تیار ہوکر ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ اب انا میک اپ کروا رہی تھی۔ دوسری طرف بیوٹیشن روشی کو تیار کررہی تھی۔ انا کا بلیک لباس تھا۔

"مصطفیٰ بھائی آرہے ہیں کیا؟" میک اپ کرواتے انا نے پوچھا۔

"پتا نہیں، جب میں گھر سے نکلی تھی مصطفیٰ آفس جاچکا تھا۔ میں نے آنٹی سے ادھر آنے کی بات کی تھی تو انہوں نے سجاد بھائی کے ساتھ بھجوادیا تھا۔"

"ہوں......" باقی کا کام دونوں نے خاموشی سے کروایا تھا۔ وہ تقریباً سات بجے تک فارغ تھیں۔

انا نے گھر فون کرکے ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا تھا ان لوگوں نے اب سیدھا میرج ہال ہی پہنچنا تھا۔ آٹھ بجے بارات آجانی تھی۔ ان کی گاڑی آگئی تھی۔ وہ دونوں روشی کو سہارا دے کر باہر لائیں تو وہاں ڈرائیور کی جگہ ولید کو دیکھ کر انا رکی تھی۔

نجانے کیوں ولید کے رویے کو لے کر وہ اس قدر جذباتی ہورہی تھی کہ نجانے کیسے اس سارے فنکشن میں خود کو سنبھال پارہی تھی۔ اس وقت بھی وہ لب بھینچ کر خود کو سنبھال گئی تھی۔ شہوار اور روشی سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"تم آگے چلی جاؤ۔" روشی نے کہا تو انا خاموشی سے دروازہ بند کرتے فرنٹ سیٹ کا ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ ولید نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔

"ڈرائیور کہاں تھا؟" کچھ توقف کے بعد انا نے ولید سے پوچھا۔

"کیوں خیریت؟" ولید نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ تھے۔

"میں نے ماما کو ڈرائیور کو بھیجنے کا کہا تھا۔"

"تمہیں میرا آنا ناگوار گزر رہا ہے یا پھر ڈرائیور کے نہ آنے کا غصہ ہے۔" ولید نے مدہم لہجے میں پوچھا تو وہ چونکی

اور پھر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

”مجھے کسی بھی بات کا غصہ نہیں۔“ وہ کھڑکی کی طرف چہرہ موڑ گئی تھی۔

”مگر لگ تو نہیں رہا تمہارے چہرے کے تیور دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے تم میرا سر پھاڑنے کو تیار بیٹھی ہو بالکل۔“ ولید کے الفاظ پر انا نے گھور کر اسے دیکھا۔

”اتنی غیر مہذب نہیں ہوں۔“

”یعنی مان رہی ہو کہ دل چاہ رہا ہے سر پھاڑنے کو۔“ ولید نے کہا تو وہ گھور کر شہوار کو دیکھنے لگی جو روشی کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھی۔ دونوں کا اس کی طرف کوئی دھیان نہ تھا یا پھر شاید جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔

”مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں کیا؟“ شہوار کسی بات پر مسکرائی تھی چادر کے پلو سے چھلکتا اس کا روشن چہرہ دیکھتے انا نے پوچھا۔

”نہیں ابھی تک تو میرج ہال میں نہیں دیکھا اس کو۔“

”فون کر کے پتا کر لیتے۔“

”کر رہا تھا فون۔ وہ ڈیوٹی پر تھا اس کے بعد اس نے گھر جانا تھا اور پھر ہال میں پہنچنا تھا۔“

”مگر شہوار تو صبح ہی سے آ گئی تھی۔“

”آ جاتا ہے وہ بھی۔“

”وہ اکیلے ہوں گے یا ان کی فیملی میں سے کوئی اور بھی ہوگا۔“

”یہ تو اس کی آمد کے بعد ہی علم ہوگا۔“ ولید نے کندھے اچکا دیے تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”موڈ کیوں خراب ہے تمہارا؟“ کچھ توقف کے بعد ولید نے پوچھا تو وہ چونکی۔

”میرا موڈ خراب نہیں ہے۔“ اس نے فوراً تردید کی۔

”تو پھر خفا ہو کسی بات کو لے کر۔“ ولید کی ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی انا نے اس کو دیکھا اس نے بھی چہرہ موڑ کر دیکھا اور پھر مسکرا دیا انا کے اندر ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس سارے عرصے میں یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اسے صرف اور صرف اپنے لیے محسوس ہوئی تھی۔

”اگر میں کہوں ہاں تو؟“ اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

”تو پھر وجہ بھی بتا دو کہ کس بات سے خفا ہو اور کس لیے؟“ ولید کی بات پر اس کے دل میں موجود خوشگوار تاثرات پھر راکھ کا ڈھیر بننے لگے۔

”میں خفا نہیں ہوں کسی سے بھی۔“ وہ خفگی سے کہہ کر پھر چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ گئی تھی۔

”کبھی کبھی تمہارا رویہ بڑا بچکانہ سا لگتا ہے۔“ ولید نے کہا تو اس نے پلٹ کر ولید کو دیکھا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ کافی ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت سمیت۔

انا کا دل ایک بار پھر اس کی طرف جھکنے لگا۔ دل میں موجود سارے گلے شکوؤں کے باوجود وہ اس سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ اسے اپنی یہ کمزوری اس وقت شدت سے محسوس ہوئی۔

”آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔“ شکوہ اس کے لبوں پہ آ ٹھہرا۔ ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ دونوں ہاتھوں کو مسلتے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کبھی کبھی ہماری ججمنٹ غلط بھی ہو جاتی ہے اور جو نظر آ رہا ہوتا ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔ انسان کے ظاہری حلیے پہ

ثوبیہ مرزا

آنچل کے تمام رائٹرز ریڈرز کو میرا محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ مجھے ثوبیہ مرزا کہتے ہیں پیار سے سونی بھی کہتے ہیں، وزیرآباد سے تعلق ہے۔ تعلیم ایف اے ڈیٹ آف برتھ 4 اپریل ہے۔ ہم تین سسٹرز ہیں میں چھوٹی ہوں اور لاڈلی بھی۔ آپیاں میرڈ ہیں ماشاء اللہ میرے پیارے پیارے بھانجے بھانجیاں مجھے بے حد پیارے ہیں۔ حرا عبداللہ، علی حیدر، مہوش، سحرش، فضہ ہیں۔ میں اپنے بابا جان سے بے حد کلوز ہوں ہر بات شیئر کر لیتی ہوں ان سے امی سے بھی بہت پیار ہے۔ جذباتی اور حساس ہوں آنچل رائٹرز بھی اچھا لکھتی ہیں، میرا فیورٹ کلر اسکائی بلیو اور پنک ڈریس میں فراک پسند ہے۔ پھول سارے پسند ہیں کھانے میں بریانی، کریلے گوشت پسند ہیں۔ اسلام آباد میرا پسندیدہ شہر ہے۔ شاعری کی شوقین ہوں، بیسٹ فرینڈز بشریٰ باجوہ آپی، کرن وفا آپی ہیں۔ اس کے علاوہ آنچل فرینڈز سار یہ چوہدری، غزالہ راؤ، نوشین اقبال، شگفتہ خان آپی، ام فروا، بشریٰ ملک اور شہزادی سعادت ہیں۔ سنگرز میں راحت فتح علی خان، ریشماں، ہمیش ہیں۔ پُرخلوص سادہ لوگ پسند ہیں۔ مشغلہ مطالعہ کرنا، ایف ایم سننا، شاعری کرنا ہے۔ گھر کے سارے کاموں میں طاق ہوں (آہم) میرے ابو بھی پڑھنے کے بے حد شوقین ہیں۔ شاہ بھائی میرے بھیا ہیں اور مجھے بے حد عزیز ہیں۔ میری ڈھیروں دعائیں آنچل کے لیے مختصر سا تعارف کیسا لگا ضرور بتائیے گا، اللہ حافظ۔

مت جاؤ کبھی اندر کو بھی پڑھنے کی کوشش کرنا بہت سی گتھیاں سلجھنے لگیں گی۔“

”مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔“ وہ الجھ گئی تھی۔

”اچھا چھوڑو، تم یہ بتاؤ کہ تم میرج ہال سے گھر جاؤ گی بارات کے ساتھ آؤ گی یا پھر ادھر ہی رکو گی۔“

”آپ گھر جائیں گے۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں۔ میں بابا کے ساتھ ریسپشن پر بارات کا انتظار کروں گا۔“

”ٹھیک ہے میں روشی کو وہاں چھوڑ کر گھر چلی جاؤں گی ویسے بھی اب روشی کے پاس شہوار تو ہے نا۔“

”جاؤ گی کس کے ساتھ؟“

”کیوں ڈرائیور مہمانوں کو چھوڑنے نہیں آ رہا کیا؟“

”وہ دو چکر تو لگا چکا ہے اب وہ آتا ہے کہ نہیں کنفرم نہیں اب باقی کے لوگ بارات کے ساتھ ہی آئیں گے۔“

”اوہ! پھر میں ادھر ہی رک جاتی ہوں بارات کا استقبال کے لیے خواتین کا بھی تو ہونا لازمی ہے۔“ وہاں ماما کے ساتھ کافی لوگ ہوں گے ماما ارینج کر لیں گی۔“ اس نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

”او کے جیسے تمہاری مرضی، ویسے اگر گھر جانے کا موڈ ہے تو میں چھوڑ آتا ہوں۔“ ولید نے آفر کی۔

”نہیں پھر آپ کو آنے جانے میں پریشانی ہوگی بس اب ادھر ہی رکوں گی۔“

”او کے...... ایزیو وش۔“ میرج ہال آ چکا تھا ولید نے ان کو مین گیٹ پر اتار کر گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر دی۔



بارات اپنے وقت پر آئی تھی مصطفیٰ بارات کے ساتھ ہی آیا تھا۔ مصطفیٰ کے ساتھ سجاد بھائی، مہر النساء بیگم، لائبہ بھابی اور دریہ بھی تھی۔

”یہ دریہ کیا چیز ہے۔“ نکاح اور کھانے کے بعد انا برائیڈل روم میں آئی تو روشی بھابی اور ماں جی کے ساتھ دریہ کو دیکھ کر اس کے کان میں بولی تھی۔ ”تم خود ہی پوچھ لو اچھی طرح بتا دے گی کہ وہ کیا چیز ہے۔“ شہوار نے

کہا تو انا ہنس دی۔
"ویسے ماں جی اور بھابی بہت نائس ہیں۔" ماں جی روشی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ ماں جی نے روشی کو ایک بہت ہی خوب صورت بریسلٹ گفٹ کیا تھا۔ بھابی نے رقم دی تھی۔
"یہ کافی تیز لڑکی ہے نا؟" وہ دوبارہ دریہ کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔
"توبہ کرو ابھی دوسرا دن ہوا ہے اسے ادھر آئے اور تم سے تو پہلی بار مل رہی ہے اور تم اس کے بارے میں ایک رائے بھی قائم کر چکی ہو۔"
"پہلی نظر میں ہی علم ہو رہا ہے کہ کس مزاج کی لڑکی ہے۔"
"چھوڑو کوئی اور بات کرو۔" اس نے ٹالا تو انا ہنس دی۔
"دھیان رکھو اس کا جب بارات آئی تھی تو یہ محترمہ مصطفیٰ بھائی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود تھیں۔"
"تو......!" اس نے سنجیدگی سے انا کو دیکھا۔
"ایسی باتیں وہاں اٹریکٹ کرتی ہیں جہاں دل میں کوئی احساس، کوئی جذبہ باقی ہے مصطفیٰ کے ساتھ اس کی فرنٹ سیٹ پر کوئی بھی بیٹھے میری بلا سے۔"
"ہیں...... یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ ولید کے ساتھ اگر میں کسی کو دیکھ لوں تو سمجھ لو وہ سارا دن میرا کڑھ کڑھ کر گزرنے والا ہوگا۔" انا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔
"ہاں اندازہ ہو رہا ہے مجھے ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ ولید بھائی سے صرف پسندیدگی ہے یا پھر سنجیدگی کے ساتھ انوالو ہو چکی ہو۔" انا نے اس کے معاملے کو کریدنا چاہا تو انا کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔
"شہوار پتا نہیں کیوں جب سے ولید کو پاکستان آنے کے بعد سے دیکھا ہے تو میں اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ ہونے سے روک ہی نہیں پائی۔ بڑی کوشش کی میں نے خود سمجھانے کی اور جب بھی ولید پر نگاہ پڑی ہر بار دل دغا دے گیا اور ولید مجھے نہیں علم کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے مگر اس کی ذرا سی بھی بے اعتنائی مجھے مار دینے کو کافی ہے۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر وہ مجھے نظر انداز کرے یہ قطعی برداشت نہیں ہوتا مجھ سے۔"
"مائی گاڈ، اتنی سیریس ہو تم، میں اب تک سمجھ رہی تھی کہ ولید سے یہ رشتہ محض تمہارے بڑوں کی مرضی سے تھا۔" شہوار حیران ہو رہی تھی۔ انا کی زبان سے یہ اقرار اس کے لیے بڑا حیرت انگیز تھا۔
"اور ولید بھائی جانتے ہیں کہ تم ان کو پسند کرتی ہو۔"
"پتا نہیں مگر اندازہ ہے کہ وہ بے خبر نہیں۔ پتا نہیں وہ اس منگنی پر کیسے راضی ہوئے مگر دو دن سے لے کر ان کے کسی بھی رویے سے نہیں لگ رہا کہ وہ اس رشتے میں میرے ساتھ موجود ہیں۔" انا کی آنکھوں میں اک نمی سی آ ٹھہری تھی۔ شہوار نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔
"ڈونٹ وری، تم اتنی پیاری ہو وہ تمہیں کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتے۔" انا مسکرا دی تھی۔
"تم لوگ بیٹھو میں باہر کا ایک چکر لگا لوں۔" وہ باہر نکل آئی تھی۔
خواتین اور مرد حضرات کے لیے بیٹھنے کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا۔ مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ہال تھے۔ وہ برائیڈل روم سے نکل کر خواتین والے ہال کی طرف آ رہی تھی کہ درمیانی رستے پر وہ ولید کو ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی دونوں آپس میں بات کر رہے تھے تبھی ولید کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ مسکرا دیا۔
"انا ادھر آؤ۔" ولید نے ہاتھ کے اشارے سے پاس بلوایا تو وہ چونک کر اس کی طرف چلی آئی تھی۔

نورین قمر

جناب مابدولت کو نورین کہتے ہیں 8 جون کو اس دنیا میں تشریف لائی (اتنی گرمی میں) ہم چھ بہنیں دو بھائی ہیں اور میرا نمبر آخری ہے (لیکن لاڈلی نہیں ہوں کسی کی) میٹرک کیا ہے اور اب ایک سال ضائع کر لیا ان شاء اللہ اگلے سال دوبارہ پڑھائی شروع کروں گی۔ کھانے میں بریانی اچھی لگتی ہے سبزی اور دال کے علاوہ سب کچھ کھا لیتی ہوں (ہے نا مزے کی بات) ریڈ کلر بہت پسند ہے۔ موسم گرمیوں کا پسند ہے ڈریس میں لانگ قمیص' چوڑی دار پاجامہ بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ جیولری میں چوڑیاں بہت اچھی لگتی ہیں دھوکے باز اور جھوٹے لوگوں سے بہت نفرت ہے۔ ہمیشہ سچ بولتی ہوں اور سچے لوگ پسند ہیں خوبیاں اور خامیاں (جی کیا بات کہہ دی) خامیاں تو بہت ہیں اور خوبیوں کے لیے چراغ لانا پڑے گا (ڈھونڈنے کے لیے) تو جی خامیاں بہت ہیں غصہ بہت آتا ہے پھر جلدی جاتا بھی نہیں۔ انا پرست بہت ہوں ضدی بہت ہوں (بس کافی ہے یار) بہت حساس ہوں کسی کو غمگین نہیں دیکھ سکتی اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ ایف ایم بہت شوق سے سنتی ہوں صرف ایف ایم 95 میں مجھے سب آر جے اچھے لگتے ہیں آر جے وقار' عمیر رانا' رباب اور نعیم بھائی بہت اچھے لگتے ہیں یار فرینڈز کی تو میں نے بات ہی نہیں کی میں زیادہ فرینڈز نہیں بناتی' اللہ کا شکر ہے جو ایک آدھ ہیں وہ بہت مخلص ہیں۔ بس بس جا رہی ہوں کیسا لگا میرا تعارف ضرور بتایئے گا' اللہ نگہبان۔

"انا یہ کاشفہ ہیں تم ایک بار پہلے بھی ان سے مل چکی ہو نا۔" ولید اس لڑکی سے اس کا تعارف کروا رہا تھا اور انا حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پٹیوں میں جکڑا وجود وہ بھلا کیونکر بھول سکتی تھی۔
تب وہ لڑکی بے ہوش تھی اور اب ہوش و حواس میں تھی۔ وہ تب بھی ہوشربا حسن کی مالک بجلیاں گرا رہی تھی اور اب بھی۔
"ہیلو۔" لڑکی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی ہاتھ ملایا۔
"اور کاشفہ یہ میری پھپھو زاد ہیں انا وقار احمد نام ہے ان کا۔" ولید مسکرا کر بتا رہا تھا انا نے چونک کر ولید کو دیکھا ولید نے دوسرا تعلق کیوں نہیں بتایا وہ الجھ گئی۔
"نائس ٹو میٹ یو۔" کاشفہ کہہ رہی تھی مجبوراً انا کو مسکرانا پڑا۔
"روشی کی شادی میں، میں نے ان کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ یہ کچھ لیٹ ہو گئی تھیں ابھی آئی ہیں تم ان کو اندر لے جاؤ اور کھانے پینے کو منگوا دینا۔" ولید اسے ہدایات دے رہا تھا تو انا نے سر ہلا دیا۔
"کیا آپ میرے ساتھ اندر نہیں آئیں گے؟" وہ ولید سے پوچھ رہی تھی۔
"سوری کاشفہ مرد حضرات کی طرف میری زیادہ ضرورت ہے، انا آپ کو بہت اچھی کمپنی دیں گی۔ بالکل بھی بور نہیں ہونے دیں گی۔ کیوں انا ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔" انا نے سر ہلا دیا تھا۔
"اوکے میں چکر لگاتا رہوں گا آپ بے فکر ہو کر اندر جائیں۔" ولید کہہ کر پلٹ گیا تھا کاشفہ نے ستائشی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا اور انا کاشفہ کو دیکھ رہی تھی۔
"آیئے میں آپ کو اپنی ماما اور باقی لوگوں سے بھی ملواتی ہوں۔" انا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اس کے ساتھ چل دی۔
"کب سے آپ کی ولید سے دوستی ہے؟" اس نے چلتے چلتے پوچھا۔
"میرا ایک بار ایکسیڈنٹ ہو گیا تو ولید نے کافی ہیلپ کی تھی بس تب سے ہی دوستی ہو گئی ہماری۔"
"ہوں۔" انا کے اندر ایک دم جیسے سناٹے سے اترے تھے۔

وہ اس کو لے جا کر باقی لوگوں سے ملوانے لگی تھی اور پھر کچھ لڑکیوں کے پاس بٹھا کر ان کو کاشفہ کو کمپنی دینے کا کہہ کر وہ واپس ہال سے نکل آئی تھی۔ اس کے اندر ایک دم شدید حبس پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں ہی برائیڈل روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب برائیڈل روم سے نکلتے ولید سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

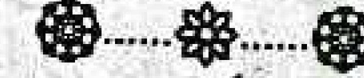
''اف......''اس نے اپنا سر تھاما تھا۔

''اوہ...... چوٹ تو نہیں لگی۔'' ولید نے پوچھا تو وہ ولید کی آواز سن کر چونکی نفی میں سر ہلا دیا۔

''کاشفہ ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ اور پوچھ رہا تھا انا کے اندر ایک شدید طوفان برپا ہوا اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' وہ اس کا چہرہ دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ انا نفی میں سر ہلاتے تیزی سے اس کی سائیڈ سے ہوتے برائیڈل روم میں گھس گئی تھی۔

''حیرت ہے اسے کیا ہوا؟'' ولید پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔



رخصتی ایک بجے کے قریب ہوئی تھی۔ ماں جی سجاد بھائی کے ساتھ جلدی چلی گئی تھیں۔ جبکہ بھابی اور دریہ رک گئی تھیں۔ انا نے مہر النساء بیگم سے شہوار کو رات اپنے ہاں ٹھہرانے کی اجازت لے لی تھی۔ کاشفہ جلدی چلی گئی تھی وہ جب تک وہاں موجود رہی تھی انا کو اپنے اندر ہول سے اٹھتے محسوس ہوتے رہے تھے۔ کاشفہ کے جاتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ دودھ پلائی کی رسم میں انا نے اپنے ساتھ شہوار کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ شہوار منع کرتی رہ گئی تھی مگر صبوحی بیگم کے اصرار پر پھر اسے آگے بڑھنا پڑا تھا۔ احسن نے دونوں کو تیس ہزار دیے تھے جو صبوحی بیگم کے اصرار پر دونوں نے بانٹ لیے تھے۔ شہوار ان لوگوں کے خلوص پر بہت حیران ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ شادی بڑی خوشگوار سی گزری تھی۔ رخصتی کے بعد یہ لوگ گھر آ گئے تھے جبکہ مصطفیٰ ہال سے ہی دریہ اور بھابی کو لے کر گھر چلا گیا تھا۔

گھر آ کر دونوں چینج کر کے روشی کے پاس لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ زیادہ تر مہمان ہال سے ہی رخصت ہو گئے تھے جو چند ایک تھے گھر آتے ہی وہ سونے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ روشی کنفیوژ تھی شہوار اس کے پاس کافی دیر تک بیٹھی اس کا دل بہلاتی رہی تھی جبکہ انا مہمانوں کے سونے کے انتظامات میں لگ گئی تھی۔ اڑھائی بجے جا کر روشی کو کمرے میں پہنچانے کا مرحلہ آیا تھا۔

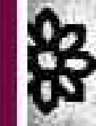
''تم میرے ساتھ ساتھ رہنا دیکھنا احسن بھائی سے کیسے نیگ نکلواتی ہوں۔'' روشی کو کمرے میں بٹھا کر وہ دروازے کے پاس جم گئی تھی۔ شہوار بے اختیار ہنس دی تھی۔

''تم پہلے ہی ان سے اتنے نکلوا چکی ہو کچھ اللہ کا خوف کرلو انہوں نے گھر سے ہی نکال دینا ہے۔'' اس نے ڈرانا چاہا۔ تبھی احسن اپنے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔

''تم ادھر کیا کر رہی ہو۔'' انا کو کمرے کے دروازے پر جمے دیکھ کر اس نے گھور کر کہا۔

''پہلے کمرے میں داخل ہونے کا نیگ نکالیں پھر اندر جانے دوں گی۔'' انا نے تقاضا کیا تھا احسن نے گھورا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا

سمیرا شریف طور

چھونے سے قبل رنگ کے پیکر پگھل گئے
مٹھی میں آ نہ پائے کہ جگنو نکل گئے
پھیلے ہوئے تھے جاگتی نیندوں کے سلسلے
آنکھیں کھلیں تو رات کے منظر بدل گئے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہوار کے لاکھ انکار کے باوجود لائبہ بھابی اور مصطفیٰ کے کہنے پر اسے مہندی کے فنکشن میں شریک ہونا پڑا یہاں آ کر اسے پتا چلا کہ انا کی منگنی ولید سے ہو رہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف مصطفیٰ بھی ولید سے خاصی برہمی کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے اسے تمام بات سے آگاہ نہیں کیا جبکہ ولید اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے اسے منا لیتا ہے۔ ولید کا لیا دیا رویہ انا کو خدشات میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ فنکشن کے ختم ہونے پر وہ سر درد کا کہہ کر وہاں سے ہٹ جاتا ہے جبکہ انا اس کے رویے کو اس کی ناپسندیدگی پر محمول کرتی ہے۔ دریہ شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح کو لے کر شدید حیرت ہوتی ہے اور وہ مصطفیٰ کے سامنے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کرتی ہے جبکہ دوسری طرف شہوار بھی اپنی تذلیل محسوس کرتے وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ دریہ کی باتوں پر مصطفیٰ شہوار کو سمجھانے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ خود ترسی کا شکار ہوتے اپنی ذات کی تضحیک پر مصطفیٰ کی ایک بھی نہیں سنتی۔ دوسری طرف مصطفیٰ بوجھل دل ہے وہاں سے پلٹ آتا ہے۔ رابعہ آفس سے لوٹتی ہے تو عادلہ کو اپنا منتظر پاتی ہے۔ وہ رابعہ کو اپنی مظلومیت کی داستان اور اپنے بچے کی علیحدگی کے قصے سنا کر اس سے اپنے غلط رویوں کی معافی مانگتی ہے۔ ساتھ ہی عباس سے خلع لینے کا ذکر بھی کرتی ہے جس پر رابعہ ان کی حقیقت جان کر شدید حیرت کا شکار ہوتی ہے اور نا صرف عادلہ کو معاف کر دیتی ہے بلکہ اس سے ہمدردی کا نرم گوشہ بھی اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف عادلہ اپنی چال میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب کے خوابوں کے متعلق تابندہ بوا انہیں سائیکاٹرسٹ سے ملنے کا مشورہ دیتی ہیں لیکن وہ ان خوابوں کو اپنے گناہوں پر محمول کر کے ٹال جاتے ہیں۔ ولید کے چہرے میں انہیں ایک خاص کشش نظر آتی ہے اور تابندہ بوا سے یہ سن کر کہ آج کل مصطفیٰ کے اس دوست کے ہاں شادی کا فنکشن ہے وہ فوراً ہی شہر جانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ روشانے اور احسن کی شادی کی تقریب میں جہاں انا خوش ہوتی ہے وہیں ولید کو کاشفہ کے ہمراہ دیکھ کر اس کا دل کسی انہونی کے خوف سے لرز اٹھتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......◉......❀

"شرم کرو دو تین دن سے تم مجھ سے ایک لاکھ تک نکلوا چکی ہو۔ ابھی تم بہن بنی ہوئی ہو پھر ایک دم پینترا بدل کر سالی کا کردار ادا کرنے لگ جاتی ہو۔ میں تو پھنس گیا یہ شادی کروا کر۔" احسن منہ بنا رہا تھا انا نے گھورا۔

"بھابی بھی تو اتنی اچھی دے رہی ہوں آپ کو۔"

"محترمہ یہ مجھ پر میرے اللہ کا کرم ہوا ہے ورنہ تم ڈھونڈتی تو اب تک مجھے کنگال کر دیتی۔" احسن نے کہا۔

"شرم کریں آپ کی اکلوتی بہن ہوں شادی تو زندگی میں ایک بار ہی ہوتی ہے اتنی کنجوسی کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"جلدی کریں پہلے ہی بہت رات ہو گئی ہے جتنی تاخیر کریں گے آپ کا ہی نقصان ہوگا۔" احسن نے کلائی میں بندھی گھڑی دیکھی پونے تین ہو رہے تھے۔

"اب کیا لینا ہے تم نے۔" احسن نے گھورا۔

"جو دل چاہے دے دیں۔" انا نے فراخ دلی دکھائی تو احسن نے منہ بناتے ہوئے پاکٹ میں ہاتھ ڈالا۔

"یہ لو بھوکی کہیں کی۔" احسن نے منہ بنا کر بند مٹھی اس کے سامنے کی تھی۔

"اس میں کیا ہے، خالی تو نہیں ہے؟" اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"دیکھ لو۔" احسن مسکرایا اور بند مٹھی انا کی طرف کی تھی انا نے مشکوک نظروں سے ہاتھ بڑھایا تھا احسن نے مسکراتے ہوئے مٹھی کھول دی۔ انا نے چیخ مارتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے چھپکلی نیچے فرش پر گر گئی تھی۔

"احسن بھائی۔" اس نے خوفزدہ نظروں سے چھپکلی کو دیکھا تھا احسن ایک دم کمرے میں گھس گیا۔

"ارے یہ تو پلاسٹک کی ہے۔" شہوار چھپکلی کو بے حس و حرکت دیکھ کر بولی۔

"احسن بھائی......" انا تاؤ کھاتے کمرے کی طرف لپکی مگر احسن نے فوراً دروازہ بند کر لیا تھا۔

"بھائی یہ فاؤل ہے۔" وہ چیخی تھی۔

"آپ مجھے میرا نیگ دیے بغیر دروازہ بند نہیں کر سکتے۔" اس نے دروازے پر ہاتھ مارا جبکہ شہوار کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

"تم کل سے مجھے اتنا تنگ کر چکی ہو بس ایک پائی بھی نہیں دینی میں نے اور اب یہ دروازہ تو صبح ہی کھلے گا۔" اندر سے احسن نے کہا تو انا نے بند دروازے کو گھورا۔

"یہ اچھی رہی، احسن بھائی کو علم تھا کہ تم "جگا ٹیکس" لیے بغیر نہیں ہٹو گی سو یہ انتظام کر کے آئے تھے۔" شہوار نے چھپکلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"معاف تو اب ان کو نہیں کروں گی دیکھنا صبح کیسے بدلہ لیتی ہوں۔" بند دروازے کو گھورتے وہ شہوار کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھیں مگر لاؤنج سے ولید کو نکلتے دیکھ کر رک گئیں۔

"روشی ٹھیک ہے نا؟" روشی نکاح اور رخصتی کے وقت دونوں بار بہت روئی تھی سو وہ اسی بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"جی۔" انا نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کدھر تھے؟"

"میں اور بابا ابھی ہوٹل سے لوٹے ہیں۔ سب مہمانوں کے جانے کے بعد وہاں کے باقی معاملات دیکھنے رک گئے تھے ہم لوگ۔" ولید کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"ماموں ٹھیک ہیں نا؟" بیٹی کو رخصت کرتے ماموں کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔

"ہوں...... ان کو کمرے میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ لیٹ گئے ہیں مجھے ایک کپ چائے چاہیے کسی سے کہہ کر بنوا دو۔" ولید نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"اور سنائیں شہوار آپ ٹھیک ہیں، فنکشن کو انجوائے کیا؟" اس نے انا کے پاس کھڑی شہوار سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"جی بہت زیادہ۔ قطعی احساس نہیں ہوا کہ آپ لوگوں سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ ذرا بھی اجنبیت محسوس نہ ہوئی۔"

"مصطفیٰ سب فیملی کو لے کر آیا مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ویسے آپ بتا دیں آپ کو کیا کہوں۔ مصطفیٰ کے حوالے سے بھابی یا انا کے حوالے سے سسٹر۔" ولید نے مسکرا کر پوچھا تو شہوار کے چہرے پر گلال سا نکھر گیا۔

"جو آپ کا دل چاہے، ویسے سسٹر مناسب رہے گا۔"

"یعنی مصطفیٰ کا حوالہ پسند نہیں۔" ولید نے چھیڑا تو نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ شرمندہ ہوگئی۔

"اب ایسا بھی نہیں کہا۔" ولید مسکرایا۔

"او کے..... آپ اپنی دوست کے ساتھ انجوائے کریں انا چائے بن جائے تو روم میں بھجوا دینا۔" ولید کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

"ولید بھائی کو دیکھتی ہوں تو مجھے تمہاری قسمت پر رشک آنے لگتا ہے۔ ریئلی یو آر سو لکی یار۔" کچن کی طرف آتے اس نے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

نجانے کیوں وہ ولید کے حوالے سے ان دیکھے خدشات کا شکار تھی جو اسے دل سے خوش نہیں ہونے دے رہے تھے۔ کچن میں آ کر اس نے چائے والا برتن چولہے پر رکھا۔ تبھی شہوار کے ہاتھ میں پکڑا موبائل بجنے لگا تھا۔ لائبہ بھابی کا نام دیکھ کر اس نے کال ریسیو کرلی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

"خیریت سے ہو۔" بھابی نے پوچھا۔

"جی بالکل بلکہ انا کے ہاں بہت مزے سے ہوں۔" وہ واقعی دل سے ایک عرصہ بعد خوش ہوئی تھی سو اس کا اظہار بھی کررہی تھی انا اسے خوش دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے ماں جی کتنی بار کہہ چکی تھیں کہ تمہیں کال کرکے تمہاری خیریت پوچھ لوں۔ بہر حال انا سے تمہاری جتنی بھی دوستی ہو مگر ہیں تو یہ اجنبی لوگ نا۔ مصطفیٰ مطمئن تھا بار بار ماں جی کو مطمئن کررہا تھا مگر ان کی تاکید تھی کہ پھر بھی تم سے ایک بار کال کرکے کنفرم کرلوں۔" شہوار ماں جی کی اس قدر محبت پر مسکرادی۔

"بھابی آنٹی جی کو کہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے قطعی فیل نہیں ہورہا کہ میں اجنبی لوگوں میں ہوں بلکہ ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے میں اپنوں میں رہ رہی ہوں۔ آپ ان کو اطمینان دلائیں میں خوش ہوں اور صبح گھر آؤں گی۔ وہیں سے پھر ولیمہ میں شامل ہوں گی۔"

"چلو شکر ہے اور ہاں یاد آیا آج ہمارے گھر آنے سے پہلے حویلی سے بابا صاحب شہر آئے ہوئے تھے وہ بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔"

"اچھا..... زبردست، پھر امی بھی ساتھ آئی ہیں کیا؟" وہ بابا صاحب کا سن کر ایک دم پرجوش ہوئی تھی۔

"نہیں بوا جی تو نہیں آئیں۔" بابا صاحب ڈرائیور کے ساتھ ہی آئے ہیں۔ ان کی طبیعت پچھلے چند دن سے ٹھیک نہ تھی ماموں نے ہی بلوایا ہے ان کو۔"

"اوہ اچھا۔" بھابی نے اس سے چند ایک باتیں کرنے کے بعد کال بند کردی تھی۔ اس دوران چائے بھی بن گئی تھی۔

"ملازمائیں تو سب سونے جاچکی ہیں ولی کو چائے کون دینے جائے گا؟" رات کے تین بج رہے تھے۔ مہمان سب سونے جاچکے تھے اس وقت یہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں۔

"تم خود چلی جاؤ۔"

"نہیں، پہلے اور بات تھی مگر اب مناسب نہیں لگتا۔" انا نے جھجکتے ہوئے کہا تو شہوار ہنس دی۔ اسے انا کی یہ بات بہت اچھی لگی تھی۔

"اچھا چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں تم چائے دے کر آجانا میں باہر ہی رکوں گی۔" شہوار نے کہا تو انا مان گئی۔

وہ ولید کے کمرے کی طرف آئی تو شہوار باہر ہی رک گئی تھی جبکہ انا نے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آجاؤ۔" ولید نے کہا تو وہ اندر چلی گئی۔ ولید لباس بدل چکا تھا۔ انا کو دیکھ کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔

"تم نے خوامخواہ زحمت کی کسی ملازمہ کو کہہ دیتی۔" چھوٹی ٹرے میں چائے کا مگ دیکھ کر اس نے کہا تو انا مسکرادی۔

"ملازمہ اور باقی سب لوگ سونے جاچکے تھے ویسے مجھے اور شہوار کو بھی چائے کی طلب ہورہی تھی اتفاقاً آپ نے بھی کہہ دیا۔"

"تھینکس۔" ولید نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔

"شکریہ۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"ویلکم۔" وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"انا..... ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ولید نے پکارا تو وہ رکی۔ ولید اس کے سامنے آ ٹھہرا۔

"کیا بات ہے پریشان ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا انا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کوئی بات ہے کوئی مسئلہ ہے کیا؟" اس نے مزید پوچھا۔

انا کا جی چاہا کہ کہہ دے کہ ہاں مسئلہ ہے اسے کہہ دے کہ اس کا یہ رویہ اور اس کی اس چپ نے اس کے اندر ایک طوفان برپا کر رکھا ہے اور وہ کاشفہ اس نے اسے جب سے دیکھا تھا وہ خود کو ہر پل ہر لمحے گیلی لکڑی کی طرح سلگتا محسوس کررہی تھی۔ مگر انا نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں چلتی ہوں شہوار انتظار کررہی ہوگی۔" جب وہ اس کو اس حد تک سمجھ رہا تھا کہ اس کو اس کی پریشانی تک نظر آرہی تھی تو وہ بھلا اس کے جذبات و احساسات سے کیسے نظر بچا سکتا تھا؟ وہ اس سے ایک دم خفا سی ہوئی تھی۔ ولید پر ایک خفا سی نظر ڈال کر تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ شہوار باہر کھڑی تھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"بڑی جلدی آگئیں تم مجھے تو گمان تھا کہ شاید ولید بھائی تمہیں روکیں گے۔" اس نے شرارت سے کہا مگر انا قصداً بھی اس کی شرارت پر مسکرا نہ سکی تھی۔

"کیا ہوا ولید بھائی نے کچھ کہہ دیا کیا؟" اس کی خاموشی پر شہوار نے پوچھا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر مسکرادی۔

"نہیں۔ بس ویسے ہی۔" اس نے کہا تو شہوار نے بغور دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا مگر پھر اسے اس وقت انا کو چھیڑنا مناسب نہ لگا اسے انا بہت زیادہ ڈسٹرب محسوس ہوئی تھی۔



اگلے دن ولیمے کی تقریب تھی انا نے شہوار کو گھر جانے نہیں دیا تھا بلکہ ڈرائیور کو بھیج کر ولیمہ پر پہنا جانے والا شہوار کا لباس بھی منگوا لیا تھا۔ کل والے ہوٹل میں ہی انتظام تھا۔ روشی برات والے دن کی طرح ولیمہ پر بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور خوش بھی۔ احسن کی طرف سے اسے لاکٹ منہ دکھائی میں ملا تھا۔ انا احسن سے اس کی رات والی شرارت پر خوب لڑی تھی پہلے تو وہ اسے خوب تنگ کرتا رہا تھا مگر جب وہ خفا ہونے لگی تو اس نے اسے بہت ہی خوب صورت سا لاکٹ گفٹ کیا تھا انا ایک دم خوش ہوگئی تھی۔ وہ سارا وقت شہوار اور روشی کے ساتھ ہی رہی تھی۔

مصطفیٰ ولیمہ پر کچھ لیٹ ہی پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ بابا صاحب اور عباس بھائی بھی آئے تھے جبکہ لائبہ بھابی خراب

طبیعت کے سبب گھر پر ہی رک گئی تھیں۔ شہوار بابا صاحب سے ملی اس کے بعد مصطفیٰ ان کو لے کر باقی لوگوں سے ملوانے لگا۔

"بابا صاحب یہ ولید کے والد ہیں ضیاء انکل۔" آج جب مصطفیٰ اور عباس ولیمہ میں آنے کے لیے تیار ہورہے تھے بابا صاحب نے خود ساتھ چلنے کا کہا تو مصطفیٰ بہت خوش ہوا فوراً ساتھ لے آیا تھا اور اب ضیاء انکل سے ملوا رہا تھا۔

"السلام علیکم!" ضیاء صاحب بہت احترام سے ملے تھے۔ بابا صاحب نے انہیں بغور دیکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں ناامیدی سی پھیل گئی۔

"وعلیکم السلام!" بابا صاحب نے ضیاء صاحب کا کندھا تھپکا ہاتھ ملایا۔

ولید بھی پاس ہی تھا وہ بار بار دونوں کو دیکھ رہا تھا مگر ان کے اندر موجود بے چینی ایک دم بڑھ سی گئی تھی۔

"بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا ماشاءاللہ۔" انہوں نے ولید کو دیکھ کر کہا تو ضیاء صاحب نے بہت محبت سے ولید کو دیکھا۔

"جی اس میں کوئی شک نہیں۔"

"آپ لوگوں کا خاندان کس جگہ سے ہے؟" بابا صاحب نے مزید پوچھا۔

"جی ہمارے والدین کا تعلق کسی گاؤں سے تھا وہ لوگ شہر منتقل ہوگئے تھے ہم لوگ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہیں۔" ضیاء صاحب نے بتایا۔

"کس گاؤں سے؟" وہ پوچھ رہے تھے ضیاء صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"علم نہیں۔ اصل میں کبھی بڑوں سے پوچھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئے تھے۔

"اور آپ کی بیگم؟" بابا صاحب نے مزید پوچھا۔

"ہماری والدہ کا ہماری کم عمری میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔" جواب ضیاء صاحب کے بجائے ولید نے دیا۔

"کتنے بہن بھائی ہو آپ؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"ایک ہی بہن ہے جس کے ولیمہ میں آپ موجود ہیں۔" ولید نے مسکرا کر بتایا۔

"مصطفیٰ بابا صاحب کو ادھر بٹھاؤ بیٹا، یہ تو ہمارے خصوصی مہمان ہیں۔" اس سے پہلے کہ بابا صاحب مزید سوال و جواب کرتے ضیاء انکل نے کہا۔

"آپ ادھر تشریف رکھیں بابا صاحب ہم ذرا باقی مہمانوں کو دیکھ لیں۔ آؤ ولید۔" وہ ولید کو لے کر چلے گئے۔ بابا صاحب نے ولید کو ضیاء صاحب کے ساتھ جاتے اور مہمانوں سے سلام دعا کرتے کافی دیر تک دیکھتے رہے تھے۔



کھانا کھاتے ہی وہ لوگ بابا صاحب کی وجہ سے نکل آئے تھے۔ بابا صاحب، وقار صاحب اور صبوحی دونوں سے ملے تھے۔ عباس بھائی نے شہوار سے اس کا پروگرام پوچھا تو اس نے بھی ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ وہ انا اور صبوحی سے مل کر باہر آئی تو بابا صاحب اور عباس بھائی مصطفیٰ کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر موجود تھے جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ باہر کھڑا تھا۔

"شہوار آپ آگے ہی بیٹھ جائیں۔" وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول رہی تھی جب عباس نے کہا۔

وہ خاموشی سے اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی مصطفیٰ بھی ولید سے ہاتھ ملاتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ مصطفیٰ نے ساتھ بیٹھی شہوار پر ایک نظر ڈالی اور پھر گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔

"اچھے لوگ تھے یہ۔" بابا صاحب نے بات چھیڑی۔

"جی، اور بہت بااخلاق اور پرخلوص بھی۔" عباس بھائی ان کے رویوں سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ ورنہ وہ اتنی جلدی لوگوں سے متاثر ہونے والے انسان نہ تھے۔

"ولید اور اس کے والد دونوں میں کافی فرق دکھائی دے رہا تھا۔" بابا صاحب نے کہا۔

"خیر ایسی بھی بات نہیں، بس یہ کہہ لیں کہ ولید ان سے میچ نہیں کرتا۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"ولید کی جو والدہ تھی ان کی وفات کیسے ہوئی۔"

"علم نہیں۔ اصل میں ولید سے لاکھ بے تکلف سہی مگر اس قدر پرسنل معاملے پر گفتگو کا موقع کبھی نہیں ملا اور نہ ہی ولید نے خود اس موضوع پر بات کی۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں......" بابا صاحب کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔

مصطفیٰ بیک ویو مرر سے انہیں دیکھنے لگا۔ بابا صاحب اسے کچھ الجھے الجھے سے لگے۔

"کیا ہوا بابا صاحب خیریت تو ہے نا؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو بابا صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔" وہ کہہ کر دوبارہ کھڑکی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"بابا صاحب آپ امی کو بھی ساتھ لے آتے۔" شہوار نے کہا تو بابا صاحب مسکرائے۔

"میرا تو اچانک پروگرام بنا تھا۔ میں نے تمہاری والدہ کو کہا تھا مگر وہ کہنے لگیں کہ اگر وہ بھی آگئیں تو پھر حویلی اور دیگر معاملات کو کون دیکھے گا۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ایک دو دن کے لیے حویلی کا چکر لگالوں۔" اسے یاد آرہا تھا کہ وہ کس طرح بری طرح ان سے خفا ہوکر حویلی سے آئی تھی۔ یہاں آکر اس کا غصہ اترا اور خفگی بھی ختم ہوئی تھی سو موبائل پر ان سے بات تو کرلیتی تھی مگر دل میں اپنے برے رویوں کے متعلق ایک گلٹ تو برقرار تھا اس لیے وہ سوچ رہی تھی کہ ایک بار جاکر ان سے مل آئے۔ اس کی بات پر مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

"ہاں میں ایک دو دن میں واپس چلوں گا تو تم بھی ساتھ چلنا۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہو ویسے بھی اب سنجیدگی سے پڑھائی پر توجہ دو۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

"اور دو دن جانے سے میری پڑھائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" مصطفیٰ کی مداخلت اسے بڑی ناگوار گزری تھی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں، واپسی پر میرے ساتھ ہی چلنا۔ دریہ بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھی۔ دونوں ہی چلنا اسے بھی حویلی میں کوئی ساتھی مل جائے گا۔" بابا صاحب نے ازحد شفقت سے کہا تو دریہ کے نام پر اس کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے۔ جواباً وہ خاموش ہوگئی تھی۔

"نواز کی فیملی بہت بدل گئی ہے۔ دریہ کو دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ ساری زندگی انگلینڈ میں گزارنے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ انسان اپنی اقدار اپنی تہذیب ہی بھول جائے۔" بابا صاحب کو دریہ کے نام سے کچھ اور بھی یاد آیا تو انہوں نے مایوسی سے کہا۔

"بس بابا صاحب ہر انسان کی زندگی کو برتنے کی اپنی ایک سوچ ہے۔ ہم کسی پر کوئی زبردستی نہیں کرسکتے۔ ویسے بھی وقت بہت بدل چکا ہے نواز انکل کی فیملی نے ساری عمر جس ملک میں گزاری اب اسی کے تحت زندگی گزار رہے ہیں اس میں پریشانی کیا؟" عباس بھائی نے کہا تو بابا صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو تم ہر انسان کو اپنی سوچ اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔ بعض اوقات ہم بوڑھے اپنی برسوں کی قائم کردہ اقدار اور اپنے نام نہاد اصولوں کی وجہ سے اولاد کے ساتھ بڑی زیادتی کرجاتے ہیں اسی لیے میں نے اپنی ساری اولاد کو ان کی سوچ اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا تھا کبھی کسی پر اپنے فیصلے کی تلوار نہیں چلائی اور نہ ہی کسی کو مجبور کیا۔ بہرحال اس معاملے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔" بابا صاحب کے لہجے میں

آزردگی سی تھی۔ شہوار نے ان کو دیکھا وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے کسی اور ہی خیال میں گم محسوس ہوئے تھے۔

"آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں اس بات کی۔ دریہ اپنے ہر عمل کی جوابدہ اپنے والدین کو ہے اس کی تعلیم و تربیت جس ماحول اور سوسائٹی میں ہوئی ہے ایسے میں آپ اس سے ہماری اقدار کی پاسداری کی توقع کریں گے تو غلط ہوگا۔ وہ جو بھی ہے اور جیسی بھی ہے اپنے ماحول کے مطابق درست ہے۔" سو اس پر تنقید کرنا یا اسے کچھ سمجھانا قطعی فضول ہے۔" عباس بھائی نے ہمیشہ والا دوٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

"ہوں۔" بابا صاحب نے ہنکارا بھرا۔

مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کردی تھی۔



وہ لوگ گھر آئے تو عباس بھائی نے اسے چائے کا کہہ دیا۔ وہ چینج کیے بغیر ہی کچن میں آ گئی۔ اس وقت سبھی جاگ رہے تھے اور لاؤنج میں موجود تھے۔ سو اس نے سب کے لیے چائے بنائی۔

"تم نے چینج نہیں کیا۔" لائبہ بھابی بھی ادھر آ گئی تھیں اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"چائے بنالوں تو پھر کرتی ہوں۔"

"کیسا رہا آج کا فنکشن انجوائے تو خوب کیا ہوگا تم نے؟" انہوں نے پوچھا۔

"بالکل بہت مزہ آیا ہمارے اور ان کے لیونگ اسٹائل میں بہت فرق ہے مگر اس کے باوجود ان کے گھر میں ایک رات گزارنا کافی اچھا لگا۔ قطعی اجنبیت کا احساس نہ ہوا۔"

"ہوں...... ماں جی تو سارا وقت پریشان ہی ہوتی رہیں کہ نجانے کیسے لوگ ہیں وہ تو تم سے رات بات کے بعد اور مصطفیٰ کے سمجھانے پر انہیں کچھ تسلی ہوئی۔"

"بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کی والدہ اور ماموں سبھی بہت سلجھے ہیں۔" شہوار ان سے کافی متاثر ہوئی تھی سو بلا جھجک کہا۔

"اچھا ایک بات کہوں؟" بھابی کا انداز ایک دم دھیما ہوا تو اس کے قریب ہو کر پوچھا تو چائے میں دودھ ڈالتے اس نے سر گھما کر انہیں دیکھا۔

"جی...... خیریت؟"

"یہ جو اپنی دریہ ہے نا اس پر نظر رکھو۔" ان کا انداز مزید دھیما تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

"وہ کیوں بھئی؟"

"جب سے آئی ہے مصطفیٰ کے پیچھے پھر رہی ہے۔" بھابی نے جل کر کہا تو وہ چونکی۔

"مطلب؟"

"خود ذرا دھیان سے دیکھنا تو مطلب صاف نظر آئے گا۔" بھابی نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون، کیوں اور کس کے آگے پیچھے پھر رہا ہے۔" چائے میں چینی ملاتے اس کا انداز ایک دم بے گانہ ہوگیا تھا۔

"بے وقوف لڑکی، اختلافات ایک طرف مصطفیٰ تمہارا شوہر ہے باقاعدہ نکاح ہوا ہے تمہارا اس سے۔" بھابی کو اس کا انداز ذرا بھی نہ بھایا تھا کچھ غصے سے کہا۔

"رشتے دل سے ماننے اور قبول کرنے سے بنتے ہیں اور ایک بات تحریک چاہے کتنی ہی جاندار کیوں نہ ہو جب تک

انسان خود بھٹکنا نہ چاہے دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے اس کے محور سے ہلا نہیں سکتی۔ بہتر ہے کہ آپ میری بجائے دوسری طرف سمجھانے کا کام سرانجام دیں۔ مجھے دریہ یا کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اب کے شہوار نے تلخی سے کہا تو بھابی نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔ پہلے انہیں شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان جھگڑے کی نوعیت کا علم نہیں تھا مگر شہوار کے تیوروں سے ایک دم الجھ گئی تھیں۔

"شہوار واقعی مصطفیٰ کے ساتھ نے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں بنائی۔" لائبہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھیں شہوار الٹی چائے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"شہوار بولو نا؟"

"میرے اور آپ کے اس خاندان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے اس خاندان کا حصہ بنالیا پتا نہیں اس کو آپ لوگوں کی بلند ظرفی کہوں خود سے برتی جانے والی ہمدردی یا پھر کیا کہوں مگر یہ سچ ہے کہ اس رشتے نے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں بنائی اور سب سے اہم بات اگر دل آمادہ ہو بھی جاتا دنیا کے لالچ میں آ کر ان محبتوں، ان رشتوں کو برتنے پر آمادہ ہو بھی جاتی اگر دل میں گنجائش محسوس کرتی تو......!" چائے بن گئی تھی وہ کہہ کر کپ نکال کر ٹرے میں رکھنے لگی۔

بھابی نے ازحد حیرت سے اسے دیکھا۔

"مصطفیٰ جیسا جیون ساتھی قسمت والیوں کو ملتا ہے شہوار۔" لائبہ نے ٹوکا۔

"کاش میں خود کو اتنی قسمت والی سمجھ کر فخر کرسکتی؟" اس نے استہزائیہ کہتے ٹرے سیٹ کی تھی۔

"پہلے جو بھی اختلافات تھے مگر اب تو ایک رشتہ بن گیا ہے۔" بھابی نے کہا تو وہ خاموش رہی۔ خاموشی سے کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔

"پھر بھی میں تمہیں یہی کہوں گی کہ دریہ پر نظر رکھو ابھی اسے یہاں آئے صرف دو دن ہوئے ہیں اور اس کے لائف اسٹائل اور باتوں سے مجھے اس کے انداز بالکل اچھے نہیں لگے۔ ماں جی نے ابھی توجہ نہیں دی مگر وہ جس طرح مصطفیٰ کے گھر آتے ہی اس کے آگے پیچھے پھر رہی ہے مجھے وہ سب مناسب نہیں لگ رہا۔" شہوار کپوں میں چائے انڈیل چکی تھی مسکرا کر بھابی کو دیکھا ان کے چہرے پر تشویش تھی۔

"تو پھر کیا کروں جا کر دریہ کو منع کردوں یا مصطفیٰ کو؟" بھابی نے غصے سے گھورا۔

"کچھ نہیں کرو بس دریہ کے بجائے خود مصطفیٰ کے آگے پیچھے پھرنا شروع کردو۔" ان کی بات پر شہوار کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ناممکن بات...... آپ جانتی ہیں کہ میں یہ کبھی نہیں کرنے والی۔ میری تربیت، میری سوچ اور میری خودداری مجھے ایسا کبھی بھی نہیں کرنے دے گی اور نہ ہی میں ایسا کروں گی۔" ٹرے اٹھا کر وہ کچن سے باہر نکلی تو بھابی بھی ساتھ ہولیں۔

"میں تمہیں آگاہ کررہی ہوں ابھی سے توجہ دو ورنہ پچھتاؤ گی۔"

"مصطفیٰ کو سمجھائیں ان پر شاید آپ کی یہ نصیحتیں اثر کر جائیں مگر مجھ پر فضول میں ٹائم ضائع کررہی ہیں۔" شہوار کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہا تم نے مصطفیٰ اتنا کم عقل تو نہیں کہ گھاٹے کا سودا کرے۔ مگر دریہ جیسی لڑکیوں کا کچھ بھروسہ بھی نہیں۔ اس میں مجھے عادلہ بھابی کی سی فطرت دکھائی دیتی ہے۔ سو ڈرتی ہوں کہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔" شہوار مسکرا دی۔

وہ لاؤنج میں آئی تو ماں جی، بابا صاحب اور شاہزیب تینوں ایک ہی صوفے پر تھے جبکہ سجاد بھائی اور عباس بھائی ایک

ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف مصطفیٰ قالین پر بیٹھا ہوا تھا اور عقب کے صوفے پر دریہ تھی۔ جو بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی مگر عباس، سجاد اور مصطفیٰ کے ساتھ باتوں میں بھی مگن تھی۔

"دیکھا کیسے وہ سب کے ساتھ باتوں میں لگی ہوئی ہے۔" بھابی نے پھر اس کے کان میں سرگوشی کی شہوار مسکرادی۔ اس نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی اور سب کو کپ تھمانے لگی۔ بھابی بھی سجاد بھائی کے ساتھ آ بیٹھی تھیں۔

"نو تھینکس میں رات میں چائے نہیں پیتی۔ تم مجھے کافی بنادو پلیز۔" شہوار نے جیسے ہی مصطفیٰ کو کپ تھما کر دریہ کو تھمایا تو اس نے کہا۔

"اوکے میں بنادیتی ہوں۔" دریہ والا کپ واپس ٹرے میں رکھتے اس نے کہا تو لائبہ کو کافی ناگوار گزرا۔

"کافی ختم ہوگئی ہے تم چائے ہی پی لو۔" بھابی نے کہا تو شہوار نے انہیں دیکھا۔ لائبہ کے چہرے کے زاویے بدلے ہوئے تھے۔

"اوہ نو...... مگر میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔" دریہ نے بڑے نخریلے انداز میں کہا۔ شہوار کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ سمٹ آئی جسے چھپانے کو وہ ایک دم پلٹی مگر مصطفیٰ کو اپنی جانب متوجہ پاکر ٹپٹائی۔

"مگر مجبوری ہے پی لو آج۔ کل کافی کا انتظام کر رکھوں گی۔" بھابی کہہ رہی تھیں شہوار اپنا اور لائبہ کا کپ لیے ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی؟ میں کافی بنادیتی۔" اس نے کپ انہیں تھما کر دھیمے سے کہا۔

"تم اس کی ملازمہ نہیں ہو، اتنی طلب ہورہی ہے تو خود جا کر بنالے سب چائے پی رہے ہیں تو وہ بھی چائے ہی پیئے گی۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس طرح رات گئے تم اس کی فرمائش پوری کرتی پھرو۔" بھابی کا ناراض انداز تھا وہ ہنس دی۔

"بعض اوقات بعض لوگ تلخ ہی سہی مگر حقیقت واضح کردیتے ہیں۔ وہ اگر ملازمہ سمجھ کر حکم چلالیتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"شہوار مجھ سے تم بری طرح سے پٹ جاؤ گی۔" بھابی نے گھورا تو وہ سر جھٹک گئی۔

"شہوار بیٹے کیا پروگرام ہے میں کل واپس جارہا ہوں ساتھ چلو گی پھر؟" بابا صاحب نے پوچھا تو اس نے ان کو دیکھا۔

"جیسا آپ کہیں؟"

"آپ ابھی نہیں جارہے۔ دو تین دن رکیں میں نے ڈاکٹر سے اپائنمنٹ لے رکھا ہے وہاں سے چکر لگالیں پھر میں خود چھوڑ آؤں گا۔" شاہزیب صاحب نے فوراً کہا تو وہ مسکرائے۔

"میں تو اچانک یونہی بغیر اطلاع کے چلا آیا ڈاکٹر کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں اچھا بھلا ہوں میں۔" بابا صاحب کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"جو بھی ہے مگر آپ کو اس بار ڈاکٹر سے ضرور چیک اپ کروانا ہوگا۔" شاہزیب صاحب کا انداز دوٹوک تھا۔

"تم ناحق ضد کررہے ہو۔"

"اگر یہ ضد ہے تو پھر آپ میری ضد کے سامنے ہتھیار کیوں نہیں ڈال دیتے۔ میں آپ کو بالکل نارمل اور صحت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔" شاہزیب صاحب کے لہجے میں باپ کے لیے فکرمندی اور محبت تھی وہ مسکرائے۔

"جیتے رہو مگر تم جانتے ہو کہ ان ڈاکٹروں کے پاس اچھا بھلا بندہ بھی جا کر خود کو پاگل محسوس کرنے لگتا ہے۔ مجھے تو بڑا خوف آتا ہے ایسے لوگوں سے خوامخواہ ہماری سیدھی سادی باتوں کو بھی ہمارا پاگل پن سمجھنے لگتے ہیں۔" بابا صاحب نے کہا تو شہوار مسکرادی۔

"بابا صاحب یہ سائیکاٹرسٹ ہوتے ہیں انسانی دماغ میں موجود گرہوں کو کھولنے کا کام کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ صرف پاگلوں کا علاج کریں ہمارے جیسے بالکل نارمل لوگوں کو بھی اکثر اوقات ان ڈاکٹروں کی ضرورت پڑتی ہی جاتی ہے۔" شہوار نے کہا تو بابا صاحب مسکرائے۔

"مگر میں ان میں سے کسی کے بھی پاس نہیں جانا چاہتا میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں بیٹا۔"

"مگر اس خوابوں کے سلسلے کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی نا؟" مصطفیٰ نے بھی کہا تو ان کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"آپ کچھ بھی کہہ لیں بابا صاحب مگر یہ طے ہے کہ اس بار آپ کو ہماری بات ماننا ہوگی۔ ہم کل آپ کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر جارہے ہیں اور یہ فائنل ہے بس۔" شاہزیب صاحب کا انداز دوٹوک تھا انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے بھی گویا ہتھیار ڈال دیے۔

"میں تھک گیا ہوں چلتا ہوں اب نیند آرہی ہے۔" بابا صاحب چائے ختم کرکے کپ شاہزیب کو تھما کر اٹھ کھڑے ہوئے تو مہرالنساء نے انہیں سہارا دیا۔

"آئیں میں آپ کو کمرے میں لے جاتا ہوں۔" کپ ٹیبل پر رکھ کر شاہزیب صاحب ان کا ہاتھ تھام کر چل دیے۔

"بابا صاحب کو کیا پرابلم ہے۔ سائیکاٹرسٹ کے پاس کیوں لے جارہے ہیں آپ لوگ؟" دریہ نے پوچھا۔

"کیوں آپ لوگوں کو نہیں علم کہ ان کو کیا پرابلم ہے؟" لائبہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"نہیں، ہمارے ہاں کبھی اس ٹاپک پر بات ہی نہیں ہوئی۔ یہ تو ادھر آ کر علم ہورہا ہے کہ ان کو کوئی مینٹلی پرابلم ہے۔" دریہ نے کہا۔

"ان کو کوئی مینٹلی پرابلم نہیں ہے بس کچھ خوابوں کا سلسلہ ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر رات میں سوتے میں ڈر جاتے ہیں اور کتنے دن تک گم صم اور بیمار رہتے ہیں بس اسی لیے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کی بات کی اور وہ جانے سے انکاری ہیں۔" شہوار کو دریہ کی مینٹلی پرابلم والی بات اچھی نہیں لگی تھی سو اس نے فوراً کہا۔

"اوہ......" دریہ نے ہونٹ سکیڑے۔

"چلو خواب ہی سہی مگر ہے تو یہ بھی مینٹلی پرابلم ہی۔"

"اللہ نہ کرے کہ بابا صاحب کو کوئی ذہنی مسئلہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے ماضی کا کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ ہو جس نے انہیں الجھا کر رکھ دیا ہو اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اذیت بڑھتی چلی گئی ہو۔" شہوار نے کہا تو دریہ نے کندھے اچکا دیے۔

"مے بی۔"

"مگر جو بھی پس منظر ہے مجھے لگتا ہے کہ بابا صاحب ان سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہم میں سے کسی سے ذکر نہیں کرتے مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ واقعات خوابوں کا سلسلہ اختیار کرتے ان کے لاشعور میں اب بھی زندہ ہیں۔" عباس بھائی نے بھی پرسوچ انداز اختیار کیا تو لائبہ بھابی نے سر ہلادیا۔

"ہاں...... مجھے بھی یہی لگتا ہے مگر جب بھی بابا صاحب سے ذکر کیا جائے تو ٹال جاتے ہیں کسی سے دل کی بات کرتے بھی تو نہیں۔"

"ہوں۔" ماں جی نے بھی سر ہلایا۔

"اچھا اس ٹاپک کو اب یہیں رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں اس پر بحث کرنے کی۔ کل تمہارے والد لے کر تو جارہے ہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس اللہ کرے کہ کوئی مثبت پہلو ہی نکلے۔" ماں جی نے کہا تو سبھی نے سر ہلادیا۔

"شہوار بیٹے شادی میں پھر خوب انجوائے کیا تم نے؟"

''جی۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ سی گرین لباس میں ہلکے پھلکے میک اپ میں سر پر سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا ڈالے وہ اچھی خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔

''سبھی بہت اچھے تھے انا کی والدہ بہت ہی نائس خاتون ہیں وہاں قطعی اجنبیت کا احساس نہ ہوا۔ پھر انا ہر پل ساتھ رہی تھی۔ اس طرح پہلی بار شادی اٹینڈ کرنے کا موقع ملا تو وہ کافی اچھا بھی لگا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ نے محسوس کیا کہ اس کا انداز بہت پراعتماد تھا۔

''ہاں مجھے بھی بارات والے دن وہ لوگ بہت اچھے لگے تھے مگر تمہارے ان کے ہاں رک جانے پر مجھے کچھ پریشانی بھی تھی بار بار مصطفیٰ کو بھی کہہ رہی تھی مگر ولید کو یہ اچھی طرح جانتا تھا ہر بار تسلی دی اور جب مجھ سے رہا نہ گیا تو لائبہ کو کہہ کر فون کروایا۔'' ماں جی کی محبت پر وہ ہنس دی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ ان کے ساتھ گزرا وقت بہت اچھا تھا۔ سب ہی بہت اچھے تھے۔ ولید اور احسن بھائی دونوں ہی بہت سلجھے ہوئے ہیں ان کے والد صاحب سے تو کم ہی سامنا ہوا مگر یقیناً وہ لوگ بھی اچھے ہی ہوں گے۔''

''روشانے تو دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی یقیناً آج بھی اچھی لگ رہی ہوگی۔'' لائبہ بھابی نے پوچھا۔

''ہاں میں نے موبائل میں کافی ساری تصاویر کھینچی تھیں موبائل بیگ میں ہے صبح دکھاؤں گی۔''

''تمہاری والدہ سے میں نے بھی تمہاری اور مصطفیٰ کی رخصتی کی بات کی ہے دیکھیں کب تک ہمیں مثبت جواب ملتا ہے۔'' ماں جی نے مسکرا کر کہا تو شہوار کا مسکراتا چہرہ ایک دم بجھا۔

''نکاح ہو چکا ہے اب اس کو لٹکانا کیا؟ ویسے بھی میں شروع سے ہی تمہاری شادی کے حق میں تھی مگر پھر تمہاری پڑھائی کا بھی سوچنا پڑا۔'' شہوار ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔

اس کی ماں سے بات ہوئی تھی انہوں نے ایسی کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا وہ جو ابھی تک اس نکاح کو قبول نہیں کر پا رہی تھی ایک دم اس رخصتی کو کیسے قبول کر لیتی وہ ایک دم اٹھی تھی۔

''میں چینج کرلوں۔ پھر نماز بھی پڑھنی ہے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے نکلی تھی۔

''شہوار کا رویہ رخصتی کا سن کر کچھ عجیب سا نہیں ہوگیا۔'' دریہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اچھی طرح نوٹ کرتے اس نے پوچھا تھا۔

''جی نہیں جناب وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور مشرقی لڑکیاں سب کے سامنے اپنی شادی بیاہ کی بات پر اسی طرح ری ایکٹ کرتی ہیں۔ تم نے تو ساری زندگی باہر کے ملک میں گزاری ہے تم کیا جانو کہ مشرقی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں۔'' لائبہ بھابی نے مسکرا کر کہا تھا انہیں دریہ کے الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔ دریہ کے چہرے کے اعصاب کشیدہ ہوئے۔

''میں نے بھلے ساری زندگی باہر گزاری ہے مگر چہرہ پڑھنے کا فن مجھے بھی آتا ہے۔''

''ارے تم دونوں کس بحث میں الجھ گئی ہو۔ مصطفیٰ تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے رخصتی کے بارے میں۔'' ماں جی نے فوراً بات پلٹی۔ لائبہ دریہ کو دیکھ کر استہزائیہ مسکرائی تھی۔ نجانے کیوں انہیں اپنی یہ ماموں زاد قطعی پسند نہیں تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے شہوار ابھی پڑھ رہی ہے۔ اتنے ٹف شیڈول میں میرڈ لائف کو بھی دیکھنا وہ مینج کرلے گی۔'' وہ سنجیدہ تھا۔ ماں جی ہنس دیں۔

''جب رخصتی ہوگی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ ابھی اس ٹاپک کو رہنے دیں بعد میں بات ہوگی۔'' مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہیں یہ کیا، پہلے تمہاری زوجہ محترمہ منظر سے غائب ہوئی ہیں اب تم بھاگ رہے ہو۔'' اسے بھاگتے دیکھ کر سجاد بھائی

نے کہا اور پھر بازو پکڑ کے کرا سے بٹھالیا۔

''بیٹھو آرام سے ماں جی آپ بتائیں کب شادی کر رہی ہیں پھر اس کی۔'' مصطفیٰ نے سجاد کو گھورا مگر اس نے توجہ نہیں دی۔

''جس طرح ان دونوں کے رویے ہیں میرا تو بس چلے کہ کل کے بجائے آج ہی رخصتی کروا ڈالوں۔ مصطفیٰ صاف صاف بتاؤ شہوار کے ساتھ کیا جھگڑا ہے تمہارا۔'' ماں جی ایک دم سنجیدہ ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

''میرا تو کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔'' مصطفیٰ نے ناراضی سے کہا۔

''میں کسی کی نہیں تمہاری بیوی کی بات کر رہی ہوں۔''

''اسے بلوالیں اور خود ہی پوچھ لیں میرا تو کوئی جھگڑا نہیں۔''

''اسے بھی میں پوچھ لوں گی بلکہ اچھی طرح خبر لوں گی زندگی کوئی بچوں کا کھیل ہے میں سب سے بات کر چکی ہوں اور جس طرح کے تم لوگوں کے رویے ہیں اب نکاح کے بعد رخصتی ہو جانا ہی بہتر ہے۔'' ماں جی کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

''مگر میں ابھی ایسا کوئی بھی دردسر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی تیار نہیں ہوگی۔'' مصطفیٰ بھی سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''اور پلیز اس ٹاپک کو ابھی مت چھیڑیں۔ آپ لوگوں کا جو بھی ارادہ ہے فی الحال اس کو ملتوی ہی سمجھیں۔ میں ابھی رخصتی کے جھنجٹ میں پڑنے کو تیار نہیں ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ماں جی نے بغور دیکھا۔

''وجہ بتا دو تو زیادہ بہتر ہے تاکہ جب تمہارے والد صاحب کو انکار بتاؤں تو تمہارے انکار کی وجہ بھی ان کے علم میں ضرور ہونی چاہیے۔'' ان کا لب ولہجہ کافی سنجیدہ تھا مصطفیٰ نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر دریہ کو۔ وہ بڑی توجہ سے سب کچھ سن رہی تھی۔ اس کے سامنے اتنی پرسنل گفتگو ہونا مصطفیٰ کو کافی عجیب لگ رہا تھا۔

''اس وقت تو تھکن ہو رہی ہے پھر کبھی اس پر بات کر لیجیے گا میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا اور نہ ہی کسی بھی رشتے سے انکاری ہوں۔ فی الحال تو جانے دیں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

''کیا مصطفیٰ اس رشتے پر راضی نہ تھا؟'' دریہ ساری گفتگو سے یہی سمجھ پائی تھی اس نے پوچھا تو لائبہ کو برا لگا۔

''اللہ نہ کرے وہ تو بہت خوش تھا بس شہوار کی پڑھائی کو لے کر ابھی رخصتی پر راضی نہیں ہو رہا۔''

''مگر شہوار کے تیور بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ مجھے تو وہ بھی اس رشتے سے خوش نہیں لگی۔'' دریہ کا انداز کھوج لگانے والا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' بھابی نے ضبط سے کہا تو مہر النساء خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں نے بھی بہت اچھی طرح سوچ لیا ہے اب جلد از جلد رخصتی کروا لینی ہے تابندہ سے بات کر چکی ہوں رہ گئے مصطفیٰ اور شہوار جب تک تاریخ طے ہوگی تو خود ہی مان جائیں گے۔'' ماں جی کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھیں۔ دریہ نے انہیں وہاں سے جاتے بغور دیکھا تھا۔



میرج ہال سے واپسی پر سبھی تھکے ہوئے تھے مگر اپنے کمروں میں جانے کے بجائے سبھی لاؤنج میں آ بیٹھے تھے صغراں سب کو چائے بنا کر دے رہی تھی روشانے بھی لباس بدل کر انا کے ساتھ لاؤنج میں ہی آ گئی تھی۔

''شکر ہے اللہ کا سب کچھ خیر خیریت سے ہوگیا۔'' ماموں کی کسی بات پر صبوحی بیگم نے کہا تھا۔ انا ماموں کے ساتھ آ بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ روشی۔

''تو اور کیا، ایک عرصہ باہر گزار کر آنے کے بعد یہاں کے طور طریقوں کو جیسے بھول ہی گیا تھا میں۔ بس یہی فکر تھی کہ

کوئی کمی نہ رہ جائے۔" چائے پیتے ضیاء ماموں نے بھی کہا جو ساتھ والے صوفے پر براجمان تھے۔

"ماما سارے فنکشن میں چند ایک دور پرے کے رشتہ داروں کے علاوہ نزدیکی کوئی بھی رشتہ دار انوائٹ نہیں تھا بس دوست احباب ہی اکٹھے تھے۔ کیا واقعی کوئی ہمارا نزدیکی رشتہ دار موجود نہیں ہے۔" انا نے جو بات سارے فنکشن میں شدت سے محسوس کی تھی اس نے کہہ ڈالی تھی۔ ضیاء صاحب نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ صبوحی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ باقی لوگ متوجہ نہیں تھے۔

"تمہیں اتنی بار رشتہ داروں کے متعلق تفصیل سے بتا تو چکی ہوں اب مزید کیا کہوں، جن کو انوائٹ کیا تھا وہ لوگ آ گئے تھے اور جو چند ایک اس شہر میں موجود تھے وہ نہیں آئے اور دور کے شہروں میں رہنے والوں کو ہم نے بلایا ہی نہیں۔" ماما نے کچھ اکتا کر کہا تو ان کی آواز دھیمی تھی۔

"کیوں آپ انوائٹ کرتے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں اپنے رشتہ داروں سے متعارف ہونے کے۔ مجھے تو بڑا شوق ہے کہ میرے بھی یہ ڈھیر سارے رشتہ دار ہوتے مصطفیٰ بھائی لوگوں کی بہت بڑی فیملی ہے۔ ان کے نکاح پر اتنی رونق تھی کہ حد نہیں اور ایک ہمارے ہاں رونق تو تھی مگر پرائے لوگوں سے۔ اپنا تو کوئی بھی نہیں تھا کہ جس سے اپنائیت کا احساس ہوتا۔" انا نے کہا تو صبوحی نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اکثر انا کے ان بے موقع سوال و جواب سے اکتا جاتی تھیں۔

"اب تمہارے کہنے پر ڈھیر سارے رشتہ دار ڈھونڈ کر لانے سے تو رہی اور جو ہیں ان ہی پر گزارا کرو۔ ہر وقت مجھ سے ایسے بے موقع سوال کر کے مجھے پریشان مت کیا کرو۔" ماما نے کچھ سختی سے کہا تو سبھی نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" ولید اور احسن قدرے فاصلے پر اپنی ہی باتوں میں مصروف تھے دونوں نے دیکھا انا کا منہ بن گیا تھا احسن نے ماں سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا؟"

"بچی ہے اس کے ذہن میں ایسے سوال تو آئیں گے ہی نا۔ تم آرام سے سمجھا دو۔" ماموں نے دھیمے سے کہا تو صبوحی نے لب دانت تلے دبا لیے۔

"ولید مصطفیٰ کے والد فنکشن میں شامل نہیں ہوئے کیا؟" ماموں نے موضوع بدلا۔

"نہیں وہ کافی بزی تھے۔ باقی لوگ بھی آئے تھے دونوں دن۔"

"ہوں...... کافی سلجھی ہوئی فیملی ہے ان کی۔ دونوں بھائی ملے تھے اور اس کے دادا بھی۔" انہوں نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

"ہوں...... اس کے دادا بھی کافی انسپائر کرنے والی شخصیت رکھتے ہیں مجھ سے بھی کافی اچھے انداز میں ملے تھے۔" احسن بھائی نے بھی کہا۔

"مجھے تو بہت الجھے الجھے سے لگے تھے۔ ہر ایک کو چونک چونک کر دیکھتے رہے تھے۔" وقار صاحب نے بھی اظہار خیال کیا تو ضیاء صاحب چونکے۔

"وہ شاید بیمار ہیں۔ مصطفیٰ کے والد صاحب نے یہاں بلوا لیا تھا اور مصطفیٰ اور اس کے بھائی آتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے آئے تھے میرے ساتھ تو کافی اچھے انداز میں ملے تھے۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں تمہاری شخصیت کا تیر جوان پر چل گیا ہے یاد ہے وہ مصطفیٰ کے نکاح پر ہونے والی ملاقات۔" احسن نے ہنس کر کہا تو ولید بھی ہنس دیا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں انہیں اچھے لوگوں کی پہچان ہے ورنہ تم بھی تو وہیں تھے۔" ولید نے چھیڑا تو احسن نے مصنوعی

غصے سے اسے گھورا۔

وہ لوگ بات کو مزاح کے رخ پر لے گئے تھے ضیاء صاحب نے گہرا سانس لیا۔ جب سے انہوں نے مصطفیٰ کے دادا کو دیکھا تھا ان کے اندر ایک عجیب سی ان کہی سی بے چینی تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکے تھے۔ اب بھی بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بہت تھکن ہوگئی ہے چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔

''کل کا کیا شیڈول ہے؟'' وقار صاحب نے بیگم سے پوچھا۔

''اہم فنکشنز تو نبٹ گئے اب باقی کا کیا سوال؟''

''بچوں سے پوچھ لو گھومنے پھرنے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' وقار صاحب نے روشانے کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرادی۔

''یہ تو ان دونوں نے ہی ڈیسائیڈ کرنا ہے ان ہی سے پوچھیں۔'' ماما نے محبت سے روشانے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمیلی مسکراہٹ لیے سر جھکا گئی۔

احسن اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نیا نیا رشتہ سب کے سامنے آتے ہوئے بھی وہ گھبرا رہی تھی مگر انا زبردستی اسے یہاں لے آئی تھی۔

''بھئی مجھے تو شمالی علاقہ جات دیکھنے جانا ہے۔ روشی نے پاکستان آنے کے بعد بھلا کہاں کوئی ایسی جگہ دیکھی ہے۔ کیوں روشی؟'' احسن نے فوراً کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''چلو ٹھیک ہے پھر تم دونوں مل کر ڈیسائیڈ کرلو پھر گھوم آؤ بعد میں کاروبار میں لگ گئے تو پھر وقت نہیں ملنا۔'' وقار صاحب بھی کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ احسن نے سر ہلایا۔ وہ وہاں سے گئے تو ماما بھی ان کے پیچھے چلی گئی۔

''ماما کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔'' انا کی خاموشی اور سنجیدگی محسوس کرتے احسن نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے اکتا کر کہا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی پر چینل سرچ کرنے لگی۔ احسن نے سوالیہ نظروں سے روشی کو دیکھا۔

''یہ فنکشن میں رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بات کر رہی تھی جس پر پھپو نے ڈانٹ دیا۔'' روشی نے دھیمے سے کہا۔

''اوہ اچھا۔'' احسن قدرے پرسکون ہوا وہ رشتہ داروں سے متعلق انا کے سوال وجواب سے باخبر تھا سو مطمئن ہوگیا تھا۔ ولید نے انا کو دیکھا وہ چینل پر چینل بدل رہی تھی' پاؤں اضطراری انداز میں مسلسل ہل رہا تھا اور لب بھینچ رکھے تھے۔ وہ اسے دن بدن چڑچڑی اور تلخ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا یہ ایسی صرف میری وجہ سے ہو رہی ہے۔'' ولید کے اندر اس سوال نے سر اٹھایا تو وہ سر جھٹکتے اٹھ کھڑا ہوا تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔

''بیٹھو یار کہاں چل دیے۔'' احسن نے کہا تو ولید نے پاکٹ سے موبائل نکال کر دیکھا جانا پہچانا نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔

''تھکن ہو رہی ہے کل سے واپس پرانی روٹین پر آ جانا ہے۔ تم تو لیو پر ہوں گے مجھے ہی اب سب دیکھنا ہے۔'' ولید نے کہا تو اس کا موبائل پھر بجنے لگا تو انا نے ولید کو دیکھا جو ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔

''کس کی کال ہے؟'' احسن نے پوچھا۔

''کچھ نہیں بس ایک دوست ہے۔''

''تو سن لو۔'' احسن نے کہا تو ولید سر ہلاتا یس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگائے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ انا اسے بغور

دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو۔''

''سوری میں فیملی کے ساتھ بزی تھا۔'' وہ کہہ رہا تھا اس کے بعد وہ باہر نکل آیا تھا انا نے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔

وہ خالی الذہنی کیفیت لیے اسے دیکھنے لگی۔

''کس کی کال ہو سکتی ہے؟'' اس کا ذہن الجھنے لگا۔

''کیتھی کی یا کسی اور کی؟'' اس کی سوچ بھٹکنے لگی۔ دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہوا تو اس نے ٹی وی بند کر کے ریموٹ صوفے پر ڈال دیا۔

''آپ بیٹھیں میں چلتی ہوں اور روشی کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دینا میں بھیج دوں گی۔'' اٹھتے ہوئے اس نے کہا تو روشی مسکرائی۔

وہ کمرے میں جانے کی بجائے باہر اندرونی دروازہ کھول کر لان کی طرف آ گئی۔ وہ وہاں سیڑھیوں پر بیٹھی تو چونک گئی۔ اپنے کمرے کے ٹیرس پر ٹہلتا ولید فون پر ابھی بھی بات کر رہا تھا کمرے کی روشنی ٹیرس پر پڑ رہی تھی اور سیڑھیوں سے ٹیرس کا فاصلہ بہت زیادہ نہ تھا اس کی آواز (اگر کچھ توجہ دیتی تو) صاف سنائی دے رہی تھی۔

''میری فیملی کنزرویٹو نہیں ہے، ہم ایک عرصہ باہر گزار کر آئے ہیں تو پھپو کی فیملی کے ساتھ ہی اب رہ رہے ہیں اور روشی کی شادی بھی پھپو کے بیٹے سے کی ہے۔ ہمارے بابا نے بے شک ایک عرصہ باہر گزارا ہے مگر وہ اندر سے وہی ٹپیکل پاکستانی ہیں اور ہم لوگوں کی تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی ہے۔'' ولید نجانے کس سے کہہ رہا تھا اس نے بغور سبھی کچھ سنا تھا۔

''ارے وہ، اچھا انا کی بات کر رہی ہو؟'' اگلے الفاظ پر وہ چونک اٹھی۔

''وہ میری پھپو کی بیٹی ہے میڈیکل کی اسٹوڈنٹ۔''

نجانے کون تھی؟ کسے بتا رہا تھا وہ اس کے اندر کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

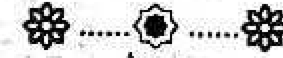
''نہیں تمہارے حوالے سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ اصل میں سبھی بہت بزی رہے ہیں تو کسی نے بطور خاص ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی تمہیں میں نے انوائٹ کیا تھا تم میری گیسٹ تھیں اور سب نے تمہیں گیسٹ کے طور پر ہی ٹریٹ کیا تھا۔'' ولید کے الفاظ پر انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے بارات والے دن ولید کے ساتھ کھڑی وہ لڑکی شدت سے یاد آئی۔ وہ کچھ دیر ہی ہال میں رکی تھی شاید ایک گھنٹہ اور پھر ولید سے مل کر اور روشی کو دیکھ کر چلی گئی تھی۔ وہ جب واپس گئی تھی تب روشی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ خود شہوار کے ساتھ برائیڈل روم میں تھی۔ بعد میں ماما نے ہی اسے بتایا تھا کہ کاشفہ نامی لڑکی ولید اور روشی سے مل کر واپس چلی گئی ہے تب اس نے بے اختیار پرسکون سانس لیا تھا اور اب...... اسے لگا اس کے اندر جذبات کے گہرے طوفان نے سر اٹھالیا ہے۔

''ولید کا اس لڑکی سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' اس کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ولید نے اس کی مدد کی بس سلسلہ ختم تو پھر یہ دوستی اس قدر کیسے بڑھ گئی کہ نہ صرف وہ فنکشن میں انوائٹ تھی بلکہ اس وقت وہ ولید سے رات کے اس پہر موبائل پر بات بھی کر رہی تھی۔'' انا نے دیکھا ولید ٹہلتے ٹہلتے کمرے میں واپس چلا گیا تھا۔ انا کے اندر حبس ایک دم بڑھنے لگا تو اس کا جی چاہا کہ وہ شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس نے خود پر ضبط کرتے مٹھیاں بھینچ لیں تبھی وہ بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود رنگ میں الجھی۔ اس کے اندر کی

جذباتیت بڑھنے لگی۔

"ولید یہ رشتہ میری مجبوری مت بنانا' میں اپنے جذبوں سے ہار کر تمہارا نام اپنے مقدر میں لکھوانے کے جنوں میں ہوں۔ اگر کبھی تم نے دامن چھڑا لیا تو میں جیتے جی مرجاؤں گی۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اپنے جذبوں کے سامنے بالکل بے بس ہوچکی ہوں ورنہ پاپا یوں اس طرح نظرانداز کیا جانا کوئی بھی لڑکی برداشت نہ کرپاتی۔" وہ گھٹنوں میں سر رکھ کر شدت سے سسک اٹھی تھی۔



وہ شاہزیب کے آفس سے نکل کر اوپر اپنے کیبن میں آ کر بیٹھی تو اس کا موبائل بجنے لگا۔ انجان نمبر تھا' اس نے کال پک کرلی۔

"ہیلو......" دوسری طرف کوئی خاتون تھیں۔

"جی کون؟"

"رابعہ بول رہی ہو؟"

"جی بول رہی ہوں مگر آپ؟"

"میں عادلہ بات کررہی ہوں۔" ایک لمحے کو تو رابعہ خاموش ہوگئی تھی۔ عادلہ کل اس سے اس کا موبائل نمبر لے کر واپس گئی تھی۔ وہ اس کے آنسوؤں کو دیکھتی تو اسے لگتا تھا کہ یہ لوگ غلط ہیں مگر یہاں کام کرتے ان کے رویوں کو دیکھتی تو اسے یہ لوگ کہیں سے بھی ظالم نہیں لگ رہے تھے۔

"کیسی ہو' کیا کررہی تھی؟" عادلہ نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"میں آفس میں ہوں اور ظاہر ہے کام ہی کررہی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ عباس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" عادلہ نے پوچھا۔

"ویسا ہی ہے جیسا باس کا اپنے ایمپلائر کے ساتھ ہوتا ہے۔" رابعہ نے الجھ کر کہا۔ کل تو وہ اس کے آنسوؤں سے نرم پڑگئی تھی مگر یہاں آ کر صبح سے وہ شدید ذہنی ٹینشن کا شکار ہورہی تھی۔ ایک پل کو جی چاہا کہ ہادیہ سے بات کرلے۔ وہ فیصلہ نہیں کرپارہی تھی کہ کس کی بات پر یقین کرے' عادلہ کی یا ہادیہ کی۔

"تم عباس کی ظاہری شخصیت پر مت جانا' میں اس کے ساتھ وقت گزار کر آئی ہوں اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ خواتین کے معاملے میں کس قدر گھٹیا سوچ کا مالک ہے۔" عادلہ مزید کہہ رہی تھی وہ چونک گئی۔

"مطلب؟"

"تم سے میں نے ایک دوبار بدتمیزی کی اور پھر مجھے اس بات کا گلٹ رہا کہ ناحق میں نے تمہاری دل شکنی کی ہے سو تم سے معافی مانگنے تمہارے گھر چلی آئی۔ اب تم مجھے بہت اچھی لگی ہو' معصوم سی۔ اسی لیے تمہارے بھلے کے لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ عباس اچھا انسان نہیں ہے وہ اوپر سے جو نظر آتا ہے ایسا کچھ بھی نہیں سو اس کے آفس میں آتے جاتے اس سے بات کرتے کیئرفل رہنا۔ وہ قطعی قابل بھروسا انسان نہیں ہے۔" عادلہ کے الفاظ پر وہ ایک دم شاکڈ رہ گئی۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں' میں اتنے دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ ہوں' میں نے ان لوگوں میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ مجھے تو یہ لوگ عورت کو بہت زیادہ عزت دینے والے ہی لگے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"سب دکھاوا ہے' ابھی تم نئی ہو' چند دن گزر جانے دو وہ شخص اپنی اصلیت پر آجائے گا۔ میرے کہنے پر عمل کروگی تو فائدے میں رہوگی۔" عادلہ نے کہا تو وہ گم صم ہوگئی۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں یہ جاب ہی چھوڑ دوں گی۔" اس نے ایک دم کہا تو دوسری طرف موجود عادلہ فوراً گھبرا گئی تھی۔

"ارے...... ایسا مت کرنا۔ بس تم ذرا دھیان سے رہنا' ڈرنے ورنے کی کوئی ضرورت نہیں' میں تمہارے ساتھ ہوں بس تم اس کی ہر بات مجھے بتانا۔ پھر دیکھنا کیسا سیدھا کروں گی اسے۔" عادلہ نے کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔

"آپ بھلا کیا کریں گی' بقول آپ کے آپ کا بیٹا انہوں نے چھین کر گھر سے نکال دیا ہے اور طلاق تک دینے کو تیار نہیں بھائی آپ کا جیل میں ہے۔" رابعہ نے قدرے ٹھہر کر کہا۔

"میں صرف اپنے باپ کی وجہ سے خاموش ہوں ورنہ مجھ میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ اسے بتاسکوں میں کس حد تک جاسکتی ہوں۔" عادلہ کا انداز ایک دم زہریلا ہوگیا تھا۔

"مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی' سچی بات تو یہ ہے کہ عباس صاحب کے متعلق یہ بات ماننے کو دل آمادہ ہی نہیں ہورہا۔ خیر پھر بات ہوگی میں ابھی مصروف ہوں۔" ایک دم عادلہ کے رویوں سے اکتا اس نے کال کاٹ دی۔ رابعہ نے سر تھام لیا۔ وہ عادلہ کی باتوں پر یقین کرنے پر آمادہ نہ تھی مگر اس کے اندر بے چینی پیدا ہونے لگی تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی عادلہ کی تمام باتوں کو سوچنے لگی۔ کرنے کو بہت سارا کام تھا وہ کام کرتے ہوئے بھی الجھ رہی تبھی کچھ دیر بعد اس کا انٹرکام بج اٹھا۔

"مس رابعہ! آصف گروپ والوں کی فائل لے کر آئیں۔" عباس نے کہہ کر انٹرکام رکھ دیا تو وہ اپنی جگہ ساکت سی ہوگئی۔

"کیا کروں' جاؤں کہ نہیں؟" وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ کچھ پل سوچنے کے بعد اس نے حوصلہ کیا۔ وہ فائل لے کر ان کے روم میں آ گئی' عباس لیپ ٹاپ پر بزی تھا۔

"بیٹھیں۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ رابعہ نے نفی میں سر ہلا کر فائل اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ فائل لے لیں۔" عباس نے فائل تھام لی۔

"آپ بیٹھیں' مجھے اس فائل پر کچھ پوائنٹس کے سلسلے میں ڈسکس کرنا ہے۔" عباس نے کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کرسی پر ٹک گئی۔ انداز ایسا تھا کہ گویا ابھی بھاگ جائے گی۔

"آصف گروپ کے ساتھ جو اس ویک میں ڈیل ہوئی تھی اس کے پیپرز اٹیچ ہیں اس میں۔" فائل کھول کر دیکھتے ہوئے عباس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی سر۔" اس نے سر ہلایا۔

"گڈ۔" عباس سر ہلاتے چند اور پیپرز بھی دیکھے۔

"اوکے یہ دونوں فائلز اپنے سامنے اوپن کرلیں میں کچھ پوائنٹس ادھر سے دہراؤں گا آپ نوٹ کرتی جائیں' دونوں فائلز میں سے جس میں بھی فگرز کی اغلاط ہیں ان کو انڈر لائن کرتی جائیں۔" اپنے پاس رکھی دوسری فائل اٹھا کر اسے تھمائی تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ اس نے دونوں فائلز اپنے سامنے کھول لی تھیں جبکہ عباس نے لیپ ٹاپ سامنے کرلیا تھا۔ اور وہ خالی الذہنی کیفیت لیے بس فائلز کو گھور رہی تھی جبکہ دل و دماغ میں عادلہ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"کیا بات ہے آپ نوٹ نہیں کررہیں۔" اسی طرح خاموش دیکھ کر عباس نے ٹوکا تو اس نے فوراً عباس کو دیکھا۔

"اس فائل میں یہ پوائنٹس نوٹ کریں۔" عباس نے اس کے سامنے رکھی فائل پر انگلی رکھ کر کہا' وہ قدرے ٹیبل پر آگے کی طرف جھک آیا تھا۔

رابعہ نے عباس کے صاف ستھرے ہاتھ کو دیکھا اس نے کف فولڈ کیے ہوئے تھے وہ اچھا خاصا ہینڈسم انسان تھا کہیں سے بھی شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ نہیں لگتا تھا۔

"کیا بات ہے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" اسے اسی طرح خاموش دیکھ کر عباس نے پوچھا تو اس نے فوراً سر اٹھا کر عباس کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"جی سر۔" اس نے خود کو سنبھالنا چاہا۔ عباس نے اسے بغور دیکھا اس کے چہرے سے ہوائیاں اڑتی محسوس ہوئی تھیں۔

"مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگ رہا۔"

"بس وہ سر میں درد ہو رہا تھا تو......" اسے بروقت بہانہ سوجھا تو عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اوکے ٹھیک ہے آپ جائیں اور باہر سے کسی ورکر کو بھیج دیں مجھے ان فائلز کو آج کی تاریخ میں ری چیک کر کے فائل کرنا ہے۔" عباس نے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر زیادہ طبیعت خراب ہے تو آپ گھر جا سکتی ہیں۔" عباس نے مزید کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"اٹس اوکے سر! میں ٹھیک ہوں۔"

"اوکے جیسے آپ کی مرضی۔" عباس نے کندھے اچکائے تو وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ اپنی چیئر پر آ کر بیٹھی تو دل ٹھکانے آنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے؟ اچھی بھلی میں یہاں سیٹ ہو رہی تھی اور اب اس عورت نے یہ ٹینشن پال دی ہے نجانے کون سچ ہے اور کون جھوٹ؟ اگر عباس صاحب کرداری لحاظ سے ایسے ہی کرپٹ انسان ہوتے تو کم از کم کوئی اور ورکر تو ذکر کرتا۔" وہ سوچ سوچ کر الجھنے لگی تھی۔



وہ کسی کام سے کہیں آیا ہوا تھا جب امجد خان کی کال آئی تھی اس نے ریسیو کی تو وہ سلام دعا کے بعد بتانے لگا۔

"سر یہ ایاز کی ضمانت کے آرڈر آ گئے ہیں اس کے والد اس وقت میرے پاس دفتر میں موجود ہیں آپ بتائیں کیا کروں۔" امجد پوچھ رہا تھا مصطفیٰ ایک پل کو خاموش ہو گیا۔

"تو آخر کار انہوں نے ضمانت کروالی۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"بابا کو بتایا؟" اس نے مزید پوچھا۔

"جی سر ابھی ان کو بھی کال کی تھی۔"

"پھر؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ جانے دوں۔ سر میں مزید ان کو نہیں روک سکتا ضمانت کے تمام پیپرز لے کر یہ لوگ آئے ہیں۔"

"ہوں۔" مصطفیٰ نے ہنکارا بھرا۔

"تو پھر جانے دو پیپرز کلیئر کروالو۔ باقی کیا کرنا ہے بعد میں سوچیں گے۔"

"اوکے سر۔" امجد نے کال بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ نے کچھ دیر سوچا اور پھر شاہزیب صاحب کو کال ملائی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔"

"آپ کدھر ہیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"میں بابا صاحب کو لے کر ڈاکٹر کے پاس آیا ہوا ہوں بابا صاحب ڈاکٹر کے پاس ہیں اور میں ویٹنگ روم میں ہوں۔"

"ہوں امجد نے آپ کو کال کی۔" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"ہاں ابھی کال کی تھی بتا رہا تھا کہ ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے اس کا باپ اور وکیل کاغذات لے کر اس کو لینے آئے تھے۔"

"اس کی ضمانت کیسے ہو گئی جبکہ آپ نے خود کہا تھا کہ آپ ضمانت نہیں ہونے دیں گے۔" مصطفیٰ کا انداز ایک دم تیز ہوا تھا۔

"بعض اوقات تعلقات سے زیادہ پیسہ کام کر جاتا ہے تم ٹینشن مت لو اس کی صرف ضمانت ہوئی ہے ہم اس پر مکمل نگاہ رکھیں گے اس کی تمام سرگرمیوں کا ریکارڈ بھی۔ تم جانتے ہو اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل کام نہیں ہے مگر اس طرح ہاتھ ڈالو کہ تمہاری مکمل تیاری ہو اور پھر وہ کبھی ضمانت پر رہا بھی نہ ہو سکے۔"

"وہ تو بعد کی باتیں ہیں آپ کی وجہ سے میں اس کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا ورنہ اس کا وہ حشر کرتا کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھتیں کہ اس نے کس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔" مصطفیٰ کا انداز ایک دم پتھریلا تھا۔

"مصطفیٰ تمہارے اسی جذباتی انداز سے مجھے خوف آتا ہے اس نے ہماری خواتین پر ہاتھ اٹھایا تھا یہ ہم بھی نہیں بھولے مگر اس طرح ملزم کو سزا دو کہ ہمارے ہاتھ بالکل صاف رہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو امجد خان کو ہدایات دے دو کہ ایاز پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور ہاں تم نے اس کے پیچھے جو لڑکی چھوڑی تھی اس کو پھر سے اس کے پیچھے لگا دو۔ اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کرو اور کوئی موقع دیکھ کر گرفت سخت کر لو۔ مگر ابھی جانے دو۔" بابا نے سمجھایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اور اگر اس نے پھر کوئی بدتمیزی کی شہوار کالج جا رہی ہے اگر اسے پھر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو......؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تو تب ہم بھی کوئی حتمی کارروائی کریں گے مگر ہمارا پہلا اقدام شہوار کو سیکورٹی دینا ہے۔ گھر آؤ گے تو اس ٹاپک پر تفصیلی بات ہو گی اس وقت تو مجھے ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں آفس سے سیدھا گھر جا کر بابا صاحب کو لے کر ادھر آیا ہوں اب پھر واپس گھر جاؤں گا اوکے۔" انہوں نے کہہ کر کال بند کر دی۔ مصطفیٰ نے چند پل کچھ سوچا اور پھر ایک نمبر ملایا۔

"السلام علیکم سر!" کال ریسیو ہوتے ہی کہا گیا۔

"وعلیکم السلام! کدھر ہیں آپ؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"سر آفس میں۔"

"آپ ابھی شہوار کے کالج پہنچیں ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے امجد خان کو میں بریفنگ دے دوں گا۔ وہ آپ کو باقی سب کچھ سمجھا دیں گے۔ دھیان سے رہنا ہے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اس معاملے میں میں کوئی کوتاہی پسند نہیں کروں گا۔" مصطفیٰ کا انداز دوٹوک تھا۔

"یس سر۔"

"اوکے ٹیک کیئر۔" مصطفیٰ نے کال بند کر دی۔ وہ اب شہوار کا نمبر ملا رہا تھا۔ کتنی بیلز ہو چکی تھیں مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی مصطفیٰ کے اندر ایک دم شدید غصے کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

"اُف یہ لڑکی......" اس نے پھر کال ملائی اور پھر کچھ بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

"کیا پرابلم ہے آپ کو؟" دوسری طرف شہوار کا انداز بھی کافی غصیلا تھا۔

"تمیز سے بات کریں۔" مصطفیٰ نے سختی سے ٹوکا۔

"میں ادھر وارڈ کی طرف آئی ہوئی ہوں' اتنا اہم راؤنڈ ہے ہمارا جب میں کال ریسیو نہیں کررہی تو اس کا مطلب ہے کہ میں بات نہیں کرنا چاہ رہی اور اس لیے نہیں چاہ رہی کہ میں اس وقت راؤنڈ کی وجہ سے بزی ہوں۔" مصطفیٰ کے سخت انداز پر اس نے بھی سختی سے کہا۔

"میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہورہا ہے' اگر مزید ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" مصطفیٰ نے اس کے الفاظ پر سختی سے جھڑکا تھا۔

"آئندہ جب بھی میں کال کروں تو آپ کہیں بھی ہوں کیسی بھی بزی ہوں فوراً کال ریسیو کریں گی۔" مصطفیٰ نے حتمی انداز میں کہا تو دوسری طرف شہوار اس شاہی فرمان پر جل کر رہ گئی۔

"ہاں آپ پرنس چارمنگ جو ٹھہرے۔" اس نے جل کر کہا۔

"شٹ اپ۔"

"کال کیوں کی؟ فٹافٹ بتائیں میری فیلوز مجھے بلارہی ہیں' ٹائم ویسٹ ہورہا ہے میرا۔" اس نے اکتا کر کہا۔

"ایاز کی ضمانت ہوگئی ہے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے بتایا۔

"کیا؟" دوسری طرف وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔ "کب؟" کچھ توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا۔

"آج ہی' بس یہی اطلاع دینا تھی میں نے اور ایک اہم بات' بہت دھیان سے رہنا ہے اب' تنہا کہیں بھی نہیں نکلنا' ہسپتال کی طرف آتے ہوئے بھی دوستوں کو ساتھ رکھنا ہے' سمجھ رہی ہیں نا میری بات؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"جی۔" شہوار ایک دم سارا غصہ بھول بھال کر نئی فکر میں مبتلا ہوگئی تھی۔

"اور کالج سے واپسی پر مجھے یا بابا کو کال کرنی ہے' ہم ہی پک کریں گے' اوکے۔"

"ہوں۔"

"بس یہی بتانا تھا مجھے۔" مصطفیٰ نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

موبائل پاکٹ میں ڈالے وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا اور سر ہلاتا وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔



وہ اس وقت بھی ایاز کے ہمراہ اپنے گھر میں موجود تھے' وکیل صاحب ابھی رخصت ہوئے تھے' مام اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہورہی تھیں۔ اس کی صحت کافی ڈاؤن تھی وہ صوفے پر لیٹا ہوا تھا اور سر مام کی گود میں تھا۔

"اب دھیان سے کان کھول کر سن لو لاکھوں ادا کیے ہیں میں نے تمہاری ضمانت کے لیے۔ اب کوئی سرگرمی نہیں ہوگی' دوستوں کے ساتھ کوئی ایکٹیویٹی بھی نہیں ہوگی۔ لڑکیوں سے دوستی کلب جانا اور دیگر تمام سرگرمیاں کینسل۔" عبدالقیوم کا انداز بہت حتمی اور دوٹوک تھا۔ ایاز نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو آپ مجھے یوں ڈکٹیٹ کررہے ہیں' میں سمجھ سکتا ہوں سب میٹرز۔"

"اگر سمجھ سکتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی؟" عبدالقیوم نے غصے سے کہا۔

"اچھا بس کریں نا اور کتنا ڈانٹیں گے۔ بتا تو چکا ہے یہ ساری بات آپ کو جھوٹا کیس ڈالا تھا میرے بیٹے پر اور صحت دیکھیں اتنا سا منہ نکل آیا ہے' مجھے تو وہ حالت نہیں بھولتی جو سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر آئی تھی۔" مام نے فوراً اس کی طرف داری کی۔

"بس تمہاری انہی طرفداریوں کی وجہ سے مجھے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں۔" عبدالقیوم صاحب نے اب

بیگم کو گھورا تھا۔

"او ڈیڈ لیو دس ٹاپک۔" کاشفہ نے اکتا کر کہا۔

"میں چھوڑوں گا تو نہیں اس سالی کو اور اس کے اس ہیرو کو بھی۔ بس ایک بار مجھے دوبارہ فارم میں آلینے دیں وہ مزہ چکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد رکھیں گے یہ لوگ۔" ایاز نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔

"سن لیں اس کی باتیں' اس کی انہی جذباتی حرکتوں کا خمیازہ میں آئے دن بھگتتا رہتا ہوں۔ ایاز یہ وہ لوگ نہیں کہ جن کا منہ میں پیسوں سے بھر دیتا تھا تو کوئی تمہارے خلاف بولتا نہیں تھا' یہ سب قانون قاعدے جاننے والے لوگ ہیں تمہارا کیا خیال ہے تمہاری ضمانت ان لوگوں نے آرام سے قبول کرلی ہوگی؟ ہرگز نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ کس طرح تمہاری انکوائری کریں گے' تم پر نظر رکھیں گے۔ عادلہ اس کو سمجھاؤ میں اب کوئی رسک نہیں لے سکتا اگر کوئی ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر اس کی ضمانت بھی نہیں ہوپائے گی۔" عبدالقیوم نے خاموش بیٹھی عادلہ کو بھی کہا تو اس نے گہرا سانس لیا۔

"ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں ایاز! تمہیں اب بہت سوچ سمجھ کر رہنا ہوگا' اس وقت تک جب تک ڈیڈ یہ کیس ختم نہیں کروا لیتے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم شہوار یا مصطفیٰ کو چھوڑ دینا' جس طرح مصطفیٰ نے تمہاری حالت کی تھی میرا تو اپنا خون کھولتا ہے مگر اب جذباتی اقدامات کی بجائے دماغ کا استعمال کرو' ان کو ایسی تکلیف دو کہ اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہوجائیں مگر ابھی نہیں ابھی صبر وسکون سے حالات کا جائزہ لو اور جب صورتحال تمہارے حق میں موافق ہو تم بغیر کسی کو شک میں ڈالے اپنا کام کر جانا۔" عادلہ نے سمجھایا تو مام نے بھی سر ہلایا۔

"عادلہ ٹھیک کہہ رہی ہے' ابھی کوئی ضرورت نہیں خود کو عذاب میں ڈالنے کی۔ اپنے ڈیڈ کے ساتھ ان کا بزنس دیکھو' دوستوں میں جاؤ مگر پرانی تمام سرگرمیوں کو چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔"

"اُف..... آپ سب نے تو ان لوگوں کو ہوّا بنالیا ہے' میں نہیں ڈرتا کسی سے میرے اندر ایک آگ جل رہی ہے' جی تو چاہتا ہے کہ ابھی سب کچھ تہس نہس کر ڈالوں۔" وہ غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"دیکھا تم نے۔" عبدالقیوم نے بیگم کو گھورا۔

"ابھی واپس آیا ہے کچھ سکون لینے دیں پھر سمجھا لیجیے گا۔" بیگم بھی غصے سے کہتی وہاں سے چلی گئی تھیں انہوں نے عادلہ کو دیکھا۔

"ڈونٹ وری ڈیڈ' میں اس کو سمجھالوں گی۔ کچھ نہیں کرے گا وہ۔" اس نے تسلی دی تو عبدالقیوم نے تشکر سے سر ہلا دیا۔

وہ ساری رات نہیں سو سکی تھی اور پھر اگلے دن وہ ناشتا کرکے کمرہ لاک کرکے سوئی تو نجانے کتنے گھنٹوں تک سوتی رہی۔ اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ اور تھکن اور سب سے بڑھ کر ذہنی اذیت وہ ایک بھرپور نیند لے کر 2 بجے کے قریب اٹھی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ اسے کسی نے ڈسٹرب بھی نہیں کیا تھا۔ فریش ہوکر اس نے موبائل کی طرف توجہ دی' شہوار کی کئی کالز اور میسجز تھے۔

"میں اسپتال میں ہوں آج ادھر کا وزٹ تھا' تمہیں بہت مس کررہی ہوں۔" شہوار کا میسج پڑھ کر وہ مسکرائی۔

"میں ابھی سو کر اٹھی ہوں' میں بھی کالج اور تم سب کو بہت مس کررہی ہوں۔ کل سے ان شاءاللہ تم سب کو جوائن کرتی ہوں دوبارہ۔" کال کی بجائے اس نے بھی میسج سینڈ کیا اور پھر موبائل لے کر وہ کچن میں آگئی' فریج میں سے جوس نکال کر اس نے پیا اور پھر پیٹ پوجا کے لیے دیگر چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ تازہ بریانی موجود تھی' اس نے پلیٹ میں نکال لی' فریج

میں سے اسے سیلڈ اور رائتہ بھی مل گیا تھا۔ وہ ٹرے میں نکال کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔

وہاں ماما' ماموں اور روشی موجود تھے' روشی تیار' خوب صورت لباس میں ملبوس تھی وہ اسے دیکھ کر رکی تھی۔

"کہاں کی تیاری ہے۔" ٹرے ٹیبل پر رکھتے اس نے پوچھا۔

"احسن باہر گھومنے جانے کا کہہ رہے تھے۔" روشی نے بتایا۔

"اس وقت؟"

"ہاں رات میں ان کے کسی دوست نے ڈنر پرائویٹ کرلیا ہے تو وہ کہہ رہے تھے کہ اس وقت چلتے ہیں شام میں واپس آ کر پھر ادھر چلے جائیں گے۔"

"زبردست..... گڈ لک۔" وہ مسکراتی ہوئی کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"تم بہت دیر تک سوئیں' میں کئی بار تمہارے کمرے میں گئی مگر تمہیں سوتا دیکھ کر واپس آ گئی۔ احسن بھی دس بجے سو گئے تھے میں باقی سارا وقت بور ہوتی رہی' ایک بجے اٹھے تھے وہ۔"

"ہاں بس رات نیند نہ آئی اور اتنے دنوں کی تھکن میں آنکھ ہی نہ کھلی' ویسے تم کیوں بور ہوئیں؟ ماما' ماموں بھی لوگ گھر پر ہی تھے۔"

"کہاں' صرف بابا گھر پر تھے' ولید اور انکل آفس چلے گئے تھے۔ پھپو بھی دس بجے بوتیک کے لیے نکل گئی تھیں' احسن سو گئے اور بابا بھی۔" روشی بوریت سے اچھی خاصی اکتائی ہوئی تھی وہ ہنس دی۔

"احسن بھائی نظر نہیں آ رہے؟"

"تیار ہو رہے ہیں۔" روشی نے کہا تو تبھی احسن اندر داخل ہوا تھا۔

"میں تیار ہو چکا ہوں' جناب!" انا نے احسن کو دیکھا وہ ٹک سک سا تیار تھا' وہ مسکرا دی۔

"انا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" روشی نے کہا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"آپ لوگ جائیں مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے ہنس کر کہا تو سبھی ہنس دیے روشی نے گھورا۔

"ویسے جا کہاں رہے ہو تم دونوں؟" ماما نے بھی پوچھا۔

"بس لانگ ڈرائیو کا موڈ ہو رہا ہے پھر کسی اچھی جگہ لنچ کریں گے۔" احسن نے کہا۔

"چلیں پھر۔" احسن نے کہا۔

"پھپو جائیں ہم۔" روشا نے ماما سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

"ضرور بیٹا!" انہوں نے اٹھ کر روشی کی پیشانی چومتے اجازت دی تھی۔

وہ دونوں وہاں سے نکلے تو کچھ دیر بعد انا کھانا مکمل کر کے برتن لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"انا....." ماما نے بلایا تو وہ رکی۔

"جی ماما....."

"بیٹا! ولید صبح کہہ رہا تھا کہ اس کا کمرہ بے ترتیب ہو رہا ہے اس کی ڈسٹنگ کی ضرورت ہے' صغراں سے میں نے گھر کی صفائی کروائی ہے تمہیں ڈسٹرب نہ کیا کہ تم تھکی ہوئی ہوگی۔ اب فریش ہو تو تم صغراں سے خود ولید اور بھائی صاحب والے کمروں کی صفائی کروالو۔" ماما نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

برتن سینک میں رکھ کر اس نے صغراں کو بلوا لیا تھا پہلے اس نے ماموں کے کمرے کی صفائی کروائی پھر پردے وغیرہ خود

تبدیل کیے تھے ولید کے کمرے میں آئی وہاں واقعی چیزوں پر جگہ جگہ ڈسٹ دکھائی دی۔

"تم ڈسٹنگ کرو میں باقی کام دیکھ لیتی ہوں۔" اس نے صغراں کو کہا اور خود چیزیں سمیٹنے اور ان کی جگہ پر ترتیب سے رکھنے لگی تھی' شادی کی تیاریوں میں ماموں والے اس حصے کی ٹھیک سے صفائی نہیں ہو پائی تھی۔ ان دونوں کا کافی وقت لگا تھا کمرے کی صفائی میں۔ کمرہ صاف کر کے صغراں تو باقی حصے کی صفائی میں جت گئی تھی جبکہ وہ فرنیچر کے کورز تبدیل کرنے لگ گئی تھی تبھی ولید کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ چونکی۔ ولید آج جلدی آ گیا تھا۔ وہ کھڑکیوں کے پردے تبدیل کر رہی تھی جب ولید نے کمرے میں قدم رکھا تھا اور اسے دیکھ کر چونکا تھا وہ اسٹول رکھے کھڑکیوں کے ہک میں پردہ لٹکا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" ولید نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

"صغراں کو کہتیں وہ یہ سب کرلیتیں۔" ولید نے لیپ ٹاپ اور ہاتھ میں پکڑی فائلز ٹیبل پر رکھیں۔

"صغراں ساتھ ہی تھی۔" وہ اب باہر کے کاموں میں لگ گئی ہے۔" وہ کہہ کر پھر پردے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ہک میں پردہ لٹکاتے اس کا توازن بے قابو ہوا تھا۔

"سنبھل کے۔" وہ جو گرنے والی تھی ولید نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ فوراً خود کو سنبھال گئی تھی' اسٹول سے اتر کر اس نے ولید سے ہاتھ چھڑوایا اس کے انداز میں الجھن تھی ولید چونکا۔

"پیچھے ہٹو میں کر دیتا ہوں۔" ولید نے کہا۔

"نہیں میں صغراں کو کہتی ہوں وہ کرلے گی۔" وہ پیچھے ہٹ کر بیڈ کی طرف آ کر بیڈ شیٹ بدلنے لگی تھی۔ ولید نے اس کی پشت کو دیکھا وہ اسے کافی سنجیدہ لگی۔ بیڈ شیٹ بچھا کر وہ سرہانے اور تکیے کے کور بدلنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے اتنی سنجیدہ کیوں ہو؟" ولید نے اس کے پاس آ کر اس کے ہاتھ سے سرہانہ کھینچ لیا تھا۔

انا نے چونک کر حیرت سے ولید کو دیکھا وہ ازحد سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"میں جو بھی ہوں' آپ سے مطلب؟" اس نے خفگی سے کہہ کر ولید کے ہاتھ سے دوبارہ سرہانہ کھینچ لیا۔ ولید نے بہت تحمل سے اسے دیکھا۔

"اس رویے کی وضاحت کرو پھر یہ کام کرلینا۔" ولید نے اس کے ہاتھ سے کور کھینچ کر دور پھینک دیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں' نہ ہی میرا رویہ بدلا ہے اور نہ ہی انداز البتہ آپ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" اس نے غصے سے کہہ کر سرہانہ بستر پر پھینکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئندہ میرے ساتھ اس قسم کے رویے کی قطعی ضرورت نہیں' مجھے یہاں ماما نے بھیجا تھا' اس لیے مجھے میرا کام کرنے دیں۔" وہ ولید کو دیکھ کر بہت خفگی سے کہہ رہی تھی۔

"کس بات پر ناراض ہو؟" ولید نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہلکا سا مسکرا کر پوچھا۔

"میری آپ سے کوئی خفگی نہیں۔" انا اندر ہی اندر چیخنے لگی تھی سو بہت غصے سے کہا۔

"تو پھر اس غصے کا مقصد؟" ولید نے سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے بغور دیکھتے پوچھا۔

"دماغ خراب ہے میرا؟" وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے جانے لگی تھی کہ ولید نے اس کے سامنے آ کر اس کا رستہ ایک دم روکا۔

"وہ تو میں بھی ایک عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا دماغ اچھا خاصا خراب ہو چکا ہے اور اب تو زیادہ ہی خراب لگ رہا

ہے۔ ویسے یہ بتاؤ کہ آج کس وجہ سے مطلع ابر آلود ہے؟" ولید کا انداز استہزائیہ تھا انا کو ایک دم شدید ہتک کا احساس ہوا اسے لگا کہ در پردہ ولید اسے اس کے احساسات وجذبات کے متعلق طعنہ دے رہا ہے۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے؟" وہ ایک دم چیخی۔

"یہ تو تم بتاؤ کہ کس وجہ سے موڈ خراب ہے اور یہ بات تو پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سارا نزلہ میری ذات پر ہی گرنے والا ہے۔" ولید نے کہا تو اس نے لب بھینچ لیے' سر جھکا ہوا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" وہ خود پر ضبط نہ کر پائی تھی ایک دم سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

"کیا کر رہا ہوں میں؟" ولید کا انداز از حد سنجیدگی لیے مطمئن تھا۔ انا کے اندر ایک سرد کیفیت سی ابھری۔

وہ اس کے سب جذبات واحساسات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا' اس کے مزاج کے بھی رنگوں سے آشنا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے مزاج کی برہمی اور خفگی تک سے باخبر تھا اور اب اس کے سامنے اس طرح انجان بن رہا تھا تو پھر وہ کیوں اس کے سامنے اپنی نسوانیت پامال کرے؟ وہ کیوں اسے بتائے کہ وہ اس کے لیے کس شدت انگیز محبت میں مبتلا ہے۔ وہ کیوں بتائے' وہ اندر ہی اندر سسک اٹھی تھی۔ وہ لب بھینچ کر ایک دم سائیڈ سے نکل کر دروازے کی طرف لپکی تھی' اس کی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر نمکین پانی نے ڈیرہ جمایا تھا۔

"انا......" وہ پیچھے لپکا تھا۔

"یار کیا ہو گیا ہے رکو تو سہی۔" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"سامنے سے ہٹیں۔" آنسو انا کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے اس نے بغیر سر اٹھائے رندھی آواز میں کہا۔

"ایم سوری۔" ولید نے جھک کر کہا وہ شدت سے رو دی۔

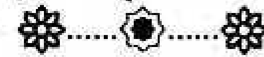
وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی پر قطعی قابو نہ رہا تھا۔ وہ اسے ایک دوسری لڑکی سے بات کرتے سن کر ساری رات روئی تھی۔ گزشتہ ساری رات اس نے کانٹوں پر چلتے' سلگتے اور سسکتے گزاری تھی اور اب......؟ ولید کا وہی انداز تھا نجانے وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟

"انا......یار کیا بات ہے؟" وہ ایک دم اس کے یوں شدت سے رونے سے گھبرا گیا تھا۔

"مجھے جانے دیں۔" انا کسی بھی طور اپنے آنسوؤں کو نہ روک پائی تو غصے سے کہا۔

"اوکے' مگر اس خفگی کی کوئی وجہ تو بتاؤ؟" وہ قطعی پریشان ہو چکا تھا۔ انا نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ولید کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ تفکر بھی تھا۔

"جب آپ کو میرے پل پل بدلتے موڈ کا اچھی طرح پتا چل رہا ہے' میں خفا ہوں' پریشان ہوں' تکلیف میں ہوں ہر چیز ہر کیفیت کا اندازہ لگا رہے ہیں آپ تو پھر ان کے اسباب اور وجہ سے بھی بے خبر نہیں ہوں گے آپ؟ آپ میرے منہ سے کیا سننا چاہتے ہیں یہ کہ میں آپ کو......" وہ جذباتی ہوتے کچھ کہتے کہتے ایک دم رکی تھی' وہ ایک دم نڈھال ہو گئی تھی۔ ولید اس کے اس ردعمل سے ایک دم سٹپٹایا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے وہاں سے نکلی تھی' ولید نے بے بسی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ اس سے شدید خفا ہو گئی ہے۔



وہ اس کے بعد ولید کے سامنے نہیں آئی تھی' روشی اور احسن گھر آ کر تیار ہو کر دعوت میں چلے گئے تھے۔ رات گئے وہ لوگ واپس آئے تھے' روشی گھر آتے ہی ولید کے کمرے کی طرف آئی تھی' ولید لیپ ٹاپ کھولے مصروف تھا' اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیا بات ہے کیوں بار بار کال کر رہے تھے؟ میں پریشان ہو گئی تھی اس کے بعد وہاں مجھ سے رکا بھی نہیں گیا۔" وہ بستر پر آ بیٹھی' اسکن کلر کی فراک میں ملبوس' ہلکے پھلکے میک اپ اور زیورات میں وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔

"مجھے انا کے بارے میں بات کرنی ہے۔" ولید نے لیپ ٹاپ ایک طرف کر دیا تھا۔

"کیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم نے انا سے کوئی بات کی' میرے حوالے سے اس رشتے کو لے کر یا پھر کوئی بھی بات؟" روشی نے حیران ہو کر دیکھا ولید کچھ الجھا ہوا تھا۔

"کب؟"

"آج کل یا پھر ان دو تین دنوں میں؟"

"نہیں بس رشتے کا بتایا تھا تب جب آپ سے بھی بات کی تھی' کیا ہوا کسی نے کچھ کہا؟"

"نہیں مگر انا کا رویہ بہت بدلا ہوا ہے میرے ساتھ۔"

"کیسے؟" ولید نے بہن کو دیکھا کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک دیا۔

"نہیں کچھ بھی نہیں' مجھے وہم ہو سکتا ہے۔"

"کیا انا نے کچھ کہا ہے آپ سے؟" ولید نے نفی میں سر ہلایا۔

"پہلے وہ صرف مجھ سے بھاگ رہی تھی میں نے سمجھا کہ وہ اس منگنی کو لے کر ایسا کر رہی ہے مگر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ مجھ سے اچھی خاصی خفا اور بدگمان بھی ہے۔" ولید نے کہا۔ روشا نے بغور بھائی کو دیکھا۔

"ایک بات بتائیں ولی بھائی؟" ولید نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"انا آپ کی زندگی میں کس مقام پر ہے؟" ولید خاموش ہو گیا تھا۔

"وہ آپ کے بارے میں کیا سوچتی ہے' کیسے جذبات رکھتی ہے آپ بے خبر نہیں مگر آپ کے نزدیک وہ کس مقام پر ہے یہ جاننا ضروری ہے میرے لیے۔ سچ سچ بتائیں آپ اس کو پسند کرتے ہیں نا؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا' وہ بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس جا رکا۔

"وہ ہماری کزن ہے اس لحاظ سے وہ میرے لیے اہم ہے۔" روشی نے بھائی کی پشت کو گھورا۔

"اور فیانسی کی حیثیت سے؟"

"میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا یہ پاپا کا فیصلہ تھا اور بس۔" ولید کا انداز ایک دم دو ٹوک تھا تو روشی نے بھائی کو گھورا۔

"اب تو وہ آپ کی زندگی میں شامل ہو چکی ہے نا' اب تو آپ کو اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑے گا۔ اچھا یہ بتائیں آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں کیا؟"

"میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔" ولید نے ایک دم سختی سے کہا تو روشا نے حیرت زدہ رہ گئی۔

"کیا واقعی ولید کی زندگی میں کوئی اور لڑکی بھی تھی۔" وہ لرز کر گئی۔

"بھائی انا بہت ہی حساس اور شدت پسند لڑکی ہے' اگر کوئی ایسی بات ہے تو ابھی کلیئر کر دیں۔ ابھی اس کا بہت نقصان نہیں ہوا' مگر بعد میں وہ آپ کی طرف سے ایسی کوئی بھی زیادتی سہہ نہیں پائے گی۔" اس کا انداز ایک دم کڑوا ہوا تھا۔

"تم بھی نا' جس بات کے لیے میں نے تمہیں بلوایا ہے وہ پتا کر کے بتاؤ کہ وہ اب کس بات پر مجھ سے خفا ہے۔"

"میں کیوں پتا کروں' آپ کا اپنا مسئلہ ہے آپ خود ہینڈل کریں اور ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر انا کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی ہوئی تو میں قطعی لحاظ نہیں رکھوں گی کہ میں آپ کی بہن ہوں۔" روشی نے بڑی بدلحاظی سے کہا تو

ولید نے اسے گھورا۔

"تم خواتین بس عقل سے پیدل ہو اس سے کوئی بات مت کرنا' میں خود دیکھ لوں گا۔" ولید نے جھنجلا کر کہا اور کھڑکی میں جھک گیا مگر پھر ایک دم چونکا۔ انا لان میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اس کے بعد اب دکھائی دے رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے نا' ہم خواتین عقل سے پیدل ٹھہریں اور آپ لوگ عقل مند ترین مخلوق۔ بہتر ہے خود ہی اس سے بات کریں' اگر خفا ہے تو وجہ پوچھیں میں درمیان میں نہیں آؤں گی۔ ویسے بھی میرا اور اس کا رشتہ اب ایسا ہے کہ میں آپ کے حوالے سے اس سے کوئی بات نہیں کروں گی۔" روشانے کہہ رہی تھی وہ توجہ دیئے بغیر کھڑکی میں مزید جھک گیا تھا۔

وہ چیئر پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی' لان کے بلب کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کی طرف لپکا۔

"کدھر؟" روشی حیران ہوئی۔

"تم جا کر آرام کرو اگر وہ میری وجہ سے پریشان یا خفا ہے تو میں خود ہی دیکھ لوں گا۔" وہ اس کو کہہ کر کمرے سے نکل آ گیا اور پھر تیزی سے راہداری کراس کرتے دوسرے پورشن میں آ کر وہ لان میں نکل آیا تھا۔ انا ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"اگر اس طرح کمرہ بند کر کے یا افسردہ بیٹھ کر رونے سے مسئلے حل ہوتے تو ساری دنیا اس فارمولے پر عمل کرتی۔" اس نے اس کے عقب میں آ کر کہا تو انا حیران ہو کر پلٹی اور پھر اسے موجود پا کر اس کے چہرے کے زاویے تن گئے تھے۔ ولید اس کے عقب سے سامنے آ گیا تھا۔

انا نے لب بھینچ لیے وہ ٹانگیں نیچی کر کے جوتا پہننے لگی تھی۔ تبھی ولید نے اس کے ساتھ ہی بیٹھتے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ناراضی' غصہ' خفگی سبھی بہت اچھی چیزیں ہیں مگر ساتھ ہی سیکنڈ پارٹی کو پتا بھی تو چلے کہ کوئی اس سے خفا ہے اس کے لیے رو رہا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟" ولید نے مسکرا کر کہا۔ انا نے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا تو ولید نے دباؤ ڈالتے مزاحمت سے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" ولید کو سامنے دیکھ کر اس کی آواز پھر رندھ گئی تھی۔

"تو مت کرو میں تم سے کر لیتا ہوں۔" ولید نے مسکرا کر کہا تو اس نے ولید کو دیکھا اس کی مسکراہٹ بڑی اٹریکٹو تھی' دل کو کھینچ لینے والی۔

ایک دفعہ پھر اسے اپنا دل اپنے بس سے باہر ہوتا محسوس ہوا۔ ولید نے ہاتھ میں تھاما اس کا ہاتھ اپنے سامنے کیا' اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں جگمگاتی انگوٹھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ انا دوسرے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں میں در آنے والی نمی صاف کر رہی تھی۔

"بابا کی چوائس بڑی لاجواب ہے۔" ولید نے کہا تو اس نے چونک کر ولید کو دیکھا وہ اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تو اس نے گرفت مزید سخت کر دی۔ ولید نے دوسرے ہاتھ سے اس کی انگوٹھی کو چھوا تھا۔

"جب بابا نے مجھے یہ انگوٹھی دکھائی تھی تو مجھے کوئی خاص اچھی نہ لگی تھی مگر اب یہ تمہارے ہاتھ میں آ کر سج سی گئی ہے۔" اس کے الفاظ پر انا ساری ناراضی بھول کر گھبرا سی گئی تھی۔

"ناراضی کے لیے کسی سبب کا ہونا ضروری ہوتا ہے مائی ڈیئر! اب جلدی سے بولو کہ یہ سارا نزلہ مجھ پر کیوں گر رہا ہے۔" ولید نے اگلے ہی پل سنجیدگی اختیار کی تھی۔

"آپ کو اس سے کیا میں ناراض ہوں' کیوں ہوں' کیا وجہ ہے آپ سے مطلب؟" ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سچ کہتے ہیں کہ کسی بھی عورت کو راضی کرنا زندگی کا مشکل ترین کام ہے۔"

"آپ نے مجھے راضی کیا ہی کب ہے؟" اس نے خفگی سے کہا۔

"چلو اب خود چل کر آیا ہوں تمہارے پاس' تم سے معافی مانگنے' کہو کیا لوگی راضی ہونے کا؟ کہو تو تمہارے قدموں میں جھک کر معافی مانگ لوں۔" بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا تھا' انا حیرت سے دیکھنے لگی۔

ولید کی گرفت میں اب بھی اس کا ہاتھ تھا جو وہ بہت آہستگی سے سہلا رہا تھا۔ وہ ایک دم موم کی طرح پگھلنے لگی۔ پلکوں کی جھالر عارضوں پر جھکی تو چہرے پر ایک دم حیا کی اداسی سی چھا گئی۔ ولید ایک دم حیرت زدہ رہ گیا' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔ ایک فسوں تھا جو اس رات کی خاموشی اور ارد گرد کی تنہائی نے دونوں کے گرد پھیلا دیا تھا۔

"انا بعض اوقات جو دکھائی دیتا ہے وہ قطعی سچ نہیں ہوتا۔ تم بہت اچھی ہو اتنی کہ کبھی کبھار مجھے لگتا ہے کہ......" ولید بھی ایک لمحے کو اس فسوں کا شکار ہو گیا تھا وہ نجانے کیا کہنا چاہ رہا تھا مگر پھر سنبھل گیا۔

اس نے انا کو دیکھا' اس کا حسن خیرہ کن تھا' اس کا وجود مثل ماہتاب تھا۔ اس کی پلکوں کی جھالر اس کی حیا کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کے عارضوں کی لالی اس کے اندر کے موسم کا پتا دے رہی تھی اس کے ہاتھ کی لرزش اس کی کمزوری سب دکھا رہی تھی۔ ولید نے اس کا ہاتھ ایک دم چھوڑ دیا تو وہ چونکی۔

"آ...... آپ......" اس نے کچھ کہنا چاہا تو ولید اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہرحال جو بھی ہے مگر تمہاری ناراضی' تمہاری خاموشی مجھے تکلیف دیتی ہے۔" ولید ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کی طرف سے پشت کیے کہہ رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔

"آؤ ذرا ٹہلتے ہیں' بڑے دن گزرے تم سے کوئی تفصیلی بات ہی نہیں کی۔" اس کی طرف چہرہ کرتے ولید نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک دم سر ہلا گئی۔ ولی کی اتنی سی توجہ سے ہی وہ کھل اٹھی تھی۔ ولید کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے وہ خود کو ہر قدم پر معتبر سی محسوس کر رہی تھی۔

"انا......" چند قدم چلنے کے بعد ولید نے پکارا تو وہ رک گئی۔

"تم زندگی میں میرے ساتھ کس حد تک چلو گی؟" ولید اب اس کے سامنے آ رکا تھا۔ ولید کے پوچھنے پر وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اگر کبھی میں تمہیں کہوں کہ ان سب کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلو تو چلو گی؟" وہ ساکن رہ گئی تھی۔ وہ ایسا کیوں پوچھ رہا تھا۔ کیا چل رہا تھا اس کے دماغ میں۔

"بولو دو گی ساتھ میرا۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ انا نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" وہ ایک دم سنجیدہ ہوئی۔

ولید نے چند پل اسے بغور دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

"چھوڑو...... میں مذاق کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے پھر سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ انا ابھی بھی حیرت زدہ اسی جگہ ساکن کھڑی تھی...... اس نے ایسا کیوں کہا تھا؟ وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا؟

"ولی......" اس نے پکارا تو ولید رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ ابھی بھی اسی جگہ کھڑی تھی۔ وہ پلٹا اور پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"آپ نے ایسا مذاق کیوں کیا؟" وہ سنجیدہ تھی ولید مسکرا دیا۔

"چھوڑو کہا نا صرف مذاق تھا...... بس یونہی اوٹ پٹانگ باتیں اکثر دماغ میں آ سماتی ہیں۔ جن کا کوئی واضح مطلب نہیں ہوتا۔"

"جب کوئی واضح مطلب نہیں ہوتا تو پھر ایسی باتیں دماغ میں سماتی ہی کیوں ہیں؟" وہ ابھی بھی پریشان تھی۔ ولید نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما اور چلنا شروع کردیا۔

"رات آپ کس سے بات کررہے تھے؟" چلتے چلتے اچانک اس نے پوچھا تو ولید ٹھٹک کر رکا۔

"کب؟" اس نے انا کو دیکھا وہ اردگرد دیکھتے اس سے نظر بچا رہی تھی۔

"رات میں...... آپ ادھر ٹیرس پر تھے میں لان کی سیڑھیوں پر تھی۔"

"اوہ......" ولید نے اسے بغور دیکھا۔ "کاشفہ تھی۔"

"اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا پھر آپ نے اس کی مدد کی مگر اب آپ دونوں کی دوستی کیسے ہوگئی؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال کرگئی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"دوستی ہونے کے لیے کیا کسی خاص وجہ کی ضرورت ہوتی ہے؟" ولید نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے، جس طرح کی وہ لڑکی ہے میں نہیں سمجھتی کہ آپ خود چل کر اس سے دوستی کرنے گئے ہوں گے۔"

"وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔" ولید نے ٹالا۔

"مگر مجھے وہ اچھی نہیں لگی، بالکل بھی نہیں۔" انا نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

"اب بتاؤ ناراض کیوں تھیں؟" ولید نے قطعی مختلف بات کی تھی۔ انا کو لگا کہ جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس کے چہرے پر ایک دم سرخی سی چھا گئی تھی۔

"میں کوئی ناراض وراض نہیں تھی۔" وہ کہہ کر پھر چلنے لگی تو ولید بھی ہم قدم ہوا۔

"او کے تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ وہ شام سے پہلے تمہارا ہم شکل کوئی بھوت ووت تھا جو آنسو بہاتا وہاں سے نکلا تھا۔" ولید کے انداز میں شوخی تھی، وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔ اسے اپنی جذباتیت پر غصہ بھی آنے لگا۔ خوامخواہ اس کے سامنے جذباتیت دکھانے کی ضرورت کیا تھی۔

"چلو اب تو یقین دہانی کروادو کہ محترمہ اب ناراض نہیں ہیں نا؟" وہ ساتھ چلتے تسلی چاہ رہا تھا۔ وہ ہنس دی۔ یہ پہلی بار بے اختیار ہر تکلیف واذیت سے آزاد ہنسی تھی جو اس کے ہونٹوں پر آئی تھی۔ ولید نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

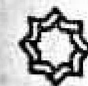
"نہیں میں آپ سے ناراض نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہوں۔"

"اور اگر کبھی ہوگئیں تو؟"

"تو مجھے منانا کون سا مشکل ہے آپ منا لیجیے گا نا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی ولید بس اسے دیکھنے لگا۔

دل پر پڑا بوجھ پتا نہیں کم ہوا تھا یا مزید بڑھ گیا تھا، ولید کو کچھ سمجھ نہ آئی تو وہ لب بھینچ گیا اور پھر انا کے ساتھ قدم ملانے لگا تھا مگر اب کی بار اس کا رخ اندر کی جانب تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



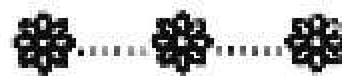
قسط نمبر 20

بے کراں شب میں کہیں ایک ستارہ ہی سہی
ڈوبنے والے کو تکنے کا سہارا ہی سہی
وقت کی اپنی عدالت بھی ہوا کرتی ہے
آج اس شہر میں قانون تمہارا ہی سہی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا صاحب مصطفیٰ اور دیگر گھر والوں کے ساتھ ولید کے ہاں شادی کے فنکشن میں جاتے ہیں تو ولید کے والد ضیاء صاحب سے ان کے بیک گراؤنڈ اور اہلیہ کی وفات کے متعلق پوچھتے ہیں جس پر ضیا صاحب گھبرا جاتے ہیں۔ دوسری طرف بابا صاحب کچھ تسلی بخش جواب نہ ملنے پر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ شہوار شادی کے فنکشن میں انا کے ساتھ خوب انجوائے کرتی ہے اور وہیں رات گزارتی ہے جبکہ انا ولید اور کاشفہ کی بے تکلفی پر از حد سنجیدہ رہتی ہے۔ بابا صاحب ولید اور اس کے گھر والوں سے مل کر واپسی کا ارادہ کرتے ہیں لیکن شاہزیب اور مصطفیٰ کے اصرار پر رک جاتے ہیں وہ انہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں اور بابا صاحب بھی ان کی بات پر بالآخر رضامند ہو جاتے ہیں۔ ماں جی شہوار اور مصطفیٰ کی رخصتی کے متعلق بات کرتی ہیں تو شہوار منظر سے غائب ہو جاتی ہے دوسری طرف مصطفیٰ بھی انہیں فی الحال اس بات سے منع کر دیتا ہے۔ مصطفیٰ اور شہوار کے برہم انداز پر دریہ یہی اندازہ لگاتی ہے کہ دونوں ہی اس رشتے سے ناخوش ہیں جبکہ لائبہ بھابی دریہ کی مصطفیٰ سے بے تکلفی دیکھ کر شہوار کو محتاط رہنے کا مشورہ بھی دیتی ہیں لیکن شہوار اپنے ذاتی اختلافات کی بنیاد پر لائبہ بھابی کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔ انا شادی کے فنکشن میں رشتہ داروں کی غیر موجودگی سے متعلق ایک بار پھر صبوحی بیگم سے سوال کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر خاموش کرا دیتی ہیں لیکن انا الجھ جاتی ہے اسی دوران ولید کو کاشفہ سے بات کرتے سن کر اس کی جانب سے بداعتمادی کا شکار ہوتی سسک پڑتی ہے لیکن ولید اس بات سے بے خبر رہتا ہے۔ ایاز کی ضمانت ہو جانے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے اور شہوار کو بھی محتاط رہنے کا کہتا ہے جبکہ شہوار اس کا نام سن کر ہی خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ عادل، رابعہ کو اپنے مقصد کی خاطر استعمال کرتے اسے عباس کے خلاف ورغلاتی ہے اور اس سے وہاں کی تمام معلومات حاصل کرتی ہے جس پر رابعہ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایاز رہا ہو کر گھر پہنچتا ہے تو مصطفیٰ اور شہوار کے خلاف سخت اقدام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جس پر عادل اسے جذباتی ہونے کی بجائے ہوش و حواس سے کام لینے کا کہتی ہے۔ انا کا سامنا ولید سے ہوتا ہے تو کاشفہ کو لے کر سخت جذباتی ہو جاتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ولید اس سے بات کر کے اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ کر اسے منا لیتا ہے۔ ساتھ ہی نہایت سچائی کے ساتھ وہ اسے کاشفہ کی دوستی کے متعلق بتاتا ہے جس پر انا اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے لیکن ولید اس کی بات پر کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

(اب آگے پڑھیے)



وہ بہت پریشان تھی، عادلہ کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اسے اس کے آنسو نہیں بھولتے تھے اور اپنے بیٹے کے لیے اس کی تڑپ اسے رہ رہ کر وہی یاد آ گئی تھی آفس سے واپسی پر وہ سارا وقت خاموش رہی۔

"کیا بات ہے کوئی الجھن ہے؟" ہادیہ نے پوچھا ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ ہادیہ سے کہہ دے مگر پھر ٹال گئی۔

"کوئی بات نہیں۔"

"آج ہمارے گھر چلو۔" ڈرائیو کرتے ہادیہ نے کہا۔

"نہیں...... گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔"

"فون کر دو۔"

"نہیں پھر کسی دن چھٹی والے دن چکر لگاؤں گی۔"

"اوکے......"

"ہادیہ یہ سر عباس کا بے بی کس کے پاس ہے ماں کے یا باپ کے؟"

"سر عباس کے پاس' کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔" وہ سوچنے لگی۔

"اور یہ سر عباس کریکٹر وائز کیسے ہیں؟"

"کیوں تم اتنے دن سے ان کے ساتھ کام کر رہی ہو ابھی تک تمہیں اندازہ نہیں ہوا۔" ہادیہ نے حیرانی سے پوچھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"بعض اوقات اندازے غلط بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔" ہادیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مطلب۔"

"پتا نہیں، میں بہت الجھن میں ہوں۔" ہادیہ حیران ہوئی اس نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی۔

"کیا ہوا...... انہوں نے کچھ کہا یا ڈانٹا ہے تمہیں؟" رابعہ سنبھلی پھر مسکرا دی۔

"نہیں۔"

"تو پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رابعہ کا جی چاہا کہ عادلہ کی اپنے گھر آمد اور کالز سمیت سب بتا دے مگر پھر خاموش ہو کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ پہلے دن سے ہی ان سے تلخ کلامی ہو گئی تھی تو ذہن میں ایک عجیب سا امیج بن گیا ہے جو مجھے ان کے بارے میں مطمئن نہیں ہونے دیتا۔"

"اف...... میں تو ڈر گئی تھی کہ نجانے کیا بات ہو گئی ہے اور تم ایسی لڑکی تو نہیں ہو جو ان سے ڈرنے کی کوشش کرے اور اب تو رویہ بھی تمہارے ساتھ کافی بہتر ہے۔" ہادیہ کے الفاظ پر اس نے سر ہلا دیا۔

"ویسے بے فکر رہو سر عباس بہت ہی ریزرو رہنے والے کائنڈ ہارٹڈ پرسن ہیں وہ تو عادلہ کے ساتھ ان کی نہیں بنی ورنہ اب بھی لڑکیاں ان کی زندگی میں شامل ہونے پر فخر محسوس کریں گی۔"

"اچھا کہیں تم بھی تو ان میں شامل نہیں ہو۔" اپنے ذہن کو بٹانے کے لیے رابعہ نے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔

"اگر میں ابوبکر کے بارے میں سنجیدہ نہ ہوتی تو شاید سوچتی......" ہادیہ افسردہ ہو گئی تھی۔ رابعہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"چھوڑو، سمجھ لو وہ بھی عام لڑکوں جیسا ایک انسان تھا۔ اگر اسے تمہاری پروا ہوتی تو اب تک کچھ کرتا، کم از کم تم سے اتنے سالوں میں رابطہ تو کرتا۔ نجانے کہاں ہے ایک تن تنہا لڑکا جس کا کوئی اتا پتا نہ تھا تمہیں بھی ساری دنیا چھوڑ کر

ایک وہی ملا تھا۔"

"میں بہت بار سوچتی ہوں کہ اسے بھول جاؤں مگر اب یہ میرے بس میں نہیں اور مجھے کبھی بھی یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کو میں ناپسند تھی۔ مجھے تو ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتا ہوگا۔" ہادیہ کی افسردگی میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔

"'''صرف لگتا تھا نا اس نے کبھی اپنی زبان سے اظہار تو نہیں کیا تھا جس طرح وہ تم لوگوں کی زندگی میں آیا چلا بھی گیا تھا۔"

"خان بابا بتاتے ہیں کہ وہ اپنے والد سے کسی بات پر ناراض ہوکر گھر سے نکلا تھا اس کا باپ پولیس میں تھا تب اپنے باپ سے بھی نہیں ملتا تھا۔ ان کے پاس مدد مانگنے آیا تھا اس کی ماں اس کے بہن بھائیوں کو لے کر بچپن میں کہیں کھو گئی تھی وہ اپنی ماں اور اپنی فیملی کی تلاش میں نکلا تھا اور پھر نجانے کیا ہوا ہمارا گھر بھی چھوڑ کر چلا گیا۔"

"ہوسکتا ہے وہ اپنے باپ کے پاس واپس چلا گیا ہو۔" رابعہ نے خیال آرائی کی۔

"نہیں، اگر وہ ادھر جاتا تو خان بابا کو تو ضرور علم ہوتا اور پھر میں اس کی لگتی بھی کیا تھی جو وہ مجھے بتا کر جاتا، مجھے تو لگتا ہے کہ اسے خبر ہوگئی تھی کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں اور وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھاگ گیا۔" ہادیہ اس ٹاپک کو لے کر ہمیشہ سیریس ہو جاتی تھی اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا رابعہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا۔

"اچھا چھوڑو تم کیوں اب اپنی زندگی کو ضائع کر رہی ہو، ایک شخص پر تو زندگی ختم نہیں ہو جاتی نا، نہ کوئی وعدہ، نہ میل نہ ملاقات بس اب سب بھول جاؤ آنٹی بھی کئی بار مجھ سے شکوہ کر چکی ہیں کہ جو بھی اچھا پروپوزل آتا ہے تم انکار کر دیتی ہو۔" ہادیہ نے ایک گہرا سانس لیتے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"بس ابھی میں اس ٹاپک پر سوچنا نہیں چاہتی نجانے مجھے کیوں یقین ہے کہ ابو بکر ضرور آئے گا پتا نہیں کیوں اس کی طرف سے میرا دل مایوس نہیں ہوتا۔" ہادیہ بہت پرامید تھی رابعہ مسکرا دی۔

"اللہ کرے۔"

"آمین۔" ہادیہ نے کہا تو وہ بھی سر ہلا گئی۔

"نجانے بات کہاں سے کہاں چلی گئی تم ٹینشن فری ہوکر جاب کرو، سر عباس اور عادلہ دونوں کی فیملیز کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں بہت اچھے لوگ ہیں سر وغیرہ۔ عادلہ تو بدقسمت ہے جو سر کو چھوڑ کر چلی گئی۔" ہادیہ کے الفاظ پر رابعہ چونکی۔

مگر وہ عادلہ کے آنسو۔

اپنے بیٹے کے لیے اس کی تڑپ۔

"ہوسکتا ہے عادلہ اتنی غلط نہ ہو سر عباس یا ان کی فیملی کی ہی کوئی سازش ہو۔ دنیا کے سامنے عادلہ کو غلط بنا کر پیش کر رہے ہوں۔"

"مائی گڈنیس۔" ہادیہ نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو ان بلیو ایبل ابھی چند دن پہلے عادلہ سب لوگوں کے سامنے تمہیں برا بھلا کہہ کر گئی تھی۔"

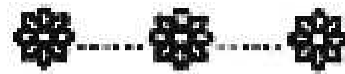
"ہوسکتا ہے عادلہ کو کسی بات کا غصہ ہو اور مجھ پر نکل گیا ہو۔" ہادیہ کافی حیران تھی۔

"امیزنگ وہ عورت تمہیں کئی بار برا بھلا کہہ چکی ہے اور تم اس کی فیور کر رہی ہو۔"

"میں کسی کی فیور نہیں کر رہی۔ میں بس یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ اگر عادلہ واقعی کرپٹ ہے تو اس کرپشن میں سر لوگوں کی فیملی کا کیا رول ہے۔"

''سرلوگوں کی فیملی اور آل ایمانداری کے ساتھ چل رہی ہے۔ عادلہ اس کا بھائی اور ایک بہن پیسے کی فراوانی نے سب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے ہر بری عادت ان تینوں میں موجود ہے اور بھائی تو نمبر ایک فلرٹ، لوفر اور غنڈہ ہے۔'' ہادیہ نے پھر سکون سے سب کہا تو رابعہ لب دانت تلے دبا گئی۔

''جو بھی ہو میں اب عادلہ کی کسی بات پر یقین نہیں کروں گی مجھے کیا مرعباس اس سے جیسا بھی سلوک کریں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے میں کیوں اس قدر دانوالو ہو رہی ہوں بھاڑ میں جائیں دونوں۔'' مسلسل ایک ہی بات کو سوچتے بہت چڑ کر اس نے تنفر سے سوچا۔



شہوار گھر آئی تو بابا صاحب گاؤں جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ شاہزیب صاحب منع بھی کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر سے دو تین اور سیشن کروالیں مگر وہ کسی بھی طرح آمادہ نہ ہوئے مجبوراً شاہزیب صاحب کو ڈرائیور کے ساتھ ان کو بھیجنا پڑا تھا۔ انہوں نے دریہ کو ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ انکار کر گئی سو شہوار نے ایک دم بابا صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ایک تو مہرالنساء کی شادی کی تاریخ طے کرنے والی بات پر وہ پہلے ہی پریشان تھی اوپر سے ایاز کی ضمانت ہو جانے والی اطلاع نے بھی اسے خوفزدہ کر دیا تھا ایسے میں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی کونے میں جا کر چھپ جائے۔ اسے جانے پر تیار دیکھ کر انکل اور ماں جی دونوں نے منع کیا تھا مگر اس نے ایک دو دن کا پروگرام کہہ کر رضا مندی لے لی تھی۔ سو اسی وقت وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ ۹ بجے تک وہ لوگ گاؤں میں تھے۔

دو تین گھنٹوں کا سفر آرام و سکون سے گزرا تھا۔ حویلی پہنچنے پر تا بندہ بوا سے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں مگر وہ ان کے ساتھ نارمل ہی رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کرنے لیٹ گئی تھی سارا راستہ اس نے موبائل بند رکھا تھا کمرے میں آتے ہی آن کیا تھا۔ وہ ابھی گہری نیند میں تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا اس نے غنودگی میں موبائل تھاما اور کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔'' وہ ابھی بھی نیند میں تھی۔

''بغیر اطلاع کے اس طرح بابا صاحب کے ساتھ جانے کا مقصد؟'' دوسری طرف مصطفیٰ تھا جو بہت سنجیدگی سے مخاطب تھا شہوار کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔

''آپ؟'' اس نے موبائل کو دیکھا مصطفیٰ کے نمبر سے کال تھی اس نے دوبارہ موبائل کان سے لگایا۔

''امی سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ کمرے میں سائیڈ لیمپ کی روشنی تھی وہ اسی طرح لیٹی رہی۔ ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ وہ رات کے اس پہر اسے کال کرے گا۔

''موبائل کیوں بند تھا؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میری مرضی اور مائنڈ اٹ میں آپ کو اطلاع دینے کی پابند نہیں ہوں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے ٹوکا۔

''کال کیوں کی؟'' اس نے اس کے غصے کو نظر انداز کر دیا۔

''تم اچھی طرح جانتی تھی کہ ایاز باہر آچکا ہے پھر بھی تم نے تنہا آنے کی غلطی کی؟'' دوسری طرف مصطفیٰ نے غصے سے کہا۔

''بابا صاحب ساتھ تھے۔'' اس نے جتایا۔

''اگر کوئی پرابلم ہو جاتی تو تنہا بابا صاحب کیا کر سکتے تھے اوپر سے تم نے موبائل بھی بند کر رکھا تھا۔''

''موبائل کی بیٹری چارج نہیں تھی۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

"واپس کب آنا ہے؟" دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"دو تین دن رکوں گی۔" اسے بادل نخواستہ بتانا پڑا۔

"کیا کر رہی تھیں اس وقت؟" مصطفیٰ کا موڈ اب نارمل تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آدھی رات کو لوگ کیا کرتے ہیں بھلا؟"

"لوگوں کا تو پتا نہیں میں تمہارا پوچھ رہا ہوں۔" مصطفیٰ شاید بہت فری ہوکر کال کر رہا تھا شہوار نے گھور کر موبائل کو دیکھا اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"مجھے نیند آرہی ہے..... میں کال بند کر رہی ہوں۔"

"رکو شہوار۔" مصطفیٰ نے فوراً کہا تو کال ڈراپ کرتے وہ رک گئی۔

"اب کیا ہے؟" آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"ماں جی رخصتی کا کہہ رہی ہیں تابندہ بوا سے ابھی میری بات نہیں ہوئی اس لیے مجھے نہیں علم کہ وہ کیا چاہتی ہیں کل تک میں بھی رخصتی کے حق میں نہیں تھا مگر آج بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب جلد از جلد رخصتی ہو جانی چاہیے۔" شہوار ایک دم چونک گئی۔ نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔

"مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"میں تم سے تمہاری رائے نہیں مانگ رہا بلکہ اپنا فیصلہ سنا رہا ہوں۔" دوسری طرف مصطفیٰ کا تحکم بھرا انداز تھا وہ ساکت ہوئی۔

"آپ مجھ پر زبردستی کریں گے؟" اس نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"اگر آپ محترمہ میں عقل نامی کوئی چیز ہوتی تو شاید کچھ اور سوچتا۔" مصطفیٰ کا انداز حد سلگا دینے والا تھا۔

شہوار نے ایک دم شدید طیش میں آکر موبائل بند کر دیا۔

"نجانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔" وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔ موبائل ایک طرف پٹخا تو دوبارہ بجنے لگا اس نے غصے سے اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کا نام جگمگا رہا تھا۔ جی میں آئی کہ اگنور کر دے مگر اس نے دوبارہ تھام لیا۔

"اب کیا ہے؟" اس نے لہجے میں بیزاری تھی۔

"میرے قریب ہوتی تو بتاتا تمہیں کہ مجھے کیا ہے؟" مصطفیٰ کا بہت سنجیدہ انداز تھا وہ چٹک کر رہ گئی شرم سے چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"مجھے یہ فضول سے مکالمے نہیں سننے جو کہنا ہے صاف کہیں۔"

"بوا جی سو گئیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"انہوں نے حویلی میں کوئی کارخانے نہیں کھول رکھے کہ وہ اس وقت آدھی رات کو ان کی سپرویژن کریں۔" اس نے بہت سلگ کر کہا۔

"دیکھیں مجھے بہت نیند آرہی ہے آج سارا دن کالج میں بہت بزی گزرا اور پھر اس کے بعد یہ گاؤں کا سفر، میں اس وقت بہت تھک گئی ہوں آپ نے جو بھی کہنا ہو صبح کال کر لیجیے گا۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اس نے کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ ہنسا تھا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو پھر بات ہو گی اللہ حافظ۔" شہوار نے جواباً کچھ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔ موبائل دوبارہ سرہانے پر ڈالتے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔

مصطفیٰ نے رخصتی کی بات کی تھی اب اسے خاک نیند آئی تھی۔ وہ لائٹ آن کرتے کھڑکی کھول کر باہر حویلی کے وسیع و عریض صحن کی طرف دیکھنے لگی جس کے دوسری طرف چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ جہاں رات کی رانی کی مہک سارے ماحول میں رچی ہوئی تھی۔

"کیا کروں، اگر امی نے میری بات مانی ہی ہوتی تو وہ اس نکاح کو ہی کیوں ہونے دیتیں نجانے وہ کس سوچ میں ہیں بھلا کبھی مخمل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا دیکھا ہے امی ایسے پرسکون ہیں جیسے ساری دنیا فتح کرلی ہو کوئی مجھ سے پوچھے کہ میری جان کن عذابوں میں ہے۔" کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھتے وہ ایک دم سسک اٹھی۔

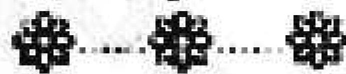
"اور وہ دریاس کی باتیں کس کس چیز کو نظر انداز کروں۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری۔

اسے کچھ دیر قبل مصطفیٰ کا فیصلہ کن انداز یاد آنے لگا۔ شہوار کی بے قراریاں ایک دم بڑھنے لگیں۔

"آخر امی بتا کیوں نہیں دیتیں کہ میرا اصل کیا ہے کون ہوں میں، مجھے یقین ہے وہ سب جانتی ہیں نجانے کون سی مصلحت انہیں زبان کھولنے سے روک دیتی ہے۔" وہ اضطراب سے کھڑکی بند کرتے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"اور اب یہ نیا دردِ سر ایاز پولیس کسٹڈی میں تھا تو کتنا سکون تھا کم از کم اس کی طرف سے تو کوئی خوف نہ تھا اور اب اس کی وجہ سے مصطفیٰ کو بھی جھیلنا پڑے گا۔" دوبارہ بستر پر آکر بیٹھتے موبائل کو گھورتے اس نے سوچا، میں صبح امی سے حتمی بات کروں گی۔ مجھے یہ ذلت کی زندگی منظور نہیں میں عزت کی زندگی جینا چاہتی ہوں چاہے کسی جھونپڑی میں ہی کیوں نہ ہو ایک آخری اور حتمی بات ہوگی اب امی سے۔ ورنہ پھر میں بھی بھول جاؤں گی کہ میرا "ماں" جیسا کوئی رشتہ موجود تھا۔"

اس نے بہت جذباتی ہوتے ایک حتمی اور فیصلہ کن سوچ پر خود کو کاربند کرتے گہرا سانس لیا تھا۔



اگلے دن وہ سارا وقت تابندہ بوا سے بات کرنے کا وقت ڈھونڈتی رہی مگر بوا سے کسی بھی وقت تنہا نہ ملیں عصر کے وقت وہ نماز پڑھ کر لاؤنج میں آ کیں تو شہوار بھی فوراً وہیں آ گئی۔

"امی مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" تابندہ بوا نے اس کے بہت دوٹوک انداز کو دیکھا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

"بیٹھو۔" وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

"مہر النساء آنٹی نے آپ سے رخصتی کی بات کی ہوگی؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوا نے گہرا سانس لیا۔

"ہاں کی تھی۔"

"تو پھر آپ نے کیا کہا؟"

"نکاح ہوچکا ہے تم اب ان کی امانت ہو میں بھلا کیا کہتی؟" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کہہ دی۔" وہ ایک دم شدید غم و غصے سے گویا ہوئی تھی۔

"ہاں اس کے باوجود، میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد اپنے گھر کی ہوجاؤ، زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں میں اس نکاح کو لٹکانا نہیں چاہتی۔" تابندہ کا صاف اور سنجیدہ انداز تھا۔

"اور وہ جو میرے کچھ ذاتی مفادات تھے ان کے بارے میں نہ آپ نے پہلے سوچا اور نہ ہی اب...... امی میں آپ کو واضح کہہ چکی ہوں کہ میں یہ شادی نہیں کرسکتی۔"

"شہوار یہ خوامخواہ کی ضد چھوڑ دو جو ہو رہا ہے اسے اللہ کی مصلحت سمجھ کر قبول کرلو جب کسی کو ہمارے ماضی وغیرہ سے کوئی

لینا دینا نہیں تو پھر کیوں بار بار اس مسئلے کو اچھال رہی ہو۔"

"میں اچھال نہیں رہی بلکہ بعد میں آنے والے مسائل سے بچنا چاہ رہی ہوں آپ چاہتی ہیں کہ میں ساری زندگی ایک کمپلیکس کے ساتھ گزاروں ہمیشہ سر جھکا کر لوگوں کے طنز و حقارت سہہ کر۔" وہ ایک دم جذباتی ہوگئی۔

"یہ سب تمہارے مفروضے ہیں یہ لوگ تمہیں بہت محبت سے اپنا رہے ہیں۔" شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ جی چاہ رہا تھا کہ دریہ کے الفاظ و جملے کہہ ڈالے مگر ضبط کرگئی۔

"تو آپ نے یہ فائنل کرلیا ہے۔" وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم مصطفیٰ کی بیوی ہو وہ جب چاہے تو اسی وقت آ کر لے جاسکتا ہے اصل بات تو نکاح ہوتا ہے باقی سب تو محض فارمیلٹیز ہیں۔"

"یہ نکاح بھی محض آپ کی ضد کی وجہ سے ہوا تھا۔" اس نے تلخی سے کہا تو تابندہ بوا نے [illegible]

"تمہارا باپ تو بہت صابر اور قناعت پسند انسان تھا بحث اس کی عادت نہیں تھی نجانے تم کس پر چلی گئی۔" شہوار نے بغور تابندہ بوا کو دیکھا وہ اس کے باپ کی بات کررہی تھیں۔

"میرے باپ کا ماضی کیا تھا؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوا نے اسے دیکھا۔

"وہی سچ ہے جو تمہیں بار ہا بتا چکی ہوں۔" شہوار نے لب دانت تلے دبا لیے۔

"آپ مہرالنساء آنٹی کو انکار کردیں میں یہ رخصتی نہیں چاہتی۔ میں آپ سے ہی بات کرنے حویلی آئی ہوں موبائل پر تو آپ مل نہیں رہی تھیں میرے انکار کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کی تو پھر میں آپ سے ملنے بھی واپس نہ آؤں گی۔ میں بھی سمجھ لوں گی کہ باپ اور خاندان کے ساتھ ساتھ میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" وہ کہہ کر نم آنکھیں لیے وہاں سے چلی گئی۔

"شہوار بات سنو...... بیٹا...... شہوار......!" تابندہ بوا نے آوازیں دی مگر وہ رکے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ تابندہ بوا نے پریشان ہوکر سر تھام لیا۔

"نجانے کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ سمجھتی کیوں نہیں کہ میں بھی مجبور ہوں۔"

❁......❁......❁

روشی اور احسن آج صبح ہی ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ دونوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کی آفر کی مگر وہ سہولت سے انکار کرگئی تھی۔ شہوار گاؤں جاچکی تھی وہ بھی کالج نہیں گئی تھی۔ سارا دن گھر میں تنہا بیٹھی بور ہوتی رہی۔

رات آٹھ بجے تک ولید کے علاوہ باقی سبھی گھر آچکے تھے۔

اس نے ماموں سے کہیں باہر چلنے کا کہا تو وہ فوراً مان گئے تھے دونوں کا ارادہ باہر ڈنر کرنے کا بھی تھا۔ وہ دونوں تیار ہوکر باہر آئے تو ولید کی گاڑی بھی گیٹ پار کررہی تھی۔ ڈرائیور گاڑی نکال رہا تھا دونوں کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

"آپ دونوں کہاں جارہے ہیں؟"

"انا بور ہورہی تھی میں نے سوچا کہ کہیں آؤٹنگ پر چلیں ڈنر بھی ساتھ کرلیں گے۔" ماموں نے بتایا۔

"پھپھو اور انکل نہیں جارہے کیا؟" ولید نے پوچھا۔

"نہیں ماما اور پاپا گھر پر ہی ہیں۔ صرف میں اور ماموں جارہے ہیں اگر آپ کا موڈ ہے تو آپ بھی ہمیں جوائن کرسکتے ہیں۔" انا نے آفر کی۔

"ہاں ولید یار آجاؤ تم بھی۔" ضیا صاحب نے بھی کہا۔
"او کے پھر ایسا کریں آپ میری گاڑی میں آجائیں۔" ولید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو انا ایک دم خوش ہوا ٹھی۔
دونوں ولید کی گاڑی میں آگئے تھے۔ بابا پچھلی سیٹ پر اور انا فرنٹ پر ڈرائیور گاڑی واپس اندر لے گیا تھا۔
"آپ اگر فریش ہونا چاہتے ہیں تو ہم ویٹ کر لیتے ہیں۔" انا نے مسکرا کر کہا تو ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں ٹھیک ہوں، کہاں جانا ہے؟" گاڑی اسٹارٹ کرتے ولید نے پوچھا۔ انا نے ماموں کو دیکھا۔
"پہلے تو ڈنر کریں گے پھر جہیں اور جہاں انا کہے گی۔" ماموں نے کہا تو ولید نے انا کو دیکھا۔
"ڈنر کے لیے کہاں چلیں پھر؟"
"جہاں آپ کا موڈ ہو۔" اس نے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا لے رکھا تھا ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک تھی پنک لباس میں کافی دل موہ لینے والا تاثر دے رہی تھی۔ ولید کی نگاہ کچھ پل کے لیے اس پر ساکت سی ہوگئی تھیں۔
"او کے۔" ولید نے گاڑی روڈ پر ڈال دی۔
انا سی ڈیز دیکھنے لگی پھر ایک سلیکٹ کر کے اس نے پلے کا بٹن پش کر دیا تھا گاڑی میں گلوکار کی آواز گونجنے لگی تھی۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا
بڑا دلکش بڑا رنگین ہے یہ شہر کہتے ہیں
یہاں پر ہیں ہزاروں گھر، گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر کی گلیوں کا بنجارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا

انا نے آواز دھیمی کرتے ولید کو دیکھا۔
"لگتا ہے آپ کو یہ غزل بہت پسند ہے اکثر سنتے دکھائی دیتے ہیں۔" اپنے دھیان میں ڈرائیو کرتے ولید نے چونک کر انا کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔
"بابا کو یہ غزل بہت پسند تھی وہ اسے بہت سنتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی مجھے بھی اچھی لگنے لگی۔" انا نے بیک ویو مرر سے ماموں کو دیکھا وہ بھی ہلکا سا مسکرائے تھے۔
"ویسے شروع شروع میں، میں بہت حیران ہوئی تھی کہ پورا امریکن ماحول میں پرورش پانے والوں کو اردو کلاسیکل غزل سننا پسند ہے۔" انا نے کہا تو ماموں ہنس دیے۔
"بالکل اپنے ملک، اس کی زبان اور اس کے لٹریچر کی تو اور ہی بات ہے ایک عرصہ باہر گزارا دیا مگر یہاں کی ہر چیز کو بہت مس کیا ہم نے۔" ماموں نے کہا۔
"بابا کے پاس بہت اچھی اچھی غزلوں کا اسٹاک موجود ہے امریکہ میں بھی بہت سنتے تھے اب پاکستان میں آ کر تو سننا بند ہی کر دیا ہے۔" ولید نے مسکراتے ہوئے بتایا تو انا ہنس دی۔
"ویسے یہ غزل بہت ہی اچھی ہے آپ لوگوں کی دیکھا دیکھی لگتا ہے کہ میں بھی اس کی دیوانی ہو جاؤں گی۔"
انا نے آواز قدرے بلند کرتے کہا۔

یہی آغاز تھا میرا، یہی انجام ہونا تھا
مجھے برباد ہونا تھا مجھے ناکام ہونا تھا

مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

گائیک کی آواز نے ایک عجیب سا سحر طاری کر دیا تھا۔

ہوٹل میں کافی گہما گہمی تھی، ولید کا رویہ اتنا خوشگوار تھا کہ انا کے دل میں موجود تمام وسوسے اور خدشات کہیں جا سوئے تھے۔

"ہیلو۔" وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب انا نے اس آواز پر چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پر کاشفہ کھڑی تھی جو مسکرا کر ولید کو دیکھ رہی تھی۔

"واؤ، امیزنگ...... واٹ آ سرپرائز......!" وہ کہہ رہی تھی۔ انا کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا۔

"ہائے۔" ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیسی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا کاشفہ ٹیبل کے پاس آ رکی تھی۔ انا نے ماموں کو دیکھا وہ بھی کھانا ترک کیے لڑکی کو ہی دیکھ رہے تھے۔

"آئی فائن، اینڈ یو؟" وہ کافی بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

"آیئے بیٹھیں۔" کاشفہ نے نظریں ہٹا کر ضیا صاحب اور انا کو دیکھا ولید نے فوراً تعارف کروایا۔

"یہ میرے بابا ہیں اور یہ انا سے تو آپ مل چکی ہیں نا۔" کاشفہ نے سر ہلا کر ضیا صاحب کو دیکھا۔

"ہیلو انکل۔" انہوں نے بھی سر ہلا دیا۔

"پلیز بیٹھیں۔" اس نے انا کی طرف دیکھا تو انا کو کہنا پڑا۔ ورنہ کاشفہ کو دیکھ کر اس کا سارا موڈ غارت ہو چکا تھا۔

"تھینکس۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی ولید نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی تھی۔

"بابا ایک بار کاشفہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو میں نے ہیلپ کی تھی تب سے ہماری سلام دعا ہو گئی۔" ضیا صاحب نے ولید کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے بتایا۔ انہوں نے سر ہلایا جبکہ انا سر جھکائے اپنی پلیٹ کو گھورنے لگی۔

"آپ شادی والے دن جلدی چلی گئی تھیں اور پھر ولیمہ میں بھی نہیں آئیں۔" ولید نے کاشفہ سے پوچھا۔

"بس ایک کام تھا سو نا آ سکی ویسے آپ کی مسز بہت پیاری لگ رہی تھی۔" دونوں کے درمیان کافی بے تکلفی تھی انا کا دل جلنے لگا۔

"تھینکس۔"

"آپ بھی کچھ لیں نا بیٹا۔" بابا نے کہا۔

"تھینکس انکل، میں ادھر کچھ دوستوں کے ساتھ آئی ہوئی ہوں ولید کو دیکھا تو ادھر آ گئی ڈنر ان کے ساتھ ہی کروں گی۔" کاشفہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"او کے ولید نائس ٹو میٹ یو، ہی یو اگین، بائے۔" وہ کہہ کر چلی گئی اور انا سلگتی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"کافی آزاد خیال گھرانے کی لڑکی لگتی ہے۔" ضیا صاحب نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"ہوں......" ولید نے انا کو دیکھا وہ خاموش تھی۔

"مجھے حیرت ہورہی ہے تمہاری اس سے دوستی کیسے ہوگئی۔ مجھے تو یہ کسی بھی طرح سے تمہاری دوستی کے قابل نہیں لگی، اس سے بہتر تو کیتھی تھی۔ غیر مسلم ضرور تھی مگر تھی کافی مہذب سی۔" ضیا صاحب نے صاف کہا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

"بابا میری اس سے دوستی نہیں بس سلام دعا ہے۔"

"مگر اس لڑکی کے انداز سے کچھ اور ہی ظاہر ہورہا تھا۔" انہوں نے کہا تو انا نے سر اٹھا کر ولید کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

"لیو اس بابا، جسٹ علیک سلیک ہے، اینڈ نتھنگ مور۔"

"آج احسن کے بغیر کام کیسا رہا؟" ضیا صاحب نے بھی بات پلٹی۔ ولید ان کو آج کے دن کی تفصیل بتانے لگا تھا اور انا خاموشی سے پلیٹ میں موجود چاولوں سے کھیلتی رہی۔

"کیا بات ہے تم کچھ کھا نہیں رہی ہو۔" ضیا صاحب کی نظر اس کی پلیٹ پر پڑی تو انہوں نے ٹوکا اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"نہیں میں کھا رہی ہوں۔" حقیقت میں کاشفہ کو دیکھ کر تو اس کی ساری بھوک ہی مرگئی تھی۔

نجانے کیوں اسے پہلی نظر سے ہی یہ لڑکی اچھی نہ لگی تھی۔ اوپر سے اس کا بے پناہ حسن۔

"تم نے کچھ اور تو لیا نہیں، یہ ڈش اسپیشلی تمہارے لیے ہی منگوائی تھی میں نے۔" فرائیڈ فش کی ڈش انا کے سامنے کرتے ولید نے ٹوکا تو اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"تھینکس۔" فش کا ایک چھوٹا سا پیس اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے وہ کھانے لگی۔

"کیا بات ہے بیٹا، چپ کیوں ہو بول کیوں نہیں رہی؟" کھانا کھاتے ضیا صاحب کو اس کی خاموشی محسوس ہوئی تو کہا۔

"کیا بولوں آپ دونوں تو اپنی باتیں کررہے ہیں میں بھلا اس میں کیا بات کروں۔" اس وقت اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا جی نہیں کررہا تھا۔

"آج سارا دن احسن اور روشی کے جانے کے بعد سے یہ بور ہوتی رہی ہے اس کا موڈ بدلنے کو میں اسے لے کر باہر آیا تھا مگر کوئی خاص فرق نہیں لگ رہا۔" ماموں نے ولید کو بتاتے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں ٹھیک ہوں ماموں جان۔" ولید نے کھانا کھاتے اسے بھی دیکھا۔

پنک لباس میں ہلکی سی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگی ہوئی تھی بہت خاص اہتمام نہ تھا مگر وہ کافی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔ دوپٹا سر پر موجود تھا اس نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ انا باہر آتے جاتے چادر یا دوپٹا کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس وقت بھی بائیں ہاتھ سے پلو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔

"آج مصطفیٰ کی کال آئی تھی۔ وہ روشی، احسن اور ہمیں ڈنر پر انوائٹ کررہا تھا۔" ولید نے بتایا تو اس نے چونک کر دیکھا۔

"پھر۔" ضیا صاحب نے پوچھا۔

"میں نے کہہ دیا کہ فی الحال تو دونوں گھومنے پھرنے نکل گئے ہیں واپس آئیں گے تو دیکھیں گے۔"

"آپ نے مصطفیٰ بھائی کا گھر دیکھا ہے آئی مین کبھی گئے ہیں۔" انا نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"بہت پیارا گھر ہے ان کا مگر جب ان لوگوں سے ملیں تو ذرا بھی امارت وغیرہ نہیں کرتے۔ مصطفیٰ بھائی کی والدہ بہت ہی نائس خاتون ہیں روشی کو شادی پر گولڈ کی جیولری گفٹ کی تھی۔" انا نے ماموں کو بتایا۔

"مصطفیٰ کے دونوں بھائی اور دادا سے تو میں بھی ملا ہوں اچھے لوگ تھے۔" ضیا ماموں نے سرسری سا کہا۔

"ویسے مصطفیٰ کے دادا کافی پراسرار شخصیت کے مالک لگتے تھے مجھے۔" ضیا صاحب نے اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔

"ہاں سنجیدہ سنجیدہ اور کچھ کھوج رکھنے والا مزاج لگا تھا مجھے بھی۔" ولید نے ویٹر کو بل لانے کو کہا۔ وہ لوگ بل پے کر کے باہر آ گئے۔

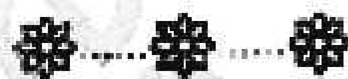
"اب کہاں جانا ہے؟" گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ولید نے انا کے پاس رک کر پوچھا تھا ماموں دروازہ کھول کر بیٹھ چکے تھے۔

"گھر چلتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔

"موڈ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا ہے۔" دھیمے سے کہا تو اس نے جھجک کر ولید کو دیکھا وہ متوجہ تھا نجانے آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ بے اختیار پلکیں گرا گئی تھی۔

"غلط نہیں ہے آپ کی؟" دھیمے سے کہہ کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو ولید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ انا نے گھبرا کر ماموں کو دیکھا وہ ادھر متوجہ نہیں تھے وہ باہر کی طرف دیکھ رہے تھے انا نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"میں بھی دروازہ کھولنے لگا تھا۔" ولید کہہ کر دروازہ کھولتے اس کے پاس سے ہٹ کر دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھی تو ولید نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ انا فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے انہیں گھور رہی تھی۔ ولید نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر گاڑی پارکنگ سے نکال لی تھی۔



اسے حویلی آئے دو راتیں گزر چکی تھیں۔ تابندہ بوا سے اس کا رویہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔ وہ ان سے بات نہیں کر رہی تھی۔ اپنا موبائل بھی اس نے بند کر رکھا تھا اور شہر سے آنے والی وہ کوئی کال بھی نہیں سن رہی تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی خود سے اور اپنی سوچوں سے لڑتے لڑتے اکتا گئی تو بابا صاحب کے کمرے میں چلی آئی مگر وہ کمرے میں موجود نہ تھے۔

"نجانے کدھر گئے ابھی تو حویلی میں ہی تھے۔" اس نے ارد گرد دیکھا۔ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

وہ یونہی ان کی سائیڈ دراز میں رکھی لاتعداد کتابوں کے پاس آ رکی۔ بابا صاحب کو کتابوں کا بہت شوق تھا وہ اکثر مطالعہ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ شہوار نے سب سے پہلی کتاب اٹھائی۔

"زاویہ..... اشفاق احمد۔" اس نے یونہی کھڑے کھڑے کتاب کا ٹائٹل دیکھا اور پھر کتاب لے کر کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

اس نے جیسے ہی کتاب کھولی تب ہی کوئی چیز گری تھی شہوار نے کتاب سے نظر ہٹا کر دیکھا یہ کوئی تصویر تھی۔ وہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"چار پانچ سال کے کسی بچے کی بہت پیاری تصویر تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ کافی پرانی لگ رہی تھی۔

"یہ کون ہو سکتا ہے بھلا؟ وہ غور سے تصویر کو دیکھنے لگی۔ اسے بچے کے نقوش کچھ مانوس سے محسوس ہوئے۔

"کیا میں نے اس بچے کو کہیں دیکھا ہے؟" وہ تصویر کو گھورتے سوچ رہی تھی کہ بابا صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بابا صاحب اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

"یہ..... یہ.....!" کچھ لمحوں بعد وہ شہوار کے سامنے آ رکے تھے۔ شہوار کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ تصویر اس کتاب میں تھی یہ کون ہیں بابا صاحب؟" تصویر ان کے سامنے کرتے اس نے پوچھا تو بابا صاحب نے تصویر اس کے ہاتھ سے تیزی سے لے لی تھی۔

"پتا نہیں، یہ کتاب میرے کسی دوست کی تھی تو تصویر بھی اس کے اندر ہی تھی کسی دن واپس بھجوادوں گا بھلا میرے کس کام کی۔" انہوں نے تصویر آگے بڑھ کر الماری میں رکھ دی تھی۔ شہوار مسکرادی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگا کہ میں اس بچے کو دیکھ چکی ہوں مگر یہ تو کافی پرانی لگ رہی ہے۔ بلیک اینڈ وائٹ ہے۔"

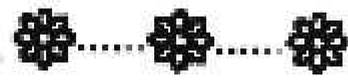
"کہاں دیکھا آپ نے اس بچے کو۔" انہوں نے پوچھا۔

"پتا نہیں یاد نہیں آرہا۔ بس ایسے لگا کہ کہیں دیکھا ہے ہوسکتا ہے میرا وہم ہو۔" شہوار نے سادگی سے کہا تو بابا صاحب سر ہلا کر بستر پر نک گئے۔

"میں بور ہورہی تھی تو سوچا کہ آپ سے ہی باتیں کرلوں۔" شہوار نے کہا۔

"میں تھک گیا ہوں بیٹا ابھی کچھ دیر لیٹوں گا آپ شام کو تیار رہنا لان کر باہر چہل قدمی کرنے چلیں گے۔" انہوں نے کہا تو شہوار نے فوراً سر ہلا دیا۔

"کیوں نہیں، آپ آرام کرلیں پھر۔" شہوار کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی بابا صاحب نے دلبرداشتہ انداز میں اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔



آج بادیہ چھٹی پر تھی سو وہ خود ہی آ گئی تھی اور اب واپسی پر خود ہی جانا تھا وہ آفس سے نکلی تو مین روڈ پر آ گئی ارادہ تھا کہ یہاں سے کوئی لوکل کنوینس لے گی جو اسے اس کے روڈ تک ڈراپ کردے۔ وہ دو تین منٹ کھڑی رہی تھی جب سیاہ کرولا اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"ہائے۔" عادلہ نے شیشہ نیچے کرتے کہا تو وہ متوجہ ہوگئی۔

"آپ ادھر؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ادھر سے گزر رہی تھی تمہیں دیکھا تو رک گئی سواری کا ویٹ کررہی ہو؟"

"جی۔" وہ جو سوچ بیٹھی تھی کہ اب وہ اس عورت کو نہیں سوچے گی مگر اسے دیکھ کر پھر بات کرنا پڑ رہی تھی۔

"آؤ بیٹھو میں ڈراپ کردیتی ہوں۔" عادلہ نے آفر کی۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔"

"کم آن یار تم بادیہ کے ساتھ آتی جاتی ہو اور آگے تم رکشہ لے کر اپنے گھر جاتی ہو، مجھے تمہاری روٹین کا علم ہے پلیز بیٹھو۔" دروازہ کھول کر وہ اصرار کررہی تھی۔ رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔

"پلیز کم آن یار۔" وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نمبر آج کل بند جارہا ہے؟" کچھ دیر بعد عادلہ نے پوچھا تو وہ چونکی اس نے عادلہ سے بچنے کے لیے اپنا نمبر بند کیا ہوا تھا۔

"جی موبائل خراب ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"جاب کیسی جارہی ہے۔" عادلہ نے اگلا سوال کیا۔

"ٹھیک۔" عادلہ نے اسے بغور دیکھا۔ وہ سامنے ونڈ اسکرین کو گھور رہی تھی۔

"اوکے اور تمہارے وہ عباس صاحب۔" رابعہ نے عادلہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

"مطلب میں سمجھی نہیں؟"

"مطلب یہ کہ وہ کیسے ہیں تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں انہیں علم تو نہیں ہوا کہ میں تم سے ملتی ہوں۔" عادلہ پوچھ رہی تھی۔

"جی نہیں، اگر آپ مجھ سے ملتی ہیں تو بھلا اس بات سے انہیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" سنجیدگی سے عادلہ کو دیکھتے اس نے پوچھا۔

"تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ کس قدر شارپ انسان ہے۔ اسے کبھی مت بتانا کہ تم مجھ سے ملتی ہو۔ ورنہ تمہاری طرف سے بھی مشکوک ہوجائے گا۔" رابعہ حیران ہوئی۔

"میری طرف سے کیوں؟"

"وہ سمجھے گا کہ میں تم کو ان لوگوں کی طرف سے بدظن کررہی ہوں۔" چہرے پر لاچاری کے تاثرات لاتے عادلہ نے کہا۔

"کیا آپ واقعی مجھے بدظن کررہی ہیں۔" رابعہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" وہ اسے بغور دیکھنے لگ گئی تھی۔ رابعہ نے کندھے اچکا دیے۔

"آئی ایم ٹوٹلی کنفیوژ، میری آپ سے پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی اور آپ کا جو بھی رویہ تھا اس کو سوچوں تو مجھے آپ پر بالکل بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ مگر آپ کی کہانی سنوں تو آپ پر ترس آتا ہے اور جب لوگوں سے آپ اور عباس سر لوگوں کے ریلیشنز کا سنوں تو کنفیوژ ہوجاتی ہوں کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟" رابعہ نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں جھوٹ بولتی ہوں، ایک ماں اپنے بچے کے معاملے میں بھلا کیسے جھوٹ بول سکتی ہے۔ میں تڑپ رہی ہوں اپنے بچے سے ملنے کے لیے مگر وہ لوگ ملنے نہیں دیتے۔" وہ ایک سائیڈ میں گاڑی روک کر رونے لگی۔ رابعہ نے الجھ کر اسے دیکھا وہ ٹشو سے آنکھیں مسل رہی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں مگر ایسی صورت حال میں ایک ہی سلوشن ہے کہ آپ کورٹ میں جائیں اور کیس دائر کردیں اتنے چھوٹے بچے اور ایک ماں کو اس سے دور کیسے رکھ سکتے ہیں۔"

"میں نہیں کرسکتی۔ میرے بھائی کو حوالات میں بند کروایا ہوا ہے ان لوگوں نے اور جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں بلکہ میرا حق مہر اور میرے نام لکھوائی گئی پراپرٹی پر بھی قبضہ کیا ہوا ہے۔" عادلہ کے رونے میں تیزی آگئی تھی۔

رابعہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے؟

"تم میری ایک ہیلپ کرسکتی ہو؟" ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے عادلہ نے کہا۔

"جی کہیے۔"

"تم عباس کے آفس میں کام کرتی ہو تم اس سے چند سادہ پیپرز پر سگنیچر زلے کر مجھے دے سکتی ہو گیا؟" عادلہ نے کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا۔

"کیا مطلب کیسے پیپرز۔"

"کچھ بلینک پیپر ہوں گے بس ان پر دستخط لینے ہیں جو کہ میں عباس کے خلاف اپنے بیٹے کو بازیاب کرانے کے لیے استعمال کرسکتی ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں ان کی ورکر ہوں جو بھی ایشوز ہیں آپ دونوں کے درمیان ہیں میں آپ لوگوں کے کسی بھی معاملے میں انوالو نہیں ہونا چاہتی۔ ایم سوری۔" رابعہ نے ایک دم سختی سے انکار کیا۔ عادلہ نے سپاٹ تاثرات سے اسے دیکھا۔

"انکار کرنے سے پہلے ایک بار اچھی طرح سوچ لو تم جتنی بھی ڈیمانڈ کروگی میں دوں گی۔ تم تصور بھی نہیں کرسکتی کہ میں تمہیں کس قدر خوش کرسکتی ہوں۔" عادلہ کی ٹون ہی بدل گئی تھی رابعہ حیران رہ گئی۔ رابعہ نے عادلہ کو بغور دیکھا اسے چند پل لگے تھے اس عورت کو سمجھنے میں۔

"آئی ایم سوری۔" وہ کہہ کر اپنا بیگ سنبھالتی گاڑی سے اترنے لگی۔

"رکو......" عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے نہیں علم کہ آپ کے کیا ارادے ہیں مگر یہ بات فائنل ہے کہ میں آپ کے کسی بھی پلان میں آپ کی معاون نہیں بن سکتی۔" رابعہ کا انداز سخت تھا۔

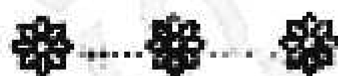
"اوکے مگر ایک بات سن لو، میں تمہارے گھر گئی اس کے بعد فون پر بھی ہماری بات چیت ہوتی رہی اور اب اس گاڑی میں بھی ایک کیمرہ فٹ ہے۔ جس میں تمہاری ویڈیو لی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری آواز بھی سیف ہے میرے پاس۔ ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کرلی ہے اگر تم میری آفر نہیں مانو گی تو سوچ لو اس ویڈیو کو کس طرح استعمال کروا سکتی ہوں۔" عادلہ نے پتھریلے لہجے میں کہا تو رابعہ ساکت رہ گئی۔

"آپ مجھے بلیک میل کررہی ہیں؟"

"نہیں، تمہارے انکار کے بعد کی پوزیشن کا بتا رہی ہوں۔" عادلہ نے بہت ہی مطمئن اور پرسکون لہجے میں کہا تو رابعہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"گھبراؤ نہیں اگر تم میرا کام کرو گی تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھو تم تو مجھ پر اب احسان کرو گی۔ ایک تڑپتی ممتا کی ماری ماں سے اس کے بچے کو ملوانا بھی تو ثواب کا کام ہے نا۔" عادلہ نے کہا تو رابعہ نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ بغیر کچھ کہے گاڑی سے نکل گئی۔

"میں پھر رابطہ کروں گی بہت اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔" پیچھے سے عادلہ نے اونچی آواز میں کہا۔ رابعہ بغیر مڑے اور دیکھے تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔



وہ بابا صاحب کے ہمراہ باہر کھیتوں کی طرف چہل قدمی کرنے چلی آئی تھی۔ کافی عرصہ بعد یوں گھومنا اسے بڑا اچھا لگا۔ دل و دماغ میں جو ایک کشمکش چل رہی تھی وہ سب بھلا کر بابا صاحب کے ساتھ تھی۔

مغرب کی نماز بابا صاحب مسجد میں پڑھنے چلے گئے۔ مسجد کے ساتھ والا گھر امام مسجد کا تھا ان کی بیٹی زبیدہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔ وہ ان کے ہاں چلی آئی۔ مغرب کی نماز اس نے ان کی فیملی کے ساتھ ہی پڑھی اور پھر مغرب کے بعد بابا صاحب کا حویلی چلنے کا پیغام آیا تو زبیدہ نے اسے روک لیا۔ بابا صاحب واپس حویلی چلے گئے تھے۔

رات کا کھانا اس نے زبیدہ کے ساتھ اس کے گھر میں ہی کھایا تھا کھانے کے بعد وہ اور زبیدہ ان کے صحن میں ٹہلتی رہی تھیں۔

نو بجے تو شہوار کو واپسی کا خیال آیا مولوی صاحب اور زبیدہ اسے خود چھوڑنے آئے تھے ابھی وہ تینوں حویلی سے دور تھے جب عقب سے آتی گاڑی کا ہارن سن کر رک گئے۔

"یہ کون آ گیا؟" اندھیرے میں انہوں نے گاڑی کی جلتی ہیڈ لائٹس کو گھورا۔ گاڑی کا ہارن دوبارہ گونجا تو شہوار چونک گئی۔

یہ تو مصطفی کی گاڑی تھی گاڑی بھی ان کے پاس آ کر رک گئی۔ مصطفی گاڑی سے باہر نکل آیا۔

مصطفی مولوی صاحب سے سلام دعا کرنے لگا تو شہوار نے چہرے کا رخ بدلا۔ وہ مصطفی کو اس وقت یہاں دیکھ کر حیران تھی۔

"شہوار بچی ہمارے یہاں آئی ہوئی تھی تو ہم دونوں باپ بیٹی چھوڑنے جا رہے تھے۔" مولوی صاحب کی آواز سنائی

دی تھی۔

"آئیں گاڑی میں بیٹھیں میں حویلی جارہا ہوں۔"

"نہیں اب ہم چلتے ہیں شہوار بیٹی اپنے ساتھ لے جائیں۔" مولوی صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"لو کے مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں میرا خیال ہے تمہیں لینے ہی آئے ہیں تم ان کے ساتھ جاؤ اب۔" زبیدہ نے شرارت سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

"بیٹھیں۔" وہ دونوں واپس چلے گئے تو مصطفیٰ نے گاڑی میں بیٹھ کر فرنٹ ڈور کھولا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی چادر کا پلو اس کے چہرے کے گرد مسلسل لپٹا ہوا تھا۔

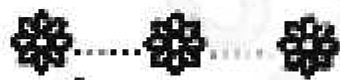
"رات کے اس وقت کسی کے ہاں جانے اور واپس آنے کا کوئی معقول ٹائم نہیں ہے۔" مصطفیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

"میں بابا صاحب کے ساتھ تھی ان کی اجازت سے ادھر رکی تھی۔" مصطفیٰ کی ناگواری پر اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔ مصطفیٰ نے گاڑی کی ہلکی سی روشنی میں دیکھا چادر کا پلو منہ کے آگے کیے وہ بڑی بے زاری بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ پھر خاموش ہی رہا تھا۔ حویلی پہنچ کر وہ فوراً گاڑی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔

"بہت دیر لگادی آنے میں، میں تاج کو بھیجنے ہی والی تھی لینے کو۔ کس کے ساتھ واپس آئی ہو؟" تابندہ بوا ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں فکرمندی لہجے سے عیاں تھی وہ خاموشی سے جواب دیے بغیر آگے بڑھی تھی۔

"کھانا تو کھالو۔" انہوں نے کہا۔

"میں کھا چکی ہوں۔ کمرے میں جارہی ہوں اب کوئی ڈسٹرب نہ کرے پلیز۔" وہ تیزی سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



"کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" وہ رات کے دس بجے صحن میں چکر لگا رہی تھی سبھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ عادلہ اور اس کی باتوں کو لے کر پریشان تھی کہ آرام وسکون سے سوچ کر اس نئی افتاد کا حل نکالے گی مگر عین وقت پر فیضان ماموں آ گئے تھے۔

"کچھ نہیں ماموں جان بس ویسے ہی نیند نہیں آرہی تھی تو ادھر آ گئی۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"نیند کیوں نہیں آرہی۔"

"بس ویسے ہی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جاب ٹھیک چل رہی ہے۔" ماموں نے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہوگئی جی چاہا کہ وہ ان کو سب کہہ دے مگر پھر ٹال گئی۔

"جی۔"

"آج سہیل سے بات ہوئی تھی میری اس کا دوست اب ٹھیک ہے وہ چند دنوں میں پاکستان آرہا ہے، ہمارے ہاں رکے گا۔" ماموں بھی اس کے ساتھ ٹہلنے لگے۔ رابعہ نے چونک کر ماموں کو دیکھا۔

"ہمارے یہاں......؟"

"ہوں۔" ماموں نے سر ہلایا۔

"اماں مان گئیں۔" اس نے ماموں کو بغور دیکھا کچھ سوچتا انداز تھا۔

"ہاں بلکہ سہیل نے ماں سے ایک اور بات کی تھی۔ لڑکا پڑھا لکھا سلجھا ہوا ہے سہیل چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ اسے اچھی

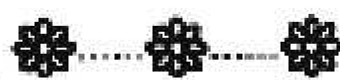
طرح دیکھ اور پرکھ لیں اگر ہم مطمئن ہوجاتے ہیں تو وہ تمہارے رشتے کی اس سے بات کرے گا۔ ابوبکر تنہا ہے والدین اور بہن بھائی نہیں ہیں۔ پچھلے چار سال سے باہر تھا کافی کچھ کمایا ہے اب پاکستان میں سیٹل ہونا چاہتا ہے۔" ماموں نے بتایا تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہیں اس لیے سب بتا رہا ہوں کہ تمہاری زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہونے جارہا ہے تم ابوبکر کو دیکھ پرکھ لینا۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق ہی فیصلہ ہونے دوں گا۔" ماموں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ سر جھکا گئی۔

شادی اور جیون ساتھی کے حوالے سے اس نے کئی لمبے چوڑے خواب نہیں دیکھ رکھے تھے۔ مگر پھر بھی ماموں کے الفاظ نے اس کے دل کو عجیب سے احساسات سے چھوا تھا۔

"رات کافی گہری ہورہی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ۔ پھر صبح آفس بھی جانا ہے۔" ماموں نے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ جو عادل کو لے کر پریشان تھی وقتی طور پر ذہن سے وہ بات نکل گئی تھی وہ اس بات کو لے کر بہت کچھ سوچنے لگ گئی تھی۔



کمرے میں آ کر اس نے نماز پڑھی اور پھر مصطفیٰ کے آنے کا سوچنے لگی کہ پتا نہیں وہ کیوں آیا ہے۔ وہ اندر ہی اندر الجھتی رہی تھی۔ تمام لائٹس آف کیے بستر پر لیٹ گئی اور وہ مصطفیٰ، شادی ہر کسی کی بھی چیز کو سوچنا نہیں چاہتی تھی وہ ہر بات کو ذہن سے جھٹکتے آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

پچھلی دو راتیں اس نے عجیب کشمکش میں گزاری تھیں کل کی ساری رات وہ سوئی نہیں تھی لہٰذا اب لیٹتے ہی وہ سو گئی تھی۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں اس نے اندازے سے سائیڈ لیمپ جلانا چاہا مگر جل نہ پایا شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ کسی نے یو پی ایس آن نہیں کیا تھا وہ بستر سے اتر کر سوئچ بورڈ کے پاس آ کر اپنی تسلی کو چیک کیا مگر لائٹ واقعی آف تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی تو ہلکی سی چاندنی روشنی سے کمرہ کی تاریکی کم ہوئی تھی۔

اس نے بستر سے اپنا دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا اور کچھ سوچتے ہوئے باہر آ گئی۔ باہر بھی ویسے ہی اندھیرا تھا اور وہ اپنے اندازے سے چل رہی تھی جب راہداری سے گزرتے وہ کسی سخت چیز سے ٹکرائی۔

"اوف۔" اس کی چیخ نکلی۔

وہ شاید کسی ستون سے ٹکرائی تھی پاؤں اور پیشانی پر بری طرح چوٹ لگی تھی وہ اپنا سر تھام کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے پاؤں تھاما تھا۔

"کون ہے...... ادھر...... کون ہے؟" مصطفیٰ کی آ[illegible]ئی دی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامے موبائل کی روشنی شہوار پر پڑی۔

شہوار نے سر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا مصطفیٰ اس کے پاس کھڑا تھا۔

"شہوار...... کیا ہوا؟" اسے زمین پر بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"اٹھو کیا ہوا ہے؟" مصطفیٰ نے جھک کر اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا تو اس کے پاؤں سے ٹیس اٹھی تھیں۔

"اوہ...... نو۔" وہ پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالی تو وہاں انگوٹھے کے ناخن سے بلیڈنگ ہورہی تھی۔

"کیا ہوا ہے، کیسے لگی چوٹ؟" وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ شہوار ننگے پاؤں ہی کمرے سے نکلی تھی۔

"پتا نہیں۔" شہوار نے جھنجلا کر کہا اور اپنا دوپٹہ ناخن پر رکھ دیا۔ ایک تو درد کی وجہ سے دوسرا مصطفیٰ کے سامنے کی وجہ سے وہ سخت جھنجلا رہی تھی۔

"اچھا اٹھیں تو سہی، اس طرح بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا کوئی چیز لگائیں زخم کے اوپر۔" مصطفیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگی۔ مصطفیٰ نے دوسرا بازو تھام کر سہارا دیا۔

"میں چل سکتی ہوں اب اتنا بھی گہرا زخم نہیں ہے۔" مصطفیٰ کے وجود سے پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی۔ اندھیرے اور اس قربت کے عالم میں ایک دم کنفیوژ ہوکر اس نے اپنا بازو چھڑا لیا تھا۔

مصطفیٰ نے دیکھا وہ پاؤں کے زخم کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ اندر آ کر بستر پر بیٹھ گئی اور بستر پر پاؤں رکھ کر اس نے دیکھنا چاہا۔

"زخم کیسے لگا؟" مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالتے پوچھا۔

"اندھیرے میں پتا نہیں چلا اور راہداری کے ستون سے ٹکرا گئی۔" وہ سر جھکائے اپنے زخم کا جائزہ لے رہی تھی۔ انگوٹھے کا ناخن تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے بلیڈنگ ہو رہی تھی۔

"یہ لیں زخم صاف کریں۔" مصطفیٰ نے جیب سے رومال نکال کر تھمایا تو شہوار نے خاموشی سے لے کر ناخن صاف کیا۔

"بینڈیج کا سامان تو ہوگا حویلی میں۔"

"ہوں..... کچن کی کسی دراز میں ہوگا فرسٹ ایڈ باکس۔"

"میں لے آتا ہوں۔"

مصطفیٰ کہہ کر چلا گیا تھا موبائل بھی ساتھ لے گیا تھا کمرے میں پھر اندھیرا چھا گیا تھا صرف کھڑکی سے آتی چاندنی کی روشنی تھی۔ شہوار نے اپنی پیشانی مسلی، وہاں ہلکا سا ابھار محسوس ہوا۔

"اب یہ نئی مصیبت کیا ضرورت تھی مجھے کمرے سے نکلنے کی نجانے کیا وقت ہوا ہے اور یہ بھی ابھی تک جاگ رہے ہیں۔" وہ خود کو کوسنے لگی تو مصطفیٰ باکس لیے واپس آ گیا۔

مصطفیٰ نے اسے باکس تھمایا تو اس نے خاموشی سے لے لیا اور روئی نکال کر روئی کی مدد سے پہلے خون صاف کیا پھر پٹی باندھ لی۔ مصطفیٰ قریب ہی موبائل لیے کھڑا رہا تھا۔

"زیادہ گہرا زخم تو نہیں۔" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"دو بج رہے ہیں۔"

"آپ سوئے نہیں۔" مصطفیٰ کو اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

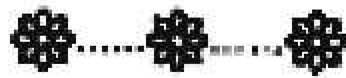
"نہیں ایک کال تھی وہ سن رہا تھا جب تمہاری چیخ پر متوجہ ہوا تھا۔ میں باہر راہداری میں ہی ٹہل رہا تھا اس وقت۔" وہ خاموش ہوگئی مگر مصطفیٰ اس کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ شہوار کو اس کی یہاں موجودگی سے الجھن ہونے لگی۔

"آپ حویلی کیسے آئے؟" معنی خیز خاموشی سے گھبرا کر شہوار نے پوچھا۔

"میں ایک کام سے یہاں نزدیکی علاقے میں آیا تھا واپسی پر کال آئی کہ تمہیں بھی لیتا آؤں، سو ادھر چلا آیا صبح صبح نکلیں گے ہم مجھے رستے میں ایک دو جگہ رکنا بھی ہے۔" شہوار خاموش ہوگئی تھی پچھلی بار کی طرح وہ مصطفیٰ کے ساتھ جانے

یا واپس شہر جانے سے انکار نہ کر پائی تھی۔
"آپ کو نیند نہیں آ رہی؟" وہ اسے اسی طرح کھڑکی کے پاس جے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ موبائل کی ہلکی سی روشنی کچھ واضح نہ کر پائی تھی۔
"کیوں تمہیں نیند آ رہی ہے؟"
"ہاں۔" شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔
"باہر کیا لینے گئی تھیں؟" وہ اب اس کے قریب آ کھڑا ہوا تو شہوار کے خدوخال واضح ہو گئے تھے۔
"مجھے پیاس لگی تھی۔"
"موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔"
"صبح کس وقت نکلنا ہے۔" مصطفیٰ کے سوال کا جواب دیے بغیر اس نے پوچھا۔
"پانچ بجے بتایا نہیں کہ موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔"
"یہاں آ کر موبائل کی کچھ خاص ضرورت محسوس نہ کی تھی تو دراز میں ڈال دیا تھا شاید بیٹری آف ہو گئی ہو گی۔" مصطفیٰ نے چند پل اسے دیکھا اور پھر اس کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گیا تو شہوار ایک دم گھبرا گئی مگر مدہم سی روشنی میں مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ نہ دیکھ پایا تھا۔
"مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے لگی ہوں۔" اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا جب مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اس کے حرکت کرتے وجود کو ساکن کر دیا تھا۔
"مگر مجھے تو نیند نہیں آ رہی۔ ویسے بھی پانچ بجے نکلنا ہے تو اس وقت سوئیں گی تو وقت پر اٹھ نہیں پائیں گی۔" مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ ایک دم پلکیں گرا گئی تھی۔
"میں اٹھ جاؤں گی۔ ڈونٹ وری۔" وہ مصطفیٰ کا بازو ہٹا کر دوسری طرف ہو کر لیٹ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ سر تک چادر تان چکی تھی۔
"مگر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" رات کا فسوں تھا یا کیا تھا مصطفیٰ پر جذبات کا اثر ہو رہا تھا یا اپنے رشتے کا وہ ایک دم کہہ گیا تھا۔
"آپ کے ساتھ جا تو رہی ہوں جو بھی کہنا ہے صبح کہہ لیجیے گا۔" شہوار نے چادر ہٹائے بغیر کہا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔
وہ موبائل کی مدھم سی روشنی میں اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ شہوار اس سے گھبرا رہی ہے۔ ورنہ اس کی موجودگی میں اس کو نیند تو کبھی بھی نہیں آنے والی تھی۔
"اوکے...... صبح وقت پر باہر آ جائیے گا ہمیں جلدی نکلنا ہے۔" مصطفیٰ کہہ کر پلٹ گیا اور جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کر گیا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی شہوار نے سر سے چادر ہٹا کر دیکھا تو کمرے میں پھر سے تاریکی تھی بس کھڑکی سے در آنے والی ہلکی سی روشنی تھی۔
"اف توبہ...... انہیں یہ آج ہو کیا رہا تھا اور میں بھی کتنی پزل ہو رہی تھی۔" وہ اندھیرے میں چھت کو گھورتے خود کو کوسنے لگی۔
"کیا میں خود بھی اس رشتے کے زیر اثر آ رہی ہوں۔ قبول کر رہی ہوں اس کو......؟" اس نے بہت الجھ کر خود کو ٹٹولنا چاہا۔ مگر اس کے اندر تو ایک گہرا سناٹا تھا بس دل کے دھڑکنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ شہوار نے لب بھینچ

کرآنکھیں میچ لی تھیں۔



ولید تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو وہاں انا صغراں کے ساتھ موجود تھی۔ باقی ابھی کوئی نہیں آیا تھا یا شاید ناشتہ کر چکے تھے۔

"کیا لیں گے بریڈ یا پراٹھا؟" انا نے اسے بیٹھتا دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں تم کالج نہیں جا رہیں؟ کافی دن ہو گئے ہیں چھٹیاں کرتے اور باقی لوگ کہاں ہیں۔"

"ماما پاپا ناشتہ کر چکے ہیں ماموں نے صرف دودھ کا گلاس لیا ہے اور وہ بعد میں ناشتہ کریں گے اور میں تیار ہوں بس چینج کرنا ہے پہلے یہ سب کام روشی کرتی تھی مگر اب مجھے ہی کرنا پڑ رہے ہیں۔" ولید مسکرا دیا۔

"بتایا نہیں کیا لیں گے۔"

"پراٹھا و آملیٹ اور دودھ کا گلاس لے آؤ۔"

"جسٹ دو منٹ۔" وہ کچن میں غائب ہو گئی تو ولید اخبار دیکھنے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ ٹرے لیے چلی آئی ولید کا ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ کچن میں جا کر اپنے لیے بریڈ پر جیم آملیٹ بٹر اور دودھ لا کر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"آملیٹ تو اچھا بنایا ہے تم نے۔" ولید نے ناشتہ کرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

"میں نے نہیں بنایا صغراں نے بنایا ہے سارا ناشتہ میں نے تو بس سرو کیا ہے اس کی تعریف کریں۔"

"اچھا تمہیں کیا کیا پکانا آتا ہے۔"

"کچھ خاص نہیں گزارا کر لیتی ہوں۔" اس نے شرمندگی سے کہا۔

"میں تو بڑا خوش خوراک ہوں یار یعنی مستقبل قریب میں صرف گزارا کرنا پڑے گا۔" ولید نے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"نہیں ایسی بات بھی نہیں اگر توجہ اور دل سے پکاؤں تو بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔"

"یعنی دل سے پکانا شرط ہے۔" ولید نے کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

پچھلے تین چار دن سے اس کے ساتھ ولید کا رویہ بہت خوش گوار ہو چکا تھا۔

وہ دونوں ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ ٹیبل پر پڑا ولید کا موبائل بجنے لگا تھا۔ انا نے سرسری سا موبائل کو دیکھا مگر چونک گئی تھی۔ "کاشفہ" کا نام دیکھ کر اس کے چہرے سے تمام خوشگوار تاثرات ایک دم ختم ہوئے تھے۔ ولید نے موبائل کو دیکھتے اسے بھی دیکھا تھا انا اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"ہیلو۔" ولید نے کال ریسیو کی۔ انا کا سارا وجود کان بن گیا تھا۔

"یس آئی ایم فائن، اینڈ یو؟" انداز میں بے تکلفی تھی۔ انا کے حلق میں بریڈ کا ٹکڑا پھنسنے لگا تو اس نے جھٹ دودھ کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

"میں کل سے آپ کو بہت مس کر رہی تھی۔" دوسری طرف سے آتی ہلکی سی آواز انا کے کانوں کو بھی فیضیاب کر رہی تھی۔ ولید نے انا کو دیکھا وہ سر جھکائے ناشتہ کر رہی تھی۔

"ایکسیوزمی۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ انا خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کا تمام خوشگوار موڈ ایک دم شدید اضطراب کی زد پر آ گیا تھا۔

"باجی کوئی اور چیز چاہیے۔" وہ گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی جب صغراں نے آ کر پوچھا تو وہ چونکی ولید آدھے سے زیادہ پراٹھا کھا چکا تھا دودھ کا گلاس بھی ختم کر چکا تھا اس نے بے دلی سے اپنے ناشتے کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں، ان سب کو اٹھالو۔" وہ اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے آج کالج جانا تھا لباس لے کر وہ باتھ روم میں گھسی اور لباس بدل کر اس نے اپنی کتابیں اور بیگ اٹھایا اور چادر لے کر باہر آ گئی ولید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

"منصور بابا گاڑی نکالو۔" ولید کی طرف دیکھے بغیر اس نے ڈرائیور کو کہا۔

"آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" ولید نے پلٹ کر کہا۔

"صرف ڈراپ؟" اس کے منہ سے تنجی سے پھسلا تھا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔

"کیا پک بھی کرنا ہوگا مجھے۔" انا نے خود کو سنبھالتے نفی میں سر ہلایا۔

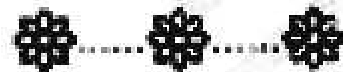
"منصور خان کا تو روز کا کام ہے آپ کو خوانخواہ زحمت ہوگی میں چلی جاؤں گی۔"

"زحمت کیوں ہوں گی رستے میں ہی پڑے گا تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔"

"نہیں آپ جائیں میں منصور خان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تھینکس۔" اب کے تخی سے کہہ کر اس نے منصور خان کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور وہ خاموشی سے پچھلی سیٹ پر ٹک گئی۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

وہ گردن پھیرے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ولید کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو ڈرائیور نے بھی گاڑی نکال لی تھی۔ انا نے لب بھینچ کر خود سے آگے والی گاڑی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی۔ اس نے انگلی سے پلکوں کو چھوا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ خود پر ضبط کرتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

نجانے ایسا کیوں ہوتا تھا وہ جب بھی دل سے خوش ہونا چاہتی تھی ولید سے متعلق اپنے رشتے کو لے کر مطمئن ہونا چاہتی تھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی کہ وہ ٹوٹ کر رہ جاتی تھی۔ مکمل طور پر بکھر جاتی تھی۔ اس وقت بھی ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھماتے خود پر ضبط کے گہرے پہرے بٹھانے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ ناممکن لگ رہا تھا۔



"آخر آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟" ان دونوں کو حویلی سے نکلتے نکلتے چھ بج گئے تھے۔ آٹھ بجے مصطفیٰ نے ایک بہت ہی خوبصورت گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ چونکی۔

"یہ میرے سینئر زوہیب شاہ کا گھر ہے مجھے ان سے کچھ کام ہے اور کچھ ڈسکس کرنا ہے کل بھی میں ان کے پاس ہی آیا تھا۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

مصطفیٰ نے کال کر کے ان کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو وہ باہر ان کو لینے آئے۔ مصطفیٰ اور وہ دونوں بڑے تپاک سے ملے تھے درمیانی عمر کے چاک و چوبند انسان تھے۔

"یہ میری مسز ہیں۔" مصطفیٰ نے بتایا تو شہوار نے سلام کیا۔

"آ جائیں اندر۔" وہ ان کے ہمراہ گھر میں آ گئے تھے۔

زوہیب شاہ کی مسز بھی موجود تھیں زوہیب صاحب نے اپنی مسز کا تعارف کرایا تھا۔ سو بری درمیانی عمر کی خاتون بہت خوش ہو کر ملی تھیں۔ بڑے تپاک سے شہوار کو گلے لگایا تھا۔

"آپ لوگ ادھر بیٹھ جائیں ہم اندر چلتے ہیں۔" وہ اپنے شوہر کو کہہ کر شہوار کو اپنے روم میں لے آئی تھیں۔ شہوار ان کے کہنے پر چادر ذرا ڈھیلی کرتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

"ماشاءاللہ تم تو بہت پیاری ہو، اصل میں میرے ہزبینڈ اور مصطفیٰ کی جاب کے دوران ہی دوستی ہوئی ہے دونوں ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے ہیں تو مصطفیٰ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ وہ ایک عدد بیوی بھی رکھتا ہے وہ بھی اس قدر پیاری سی۔" وہ بے تکلف سی خاتون تھیں شہوار مسکرا دی۔

"یہ تو کل علم ہوا۔ جب مصطفیٰ کے پاس اس کے فادر کی کال آئی تھی تو اس نے رات رکنے سے ایکسکیوز کرتے بتایا کہ وہ گاؤں جارہا ہے اپنی وائف کو لینے۔"

"آپ کا نام کیا ہے۔" شہوار نے پوچھا۔

"ماریہ۔" شہوار نے سر ہلا دیا۔

"اچھا بتاؤ کیا کھاؤ گی میں پھر وہی آرڈر کرتی ہوں۔"

"ہم حویلی سے ناشتہ کرکے نکلے تھے پلیز کوئی تکلف نہ کریں۔" اس نے منع کیا۔

"ارے ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں ابھی ملازم کو چائے پانی کا کہہ کر آتی ہوں۔" وہ فوراً باہر نکل گئی تھیں۔

شہوار نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سادگی و نفاست سے سجا کمرہ بہت پیارا تھا فرنیچر بھی قیمتی تھا۔

"پتا نہیں اب ادھر کتنا وقت لگتا ہے۔" وہ بالکل انجان جگہ آئی تھی سو کچھ جھجک رہی تھی۔ ماریہ آرڈر دے کر واپس آ گئی تھیں۔ واپس آ کر وہ شہوار سے باتوں میں لگ گئی تھیں۔

"اچھا تم نے بتایا نہیں کہ کتنے بچے ہیں تمہارے؟" یونہی بات کرتے کرتے رک کر انہوں نے پوچھا تو شہوار نے چونک کر دیکھا۔ اس کے رخسار ایک دم سرخ ہوئے تھے۔

"ہمارا ابھی نکاح ہوا ہے باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا تو وہ حیران ہوئیں اور ایک دم ہنس دیں۔

"اوہ آئی سی۔ مصطفیٰ نے جس طرح وائف کہا تو مجھے لگا کہ تم لوگوں کی شادی ہوچکی ہے تم اپنے میکے اپنی امی سے ملنے گئی ہوئی ہو تو وہ لینے جارہا ہے۔ ویسے تم کہیں سے بھی مجھے بچوں والی لگی تو نہ تھی پھر بھی میں نے سوچا کہ پوچھ ہی لوں۔"

"میں ان کے ہاں شہر میں ہی رہتی ہوں اسٹڈی کی وجہ سے امی سے ملنے حویلی گئی ہوئی تھی تو یہ لینے آئے تھے۔" شہوار نے وضاحت کی تھی اسی دوران چائے بھی آ گئی۔

"اندر صاحب لوگوں کو بھی چائے دے دی ہے نا؟" انہوں نے ملازمہ سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم مصطفیٰ کی رشتہ دار ہو؟" ان کے سوال پر اس نے لب بھینچ کر سر ہلا دیا۔

"یہ مصطفیٰ کب فارغ ہوں گے۔" اس سے پہلے کہ ماریہ رشتے کی نوعیت کی وضاحت مانگتی اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں آج کل یہ دونوں مل کر کوئی کیس حل کررہے ہیں اکثر اکٹھے بیٹھے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کسی پولیس والے کی بیوی ہونا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے یہ ذرا بھی مجھے ٹائم نہیں دیتے ہر وقت آفس آفس اور آفس۔" ماریہ نے شہوار کو چائے کا کپ دیتے شکوہ بھرے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں؟" تھوڑی دیر بعد اس کا دھیان بٹا تو اس نے پوچھا۔

"تین بچے ہیں۔ بڑے دو بیٹے اور ایک بیٹی بیٹی اسکول گرل ہے اور بیٹے دونوں کالج بوائز۔" انہوں نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

دونوں نے چائے بھی پی لی اور ڈھیر ساری باتیں بھی کرلیں۔ شہوار نے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ انہیں یہاں آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہوچکا ہے۔ مصطفیٰ اسے کسی اجنبی کے گھر اتنی دیر تک کیسے رکھ سکتے تھے۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔

"کافی دیر ہوگئی ہے آپ مصطفیٰ سے کہہ دیں کہ چلنا نہیں۔" اس نے ماریہ سے کہا۔

"آپ آئیں مصطفیٰ کے پاس ہی چلتے ہیں۔" ماریہ نے کہا تو وہ اپنی چادر درست کرتی ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ مصطفیٰ اور زوہیب سر جوڑے کسی فائل پر بات کر رہے تھے ان کو دیکھ کر رکی۔

"کافی دیر ہوگئی ہے واپس نہیں جانا۔" مصطفیٰ کے دیکھنے پر شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ نے زوہیب صاحب کو دیکھا۔

"او کے ایسا کرتے ہیں میں دو بجے تمہارے آفس آ جاؤں گا۔ باقی ڈسکشن وہاں کرلیں گے۔" زوہیب صاحب نے فائل بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ کھڑا ہو گیا تھا شہوار ماریہ سے ملی اور وہ دونوں جب ان کے گھر سے نکلے تو پونے دس ہو رہے تھے۔

"کیا ضرورت تھی اتنی دیر کسی اجنبی کے گھر لا کر بٹھا دینے کی۔" مصطفیٰ نے جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ کی شہوار نے ناگواری سے کہا۔

"میں ان لوگوں کو پچھلے دو سال سے جانتا ہوں میرے لیے یہ قطعی اجنبی نہ تھے۔" مصطفیٰ نے بھی کہا۔

"مگر میرے لیے تو اجنبی تھے نا تو بہ اتنا بولتی ہیں ان کی مسز۔" اس کو بچوں والی بات یاد آئی تو کچھ خفگی سے کہا۔

"ہاں آپ کے مقابلے میں تو وہ کچھ زیادہ ہی بولتی ہیں مگر کسی کو بور نہیں ہونے دیتیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی۔

"اس بار پھر بوا جی سے ناراض ہو کر آئی ہیں۔" کچھ توقف کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔ واپسی کے وقت وہ کمرے سے نکل کر سیدھا گاڑی میں جا بیٹھی تھی تابندہ سے نہیں ملی تھی مصطفیٰ نے اس کا یہ سرد انداز بطور خاص نوٹ کیا تھا۔ شہوار خاموش رہی۔

"اس بار کس بات پر ناراض ہوئی ہیں؟" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"جہاں تک میرے علم میں تھا پچھلے دنوں بوا جی سے دوبارہ بات چیت بحال ہو چکی تھی اور باقی حالات بھی سازگار تھے۔" مصطفیٰ نے مزید کہا تھا شہوار توجہ دیے بغیر کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"ایسا کب تک چلے گا شہوار؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ لب بھینچ گئی۔ مصطفیٰ نے سائیڈ مرر سے اسے دیکھا وہ لب بھینچے خود پر ضبط کر رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی تو شہوار نے حیران ہو کر دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ مصطفیٰ بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہاں گاڑی کیوں روکی۔" نمی کو اندر اتارتے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مصطفیٰ نے سیٹ کی پشت سے کمر ٹکاتے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ شہوار گھبرا کر رہ گئی تھی اس کے چہرے پر کئی رنگ آ ٹھہرے تھے۔

"کبھی کبھی عقل کو کھلا چھوڑ کر دل کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا شہوار۔ وہ جو شروع شروع میں نرم خو صلح جو سی شہوار تھی جس کو دیکھ کر میں متاثر ہوا تھا وہ کہیں کھو گئی ہے تمہارا یہ روپ یہ انداز مجھے بھی قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں کیوں کر رہی ہو اپنے اوپر یہ ظلم؟" مصطفیٰ نے بہت دھیمے لہجے میں اس کے ہاتھ کو سہلاتے نرمی سے کہا تو شہوار جو خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم رو دی۔

"میں کسی سامرد نہیں ہوں اگر مجھے کسی عام عورت کی تلاش ہوتی تو باہر سے ہی کوئی ساتھ لے آتا کہ بابا اور ماں جی کی طرف سے میرے اوپر کبھی کوئی پابندی نہ تھی مگر وہ سب میری ڈیمانڈ نہ تھی۔" مصطفیٰ نے اس کی طرف جھکتے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ لب دانت تلے دبا گئی۔ وہ چہرہ موڑ کر خاموش رہی۔ اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کی گرفت سے اپنا ہاتھ بھی

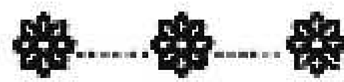
نکال لیا تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

"بہت دیر ہوگئی ہے اب چلنا چاہیے۔" مصطفیٰ اسی طرح بیٹھا رہا شہوار نے چہرہ موڑ کر دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

"بوا جی ماں ہیں ان سے خفا ہو کر ان کو مزید اذیت سے دوچار کر کے بھلا تمہیں کیا حاصل ہوگا۔" مصطفیٰ نے کہا۔ شہوار دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے تنی لب دانتوں تلے دبا رکھے تھے گویا اس نے اس بارے میں اب مصطفیٰ کے سامنے کچھ بھی نہ بولنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

"گھر چلیں یہ ساری ڈسکشن اب گھر جا کر کیجیے گا۔" اسی طرح رخ موڑے اس نے کہا تھا۔

اب کے مصطفیٰ نے کافی غصے سے دیکھتے بڑے ریش انداز میں گاڑی ڈرائیو کی تھی۔ شہوار اسی طرح لب بھینچے چہرہ موڑے بیٹھی رہی تھی۔



وہ آفس میں کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی جب فون بجنے لگا اس نے مصروف سے انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔"

"تو پھر کیا سوچا تم نے میری آفر کے بارے میں؟" وہ یک دم چونکی دوسری طرف عادلہ تھی۔ اس نے موبائل بند کر رکھا تھا وہ اس عورت سے اب کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی مگر اسے قطعی امید نہ تھی کہ وہ عورت آفس کے نمبر پر اسے کال کرے گی۔

"آپ کون؟" اس نے اندر ہی اندر خوفزدہ ہوتے پوچھا تھا۔

"اتنی جلدی بھول گئیں عادلہ بات کر رہی ہوں میں۔"

"میں آپ کو آپ کی اس گھٹیا آفر کا جواب اچھی طرح دے چکی ہوں۔" اس نے خود کو سنبھالتے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تو میں نے تمہیں سوچنے کا وقت دیا تھا مائی ڈیئر۔"

"میرا اب بھی انکار ہے۔ میں عباس صاحب سے کسی بھی قسم کے کوئی سکینڈل نہیں لوں گی۔"

"سوچ لو تمہارے متعلق بہت سارا مواد میرے پاس موجود ہے؟" اس نے دھمکانا چاہا تھا رابعہ نے لب بھینچ لیے۔

"وہ سب جھوٹ ہے۔"

"مگر سچ بننے میں دیر نہیں لگے گی ٹیکنالوجی کا دور ہے دنیا میں اتنا کچھ ہو رہا ہے تم تو خود اسی فیلڈ کی ہو بے خبر تو نہیں ہوں گی نا۔" رابعہ نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

وہ بے انتہا پریشان ہوگئی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اتنا تو واضح ہو چکا تھا کہ عباس سر اور ان کی فیملی بالکل فیئر ہے مگر اب عادلہ کی یہ دھمکیاں ان کا وہ کیا کرتی؟

"آر یو اوکے۔" وہ اسی طرح سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی جب قریب سے آواز سنائی دی تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ سر عباس کھڑے تھے وہ ایک دم سیٹ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

"جی سر۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"لیکن آپ کا چہرہ تو بہت پیلا ہو رہا ہے۔" سر عباس نے کہا تو رابعہ نے ایک دم اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

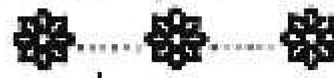
"میں ٹھیک ہوں سر بس سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"اس دن بھی درد ہو رہا تھا آپ اپنا ٹریٹمنٹ کروائیں یہ ہر دوسرے دن کا درد صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا

ہے۔" عباس صاحب نے سرسری انداز میں کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔

"آفس بوائے کے ہاتھ نئے پروجیکٹ والی فائل بھجوائیں میں بابا کے آفس میں جا رہا ہوں۔"

"جی سر۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔ عباس چلا گیا تو وہ ایک دم کرسی پر ڈھے گئی تھی۔



"اگر مصطفیٰ تمہیں لینے گیا تھا تو مجھے بھی بتا دیتا میں بھی ساتھ چلتی۔" مصطفیٰ اور وہ ابھی گھر آئے تھے دریہ دیکھ کر حیران ہوئی تھی مصطفیٰ تو ریڈی ہونے کمرے میں چلا گیا جبکہ شہوار لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی ماں جی گھر پر نہیں تھی اب دریہ کہہ رہی تھی لائبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اس دن بابا صاحب نے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب تو تم گئی نہیں تھیں۔"

"وہ تو بابا صاحب خود آ گئیں لیے تھا تو وہاں اتنے دن جا کر بور ہوتی یہ تو مصطفیٰ کے ساتھ جانا تھا اور واپس آ جانا تھا مصطفیٰ کے ساتھ جانے میں کم از کم بور تو نہ ہوتی۔" شہوار خاموشی سے دریہ کو دیکھے گئی۔

"بوریت کیسی، تابندہ بوا تھیں وہاں اور پھر شہوار بھی تو ساتھ تھی۔" لائبہ بھابی نے مزید کہا۔

"یہ لوگ ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہیں کہ میں ان کے ساتھ اپنا وقت برباد کرتی پھرتی۔" دریہ نخوت سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ بھابی نے حیرانی سے اسے جاتے دیکھا۔

"دیکھا اس کا رویہ؟" بھابی کو بہت غصہ آ گیا تھا۔

"تو غلط کیا کہہ رہی ہے سچ ہی تو ہے۔" اس کے اندر کی تلخی ایک دم پھر سے ابھر آئی تھی۔

"اب خدا کے لیے تم کوئی ایسی ویسی بات مت کہہ دینا مجھے پہلے ہی دریہ پر بہت غصہ ہے۔ تم یہاں تھی نہیں ورنہ دیکھتی کیسے مصطفیٰ مصطفیٰ کرتی پھر رہی تھی۔" شہوار خاموش رہی تھی۔

"بارہ بج رہے ہیں مصطفیٰ کھانا کھا کر ہی آفس جائے گا کھانا ریڈی ہے میں نکالتی ہوں تم بھی منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔"

وہ ہاتھ منہ دھو کر آئی تو بھابی کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔

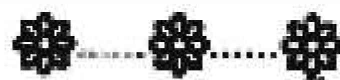
"تم مصطفیٰ کو بلا لاؤ اور دریہ کو بھی کہہ دو۔" بھابی نے کہا تو وہ خاموشی سے مصطفیٰ کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

"توبہ مصطفیٰ مجھے تم پر ترس آتا ہے نجانے تم کیسے شہوار جیسی لڑکی برداشت کر رہے ہو اتنی کنزرویٹو لڑکی ہے۔ لائبہ ہر وقت اس کی فیور کرتی رہتی ہے ورنہ کہاں تم اور کہاں وہ دقیانوسی لڑکی۔ مائی گاڈ۔" دریہ نخوت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا مصطفیٰ شوز پہن رہا تھا اور دریہ پاس کھڑی تھی شہوار دروازے میں ہی رک گئی۔ مصطفیٰ نے شوز پہنتے سر اٹھایا تو پہلی نگاہ شہوار پر پڑی۔

"کھانا ریڈی ہے بھابی ٹیبل پر بلا رہی ہیں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر وہاں سے پلٹ آئی تھی۔

آنکھوں میں نمی سی آنے لگی تو اس نے سر جھٹکا۔

"میں بھلا کیوں انسلٹ فیل کروں، سچ ہی تو کہہ رہی ہے وہ بھلا کہاں مصطفیٰ جیسا مرد اور کہاں میں جوان لوگوں کے پیسے پر پلی بڑھی اور آج کس چیز پر غرور کروں نہ میرے پاس اعلیٰ خاندان کا ٹیگ ہے اور نہ ہی اپنی شناخت کوئی بھی تو قابل فخر بات نہیں ہے میرے اندر۔" وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی اس نے رات مولوی صاحب کے یہاں سے برائے نام کھانا کھایا تھا اور صبح اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا رستے میں ماریہ کے ہاں سے چائے پی تھی گھر آتے آتے اسے بہت بھوک لگ رہی تھی مگر اب دریہ کے الفاظ سن کر اسے لگا جیسے ساری بھوک مر گئی ہو۔ دروازہ لاک کر کے وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔



دن اپنی رفتار میں گزر رہے تھے وہ کالج جارہی تھی روشی اور احسن دو ہفتے بعد ہی سون ٹرپ سے واپس آ گئے تھے احسن اگلے دن ہی آفس جانے لگا تھا روشی پہلے سے کہیں زیادہ نکھر چکی تھی انا اسے آتے جاتے چھیڑتی تو وہ ہنس دیتی وہ آج کالج سے واپس آئی تو ولید گھر پر ہی تھا۔

"آج آپ جلدی آ گئے۔" بیگ اور کتابیں سینٹرل ٹیبل پر رکھتے اس نے پوچھا۔

"ہاں ایک کام تھا تو آنا پڑا۔" ولید اسے جواب دے کر پھر روشی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"تم فائنل بتاؤ تم میرے ساتھ چل رہی ہو کہ نہیں؟"

"سوری بھائی میں اس لڑکی کے لیے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جارہی۔" دونوں میں کوئی بحث ہو رہی تھی انا نے چونک کر دیکھا۔

"کہاں جانا ہے اور کیا بات ہے؟"

"وہ ولی بھائی کی ایک فرینڈ تھی نا کاشفہ؟" روشانے نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

"آج اس کا برتھ ڈے ہے اس نے بھائی کو بھی انوائٹ کیا ہے وہ میری شادی پر آئی تھی اب بھائی کہہ رہے ہیں کہ اگر اس کے انویٹیشن پر نہیں گئے تو اچھا نہیں لگے گا۔ پھر وہ کچھ گفٹ بھی دے کر گئی تھی مگر میرا دل نہیں کررہا جانے کو نجانے کیوں مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی۔" روشانے نے تفصیلات بتائی تو انا نے ولید کو دیکھا۔

"اوکے تم نہیں جانا چاہتی تو نہ جاؤ انا تم چلو گی میرے ساتھ؟" ولید روشانے کے ساتھ مسلسل بحث سے اکتا کر اب اس سے پوچھ رہا تھا وہ حیران ہوئی۔

"اس نے آپ کو انوائٹ کیا ہے آپ جائیں ہمیں کیوں ساتھ باندھ رہے ہیں؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"اصل میں ان لوگوں کو میں بہت زیادہ نہیں جانتا صرف کاشفہ سے ہی ہیلو ہائے ہے وہ روشانے کو گفٹ دے کر گئی تھی اب میں نہ جاؤں تو اچھا نہیں لگتا اور مجھے نہیں علم کس قسم کی گیدرنگ ہوگی اور کس قسم کے لوگ ہوں گے یوں کہہ لو مصطفیٰ کے نکاح اور اپنے گھر کی شادی کی تقریب کے علاوہ پاکستان کے دیگر فنکشن میں کیسے آتے جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں قطعی علم نہیں اسی لیے کہہ رہا تھا۔" ولید نے تفصیل سے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔

"اب جانا اتنا ضروری بھی نہیں پھر بھی ملے تو گفٹ دے دیجیے گا اگر شکوہ کرے تو کہہ دیجیے گا کہ ضروری کام تھا نہیں آسکا۔" روشانے نے مشورہ دیا۔

"اب میں تمہاری طرح اتنا بے مروت نہیں ہوں۔" ولید نے روشانے کو گھورا اور پھر انا کو دیکھا۔

"چلو گی میرے ساتھ یا پھر تم بھی انکار کررہی ہو۔"

"جانے میں تو کوئی حرج نہیں مگر میں بھلا وہاں جا کر کیا کروں گی میری تو کسی سے کوئی سلام دعا بھی نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"میں چل رہا ہوں تمہارے سلام دعا کے لیے میں کافی ہوں۔" ولید نے فوراً کہا تو روشانے ہنس دی۔

"ابھی سے شوہروں والا رعب جمانا شروع کردیا ہے بے چاری پر یاد رکھیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔" روشانے کی بات پر انا کا چہرہ گلنار ہوا تھا۔

"شٹ اپ۔" ولید نے گھور کر کہا تو انا بھی ہنس دی۔

"پلیز بتادو ساتھ چل رہی ہو یا پھر میں اکیلا ہی چلا جاؤں۔" ولید نے پھر پوچھا تو وہ رکی۔

بغور ولید کو دیکھا وہ آفس گیٹ اپ میں تھا بڑا شاندار لگ رہا تھا اگر وہ اکیلا چلا جاتا تو؟ انا کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے کب چلنا ہے؟" اس نے ہامی بھرتے کہا ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تھینکس گاڈ تم مانی تو۔" وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

"اچھا گفٹ بتادو کیا دینا ہے جا کے؟" وہ کتابیں لے کر اٹھنے لگی تو ولید نے پوچھا وہ پھر بیٹھ گئی۔

"جو آپ کو مناسب لگے دے دیں۔ ویسے روشی سے پوچھ لیں۔"

"او کے مغرب کے وقت تیار رہنا جو بھی گفٹ دینا ہو تم میرے ساتھ چل کر دیکھ لینا اس وقت تو میں ایک کام سے جارہا ہوں پھر شام ہی میں ملاقات ہوگی۔" ولید کہہ کر چلا گیا تو انا نے روشی کو دیکھا۔

"کیا ضرورت تھی ہامی بھرنے کی، شادی پر جا رہی ہوں اس سے کافی شاتاف لڑکی ہے مجھے تو کہیں سے بھی اچھی لڑکی نہیں لگی۔ جتنی دیر میرے پاس بیٹھی رہی کسی نہ کسی لڑکے سے فون پر بات کرتی رہی تھی۔"

"تمہاری کی تو وہ دوست ہے نا۔" اس نے مسکرا کر کہا گزشتہ دنوں سے وہ ولید کے معاملات میں خود کو بہت مضبوط کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔

"تمہیں جیلسی نہیں ہو رہی خاصی خوب صورت لڑکی ہے۔" انا نے گزشتہ رویوں کو لے کر روشی نے کریدنا چاہا تھا۔

"نہیں بس خوف آتا ہے۔" انا نے سادگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں لگتا ہے کے میں زرا تنہا کر ساتھ دوں۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

ولید بھی سمن جیسی لڑکی سے تعلقات دن بدن بڑھ رہے تھے وہ کوئی نیگیٹیو بات نہیں سوچنا چاہتی تھی مگر اس کے باوجود وہ لڑکی اس کے دماغ سے نہیں نکل پا رہی تھی شاید اسی لیے وہ ولید کے ساتھ جانے کی ہامی بھر چکی تھی۔ شام تک وہ سخت اضطراب کا شکار رہی تھی۔ ولید نے فون کر کے اسے تیار رہنے کو کہا تھا۔

لاشعوری طور پر اس نے اپنی تیاری میں اچھے لباس جدید اسٹائل وغیرہ کا خیال رکھا تھا میک اپ اس نے نہیں کیا مگر اس ذرا سی تبدیلی سے ہی وہ جگمگ جگمگ کرنے لگی تھی۔ ولید گھر لوٹا تو وہ مکمل طور پر تیار اس کے سامنے چلی آئی تھی۔ ولید اسے دیکھ کر چونکا تھا۔ بڑی محویت سے اس نے انا کو دیکھا تھا۔

"اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تو انا چونکی۔

"کیا ہوا اچھی نہیں لگ رہی کیا؟" ولید کی سنجیدگی سے وہ خائف ہوئی تھی۔

"نہیں خیر نجانے کیسے لوگ ہوں اور کس قسم کی گیدرنگ ہو۔ تم سادگی میں بھی اچھی لگتی ہو خوامخواہ اتنا اہتمام کیا۔" انا جھینپ گئی تھی۔

"میں نے تو سوچا کہ نجانے کیسے لوگ ہوں گے وہ لڑکی اچھی خاصی خوب صورت اور امیر گھرانے کی لگتی ہے۔ تو اسی مناسبت سے ذرا اچھا ڈریس پہن لیا تھا چادر تو میں نے ساتھ لے لی ہے دوپٹہ نہیں لے رہی۔"

"تم اتنی اسٹیٹس کانشس کب سے ہوگئی ہو؟"

"اگر مناسب نہیں لگ رہا تو میں چینج کر سکتی ہوں۔" ولید کے سوال کو نظر انداز کرتے اس نے کہا۔

"رہنے دو اب کافی دیر ہوگئی ہے چلتے ہیں۔"

"آپ چینج نہیں کریں گے۔"
"نہیں۔" ولید انکار کرکے گاڑی کی طرف چلا آیا تھا انا نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔
"آپ نے گفٹ لے لیا ہے یا لینا ہے ابھی۔" اس نے راستے میں پوچھا۔
"لے لیا ہے۔"
"کیا لیا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔
"بیک سیٹ پر پڑا ہوا ہے دیکھ لو۔"
انا نے پلٹ کر دیکھا سفید اور ریڈ پھولوں کا گلدستہ تھا اور ساتھ میں پیکنگ شدہ کوئی چیز تھی۔
اس کے اندر گفٹ کیا ہے انا کا تجسس بڑھنے لگا تھا۔
"کوئی گلاس ہینڈ آرٹیفیشل پیس تھا۔" ولید نے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔ باقی کا رستہ خاموشی سے کٹا تھا۔
پارٹی کا ارینج ہوٹل میں تھا اچھی خاصی گیدرنگ تھی۔ کاشفہ ان کو ریسپشن پر ہی مل گئی تھی۔
ان لوگوں کو آتے دیکھ کر وہ فوراً بھاگ کر قریب آئی تھی۔
"ہیلو۔" اس نے ولید اور انا دونوں سے ہاتھ ملایا تھا انا نے اس کو گفٹ اور پھولوں کا بکے تھمایا تھا وہ بہت خوب صورت سلیولیس فراک میں ملبوس تھی۔ دوپٹے کا تکلف اس نے نہیں کیا تھا وہ مسکرا کر ولید کو دیکھ رہی تھی۔
"ان بلیوایبل، میں سوچ رہی تھی کہ آپ نہیں آؤ گے آئی ایم سرپرائزڈ۔" وہ ولید کو دیکھ کر بہت خوش لگ رہی تھی۔ انا اس کا جگمگاتا حسن دیکھ کر گم صم ہوئی تھی۔
کاشفہ ان کو اپنے ساتھ اندر لے آئی تھی وہ ہر کسی سے ولید کو ملوا رہی تھی جبکہ انا ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی وہ خاموشی سے ولید کو لوگوں سے ہاتھ ملاتے دیکھ رہی تھی۔ پارٹی کافی بڑے پیمانے پر کی گئی تھی انا خود کو وہاں خاصا مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ولید اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔
"لگتا ہے کافی دوستی ہوگئی ہے آپ دونوں کی۔" اب کاشفہ کچھ اور لوگوں کے ساتھ محو کلام تھی اس نے اسے دیکھتے کہا تو ولید مسکرایا۔
"خیر ایسی بات بھی نہیں۔"
"مگر وہ جس طرح آپ کو پروٹوکول دے رہی ہے اور ملوا رہی ہے مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔" وہ جو اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اب ایک دم کہہ دیا تھا لہجے میں تلخی تھی۔
"تو تم جیلیسی فیل کر رہی ہو؟" ولید نے بڑے سکون سے اس کا سکون درہم برہم کیا تھا ایک پل لگا اسے خود کو پرسکون کرنے میں۔
"بڑی خوش فہمی ہے اپنے بارے میں۔" اس نے جل بھن کر کہا تھا۔ ولید ہنس دیا۔
"شکر کرو غلط فہمی نہیں ہے جہاں سے گزر جاؤں لوگ دیدہ و دل فرش راہ کیے رہتے ہیں۔"
"ان لوگوں کی آئی سائیڈ یقیناً ویک ہوگی۔" ویٹران کی ٹیبل پر کولڈ ڈرنک کے گلاس رکھ گیا تھا۔
"یہ جو کاشفہ کے ساتھ کھڑے ہیں یہ کون ہے؟"
"یہ کاشفہ کے والد اور والدہ ہیں اور ساتھ میں اس کی بہن۔"
"ہوں۔ یہ صرف دو ہی بہنیں ہیں؟"
"نہیں اس کا ایک بھائی بھی ہے۔ ایک بار اسپتال میں ہی دیکھا تھا شاید آج کے فنکشن میں وہ شامل نہیں

ورنہ ملواتی ضرور۔"

"کافی حسین فیملی ہے اور کاشفہ سب سے بڑھ کر لگ رہی ہے۔"

"میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں اس سے زیادہ رچ اور خوب صورت لوگ موجود تھے۔" ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تو انا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک سلگتا سا احساس تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"تو پھر ان سے متاثر ہونے کی خاص وجہ؟"

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں ان لوگوں سے متاثر ہوں؟" ولید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ ٹپٹا سی گئی۔

"آپ کے رویوں سے تو یہی لگتا ہے۔" ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرے بارے میں کس حد تک نیگیٹو سوچتی ہو گی۔"

"ولید آئیں میں آپ کو کچھ اور لوگوں سے ملواؤں۔" انا جواباً کچھ کہنے ہی والی تھی کاشفہ درمیان میں آ ٹپکی تھی۔ انا نے کافی ناگواری سے اس کی اس مداخلت کو دیکھا تھا۔

ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا انا اس کے کھڑے ہو جانے پر جل بھن گئی تھی۔

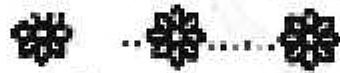
"آپ بھی آئیں انا۔" اس نے انا کو بھی آفر کی تھی۔

"نو تھینکس، میں ایسی مکس گیدرنگ کی عادی نہیں ہوں۔"

"اوہ..... پھر تو آپ کو آنا بھی نہیں چاہیے تھا ہمارے ہاں تو ایسی مکس گیدرنگ، بہت عام بات ہے۔" کاشفہ نے کافی منہ بگاڑ کر کہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم آپ کے مہمانوں سے مل لیتے ہیں انا یہیں ٹھیک ہے وہ یہاں زیادہ ایزی فیل کرے گی۔" انا جواباً کچھ سخت کہنے والی تھی ولید نے درمیان میں مداخلت کر دی تھی انا لب بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"پلیز ریلیکس میں ابھی واپس آتا ہوں۔" ولید کہہ کر چلا گیا تھا۔ انا نے خفگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



شاہزیب صاحب نے بابا صاحب اور تابندہ دونوں سے بات کر کے شادی کی تاریخ فائنل کر دی تھی۔ شہوار کم صم سی ہو گئی تھی عائشہ شادی کی تاریخ طے پانے کا سنتے ہی شہر آ گئی تھی لائبہ تو اپنی پریگنسی کی وجہ سے نہیں آ پا رہی تھی عائشہ ہی ساری شادی کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ روز ماں جی اور دردیہ کے ساتھ بازار کے لیے نکل جاتی تھی۔

شہوار صبح کالج کے لیے نکلی تو عائشہ نے اسے شاپنگ کے لیے ساتھ چلنے کا کہا تھا وہ سنی ان سنی کرتے شاہزیب صاحب کے ساتھ کالج چلی آئی تھی آج کل وہی اسے پک اینڈ ڈراپ کر رہے تھے۔ واپسی پر عائشہ اور دردیہ ڈرائیور کے ساتھ اس کے کالج کے باہر موجود تھیں۔ موبائل پر باہر آنے کا کہا تھا۔ اور اس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ شاپنگ مال میں گھوم رہی تھی۔ ادھر سے ادھر گھومتے کئی بار شہوار کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے اس نے چادر کو اچھی طرح چہرے پر کر لیا۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا شاپنگ تمام مکمل تھی شہوار نے سکون کا سانس لیا تھا اب تھکن کے ساتھ ساتھ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

"شہوار میں نے اس طرف بیگز دیکھے ہیں بہت پیارے ہیں وہ دیکھ لیں پھر گھر چلتے ہیں۔" وہ جو بار بار واپس چلنے کی رٹ لگائے ہوئے تھی عائشہ نے کہا تھا۔

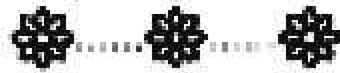
"تم لوگوں نے جانا ہے تو جا کر دیکھ لو میں اب ادھر سے ایک قدم بھی نہیں چلنے والی۔ بھوک سے میری جان نکلنے والی

ہے۔" اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ ایک تو ان چاہی شادی کا عذاب اور اوپر سے یہ شاپنگ وہ نجانے یہ سب کیسے برداشت کررہی تھی۔

"اچھا تم ادھر ٹھہرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔" عائشہ نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں مجھے بھی وہ بیگز اچھے لگ رہے ہیں۔" در یہ بھی ساتھ ہولی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ اطراف میں دیکھتے شاپنگ بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور پھر ایک دم چونک گئی۔ لوگوں کے درمیان سے نکل کر آنے والے شخص کو دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم خوف سے زرد ہوا تھا۔

"ایاز......!" اس کے لب ہلے تھے اس نے ہلنے کی کوشش کرنا چاہی تھی مگر اس کا جسم جامد ہوگیا تھا۔



سہیل بھائی کے ساتھ رہنے والا لڑکا ابوبکر پاکستان آچکا تھا وہ آج کل ان لوگوں کے ہاں رہ رہا تھا اچھا، سلجھا ہوا اور ملنسار لڑکا تھا امی اور ماموں دونوں کو وہ بہت پسند آیا تھا۔ پرسنالٹی کے حساب سے بھی وہ بہت زبردست انسان تھا پھر کئی سالوں سے باہر سہیل بھائی کے ساتھ رہ رہا تھا وہ اس کی ہر طرح کی گواہی دے رہے تھے مگر اس کے باوجود رابعہ کوئی فیصلہ نہیں کرپارہی تھی ماموں اس سے ایک دوبار اس کی رائے مانگ چکے تھے مگر وہ ہر بار انہیں ٹال رہی تھی۔

دوسری طرف عادل کی فون کالز اور دھمکیوں کا سلسلہ بڑھتا جارہا تھا وہ عجیب مصیبت میں خود کو گرفتار محسوس کررہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح اس مسئلے کو حل کرے۔ کبھی جی چاہتا ہے کہ جاب چھوڑ دے اور کبھی عقل روک دیتی اور سب حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر اکساتی تھی۔

دو تین دن سے وہ اور ہادیہ لیٹ آف ہورہی تھیں۔ اس وقت بھی آفس سے نکلتے نکلتے مغرب ہوگئی تھی ہادیہ نے اسے آدھے رستے تک ڈراپ کردیا تھا پھر یہاں سے رکشہ لے کر وہ روانہ جاتی تھی۔ وہ رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی اس کی بیک پر پراپرٹی اسٹیٹ ایجنسی کی بہت بڑی بلڈنگ تھی تبھی اس کے سامنے گاڑی آرکی تھی۔

"آجاؤ میں ڈراپ کردوں گی۔" وہی مخصوص انداز تھا رابعہ نے نفرت سے چہرہ موڑ لیا آج کل اسے یہ عورت دنیا کی انتہائی کریہہ، مکروہ اور بدصورت عورت لگتی تھی۔

"میں تمہیں بہت وقت دے رہی ہوں اس لیے کہ تم کام کی لڑکی ہو ورنہ میں نے کبھی کسی کے اتنے نخرے سہے ہیں اور نہ ہی کسی کو اس کی اوقات سے بڑھ کر امپورٹنس دی ہے کم آن یار، ہم مل بانٹ کر ڈیل کرلیتے ہیں جو تمہاری ڈیمانڈ ہوگی پے کروں گی۔" عادلہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی یہ سب کہہ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں پہلے دن بھی یہ کہا تھا اب بھی کہتی ہوں اور آئندہ بھی میرا یہی جواب ہوگا۔ میں تمہارے کسی بھی شیطانی عمل میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔ تم نے جو کرنا ہے کرلو میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔" اس نے بہت نفرت سے کہا تھا۔ عادلہ گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔

"جانتی ہو تمہیں تمہاری یہ اکڑ بہت مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔" انگلی اٹھا کر وارن کررہی تھی۔

"تم ہوکیا ایک گندی، غلیظ عورت، جاؤ جو کرنا ہے کرلو رابعہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔" بغیر ڈرے اس نے بھی تختی سے کہا۔

"او ہو شٹ اپ۔" اس نے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکیلا تھا۔ عادلہ اپنی گاڑی کے ساتھ جا کر ٹکرائی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

